

# آسان تفسیر قرآن مجید

---

حصہ دوم

## جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

- نام کتاب : آسان تفسیر قرآن مجید  
مؤلف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی  
صفحات : ۱۰۰۲  
سن اشاعت : ۱۴۳۸ھ، ۲۰۱۶ء  
تعداد اشاعت : ایک ہزار (۱۰۰۰)  
کمپیوٹر کتابت : محمد نصیر عالم بسبیلی جالوی، فون نمبر : +91 9959897621  
(العالم اردو کمپیوٹر س، بیت العلم، کوئٹہ پیٹ، بارکس، حیدر آباد)

المعهد العالي الاسلامي حيدرآباد انڈیا

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی

ملنے کے پتے

- ✽✽✽ المعهد العالي الاسلامي، تعلیم آباد، حیدر آباد۔  
✽✽✽ بیت الحمد، قبا کالونی، شاہین نگر، حیدر آباد۔  
✽✽✽ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور (یوپی)۔  
✽✽✽ دکن ٹریڈرس، نزد مغلیہ پانی کی ٹنکی، حیدر آباد۔  
✽✽✽ ہڈی بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، حیدر آباد۔



# آسان تفسیر قرآن مجید

آسان و سلیس اردو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تشریح، جس میں مستند احادیث کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کو واضح کیا گیا ہے، انبیاء اور ان کی اقوام سے متعلق واقعات کے ذیل میں دعوتی نکات اور سبق آموز پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، قرآن مجید سے مستنبط ہونے والے شرعی احکام اور خاص کر جدید مسائل پر توجہ دی گئی ہے، اہل مغرب کی جانب سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے اور عصر حاضر کے غیر اسلامی اور نادرست افکار و نظریات کے بارے میں قرآن مجید کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔

حصہ دوم  
(سورۃ مریم — سورۃ ناس)

از

مولا نا خالدا سیف اللہ رحمانی



إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ  
الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ (الإسراء: ٩)  
یقیناً یہ قرآن سب سے سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے اور ان ایمان  
والوں کو جو اچھے عمل کرتے ہیں، بڑے اجر کی خوشخبری سناتا ہے۔

## فہرست مضامین

- حرفِ اولیں : مؤلف کتاب ۱۱
- مقدمہ : حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ۱۲
- تفسیر کی خصوصیات
- عصر حاضر کے اسلوب اور طریق کار کی بھرپور رعایت : حضرت مولانا مفتی احمد غانی پوری ۱۴
- بیش قیمت علمی تحفہ : حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری ۱۷
- عوام و خواص دونوں کیلئے مفید : حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی ۲۰
- تاثرات
- ایک مستند تفسیر : حضرت مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی ۲۷
- جملہ تفاسیر متداولہ سے مستفاد : حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی ۲۹
- بعض بڑی تفاسیر پر بھی بھاری : حضرت مولانا محمد سلمان مظاہری ۳۱
- امتیازی شناخت کا حامل اور مثالی کام : حضرت مولانا نور عالم غلیل امینی ۳۲
- ادیب الفقہاء مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا ترجمہ و تفسیر قرآن مجید — ایک تاثر ۳۴
- : حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی ۳۴
- بہت قابل قدر اور لائق توجہ : حضرت مولانا سید شاہد علی حسینی ۳۷
- قابل تحسین خدمت : حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن فتح پوری ۳۸
- اردو کے تفسیری لٹریچر میں گرانقدر اضافہ : حضرت مولانا عتیق احمد بستیوی ۳۹
- سلف صالحین کی تحقیق سے سہ مواخراف نہیں : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی ۴۱
- بھرپور اور کامیاب کوشش : حضرت مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی ۴۴
- معتبر تفاسیر قرآنی کا عطر : حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی ۴۶
- وقت کی ضرورت کے مطابق : حضرت مولانا مفتی عبداللہ مظاہری ۴۷

## آسان تفسیر

۶

## فہرست مضامین

۴۹	○ سورۃ مریم
۵۱	❖ سولہوال پارہ
۶۹	○ سورۃ طہ
۸۹	○ سورۃ انبیاء
۹۱	❖ سترہوال پارہ
۱۱۵	○ سورۃ حج
۱۳۷	○ سورۃ مؤمنون
۱۳۹	❖ اٹھارہوال پارہ
۱۵۳	○ سورۃ نور
۱۵۸	○ سورۃ فرقان
۱۹۲	❖ انیسوال پارہ
۲۰۳	○ سورۃ شعراء
۲۲۱	○ سورۃ نمل
۲۳۵	❖ بیسوال پارہ
۲۴۳	○ سورۃ قصص
۲۶۳	○ سورۃ عنکبوت
۲۷۳	❖ اکیسوال پارہ
۲۷۹	○ سورۃ روم
۲۹۵	○ سورۃ لقمان
۳۰۷	○ سورۃ سجدہ
۳۱۵	○ سورۃ احزاب
۳۲۰	❖ بائیسوال پارہ
۳۴۹	○ سورۃ سبا
۳۶۷	○ سورۃ فاطر

۳۸۱	○ سورہ یٰسین
۳۸۷	❖ تین سو ال پارہ
۳۹۷	○ سورہ صافات
۴۱۷	○ سورہ قص
۴۳۵	○ سورہ زمر
۴۴۶	❖ چوبیسواں پارہ
۴۵۵	○ سورہ غافر مؤمن
۴۷۳	○ سورہ نجم السجدة / فصلت
۴۸۸	❖ پچیسواں پارہ
۴۹۱	○ سورہ شورئ
۵۰۷	○ سورہ زخرف
۵۲۳	○ سورہ دُخان
۵۳۱	○ سورہ جاثیہ
۵۴۱	○ سورہ احقاف
۵۴۳	❖ چھبیسواں پارہ
۵۵۳	○ سورہ محمد
۵۶۷	○ سورہ فتح
۵۸۱	○ سورہ حجرات
۵۹۱	○ سورہ ق
۶۰۱	○ سورہ ذاریات
۶۰۷	❖ ستائیسواں پارہ
۶۱۱	○ سورہ طور
۶۱۹	○ سورہ نجم

۶۳۱	○ سورۃ قمر
۶۳۹	○ سورۃ رحمن
۶۴۹	○ سورۃ واقعہ
۶۵۹	○ سورۃ حدید
۶۷۱	○ سورۃ مجادلہ
۶۷۳	❖ اٹھائیسواں پارہ
۶۸۳	○ سورۃ حشر
۶۹۵	○ سورۃ ممتحنہ
۷۰۵	○ سورۃ صفّ
۷۱۵	○ سورۃ جمعہ
۷۲۳	○ سورۃ منافقون
۷۲۹	○ سورۃ تغابن
۷۳۵	○ سورۃ طلاق
۷۴۵	○ سورۃ تحریم
۷۵۳	○ سورۃ ملک
۷۵۵	❖ انتیسواں پارہ
۷۶۱	○ سورۃ قلم
۷۷۱	○ سورۃ حاقہ
۷۷۷	○ سورۃ معارج
۷۸۳	○ سورۃ نوح
۷۸۹	○ سورۃ جن
۷۹۷	○ سورۃ مزمل
۸۰۳	○ سورۃ مدثر
۸۱۱	○ سورۃ قیامت

۸۱۹	○ سورۃ دھر
۸۲۷	○ سورۃ مرسلات
۸۳۳	○ سورۃ نباء
۸۳۵	❖ تیسواں پارہ
۸۳۹	○ سورۃ نازعات
۸۴۵	○ سورۃ عبس
۸۵۱	○ سورۃ تکویر
۸۵۷	○ سورۃ انفطار
۸۶۱	○ سورۃ مطففین
۸۶۷	○ سورۃ انشقاق
۸۷۱	○ سورۃ بروج
۸۷۷	○ سورۃ طارق
۸۸۱	○ سورۃ اعلیٰ
۸۸۷	○ سورۃ غاشیہ
۸۹۱	○ سورۃ فجر
۸۹۷	○ سورۃ بلد
۹۰۳	○ سورۃ شمس
۹۰۷	○ سورۃ لیل
۹۱۱	○ سورۃضحیٰ
۹۱۵	○ سورۃ الم نشرح
۹۱۹	○ سورۃ تین
۹۲۳	○ سورۃ علق
۹۲۹	○ سورۃ قدر
۹۳۳	○ سورۃ مینہ

۹۳۷	○ سورۃ زلزال
۹۴۱	○ سورۃ عادیات
۹۴۵	○ سورۃ قارعہ
۹۴۹	○ سورۃ تکوین
۹۵۳	○ سورۃ عصر
۹۵۷	○ سورۃ ہمزہ
۹۶۱	○ سورۃ فیل
۹۶۷	○ سورۃ قریش
۹۷۱	○ سورۃ ماعون
۹۷۵	○ سورۃ کوثر
۹۷۹	○ سورۃ کافرون
۹۸۳	○ سورۃ نصر
۹۸۷	○ سورۃ تبت الہب
۹۹۱	○ سورۃ اخلاص
۹۹۵	○ سورۃ فلق
۹۹۹	○ سورۃ ناس
۱۰۰۰	● حرفِ آخریں : مؤلف کتاب



## حرفِ اولیں

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ آسان تفسیر کی دوسری جلد (سورہ مریم — سورہ ناس) پریس میں جارہی ہے، بجز اللہ عوام و خواص کے درمیان اسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، خدا کرے کہ رب کائنات کی بارگاہ میں قبول ہو جائے کہ ایک غلام کے لئے اس سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا مالک اس کی پیش کی ہوئی متاعِ حقیر کو قبول فرمالے، اس کی جلد اول کے تین ایڈیشن ہندوستان سے اور متعدد ایڈیشن پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں، ہندی کے علاوہ جنوبی ہند کے علاقہ تلنگانہ و آندھرا پردیش کی زبان تلگو اور مہاراشٹر کی زبان مراٹھی میں بھی ترجمہ جاری ہے اور بنگلہ دیش میں بنگلہ ترجمہ کا کام شروع ہو چکا ہے۔

جلد اول کی اشاعت کے بعد اس کے نسخے مختلف بزرگوں کی خدمت میں روانہ کئے گئے، انھوں نے بڑے حوصلہ افزاء تاثرات لکھ کر بھیجے، جو اس حقیر کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں، اس دوسری جلد کے شروع میں ان کو شامل کر دیا گیا ہے؛ البتہ جو تحریریں طویل تھیں، ان میں سے اقتباسات لے لئے گئے ہیں اور اصل عبارت میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، یہ حقیر اپنے ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا شکر گزار ہے، فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو اس کے لئے نیز اس کے والدین اور اساتذہ و مشائخ کے لئے صدقہ جاریہ بنادے۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(بیت الحمد، شاہین نگر، حیدرآباد)

۲۵ شوال ۱۴۳۷ھ

۳۱ جولائی ۲۰۱۶ء

## مقدمہ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين  
و خاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين ، وعلى آله وصحبه  
أجمعين ، وبعد !

ایک زبان سے دوسری زبان میں اہم معانی کو ان کے عین مطابق منتقل کرنا مشکل ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن کے قریب ہے، البتہ عام اور آسان معانی کو منتقل کرنا بڑی حد تک ممکن ہے؛ لیکن معانی میں اگر کیفیت اور گہرائی ہو تو ان کا حق ادا کرنا آسان نہیں ہوتا اور معاملہ جب کلامِ الہی کا ہو تو بڑی ذمہ داری کی اور مشکل بات ہوتی ہے۔

لیکن قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اور اللہ رب العزت کے حکموں اور ہدایتوں کو سمجھنے کے لئے اس کے معانی سے واقف ہونا ضروری ہے؛ لہذا زبان اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھنے والے اور پختہ استعداد لوگوں کی طرف سے طالب ہدایت لوگوں کے لئے ترجمہ کا کام انجام دیا گیا ہے کہ عربی نہ جاننے والے لوگوں تک ہدایت الہی کے امور ضروری حد تک پہنچائے جاسکیں؛ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب کے وقت سے اردو زبان میں عربی نہ جاننے والوں کے لئے قرآن مجید کے ترجمہ کا سلسلہ شروع ہوا اور متعدد جدید علماء نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق یہ خدمت انجام دی، پھر اردو زبان بننے کے بعد اردو میں یہ کام بتدریج علماء کی کوششوں کا میدان بنا، اردو زبان میں جیسے جیسے ترقی ہوئی، اس کے مختلف انداز اور ادائیگی معانی میں ترقی ہوئی اور اردو نے خاص طور پر عربی زبان سے فائدہ بھی بہت اٹھایا؛ لہذا اس میں عربی زبان کے معانی کی منتقلی بہتر ہوئی اور قرآن مجید کے متعدد معتبر ترجمے تیار ہوئے۔

موجودہ وقت میں بھی کئی جید الاستعداد علماء نے ترجمے تیار کئے ہیں، جن میں تشریحی نوٹ کے ذریعہ ایسے معانی کو واضح کیا گیا ہے، جو محض ترجمہ سے سمجھ میں نہیں آسکتے، ان میں ایک بہتر ترجمہ اور شرح عزیز مکرم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (زیدت حسانت) کا ہے، جنہوں نے جامعہ رحمانی مولگیر اور دارالعلوم دیوبند سے تحصیل علم کر کے علوم اسلامیہ کی تشریح اور اشاعت میں مشغولیت رہتے ہوئے قرآن و حدیث اور فقہ کے معانی کو بہتر طریقہ سے سمجھا اور اس کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے، فقہ میں خاص طور سے ان کا بہت اچھا اور نمایاں کام ہے اور فقہ کا فن غور و تحقیق کا نام ہے؛ لہذا قرآن مجید کے احکام و معانی کو سمجھنے اور پیش کرنے میں بھی ان کی محنت لائق تحسین اور قابل استفادہ ہے۔

قرآن مجید کے مضامین کی ترجمانی کی اہمیت کے سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن کے مفصل مقدمہ میں اس ذمہ داری کا ذکر کیا ہے، مشکلات کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں اور اپنے ترجمہ قرآن میں زیادہ سے زیادہ اس کا لحاظ کیا ہے، انھوں نے قرآن مجید کے مختلف معجزانہ پہلوؤں کو بھی ذکر کیا ہے، جن سے قرآن مجید کی عظمت اور اعجاز کی وضاحت ہوتی ہے؛ غرض کہ ان کا ترجمہ قرآن کا یہ کام مفید اور لائق قدر ہے اور اُمید ہے کہ اس سے استفادہ کرنے والوں کو انشاء اللہ قرآن فہمی میں خاصی مدد ملے گی، میں عزیز مکرم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی علمی قابلیت اور بصیرت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اُمید کرتا ہوں کہ ان کا یہ کام تشریح معانی قرآن کے سلسلہ میں ایک اچھا اور مفید اضافہ ہوگا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم: ندوۃ العلماء لکھنؤ و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

۲۶ شوال ۱۴۳۶ھ، ۱۲ اگست ۲۰۱۵ء



## تفسیر کی خصوصیات

### عصر حاضر کے اُسلوب اور طریق کار کی بھرپور رعایت

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم ، اما بعد !

قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر ہر زمانے اور ہر زبان میں بیسیوں لکھی گئی ہیں اور کسی کو بھی یہ دعویٰ نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا؛ اس لئے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے، جو بذاتِ خود ایک عظیم الشان زندہ جاوید معجزہ ہے اور کوئی اس کے بے مثال اُسلوب بیان اور بے پناہ تاثیر کو کسی انسانی زبان میں منتقل کر دے، بالکل ناممکن ہے۔

زیر نظر ترجمہ و تفسیر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہم کے قلم سے ہے، موصوف کا شمار عصر حاضر کے ممتاز فقیہ اور کثیر التصانیف علماء میں ہے، ان کی فقہی بصیرت سے اہل علم بخوبی واقف ہیں، عصر حاضر کے نت نئے اور پیچیدہ مسائل کے حل میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

سرسری مطالعہ سے اس ترجمہ و تفسیر کی چند خصوصیات نظر آئیں :

(۱) پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی صاحبِ فکر شخصیت کے قلم سے ہے، جو جدید ذہن کی دکھتی ہوئی رگوں سے بخوبی واقف ہیں، یہی وجہ ہے کہ جن مقامات پر تشکیک زدہ دماغ میں طرح طرح کے اعتراضات و شبہات کلبلا یا کرتے ہیں، وہاں سے وہ اپنے قاری کو بڑی سلامتی کے ساتھ گزار لے گئے ہیں، اعتراضات کے دور کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے اعتراض قائم کیا جائے، اس کے بعد اس کا جواب دیا جائے، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بات ایسے اچھے اُسلوب اور دل آویز انداز میں کہہ دی جائے کہ اعتراض و شبہ ذہن میں پیدا ہی نہ ہو، موصوف نے تقریباً تمام مقامات پر اس دوسرے طریقے کو اختیار فرمایا ہے، تشکیک زدہ دماغوں کے لئے یہ دوسرا طریقہ سلامتی والا ہے۔

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ادیانِ باطلہ، غلط نظریات اور افکارِ باطلہ کے حاملین کا نام لئے بغیر مثبت لب و لہجے میں اطمینان بخش طریقہ پر ان کی تردید کی گئی ہے، تردید کا یہ اُسلوب نبوی طریقے سے ہم آہنگ ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کسی خامی پر تنبیہ کرنے یا کسی عمل پر آمادہ کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار فرماتے، جو اصلاحِ حال کے لئے دل آویز اور بے حد مؤثر ہے، اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے، آپ ﷺ نے قبیلہ اشعر کے لوگوں کو دینی احکام کی تبلیغ پر ابھارنے اور بادیہ نشینوں کو دینی اُمور سیکھنے میں کوتاہی کرنے پر ایک تبلیغ خطبہ دیا تھا، جس کا ایک شہ پارہ یہ ہے :

مَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يَفْقَهُونَ جِيرَانَهُمْ؟ وَلَا يَعْلَمُونَهُمْ؟ وَلَا يَفْطَنُونَهُمْ؟  
وَلَا يَأْمُرُونَهُمْ؟ وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ؟ وَمَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يَتَعَلَّمُونَ مِنْ  
جِيرَانِهِمْ؟ وَلَا يَتَفَقَّهُونَ؟ وَلَا يَتَفَطَّنُونَ؟ وَاللَّهِ لَيَعْلَمَنَّ قَوْمُ  
جِيرَانِهِمْ، وَيَفْقَهُونَهُمْ، وَيَفْطَنُونَهُمْ، وَيَأْمُرُونَهُمْ، وَيَنْهَوْنَهُمْ،  
وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيرَانِهِمْ، وَيَتَفَقَّهُونَ، وَيَفْطَنُونَ، أَوْ لَا عَاجِلَ لَهُمْ  
العقوبة في الدنيا۔ (الترغيب والترهيب، والحافظ الهيثمي في مجمع الزوائد)

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ بیش تر مقامات پر مآخذ کی نشان دہی فرمادی ہے، بعض جگہوں پر عربی عبارتوں کے مختصر اقتباسات بھی ساتھ ساتھ تحریر کر دیئے ہیں، اس سے اہل علم کو اصل مراجع بڑی آسانی سے ہاتھ لگ گئے، نیز علمی امانت و دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تحریر حوالہ جات سے مرصع ہو۔

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید کی جو آیات احکام سے متعلق نہیں ہیں؛ بلکہ تذکیر یا اعتقادات وغیرہ سے متعلق ہیں، یا کسی واقعے کے ذیل میں کسی برائی کی اصلاح کی طرف معمولی اشارہ کیا گیا ہے، ایسی آیات اور جگہوں (یعنی غیر مظان حصہ) سے فقہی احکام و مستنبط کردہ مسائل کا اس تفسیر میں بڑا ذخیرہ ہے، جو موصوف کی غیر معمولی فقہی بصیرت کا بولتا ثبوت ہے؛ اس لئے یہ تفسیر اہل افتاء و فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دینے والے حضرات کے لئے بھی گوہر نایاب ہے؛ بلکہ احقر کی رائے ہے کہ تفسیر کا یہ حصہ مزید وضاحت کے بعد مستقل شائع کیا جائے تو اہل علم و فتویٰ کے لئے استفادہ میں سہولت ہوگی۔

(۵) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ تفسیر میں تحقیق اور اعتدال کا وصف نمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ مختصر اور جامع ہے، دورِ حاضر میں ایسی مختصر اور جامع تفسیر کی خاص ضرورت ہے۔

(۶) چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ دورِ حاضر کے اُسلوب اور لب و لہجے کے مطابق ہے، ہر زمانے کی ایک زبان ہوتی ہے، جس کو قدرتی عوامل، دنیاوی اسباب اور تکوینی وجوہات کی وجہ سے قبولیت عامہ حاصل ہوتی ہے، اُس اُسلوب اور زبان میں اگر کوئی بات کہی جائے تو افادہ اور استفادہ کا دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہر زمانہ میں بات پیش کرنے کا ایک خاص طریقہ ہوتا ہے، بات کو چاہے جتنا دل نشیں، مدلل اور جامع انداز میں پیش کیا جائے؛ مگر اُس زمانے کے طریقے اور اُس دور کی نفسیات کی رعایت نہ کی جائے، تو اسے وہ اثر پذیری نہیں ملتی جو مقصود و مطلوب ہوتی ہے، زیرِ نظر تفسیر میں عصرِ حاضر کے اُسلوب اور طریقے کی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔

تحریر ختم کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر کے ایک خواب اور تعبیر پر نکتہ پیش کر کے قارئین کو ملاحظہ کرنا چاہتا ہوں :

موصوف نے صفحہ نمبر: ۱۳ پر اپنا ایک خواب تحریر فرمایا ہے، جس میں خواب میں گڑ کا بڑا ڈھیلا حضرت قاری

امیر حسن صاحب کو پیش کرنا، پھر اُن کا اپنے دست بابرکت میں لے کر حضرت قاری محمد طیب صاحب کو پیش کرنا تحریر فرمایا ہے، اس پر اُردو کا محاورہ اور مثل یاد آگئی کہ: ”گڑ نہ دے تو گڑ سی بات کہے“، یعنی کوئی اچھا کام نہ کر سکو تو نرمی اور خوش کلامی سے بول کر ہی مخاطب کو خوش کر دو، موصوف نے تو ماشاء اللہ عصر حاضر کی اہم ضرورت پورا کر کے بہترین کام بھی کیا ہے اور اُسلوب بیان سے قارئین کو خوش بھی کر دیا، گویا گڑ بھی اور گڑ سی بات بھی، سونے پر سہاگہ!

دل سے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ و تفسیر سے بیش از بیش اُمت کو استفادے کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے، جن نیک مقاصد کے پیش نظر یہ لکھی گئی ہے، ان میں بے حد کامیابی نصیب فرمائے اور ہماری زندگی کا ہر لمحہ اُس کے مبارک کلام میں غور و تدبر اور اس کے تذکرے سے معطر رہے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری

(مفتی و شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات)

۲۱ رذوالحجہ ۱۴۳۶ھ



## بیش قیمت علمی تحفہ

اُردو زبان کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ پر مبنی نہیں ہوگا کہ عربی کے بعد اسلامی علوم و فنون کا بیش بہا ذخیرہ اسی زبان کی گود میں ہے، اگر ہم قرآن کریم کے اُردو ترجمہ و تفسیر پر نظر ڈالیں تو اس کا ایک طویل سلسلہ ہے اور ہر زمانہ میں موجود بالغ نظر علماء نے اس جانب توجہ دی ہے، اُردو ترجمہ و تفسیر کے اس گلستان میں مختلف طرح کے علمی و تحقیقی بیل بوٹے نظر آتے ہیں اور ہر تفسیر ایک الگ مخصوص انداز میں نظر آتی ہے، جو کسی خاص پس منظر میں وجود میں آئی ہے۔

زیر نظر تفسیر ”آسان تفسیر قرآن مجید“ برصغیر کے ممتاز فقیہ، محدث اور داعی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کی نئی عظیم الشان کاوش ہے، مولانا موصوف عرصہ دراز تک اسلامی علوم و فنون کی درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تقریر و تحریر کا ایک انوکھا انداز عطا کیا ہے، آپ کی تحریریں زبان و ادب اور شائستگی و شگفتگی کا نمونہ ہوتی ہیں، آپ نے اپنے چند مجہین کی خواہش و اصرار پر قرآن کریم کی یہ بیش بہا خدمت انجام دی ہے، جو یقیناً اُردو داں حضرات کے لئے ایک قیمتی علمی تحفہ ہے۔

مولانا محترم نے اپنے اس تفسیری نوٹ میں مستند علمی مراجع سے استفادہ، اسلام مخالف غلط فہمیوں کا جواب، فقہی مسائل کا خوش اُسلوبی سے بیان، نئے اور جدید مسائل کی طرف اشارہ، افکار باطلہ کی تردید اور دعوت قرآنی کی مکمل وضاحت کا خاص طور پر خیال رکھا ہے، خصوصاً قرآن کریم کے دعوتی پہلوؤں، قرآنی آیات سے مستنبط ہونے والے دعوتی اُمور کی طرف خصوصیت سے توجہ مبذول کرائی ہے۔

یہ تفسیر اپنے اندر بہت سی خصوصیات کی حامل ہے، جو اہل علم کو اثناء مطالعہ نظر آئیں گی، ابھی سر دست کچھ چیزوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے :

(۱) کسی آیت سے مستنبط مسائل کا ترتیب وار بیان، جیسا کہ آیت مدایت کے ذکر کے بعد مولانا موصوف نے

کیا ہے۔

(۲) قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کے فضائل کے بیان کا بھی اہتمام برتا گیا ہے۔

(۳) مولانا موصوف نے کہیں کہیں پیش رو علماء کی تفسیر تقابلی انداز میں بھی پیش کی ہے؛ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ:

”فإن ذلك من عزم الأمور“ کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ، مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کی تفسیریں ذکر کی ہیں، جو یقیناً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مولانا موصوف نے اپنی اس تفسیر میں سلف کے علوم کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا ہے۔

(۴) مغربی مصنفین کے باطل آراء و افکار پر بھی مولانا موصوف اپنی اس تفسیر میں جا بجا رد کرتے ہیں؛ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے نام ”آزر“ کے سلسلہ میں آپ نے بہت ہی علمی و تحقیقی ترجمانی کی ہے۔

(۵) نئے فقہی مسائل سے بھی مولانا موصوف نے اپنے فقہی ذوق کے بنا پر اس تفسیر میں اعتناء برتا ہے؛ چنانچہ آیت قرآنی: ”ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق“ کی تفسیر میں برتھ کٹرول اور اس سے متعلق احکام پر ایک گونہ وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔

(۶) مولانا موصوف اپنی اس تفسیر میں اسلام کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا جواب دینے سے کہیں چوکتے نہیں ہیں، مثلاً: ایک جگہ عیسائیوں کے اس کھوکھلے دعویٰ کی کہ ان کے یہاں جہاد کا تصور نہیں، کی قلعی کھولی ہے اور تفصیل سے ان کی کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے۔ (دیکھئے: صفحہ نمبر: ۶۰۸)

(۷) واقعہ نگاری اور کسی قصہ کو تسلسل و سیاق کے ساتھ بیان کرنا موصوف کی تحریر کی ایک اہم خصوصیت ہے؛ چنانچہ سورہ یوسف میں آیت نمبر: ۵۸ سے ۸۶ اور سورہ کہف کی آیت نمبر: ۶۰ تک کی تفسیر میں آپ نے جس روانی اور خوش اُسلوبی سے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کی داستان بیان کی ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ (دیکھئے: صفحہ نمبر: ۷۱۱-۷۱۵، ۸۶۱)

(۸) قرآنی قصص سے مستنبط عبرت و موعظت کے حامل سبق آموز پہلوؤں کی طرف رہنمائی بھی مولانا موصوف جا بجا کرتے رہے ہیں؛ چنانچہ اسی سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے جو عبرت و موعظت کے پہلو آپ نے مرتب انداز میں بیان کئے ہیں، ان کی تعداد پندرہ کے قریب ہے۔

(۹) مختلف تفسیری اقوال میں مولانا موصوف نے خاص طور پر ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی تفسیری آراء سے استفادہ کیا ہے اور اسے دوسرے اقوال پر ترجیح دی ہے؛ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کالمہل یشوی الوجوہ“ میں مہل کا اور ”وکان له ثمر فقال لصاحبه“ میں ”ثمر“ کا ترجمہ آپ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی رائے کے مطابق کیا ہے۔ (دیکھئے: صفحہ نمبر: ۸۵۴-۸۵۵)

(۱۰) ہر سورہ کی ابتداء میں ایک مختصر توضیحی نوٹ کے ذکر کرنے کا مولانا موصوف نے اہتمام کیا ہے، اُردو تفسیر میں یہ ایک ابدائی عمل ہے، جس سے قارئین کو اس سورت کے مختصر تعارف سے واقف ہونے کا موقع ملتا ہے۔



اس مختصر سی تحریر میں اس تفسیر کی خصوصیات کو جمع کرنا مقصود نہیں؛ بلکہ چند چیزوں کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوا کہ قارئین کے سامنے اس تفسیر کے کچھ امتیازی پہلو آجائیں۔

اخیر میں، میں اس عظیم کاوش پر مولانا مدظلہ کو خصوصی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی دوسری کتابوں کی طرح؛ بلکہ ان سے زیادہ کتاب الہی کی اس خدمت کو شرف قبولیت بخشے اور اہل علم کو اس بیش قیمتی علمی تحفہ سے استفادہ کی توفیق دے۔

**حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری**

(قاضی شریعت دارالقضاء: امارت شرعیہ بہار، اُڑیسہ و جھارکھنڈ)



## عوام و خواص دونوں کیلئے مفید

اُردو زبان میں منتقل ہونے والے قرآنی علوم و معارف اگرچہ اپنے دور کے ممتاز و خدا ترس علماء نے رائج الوقت زبان میں لکھے تھے، جسے اس دور کے لوگوں نے ہاتھ در ہاتھ لیا اور خوب استفادہ کیا، مگر زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ زبان کا انداز اور ادب کا معیار بدل گیا، الفاظ بدلے، تعبیرات بدلیں، لب و لہجہ بدلا، ادائیگی بدلی اور دیکھتے ہی دیکھتے نوبت بایںجا رسید کہ کسی زمانے کی فصیح و بلیغ کتاب اُردو کو سمجھنا بعد والوں کے لئے دشوار ہو گیا اور وہ کتابیں جو اپنے زمانے میں گنجینہ علوم و معارف مانی گئی تھیں، لسانی قدامت کے سبب لوگوں کی بے توجہی کا شکار ہو گئیں، علماء کرام نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ان ہی علوم و معارف کو محاضرات جدید و حواشی مفید جدید اُردو کے قالب میں ڈھال کر لوگوں کو دوبارہ قرآن کریم سے جوڑ دیا، یہی سلسلہ وقفہ وقفہ سے اب تک جاری ہے اور اُمید ہے کہ دن بہ دن بدلنے والے احوال، جدید تقاضے، مخالفین کے نئے نئے شبہات و اعتراضات اور آئے دن ہونے والی لسانی تبدیلیوں کے سبب جب تک دنیا کی نبض میں دھڑکن باقی رہے گی، نبض شناس علماء کرام مرض کی تشخیص کر کے طریقہ علاج بدلتے رہیں گے، زیر نظر کتاب ”آسان تفسیر قرآن مجید“ بھی اسی متبرک سلسلہ الذہب کی ایک اہم کڑی ہے۔

”آسان تفسیر قرآن مجید“ کے مؤلف اپنے آپ میں ایک انجمن ہیں، قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے لئے علماء اُصول تفسیر نے جو اُصول و ضوابط یا قیود و شرائط ذکر فرمائی ہیں، الحمد للہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم میں باحسن وجہ پائی جاتی ہیں، علم حدیث سے آپ کو گہرا شغف ہے، دیگر حدیث کی کتابوں کے ساتھ بخاری شریف کی تدریس طویل عرصہ سے آپ کے ذمہ رہی ہے؛ جو فی زمانہ خدمت حدیث کی اعلیٰ سند اور مستقل شرف ہے، علم الفقہ میں آپ برصغیر کے علاوہ عرب علماء کرام کے بھی معتمد ہیں؛ بلکہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا مرکز ثقل اب آپ ہی کی ذات گرامی ہے، علوم عربیت کی کل کتابیں آپ نے برسہا برس پڑھائی ہیں؛ بلکہ بعض کے آپ شارح ہیں، مضمون نگاری میں آپ صاحب طرز انشاء پرداز ہیں، خشک سے خشک مضمون کو اس قدر شیریں بنا کر پیش کرتے ہیں کہ سب کو باسانی ہضم ہو جاتا ہے اور سخت بات اتنے پیارے انداز میں لکھتے ہیں کہ خود صاحب واقعہ قبول کر لینے میں دریغ نہیں کرتا، تحریر میں حوالہ کا اہتمام آپ کا امتیاز ہے، تحقیق کا حق ادا کرتے ہیں، بہت ساری باتیں پہلی بار آپ ہی کی تحریروں میں پڑھنے کو ملتی ہیں اور بہت سی وہ باتیں جو لوگوں میں ادھوری رائج ہو جاتی ہیں، آپ کی تحریر میں وہ مکمل ہوتی ہیں، حسن ابتداء آپ کی تحریر کا

اوج کمال ہے، براعت استہلال کی رعایت آپ کی تحریر میں جتنی زیادہ ہوتی ہے، بہت کم دوسری تحریروں میں نظر آتی ہے، قضاء اور امور قضاء کا آپ گہرا تجربہ رکھتے ہیں؛ بلکہ کئی قضاة کے آپ رہبر و رہنما ہیں، ہندوستان کے کئی اہم اداروں کے رکن رکن اور بالخصوص مسلم پرسنل لا بورڈ جیسے بھاری بھر کم ادارے کے کلیدی عہدے پر فائز رہ کر کلیدی امور انجام دیتے ہیں، کئی علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف، فتاویٰ کے مؤلف اور سینکڑوں مفید مضامین کے مرتب ہیں، کرنٹ ایشو پر اُمت کی فوری رہبری آپ کا خاص مزاج ہے، المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد کے روح رواں اور اس کے اختصاص کے شعبوں کے ذریعہ اُمت اسلامیہ ہندیہ کی خدمت میں کئی محدثین، مفسرین، فقہاء، قضاة اور دعاة کا نذرانہ پیش کرنے والے ہیں، المختصر اللہ تعالیٰ نے ہمارے فاضل دوست میں گونا گوں خصوصیات اور نوع بنوع صفات جمع فرمادی ہیں:

”ولیس علی اللہ بمستنکر أن یجمع العالم فی واحد“ تفسیر کے لئے ضروری علوم، فنی مہارت، طویل تجربہ اور احوال سے واقف ایسے شخص کو حق تھا کہ اپنے مخصوص انداز میں اُمت مسلمہ کی خدمت میں قرآن کریم کی تفسیر پیش کرتا، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کا داعیہ پیدا فرمایا اور اوقات، عمر، صحت اور فکر و قویٰ میں برکت دے کر بعافیت تمام اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت عامہ عنایت فرمائے اور اسے قرآن فہمی کا مؤثر ذریعہ بنائے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ہم نے تفسیر کا اکثر حصہ پڑھا، دوران مطالعہ تفسیر کے بارے میں جو رائے خود بخود ذہن و دماغ میں قائم ہوئی، وہ بلا کسی کی پیشگی اور تصنع و تکلف کے پیش خدمت ہے :

○ سلف صالحین کی تفاسیر پر مکمل اعتماد کیا گیا ہے، اس سے سرمو انحراف؛ لگتا ہے کہ مصنف کے مزاج و مذاق کے خلاف ہے۔

○ اسرائیلی روایات ”جو اسلاف کی تفاسیر میں بھی در آئی ہیں“ سے یا تو بچ کر نکل گئے ہیں، یا ”یہاں بہت ساری اسرائیلی روایات کا ذکر آتا ہے، جو قابل اعتبار نہیں“ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئے ہیں۔

○ معجزات وغیرہ کے معاملے میں جہاں بعض اُردو مفسرین نے غیر شرعی موقف اختیار کیا ہے، آپ نے سلف صالحین والا واضح عقیدہ سمجھایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے نبی کے ہاتھوں خلاف عادت بات ظاہر فرمادیں تو اللہ کی قدرت پر نظر کرتے ہوئے اس میں کوئی استبعاد یا تردد نہیں ہونا چاہئے۔

○ بعض طول طویل بحثوں کو آسان بنا کر چند جملوں یا سطروں میں کوزے میں دریا کی طرح بہت ہی خوبی اور خوش اُسلوبی سے پیش کر دیا ہے، بجائے بحث کے بحث کا لب لباب یا خلاصہ پیش کر دینا کثرت مطالعہ اور طویل تجربہ کے بغیر ممکن نہیں۔

○ انداز البیلا، عوام و خواص دونوں کے لئے مفید، نہ صرف خواص کا انداز کہ عوام کے پلے نہ پڑے اور نہ صرف عوامی باتیں کہ خواص ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کریں۔

○ عصری تعلیم یافتہ، نو مسلمین اور قرآن فہمی کے خواہش مند غیر مسلمین کے ہاتھوں میں بلا تردد دیئے جانے کے قابل تفسیر، جو آسان انداز، کم وقت اور بلا اکتاہٹ روح قرآن تک پہنچا دے۔

○ علم و ادب کا بہترین سنگم، ماہر ادیب بھی پڑھے تو زبان کی حلاوت کی گواہی دے۔

○ سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ علوم خمسہ جو قرآن کریم میں بطور خاص ذکر ہوئے ہیں، ان کی تفسیر و تشریح میں آپ کے قلم کی جولانی اور فکر کا ارتقا قابل دید ہوتا ہے، ہم ذیل میں آیات احکام اور جمل و تذکیر کے کچھ حواشی بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، جس سے مولانا کے ذوق اور تفسیری خدمت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، ہم ہر عنوان کے حواشی الگ الگ لکھنا چاہتے تھے، مگر طوالت کے ڈر اور قارئین کی سمجھ پر اعتماد کرتے ہوئے ایک ساتھ ذکر کر دیتے ہیں :

● ”رب العالمین“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: اللہ کو ”رب العالمین“ کہہ کر اس طرف اشارہ ہے کہ تمام عالم ہر لمحہ خدا کی ربوبیت کا محتاج ہے، ایسا نہیں کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے چھوڑ دیا ہو، اب از خود پورا نظام کائنات چل رہا ہو اور کائنات خدا کی محتاج نہ رہی ہو، جیسا کہ بعض فلاسفہ اور ملحدین کا نقطہ نظر تھا، اسی غلط خیال کی تردید کے لئے قرآن مجید نے اللہ کی شان ربوبیت کا بار بار ذکر کیا ہے۔

● ”الہم“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے، سلف صالحین کی عام طور پر یہ رائے ہے کہ اس کی صحیح مراد سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہیں، گویا ان حروف کے ذریعہ اصحاب عقل و دانش کا امتحان ہے، نادان کا امتحان یہ ہوتا ہے کہ اس کو تحقیق و جستجو کا حکم دیا جائے اور داناکا امتحان یہ ہے کہ اس کے فکر و تدبر کے لئے سرحدیں مقرر کر دی جائیں کہ ان سے آگے قدم نہیں رکھنا ہے، انسانی عقل کہیں رکنا نہیں چاہتی، چاند پر قدم رکھ دیا تو مریخ پر قدم ڈالنا چاہتی ہے، مریخ زیر قدم آجائے تو سورج کو اپنا اسیر بنانا چاہتی ہے، چنانچہ ان ”حروف مقطعات“ کا مقصود عقل انسانی کا امتحان ہے کہ خدا کے منشاء کے مطابق وہ اس کی کھوج میں پڑنے سے باز رہے۔

● ”وإن منها لما يهبط من خشية الله“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: رہ گیا پتھروں کا اللہ سے ڈرنا تو یہ کچھ باعث تعجب نہیں، ”نباتات“ میں تو احساس پائے جانے کو آج کی سائنس نے دریافت کر لیا ہے، عجب نہیں کہ آئندہ جمادات میں بھی احساسات کے پائے جانے کو خود انسان دریافت کر لے۔

● ”یود احدہم لویعمر الف سنة“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ ایک حقیقت ہے کہ یہودیوں میں موت کا غیر معمولی خوف پایا جاتا ہے، اگر چند یہودی بھی مارے جائیں تو پوری قوم بے چین ہو اٹھتی ہے اور ان کے حوصلہ پست ہونے لگتے ہیں۔

● ”حافظوا على الصلوة والصلاة الوسطى“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نمازیں پانچ ہیں؛ کیوں کہ ”صلوٰۃ وسطیٰ“ کا عطف ”صلوٰۃ“ پر ہے، عربی قواعد کی رو سے یہ بات ضروری ہے کہ ”صلوٰۃ وسطیٰ“ صلوات میں شامل نہ ہو؛ کیوں کہ عطف مغایرت یعنی دونوں کے الگ الگ ہونے کو ظاہر کرتا ہے، ”صلوات“ کا اطلاق جمع ہونے کی وجہ سے کم سے کم تین پر ہوگا؛ لیکن اگر اس سے تین نمازیں مراد ہوں تو ”صلوٰۃ وسطیٰ“ چوتھی نماز ہوگی اور چار نمازوں میں کوئی نماز بیچ کی نماز نہیں ہو سکتی، بیچ کی نماز اسی وقت ہو سکتی ہے جب طاق عدد ہو؛ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ”صلوات“ سے چار نمازیں اور ”صلوٰۃ وسطیٰ“ سے پانچویں نماز مراد ہے؛ لہذا پانچ نمازوں کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہے، منکرین حدیث جو اپنے آپ کو ”اہل قرآن“ کہتے ہیں، پانچ نمازوں کے قائل نہیں، تین کے قائل ہیں، وہ دراصل حدیث ہی کے نہیں، قرآن کے بھی منکر ہیں۔

● ”یأمرن بالمعروف ویمنھون عن المنکر“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: معروف کے اصل معنی مشہور اور جانی پہچانی بات کے ہیں، یعنی وہ بات جو عام رواج اور چلن کی وجہ سے جانی پہچانی ہوئی ہو، منکر کا لفظ اس کے مقابلہ میں ہے، یعنی ایسی بات جو خلافِ عادت اور ان پہچانی ہو، بھلائی کو ”معروف“ سے اور برائی کو ”منکر“ سے تعبیر کر کے قرآن مجید نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ نیکیوں کا سماج میں عام چلن ہونا چاہئے اور برائیوں کا وقوع اس طرح ہو کہ گویا خلافِ عادت اور خلافِ معمول ایک بات پیش آگئی ہے۔

● ”وضربت علیہم المسکنۃ“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہودیوں کی ذلت و کبت اور پستی کی جو پیشین گوئی قرآن مجید نے کی ہے، وہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے، جس پر کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں، گزشتہ ادوار میں رومن حکومت نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ تو اپنی جگہ، ماضی قریب میں بھی جرمنی اور چیکو سلواکیہ وغیرہ میں ان کے ساتھ جیسے جیسے انسانیت سوز سلوک روار کھے گئے اور جگہ جگہ ان کا قتل عام ہوا، وہ گویا کل کی بات ہے۔

● ”من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ ایسا وجد انگیز ترغیبی کلام ہے کہ نہ دینے والے ہاتھ بھی دینے کو بے قرار ہو جائیں اور بخیل شخص بھی اس کو سن کر اپنے قلب کو کشادہ پائے؛ لیکن ”مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر“ کے مصداق یہودیوں نے اسے اُلٹے تمسخر کا ذریعہ بنالیا۔

● ”یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی ربکم خلقکم من نفس واحدة“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ اسلام کا ایک انقلابی نظریہ ہے کہ جیسے خدا ایک ہے، ویسے ہی پوری انسانیت ایک ہی باپ سے پیدا ہوئی ہے، یہ وہ عقیدہ ہے جو انسانیت کی طبقاتی تقسیم اور رنگ و نسل کی بنیاد پر اونچ نیچ کے تصور کا قلع قمع کرتی ہے، ہندو مذہب میں یہ تصور تھا کہ کچھ لوگ خدا کے منہ سے، کچھ لوگ اس کے بازوؤں سے، کچھ لوگ اس کی رانوں سے اور کچھ لوگ اس کے پاؤں سے

پیدا ہوئے ہیں؛ اس لئے پیدائشی طور پر انسانیت کا ایک طبقہ معزز اور دوسرا ذلیل ہے، اس طرح کی طبقاتی تقسیم کم و بیش اکثر مذاہب اور نظام ہائے حیات میں موجود رہی ہے؛ لیکن قرآن کہتا ہے کہ تمام انسان کی پیدائش انسان اول سے ہوئی ہے؛ اس لئے وہ سب بحیثیت انسان برابر ہیں، محض رنگ و نسل اور علاقہ و زبان کی بنیاد پر ان میں تفریق کی گنجائش نہیں۔

● ”وخلق منها زوجھا“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام ہی سے ان کا جوڑا حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، اس میں ایک بلیغ حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عورت مرد کا ایک حصہ اور اس کی تکمیل ہے، آج عورتوں کی آزادی کے نام سے جو تحریکیں چل رہی ہیں، انھوں نے مردوں اور عورتوں کو دو فریق بنا دیا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے فریق کے تئیں مخلصیت کا جذبہ زیادہ رکھتا ہے محبت کا کم، قرآن مجید نے یہ تصور دیا کہ عورتوں کو اپنا حصہ اور جزء تصور کریں اور ظاہر ہے کہ اپنے جزء کے تئیں محبت اور ایثار کا جذبہ ہوا کرتا ہے، نہ کہ مقابلہ اور مخلصیت کا۔

● ”ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافاً كثيراً“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: قرآن کے اس دعویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوگا، جب دوسری مذہبی کتابوں کا قرآن سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے کہ کس قدر تضادات کا مجموعہ ہیں، مثلاً مذہبی کتابوں میں قرآن سے قریب ترین کتاب بائبل ہے، اس میں ڈھیر سا اختلاف ہے، (دیکھئے: انگلہار الحق: ۲۴۲/۱) اسی طرح ان لوگوں کے کلام میں تضادات دیکھئے جو نبوت کے جھوٹے دعویدار اور ایک باطل مذہب کے مؤسس و بانی ہیں، مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی۔

● ”كلما نضجت جلودهم بدلناهم جلوداً غيرها“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: جدید میڈیکل تحقیق یہ ہے کہ انسان کے جسم کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس کو محسوس کرنے کی صلاحیت اصل میں جسم کے چمڑوں میں ہوتی ہے نہ کہ گوشت میں، اس پس منظر میں قرآن کریم کی یہ آیت ایمان کو تازہ کرتی ہے کہ یہاں عذاب کو چمکنے اور تکلیف کو محسوس کرنے کی نسبت چمڑوں ہی کی طرف کی گئی ہے؛ اگرچہ قرآن کا اصل موضوع انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہے؛ لیکن جہاں کہیں اس نے کائنات کی کسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، حیرت انگیز طور پر وہ اس کے مطابق ہے، جہاں سائنس دان علم و تحقیق کا طویل سفر طے کر کے پہنچے ہیں۔

● ”ان اثمکم عذاب اللہ او اتنکم الساعة اغير اللہ تدعون ان کنتم صادقین“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: انسان کی نفسیات یہ ہے کہ وہ خوشی کے وقت اور عام حالات میں خدا کو فراموش کر دیتا ہے؛ لیکن جب کوئی مصیبت کا وقت آتا ہے تو پھر خدا کو یاد کرتا ہے اور اس سے دُعا اور التجا کرتا ہے، ایمان سے محروم لوگوں کی تو یہ کیفیت ہے ہی، یہاں تک کہ کئی ایسے لوگ جو خدا کا انکار کرتے تھے اور آخرت کا مذاق اڑاتے تھے، دیکھا گیا کہ اخیر عمر میں تسبیح و مصلیٰ کی طرف ان کا ضمیر متوجہ ہوا، خود مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ اپنی زندگی میں خوشی و مسرت کے لمحات کو اپنی مرضی

اور خواہش کے مطابق گزارتے ہیں اور جب کسی مصیبت کا وقت آتا ہے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

● ”وامطرنا علیہم مطراً“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ داستانِ عبرت بتاتی ہے کہ یہ خلافِ فطرت فعل کس قدر مذموم اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والا ہے؛ مگر افسوس کہ مغرب کی جاہلیت جدیدہ آج بھی اس برائی کو جواز عطا کر رہی ہے اور قانونی طور پر مرد کے مرد سے اور عورت کے عورت سے نکاح کو درست ٹھہرا رہی ہے، یہ دراصل حدیث کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہے کہ قیامت کے قریب ایسا ہوگا کہ مرد مرد سے اور عورت عورت سے اپنی خواہشات پوری کرنے لگیں گے۔

● ”خذو زینتکم عند کل مسجد“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں بہتر لباس پہننے کی کوشش کرنی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ دنیوی تقریبات میں تو عمدہ لباس استعمال کریں اور نماز میں معمولی، یہ نماز کی بے توقیری ہے، اسی لئے بلا عذر ”متنزل“ یعنی ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جس کا پہننا شائستگی کے خلاف سمجھا جاتا ہو۔

● ”ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: آج کل ہندو پاک کی مسجدوں میں نمازوں کے بعد زور زور سے دُعا کرنے کا جو رواج ہو گیا ہے، یہ مسنون طریقہ کے خلاف ہے اور اس میں دُعا کی حقیقی روح پیدا نہیں ہوتی؛ بلکہ رسمی طور پر امام دُعا کے کچھ مقررہ الفاظ پڑھتا ہے اور مقتدی حضرات اس پر ”آمین“ کہتے جاتے ہیں۔

● ”ولا تقربوا الفواحش ما ظہر منہا وما بطن“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: آج مغربی معاشرہ میں فحش فلمیں، کلب، ساحلی تفریح گاہیں اس کی واضح مثال ہیں اور چھپ کر کی جانے والی بے حیائی میں جہاں ’زنا‘ شامل ہے، وہیں موجودہ دور میں انٹرنیٹ کی فحش ویب سائٹیں اور مخرب اخلاق سیڈیاں سب شامل ہیں۔

● ”وقطعناہم فی الارض أُمماً“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: اس میں یہودیوں کے بارے میں دو پیشین گوئیاں ہیں، ایک یہ کہ ان پر ہمیشہ ایسے لوگ مسلط رہیں گے، جو انہیں تکلیف دیں گے، دوسرے یہ کہ ان کی آبادیاں منتشر رہیں گی، انہیں ایک جگہ اکٹھا ہو کر رہنا نصیب نہیں ہوگا؛ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کا ایک وقفہ اس سے مستثنیٰ ہے، جس میں تمام یہود فلسطین میں جمع ہو جائیں گے اور انہیں غیر معمولی طاقت حاصل ہو جائے گی، اسی حالت میں دجال کا ظہور ہوگا، جو پورے علاقہ پر زور بردستی سے قابض ہو جائے گا، بالآخر حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور یہودیوں کا نام و نشان مٹ جائے گا، اس وقت حکومت اسرائیل دراصل اسی تاریخی وقفہ کا حصہ ہے؛ اس لئے مملکت اسرائیل کا وجود قرآن وحدیث کی پیشین گوئی کے خلاف نہیں۔

● ”ما کان صلا تھم عند البیت الا بکاء و تصدیۃ“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ عجیب بات ہے کہ

ہر زمانہ میں اکثر مشرک اور دین حق سے ہٹی ہوئی قوموں کا طریقہ عبادت یہی رہا ہے، گانا بجانا، اُچھلنا کودنا، رنگ پھینکنا، آتش بازیاں کرنا، اگر مسلمان مذہب کے نام پر اس طرح کے رسمی کام کریں تو کافروں سے مشابہت کی وجہ سے یہ بھی سخت گناہ ہے اور یہ بھی اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے، افسوس کہ مسلمانوں نے بھی غیر مسلموں کو دیکھا دیکھی قوالی، گانا، بجانا، سبز رنگ پھینکنا، قہقہوں اور روشنیوں سے گھروں اور بازاروں کو آراستہ کرنا وغیرہ شروع کر دیا ہے، یہ دین کے نام پر بے دینی اور نیکی کے جذبہ سے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ”آسان تفسیر قرآن مجید“ کا ہر صفحہ اس قسم کی دلچسپ، نادر، مفید اور با تحقیق باتوں سے معمور ہے، میں عوام کے ساتھ طلبہ کرام اور علماء عظام کو اس تفسیر کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں، انشاء اللہ اس کا مطالعہ، علمی، فکری، قلبی، ذہنی وسعت کا سبب ہوگا اور قرآن کریم سے والہانہ محبت میں اضافہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی عمر میں، صحت میں، اوقات میں، کاموں میں برکت عطا فرمائے اور اُمت پران کا سایہ عاطفت عافیت کے ساتھ دراز فرمائے اور اللہ تعالیٰ جلد از جلد مکمل تفسیر طبع ہو کر منظر عام پر آنے کے اسباب پیدا فرمائیں، میں حضرت مولانا کو اپنی طرف سے ایسی کامیاب کاوش پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ یہ مبارک کاوش صاحب کلام کی رضا، محبت، قرب اور اُخروی نجات کا سبب بنے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی

(ناظم: جامعہ علوم القرآن جبوسر، گجرات)



## تاثرات

### ایک مستند تفسیر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين ، وعلى آله

واصحابه اجمعين ، اما بعد !

عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں میں ترقی یافتہ ہے اور ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ سب سے زیادہ مختصر کلمات والی زبان ہے، جس مضمون و مفہوم کو دیگر زبانوں میں طویل عبارتوں میں ادا کیا جاتا ہے، عربی زبان اس کو مختصر الفاظ و کلمات میں ادا کر دیتی ہے، اس کی بہت سی وجوہات ہیں، ان کے من جملہ اس میں ایجاز بالحدف ہے؛ چنانچہ اس میں محذوف جملوں اور کلمات کی کثرت ہے، جس کو سیاق و سباق اور مقتضائے کلام سے سمجھ لیا جاتا ہے، سیاق و سباق اور مقتضائے کلام کی رعایت کے بغیر کوئی شخص اپنے طور پر محذوفات کو متعین کرے اور اس کی روشنی میں قرآنی آیات کا ترجمہ کر دے تو یہ ترجمہ درست نہیں ہوگا اور یہ تفسیر غلط ہوگی، اس کا نام تفسیر بالرأے ہے۔

حضرات صحابہؓ کو صحیح عربی زبان کا ملکہ اور ذوق سلیم حاصل تھا، نیز وہ وحی کے مزاج شناس اور رسول اللہ ﷺ کے فیض یافتہ تھے اور اسباب نزول سے ان کو براہ راست واقفیت تھی؛ اس لئے قرآن مجید کا صحیح فہم ان کو فطری طور پر حاصل تھا، ان کو سیاق و سباق اور مقتضائے کلام، نیز اصطلاحات سے واقفیت کی ضرورت نہیں تھی، ان کی قرآن فہمی بعد کے لوگوں کے فہم قرآن کے لئے معیار کا درجہ رکھتی ہے، اسی طرح تابعین نے صحابہ کی ہم نشینی اور کسب فیض کے ذریعہ قرآن مجید کو سمجھا اور بعد کے لوگوں کے لئے مشعل راہ بن گئے اور بحمد اللہ ان کے بعد بھی نسل در نسل ہر عہد میں قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کا سلسلہ جاری رہا۔

جب عجمی علاقے اسلام کے زیر نگین آئے تو شروع میں وہاں کے نومسلموں نے نہ صرف خود عربی زبان سیکھی؛ بلکہ انھوں نے عربی زبان ہی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنالیا، ایران و عراق ہو، یا مصر و شام، یہ وہ علاقے تھے جہاں کے باشندوں کی مادری زبان عربی نہیں تھی؛ لیکن انھوں نے پوری طرح عربی زبان کو اختیار کر لیا؛ لیکن بعد کو جب اسلام مختلف عجمی علاقوں میں پہنچا تو یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکی، لوگوں نے اپنی زبان سے تعلق باقی رکھتے ہوئے اسلام کی خدمت کی اور قرآن مجید کا ترجمہ کیا، اس ترجمہ کو درحقیقت ترجمانی ہی کا نام دیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید کو اس کی اعجازی کیفیت

اور اس کی متاثر کرنے کی صلاحیت کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جاسکتا؛ اس لئے غیر عربی زبان میں قرآن مجید کا جو بھی ترجمہ ہوگا، وہ ترجمانی ہی ہوگی، اسی لئے ہمارے بزرگوں نے قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اور اس کی تشریح و تفسیر لکھی ہے، یہ سلسلہ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فرزند ان سے شروع ہوا اور آج بھی جاری ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو زبان کا اپنا اسلوب ہے، جو عربی زبان سے مختلف ہے، عربی زبان میں کسی بات کو فعل مجہول کے ذریعہ تعبیر کیا جاتا ہے، اسی تعبیر کے لئے اردو میں فعل معروف استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح موصوف صفت اور مضاف مضاف الیہ میں عربی اور اردو کی ترتیب الگ الگ ہوتی ہے، کبھی ایک مفہوم کو عربی زبان میں ماضی مطلق سے ادا کرنے میں بلاغت ہوتی ہے؛ لیکن اردو میں اس کو ماضی قریب یا ماضی بعید کے صیغہ سے بیان کیا جاتا ہے، غرض کہ اردو زبان کا اپنا ایک اسلوب ہے اور جب قرآن کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تو اس میں اس اسلوب کی رعایت ضروری ہوگی۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا علمی مقام محتاج بیان نہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کو تفسیر قرآن اور جلالین کے درس کا طویل تجربہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دشوار مضامین کو بھی آسان زبان میں پیش کرنے اور خشک موضوعات کو بھی دلچسپ اور خوبصورت اسلوب میں بیان کرنے کا ملکہ عطا کیا ہے؛ چنانچہ انھوں نے اپنے مطالعہ کی وسعت، فقہی ذوق، تفسیر قرآن کی تدریس کے تجربات اور زبان و بیان کی مہارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور سلف صالحین جن کی قرآن فہمی معیار ہے، کی تشریحات کے دائرہ میں رہتے ہوئے ترجمہ و تفسیر کی یہ خدمت انجام دی ہے، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ نے بھی اپنے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ یہ ترجمہ اور تفسیر سلف کے ترجمہ اور تفسیر کے مطابق ہے، حضرت مولانا جیسی شخصیت کا یہ بیان بجائے خود اس کتاب کے مستند ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو اسی نہج پر اس ترجمہ و تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، قبول فرمائے اور قارئین کے لئے نافع بنائے۔

حضرت مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

(استاذ حدیث و صدر شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند)

## جملہ تفاسیر متداولہ سے مستفاد

علماء اُمت نے ابتداء اسلام ہی سے قرآن کریم کے ساتھ جو اعتناء برتا ہے، اس کا انکار کرنا روشن سورج کے وجود کے انکار کے مرادف ہے، ہر زمانے اور ہر ماحول میں اس کتاب عزیز کے بحرنا پیداکنار کے موتی حاصل کرنے کی کوشش میں قرآن کریم سے شغف رکھنے والے علماء و مفسرین، حفاظ و محدثین، عوام و خواص اور جملہ طبقات اُمت نے اس کے فرائد و درر سے اپنا دامن بھرا ہے اور اس کی لامحدود معنویت کو سمجھنے، لفظ و معنی کے اعتبار سے اس کے اعجاز کو جاننے اور انسانی طاقت سے باہر ہونے کا پورا ادراک کیا ہے۔

یہیں سے تفسیر بالرائے اور تفسیر بالماثور کا سلسلہ قائم ہوا اور عصر عباسی میں دیگر علوم و فنون کے تراجم کی طرف اہل عرب متوجہ ہوئے اور ہر طرف قرآن کریم کے ترجمے اور اس کی تفسیر و توضیح عربی زبان کے سوا دیگر زبانوں میں بھی کرنے کی طرف لوگوں کی توجہات مبذول ہوئیں؛ چنانچہ علماء نحو و لغت، علماء فقہ و بصیرت، علماء تاریخ و تہذیب، علماء تصوف و طریقت ہر ایک نے قرآن کو اپنے خیال و رجحان اور اپنے مسلک و مذہب کے مطابق سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔

اگرچہ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کا اصل طریقہ یہی ہے کہ یہ عمل عربی زبان میں ہی ہوا اور کلام عرب کے حوالہ سے صحیح عربی زبان میں قرآن کریم کا پیغام، اس کے احکام اور اوامر و نواہی لوگوں تک پہنچائے جائیں؛ لیکن پوری انسانیت تک قرآن مجید کا پیغام پہنچانے کے لئے مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ضروری ہے؛ اس لئے قرآن کریم کے تراجم بے شمار ہیں اور غالباً ہر زبان میں لوگوں نے اس کا ترجمہ کرنے اور تفسیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے، مشرقی زبانوں کے علاوہ مغربی زبانوں میں بھی قرآن مجید کا ترجمہ کیا گیا ہے؛ چنانچہ انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے والے حضرات میں ایس، ایم عبد الحمید صاحب کا ترجمہ نہایت آسان زبان میں ۱۸۶۲ء میں ڈھاکہ سے "Divine Quran" کے نام سے شائع ہوا، اور الہ آباد سے ۱۹۱۱ء میں مرزا ابوالفضل صاحب کا انگریزی ترجمہ "The Quran Arabic Text And English Translation" کے نام سے شائع ہوا اور ۱۹۱۴ء میں مولانا عبدالمجید دریا بادی صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن لاہور سے شائع ہوا اور مولانا مودودی صاحب اور یوسف علی کا مشہور ترجمہ اور دیگر مترجمین کا ترجمہ قرآن کریم انگریزی زبان میں مشہور اور متداول ہے۔

اس وقت ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ ممالک جہاں اردو زبان و ادب کا رواج ہے، وہاں اردو داں

طبقے کو قرآن کریم کے ترجمے و تفسیر اور کسی حد تک تشریح احکام و معانی کی بھی ضرورت ہے اور قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس سے انس اور مناسبت پیدا کرنا علمائے اُمت کے نزدیک ایک ناقابل تاخیر عمل ہے۔

اسی ضرورت و احساس کی بنا پر اس ملک کے فقیہ الامت، عالم جلیل قاضی شریعت حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، رکن مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ، ناظم المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد اور سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے قرآن کریم کے اُردو ترجمہ اور مختصر تفسیر و تحشیہ کا کام نہایت اعلیٰ پیمانے پر اور جملہ تفاسیر متداولہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجام دیا ہے اور اُمت ہندیہ کے علماء و مفسرین کے تراجم و حواشی کا مطالعہ کرنے کے بعد (آسان تفسیر قرآن مجید) کے نام سے یہ تحفہ سنیہ اُمت کے اُردو داں طبقے کے لئے پیش کر کے نہ صرف اس طبقہ پر احسان کیا ہے؛ بلکہ اُمت کے عوام و خواص ہر طبقے کے لئے اس میں ایک ایسی لذت و چاشنی رکھی ہے، جس کی لذت سے آشنا ہونے کی تمنا انشاء اللہ سب کے دل میں ہوگی۔

اس خدمت جلیلہ کو انشاء اللہ تعالیٰ قبول عام حاصل ہوگا اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے کلام کی خدمت اس کی رضا اور آخرت میں مغفرت کے حصول کا بنیادی ذریعہ اور عالم بشری میں سعادت و عزت کا سرچشمہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَقُلْ اَعْمَلُوا فِی سَبِيْرِ اللّٰهِ عَمَلَكُمْ وَرِسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسْتَدْرِدُوْنَ

اِلٰی عَالَمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فِیْ نَبِئَتِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی

۲۰ ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ، ۵ ستمبر ۲۰۱۵ء (مدیر: البعث الاسلامی و مہتمم: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

## بعض بڑی تفاسیر پر بھی بھاری

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امام بعد !

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ مقدس کتابوں میں آخری کتاب ہے اور صحف سماویہ میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے انفرادی شان کی حامل کتاب الہی ہے، یہ اپنے نزول کے وقت سے لے کر دنیا کے باقی رہنے تک خیر کے تمام معاملات میں ہماری رہنمائی ہے، ہماری دینی تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ ہے، ہماری ایمانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے اور ایسا ضابطہ حیات ہے، جس میں زندگی کے ہمہ جہت مسائل اور انسانی زندگی کے تقاضوں اور ضرورتوں کا احاطہ کیا گیا ہے، اس کا ایک ایک لفظ ہمارے لئے مینارۂ نور اور مشعل راہ ہے؛ اسی لئے اس کی تشریح و توضیح اور تراجم و تفاسیر میں علماء محققین، مترجمین و مفسرین کرام نے اپنی عمریں تمام کی ہیں اور اپنی زندگی کے مبارک دن و رات ایک کر کے حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق احکام الہی کو امت تک پہنچانے کی مبارک اور کامیاب سعی فرمائی ہے، فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

عصر حاضر میں قرآن کریم کے خلاف مختلف حلقوں سے ایسی تحریکات کا سلسلہ بدستور جاری ہے، جن سے اس کتاب مقدس کے بارے میں غلط فہمیاں اور غیر اسلامی افکار و نظریات کم علم مسلمانوں میں پیدا ہوں اور باطل خیالات اور غلط عقائد، مغربی پروپیگنڈوں سے متاثر مسلمانوں میں منتقل کئے جائیں، اس لئے اس زمانے میں سخت ضرورت ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ و تشریح میں زمانے کے تقاضوں اور ضرورتوں کا مکمل خیال رکھا جائے، شرعی مسائل اور خاص کر جدید مسائل پر توجہ دی جائے، دوسرے مذاہب کی جانب سے کئے جانے والے اعتراضات اور ان کے باطل خیالات کا رد کیا جائے اور غیر اسلامی افکار و نظریات کے بارے میں قرآن کریم کے موقف کو وضاحت سے بیان کیا جائے۔

فاضل گرامی قدر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم العالیہ عصر حاضر کے ممتاز ترین علماء اور فضلاء میں سے ہیں، اپنی علمی، دینی اور تحقیقی تصنیفات کی وجہ سے طبقہ علماء میں اعتماد و استناد کا درجہ رکھتے ہیں، آپ نے ابھی حال میں مندرجہ بالا عصری تقاضوں کے پیش نظر قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کی قابل قدر ایسی وسیع خدمت انجام دی ہے جو اپنے محققانہ اسلوب کی وجہ سے بعض بڑی تفاسیر پر بھاری ہے، جس کی شہادت آپ کے بعض جلیل القدر اساتذہ کرام نے بھی اپنی قیمتی تحریر میں بطور تقریظ مرحمت فرمائی ہے: ”فہنئنا لہ وکثر اللہ فینا أمثالہم“۔

دل سے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس عظیم الشان خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے اور عوام و خواص کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا محمد سلمان مظاہری

(ناظم: مظاہر علوم سہارنپور، یوپی)

۲۳/ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ

## امتیازی شناخت کا حامل اور مثالی کام

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم اپنے ڈھیر سارے علمی و تالیفی اور فکری و انتظامی کاموں کی وجہ سے برصغیر میں جو اعتبار و وقار رکھتے ہیں، وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں، وہ معاصر علماء دیوبند میں امتیازی و انفرادی شان کے حامل ہیں، اللہ نے اُن کے علم اور وقت میں بے پناہ برکت دی ہے، وہ علمی، فکری، فقہی، اجتماعی موضوعات پر تسلسل کے ساتھ بے تکان لکھتے رہتے ہیں، وہ برصغیر کے مقبول و محبوب اہل قلم ہیں، ان کے قارئین جدید و قدیم دونوں طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، وہ علمی گہرائی و گہرائی اور فقہی بصیرت کے ساتھ ساتھ خوبصورت، چاشنی سے بھرپور، ادبی و لسانی خصوصیات سے لبریز قلم کے دھنی ہیں۔

کچھ دنوں پہلے قرآن پاک کا اُردو ترجمہ اور اُس کی آسان اُردو تفسیر اُن کے قلم سے شائع ہوئی ہے، ازراہ کرم موصوف نے اس راقم کو بھی اُس کی شائع شدہ پہلی جلد کا ایک نسخہ بڑے اہتمام سے بھیجوا یا، جو سورہ کہف کے ختم تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے، راقم نے کتاب کے ابتدائیہ عنوان: ”اللہ رحمن و رحیم کے نام سے، قرآن مجید۔ تعارف و احکام، تفسیر قرآن۔ عہد بہ عہد، اور تفسیر قرآن۔ اُصول و قواعد“ کے علاوہ ترجمہ قرآن اور تفسیر پر بھی جستہ جستہ نظر ڈالی۔

حقیقت یہ ہے کہ اُردو زبان کی خوبیوں نیز اُصول و روایات تفسیر کی مکمل رعایت کے اعتبار سے ان کا یہ کام نہ صرف مثالی ہے؛ بلکہ ان کی علمی وسعت، تحریری احتیاط اور اُردو زبان کے اکابر مترجمین و مفسرین کے نقش قدم کی پیروی کا بہترین نمونہ ہے، توقع ہے کہ اس جدید ترین ترجمے اور حالاتِ حاضرہ کے تقاضے سے ہم آہنگ مختصر و آسان تفسیر سے وہ خلا انشاء اللہ پُر ہو جائے گا، جو اس موضوع سے اشتغال رکھنے والوں کو عرصے سے محسوس ہو رہا تھا۔

زمانے اور حالات کے تقاضے کے مطابق نیا اُردو ترجمہ و تفسیر، اس زمانے میں کئی اہل علم و قلم نے کیا ہے؛ لیکن حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا کام ان کے علم و مطالعے کے امتیاز کی وجہ سے امتیازی شناخت کا حامل ہے اور رہے گا، مولانا موصوف نے اپنے کام کی خصوصیات و امتیازات کو قدرے تفصیل سے اپنے مذکور الصدر ابتدائیہ میں ذکر کر دیا ہے، نیز نئے اُردو ترجمے و تفسیر کے میدان میں انجام پذیر ہونے والے دیگر اہل قلم کے چند اہم کاموں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے اس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی اور امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے موقع و محل کے اعتبار سے قرآنی الفاظ و تعبیرات کو (عظیم القدر سابقہ مترجمین سے گہرائی سے استفادے کی روشنی میں اور اُردو پر اپنے عبور

کے طفیل میں) اُردو کے ایسے الفاظ و تعبیرات میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے، جن سے بہت سے شبہات و اعتراضات کا از خود ازالہ ہو جاتا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس کام کو نقش دوام بنائے، دنیا و آخرت کی ساری سعادتوں سے انھیں نوازے اور قارئین کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق کے ساتھ ساتھ انھیں سعادت نصیب مترجم و مفسر اور ان کے والدین و اساتذہ و محبین کے لئے دُعا کے مسلسل کی توفیق سے بھی نوازے۔

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی

(استاذ ادب عربی: دارالعلوم دیوبند، مدیر: ماہنامہ الداعی)

۱۲/ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، ۲۷/ ستمبر ۲۰۱۵ء



## ادیب الفقہاء مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا ترجمہ و تفسیر قرآن مجید — ایک تاثر

ایک عرصہ سے اُردو تراجم قرآنی اور اُردو تفاسیر میں بالخصوص اہل سنت کے اس حلقہ میں جو دیوبندی فکر کا حامل ہے، ایک خلا محسوس ہو رہا تھا، حضرت شاہ رفیع الدینؒ کی طرف منسوب تحت اللفظ ترجمہ سے مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے تراجم و تفسیری حواشی تک کئی دہائیوں سے یہ خلا محسوس کیا جا رہا تھا کہ قرآن پاک کی آیات کریمہ کے جس سلیس اور رواں ترجمہ کی آج ضرورت ہے، وہ پوری ہوتی نظر نہیں آرہی تھی، تفہیم القرآن نے اس ضرورت کو پورا کیا تھا اور مولانا محمد جونا گڑھی کا ترجمہ بھی رواں اور سلیس ہے، اس نے بھی ایک حد تک اس ضرورت کو پُر کیا تھا؛ لیکن اسے بھی رواج حاصل نہیں ہوا، مولانا امین احسن اصلاحی کی شہرت علمی حلقوں میں تفسیری حواشی کی وجہ سے ہے، وہ اہل علم کے تحقیقی مطالعہ کے موضوع بن کر رہ گئے، معارف القرآن مدرسی حلقہ اور عوام الناس کے لئے ایک اچھی تفسیر ہے؛ لیکن بہت مفصل ہے اور عصری ترتیب کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے ادب و زبان کے شہرہ نے اُمید پیدا کی تھی کہ ادبی ترجمہ خاصے کی چیز ہوگی؛ لیکن دربار تھانوی سے وابستگی نے روایت کا بڑی حد تک پابند کر دیا، ان کی تفسیر کثرت سے عربی حوالوں کی وجہ سے علماء اور طلبہ کے حلقوں میں زیادہ محدود رہی، بائبل، قدیم تاریخ اور جدید انسائیکلو پیڈیا کی تحقیقات کے حوالوں نے اس باب میں اس کو تخصص کی کتاب بنا دیا، ہر قاری کو نہ اس کا ذوق ہے نہ اس کی ضرورت۔

ایسی صورت حال میں ایک عصری رواں اور سلیس ترجمہ اور مختصر تفسیر کی ضرورت ویسی ہی باقی تھی، جیسی ان مذکورہ بالا کتابوں کی اشاعت سے پہلے ان کے دور میں باقی تھی، اس ضرورت کا احساس مولانا تقی عثمانی صاحب کو ہوا اور انھوں نے ایک آسان ترجمہ اور مختصر تفسیر عصری ترتیب کے ساتھ پیش فرمادی، وہ ان کے والد معظم و محترم حضرت مولانا محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن کا گویا ایک تازہ، کامیاب اور مختصر ایڈیشن ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ایک عرصہ سے — جو دو تین دہائیوں پر مشتمل ہے — فقہ اسلامی کی خدمات انجام دے



رہے ہیں، ان کو دور طالب علمی سے ہی اس کا صاف ستھرا ذوق ملا اور ان کے تخصص اور بحث و تحقیق کا یہ میدان ان کی کامیابیوں کے علم بلند کرتا رہا، انھوں نے علماء اور دانشوران قوم سے، بجا طور پر خراج عقیدت حاصل کیا۔

برصغیر میں اہل فقہ و افتاء کی کمی نہیں، پختہ کار، مشہور اور محقق فقہاء کرام سے لے کر مدارس دینیہ کے شعبہ جات افتاء سے فارغ ہونے والے سینکڑوں اور ہزاروں متخصص فقہ و افتاء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ایک نادرہ روزگار شخصیت کے مالک تھے، انھوں نے فقہ و افتاء کے خشک و جامد موضوع کو ایک تحریری موضوع بنادیا، انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس کا رشتہ عصری مسائل سے جوڑ دیا؛ بلکہ امام اعظمؒ کی فقہی کونسل کی یاد تازہ کردی اور اجتماعی اجتہاد کی ایسی طرح ڈال دی، جس نے اجتہاد کے بند دروازوں کے اکثر قفل کھول دیئے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی فقہی ٹیم کے ”ابو یوسف“ اور ”محمد بن حسن“ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی شخصیت میں جلوہ گر ہوئے، اگر حلول و اتحاد کے فکر کی گنجائش ہوتی تو کہا جاتا کہ دونوں کی روحیں ان کے پیکر فقہی میں حلول کر گئیں، مولانا اگر روایتی مفتی و فقیہ ہوتے تو وہ کسی مدرسہ کے دارالافتاء کے صدر مفتی ہوتے اور ظاہر ہے کہ پھر وہ مدرسہ کی چہار دیواری سے کسی کسی استفتاء کے ذریعہ ہی باہر نکلتے اور وہ بھی صرف مستفتی کے حلقہ تک۔

لیکن مولانا ادیب و انشاء پرداز بھی ٹھہرے اور مفکر و دانشور بھی بن کر ابھرے، انھوں نے فقہ و فتاویٰ کی کتابوں کی غواصی کی، عصری مسائل کو مطالعہ اور غور و خوض کا موضوع بنایا، فکر اسلامی کو اس کے بنیادی ماخذ سے اخذ کیا اور دور جدید کے مفکروں کی تحریروں کے آئینہ میں بھی خوب دیکھا، سمجھا، یہاں تک کہ اس کے کامیاب ترجمان بن گئے، انھوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک کو قدیم فقہی بحثوں اور جدید قانونی مباحثات و مکالمات کا ایک حسین سنگم بنانے میں نمایاں حصہ لیا، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کے بعد جہاں انھوں نے فقہ اکیڈمی کی قیادت و ادارت کا حق ادا کیا، وہیں انھوں نے بورڈ کے اس سنگم پر اپنی مہارت کے جوہر دکھائے، فقیہوں اور وکیلوں کو ایک اسٹیج سے کامیاب طریقہ پر خطاب کیا اور انسانی قوانین پر ربانی قوانین کی برتری اور بالائری کو خوب خوب ثابت کر دکھایا۔

ان کی فتاہت اور فتاویٰ کی مہارت کی روشنی میں قرآن کی ترجمانی اور اس کی تفسیر کے ہفت خواں کو پار کر لینا ان کے لئے مشکل نہ تھا، متوقع تھا کہ وہ قرآن کی ایک فقہی تفسیر تیار کر دیتے، کہا جاتا ہے کہ قرآن کی پانچ سو آیات احکام ہیں، وہ اس تفسیر کا خاص موضوع ہوتیں، قرآن پاک کی تفسیر، روایات و آثار کے ذریعہ، فقہی مباحث کے ساتھ، ادبی و بلاغی نکتوں کے بیان کے لئے متکلمانہ بحثوں کو چھیڑتے ہوئے اور صوفیانہ رموز و اشارات کی زبان میں ہوتی رہی ہے، ایک اور نمونہ عصری مسائل کے حل کے ساتھ سامنے آ جاتا اور فقہی تفاسیر میں ایک اضافہ ہو جاتا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بجا طور پر ”ادیب الفقہاء“ ہیں، ان کا ذہن فقہی سانچوں میں ڈھلا ہوا ہے؛ لیکن

زبان سلسبیل سے دھلی ہوئی ہے، قلم شراب طہور کی ریزش کرتا ہے، عقل و منطق جدید فکری مطالعہ سے قدیم وجدید کی سنگم بن گئی ہے، ان میں مفکرانہ سوچ اور داعیانہ تڑپ بہم آمیز ہو گئی ہیں، ان کے کارنامے فقہی اور فکری، تعلیمی، تربیتی، تدریسی اور خطابي میدان میں بار بار رقم ہو چکے ہیں۔

یہ محض توفیق الہی ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی ان تمام نعمتوں کو لے کر دربار ذی الجلال والا کرام میں عاجزانہ حاضر ہو گئے اور کیل کانٹوں کے ساتھ اور نوک و پلک درست کرنے والے تمام آلات کے ساتھ معانی قرآن کی مصوری و نقاشی کے کام میں لگ گئے اور بڑی کامیابی کے ساتھ اس کے مرقعے تیار کر کے برصغیر کے اردو خوانوں اور اردو دانوں کے ”سمع و بصر و فواد“ کی دانش و بینش و تدبر کا سامان فراہم کر دیا۔

مولانا کا ترجمہ قرآن بڑا سلیس، شستہ اور شیریں ہے، تفسیری حواشی نیچے تلے، چیدہ چیدہ، قاری کے مسئلوں کا جواب اور مشکلوں کا حل، ہدایات ربانی کی روشنی میں پیش کرتے چلے جاتے ہیں، توفیق دست گرفتہ نظر آتی ہے، تائید ربانی سایہ فگن دکھائی دیتی ہے، کسی کی دُعاؤں کا فیض ہے اور خلوص کی قبولیت کی دلیل ہے اور رب کریم کے ترجمانوں کی فہرست میں شمولیت کا اعلان ہے، دُعا ہے کہ رب رحمن رحیم اس کے فوائد کو عام اور اس سے اپنی حجت تمام کر دے۔ آمین

حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی

(استاذ حدیث و تفسیر: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۲۱ شوال ۱۴۳۶ھ، ۷ اگست ۲۰۱۵ء



## بہت قابل قدر اور لائق توجہ

کلام اللہ کی تفسیر اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی تشریح بہت ہی نازک اور بہت ہی ذمہ دارانہ عمل ہے اور تاریخ بتلاتی ہے کہ جن اصحاب قلم اور اہل علم نے اپنے اکابر، مشائخ اور اسلاف سے ہٹ کر دین کی ان دونوں بنیادوں کی تحقیق و توضیح اپنے علم اور قلم کے زور پر کی، انھوں نے اُمت محمدیہ کو ضلالت اور گمراہی کے غار میں ڈھکیل دیا ہے، اور تفسیر بالرائے کے فتنوں میں اُمت کو الجھا دیا ہے، ہندوستان کی تاریخ میں کم از کم ابوالفضل، فیضی سے لے کر آخر آخر تک کے مدعیان علم و فہم نے اس مسئلہ پر جیسی جیسی ٹھوکریں کھائی ہیں، وہ تاریخ پر نگاہ رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہیں؛ لیکن اُمت محمدیہ مرحومہ پر اللہ جل شانہ کا یہ کس قدر فضل و کرم اور انعام و احسان ہے کہ اس نے ہر دور میں اُمت محمدیہ کو ایسے ممتاز اور با کمال علماء بھی مرحمت فرمائے ہیں کہ جو ہر ضلالت اور ہر کجروی کے سامنے سد سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ علماء راہنہ اور علماء ربانین اس دور میں بھی قرآن و سنت اور دین و شریعت کی قابل اعتماد اور لائق اعتبار خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں حضرت والا کا نام بھی ایک ایسا مستند اور معتبر نام ہے کہ جس پر اُمت کے عوام و خواص پورے طور پر اعتماد کرتے ہیں،

اللہ جل شانہ حضرت والا کی مرتب کردہ اس تفسیر کو سابقین اولین مفسرین کے درجہ پر رکھ کر بے حد قبول فرمائے، اُمت کے لئے نافع اور مفید بنائے اور ان میں قرآن فہمی کا صحیح شعور اور پختہ ذوق آپ کی اس تفسیر کے ذریعہ پیدا فرمائے اور آپ کی عمر میں صحت کے ساتھ برکت عطا فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

جناب والا نے ترجمہ میں جو امور ملحوظ رکھے ہیں، وہ یقیناً بہت قابل قدر اور لائق توجہ ہیں، اللہ جل شانہ ان تشریحات و توضیحات کے ذریعہ نیز ترجمہ میں یہود و نصاریٰ کے جن تخیلات اور مزعومات کا آپ نے رد فرمایا ہے، ان کے ذریعہ، ان معاندین اسلام کی غلط فہمیوں؛ بلکہ سازشوں اور تدبیروں کا بھرپور دفعیہ فرمائے۔ (آمین)

(از: مکتوب گرامی)

حضرت مولانا سید شاہد علی حسینی

(امین عام: جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی)

۱۰ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، ۲۵ ستمبر ۲۰۱۵ء



## قابل تحسین خدمت

الحمد لله رب العالمين ، الذي قال في كتابه المجيد : ” ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر “ والصلوة والسلام على من أوتي الكتب والحكمة ، اما بعد !

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ہندوستان کے صاحب نظر عالم دین، ماہر فقیہ اور کہنہ مشق صاحب قلم ہیں، آپ متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور آپ کے علمی و فکری مقالات ہندوستان کے مختلف اخباروں میں شائع ہوتے ہی رہتے ہیں، فقہی ذوق اور تحقیقی مزاج آپ کا خاص وصف ہے، جو آپ کو اپنے پچا مرحوم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے رواشت میں ملا ہے، فی الوقت مولانا کی تصنیف ” آسان تفسیر قرآن مجید “ میرے پیش نظر ہے، میں نے اس کو پڑھا، یہ تفسیر بہت آسان و سلیس زبان میں ہے۔

برصغیر میں یوں تو متعدد علماء کرام نے قرآن کریم کی تفسیریں لکھی ہیں؛ لیکن جو مقبولیت تفسیر عثمانی اور معارف القرآن کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکی، یہ دونوں تفسیریں بھی آسان زبان میں عوام کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے لکھی گئی تھیں اور ان کی افادیت جس طریقے سے کل قائم تھی، آج بھی قائم ہے، ویسے اہل علم کے لئے اُردو زبان میں ’بیان القرآن‘ سے زیادہ اہم کوئی تفسیر نہیں، زبان چوں کہ زمانے کے اعتبار سے تغیر پذیر ہوتی ہے؛ اس لئے انھیں تفسیروں کے طرز پر مزید سہل انداز میں حال ہی میں دو اور تفسیریں منظر عام پر آئی ہیں، ایک: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی ” آسان ترجمہ قرآن “ اور دوسری: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی یہ ” آسان تفسیر قرآن مجید “ — اس تفسیر میں مولانا نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت عمدہ تشریحات پیش کی ہیں اور آیتوں کی تفسیر میں احادیث، صحابہ کے اقوال اور اکابر علماء کی آراء کو ضروری حوالوں کے ساتھ تحریر کیا ہے، ساتھ ہی وہ آیات جن کا تعلق فقہی مسائل سے ہیں، ان کے تحت شرعی احکام بھی تشفی بخش وضاحت کے ساتھ لکھ دیئے ہیں، یہ وہ چند خصوصیات ہیں جو دیگر تفسیروں سے اس تفسیر کو ممتاز کرتی ہیں، باری تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مولانا کی اس قابل تحسین خدمت کو قبول فرما کر ان کے لئے اسے ذخیرہ آخرت اور عوام و خواص کے لئے نافع بنائے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن فتح پوری

۲۲/ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ

## اُردو کے تفسیری سٹریچر میں گرائف اور اضافہ

ہر زبان میں کچھ عرصہ کے بعد تبدیلیاں ہو جاتی ہیں، کچھ الفاظ اور محاورے متروک ہو جاتے ہیں، دوسرے الفاظ اور محاورات ان کی جگہ لے لیتے ہیں، تعبیرات بدل جاتی ہیں، بعض اوقات بعض الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں، اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفے سے قدیم تراجم قرآنی کا جائزہ اور نئے ترجمے ناگزیر ہو جاتے ہیں؛ اسی لئے شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی ”موضح القرآن“ (جو اُردو زبان میں ایک مثالی اور معیاری ترجمہ شمار ہوتا تھا) کے ہوتے ہوئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے نئے ترجمہ قرآن کی ضرورت محسوس کی اور ترجمہ شیخ الہند حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کے ساتھ اشاعت پذیر ہوا، اسی طرح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”بیان القرآن“ کے نام سے ترجمہ قرآن اور تفسیر لکھی، ان بزرگوں کے بعد اُردو زبان میں قرآن کے تراجم و تفسیر کی ایک طویل فہرست ہے، جس کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، ادھر کچھ عرصہ سے کچھ ایسے افراد اور گروہوں نے اُردو زبان میں قرآن کے ترجمے اور تفسیر کے میدان میں اپنی سرگرمی دکھائی، جنہیں ہم منکرین حدیث کے زمرے میں شمار کر سکتے ہیں، انہوں نے احادیث و آثار کے تفسیری ذخیرے کو بالکل نظر انداز کر کے من مانے طرز پر ترجمہ و تفسیر کا طریقہ اختیار کیا اور نو جوانوں کا ایک سادہ لوح، کم علم طبقہ ان کے اُسلوب بیان اور ادبیت سے مسحور ہو کر ان کا اسیر ہونے لگا، قرآن کے حوالے سے مختلف افکارِ باطلہ کی ترویج کی جانے لگی، حالات و ضرورت کا احساس کر کے ادھر دس پندرہ سال میں علماء حق کی طرف سے پھر اس میدان میں متعدد تصنیفی کوششیں ہوئی ہیں اور قرآن کریم کے عام فہم، سلیس ترجمے اور مختصر و آسان تفسیریں منظر عام پر آئی ہیں۔

اس سلسلے کی سب سے ممتاز اور کامیاب کوشش حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا آسان ترجمہ و تفسیر ”توضیح القرآن“ ہے، جو حد درجہ مقبول ہو چکا ہے، اس کے متعدد خوبصورت ایڈیشن ہندوپاک میں شائع ہو کر دین دار اہل ذوق کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں، ادارہ نشر القرآن گورکھپور نے اس کا ہندی ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔

دوسری اہم ترین کوشش ہندوستان کے مشہور عالم و فقیہ اور مصنف حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمٰنی (بانی: المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد) کی ہے، پندرہ پاروں کی اشاعت ہو چکی ہے، باقی کام بھی مکمل ہے اور پورے قرآن کا ترجمہ و تفسیر ایک ہی جلد میں شائع کرنے کی تیاری ہے۔

مولانا موصوف برصغیر ہندوپاک کی مشہور شخصیت ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے جنرل سکریٹری اور آل انڈیا

مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری ہیں، پوری عمر علوم اسلامیہ کی درس و تدریس میں گزری ہے، ان کا خصوصی موضوع فقہ اسلامی ہے؛ لیکن دوسرے علوم (تفسیر، حدیث، کلام وغیرہ) پر بھی گہری نظر ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات اور کاموں میں برکت رکھی ہے، قلم رواں اور سیال ہے، زمانہ کے حالات اور تقاضوں سے بخوبی واقف ہیں، ان کی آسان اُردو تفسیر ان کے اعمالِ حسنہ میں گرانقدر اضافہ ہے۔

مجھے اس ترجمہ و تفسیر کو جستہ جستہ پڑھنے کا موقع ملا، جہاں جہاں نظر ڈالی، دل مطمئن اور مسرور ہوا، انشاء اللہ قرآن کریم کی یہ خدمت اُردو کے تفسیری لٹریچر میں گرانقدر اضافہ ثابت ہوگی، استناد و اعتبار کے لئے خود مؤلف کا نام کافی ہے، زیادہ علمی بحثوں میں جانے کے بجائے کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کی دعوت و اسپرٹ کو معیاری و سلیبس اُردو میں ڈھال دیا جائے اور قرآن و اسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک و شبہات کے جو کانٹے نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دل و دماغ میں چبھتے ہیں، انھیں نکالا جائے، بقدر ضرورت فقہی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور کیوں نہ ہوتا کہ یہ تو مؤلف کا خصوصی موضوع ہے!

مترجم نے ترجمہ قرآن میں جن اُمور کی رعایت کی ہے، ان کی تفصیل اپنے مقدمہ میں بیان کر دی ہے، آغاز میں قرآن اور قرآنیات کے بارے میں مؤلف کا تقریباً سو صفحات کا مقدمہ خاصے کی چیز ہے اور ”بقامت کہتر بہ قیمت بہتر“ کا مصداق ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ یہ آسان ترجمہ و تفسیر مسلمانوں اور سارے انسانوں کے لئے نافع ثابت ہو اور مؤلف کے لئے بہترین ذخیرہ آخرت بنے۔

حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

(استاذ حدیث و فقہ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۱۱/ربیع الاول ۱۴۳۷ھ، ۲۳/دسمبر ۲۰۱۵ء

## سلف صالحین کی تحقیق سے سرمو انحراف نہیں

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين ، اما بعد !

اُردو زبان برصغیر کے اکثر مسلمانوں کی زبان ہونے کے لحاظ سے اس بات کی مستحق تھی کہ اس میں بھی قرآن کے تراجم و تفاسیر کا اہتمام کیا جائے؛ چنانچہ اس زبان میں بھی بہت پہلے ہی سے الحمد للہ معتدبہ اور اچھا خاصا کام اس سلسلے میں ہوا اور متعدد حضرات علماء نے قرآن کریم کے اُردو زبان میں ترجمے کئے اور کئی ایک تفاسیر بھی لکھی گئیں، حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا عبدالحق حقانی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی، مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت مولانا ادیس کاندھلوی وغیرہ، حضرات مترجمین و مفسرین نے اپنے اپنے وقت میں اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کام کو انجام دیا اور تراجم و تفاسیر قرآن کا قابل قدر ایک عظیم سرمایہ وجود پذیر ہوا، جس نے اُردو دانوں کے لئے قرآنی علوم و اسرار اور ربانی حقائق و معارف سے آگہی پانے کی راہ ہموار کی۔

مگر یہ معلوم ہے کہ زمانے کی پیش رفت ہمیشہ زندگی کے بہت سے دنیوی و دینی مسائل پر اثر انداز ہوتی رہی ہے، لوگوں کی زبان و بیان پر، ان کے مزاجوں و طبیعتوں پر، ان کی نفسیات و رجحانات پر اور ان کی تہذیب و تمدن پر، ان کے طرز فکر و نظر پر، جس کے ساتھ ساتھ نئے نئے تقاضے اُبھرتے رہے ہیں، اس اصول کا اثر تراجم قرآن و تفاسیر قرآن پر بھی پڑتا ہے؛ چنانچہ موجودہ دور کے اہل علم و اہل دانش کے اندر یہ اس وقت احساس شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم کے ترجمے و تفسیر کی خدمت بھی دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق انجام دینے کی ضرورت باقی ہے۔

اسی نئے تقاضے کے تحت موجودہ دور میں بھی اس سلسلے میں علماء کرام کی جانب سے پیش رفت ہوتی نظر آرہی ہے اور متعدد تراجم و تفسیر منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوتی جا رہی ہیں، جیسے حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے ”ہدایت القرآن“ کے نام سے ترجمہ و تفسیر کا کام انجام دیا ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی نے ”توضیح القرآن“ کے نام سے ترجمہ و تفسیر کی ہے، حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی بھی ایک ترجمہ اور مختصر حواشی لکھے ہیں، حضرت مولانا سید سلمان ندوی صاحب نے ”آخری وحی“ کے نام سے یہی خدمت انجام دی ہے۔

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ”آسان تفسیر قرآن مجید“ ہے، جو عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت فیوضہم کی شانہ روزمختوں و عرق ریزیوں کا ثمرہ و نتیجہ اور آپ کی علمی و فقہی بصیرت اور قرآنی علوم و اسرار سے گہری واقفیت کا آئینہ دار ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت عوام و خواص دونوں طبقات میں معروف و مشہور ہے اور آپ کی فقہی و علمی تصانیف اور دینی و ملی خدمات کا ایک عظیم و طویل سلسلہ ہے، جس نے آپ کی شخصیت کو ہر طبقے میں قابل اعتماد و لائق احترام بنا دیا ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے گونا گوں خصوصیات و کمالات سے نوازا ہے، جس کے نتیجے میں آپ میں علمی صلاحیت، فقہی بصیرت، تصنیفی و تالیفی کمال، تقریر و بیان کی خوبی، ملک و ملت کی خدمت کا ذوق، دعوتی و تبلیغی مہم جوئی، جیسے اوصاف جملہ جمع نظر آتے ہیں۔

آپ کے لئے اس نئے ترجمے و تفسیر کا محرک کیا بنا؟ اس کا ذکر آپ نے اپنے مقدمے میں ان الفاظ کے ساتھ کیا

ہے کہ :

ہمارے بزرگوں کے جو ترجمے موجود ہیں، وہ نہایت عمدہ اور بصیرت افروز ہیں؛ لیکن عربی زبان کے علاوہ تمام زبانوں میں ادب کے معیارات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں اور محاورات و اصطلاحات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس میں اردو زبان بھی شامل ہے؛ اس لئے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ بعض اردو تراجم کے الفاظ مشکل ہیں یا ان میں زبان و بیان کی خوبصورتی نہیں ہے؛ حالاں کہ یہ ترجمہ کی خامی نہیں ہوتی؛ بلکہ وقت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ زبان میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا اثر ہے؛ لہذا لوگوں کی سہولت کے لئے ضروری ہے کہ جیسے جیسے زبان اور اس کے ادب میں تبدیلی آئے، قرآن مجید کے ایسے ترجمے کئے جائیں، جن میں اس عہد کی رعایت ہو، یہی اس کاوش کا اصل محرک ہے۔

حضرت مولانا نے اس ترجمے و تفسیر میں جہاں اس بات کا لحاظ کیا ہے کہ وہ آسان زبان و سہل پیرایے میں ہو اور عوام الناس کے لئے بھی قابل فہم ہو، وہیں اس کا بھی بھرپور اہتمام کیا ہے کہ زبان و بیان کی چاشنی بھی باقی رہے اور یہ بھی کہ الفاظ قرآنی کے دائرے میں رہتے ہوئے با محاورہ ترجمہ کیا جائے اور اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانوی کی انھوں نے پیروی کی ہے۔

نیز آپ نے ترجمے میں ترجمے کی نزاکتوں کا بڑا لحاظ کیا ہے اور عربی زبان کی باریکیوں پر گہری نظر رکھتے ہوئے



اس طرح ترجمہ کیا ہے کہ منشاء ربانی کے سمجھنے میں عوام کو دقت بھی نہ پیش آئے، مگر قواعد عربیہ سے ترجمہ ہٹنے نہ پائے اور آزاد ترجمانی کا عیب اس میں نہ پیدا ہو۔

ان اُمور کے ساتھ اس کا بھی بہت اہتمام کیا گیا ہے کہ جدید افکار و نظریات اور ارتقاء پذیر تہذیب و تمدن اور نئے ازموں اور فلسفوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے شبہات و اشکالات کے دفعیہ و ازالہ کی راہ ہموار کی جائے اور وہ بھی اس طرح کہ کسی لفظ یا جملے کو اصل ترجمے کا سابقہ یا لاحقہ بناتے ہوئے ایسا معنی و مفہوم متعین کیا جائے کہ پڑھنے والا پڑھتے ہوئے اولاً تو کسی اشکال کا شکار ہی نہ ہو اور اگر کوئی اشکال ذہن میں ہو تو خود بخود رفع ہوتا جائے۔

اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان تمام التزامات و اہتمامات کے ساتھ ساتھ کوشش کی گئی ہے کہ سلف صالحین کی تفسیر و تحقیق اور ان کے مسلک سے سر موخرا ف نہ کیا جائے۔

بہر حال یہ ترجمہ و تفسیر میں سمجھتا ہوں کہ اس دور کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہے، جس میں ایک جانب سلف کے نظریات و خیالات اور ان کی تفاسیر و تاویلات کی عکاسی نظر آتی ہے تو دوسری جانب زمانے کے نئے تقاضوں کے مطابق جدید ذہنوں کی تسکین کا بھی بھرپور سامان دکھائی دیتا ہے۔

میں حضرت مولانا کی خدمت میں اس موقع پر مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم الشان خدمت کی توفیق عطا فرمائی اور اس کے لئے قبول فرمایا اور ساتھ ہی دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی شایان شان جزاء عطا کرے اور اس خدمت جلیلہ کو شرف قبول بخشے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی

(مہتمم: جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

۱۶ محرم ۱۴۳۶ھ، ۲۹ اکتوبر ۲۰۱۵ء

## بھرپور اور کامیاب کوشش

الحمد لله رب العالمین ، والصلاة والسلام علی رسولہ الکریم ،  
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ، اما بعد !

اللہ سبحانہ تعالیٰ رب العالمین ہے، اس کی ربوبیت دنیوی و اُخروی اور ظاہری و باطنی اعتبار سے بالکل کامل و مکمل ہے، اس نے اپنے بندوں کے لئے جس طرح حیات جسمانی کی بقاء و ترقی کے اسباب پیدا فرمائے، اسی طرح ہر زمانہ میں اپنے نبیوں اور رسولوں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کے ذریعہ، ان کی روحانی و اخلاقی اصلاح اور دینی ضروریات کی تکمیل بھی فرمائی، وہ جس طرح اپنے بندوں کی جسمانی زندگی اور مادی تقاضوں کی تکمیل کے لئے اپنی شانِ رزاقیت و ربوبیت کے مطابق انتظامات فرماتا رہا ہے، اسی طرح اپنے لطف و کرم سے اپنے بندوں کی روحانی غذا کے لئے ہر دور میں آسمانی وحی نازل فرماتا رہا ہے۔

اور جب انسانیت اپنے درجہ کمال کو پہنچ گئی یا پہنچنے والی تھی اور دنیا اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ایک قوم و اُمت بننے والی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر پر، جو رحمتہ للعالمین ہیں، اپنی آخری وحی اور کتاب بصورت قرآن نازل فرمائی، جو بالکل کامل و مکمل اور سارے عالمین کے لئے ان کی رب العالمینی کا کامل مظہر ہے، اب یہ رب العالمین کا آخری پیغام ہے اور ساری انسانیت کے لئے اور قیامت تک آنے والی تمام اقوام و ملل کے لئے بس یہی راہ ہدایت ہے، اس میں انسانی ترقی اور زمانوں و علاقوں کے فرق سے نہ کسی تبدیلی کا امکان ہے، نہ کمی بیشی کا؛ اسی لئے اصل وحی کے عربی زبان میں ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے الفاظ و معانی کی بقا کا ایسا انتظام فرما دیا کہ دنیا کی ہر وہ زبان جس کا انسانوں سے تعلق ہو، غیب سے قرآن کے معانی و مطالب کو اس زبان میں منتقل کیا جاتا رہا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جب ان کی علمی زبان فارسی رہی، قرآن مجید کے تراجم فارسی میں ہوتے رہے اور جب عام زبان فارسی کے بجائے اُردو ہو گئی تو اُردو کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ترجمانی کے شرف سے نوازا دیا، اُردو زبان میں بھی ہر تھوڑے عرصہ کے بعد قدیم و جدید کا فرق، علاقائی اور محاوراتی الفاظ کا فرق ہوتے رہنے سے ہر دور کی اُردو میں قرآن کے تراجم کی ضرورت ہوئی، تو اللہ کے غیبی نظام کے تحت اس ضرورت کی بھی تکمیل کا انتظام ہوتا رہا۔

زبان کے فرق کے علاوہ ہر دور کی اپنی فکری و علمی ضروریات ہوتی ہیں، قرآن کی ایک شاندار خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر زمانے میں اس کی ترجمانی و دعوت کے لئے جس فکری ریاض اور علمی خدمت کی ضرورت ہوئی، علماء دین کو اس کی پوری

توفیق ملی، اس کے علاوہ عوام کی ضرورت کا تقاضہ یہ بھی تھا کہ مفصل تفسیروں کے ساتھ مختصر تفسیر اور آسان ترجمے کا بھی انتظام کیا جائے، ادھر چند سالوں میں کئی علماء کو اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کی سعادت بخشی ہے، ان ہی علماء کرام میں ہمارے محترم ممتاز عالم و فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ بھی ہیں، ان کی سنجیدہ شخصیت کو ہندو بیرون ہند تمام ہی علمی حلقوں میں بڑے احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہ واقعی اس کے اہل بھی ہیں۔

عصر حاضر تیز رفتار تبدیلیوں اور مغربی تہذیب و فکر کے عالمی انتشار کی وجہ سے قرآن اور دین کی ترجمانی کے سلسلے میں ہمارے اس دور کے نئے تقاضے ہیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مولانا مدظلہ نے بھی قرآن مجید اور اس کی آسان تفسیر کا کام کیا اور ترجمے کی سہولت، صحت اور قرآنی اشارات کی رعایت کے علاوہ اس دور کی فکری خصوصیتوں اور ذہنی اشکالات و مسائل کی بھی اس طرح رعایت کی ہے کہ ذہن کو ایمان و اذعان نصیب ہو اور دل تاثر کی کیفیت محسوس کرے، میں نے مختلف جگہوں سے ترجمہ دیکھا، قرآن کا حق تو کیا کوئی بندہ ادا کر سکتا ہے؛ البتہ ترجمہ میں جن علمی اور دینی باتوں کی ضرورت ہے، اس تفسیر میں موجودہ اردو زبان کے اسلوب میں اس کو پوری کرنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ -

حضرت مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی

(صدر کلئۃ الشریعہ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۲۱ شوال ۱۴۳۶ھ، ۷ اگست ۲۰۱۵ء



## معتبر تفاسیر قرآنی کا عصر

قرآن کریم کے نزول کے ساتھ دین قیم ”اسلام“ کو مکمل کر کے نبی رحمت للعالمین پر ختم نبوت کا بھی حکیم و خیر رب نے اعلان فرمادیا اور اب اس عالمی نبی رحمت ﷺ کی اُمت کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ اس عالمی پیغام اور رب العالمین کے کلام کو پوری انسانیت تک نبی کی نیابت میں، ان کی زبانوں میں، ان کی عقلی سطح اور شعور کے مطابق ان تک پہنچائیں، اس کے لئے ہمارے علماء کے سرخیل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر آج تک علماء مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کرتے رہے ہیں، خود ہندوستان کی زبان اُردو میں کتنے تراجم قرآن مجید کے ہو چکے ہیں اور بہت بڑا تفسیری سرمایہ ہماری زبان میں بھی ہمارے پاس دستیاب ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب علمی سطح بہت پست ہو چکی ہے، ہمتیں بالکل جواب دے گئی ہیں اور طبیعتیں اختصار پسند ہو گئی ہیں، ضرورت تھی کہ قرآن کو اس کے اصل موضوع کتاب ہدایت بنا کر بہت آسان اور عام فہم زبان میں اس کا ترجمہ اور زمانہ کی علمی اور فکری سطح کے لحاظ سے مختصر تفسیر اُردو میں لکھی جائے، جس کا ترجمہ ملک کی مختلف زبانوں میں کیا جاسکے۔

قرآن مجید سے تعلق رکھنے والوں اور اس سے آسانی کے ساتھ استفادہ کرنے والوں کو مبارک ہو کہ برصغیر کے ایک درد مند داعی و فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہم نے اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود موضوع کی اہمیت اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ آسان ترجمہ اور تفسیری ہدیہ ملت اسلامیہ ہند کو عطا کیا ہے۔

عالم اسلام کے معتدل اور تبشیر فی الدعوة اور تبشیر فی الفقہ کے حامل علماء خصوصاً برصغیر کے پندرہویں صدی کے علماء اور فقہاء کا تذکرہ جب بھی تاریخ میں کیا جائے گا، ملت کے اس درد مند عالم دین فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا تذکرہ اس میں ضرور شامل کیا جائے گا، مولانا محترم کی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر اور قرآنی علوم سے استفادہ کے لئے جن عمیق علوم کی ضرورت ہے، مولانا ان کے مقام تحقیق پر فائز ہیں، اس کے ساتھ موجودہ عصری تعلیم یافتہ طبقہ کی ذہنیت، علمی، فکری اور لسانی سطح سے نہ صرف ان کو واقفیت ہے؛ بلکہ ذہنی سطح پر ان سے پورا ربط ہے اور قرآن کے اصل موضوع ہدایت انسانی کا درد ان پر سوار ہے۔

اس طرح ان کا یہ ترجمہ اور تفسیر انسانیت کے لئے ایک عظیم تحفہ ہے، اس تفسیر کی جملہ خصوصیات میں ہم جیسے عامی کے لئے سب سے زیادہ اہم خصوصیت یہ ہے کہ فن تفسیر کے اکثر نامور محققین کے علوم سے تفاسیر قرآنی کا عصر کشید کر کے مولانا محترم نے ہم جیسے عامی کی دسترس تک پہنچا دیا ہے اور نئی نسل اور سائنسی ذہنیت رکھنے والے جدید ذہن کی بھرپور رعایت بھی اس میں کی گئی ہے۔ رب کریم پوری اُمت کی طرف سے مولانا محترم کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کو کم از کم ملک کی سب زبانوں میں ترجمہ ہو کر ہر خاص و عام کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی

(ناظم: جامعہ شاہ ولی اللہ پھلت، ضلع مظفر نگر)

۲۱/محررم ۱۴۳۷ھ، ۲۴/نومبر ۲۰۱۵ء

## وقت کی ضرورت کے مطابق

برصغیر میں تراجم قرآن مجید کے بانی اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ ہیں اور بقول حضرت شیخ الہندؒ: ”اگر یہ مقدسین اکابر قرآن شریف کی اس ضروری خدمت کو انجام نہ دے جاتے تو اس شدت ضرورت کے وقت میں ترجمہ کرنا بہت دشوار ہوتا، علماء کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لئے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑتا اور بہت ہی فکر کرنا ہوتا اور ان وقتوں کے بعد بھی ایسا ترجمہ نہ کر سکتے جیسا کہ اب کر سکتے ہیں، پھر بھی اللہ کا کوئی بندہ ایسا ہوتا تو ہوتا کہ کمال علم و تدین کے ساتھ اس مشقت کو گوارا کر کے اس خدمت کو کمائی بیغی انجام دینے کے لئے موفق ہوتا: ”فجزاھم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین أحسن الجزاء وأفضل الجزاء والحمد للہ“۔ (مقدمہ موضح الفرقان)

دورِ حاضر میں عموماً دو قسم کے تراجم دستیاب ہیں، ایک: تحت اللفظ ترجمہ، اور دوسرے: بالمحاویرہ ترجمہ، اول کی بنیاد شاہ رفیع الدینؒ نے ڈالی اور ثانی کے بانی شاہ عبدالقادرؒ ہیں اور ظاہر ہے کہ ترجمہ سے اصل فائدہ اور اہم غرض یہ وابستہ ہے کہ قرآن مجید کا سمجھنا آسان ہو جائے، یہ غرض جس قدر بالمحاویرہ ترجمہ سے حاصل ہو سکتی ہے، تحت لفظی ترجمہ سے کسی طرح ممکن نہیں، شاہ عبدالقادرؒ نے بالمحاویرہ ترجمہ کرنے کی یہی غرض بیان کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اکابر میں جس کسی نے اس میدان میں قدم رکھا، انھوں نے شاہ صاحبؒ ہی کا اتباع کیا اور بالمحاویرہ ترجمہ اختیار کیا، معتبر مترجمین میں حضرت شیخ الہندؒ و حضرت تھانویؒ سے لے کر موجودہ دور میں مفتی تقی عثمانی مدظلہ تک سب ہی نے حضرت مددوح ہی کے نقش پا کا اتباع کیا ہے۔

لیکن ”ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں“، بھی ایک مسلم حقیقت ہے؛ چنانچہ عموماً دو تین امور از سر نو تراجم سابقہ میں تجدید کے محرک بنتے ہیں، بعض کلمات و محاورات کا متروک یا قریب بہ متروک ہو جانا، سہولت پسند طبائع کے لئے اختصار عبارت کا فہم میں خلل ہونا اور جدید افکار و نظریات سے متاثر افراد کے لئے تشفی کا سامان نہ ہونا، ایسے ہی کچھ امور مولانا رحمانی زید مجدہ کے لئے اس ترجمہ کا محرک بنے، جس کا تفصیلی تذکرہ مولانا نے مقدمہ میں کیا ہے، آپ نے ترجمہ میں کن امور کی رعایت فرمائی ہے اور حواشی میں کیا باتیں ملحوظ رکھی ہیں؟ ان سب کا تفصیلی بیان آپ کی تقدیم میں موجود ہے، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا یہ تعارف واقعہ کے عین مطابق ہے اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے، یہ ترجمہ و حواشی اس کا کامل مصداق ہے۔

محترم مترجم کی طرف اس کا انتساب ہی استناد کے لئے کافی ہے، فاضل گرامی المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد، اسلامک فقہ اکیڈمی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے جو عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ قابل رشک اور مدارس اسلامیہ کے لئے سرمایہ افتخار ہیں، فقہی بصیرت میں تو امتیازی شان کے حامل ہیں ہی، اس آسان تفسیر نے ثابت کر دیا کہ معلم قرآن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے آپ کو قرآن فہمی کا خصوصی ذوق بھی بخشا گیا ہے۔

دُعا گوہوں کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد اسے پایہ تکمیل کو پہنچائے، اُمت کے لئے نافع بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی عبداللہ مظاہری

(بانی و ناظم: جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات)

۳ محرم ۱۴۳۷ھ، ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۵ء



## سُورَةُ هٰرِیْمِ

«سورہ نمبر : (۱۹)

«رکوع : (۶)

«آیتیں : (۹۸)

«نوعیت : مکی

آسان تفہیم قرآن مجید

قرآن مجید میں جن پاکباز خواتین کا ذکر خاص طور پر آیا ہے، ان میں ایک حضرت مریم علیہا السلام ہیں، یوں تو حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ کئی سورتوں میں آیا ہے؛ لیکن اس سورت میں نسبتاً تفصیل کے ساتھ آپ کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، اس لئے اس کا نام سورہ مریم ہے۔

سورہ مریم اس اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ دنیائے انسانیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے بیٹے ہونے کا جو تصور گھڑ لیا گیا، یہ سورت مدلل طور پر اس کا رد کرتی ہے، اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے علاوہ بوڑھا پے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ کے ماں بننے کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے؛ کیوں کہ کنواری عورت کا ماں بننا بھی خلافِ عادت ہے اور عمر رسیدہ بانجھ عورت کا ماں بننا بھی، اس سورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت، ان کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کی رفاقت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر آیا ہے اور زیادہ تر توحید و رسالت اور آخرت کے مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

كَهَيْعَصَ ۚ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۚ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۖ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۖ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ کاف، ہا، یا، عین، صاد، (۱) یہ آپ کے پروردگار کے اپنے بندہ زکریا پر مہربانی فرمانے کا ذکر ہے ۝ جب کہ انھوں نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی (۲) انھوں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، سر کے بال سفید ہو گئے ہیں اور اے میرے پروردگار! آپ سے درخواست کر کے میں (کبھی بھی) محروم نہیں رہا ۝ مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ رہتا ہے (کہ وہ حق کے راستے سے ہٹ جائیں) اور میری بیوی بھی بانجھ ہے؛ لہذا مجھ کو اپنی طرف سے ایک ایسا وارث عطا فرما دیجئے ۝ جو میرا جانشین اور یعقوب کے خاندان کا وارث ہو (۳) اور اے میرے پروردگار! اُس کو ایک پسندیدہ شخص بنا دیجئے۔ ۝

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۱ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ، زور سے دُعا مانگنے کے مقابلہ میں آہستہ دُعا مانگنا افضل ہے، آگے آیت نمبر: ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ دُعا نماز کی حالت میں کی گئی تھی، اس کا اشارہ سورہ آل عمران آیت نمبر: ۳۹ میں بھی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خاص طور پر نماز میں آہستہ دُعا کرنا افضل ہے؛ اسی لئے فقہاء احناف نماز میں آہستہ آمین کہنے کے قائل ہیں۔

(۳) یہاں وراثت سے دینی اور علمی وراثت مراد ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کے وارث علماء ہیں، انبیاء درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑتے؛ بلکہ وہ اپنی میراث میں علم کو چھوڑ کر جاتے ہیں: ”إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنْ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَثَا الْعِلْمَ“ (ابوداؤد: کتاب العلم، باب البحث علی طلب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۴۳، ترمذی: کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل التفقہ علی العبادۃ، حدیث نمبر: ۲۶۸۲) نیز آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا: ہم کوئی مالی وراثت چھوڑ کر نہیں جائیں گے، ہمارا پورا کا پورا ترکہ صدقہ ہوگا: ”(لا نورث، ما ترکنا صدقة“ (بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۳۹۹۸) اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے یہ بات تمام انبیاء کے بارے میں ارشاد فرمائی کہ انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی: ”نحن معشر الأنبياء لا نورث“ (نسائی فی الکبریٰ، باب ذکر موارث الانبیاء، حدیث نمبر: ۶۳۰۹) اس لئے اللہ کے رسول حضرت زکریا ﷺ کے متروکہ میں میراث کیسے جاری ہو سکتی ہے، حضرت زکریا ﷺ کا منشا یہ تھا کہ ہماری قوم کے دین حق کے راستے سے ہٹ جانے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے مجھے ایسا فرزند عطا فرمائیے، جو دین کی تعلیم و اشاعت کے اعتبار سے میرا وارث ہو، اس تفصیل سے یہ بات بھی ←

يٰۤاِذَا نَبَشِّرُكَ بِغُلَمٍ اِسْمُهُ يُحْيٰى ۚ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَبِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنِّى  
يَكُوْنُ لِىْ غُلَمٌ وَّ كَاَنْتِ اِمْرَاَتٍ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتَ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۙ قَالَ  
رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هٰٓئِنٍ وَّ قَدْ خَلَقْتَنكَ مِنْ قَبْلُ وَّلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْ اٰيَةً ۙ قَالَ  
اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ  
اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ۝

(اللہ نے فرمایا:) اے زکریا! ہم تجھ کو ایک بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہوگا، ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ زکریا نے کہا: میرے پروردگار! مجھے کس طرح بیٹا ہوگا، جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں؟ ﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: ایسا ہی ہو کر رہے گا، آپ کے پروردگار نے فرمایا: یہ میرے لئے معمولی بات ہے، میں نے ہی تو تم کو پہلے پیدا کیا ہے؛ حالاں کہ (اس وقت) تم کچھ بھی نہیں تھے ﴿۴﴾ زکریا نے کہا: میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے، ارشاد ہوا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم مسلسل تین (دن و) رات تندرست ہونے کے باوجود بات چیت نہ کر سکو گے ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ پھر زکریا حجرے سے اپنی قوم کے سامنے آئے اور انھیں اشارہ کیا کہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو۔ ﴿۷﴾ ﴿۸﴾

← واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو فدک کی زمین تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ عہد باللہ ان کی طرف سے نا انصافی کا عمل نہیں تھا؛ بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تھی — حضرت زکریا رضی اللہ عنہ کی اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کی دعا کی جاسکتی ہے اور یہ دعا تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے منافی نہیں ہے۔

﴿۱﴾ ”سمی“ کے معنی ”ہم نام“ کے ہیں، یعنی حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہ سے پہلے اس نام کے کوئی اور صاحب پیدا نہیں ہوئے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری رضی اللہ عنہ اور زیادہ تراہل علم کی یہی رائے ہے اور یہی رائج ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ ”سمی“ کے معنی ”مثال“ اور ”نظیر“ کے ہیں، یعنی ہم بعض خصوصیات میں ان کو بے نظیر بنا کر پیدا کر رہے ہیں، اس رائے کو اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مفاتیح الغیب: ۱۰/۲۰۶)

﴿۲﴾ یعنی گفتگو نہ کرنا بطور ایک نشانی کے ہوگا نہ کہ کسی بیماری کی وجہ سے۔

﴿۳﴾ حضرت زکریا رضی اللہ عنہ کا اشارہ سے تسبیح کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اشارہ بھی گفتگو کے قائم مقام ہوتا ہے، اور جن امور کو زبان سے انجام دیا جاتا ہے، بوقت ضرورت اشارہ کے ذریعہ بھی ان کو انجام دیا جاسکتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پچھلی اُمتوں میں امام کے نماز پڑھانے کی جگہ مقتدیوں سے اونچی ہوا کرتی تھی؛ کیوں کہ ”محراب“ عربی زبان میں اس اونچی جگہ کو کہتے ہیں جو زمین کے اوپر بنائی جاتی ہے؛ (لسان العرب: ۳/۱۰۲) لیکن اس اُمت کے لئے یہ حکم باقی نہیں رہا اور امام کے مقتدیوں سے اونچائی پر کھڑے ہونے کو منع فرمایا گیا؛ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص لوگوں کی ←

يُحْيِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۚ وَاتَّبِعْهُ الْحُكْمَ صَبِيحًا ۖ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۚ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴ وَسَلَّمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ ۚ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝۱۶ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝۱۷ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِن كُنْتَ تَقِيًّا ۝۱۸ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝۱۹ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝۲۰ قَالَ كَذَلِكَ ۖ قَالَ رَبِّكِ هُوَ عَلَى هَيْئٍ ۖ وَلَنَجْعَلَ لَآيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا ۖ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝۲۱

(اللہ کا حکم ہوا:) اے یحییٰ! مضبوطی کے ساتھ کتاب تھام لو اور ہم نے بچپن ہی میں اس کو حکمت و دانائی سے نوازا دیا تھا ۝۱۳ نیز اپنی طرف سے رحمہ لی اور پاکیزگی عطا کر دی تھی، وہ بڑا ہی پرہیزگار ۝۱۴ اور اپنے والدین کا فرمانبردار تھا، سرکش اور نافرمان نہیں تھا، ۝۱۵ سلامتی ہو اس پر جس دن وہ پیدا ہوا، جس دن اس کی موت ہوگی اور جس دن وہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا، ۝۱۶ اس کتاب میں مریم کا حال بھی بیان کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان میں چلی گئی جو مشرق کی طرف واقع تھا ۝۱۷ پھر اس نے ان لوگوں کے سامنے ایک پردہ ڈال دیا، اس کے بعد ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتے (روح الامین) کو بھیجا؛ چنانچہ وہ اس کے سامنے ایک صحت مند آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا ۝۱۸ مریم نے کہا: اگر تجھے اللہ کا ڈر ہے تو میں تجھ سے اس ذات کی پناہ مانگتی ہوں، جو بے حد مہربان ہے، ۝۱۹ فرشتہ نے کہا: میں تیرے رب کی طرف سے ہی بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں؛ تاکہ تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کر دوں ۝۲۰ مریم نے کہا: نہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ میں بدچلن ہوں، مجھے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ ۝۲۱ فرشتہ نے کہا: یوں ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لئے ایک معمولی بات ہے، ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس کو لوگوں کے لئے ایک نشانی اور اپنی طرف سے باعثِ رحمت بنادیں اور یہ بات (اللہ کی طرف سے) طے پا چکی ہے۔ ۝۲۱

← امامت کرے تو مقتدیوں کی جگہ سے بلند جگہ نہ کھڑا ہو: ”إِذَا أَمَرَ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِي مَكَانٍ أَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ“۔ (ابوداؤد، کتاب الصلاة، باب الامام یقوم مکانا ارفع من القوم، حدیث نمبر: ۵۹۸)

﴿۱﴾ حضرت زکریاؑ کا واقعہ سورۃ آل عمران آیت نمبر: ۳۷، ۳۸ میں آچکا ہے اور وہاں واقعہ کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَدَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۱۶﴾ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۖ قَالَتْ  
 يَلَيِّنَنِي مَتَى قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مِّنْ نَّسِيًّا ﴿۱۷﴾ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ  
 رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۱۸﴾ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ﴿۱۹﴾ فَكُلِي  
 وَاشْرَبِي وَقَرِي عَيْنًا ۖ فَمَا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۖ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا  
 فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا ﴿۲۰﴾ فَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا لِمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا  
 فَرِيًّا ﴿۲۱﴾ يَا خُتُّ هَرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ ۖ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ﴿۲۲﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ  
 قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۳﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي  
 نَبِيًّا ﴿۲۴﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۲۵﴾ وَبَرًّا  
 بِوَالِدَتِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۲۶﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ  
 أُبْعَثُ حَيًّا ﴿۲۷﴾

چنانچہ مریم کو حمل ٹھہر گیا، پھر وہ اسے لے کر دور جگہ پر چلی گئی ﴿۱۶﴾ پھر درِ دِزہ نے اسے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا، وہ کہنے لگی: کاش! میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور بھولی بسری بن چکی ہوتی ﴿۱۷﴾ فرشتے نے اس کو اس کے نیچے سے آواز دی: ”غم نہ کرو، تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے، ﴿۱۸﴾ اپنی طرف کھجور کے تنے کو ہلاؤ، اس سے تم پر پکی ہوئی کھجوریں گریں گی، ﴿۱۹﴾ اب کھاؤ، پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر کسی آدمی کو دیکھو تو (اشارہ سے) کہہ دو کہ میں نے خدائے رحمن کے لئے روزہ کی منت مان رکھی ہے؛ اس لئے میں آج کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی“ ﴿۲۰﴾ پھر مریم اسے گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم میں لے کر آئی، لوگ کہنے لگے: اے مریم! تم نے بہت غلط حرکت کی ہے ﴿۲۱﴾ اے ہارون کی بہن! نہ تیرے والد بڑے آدمی تھے اور نہ تیری والدہ بدکار تھیں ﴿۲۲﴾ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا (کہ ان ہی سے بات کر لو)، لوگ کہنے لگے: ہم لوگ گود کے بچے سے کیسے بات کریں؟ ﴿۲۳﴾ بچہ بول اٹھا: ”یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے ﴿۲۴﴾ اور جہاں کہیں بھی رہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے، نیز جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی ہے ﴿۲۵﴾ اس بات کی بھی کہ میں اپنی والدہ کا فرمانبردار رہوں، اور مجھ کو سرکش اور بد بخت نہیں بنایا ﴿۲۶﴾ مجھ پر سلامتی ہو، اس دن بھی جس دن میں پیدا ہوا، اس دن بھی جس دن میری موت واقع ہوگی اور اس روز بھی جب میں زندہ اٹھایا جاؤں گا“ ﴿۲۷﴾

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٢٢٧﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ  
وَلَدٍ ۚ سُبْحٰنَهُ ۚ اِذَا قُضِيَ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٢٢٨﴾

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم (اور ان کے بارے میں) سچی بات، جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں ﴿۱﴾ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ بیٹا بنائیں، اس کی ذات (اس سے) پاک ہے، اللہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتے ہیں تو فرماتے ہیں: ہو جا، بس وہ چیز ہو جاتی ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱﴾

﴿﴾ حضرت مریم علیہا السلام کا اور حضرت عیسیٰ ﷺ کی ولادت کا ذکر سورہ آل عمران آیت نمبر: ۳۵ تا ۴۷ میں آچکا ہے، یہاں آیت نمبر: ۱۶ تا ۳۳ میں حضرت عیسیٰ ﷺ کی ولادت کے واقعہ کو نسبتاً زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس میں متعدد اہم باتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے :

پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ ان کی رہائش کی جگہ اور جہاں دوسرے لوگ موجود تھے، ان کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کی رہائش ایسی جگہ ہونی چاہئے، جو غیر محرم مردوں سے دور ہو اور وہ پردہ کے اہتمام کے ساتھ رہ سکیں۔

دوسرے : اللہ کا فرشتہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آگیا، اس سے معلوم ہوا کہ پردہ کے جو احکام ہیں، وہ اصل میں انسانوں کے سامنے ہیں، انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات سے پردہ کے لازمی احکام نہیں ہیں، ہاں یہ بہتر بات ہے کہ انسان تنہائی میں بھی لے لباس نہ ہو جائے۔

تیسرے : حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر کسی مرد کے تعلق کے حمل ٹھہر گیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی ولادت کا عمومی نظام یہ ہے کہ ایک مرد و عورت کے تعلق کے ذریعہ بچہ پیدا ہو، لیکن صرف ماں یا صرف باپ کے ذریعہ بھی بچہ کی پیدائش ہو سکتی ہے؛ کیوں کہ حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش تنہا حضرت آدم ﷺ سے ہوئی اور حضرت عیسیٰ ﷺ کی پیدائش تنہا حضرت مریم علیہا السلام سے ہوئی؛ لہذا موجودہ دور میں کلوننگ کے ذریعہ صرف مرد یا صرف عورت سے جو بچہ کی پیدائش ممکن ہو گئی ہے، وہ قرآن مجید کے بیان کئے ہوئے نظام تخلیق کو غلط ثابت نہیں کرتا، ہاں یہ اور بات ہے کہ چوں کہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کے عام نظام تخلیق سے مختلف ہے اور اللہ تعالیٰ نے تخلیقی نظام میں تغیر و تبدیلی کو شیطانی فعل قرار دیا ہے، (النساء: ۱۱۹) اس لئے انسانی کلوننگ جائز نہیں ہے۔

چوتھے : حضرت مریم علیہا السلام ولادت کے وقت لوگوں سے دور چلی گئیں، بائبل کے مطابق یہ جگہ ”بیت المعم“ کی پہاڑی تھی (لوقا: ۱:۲-۲) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ولادت کے مرحلہ میں عورتوں کو ایسی جگہ رکھا جانا چاہئے جو مکمل پردہ کی ہو، خواہ کوئی نہ ہو یا ایسی کھلی جگہ جہاں دور دور تک دوسرے لوگ نہ ہوں۔

پانچویں : حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کھانے کی ترغیب دی گئی، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ایسی خواتین کے لئے کھجور ایک مفید غذا ہے؛ کیوں کہ اس میں غذائیت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور کھانے کے ساتھ بانی کا بھی انتظام کیا گیا، اس سے ←

← معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کھانا دیا جائے تو اس کے ساتھ پانی بھی دیا جائے؛ کیوں کہ کھانے کے بعد پانی پینا انسان کی فطرت ہے۔  
چھٹی : قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے موت کی دُعا کی کہ میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی؛  
حالاں کہ موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر شوہر کے ماں بننے کی وجہ سے  
بدنامی کا اندیشہ تھا اور تہمت کے مواقع سے بچنا ایک شرعی حکم ہے؛ لہذا موت کی تمنا ایک دینی مقصد کے تحت تھی اور موت کی تمنا  
کرنے کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ اس کا سبب دنیا کا رنج و غم ہو۔

ساتویں : حضرت مریم علیہا السلام نے لوگوں کے سوال کا جواب نہیں دیا اور کہا کہ میں روزہ سے ہوں، یہ اس لئے کہ بعض  
گذشتہ شریعتوں میں روزوں میں جیسے کھانے پینے کی ممانعت تھی، اسی طرح گفتگو کی بھی ممانعت تھی؛ لیکن اس اُمت میں یہ حکم نہیں  
رہا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص روزہ میں گفتگو کرنا بھی ترک کر دے تو یہ درست نہیں؛ اسی لئے آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ  
کوئی شخص بات نہ کرنے کا تہیہ کر لے اور فقہاء نے اس کو گناہ قرار دیا ہے؛ کیوں کہ بعض دفعہ بات کرنا واجب بھی ہو جاتا ہے،  
(مرقاۃ المفاتیح: ۲/۲۴۷، باب فی النذور)، نیز شریعت میں جس بات کا حکم نہ ہو، اس کو اپنے اوپر مسلط کر لینا بدعت اور دین میں اضافہ ہے،  
جس سے آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، کتاب الصلح، حدیث نمبر: ۲۵۵)

آٹھویں : حضرت عیسیٰ ﷺ نے جو فرمایا کہ مجھے نبی بنایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ کو نبوت  
عطا کر دی گئی تھی، یہ مستقبل کے اعتبار سے ہے کہ انھیں آئندہ نبی بنایا جائے گا؛ چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ  
کو تیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی، (تفسیر خازن: ۲۵۱/۱) یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ نے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی جن  
ہدایات کا ذکر فرمایا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ میں اپنی والدہ کا فرمانبردار رہوں، اس طرح قرآن نے اس غلطی کا ازالہ کر دیا جس  
کا ذکر بائبل میں ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کا اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں تھا، (متی: ۱۲:۴۶-۵۰،  
مرقس: ۳:۳۱-۳۵، لوقا: ۸:۱۹-۲۱) اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت ہارون کی بہن قرار دیا گیا، تو اس سے مراد وہ ہارون نہیں ہیں  
جو حضرت موسیٰ ﷺ کے بھائی تھے؛ بلکہ عام طور پر پیغمبروں کے نام پر لوگ اپنے بچوں کے نام رکھتے تھے، حضرت مریم علیہا السلام  
کے بھائی کا بھی ان کے والد نے اسی نسبت سے ہارون نام رکھا تھا، خود حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

(ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ المريم: ۳۱۵۵)

﴿۲﴾ ہر ایک کی شان اس کے لحاظ سے ہوتی ہے، جیسے مرد کی شان یہ ہے کہ وہ شوہر ہو، اگر کسی مرد کو کہا جائے کہ وہ فلاں کی بیوی ہے  
تو یہ یقیناً اس کی توہین ہوگی؛ لیکن مرد کو شوہر کہا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ بعض جہتوں سے یہ اس کے لئے باعث افتخار  
ہے، یہی حال بیٹا بنانے کا بھی ہے، انسان کے لئے بیٹے کا باپ ہونا ایک قابل تعریف بات ہے اور لوگ اس کو بطور فخر کے ذکر کرتے  
ہیں؛ لیکن کسی مخلوق کو خدا کی اولاد ظاہر کرنا یہ خدا کی شان کے خلاف ہے، خدا کے اور اس کی مخلوق کے درمیان جو رشتہ ہے، وہ یہ ہے کہ  
خدا مالک ہے اور بندہ اس کی ملکیت، خدا خالق ہے اور بندہ اس کی مخلوق؛ اس لئے کسی مخلوق کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی قرار دینا اللہ تعالیٰ کی  
شان کے خلاف ہے اور گستاخی ہے۔

وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۱۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ قَوْلُ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۷﴾ أَسْبَغَ بِهِمْ وَأَبْصَرَ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۱۸﴾ وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۖ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۹﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۲۰﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿۲۱﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ﴿۲۲﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۲۳﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ﴿۲۴﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ﴿۲۵﴾

اور (عیسیٰ نے کہا تھا:) اللہ ہی میرے اور تمہارے پروردگار ہیں؛ لہذا اسی کی عبادت کیا کرو، یہی سیدھا راستہ ہے ﴿۱۶﴾ پھر بھی مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے تو جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لئے ایک سخت دن کی حاضری کے وقت تباہی و بربادی ہوگی ﴿۱۷﴾ جس دن وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے، خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے؛ لیکن یہ ظالم آج کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۱۸﴾ (اے رسول!) ان کو حسرت و پشیمانی کے اس دن سے ڈرائیے جب فیصلہ کر دیا جائے گا، صورت حال یہ ہے کہ (آج) وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ہیں، ﴿۱۹﴾ یقیناً تمام روئے زمین اور جو کچھ زمین پر ہے، صرف ہم ہی ان کے مالک رہ جائیں گے ﴿۲۰﴾ اور ہماری ہی طرف یہ سب لوٹائے جائیں گے ﴿۲۱﴾ اور کتاب میں ابراہیم کا بھی ذکر کیجئے، وہ ایک سچے انسان اور نبی تھے ﴿۲۲﴾ جب انھوں نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! آپ ایسی چیز کی پوجا کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتا ہے؟ ﴿۲۳﴾ ابا جان! میرے پاس ایسا علم آیا ہے، جو آپ کے پاس نہیں آیا؛ اس لئے آپ میرے راستے پر چلئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا ﴿۲۴﴾ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، یقیناً شیطان خدائے رحمن کا نافرمان ہے ﴿۲۵﴾ اے ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو اللہ کا عذاب آپکڑے، پھر آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ یوں تو یہ دنیا بھی پوری کی پوری اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے؛ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اسباب کا واسطہ رکھا ہے، انسان جس چیز کو استعمال کرتا ہے، وہ اس کا مالک سمجھا جاتا ہے؛ لیکن جب عالم آخرت کا آغاز ہوگا تو اسباب ختم ہو جائیں گے اور ہر چیز براہ راست اللہ کی ملکیت میں ہوگی؛ اس لئے فرمایا گیا کہ ہم ہی ان کے مالک ہو جائیں گے۔





وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ  
الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا آخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾

اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے، وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے ﴿۵۱﴾ ہم نے طور کی داہنی طرف سے آواز دی اور رازی باتیں کہنے کے لئے نزدیک بلا لیا ﴿۵۲﴾ اور ہم نے اپنی رحمت سے موسیٰ کو ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا فرمایا (تاکہ رسالت کے کام میں وہ ان کی مدد کریں)۔ ﴿۵۳﴾

← حالاں کہ غیر مسلم کے لئے مغفرت کی دُعا کرنا جائز نہیں؛ لیکن غور کیا جائے تو حضرت ابراہیم ؑ کی یہ دُعا اس ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی؛ کیوں کہ جب کسی شخص کا انتقال کفر کی حالت میں ہو جائے تو اس کے لئے دُعا مغفرت نہیں کی جاسکتی؛ لیکن اگر وہ زندہ ہو تو اس کے لئے اس معنی میں دُعا مغفرت کی جاسکتی ہے کہ اے اللہ! اسے ہدایت عطا فرما دیجئے؛ تاکہ اس کے گناہ معاف ہو جائیں، گویا یہ صرف مغفرت کی دُعا نہیں ہے؛ بلکہ ہدایت کی دُعا بھی ہے؛ اسی لئے جب حضرت ابراہیم ؑ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کے والد ہدایت سے محروم ہی رہیں گے تو آپ نے اپنی براءت کا اظہار فرما دیا: ”فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ“۔ (التوبہ: ۱۱۴)

چوتھے : حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے کافرو والد کو سلام کیا، اس سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل کی جاسکتی ہے، مشہور فقیہ سفیان ابن عیینہ ؒ اسی کے قائل ہیں، (التفسیر المنید: ۱۶/۱۱۲) لیکن زیادہ تر اہل علم کے نزدیک غیر مسلموں کو سلام میں پہل کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے: ”لا تبدوا الیہود والنصارى بالسلام“ (مسلم، کتاب السلام، باب النبی عن ابتداء، حدیث نمبر: ۲۱۶۷) لہذا ممکن ہے کہ پہلی شریعتوں میں سلام کی اجازت رہی ہو، یا سلام سے حضرت ابراہیم ؑ کی مراد کفر سے سلامتی ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کفر و گمراہی سے سلامتی و نجات عطا فرمائیں اور غیر مسلموں کے لئے اس کی دُعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے۔

پانچویں : جب حضرت ابراہیم ؑ کی قوم نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تو حضرت ابراہیم ؑ نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی فرد یا گروہ کو حق کی دعوت دی جائے اور وہ اسے قبول نہیں کرے تو دینی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے کنارہ کشی اختیار کی جاسکتی ہے، اس کی دلیل حضرت کعب ؑ اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ بھی ہے جن کے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے آپ ؐ نے ان کے بایکٹ کا حکم دیا، (بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۱۵۶) لیکن اگر بے تعلقی برتنے کا سبب دنیوی رنجش ہو تو اولاً تو اس سے مطلقاً بچنا چاہئے؛ لیکن اگر ایسا نہ کر سکتے تو زیادہ سے زیادہ تین دنوں تک آپ ؐ نے گفتگو نہ کرنے کی اجازت دی ہے، (مسلم، کتاب البر و الصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاث، حدیث نمبر: ۲۵۶۱) اس سے زیادہ مدت کے لئے ترک تعلق اور ترک گفتگو جائز نہیں۔

﴿﴾ یہاں حضرت موسیٰ ؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، گذشتہ سورتوں میں تفصیل سے حضرت موسیٰ ؑ، نیز قوم فرعون اور بنی اسرائیل کو ان کے دعوت دینے کا ذکر آچکا ہے۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۖ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۖ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ  
بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۖ وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ ۖ إِنَّهُ كَانَ  
صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۖ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ  
ذُرِّيَّةِ آدَمَ ۖ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَءِيلَ ۖ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا  
وَاِجْتَبَيْنَا ۖ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۖ

السجدة ۵

اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے کہ وہ وعدہ کے بڑے پکے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے۔ ﴿۵۱﴾ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے نزدیک بڑے پسندیدہ شخص تھے ﴿۵۲﴾ کتاب میں ادريس کا بھی ذکر کیجئے، وہ بھی بہت سچے انسان اور پیغمبر تھے ﴿۵۳﴾ ہم نے ان کو بلند رتبہ عطا کیا تھا ﴿۵۴﴾ یہ وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جو آدم کی نسل سے اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں، جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا، نیز ابراہیم و اسرائیل کی نسل سے ہیں ﴿۵۵﴾ اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت عطا فرمائی اور منتخب کر لیا، جب ان پر خدائے رحمن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں، تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے تھے۔ ﴿۵۶﴾

﴿۱﴾ حضرت اسماعیل ؑ، حضرت ابراہیم ؑ کے بڑے فرزند ہیں، ان کو مکہ میں قبیلہ بکرہ کی طرف نبی بنایا گیا تھا، (قرطبی: ۱۱۹/۱۱) یہاں ان کے بنیادی اوصاف کو بتایا گیا ہے کہ وعدہ کے پکے تھے، اس سے وعدہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو جلیل القدر پیغمبر کے خصوصی وصف کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، دوسرے اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ علماء اور داعیان دین کو اپنے بال بچوں کی اصلاح و تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اس بستی کو انسانوں سے بسانے کا آغاز حضرت آدم ؑ سے فرمایا، حضرت آدم ؑ پہلے انسان بھی تھے اور پہلے پیغمبر بھی، آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شیث ؑ کے نبی بنائے جانے کا ذکر ملتا ہے، حضرت شیث ؑ کے بعد جن کو نبوت سے نوازا گیا، وہ حضرت ادريس ؑ ہیں، سیرت کی کتابوں کی بعض روایات کے مطابق حضرت نوح ؑ، حضرت شیث ؑ کے پوتے ہیں، یہ انسانیت کا ابتدائی دور تھا اور تمدن بالکل ابتدائی حالت میں تھا، اس لئے انبیاء لوگوں کو صنعت و حرفت بھی سیکھاتے تھے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ادريس ؑ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے کپڑے سیلے شروع کئے، پہلے ہوئے کپڑے پہنے، اس سے پہلے لوگ چمڑے کا لباس پہنتے تھے اور علم نجوم اور علم حساب کو ایجاد فرمایا، (تفسیر قرطبی: ۱۱۷/۱۱، تفسیر رازی: ۱۰/۲۸۰) ”وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا“ کے معنی یہ ہیں کہ ان کو بلند درجہ عطا فرمایا گیا، (تفسیر رازی، حوالہ سابق) علماء ہند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے، (بیان القرآن: ۲/۲۳۳، ط: مکتبہ تھانوی، دیوبند) بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے جسمانی طور پر آسمان تک اٹھایا جانا مراد ہے، اس سلسلہ میں بعض روایات بھی نقل کی جاتی ہیں، مگر وہ معتبر نہیں ہیں، قرآن مجید میں یا کسی معتبر حدیث میں اس کی صراحت نہیں آئی ہے۔ واللہ اعلم

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا إِلَّا  
مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۚ جَنَّاتِ  
عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ۚ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا  
إِلَّا سَلَامًا ۚ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۚ

پھر ان کے بعد ان کی جگہ کچھ ناخلف لوگ آ گئے، جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو وہ جلد ہی گمراہی (کی سزا) پائیں گے ﴿۵۹﴾ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی، ایمان لے آئے اور اچھے عمل کئے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی ﴿۶۰﴾ یعنی ایسے باغات میں جو ہمیشہ رہنے والے ہیں، جس کا خدائے رحمن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے، یقیناً اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا ﴿۶۱﴾ وہاں وہ سلام کے سوا کوئی فضول بات نہیں سنیں گے اور وہاں صبح و شام اُن کو اُن کی روزی ملتی رہے گی۔ ﴿۶۲﴾

← ﴿۳﴾ ان پیغمبروں میں سے حضرت ادریس ؑ، حضرت آدم ؑ کی نسل سے تھے اور حضرت نوح ؑ سے پہلے تھے، حضرت ابراہیم ؑ، حضرت نوح ؑ کے صاحبزادے سام بن نوح کی نسل سے تھے، حضرت اسماعیل ؑ، حضرت اسحاق ؑ اور حضرت یعقوب ؑ، حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے اور اسرائیل یعنی حضرت یعقوب ؑ کی نسل سے حضرت موسیٰ ؑ، حضرت ہارون ؑ، حضرت زکریا ؑ، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ ؑ ہوئے، اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

﴿۴﴾ غرض کہ یہ انبیاء کرام بھی اپنے بلند و بالا مرتبہ کے باوجود اللہ کے بندے ہی تھے اور ان کے اندر بندگی کی شان پوری طرح رچی بسی تھی؛ اس لئے ان کے بارے میں یہ خیال نہ ہو کہ ان کو خدائی کے کچھ اختیارات حاصل تھے، یا اللہ نے ان کو اپنی خدائی میں شریک کر لیا تھا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن مجید پڑھتے ہوئے ایک مسلمان کو رونا آنا چاہئے، خود رسول اللہ ﷺ کی یہی کیفیت تھی، نیز صحابہ اور سلف صالحین کے بارے میں بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور سنتے ہوئے ان پر غیر معمولی رقت طاری ہو جاتی تھی۔

﴿۱﴾ انسان کو جن چیزوں سے تکلیف پہنچتی ہے یا پہنچائی جاتی ہے، ان میں سے ایک زبان بھی ہے، تو جنت میں نہ کوئی ایسی بات ہوگی جو بے فائدہ اور بے کار ہو اور نہ کوئی ایسی بات جو تکلیف دہ ہو؛ بلکہ ایسی بات ہوگی، جو انسان کو پسند آئے اور اس کو خوش کر دے، ایسی ہی باتوں میں سلام ہے کہ ”سلام“ میں ہر طرح کا خیر اور بھلائی کی دُعا شامل ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۲۹/۱۱) — جنت میں نہ دن ہوگا نہ رات ہوگی، ہر وقت نور چھایا رہے گا؛ اس لئے یہ دنیا میں بولے جانے والے محاورہ کے لحاظ سے ہے کہ ہر وقت ان کو رزق حاصل رہے گی، جیسے کہا جاتا ہے کہ تم کو صبح و شام یاد کرتا ہوں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبح کے بعد پھر شام ہی میں یاد کرتا ہوں؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر وقت یاد کرتا رہتا ہوں: ”ای رزقہم غیر منقطع“۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲۷/۱۱)

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٣٦﴾ وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٣٧﴾ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۖ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٣٨﴾ وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ عَازًا مَا مِثْلُ لَسَوْفَ أَخْرَجُ حَيًّا ﴿٣٩﴾ أَوْ لَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٤٠﴾ فَوَرَّبُّكَ لَخَشِيعَتُهُمْ وَالشَّيْطَانِ ثُمَّ لَنُخَضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٤١﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ﴿٤٢﴾

یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اُن لوگوں کو مالک بنائیں گے، جو نافرمانی سے بچنے والے ہوں گے ﴿۳۶﴾ اور (اے رسول!) ہم (فرشتے) آپ کے پروردگار کے حکم ہی سے اُترتے ہیں، جو کچھ ہمارے آگے ہے، جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے اور آپ کے پروردگار بھولنے والے نہیں ہیں ﴿۳۷﴾ آسمان وزمین میں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، سب کے رب وہی ہیں؛ لہذا ان ہی کی عبادت کیا کرو اور اُن کی عبادت پر ثابت قدم رہو، اُن کے ہم پایہ کیا کوئی اور ذات تمہارے علم میں ہے؟ ﴿۳۸﴾ انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ ﴿۳۹﴾ کیا اسے یاد نہیں ہے کہ پہلے بھی تو ہم نے ہی اسے پیدا کیا تھا، جب کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا؟ ﴿۴۰﴾ تو آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ضرور اُن کو بھی جمع کریں گے اور شیطانوں کو بھی، پھر اُن کو اس طرح دوزخ کے گرد حاضر کریں گے کہ وہ گھٹننے کے بل گرے ہوئے ہوں گے ﴿۴۱﴾ پھر ہم ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو چھانٹ لیں گے، جو خدائے رحمن کے مقابلہ زیادہ سرکشی کیا کرتے تھے۔ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل ؑ سے خواہش کی کہ وہ آپ کے پاس اللہ کا کلام لے کر زیادہ آیا کریں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ مریم، حدیث نمبر: ۴۴۵۴، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۰۴۳) — گویا پیغمبر بنائے جانے کے بعد بھی جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، فرشتہ اس کی خواہش پر اس کے پاس نہیں آ سکتا — شیعہ حضرات کا ایک عقیدہ وہ ہے، جس کو ”بداء“ کہا جاتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے بعض کام بھول پر مبنی ہوتے ہیں، یہ صراحت کہ اللہ بھولنے والے نہیں ہیں، کھلے طور پر اس فاسد عقیدہ کو غلط ٹھہراتی ہے۔

﴿۲﴾ ”سمیاء“ کے معنی مثل اور نظیر کے بھی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے جیسا اور ہم پایہ کوئی اور نہیں ہے، دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کا ”ہم نام“ نہیں ہے؛ چنانچہ واقعہ ہے کہ کسی مخلوق کا، یا جن باطل معبودوں کی دوسرے لوگ پوجا کرتے ہیں، ان میں سے کسی کا نام ”اللہ“ نہیں سنا گیا۔

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أُولَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۖ وَ إِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۖ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَ نَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثْيًا ۖ وَ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا ۚ أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَ أَحْسَنُ نَدِيًّا ۖ

ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں، جو جہنم میں جھونکے جانے کے لائق ہیں ﴿۱۶﴾ اور تم میں سے کوئی نہیں، جس کا دوزخ پر گزرنہ ہو، یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے ﴿۱۷﴾ پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، ہم ان لوگوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اسی میں اوندھا کر اھوا چھوڑ دیں گے ﴿۱۸﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو ایمان نہ لانے والے ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ شاندار ہے؟ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ ان آیات میں چار اہم باتیں ذکر کی گئی ہیں، اول یہ کہ کسی چیز کو سابق نمونہ کے بغیر پہلی بار وجود میں لانا دشوار ہوتا ہے، اگر پہلے سے ایک نمونہ موجود ہو تو دوبارہ اس کی تیاری دشوار نہیں ہوتی، تو جب اللہ تعالیٰ نے کسی نمونہ کے بغیر پہلی بار انسان کو پیدا فرمادیا، تو اب اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اس لئے قیامت میں انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، دوسرے: اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں تمام انسانوں کو اور شیاطین کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے، سب کے سب دوزخ کے گرد گھٹنے کے بل جھکے ہوئے ہوں گے اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا، یہ گویا تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کے جاہ و جلال کا اظہار ہوگا؛ البتہ یہ فرق ہوگا کہ ایمان سے محروم لوگ شیطانوں کے ساتھ زنجیر میں باندھے گئے ہوں گے، مسلمان جب ان کی ذلت و رسوائی کا تماشہ دیکھیں گے، تو جنت کی قدراں کے دل میں اور بڑھ جائے گی، تیسرے: یوں تو تمام ہی ایمان سے محروم لوگ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے؛ لیکن ہر اُمت میں جو سرکش اور سردار قسم کے گمراہ لوگ گزرے ہیں، ان کو پہلے دوزخ میں داخل کیا جائے گا؛ تاکہ ان کی پیروی کرنے والے اپنے دھوکہ باز اور گمراہ سرداروں کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں ”ناس“ (انسان) سے صرف وہ لوگ مراد ہیں، جو مسلمان نہیں ہوئے کہ وہ شیطان کے ساتھ جمع کئے جائیں گے، چوتھے: فرمایا گیا ہے کہ پہلے مرحلہ میں تم میں سے ہر شخص دوزخ میں داخل ہوگا، گویا مسلمان ہو یا کافر، سب کو دوزخ میں داخل ہونا ہے؛ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت ہے کہ ہر نیک و بد کو پہلے دوزخ میں داخل کیا جائے گا؛ البتہ مسلمانوں پر دوزخ ٹھنڈی اور تکلیف سے محفوظ (برد و سلام) ہو جائے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم ؑ پر نمرود کی آگ ہو گئی تھی، (الانبیاء: ۶۹) اہل جنت جب دوزخ کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر جنت میں داخل ہوں گے تو جنت کی نعمتوں کا لطف دوبالا ہو جائے گا اور ان کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں رہے گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قرآن مجید میں ”درد“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے اصل معنی گزرنے کے ہیں نہ کہ داخل ہونے کے، اس لئے اس سے مراد ”پل صراط“ پر سے گزرنے کا ہے، جو دوزخ کے اوپر ہوگا اور جس پر سے گزر کر لوگ جنت میں داخل ہوں گے، حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۳۶)

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِعْيًا ۖ قُلْ مَنِ كَانِ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا ۖ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرُّ مَكَانًا ۖ وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۖ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۖ وَالْبَلْقِيتُ الصُّلْحُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۖ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا ۖ وَلَدًّا ۖ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۖ كَلَّا ۖ سَكَتُ مِمَّا يَقُولُ ۖ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۖ

(وہ یاد رکھیں کہ) ہم ان سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، جو ساز و سامان اور شان و شوکت میں ان سے بھی بڑھ کر تھے ﴿۱۶﴾ آپ کہہ دیجئے: جو لوگ گمراہی میں ہیں، خدائے مہربان اُن کو ڈھیل دیئے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں گے، جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے، خواہ (دنیا ہی میں) اللہ کے عذاب کو یا قیامت کو تو اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا حال برا اور کس کا لشکر کمزور ہے؟ ﴿۱۷﴾ اور جو لوگ سیدھے راستے پر چلتے ہیں، اللہ ان کو اور زیادہ سیدھا راستہ دکھاتے جاتے ہیں ﴿۱۸﴾ اور نیکیاں جو باقی رہ جانے والی ہیں، وہی آپ کے پروردگار کے نزدیک اجر و ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں ﴿۱۹﴾ (اے رسول!) بھلا آپ نے اسے دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال و اولاد سے نوازا جائے گا؟ ﴿۲۰﴾ کیا اسے غیب کی خبر ہے، یا اس نے خدائے رحمن سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے؟ ﴿۲۱﴾ ہرگز نہیں، وہ جو کچھ کہو اس کر رہا ہے، ہم اسے لکھ لیں گے اور اس کے عذاب میں اضافہ کرتے جائیں گے۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ یعنی آخرت میں جو نعمتیں دی جائیں گی، وہ تو یقیناً انعام کے طور پر ہوں گی؛ لیکن دنیا میں انسان کو جو اسباب آسائش دیئے گئے ہیں، اُن کا اللہ کی طرف سے انعام ہونا ضروری نہیں، اُن کا بہ طور امتحان و آزمائش کے بھی دیا جانا ممکن ہے؛ اس لئے اگر کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کے راستہ پر ہو، پھر بھی اس کو عیش و عشرت کے ساز و سامان میسر ہوں، تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کو مہلت اور ڈھیل دی جا رہی ہے اور اس کے گلے میں پھندا کسا جا رہا ہے، اب خواہ دنیا میں اللہ کا عذاب آجائے یا آخرت میں۔

﴿۲﴾ غرض کہ ایک گناہ کے بعد انسان کو دوسرے گناہ کی رغبت ہوتی ہے اور انسان گناہوں میں پھنستا جلا جاتا ہے، یہی حال نیکیوں کا ہے، جب انسان ایک نیک عمل کا پابند ہوتا ہے، تو پھر دوسرے نیک عمل کی بھی توفیق میسر ہو جاتی ہے؛ چنانچہ یہ بات دن و رات دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک شخص بے نمازی تھا، اللہ نے اس کو نمازی بنا دیا، اب وہ آہستہ آہستہ روزے بھی رکھنے لگتا ہے، زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے، حج کی بھی فکر کرتا ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں احکام شریعت کی پابندی کرنے لگتا ہے، یہی ہے ہدایت میں ترقی اور اضافہ۔

وَنَرِيئُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٥٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٥١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٥٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكُفَرِيِّنَ تَوْزِيَهُمْ أَزًّا ﴿٥٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٥٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ﴿٥٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُبْجِرِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وَرْدًا ﴿٥٦﴾

وقف لازم

اور وہ جس چیز کا ذکر کر رہا ہے (یعنی مال و اولاد، تو مرنے کے بعد) ہم ہی اس کے مالک ہو جائیں گے اور یہ ہمارے پاس تنہا آئے گا ﴿۵۱﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنائے ہیں؛ تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں ﴿۵۲﴾ ہرگز نہیں، وہ تو ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف بن جائیں گے ﴿۵۳﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو (حق کے خلاف) اُکساتے رہتے ہیں؟ ﴿۵۴﴾ لہذا آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کریں، ہم تو ان کی گنتی پوری کر رہے ہیں ﴿۵۵﴾ جس دن ہم خدائے رحمن کے سامنے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو مہمانوں کی طرح پیش کریں گے ﴿۵۶﴾ اور گنہگاروں کو پیاسے جانوروں کی طرح دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔ ﴿۵۷﴾

﴿۱﴾ حضرت خبابؓ زیورات کے کاریگر تھے، انھوں نے عاص بن وائل کے لئے زمانہ جاہلیت میں سونے کا زیور بنایا تھا، جس کی مزدوری باقی تھی، اور وہ ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا تھا، ایک بار انھوں نے سختی کی تو کہنے لگا: تم محمد (ﷺ) کے دین سے واپس ہو جاؤ، تب ہم تمہارا دین ادا کریں گے، حضرت خبابؓ نے فرمایا: یہ تو ہونہیں سکتا، اگر تم مر جاؤ، پھر زندہ کئے جاؤ، تب بھی دین حق کو نہیں چھوڑ سکتا، عاص مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا: اچھا، تو میں دوبارہ زندہ بھی کیا جاؤں گا؟ تو اس وقت بھی مجھے مال و اولاد حاصل رہیں گے، جبھی اپنا قرض وصول کر لینا، اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں کہ اس طرح کا دعویٰ کرنے کا حق اسی کو ہے جو یا تو غیب کی باتوں کو جانتا ہو، یا اس نے اللہ سے اس کا وعدہ لے رکھا ہو۔ (بخاری، کتاب الخصومات، حدیث نمبر: ۲۶۹۳)

﴿۲﴾ یعنی مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جن بتوں کی پوجا کر رہے ہیں، وہ ان کے معاون و مددگار اور اللہ کے یہاں ان کے سفارشی بن جائیں گے، مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں وہ جن کی عبادت کیا کرتے تھے، آخرت میں وہی ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کا یہ فعل ان کی اپنی خواہش سے تھا؛ اس لئے ان کو اور عذاب دیا جائے، یہ بعض انبیاء اور فرشتے تو کہیں گے ہی، جن کو لوگوں نے خدا یا خدا کی اولاد بنا لیا تھا، وہ بھی کہیں گے، اور ساتھ ساتھ بتوں کو بھی زبان دے دی جائے گی اور وہ بھی اللہ سے یہی درخواست کریں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۳۸)

﴿۳﴾ یعنی ان کے بارے میں عذاب کی دُعا نہ فرمائے، وہ تو خود ہی اپنے آپ کو آخرت کے عذاب کا مستحق بنا رہے ہیں اور گویا ان کی اُلٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔

﴿۹۶﴾

لَا يَنْبَلِكُوكَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ﴿۹۷﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۹۸﴾ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۹﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۚ وَ مَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۚ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ إِلَّا أَتَى الرَّحْمَنَ عَبْدًا ۚ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ۚ وَ كُلُّهُمْ أَتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ﴿۱۰۰﴾

(اس دن) ان لوگوں کو سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں ہوگا، سوائے ان کے جنہوں نے خدائے رحمن سے اجازت حاصل کر لی ہو ﴿۹۷﴾ اور وہ (کفر کرنے والے) کہتے ہیں کہ خدائے رحمن نے بیٹا بنا لیا ہے ﴿۹۸﴾ (اے کفر کرنے والو!) تم نے یہ ایسی بے ہودہ بات کہی ہے ﴿۹۹﴾ کہ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں ﴿۱۰۰﴾ کہ ان لوگوں نے خدا کی طرف بیٹے کی نسبت کی ﴿۹۹﴾ یہ بات خدا کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے ﴿۹۸﴾ آسمان اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، سبھی خدا کے سامنے غلام بن کر حاضر ہوں گی ﴿۹۷﴾ اللہ نے ان کو گھیر رکھا اور شمار کر رکھا ہے ﴿۹۸﴾ اور یہ سب قیامت کے دن تنہا تنہا خدا کے سامنے حاضر ہوں گے ﴿۹۹﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، خدائے رحمن ان کے لئے (دلوں میں) محبت پیدا کر دیں گے۔ ﴿۱۰۰﴾

﴿۹۷﴾ ”وَرُدُّ“ پیاسے جانوروں اور پرندوں کے اس غول کو کہتے ہیں، جو اپنی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی جگہ پر جمع ہو جاتے ہیں ”الجماعة التي ترد الماء من طير وابل“ (قرطبی: ۱۱/۱۵۳) اسی لئے ترجمہ کیا گیا ہے: ”پیاسے جانوروں کی طرح“۔

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ ”عہد“ سے مراد ہے کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ (قرطبی: ۱۱/۱۵۳) یعنی مسلمانوں ہی میں سے صالح اور نیک لوگوں کو سفارش کی اجازت ہوگی، ان باطل معبودوں کو نہیں، جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ یعنی خدا اور انسان کے درمیان والد اور اولاد کا رشتہ نہیں ہے؛ بلکہ مالک اور مملوک کا رشتہ ہے، اللہ مالک ہیں اور انسان اور دنیا کی تمام چیزیں اس کی ملکیت۔

﴿۳﴾ یعنی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے، اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام ”مُخْصِي“ ہے، یعنی وہ ہستی جس کے پاس تمام چیزوں کی گنتی ہے۔

﴿۴﴾ یعنی ان کے ساتھ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

﴿۵﴾ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں، تو حضرت جبریل ؑ کو آواز دیتے ہیں کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی ان سے محبت کرو، پھر آسمان میں اس کی منادی ←



فَإِنَّمَا يَسَّرُنْهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۚ وَكَمْ أَهْلَكْنَا  
قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ ۖ هَلْ تَحْسُبُ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْعُ لَهُمْ رِكْرًا ۚ ﴿۱۸﴾

(اے رسول!) اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان میں (اُتار کر) آسان کر دیا ہے؛ تاکہ آپ اس کے ذریعہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنادیں اور اس قوم کو (خدا کے عذاب سے) ڈرائیں، جو بڑی جھگڑالو ہے ﴿۱۸﴾ ان سے پہلے بھی ہم بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، کیا تم ان میں سے کسی کی آہٹ بھی پاتے ہو یا ان میں سے کسی کی بھنک بھی سنتے ہو؟ ﴿۱۸﴾

← کرا دی جاتی ہے، پھر یہ محبت اہل زمین کے دلوں میں اُتاری جاتی ہے، اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے، (مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب اذا احب الله عبدا احب الی عبادہ، حدیث نمبر: ۶۸۷۹) — اس مضمون کی روایت متعدد صحابہ سے منقول ہے؛ چنانچہ یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جو لوگ شریعت پر عمل کرتے اور سنتوں کی پیروی کرتے ہیں، اچھے لوگوں میں ان کی محبت و عقیدت رچ بس جاتی ہے۔





## سُورَةُ طٰهٍ

«سورہ نمبر : (۲۰)

«رکوع : (۸)

«آیتیں : (۱۳۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفہیم قرآن مجید

رسول اللہ ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام طہ بھی تھا؛ چنانچہ اس سورہ میں آپ ﷺ کو اسی نام سے مخاطب کیا گیا ہے اور اسی مناسبت سے اس کا نام سورہ طہ ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی توحید و رسالت اور آخرت کے مضامین کو بہت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت، فرعون سے ان کا مباحثہ، قوم فرعون کی ہلاکت، سامری کی گوسالہ پرستی کے تفصیلی تذکرہ کے علاوہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ بھی آیا ہے، مشرکین مکہ کے اس نامعقول مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے اس پر رد فرمایا گیا ہے کہ آسمان سے کوئی دسترخوان اتار دیجئے، تب ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کریں گے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
 طه ۱ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ۝ إِلَّا تَذَكُّرًا لِّمَن يَخْشَى ۝ تَنْزِيلًا مِّن مَّن خَلَقَ  
 الْأَرْضَ وَالسَّمُوتِ الْعُلَى ۝ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۝ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي  
 الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ۝ وَإِنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ  
 وَأَخْفَى ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ ط، ہا، ۲ ہم نے آپ پر یہ قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نہیں اتارا ہے ۱ (۲) بلکہ (یہ) صرف ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے، جو اللہ سے ڈرتے ہیں ۳ اس کو اسی ذات کی طرف سے اتارا گیا ہے، جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے، ۴ جو بے حد مہربان ہے اور عرش پر قائم ہے ۵ (۲) آسمانوں میں، زمین میں، آسمان اور زمین کے درمیان، نیز کرہ زمین کے نیچے جو کچھ ہے، سب اسی کا ہے ۶ اور اگر آپ بلند آواز میں بات کہیں (تو یہ ضروری نہیں)؛ کیوں کہ اللہ تو آہستہ کہی جانے والی بات اور پوشیدہ سے پوشیدہ بات سے بھی واقف ہیں، ۷ (۳) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے بہترین نام ہیں۔ ۸ (۴)

۱ رسول اللہ ﷺ دو پہلوؤں سے قرآن مجید کی خاطر مشقت اٹھاتے تھے، ایک تو آپ ﷺ کے دل میں ہر وقت یہ کڑھن ہوتی تھی کہ اہل مکہ اس کتاب الہی پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ جس کی صراحت ایک اور موقع پر آئی ہے: ”فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا“ (الکہف: ۶) تو آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ کا کام اللہ کے بندوں تک اللہ کی کتاب کو پہنچا دینا ہے اور بس، آپ ﷺ ان کے کفر اور انکار کرنے کی وجہ سے بے چین و بے قرار نہ ہوں، جو ذہنی و قلبی مشقت کا باعث ہے، دوسرے: آپ ﷺ رات کے وقت نماز میں اتنی طویل قراءت فرماتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا، یہ بھی ایک جسمانی مشقت ہے، تو اشارہ فرمایا گیا کہ اس میں اعتدال سے کام لیں اور اپنے آپ ﷺ کو اتنی مشقت میں نہ ڈالیں۔ (قرطبی: ۱۱/۱۶۸)

۲ اللہ تعالیٰ کے عرش پر قائم ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کا ذکر سورہ اعراف، آیت نمبر: ۵۴ کے تحت آچکا ہے۔  
 ۳ یعنی ذکر اور دُعا کا زور سے کرنا ضروری نہیں؛ کیوں کہ جس ذات کو سنانا مقصود ہے، وہ نہ صرف آہستہ کہی ہوئی بات کو سنتا ہے؛ بلکہ جو بات دل میں چھپی ہوتی ہے، اس کو بھی سنتا ہے، قرآن مجید میں یہاں دو الفاظ آئے ہیں، ایک: ”سِر“، دوسرے: ”خَفِي“، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”سِر“ سے مراد وہ بات ہے، جو دوسرے سے کہی جائے مگر آہستہ، اور ”خَفِي“ سے مراد وہ باتیں ہیں، جو دل میں ہوں، ان کو کسی سے نقل نہ کیا گیا ہو، نہ زور سے، نہ آہستہ، (قرطبی: ۱۱/۱۷۰) — آیت میں اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ عام حالات میں آہستہ دُعا اور ذکر تسبیح کرنا افضل ہے۔

۴ سورہ اعراف، آیت نمبر: ۱۸۰ میں اللہ تعالیٰ کے بہترین ناموں (اسماء حسنی) کا ذکر آچکا ہے۔

وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيثُ مُوسٰى ۱۱ اِذْ رَا نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّىْ اَنْتُمْ نَارًا لَّعَلِّىْ اْتِيْكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجْدُ عَلٰى النَّارِ هُدًى ۱۲ فَلَمَّا اَتٰهَا نُودِىْ يٰمُوسٰى ۱۳ اِنِّىْ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِاَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۱۴ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَبِعْ لِمَا يُؤْمَرُ ۱۵ اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۱۶ وَاقِمِ الصَّلٰوةَ لِدٰكِرِىْ ۱۷ اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَتْهُ اَكٰدُ اُخْفِيْهَا لِيُتْجَزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۱۸

کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ معلوم ہوا؟ کہ جب اس نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: بٹھرجاؤ، مجھے آگ نظر آتی ہے، ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے پاس اس کا کوئی شعلہ لے آؤں، یا آگ کے پاس سے مجھے صحیح راستہ معلوم ہو جائے (۱) (۱۱) جب موسیٰ وہاں پہنچے تو انھیں آواز دی گئی: اے موسیٰ! (۱۲) یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں، تم اپنے جوتے اتار لو؛ اس لئے کہ تم ”طوی“ (نام کی) ایک مقدس وادی میں ہو، (۲) (۱۳) اور میں نے تم کو (اپنی پیغمبری کے لئے) چن لیا ہے؛ لہذا جو وحی کی جارہی ہے، اس کو غور سے سنو: (۱۴) ”بے شک میں ہی تمہارا خدا ہوں، میرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں؛ لہذا میری ہی عبادت کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز ادا کیا کرو (۱۵) یقیناً قیامت آنے والی ہے؛ تاکہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے دیا جائے، (البتہ) میں چاہتا ہوں کہ اسے چھپائے رکھوں۔ (۳) (۱۸)

(۱) یہ مدین سے مصر کی طرف کا سفر تھا، حضرت موسیٰ ﷺ راستہ بھٹک گئے تھے، اور یہ سردی کا زمانہ تھا؛ اس لئے حضرت موسیٰ ﷺ نے آگ کا کوئی شعلہ لانا چاہا؛ تاکہ ان کے متعلقین آگ تاپ سکیں، قرآن مجید میں دوسرے موقع پر اس کی صراحت موجود ہے؛ چون کہ اندھیری رات تھی اور راستہ کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا؛ اس لئے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی، جو راستہ بتا سکے؛ اس لئے حضرت موسیٰ ﷺ نے وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ کیا، کہ جب آگ سلگی ہوئی ہے تو ضرور وہاں کوئی شخص موجود ہوگا اور اس سے راستہ معلوم کر لیا جائے گا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقدر تھی کہ یہی آگ ان کے لئے دنیا کے راستہ کے بجائے دین حق کے راستہ کی نشاندہی کا ذریعہ بن جائے اور آپ ﷺ نبوت سے نوازے جائیں۔

(۲) یہ جوتا اتارنے کا حکم اس مبارک مقام کے احترام کے طور پر تھا، تو رات میں اس کی صراحت ہے، (دیکھئے: خروج: ۳: ۵) یہی بات علامہ ابن کثیر ﷺ اور زیادہ ترمفسرین نے لکھی ہے، (ابن کثیر: ۲۷۶: ۵) اس سے معلوم ہوا کہ مسجد یا قابل احترام مقامات پر جوتے پہن کر نہیں جانا چاہئے، اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ جوتے پہن کر مسجد میں جانا یا نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے اور ادب کے خلاف ہے، اگرچہ آپ ﷺ نے ایک بار نعلین میں بھی نماز پڑھی ہے؛ لیکن یہ اس لئے کہ آپ ﷺ خلاف مستحب امور کو بھی جواز اور گنجائش بتانے کے لئے کیا کرتے تھے۔

(۳) شاہ ولی اللہ صاحب ﷺ نے آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ فرمایا ہے: ”می خواہم کہ پنہاں دارم وقت آنہا“ اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَوْدَى ﴿١٦﴾ وَ مَا تِلْكَ بِبَيْبِنِكَ يُمُوسَى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اهْتَشُّ بِهَا عَلَى غَنِيِّ وَاِلَىٰ فِيْهَا مَارِبٌ اٰخَرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا يُمُوسٰى ﴿١٩﴾ فَالْقَهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ﴿٢١﴾ سَنُعِيْدُهَا سَيِّرَتَهَا الْاُولٰٓى ﴿٢٢﴾ وَ اَضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيِّضًا مِّنْ غَيْرِ سُوِّ اٰيَةٍ اٰخَرٰى ﴿٢٣﴾ لِنُرِيكَ مِّنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٤﴾

جولوگ اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، کہیں تم کو اس (کے یقین) سے ہٹا ندیں، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے“ ﴿۱۶﴾ اور اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ﴿۱۷﴾ موسیٰ نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اس کے ذریعہ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے دوسرے فائدے بھی ہیں ﴿۱۸﴾ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! لاٹھی ڈال دو، ﴿۱۹﴾ موسیٰ نے لاٹھی ڈال دی تو اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی، ﴿۲۰﴾ اللہ نے فرمایا: ”اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت، ہم پھر اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے، ﴿۲۱﴾ اور اپنے ہاتھ کو اپنے بغل سے لگاؤ تو تمہارا ہاتھ کسی عیب کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا، (یہ) دوسری نشانی ہے ﴿۲۲﴾ تاکہ ہم تم کو اپنی کچھ بڑی بڑی نشانیاں دکھا دیں۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ بظاہر یہ حضرت موسیٰ ﷺ سے خطاب ہے؛ لیکن اصل مخاطب آپ کی قوم ہے، اس میں عام اہل ایمان کے لئے زبردست تنبیہ ہے کہ جب اللہ کے پیغمبر کو کہا جا رہا ہے کہ ایمان سے محروم لوگوں کی صحبت اور ان کی پیروی تم کو ہلاکت میں ڈال دے گی تو عام لوگوں کا کیا شمار ہے؟

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ عصا (لاٹھی) کے یوں تو بہت سے فائدے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عصا کا استعمال پیغمبروں کی سنت بھی ہے، حضرت موسیٰ ﷺ کا عصا استعمال کرنا تو خود قرآن مجید میں آگیا اور رسول اللہ ﷺ کے عصا استعمال کرنے کا ذکر بہت سی احادیث میں ہے، (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی قیام الرجل للرجل، حدیث نمبر: ۵۲۳۲) یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ سوال کیا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی تھا کہ یہ لاٹھی ہے؛ لیکن حضرت موسیٰ ﷺ نے لاٹھی کے فوائد پر بھی روشنی ڈالی، شاید اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ دیر تک ہم کلامی کا شرف حاصل رہے، نماز بھی اللہ تعالیٰ سے مناجات اور ہم کلامی کا ایک عمل ہے؛ اس لئے اگر آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو طویل کرنا مستحب ہے، نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص سے کوئی دینی یا دنیوی بات دریافت کی جائے اور وہ اصل سوال کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ کچھ مفید باتوں کا اضافہ کر دے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

۱۶ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ۱۷ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۱۸ وَ يَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ ۱۹ وَ اَحْلِلْ عَلَقَدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۲۰ يَفْقَهُوا قَوْلِيْ ۲۱ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۲۲ هُوَ وَاَنْجِيْ ۲۳ اَشْدُدْ بِهٖ اَزْرِيْ ۲۴ وَ اَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ ۲۵ كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۲۶ وَ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۲۷

(اے موسیٰ!) فرعون کے پاس جاؤ؛ کیوں کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے“ ﴿۱۶﴾ موسیٰ نے درخواست کی: میرے پروردگار! میرے (اس کام کے) لئے میرا سینہ کھول دیجئے، ﴿۱۷﴾ میرے لئے میرے اس کام کو آسان فرما دیجئے، ﴿۱۸﴾ اور میری زبان سے گره بھی کھول دیجئے، ﴿۱۹﴾ تاکہ وہ میری بات کو سمجھ سکیں ﴿۲۰﴾ اور میرے لئے میرے ہی خاندان میں سے ایک مددگار مقرر کر دیجئے، ﴿۲۱﴾ یعنی میرے بھائی ہارون کو ﴿۲۲﴾ اس کے ذریعہ میری طاقت بڑھا دیجئے، ﴿۲۳﴾ اور اس کو بھی میرا شریک کار بنا دیجئے ﴿۲۴﴾ تاکہ ہم دونوں آپ کی خوب پاکی بیان کریں ﴿۲۵﴾ اور کثرت سے آپ کا ذکر کیا کریں۔ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾

﴿۱﴾ غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی، یا تو یہ بیماری انھیں طبعی طور پر تھی یا بعد میں پیدا ہو گئی تھی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بچپن میں فرعون کی گود میں تھے، انھوں نے فرعون کو تھپڑ مارا اور داڑھی کے بال نوچ لئے، جیسا کہ عام طور پر بچے کیا کرتے ہیں، بس فرعون کا غصہ بھڑک اٹھا، اس نے اپنی بیوی آسیہ سے کہا کہ اس کو ذبح کر دیا جائے؛ لیکن آسیہ نے التجا کی کہ وہ اس ارادہ سے باز آجائے؛ کیوں کہ بچوں میں اتنی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ چیزوں کے درمیان فرق کر سکیں، پھر اس کے ثبوت کے طور پر آسیہ نے دو طشت رکھے، ایک میں آگ کے شعلے اور دوسرے میں جواہرات، حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ تھاما اور آگ پر رکھ دیا، آپ نے ایک انگارہ اٹھایا اور منہ میں رکھ لیا؛ تاکہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے منہ پر تھپڑ مارنا بے شعوری کی وجہ سے تھا؛ چنانچہ فرعون اپنے ارادے سے باز آ گیا اور اسی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکنت ہو گئی، (قرطبی: ۱۱/۱۹۲) بہر حال اس ارشاد میں کئی باتیں قابل توجہ ہیں: اول یہ کہ اللہ اپنے دین کے کام کے لئے جیسے کسی بادشاہ اور سلطان کے محتاج نہیں، اسی طرح بلند پایہ مقرر اور خطیب کے بھی محتاج نہیں، اور جب چاہتے ہیں تو ایک ایسے شخص سے اسلام کی سر بلندی کا کام لے لیتے ہیں، جس کو لکنت ہو، دوسرے: جب کوئی شخص اسلام کی دعوت پیش کرے تو ضروری ہے کہ پہلے خود اس کو اس کا پورا یقین اور شرح صدر ہو، تیسرے: داعی دعوت دیتے ہوئے اپنے علم پر اور اپنی زبان و بیان کی صلاحیت پر بھروسہ نہ کرے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے کہ وہ اس کے کام کو آسان فرمادے، چوتھے: کسی قوم کو اس زبان میں دعوت دینی چاہے اور زبان و بیان میں وہ تعبیر اختیار کرنی چاہئے جس کو مخاطب سمجھ سکے، یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہا ایک شخص کے دینی کام کرنے کے مقابلہ اگر اس میں کچھ ہم مزاج لوگوں کی شرکت ہو جائے تو کام آسان ہو جاتا ہے اور اس کے بہتر نتائج سامنے آتے ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کام میں حضرت ہارون علیہ السلام کی رفاقت کی درخواست کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ اگر دین یا دنیا کے کسی اہم کام میں کوئی مناسب ساتھی اور شریک کار مل جائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور حمد و تسبیح کرنی چاہئے۔



اِنَّكَ كُنْتَ بِنًا بَصِيْرًا ﴿۱۶﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيتَ سُوْلَكَ يٰمُوسٰى ﴿۱۷﴾ وَ لَقَدْ مَنَّا عَلٰىكَ مَرَّةً اٰخَرٰى ﴿۱۸﴾ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوحٰى ﴿۱۹﴾ اَنْ اَقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۚ وَ اَلْقَيْتُ عَلٰىكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿۲۰﴾ اِذْ تَمْشِىْ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدْلُكُمُ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنَاكَ اِلٰى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ۚ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنَّاكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْ اَهْلِ مَدْيَنَ ۚ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يُّمُوْسٰى ﴿۲۱﴾

یقیناً آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں، ﷻ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! تیری درخواست قبول کر لی گئی ﷻ اور ہم تم پر ایک دفعہ اور بھی احسان کر چکے ہیں ﷻ جب ہم نے تمہاری ماں کے دل میں وہ بات ڈال دی تھی، جس کا ذکر کیا جا رہا ہے ﷻ کہ تم اس بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو؛ تاکہ دریا اس کو ساحل پر پھینک دے، اور اس کو ایک ایسا شخص لے لے جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی، اور میں نے اپنی طرف سے تم کو محبوبیت عطا کر دی تھی؛ (۱) تاکہ میرے سامنے تیری پرورش ہو ﷻ (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب تیری بہن جارہی تھی، وہ کہہ رہی تھی: کیا میں تم کو ایک ایسے شخص کا پتہ بتا دوں، جو اس کی (اچھی طرح) پرورش کر دے، اس طرح ہم نے تم کو تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا؛ تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو (۲) اور (ہاں) تم نے ایک شخص کو قتل بھی تو کر دیا تھا، پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی (۳) اور تم کو خوب آزمایا؛ چنانچہ تم کئی سال مَدْيَن کے والوں کے ساتھ رہے، پھر اے موسیٰ! تم اللہ کے فیصلہ کے مطابق واپس آ گئے۔ (۴) ﷻ

(۱) حضرت موسیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن و جمال عطا فرمایا تھا کہ جو آپ علیہ السلام کو دیکھتا، گرویدہ ہو جاتا، پھر بچپن کی معصومیت اس کے علاوہ تھی، اس کا ذکر بائبل میں بھی متعدد مواقع پر آیا ہے، (دیکھئے: خروج: ۲: ۲، عبرانیون: ۱۱: ۲۳، اعمال: ۷: ۲۱) لیکن یہ محبوبیت صرف ظاہری خوبصورتی سے پیدا نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ اس وقت ہوتی ہے، جب اللہ اپنے کسی بندے کی محبت دوسرے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندوں کے قلوب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، (مسلم، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۶۹۲۱) اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو لوگوں کے بیچ خاص کر صالحین کے درمیان محبوبیت عطا فرما دے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام ہے۔

(۲) واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں علم نجوم اپنے عروج پر تھا اور بڑے بڑے لوگ یہاں تک کہ حکومتیں بھی ان سے مشورے لیا کرتی تھیں؛ چنانچہ حضرت موسیٰ ﷺ کے زمانہ میں جو فرعون تھا، اس کو کاہنوں نے بتایا کہ عنقریب اسرائیلیوں میں ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون اور اس کی حکومت کا خاتمہ کر دے گا، پھر کیا تھا، فرعون نے فرمان جاری کر دیا کہ اسرائیلیوں کے یہاں ←

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿۳۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاٰخُوكَ بِاٰيَتِي وَلَا تَدِيَا فِي ذِكْرِي ﴿۳۲﴾ اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ﴿۳۳﴾ فَقُوْا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰی ﴿۳۴﴾

اور میں نے تم کو اپنی (نبوت) کے لئے منتخب کر لیا ہے، ﴿۳۱﴾ تم اور تمہارے بھائی (دونوں) میری ان نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور مجھے یاد کرنے میں سستی نہ کرنا ﴿۳۲﴾ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ؛ کیوں کہ وہ سرکش ہو گیا ہے، ﴿۳۳﴾ تم اس سے نرم لب و لہجہ میں بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لے، یا اس میں (اللہ کا) خوف پیدا ہو جائے۔ ﴿۳۴﴾

← جو بھی بیٹا پیدا ہو، اس کو قتل کر دیا جائے، نہ جانے کتنے بچے تہ تیغ کر دیئے گئے، جب حضرت موسیٰ ﷺ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر دامن گیر ہوئی اور اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ لکڑی کے ایک صندوق میں حضرت موسیٰ ﷺ کو رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیں، جو فرعون کے محل کے نیچے سے گزرتا تھا اور جس کا بہاؤ حضرت موسیٰ ﷺ کے گھر سے اُس کے محل کی طرف تھا؛ چنانچہ توقع کے مطابق صندوق محل میں پہنچا اور کھولا گیا، ایک تو فرعون کو کوئی بیٹا نہیں تھا، دوسرے حضرت موسیٰ ﷺ کی صورت خود بہت پرکشش اور ایک نومولود بچہ کی معصومیت اس کے علاوہ؛ چنانچہ فرعون کی بیوی نے طے کر لیا کہ وہ اس کی پرورش کرے گی اور کسی طرح فرعون کو بھی راضی کر لیا، ادھر اللہ کی طرف سے ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰ ﷺ کسی عورت کا دودھ پکڑتے ہی نہیں تھے، پیچھے سے حضرت موسیٰ ﷺ کی بہن دور ہی دور سے چلتے ہوئے فرعون کے دربار میں پہنچ گئیں اور اندازہ نہیں ہونے دیا کہ وہ اس بچے کی بہن ہیں، انھوں نے دربار میں پہنچ کر مشورہ دیا کہ اگر آپ کہیں تو میں اس بچے کے لئے ایک دائی لے کر آتی ہوں، فرعون کے لوگوں نے ان کی پیشکش قبول کر لی؛ چنانچہ حضرت موسیٰ ﷺ کی والدہ کو لے کر گئیں، فرعون نے بچہ کو ان کے حوالہ کر دیا اور بائبل کے بیان کے مطابق یہ بھی کہا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ میں تم کو تنخواہ دوں گا، (خروج: ۲: ۷-۹) اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ ﷺ کو نہ صرف قتل سے بچایا؛ بلکہ اپنی ہی ماں کی آغوش میں پہنچا دیا اور پرورش و پرداخت کا بھی شاہی انتظام ہو گیا، جب اللہ کسی کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو دشمن کی گود میں بھی وہ محفوظ رہتا ہے اور جب اللہ کی حفاظت اٹھ جاتی ہے تو آدمی اپنے گھر کے محفوظ کمرے میں ہوتا بھی بچ نہیں پاتا۔

﴿۳﴾ حضرت موسیٰ ﷺ سے غیر ارادی طور پر ایک قطعی قاتل ہو گیا تھا، اسی کے نتیجے میں آپ کو چھپ کر مدین ہجرت کرنی پڑی، سورہ قصص، آیت نمبر: ۱۵ میں تفصیل سے اس کا ذکر آیا ہے۔

﴿۴﴾ ”علی قدر“ کے معنی ”وقت مقررہ پر“ بھی ہو سکتا ہے، اکثر اُردو مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ”تقدیر الہی“ سے ترجمہ کیا ہے — مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ﷺ مدین تشریف لے گئے، وہیں حضرت شعیب ﷺ کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا اور دس سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ وہاں گزارنے کے بعد واپسی کا جو وقت اللہ کی طرف سے مقرر تھا، اس وقت آپ مصر کی طرف واپس ہو گئے۔

﴿۵﴾ معلوم ہوا کہ دعوتِ دین کے کام میں ہمیشہ مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنا چاہئے اور دعوت دینے والے کے لب و لہجہ کو نرم ہونا چاہئے؛ تاکہ مخاطب میں سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کا جذبہ پیدا ہو، ضد پیدا نہ ہو جائے۔

قَالَ رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يَفْزُطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَظْلِمَ ۝ قَالَ لَا تَخَافَا اِنِّنِي مَعَكُمْ اَسْمِعْ وَاَرِى ۝ فَاتَّبَعُوْهُ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَارْسِلْ مَعَنَا بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ وَاَلَا تُعَذِّبُهُمْ ۝ قَدْ جِئْنَاكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَبِّكَ ۝ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَا اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمْ يٰ مُوسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُولٰى ۝ قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ لَا يَحِضُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسٰى ۝ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۝ فَخَرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ تَحْتِ شَجَرٰتٍ ۝ كُلُوْا وَاَزْعَمُوْا اَنْعَامَكُمْ ۝ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْاُولٰى النَّهٰى ۝

موسٰی اور ہارون نے کہا: ہمارے پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے، یا سرکشی کرنے لگے، ۱۶ اللہ نے فرمایا: تم دونوں ڈرو نہیں، یقیناً جانو کہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں (سب کچھ) سن بھی رہا ہوں، دیکھ بھی رہا ہوں ۱۷ لہذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو: ”ہم لوگ تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں؛ لہذا بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور ان کو مت ستاؤ، ہم تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر آئے ہیں اور جو شخص راہ ہدایت کی پیروی کرے، اس پر سلامتی ہو ۱۸ یقیناً ہم پر وحی کی گئی ہے کہ جو (اس کو) جھٹلائے گا اور منہ پھیر لے گا، اسی پر عذاب ہوگا“ ۱۹ فرعون نے کہا: موسٰی! تم دونوں کا رب کون ہے؟ ۲۰ موسٰی نے کہا: ہمارا رب وہ ہے، جس نے ہر چیز کو اس کی مناسب صورت عطا کی، پھر (اس کی بناوٹ کے مناسب) رہنمائی فرمائی ۲۱ فرعون نے کہا: پھر گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ ۲۲ موسٰی نے کہا: ”اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، میرا پروردگار نہ غلطی کر سکتا ہے اور نہ بھول سکتا ہے ۲۳ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش (یعنی قابل رہائش) بنا دیا، تمہارے لئے اس میں راستے بنا دیئے، نیز آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ طرح طرح کے مختلف پودے نکالے ۲۴ (اور تمہیں آسانی دی ہے کہ) خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ، یقیناً اس میں عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ ۲۵ (۲) ۲۶

۱) حضرت موسٰی ؑ نے براہ راست جواب دینے اور گزرے ہوئے لوگوں کو دوزخی قرار دینے سے اجتناب کیا؛ کیوں کہ انسان کو اپنے آباء و اجداد سے جذباتی تعلق ہوتا ہے، صاف اور صریح جواب دینے کی صورت میں ان کے اندر مخالفانہ سوچ پیدا ہو سکتی تھی اور فرعون یہی چاہتا تھا، اس میں یہ سبق ہے کہ اگر داعی کو کسی سوال کا سیدھا جواب دینے میں نقصان کا اندیشہ ہو اور اس کا جواب ضروری نہ ہو تو جواب کو ٹال جانا چاہئے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۱۵﴾ وَ لَقَدْ اَرٰیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰی ﴿۱۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوسٰی ﴿۱۷﴾ فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحْرِ مِثْلِهٖ فَاَجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَا اَنْتَ مَكَانًا سُوٰی ﴿۱۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزَّیْنَةِ وَ اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحٰی ﴿۱۹﴾ فَتَوَلٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰی ﴿۲۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰی وَ یٰلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ کَذِبًا فِیُسْحِتْکُمْ بِعَذَابٍ وَّ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی ﴿۲۱﴾ فَتَنَّا زَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسْرَوْا النَّجْوٰی ﴿۲۲﴾ قَالُوْۤا اِنْ هٰذَا سِجْرِنِ یُرِیْدُنِ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ یَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمَثَلٰی ﴿۲۳﴾ فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ ثُمَّ اِنۡتُۦوْا صَفًّا وَّ قَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعٰلٰی ﴿۲۴﴾

زمین ہی سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی میں تم کو واپس لے جائیں گے اور اسی سے پھر دوسری بار تم کو نکالیں گے، ﴿۱۵﴾ اور ہم نے فرعون کو وہ تمام نشانیاں دیکھا دیں، پھر بھی وہ جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا رہا ﴿۱۶﴾ فرعون نے کہا: ”اے موسیٰ! کیا تم ہم کو اپنے جادو کے ذریعہ ہماری سرزمین سے نکال باہر کرنے کے لئے آئے ہو؟“ ﴿۱۷﴾ تو ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ضرور ایسا ہی جادو لا کر رہیں گے؛ لہذا ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ہموار میدان (میں جمع ہونے) کا ایک وقت طے کر لو، جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں اور نہ تم“ ﴿۱۸﴾ موسیٰ نے کہا: (ہماری طرف سے) وہ دن طے ہے، جس میں میلہ لگتا ہے اور یہ بھی کہ لوگ دن چڑھتے جمع ہو جائیں، ﴿۱۹﴾ چنانچہ فرعون راضی ہو گیا، اس نے اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کر لیں، پھر (مقابلہ کے دن میدان میں) آپہنچا ﴿۲۰﴾ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا: ”افسوس ہے تم پر، تم اللہ پر جھوٹ نہ گھڑو کہ کہیں اللہ تم کو عذاب میں تباہ و برباد کر دیں، جو جھوٹ گھڑے گا، وہ نامراد ہو کر رہے گا“ ﴿۲۱﴾ پھر یہ جادو گر اپنے کام میں آپس میں ہی اختلاف کرنے لگے اور انھوں نے چھپ کر (کچھ) باتیں کیں ﴿۲۲﴾ ان لوگوں نے (آپس میں) کہا: ”یہ دونوں جادو گر ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے مثالی مذہب کو مٹا کر رکھ دیں“ ﴿۲۳﴾ لہذا تم لوگ اپنی تدبیریں پکی کر لو، پھر (مقابلہ کے لئے) صف باندھ کر آؤ، جو غالب رہا، آج اسی کی جیت ہوگی۔“ ﴿۲۴﴾

← ﴿۲﴾ زمین کو اللہ نے نرم بنایا ہے، اس لئے اس میں مکان کی تعمیر بھی آسان ہے، آسانی سے سڑکیں بھی بنائی جاسکتی ہیں، ٹرین کی پٹریاں بچھائی جاسکتی ہے، ہوائی جہاز کے لئے رن وے بنائے جاسکتے ہیں، نرم ہونے کی وجہ سے پانی کو جذب کر سکتی ہے، اس سے کاشتکاری ہوتی ہے اور انسان کو اور جانوروں کو اپنی اپنی ضرورت کے مطابق غذا حاصل ہوتی ہے۔

قَالُوا يَمُوسَى اِمَّا اَنْ تُلْقَىٰ وَ اِمَّا اَنْ نَّكُونَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقَىٰ ﴿۱۶﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوا فَاِذَا حِبَالُهُمْ  
وَ عَصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهُا تَسْعٰى ﴿۱۷﴾ فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسٰى ﴿۱۸﴾  
قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۱۹﴾ وَ اَلْقِ مَا فِي يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوا  
كَيْدٌ سِحْرِ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۲۰﴾ فَاَلْقَى السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ  
هُرُونَ وَ مُوسٰى ﴿۲۱﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ اَنْ اَدْنٰ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمْ الَّذِى عَلَّمَكُمْ  
السَّحَرَ ؕ فَلَا قِطْعَنَ اَيْدِيكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَ لَا صَلْبِنَكُمْ فِي جُدُوْع النَّخْلِ  
وَ لَتَعْلَمُنَّ اَيْنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَ اَبْقٰى ﴿۲۲﴾ قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِى  
فَطَرَنَا فَاَقِضْ مَا اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىٰ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۳﴾ اِنَّا اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ  
لَنَا خَطِيْئَتَنَا وَ مَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السَّحْرِ ؕ وَ اَللّٰهُ خَيْرٌ وَ اَبْقٰى ﴿۲۴﴾

الْبَيِّنَاتِ

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو آپ (اپنی لاٹھی) ڈالیں، یا پہلے ہم (اپنی رسیاں) ڈالتے ہیں؟ ﴿۱۶﴾ موسیٰ نے کہا: بلکہ (پہلے) تم ہی ڈالو؛ چنانچہ اچانک یوں ہوا کہ ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ کو محسوس ہونے لگا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں، ﴿۱۷﴾ پس، موسیٰ دل ہی دل میں ڈرنے لگے، ﴿۱۸﴾ ہم نے کہا: ”(اے موسیٰ!) ڈرو مت، یقیناً تم ہی غالب رہو گے ﴿۱۹﴾ اور تمہارے دائیں ہاتھ میں جو (لاٹھی) ہے، اسے ڈال دو تو وہ ان کے سارے کرتبوں کو نگل جائے گی، ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے، وہ محض جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی چلا جائے، وہ کامیاب نہیں ہوگا“ ﴿۲۰﴾ پس، (ایسا ہی ہوا اور) جادوگر یہ کہتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے کہ ہم ہاروں اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے، ﴿۲۱﴾ فرعون نے کہا: ”اچھا، تم ہمارے اجازت دینے سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے، (اصل میں) وہی تمہارا گروہ ہے، جس نے تم لوگوں کو جادو سکھایا ہے؛ اس لئے میں ضرور تم لوگوں کے ہاتھ پاؤں اُلٹے کاٹ دوں گا، کھجور کے تنوں پر تم کو سولی چڑھا دوں گا، تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب سخت اور دیر پا ہے؟“ ﴿۲۲﴾ جادوگروں نے کہا: ”ہمارے پاس جو واضح معجزے آچکے ہیں، ہم ان کے مقابلہ اور اس خدا کے مقابلہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہرگز تم کو ترجیح نہیں دیں گے، پس تم کو جو کچھ کرنا ہے کر لو، تم صرف اس دنیا ہی میں تو حکم چلا سکتے ہو؟“ ﴿۲۳﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے، تاکہ اللہ ہمارے گناہوں کو اور تم نے جو ہم کو مجبور کر کے جادو کرایا ہے، اس کو معاف کر دیں، اللہ بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔“ ﴿۲۴﴾

۱۶ اِنَّهُ مِنْ يَّاتٍ رَبِّهِ مُجْرِماً فَاِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يَمُوتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰی ﴿۱۶﴾ وَمَنْ يَّاتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّٰلِحٰتِ فَاولٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ﴿۱۷﴾ جَنَّتْ عَدْنٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ مَنْ تَزَكٰی ﴿۱۸﴾ وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبْسًا ۚ لَا تَخَفْ دَرَكًا وَلَا تَخْشٰی ﴿۱۹﴾ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ ﴿۲۰﴾ وَ اضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰی ﴿۲۱﴾ لِّیَبْنِیْ اِسْرَءٰیِلَ قَدْ اَنْجٰیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَ وَّعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْاَیْمَنِ وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّٰ وَ السَّلٰوٰی ﴿۲۲﴾ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِیْهِ فِیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَ مَنْ یَّحِلِّلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی ﴿۲۳﴾ وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّسَن تَابٍ وَ اٰمَنٍ وَ عَمِلَ صٰلِحًا ثُمَّ اِهْتَدٰی ﴿۲۴﴾ وَ مَا اَعْجَلٰکَ عَنْ قَوْمِکَ یٰمُوسٰی ﴿۲۵﴾

(اے لوگو!) جو اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر حاضر ہوگا، یقیناً اس کے لئے دوزخ ہے، نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ (صحیح طور پر) جئے گا ﴿۱۶﴾ اور جو لوگ اپنے رب کے پاس مسلمان ہو کر آئیں گے اور انہوں نے نیک عمل کیا ہوگا، ان کے لئے بلند درجے ہیں ﴿۱۷﴾ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہا کریں گے، یہی اس شخص کا بدلہ ہے، جو پاکیزہ زندگی گزارے ﴿۱۸﴾ ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، پھر ان کے لئے (لاٹھی مار کر) سمندر میں خشک راستہ بنا دو، نہ تم کو کسی کے پیچھا کرنے کا خوف ہو اور نہ (ڈوب جانے کا) ڈر، ﴿۱۹﴾ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا؛ چنانچہ دریائے ان کو پوری طرح دبوچ لیا ﴿۲۰﴾ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور صحیح راہ نہ دیکھائی ﴿۲۱﴾ اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات عطا کی اور تم سے (تورات کے لئے) طور کے دائیں طرف آنے کا وعدہ لیا، نیز تم پر ”من“ اور ”سلوٰی“ اتارا، ﴿۲۲﴾ ہم نے تم کو جو پاکیزہ روزی عطا کی ہے، اس میں سے کھاؤ اور اس میں زیادتی نہ کرو، ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب ہو جائے، وہ ہلاک و برباد ہو کر رہے گا، ﴿۲۳﴾ البتہ جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر ہدایت کے راستہ پر قائم رہے، میں اس سے درگزر کرنے والا ہوں ﴿۲۴﴾ (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! تمہارے اپنی قوم سے پہلے چلے آنے کا کیا سبب ہوا؟ ﴿۲۵﴾

﴿﴾ حالاں کہ قوم کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داری تھی کہ خود بھی ہدایت کے راستہ پر آجاتا اور اپنی قوم کو بھی اس کی تلقین کرتا۔

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلَىٰ اَثَرٍ وَّ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿۱۶﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۱۷﴾ فَرَجَعَ مُوسٰى اِلٰى قَوْمِهِ غَضْبَانَ اَسِفًا ؕ قَالَ يَقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَاخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿۱۸﴾ قَالُوا مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَمِلْنَا اَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَهَا فَكَذَلِكَ اَلْقٰى السَّامِرِيُّ ﴿۱۹﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَمَاۤ لَوْ هٰذَا اِلٰهُكُمُ وَاِلٰهُ مُوسٰى فَتَسٰىءُ ﴿۲۰﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ؕ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ صَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۲۱﴾ وَّلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمِ اِنِّىۤ اَفْتِنْتُمْ بِهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُونِىْ وَاَطِيعُوْا اَمْرِىْ ﴿۲۲﴾

موسیٰ نے عرض کیا: وہ میرے پیچھے ہی تو ہیں! اور میرے پروردگار! میں نے آپ کی طرف (آنے میں) اس لئے جلدی کی کہ آپ خوش ہو جائیں، ﴿۱۶﴾ اللہ نے فرمایا: تمہارے (نکلنے کے) بعد ہم نے تمہاری قوم کو ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے؛ ﴿۱۷﴾ چنانچہ موسیٰ سخت غم و غصہ کی حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے اور کہنے لگے: ”اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ تو کیا تم پر کوئی لمبی مدت گزر گئی تھی یا تم چاہتے تھے کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو جائے؛ اس لئے تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟“ ﴿۱۸﴾ انھوں نے جواب دیا: ”ہم نے اپنے اختیار سے وعدہ خلافی نہیں کی؛ لیکن ہم پر اس قوم (یعنی قبطیوں) کے زیورات کا جو بوجھ لدا ہوا تھا، ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا، ﴿۱۹﴾ پھر اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا بنا ڈالا، یعنی ایک جسم جس کی آواز گائے کی سی تھی، پھر لوگ کہنے لگے: یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی؛ لیکن موسیٰ بھول گئے ہیں“ ﴿۲۰﴾ کیا انھیں یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ یہ (بچھڑا) تو نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا اور نہ ان کو نقصان یا نفع پہنچا سکتا تھا ﴿۲۱﴾ (اس کے علاوہ) اس سے پہلے ان سے ہارون کہہ چکے تھے: اے میرے لوگو! یقیناً تم لوگ اس (بچھڑے) کے ذریعہ آزمائے جا رہے ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمہارا پروردگار وہی ہے جو بے حد مہربان ہے (نہ کہ یہ بچھڑا)؛ لہذا تم میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا اشتیاق اور خوشنودی حاصل کرنے کا بے پناہ جذبہ حضرت موسیٰ ؑ کو جلدی جلدی بارگاہ الہی میں لے گیا، دوسری طرف اپنی قوم سے اس لئے اطمینان تھا کہ ان کے درمیان حضرت ہارون ؑ کو چھوڑ کر گئے تھے، اس میں حضرت موسیٰ ؑ کی جلد بازی یا اُمت کی فکر سے لاپرواہی کی کوئی بات نہیں تھی۔

قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَڪْفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوسٰی ﴿۱۶﴾ قَالَ یٰھُرُوْۤنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ﴿۱۷﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۚ اَفَعَصٰیْتَ اَمْرِیْ ﴿۱۸﴾ قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِدَحِیَّتِیْ وَلَا بِرَاسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَقْتُ بَيْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ یٰسَامِرِیْ ﴿۲۰﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْۤا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثْرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذَلِکَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ ﴿۲۱﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیْوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِیْسَاسَ ۚ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی الْهٰکِ الَّذِیْ ظَلَمْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ۚ لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۲۲﴾

لوگوں نے کہا: جب تک موسیٰ ہماری طرف واپس نہ آجائیں، ہم تو اسی پر جمے رہیں گے ﴿۱۶﴾ موسیٰ نے کہا: اے ہارون! جب تم نے دیکھ لیا کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تم کو میرے پیچھے آنے سے کس چیز نے باز رکھا؟ ﴿۱۷﴾ کیا تم بھی میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے لگے؟ ﴿۱۸﴾ ہارون نے کہا: اے میرے ماں شریک بھائی! میری داڑھی اور سر (کے بال) نہ پکڑو ﴿۱﴾، مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا، ﴿۲﴾ موسیٰ نے کہا: اے سامری! تم نے ایسا کیوں کیا؟ ﴿۳﴾ سامری نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھ لی تھی، جو دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آئی تھی؛ چنانچہ میں نے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھالی پھر اس کو اس (سونے کے بنائے ہوئے بچھڑے) میں ڈال دیا، میرے نفس نے مجھے اسی طرح اُکسایا ﴿۲﴾ ﴿۱﴾ موسیٰ نے کہا: ”تم جاؤ تمہارے لئے زندگی بھر یہ حال رہے گا کہ تم کہو گے: لامساس (کوئی چھوئے نہیں) ﴿۳﴾ اور تمہارے لئے ایک وقت مقرر ہے، جو تم سے ٹلے گا نہیں، اور اپنے اس خدا (یعنی بچھڑے کے انجام) کو تو دیکھو جس پر تم جیسے ہوئے تھے، ہم اسے جلادیں گے، پھر اسے ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ ماں محبت کا پیکر ہوتی ہے؛ اس لئے خاص طور پر حضرت ہارون ؑ نے ماں کے رشتہ کا حوالہ دیا، حضرت موسیٰ ؑ کا یہ داڑھی اور سر کے بال پکڑنا جوش حق کے غلبہ کی وجہ سے تھا نہ کہ ایذا رسانی اور اہانت کے لئے، اس سے معلوم ہوا کہ جہاں ممکن ہو اور خلافِ مصلحت نہ ہو، وہاں شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ذمہ داری کی طرف سے غلطی پر تنبیہ کے لئے جسمانی سرزنش بھی کی جاسکتی ہے۔

﴿۲﴾ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سامری نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل ؑ کے گھوڑے کا سُم جہاں پڑتا ہے، وہاں سبزہ اُگ آتا ہے، اس نے محسوس کیا کہ اس میں زندگی پیدا کرنے کی کچھ تاثیر ہے؛ چنانچہ اس نے وہاں سے مٹی اٹھالی، اسے اس مصنوعی بچھڑے میں ڈال دیا اور اس کے اثر سے اس میں آواز پیدا ہو گئی۔ (قرطبی: ۲۳۹/۱۱)



اِنَّمَا اِلَهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَ قَدْ اَتَيْنٰكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۝ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدٍ فِيْهِ ۚ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَتَخَفَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝

۱۵  
۱۶

یقیناً تمہارا معبود وہی اللہ ہے جن کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوا ہے، (اے رسول!) اسی طرح ہم آپ پر گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو خاص اپنی طرف سے نصیحت کی کتاب عطا کی ہے، جو لوگ اس سے منہ پھیریں گے، وہ قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، وہ ہمیشہ اسی (کے عذاب) میں رہیں گے اور قیامت کے دن ان کے لئے کیا ہی بدترین بوجھ ہوگا، جس دن صور پھونکا جائے گا اور جس دن ہم مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں (مارے ڈر کے) نیلی ہو چکی ہوں گی، وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے: تم تو بس دس (دن دنیا میں) رہے ہو گے، وہ لوگ جو کچھ کہیں گے، ہم اس سے خوب واقف ہیں، ان میں جو سب سے بہتر اندازہ لگانے والا ہوگا، وہ کہے گا: تم (دنیا میں) صرف ایک دن ٹھہرے ہو گے۔

← (۳) یعنی سامری کی یہ کیفیت ہوگئی کہ وہ کہتا: نہ میں کسی کو چھوؤں گا اور نہ کوئی شخص مجھے چھوئے؛ چنانچہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا کہ وہ اس سے کوئی تعلق نہ رکھیں، علامہ قرطبی نے اسی سے یہ بات اخذ کی ہے کہ گمراہ لوگ اور اہل بدعت کا بائیکاٹ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ نے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی بناء پر حضرت کعب بن مالک اور ان کے رفقاء کا بائیکاٹ فرمایا تھا، (قرطبی: ۱۱/۲۴۱) — سامری میں یہ کیفیت پیدا ہو جانا کہ کوئی اسے چھوئے نہیں؛ گویا بائیکاٹ کی ایک قدرتی شکل تھی؛ تاکہ وہ تمام دوسرے لوگوں سے کٹ کر رہ جائے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں لوگوں سے الگ رہنے کی ایک نفسیاتی کیفیت پیدا ہوگئی ہو اور یہ کوئی اور بیماری بھی ہو سکتی ہے؛ چنانچہ لاکھوں لوگوں میں ایک آدھ شخص کو یہ بیماری پیدا ہوتی ہے، کہ اس کے جسم میں کرنٹ بننے لگتا ہے، اگر وہ کسی کو چھو لے یا کوئی اسے چھو لے تو فوراً اس دوسرے شخص کو جھٹکا لگتا ہے، اس حقیر نے خود ایک ایسے مریض کو دیکھا ہے، جس پر کچھ دنوں یہ کیفیت طاری رہی۔ واللہ اعلم

اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور رد عمل کے طور پر مسلمانوں کے دینی شعائر، جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ نہ ہو، تو کفر اور گناہ کے آثار کو مٹا دینا بہتر ہے؛ کیوں کہ اس کی موجودگی بعض دفعہ اس گناہ کی طرف خاموش دعوت بن جاتی ہے — حضرت موسیٰ کی نبوت، قوم فرعون کو دعوت اور سامری کا واقعہ وغیرہ سورہ اعراف، آیت نمبر: ۱۰۳ تا ۱۵۵ میں گزر چکا ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَ لَآ أَمْتًا ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَ خَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۚ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَ رَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۚ وَ عَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۚ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۚ وَ مَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُ ظُلْمًا ۚ وَ لَا هَضْبًا ۚ وَ كَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَ صَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۚ

اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے: میرے پروردگار اس کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیں گے ﴿۱۶﴾ پھر زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دیں گے ﴿۱۷﴾ جس میں تم کو کوئی نشیب و فراز نظر نہیں آئے گا ﴿۱۸﴾ اس دن لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے دوڑے چلے آئیں گے، کوئی ٹیڑھا پن نہ دکھاسکے گا، اور خدا کے سامنے (جو نہایت مہربان ہیں) تمام آوازیں دب کر رہ جائیں گی، تم سوائے پاؤں کی آہٹ کے کوئی اور آواز نہ سنو گے، ﴿۱۹﴾ اس دن اس کے سوا کسی کی سفارش بھی کام نہیں آئے گی، جس کو خود بے حد مہربان خدا نے سفارش کی اجازت دی ہو اور اللہ اس کی بات سننا پسند کریں، ﴿۲۰﴾ اللہ لوگوں کے اگلے پیچھے تمام حالات کو جانتے ہیں اور انسانوں کا علم اللہ (کی ذات و صفات) کا احاطہ نہیں کر سکتا ﴿۲۱﴾ (اس دن) تمام چہرے اس ذات کے سامنے جھکے ہوں گے، جو ہمیشہ زندہ رہنے والی اور کائنات کی تدبیر کرنے والی ہے اور جو گناہ کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا، وہ ناکام و نامراد ہو کر رہے گا ﴿۲۲﴾ اور جس نے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ نیک عمل کیا تو اس کے لئے نہ نا انصافی کا کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ حق تلفی کا، ﴿۲۳﴾ اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں مختلف طریقوں پر وعیدیں ذکر کی ہیں؛ تاکہ وہ لوگ نافرمانی سے بچیں، یا یہ ان کے لئے نصیحت کا ذریعہ بن جائے۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ اہل مکہ آپ سے پوچھا کرتے تھے کہ میدان حشر کیسے قائم ہوگا اور زمین میں جو بڑے بڑے پہاڑ ہیں وہ کیسے چٹیل میدان بن جائیں گے؟ اسی کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیں گے۔

(تفسیر رازی: ۲۲/۱۰۰، تفسیر خازن: ۳/۲۱۲)

﴿۲﴾ یعنی عربوں کے لئے یہ بات کس قدر اعزاز کا باعث ہے کہ یہ آخری کتاب ان کی زبان میں نازل کی گئی؛ تاکہ اولین مخاطب ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلے وہ خود نصیحت حاصل کریں، پھر اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنیں۔

فَتَعَلَىٰ اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۚ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۖ ۱۶ وَ لَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ ۖ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۖ ۱۷ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّاۤ اِبٰلٰیْسَ ۖ اَبٰی ۖ فَكُنَّا لِیٰۤاَدَمَ اِنْ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِرِیْزُوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ۖ ۱۸ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْہَا وَ لَا تَعْرِی ۖ ۱۹ وَ اَنْتَ لَا تَطْمَئِنُّ فِیْہَا وَ لَا تَضْحٰی ۖ ۲۰

پس اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے، جو (کائنات کا) حقیقی بادشاہ ہے اور (اے رسول!) آپ پر اتاری جانے والی وحی کے پوری ہونے سے پہلے، پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے اور دُعا کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے (۱۶) اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے (ایک بات کا) عہد لیا تھا، مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں ارادہ پر جماؤ نہیں پایا (۱۷) اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب سجدہ میں گر پڑے، صرف ابلیس نے انکار کیا (۱۸) تو ہم نے کہا: اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکال نہ دے، پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ (۱۹) (یہاں) تم کو یہ سہولت ہے کہ نہ تم اس میں بھوکے ہو گے اور نہ تنگے، (۲۰) اور نہ تم کو اس میں پیاس لگے گی اور نہ دُھوپ۔ (۲۱)

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ جلدی جلدی زبان کو حرکت دیتے اور پڑھنے کی کوشش کرتے، آپ ﷺ کو اندیشہ ہوتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت جبرئیل ؑ واپس ہو جائیں، اس سے آپ ﷺ کو مشقت ہوتی؛ اسی لئے آپ ﷺ پر شفقت کرتے ہوئے حکم فرمایا گیا کہ قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں؛ جب تک وحی مکمل نہ ہو جائے، حضرت جبرئیل ؑ کی واپسی نہیں ہوگی، (بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ قیامہ، حدیث نمبر: ۴۶۲۵) اس سے ایک سبق تو یہ ملا کہ ہر مسلمان کے اندر قرآن مجید کو سیکھنے اور حاصل کرنے کا بے حد شوق ہونا چاہئے اور اس کے لئے فکر و کوشش کرنی چاہئے، دوسرا سبق یہ ملا کہ قرآن مجید کو پڑھنے اور پڑھانے میں بہت عجلت نہیں ہونی چاہئے؛ بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور پڑھانا چاہئے؛ تاکہ صحیح طور پر پڑھنے اور پڑھانے کا عمل انجام پاسکے — رسول اللہ ﷺ کو اس میں خاص دُعا بھی سکھائی گئی کہ میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے، اس سے علم کی اہمیت اور اس کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو عمل میں اضافہ کی دُعا بھی نہیں سکھائی گئی، مگر علم میں اضافہ کی دُعا سکھائی گئی، تو معلوم ہوا کہ اسلام میں علم کو خصوصی فضیلت حاصل ہے، اس میں یہ بھی سبق ہے کہ جو لوگ علم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ان کو خاص طور پر اس دُعا کا اہتمام کرنا چاہئے، نیز انسان علم کے کسی بھی مقام پر پہنچ جائے، اس کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس کا علم نامکمل ہے اور وہ مزید علم کا محتاج ہے، علم اسے تکبر میں مبتلا نہ کر دے؛ بلکہ اس میں تواضع اور جھکاؤ ہو۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبُلَىٰ ۚ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا وَطِفَقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهُمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۚ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۚ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَبِينًا لِّبَعْضِكُم لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَمَا يُآتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۚ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا ۖ وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَىٰ ۚ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۚ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ۚ

پھر شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈال ہی دیا، اس نے کہا: اے آدم! کیا میں تم کو وہ درخت نہ بتا دوں، جس سے ہمیشہ کی زندگی اور لازوال بادشاہت حاصل ہوتی ہے؟ ۱۶ چنانچہ آدم و حوا نے اس درخت میں سے کھالیا، پھر فوراً ہی ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے آپ کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے، آدم نے اپنے پروردگار کے فرمان پر عمل نہیں کیا؛ اس لئے وہ صحیح راستے سے ہٹ گئے ۱۷ پھر ان کے پروردگار نے ان کو (نبی بنائے جانے کے لئے) چن لیا؛ چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت سے نوازا دیا، ۱۸ اللہ نے فرمایا: ”تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ، تم (یعنی انسان اور شیطان) ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، پھر میری طرف سے تمہارے (اور تمہاری اولاد کے) پاس (جب بھی) کوئی ہدایت آئے گی تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف سے دوچار ہوگا، ۱۹ اور جو میری نصیحت سے بے رخی برتے گا تو اس کے لئے تنگی و پریشانی والی زندگی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے ۲۰ وہ فریاد کرے گا: میرے پروردگار! میری آنکھیں تو درست تھیں، آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ ۲۱ اللہ فرمائیں گے: اسی طرح تمہارے پاس ہمارے احکام آئے تھے، تو تم نے ان کو بھلا دیا تھا، اسی طرح آج تم کو بھلایا جاتا ہے، ۲۲ جو لوگ زیادتی کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے، انہیں ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب نہایت سخت اور دیر تک رہنے والا ہے“ ۲۳

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۱۷ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ۱۸ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۱۹ وَ مِنْ اَنْآءِ اللَّيْلِ فَنَسْبَحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۲۰ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ اَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۲۱ وَ رَزَقْنَا رَبِّكَ خَيْرًا وَّ اَبْقٰى ۲۲ وَ اَمْرٌ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اَصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۲۳ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۲۴ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۲۵ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۲۶

کیا ان کی ہدایت کے لئے یہ بات کافی نہ ہو سکی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے، جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے رہتے ہیں، یقیناً اس میں عقل والوں کے لئے عبرت کی باتیں ہیں، اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا اور ایک مدت مقرر نہ ہو گئی ہوتی تو (عذاب نے ان کو) دبوچ لیا ہوتا ۱۷ لہذا آپ ان کی بات پر صبر کیجئے اور سورج کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے حمد و ثنا کے ساتھ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کیجئے، نیز رات کے کچھ اوقات اور دن کے کناروں میں بھی تسبیح پڑھا کیجئے؛ تاکہ آپ کو خوشی حاصل ہو ۱۸ ۱۹ ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دنیوی زندگی کی چمک دمک دے رکھی ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ ہم ان کو آزمائیں، آپ اس کی طرف اپنی نگاہیں اٹھا کر بھی نہ دیکھئے اور آپ کے رب کی عطا فرمائی ہوئی روزی ہی بہتر اور دیر پا ہے، ۲۰ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے، ہم آپ سے روزی طلب نہیں کرتے؛ (بلکہ) ہم ہی آپ کو روزی عطا فرماتے ہیں ۲۱ اور بہترین انجام تقویٰ ہی کا ہے۔ ۲۲

۱۷ اس آیت میں تسبیح پڑھنے سے مراد نماز ادا کرنا ہے؛ کیوں کہ نماز کا خلاصہ حمد و تسبیح ہی ہے، غور کریں تو تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک جتنے اذکار و اوراد ہیں، سب میں یا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی گئی ہے یا اس کی پاکی بیان کی گئی ہے، سورج نکلنے سے پہلے (قبل طلوٰع الشمس) کی تسبیح سے مراد نماز فجر ہے، آفتاب ڈوبنے سے پہلے (قبل غروبہا) سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں، رات کے اوقات میں (من اثناء اللیل) تسبیح سے مراد مغرب و عشاء کی نمازیں ہیں، اور پھر دن کے کناروں (اطراف النهار) میں تسبیح سے فجر اور عصر یا فجر اور مغرب کی خصوصی تاکید ہے، (الدر المنثور: ۵/۶۱۱) اس طرح اس آیت میں پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔

۲۰ نماز کا حکم ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق دینے کا جو ذکر فرمایا جا رہا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسب معاش کو نماز میں رکاوٹ نہ بننے دیں؛ کیوں کہ جب اللہ روزی دینے والے ہیں اور ان ہی کی طرف سے نماز کا حکم ہے تو اللہ تعالیٰ کی یہ عبادت تمہاری روزی میں رکاوٹ و کمی کا باعث نہیں بنے گی۔

وَقَالُوا لَوْ لَا يَأْتِيَنَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۖ أَوْ لَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۖ وَكَوَّأَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْ لَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِّن قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَىٰ ۖ قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبَّصُوا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَنِ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۚ

وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے؟ کیا ان کے پاس وہ واضح نشانی نہیں آئی جو پہلی کتابوں میں تھی، ﴿۱۶﴾ اگر ہم ان کو اس (رسول کے آنے) سے پہلے کسی عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر ڈالتے تو یہ ضرور کہتے: اے ہمارے رب! ہمارے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کے احکام کی پیروی کرتے؟ ﴿۱۷﴾ آپ فرما دیجئے: سب انتظار کر رہے ہیں؛ لہذا تم بھی (کچھ دنوں) انتظار کر لو، تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون لوگ سیدھے راستے والے اور ہدایت پانے والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾



## سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ

«سورہ نمبر : (۲۱)

«رکوع : (۷)

«آیتیں : (۱۱۲)

«نوعیت : مکی

آسان تفہیم قرآن مجید

اس سورت میں تفصیل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے کارِ دعوت سے متعلق واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ حضرت نوح، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت زکریا علیہم السلام اور خود پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دعوتی مکالمات اور قوم کی طرف سے پیش آنے والے واقعات کا اختصار کے ساتھ ذکر آیا ہے، نیز حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام سورہ انبیاء ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ یہ قرآن مجید کی نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے: ”ہن من العتاق الاول“ (صحیح البخاری، باب تالیف القرآن: ۴۹۹۳، هن من العتاق الاول) حضرت عامر ابن ربیعہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آج ایک ایسی سورہ نازل ہوئی ہے، جس نے مجھے دنیا سے بے رغبت کر دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۹۱/۵، الدر المنثور: ۶۱۵/۵)

چوں کہ یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے؛ اس لئے اس میں زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت اور گزشتہ انبیاء کی دعوتوں کا ذکر آیا ہے اور شرک کرنے والے اپنے کفر و شرک کے لئے جن باتوں کو بہانہ بنایا کرتے تھے، ان کا رد کیا گیا ہے، اس سورہ کے اخیر میں اس بات کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تمام عالم کے لئے سراپا رحمت ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ

مُّحَدَّثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَا هِيَۤ اَنْفُسُهُمْ ۝ وَاَسْرُوْا النَّجْوٰى ۝ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۝ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۝ اَفَتَأْتُوْنَ السِّحْرَ ۝ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۝ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۝ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۝ فَلْيَاْتِنَا بِآیَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُونَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ لوگوں کے حساب کا وقت قریب آچکا ہے، تب بھی لوگ بے توجہی کے ساتھ منہ پھیرے ہی ہوئے ہیں، ۝ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے جب بھی نصیحت کی کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہوئے اس طرح سنتے ہیں ۝ کہ ان کے دل غافل ہوتے ہیں، ۱ اور یہ ظالم چپکے چپکے کان میں کہتے ہیں کہ یہ تو محض تمہارے ہی جیسا آدمی ہے، پھر بھی تم سمجھتے ہو جھٹتے جادوگر کے پاس (اس کی بات سننے کو) آجاتے ہو، ۲ ۳ پیغمبر نے کہا: میرے پروردگار آسمان وزمین میں ہونے والی تمام باتوں کو جانتے ہیں اور خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں ۴ یہی نہیں، وہ تو کہتے ہیں کہ یہ کچھ بے جوڑ خواب ہیں؛ بلکہ کہتے ہیں کہ اس کو (محمد نے) خود گھڑ لیا ہے؛ بلکہ وہ شاعر ہے ۵ (ورنہ) ہمارے پاس کوئی نشانی تو لے کر آتے، جیسا کہ پچھلے پیغمبروں کو (معجزات کے ساتھ) بھیجا گیا تھا۔ ۶

۱) معلوم ہوا کہ جب دین کی کوئی بات کی جائے تو اس طرح سننا ضروری ہے کہ انسان ظاہری طور پر بھی اس کی طرف متوجہ ہو اور وہ اپنے دل و دماغ کو بھی حاضر رکھنے کی کوشش کرے، نیز دینی مجلسوں میں خطاب کرنے والے کی بات سننے کی بجائے آپس میں باتیں نہ کرے۔

۲) جب کوئی کہنے والا دین کی بات کہے تو یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ وہ بھی میری ہی طرح کا انسان ہے، مال و دولت کے اعتبار سے بھی ہم ہی جیسا یا ہم سے کمتر ہے؛ بلکہ اس کے اخلاق کو دیکھنا اور اس کی باتوں پر غور کرنا چاہئے۔

۳) یہاں قرآن مجید پر اہل مکہ کے تین اعتراضات نقل کئے گئے ہیں: اول یہ کہ یہ کچھ منتشر خواب اور پراگندہ خیالات ہیں، جو نعوذ باللہ آپ کے ذہن میں بس گئے ہیں اور آپ انہیں کو دہراتے رہتے ہیں، دوسرے: یہ آپ کی اپنی تصنیف ہے، جھوٹ موٹ اللہ کی طرف اس کی نسبت کر دی گئی ہے، تیسرے: یہ محض شاعرانہ کلام ہے اور اشعار میں زیادہ تر خیالی باتیں ہوتی ہیں اور لوگوں کو متاثر کرتی ہیں، قرآن مجید نے ان تینوں اعتراضات کو نقل کر کے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ جیسے قرآن مجید قیامت تک باقی رہنے لے

مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا ۖ اَفْهَمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَمَسَّكُوْا اَهْلَ الدِّيَارِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲﴾

(اللہ فرماتے ہیں:) ان سے پہلے بھی بعض بستیوں کے لوگ ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا، پھر کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ ﴿۱﴾ ہم آپ سے پہلے بھی کچھ مردوں ہی کو پیغمبر بناتے رہے ہیں، جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے، اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کر لو ﴿۲﴾

← والا ہے، اسی طرح ایسے بے جا اعتراضات کرنے والے لوگ بھی ہمیشہ آتے رہیں گے؛ چنانچہ آج بھی مغربی مصنفین اور یہودی عیسائی اور آریہ معترضین یہی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کچھ منتشر مضامین ہیں، جو نعوذ باللہ ذہنی مریض ہونے کی بنا پر آپ کے دماغ میں آیا کرتے تھے، یہ بات تو تقریباً تمام دشمنان حق کی زبان و قلم پر ہے کہ قرآن مجید آسمانی کتاب نہیں ہے؛ بلکہ یہ آپ کی اپنی تصنیف ہے، جس کو آپ نے تورات و انجیل کا دیکھا دیکھی اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے اور یہ بات بھی ان کی طرف سے کہی جاتی ہے کہ قرآن کا اُسلوب بیان وہی ہے جو زمانہ جاہلیت کے شاعروں کا تھا، اس میں کوئی نئی چیز نہیں، ان سب بے جا اعتراضات کا ایک ہی جواب قرآن نے دیا ہے، جو قیامت تک شک کے کانٹوں کو دل سے نکالنے کے لئے کافی ہے اور وہ یہ کہ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو اس جیسی ایک سورہ یا دس آیات یا کم سے کم ایک ہی آیت لا کر دکھا دو، (البقرہ: ۲۳، ہود: ۱۳، طور: ۳۴) مگر اُس چیلنج کا جواب نہ اُس دور میں دیا جاسکا، جب قرآن نازل ہو رہا تھا، نہ آج کسی میں اس چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ قیامت تک کوئی اس کا جواب پیش کر سکے گا۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ کے لئے معجزات بھیجنا کوئی دشوار بات نہیں؛ لیکن ایک تو اس بات کا یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ معجزات کو دیکھ کر ایمان لے ہی آئیں گے؛ کیوں کہ کتنی ہی اُمّیں ایسی گزری ہیں کہ ان کو ان کی طلب کے مطابق معجزے دیئے گئے، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے، دوسرے: جب مطلوبہ معجزہ دیا جاتا ہے اور پھر بھی وہ قوم ایمان نہیں لاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے، تو یہی معاملہ ایمان سے انکار کی صورت میں ان کے ساتھ بھی ہوگا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس قوم کو باقی رکھا جائے گا اور ان کے اور ان کی نسلوں میں سے ایمان لانے والوں کے ذریعہ ہدایت کی روشنی پوری انسانیت تک پہنچائی جائے؛ اس لئے ان کو وہ معجزہ نہیں دیا جا رہا ہے، جس کا یہ مطالبہ کیا کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ نبوت ہمیشہ مردوں کو دی گئی ہے نہ کہ عورتوں کو؛ کیوں کہ نبی کو انسانوں کے ساتھ میل جول کی ضرورت پیش آتی ہے اور دعوت حق کے مخالفین کی طرف سے طرح طرح کی تکلیفوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور اس کی صلاحیت مردوں ہی میں ہے — اس آیت میں ذکر سے آسمانی کتاب مراد ہے، (قرطبی: ۲/۱۱۱) یعنی جن لوگوں کے پاس تورات و انجیل ہے، ان سے معلوم کر لو کہ پہلے جو انبیاء گزرے ہیں، وہ بھی انسان ہی تھے، انسانی ضرورتیں ان سے بھی متعلق تھیں اور وہ بھی عام انسانوں ہی کی طرح طبعی حالات سے دوچار ہوتے تھے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَاهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ۝ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَكَمْ قَصَصْنَا مِنْ قَبْلِهِ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝ فَلَمَّا أَحْسَبُوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۝ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ۝ قَالُوا يَوْمَئِذٍ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خِلْدِينَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبَادٍ ۝ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا لَا تَتَّخِذُنَا مِنْ لَدُنَّا ۖ إِن كُنَّا مُفْعِلِينَ ۝

ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں دیئے تھے، جو کھانا نہ کھائیں اور جو ہمیشہ باقی رہے ہوں ۸ پھر ہم نے ان لوگوں سے جو وعدہ کیا تھا، اس کو سچا کر دکھایا کہ ان کو اور ان لوگوں کو جن کو ہم بچانا چاہتے تھے بچالیا، اور حد سے گزر جانے والوں کو ہلاک کر دیا، ۹ ہم نے اب تمہاری طرف ایک ایسی کتاب اتاری ہے، جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، کیا تم سمجھ بوجھ نہیں رکھتے؟ ۱۰ اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو پٹس ڈالا ہے، جو نافرمان تھیں اور ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگوں کو آباد کر دیا، ۱۱ پھر جب ان لوگوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ محسوس کی تو لگے وہاں سے بھاگنے، ۱۲ (اللہ نے فرمایا) بھاگو مت، اپنے گھروں میں اور اسی جگہ لوٹ جاؤ، جہاں تم نے موجِ مستی کی تھی؛ تاکہ تم سے باز پرس کی جائے، ۱۳ انھوں نے کہا: ہائے ہماری ہلاکت و بربادی، یقیناً ہم لوگ ہی زیادتی کرنے والے تھے ۱۴ ان کی یہی فریاد اور آہ وادیل جاری رہی، یہاں تک کہ ہم نے ان کو ایسا تباہ کر دیا، جیسے کئی ہوئی کھیتی یا بجھی ہوئی آگ ہو ۱۵ اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشاہ کے لئے پیدا نہیں کیا ہے ۱۶ اگر ہم کچھ کھلونے بنانا چاہتے تو ہم اس کو اپنے ہی پاس سے بنا لیتے، اگر ہم کو ایسا کرنا ہی ہوتا۔ ۱۷ (۲)

۱ غرض کہ جب عذاب کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس وقت نہ آدمی بھاگ سکتا ہے اور نہ اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے — بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یمن کی ایک قوم ہے جو ”اہل حضور“ کہلاتی تھی، ان کے پاس ”شعیب بن ذی مہدّم“ کو بھیجا گیا تھا، یمن میں ہی ان کی قبر موجود ہے، یہ وہ حضرت شعیب ؑ نہیں ہیں، جن کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ ؑ کا نکاح ہوا تھا، اس قوم نے اپنے پیغمبر کو قتل کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا، بتایا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت سلیمان ؑ کے کئی سو سال بعد کا اور حضرت عیسیٰ ؑ کی ولادت سے پہلے کا ہے۔ (قرطبی: ۱۱/۲۷۴)

۲ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی کھیل تماشاہ ہی کرنا مقصود ہوتا تو اس کے لئے اتنی بڑی دنیا بسا نے اور انسان جیسی مخلوق کی اس میں پرورش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ تعالیٰ آسمان ہی پر ایسی کوئی چیز کر لیتے: ”قَالَ ابْنُ جَرِيرٍ: مَنْ أَهْلُ السَّمَاءِ لَا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ“۔ (قرطبی: ۱۱/۲۷۹)

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۖ وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾  
 وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَ لَا  
 يَسْتَحْسِرُونَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُونَ اَللَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوا اِلٰهَةً مِّنَ الْاَرْضِ  
 هُمْ يُنْشِرُونَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اِلٰهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا  
 يَصِفُونَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُونَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اِلٰهَةً قُلْ هَاتُوا  
 بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعٰى وَ ذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِيْ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ  
 مُّعْرِضُونَ ﴿۲۴﴾

بلکہ ہم تو حق کو باطل پر دے مارتے ہیں کہ وہ اس کا سر توڑ ڈالے؛ یہاں تک کہ وہ مٹ جاتا ہے ﴿۱۸﴾ اور جو کچھ تم  
 (حق کے خلاف) گھڑتے ہو، اس کی وجہ سے تمہاری ہی ہلاکت و بربادی ہے ﴿۱۹﴾ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو  
 کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے، اور جو (فرشتے) اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ اللہ کی بندگی سے سرکشی کرتے ہیں اور نہ کاہلی و سستی  
 برتتے ہیں، ﴿۲۰﴾ وہ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، وہ (اس سے) تھکتے نہیں ہیں، ﴿۲۱﴾ کیا ان لوگوں  
 نے زمین میں کچھ خدا بنا لئے ہیں، جو کسی کو زندگی عطا کرتے ہیں؟ ﴿۲۲﴾ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور بھی معبود  
 ہوتے تو ان دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا، پس عرش کے مالک اللہ ان باتوں سے پاک ہیں، جو یہ بنایا کرتے  
 ہیں ﴿۲۳﴾ خدا سے اس کے کسی فعل کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی؛ البتہ ان سب سے پوچھ ہوگی ﴿۲۴﴾ کیا  
 ان لوگوں نے اللہ کے سوا کچھ اور معبود بنا لئے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے: تم لوگ اپنی دلیل تولاؤ، یہ (قرآن) جو  
 میرے ساتھ والوں کے لئے نصیحت ہے، اور (دوسری کتابیں) جو مجھ سے پہلے والوں کے لئے نصیحت تھیں،  
 (موجود ہیں، ان سے دلیل پیش کرو)؛ لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر لوگ حق بات کا یقین نہیں کرتے؛  
 اسی لئے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ عام طور پر جو چیز بھیجی جاتی ہے، وہ مقدار کے اعتبار سے چھوٹی ہوتی ہے، اور جس چیز پر اس کو پھینکا جائے، وہ بڑی ہوتی ہے،  
 عجب نہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ بہت سی دفعہ حق پر قائم رہنے والوں کی تعداد کم ہوگی اور باطل پرستوں کی  
 اکثریت؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس اقلیت کو اکثریت پر غلبہ عطا فرمائیں گے؛ لہذا مسلمانوں کو کبھی بھی اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے گھبرانا  
 نہیں چاہئے، انجام کار ظاہری طور پر بھی انشاء اللہ ان ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔

﴿۲﴾ جب ایک ملک اور ایک ادارہ کے دوسرے براہ نہیں ہو سکتے، اور اگر بالفرض ہو جائیں تو ایسے اختلافات کھڑے ہوں گے کہ وہ ←

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۱۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿۱۸﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَذَلِكْ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۲۱﴾ أَوْ لَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۲﴾

آپ سے پہلے بھی ہم نے جو رسول بھیجے ان کو بھی ہم یہی حکم بھیجتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں؛ لہذا میری ہی عبادت کیا کرو ﴿۱۷﴾ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے (فرشتوں کو) اولاد بنالیا ہے، اللہ کی ذات اس سے پاک ہے؛ بلکہ وہ تو (خدا کے) معزز بندے ہیں، ﴿۱۸﴾ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے، اور وہ اللہ ہی کے حکم پر عمل کرتے رہتے ہیں، ﴿۱۹﴾ اللہ کو ان کے اگلے پچھلے سب حالات معلوم ہیں، اور وہ کسی کی سفارش تک نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو، اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے سہمے رہتے ہیں، ﴿۲۰﴾ اور اگر (بافرض) ان میں سے بھی کوئی کہے کہ اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں، تو ہم اس کو بھی دوزخ کی سزا دیں گے، ہم اسی طرح زیادتی کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں، ﴿۲۱﴾ کیا کفر کرنے والوں کو معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے، ہم نے ان کو الگ کر دیا ﴿۲۲﴾ اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی ہے، پھر بھی کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے؟ ﴿۲۳﴾

← تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا، تو اتنا بڑا نظام کائنات جس کی ہر چیز ایک دوسرے سے مربوط ہے، دو دوسرے براہوں کے زیر انتظام کیسے چل سکتا ہے؟ اور اگر واقعی دو خدا ہوتے تو کمزور اور عاجز انسانوں کی جنگ سے اندازہ کیجئے کہ ان خداؤں کی جنگ کس قدر بھیانک ہوتی اور کس طرح کائنات کا نظام تہہ و بالا ہو کر رہ جاتا، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ضرور کوئی ہستی ہے جو کائنات کی تدبیر کر رہی ہے؛ لیکن وہ تنہا ہے، کوئی اس کا شریک اور سا جھی نہیں ہے۔

﴿۱﴾ یعنی دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور اس دین حق کی بنیاد ہمیشہ سے توحید پر رہی ہے کہ اللہ کی ذات ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے، ایسا مذہب جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو، نہ کبھی اللہ کی طرف سے بھیجا گیا اور نہ وہ کبھی انسان کو ہدایت کے راستہ پر قائم رکھ سکتا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی فرشتے بھی اللہ کے بندے ہیں، خدائی میں شامل ہونا تو کجا وہ تو بلا اجازت سفارش بھی نہیں کر سکتے۔

﴿۳﴾ یعنی آسمان و زمین دونوں ملے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں الگ الگ کر کے مختلف دنیاؤں کی شکل عطا فرمائی، ←

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَبِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۱۸﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۱۹﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ اُولٰٓئِن مَّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُونَ ﴿۲۰﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ لِّلْمَوْتِ ۚ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۚ وَالْيٰنَاثُ رَجْعُونَ ﴿۲۱﴾

ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنادیئے ہیں کہ زمین ان کو لے کر ڈولنے نہ پائے، اور زمین میں کشادہ راستے رکھ دیئے ہیں؛ تاکہ لوگ منزل تک پہنچ سکیں، ﴿۱۷﴾ نیز آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے، اس کے باوجود وہ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ﴿۱۸﴾ وہی خدا ہے جس نے رات و دن اور سورج و چاند پیدا کئے، سب کے سب ایک دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں ﴿۱۹﴾ (اے رسول!) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی انسان کے لئے ہمیشہ زندہ رہنے کا فیصلہ نہیں کیا تو اگر آپ مرجائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ ﴿۲۰﴾ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، ہم تکلیف اور آرام کے ذریعہ تم کو اچھی طرح آزمائیں گے اور تم ہماری ہی طرف واپس لائے جاؤ گے۔ ﴿۲۱﴾

← حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے: ”کان شیئاً واحداً ملتزمتین فصل اللہ بینہما بالہواء“ (قرطبی: ۲۴۳/۱۱) عجیب بات ہے کہ موجودہ سائنس کی تحقیق بھی یہی ہے کہ کائنات پر ایک ایسا وقت گزرا ہے، جب تمام سیارے ایک بڑے گولے کی شکل میں تھے، ان کے درمیان فضا کا فاصلہ نہیں تھا، پھر ایک دھماکہ کے ذریعہ گولہ پھٹ گیا اور مختلف الگ الگ سیارے وجود میں آ گئے، ڈیڑھ ہزار سال پہلے خدا کے بتائے بغیر کیوں کر اس حقیقت کو جانا جاسکتا تھا، کیا یہ قرآن مجید کے اللہ کی طرف سے ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

﴿۱﴾ قرآن مجید میں بار بار اللہ کی طرف دعوت دینے کے لئے اللہ کی نعمتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، یہاں بھی پانی کا ذکر کیا گیا ہے، جو ہر جاندار شے کے لئے ایک لازمی چیز ہے، اس کے بغیر زندگی برقرار نہیں رہ سکتی، پہاڑ کا ذکر فرمایا گیا، جو زمین میں توازن قائم رکھے ہوئے ہیں، زمین کی نرمی کی وجہ سے اس میں راستے بننے کی صلاحیت کا ذکر فرمایا گیا، یہاں غالباً آسمان سے مراد فضاء ہے؛ کیوں کہ آسمان میں سطح زمین سے بلند تمام چیزیں شامل ہیں، یہ فضا اوپر سے آنے والی بہت سی ایسی چیزوں کو تحلیل کر دیتی ہے، جو زمین کے مناسب حال نہیں، سورج اور چاند کا ذکر فرمایا گیا، جو اپنی اپنی راہ گزر میں تیرتے رہتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں، کیا یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کے بغیر ہو سکتا ہے جو نظام کائنات کی تدبیر کر رہی ہے؟ اور وہی ہستی خدا کی ذات ہے۔

وَ اِذَا رَاكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّتَّخِذُوْكَ اِلَّا هُزُوًا ۚ اٰهٰذَا الَّذِيْ يَدْكُرُ اِلَهٰتِكُمْ ؕ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۷ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سُوْرِيْكُمْ اَلَيْتٰی فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۸ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۹ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكْفُوْنَ عَنْ وُجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۲۰ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۲۱ وَ لَقَدْ اسْتَهْزٰی بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۲۲ قُلْ مَنْ جَعَلَ لِّكُمُ الْبَالِیْلَ وَ النَّهَارَ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۚ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳

اور جب کفر کرنے والے آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کا صرف یہی کام ہوتا ہے کہ آپ کی ہنسی اڑائیں (چنانچہ کہتے ہیں:) یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر کرتا ہے؛ حالاں کہ یہ خود بے حد رحم کرنے والے (خدا) کا ذکر کرنے سے انکار کرتے رہتے ہیں ﴿۱﴾ انسان کی فطرت میں جلد بازی رکھی گئی ہے، اب میں جلد ہی تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتا ہوں؛ اس لئے جلدی نہ مچاؤ ﴿۲﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۳﴾ کاش! یہ ایمان نہ لانے والے اس وقت کو جان لیتے، جب وہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو ہٹا سکیں گے، نہ اپنی پیٹھوں سے ﴿۴﴾ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۵﴾ بلکہ ان پر اچانک ہی یہ آگ آپہنچے گی، اور ان کے ہوش و حواس گم کر کے رکھ دے گی، نہ وہ اس کو ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿۶﴾ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، پھر ان مذاق اڑانے والوں کو اسی چیز نے آگھیرا، جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿۷﴾ آپ کہہ دیجئے: کون ہے جو رات اور دن میں بے حد مہربان (خدائے) کے مقابلے میں تمہاری حفاظت کرے؟ کوئی نہیں؛ (لیکن پھر بھی) وہ اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ ﴿۸﴾

﴿۱﴾ یعنی آپ جو بتوں کے معبود ہونے کا انکار کرتے ہیں، وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں؛ حالاں کہ ان کا خود یہ حال ہے کہ جس ذات کی رحمت کے سائے میں وہ زندگی گزار رہے ہیں، خود اس کا انکار کرتے رہتے ہیں۔

﴿۲﴾ چہرہ جل جائے تو انسان دیکھنے میں بھدا اور بد شکل ہو جاتا ہے، جس سے دیکھنے میں تکلیف پہنچتی ہے، پیٹھ کا حصہ نسبتاً زیادہ حساس ہوتا ہے، سردی اور گرمی کی شدت پیٹھ پر فوری محسوس کی جاتی ہے اور اس سے جسمانی تکلیف کا احساس بڑھ جاتا ہے، غالباً اسی لئے چہروں کا اور پیٹھوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

﴿۳﴾ یہ اچانک آدھمکنے والی چیز قیامت بھی ہو سکتی ہے اور دوزخ کی آگ بھی، یعنی ان سب کا آنا تو وقت مقررہ ہی پر ہوگا؛ لیکن چون کہ ان کو وقت معلوم نہیں ہوگا؛ اس لئے وہ محسوس کریں گے کہ اچانک ان پر عذاب آ گیا ہے، اور جو چیز اچانک آ جاتی ہے، وہ اور زیادہ ہوش و حواس کو متاثر کر دیتی ہے۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۳۶﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَظْرَافِهَا ۚ اَفَهُمُ الْغُلْبُونَ ﴿۳۷﴾ قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ اِذَا مَا يُنْذَرُونَ ﴿۳۸﴾ وَ لَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَكْفُوْنَنَّ لَكَ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۚ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۚ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۰﴾

یا ہمارے سوا ان کے کچھ اور معبود ہیں جو ان کو بچالیں گے؟ وہ تو خود بھی اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے ﴿۳۶﴾ بلکہ (ان کی سرکشی کی وجہ یہ ہے کہ) ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو عیش و عشرت کا سامان عطا کیا، یہاں تک کہ (اسی حال میں) ان کو طویل عمر حاصل ہوئی، ﴿۱﴾ پھر کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے آرہے ہیں؟ ﴿۲﴾ بھلا پھر کیا وہ لوگ غالب آجائیں گے؟ ﴿۳﴾ آپ کہہ دیجئے: میں تم کو حکم الہی کے مطابق ہی (اللہ کے عذاب سے) ڈراتا ہوں؛ لیکن جو بہرے ہیں، جب ان کو ڈرایا جاتا ہے تو وہ پکار سنتے ہی نہیں ہیں، ﴿۴﴾ اور اگر ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھوٹکا بھی چھو جائے تو ضرور کہنے لگیں گے: ”ہائے ہماری ہلاکت و بربادی! یقیناً ہم ہی خطا کار تھے“ ﴿۵﴾ اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے، پھر کسی کے ساتھ ذرا بھی نا انصافی نہیں کی جائے گی، اگر (کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر ہوگا تو ہم اسے بھی لے آئیں گے اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یعنی عام طور پر انسان کی سرکشی کا سبب یہی ہوتا ہے کہ جب وہ مسلسل عیش و عشرت کی زندگی گزارتا ہے اور طویل زمانہ تک اسی حال میں رہتا ہے تو وہ خدا کی پکڑ سے لاپرواہ ہو جاتا ہے اور اس میں اپنی بڑائی کا خیال انگڑائی لینے لگتا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ جس کو دنیا میں اسباب عیش سے نوازیں اس کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کہ کہیں زندگی کا یہ آرام اللہ کی یاد کے لئے پردہ تو نہیں بنتا جا رہا ہے؟

﴿۲﴾ زمین کو اس کے کناروں سے گھٹانے کا مطلب عام طور پر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہونے کی وجہ سے دشمنوں کے زیر قبضہ زمین کم ہوتی جا رہی ہے، (قرطبی: ۱۱/۲۹۲) لیکن موجودہ سائنسی انکشافات کے لحاظ سے اس کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین کی خشکی کا علاقہ مسلسل سکڑ رہا ہے، اور گلشیر کے گچھلنے کی وجہ سے سمندر کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے، غرض کہ اللہ کی طاقت اور اس کے غلبہ کا حال یہ ہے کہ اتنی مضبوط اور لمبی چوڑی زمین بھی اس کے تصرف سے باہر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

﴿۳﴾ یہ ترازو کیسی ہوگی اور اس کے تولنے کا طریقہ کیا ہوگا، اس پر انسان کو وزن کیا جائے گا یا اس کے نامہ اعمال کو، یا انسان کے ←



وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى وَ هٰرُونَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۷۱ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ۝۷۲ وَ هٰذَا ذِكْرُ مُبْرِكِ اَنْزَلْنٰهُ ۝۷۳ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكَرُونَ ۝۷۴ وَ لَقَدْ اَتَيْنَا اِبْرٰهِيْمَ رُشْدًا مِّنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عَلِيْمِيْنَ ۝۷۵ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ ۝۷۶ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمٰثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُونَ ۝۷۷

اور ہم نے موسیٰ و ہارون کو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب (تورات)، ایک روشنی اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے نصیحت کی چیز عطا فرمائی تھی ۷۱ جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور قیامت کا بھی ڈر رکھتے ہیں ۷۲ اور یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے ہی نازل کیا ہے، تو کیا پھر بھی تم اس کا انکار کرتے ہو؟ ۷۳ اور ہم نے (موسیٰ سے) پہلے ابراہیم کو دانائی عطا کی تھی اور ہم ان (کی صلاحیت) سے خوب واقف تھے ۷۴ (ان کا) وہ وقت یاد کئے جانے کے لائق ہے، جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیاں ہیں، جن سے تم چمٹے ہوئے ہو؟ ۷۵

← عمل کو کسی جسم کی شکل دے دی جائے گی اور اس کو تولا جائے گا؟ یہ سب بحثیں اہل علم نے کی ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اعمال کے وزن کئے جانے ہی کا انکار کر دیا ہے؛ کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ وزن تو ایسی ہی چیز کا ہو سکتا ہے، جس میں جسامت ہو یعنی اس میں لمبائی، چوڑائی اور گہرائی ہو؛ لیکن موجودہ دور میں ایسے اعتراضات کا نہ کوئی موقع باقی رہا اور نہ ایسی بحثوں کی ضرورت رہی؛ کیوں کہ آج تو گرمی اور ٹھنڈک کو تولنے، انسان کے بخار کو تولنے، اس کے بلڈ پریشر کو ناپنے اور اس کے خون میں موجود شوگر کی مقدار کو جاننے کے ایسے ترازو ایجاد ہو چکے ہیں، جو لمحوں میں اپنا کام کر دیتے ہیں، تو قادرِ مطلق کے لئے کیا دشوار ہے کہ وہ انسان کے عمل کو تولنے کے لئے کوئی ترازو رکھ دے، جو لمحوں میں عمل کو تول دے اور کوئی چھوٹا سے چھوٹا عمل بھی اس سے باہر نہ جائے؟

﴿۱﴾ اللہ کی طرف سے جو بھی آسمانی کتاب اُتاری جاتی رہی ہے، اس کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ حق اور باطل کے درمیان فرق قائم ہو جائے اور درست اور نادرست کے درمیان کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، اس کے ذریعہ ہدایت کی روشنی پھیلتی ہے اور وہ لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان ہوتی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ دعوت و نصیحت دو طرفہ عمل ہے، نصیحت کرنے والا نصیحت کرنے کا اہل ہو اور جس کو نصیحت کی جارہی ہے وہ اس کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو؛ اس لئے تورات سے فائدہ ان ہی لوگوں نے اُٹھایا، جن میں یہ صلاحیت تھی، اور قرآن جیسی بابرکت کتاب سے بھی وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکیں گے، جن میں یہ صفت ہو، جو حضرت موسیٰ ۷۱ کا دور نبوت تھا، اس میں حق اور باطل کے لئے تورات کی حیثیت کسوٹی کی تھی؛ لیکن چوں کہ وہ کتاب منسوخ ہو چکی اور وہ انسانی ملاوٹوں کی وجہ سے اپنی اصل حالت پر باقی نہیں رہی؛ اس لئے اب حق اور باطل کو پرکھنے کے لئے اس کو کسوٹی کا درجہ حاصل نہیں رہا، اب یہ مقام اللہ تعالیٰ نے آخری کتاب قرآن مجید کو دیا ہے۔

قَالُوا وَجَدْنَا اَبَاءَنَا لَهَا عِبِدِينَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵۴﴾  
 قَالُوا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
 الَّذِي فَطَرَهُنَّ ۚ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَا كِبٰی دَنَّا اَصْنَامُكُمْ بَعْدَ اَنْ  
 تَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذُا ۙ اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ قَالُوا مَنْ  
 فَعَلَ هٰذَا بِاِلٰهِنَا اِنَّهٗ لَبِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۹﴾ قَالُوا سَبِعْنَا فَتٰی يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾  
 قَالُوا فَاتُّوْا بِهٖ عَلٰی اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوا ؕ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاِلٰهِنَا  
 لِاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ ۚ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسَعَوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْا اِلٰی  
 اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْا اِنَّكُمْ اَنْتُمْ الظَّالِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نَكِسُوْا عَلٰی رُءُوسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا  
 هَؤُلَاءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾

ان لوگوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ان ہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے، ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو اور تمہارے آباء و اجداد بھی کھلی ہوئی گمراہی میں تھے، ﴿۵۴﴾ ان لوگوں نے کہا: تم ہم سے سچ بات کر رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو؟ ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: نہیں، تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے، جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں ﴿۵۶﴾ (ابراہیم نے اپنے دل میں کہا: خدا کی قسم! جب تم چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا ﴿۵۷﴾ چنانچہ ابراہیم نے بڑے بت کو چھوڑ کر تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا؛ تاکہ وہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں ﴿۵۸﴾ لوگ کہنے لگے: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ یقیناً وہ شخص زیادتی کرنے والوں میں سے ہے ﴿۵۹﴾ کچھ لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو — جس کا نام ابراہیم ہے — سنا ہے کہ وہ ان بتوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر کیا کرتا ہے ﴿۶۰﴾ وہ کہنے لگے: اس کو لوگوں کے سامنے حاضر کرو، شاید وہ (اس کے بارے میں) گواہی دیں ﴿۶۱﴾ لوگوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ﴿۶۲﴾ ابراہیم نے کہا: کہیں یہ حرکت اُن کے اس بڑے نے کی ہو؟ تو اگر وہ بولتے ہوں تو ان ہی سے پوچھ لو ﴿۶۳﴾ پھر ان لوگوں نے دل ہی دل میں سوچا اور کہنے لگے: حقیقت یہ ہے کہ تم ہی لوگ غلطی پر ہو ﴿۶۴﴾ پھر مارے شرم کے اپنے سر جھکا لئے (اور کہنے لگے: تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ﴿۶۵﴾

قَالَ اَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَ لَا يَضُرُّكُمْ ۖ اَفِ لَكُمْ وَاِلٰهًا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ اَفَلَا تَعْقِلُونَ ۙ قَالُوا حَرِّقُوْهُ وَ انصُرُوْا اِلٰهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۙ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ۙ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمْ الْاٰخِسِرِيْنَ ۙ

ابراہیم نے کہا: کیا اللہ کے مقابلہ تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو، جو نہ تم کو نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان ۱۷ اُف! تم پر اور ان چیزوں پر، جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کیا کرتے ہو، کیا تم کو عقل نہیں ہے؟ ۱۸ لوگ کہنے لگے: اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو ابراہیم کو جلا دو اور اپنے معبودوں کا بدلہ لے لو؛ ۱۹ (چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا تو) ہم نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور آرام دہ ہو جا ۲۰ ان لوگوں نے ابراہیم کے خلاف سازش کرنی چاہی تو ہم نے ان ہی کو ناکام بنا دیا۔ ۲۱

﴿﴾ حضرت ابراہیم ؑ نہ صرف نبی تھے؛ بلکہ ابوالانبیاء (نبیوں کے باپ) تھے، آپ کے بعد جو پیغمبر آئے، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، وہ سب آپ ہی کے نسل سے تھے، نبی اسرائیل میں آنے والے تمام پیغمبر آپ کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق ؑ سے تھے اور رسول اللہ ﷺ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل ؑ کی نسل سے تھے، حضرت ابراہیم ؑ کی تعلیم اور دعوت کا امتیازی پہلو عقیدہ توحید پر زور دینا اور مختلف دلائل سے اس کو ثابت کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ کو حضرات ابراہیم ؑ سے خصوصی مناسبت تھی، آپ نے درود شریف میں ”محمد“ اور ”آل محمد“ کی طرح ”ابراہیم“ اور ”آل ابراہیم“ کو بھی شامل فرمایا، آپ نے اپنے ایک صاحبزادہ کا نام ابراہیم رکھا، جب بیت المقدس قبلہ تھا، تو آپ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت ابراہیم ؑ کے تعمیر کئے ہوئے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی یہ آرزو پوری کی گئی، حج اور قربانی دو عبادتیں وہ ہیں جو تمام تر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی یادگار ہیں، قرآن مجید میں جیسے رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اُسوہ و نمونہ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح حضرت ابراہیم ؑ کو بھی اُسوہ ٹھہرایا گیا ہے۔ (متحدہ: ۴)

اسی لئے حضرت ابراہیم ؑ کا تذکرہ قرآن مجید کی مکی و مدنی سورتوں میں بکثرت آیا ہے، مجموعی طور پر ۲۵ سورتوں اور ۶۳ آیتوں میں حضرت ابراہیم ؑ کا ذکر فرمایا گیا ہے، حضرت ابراہیم ؑ کی پیدائش جنوبی عراق کے علاقہ میں بابل کے قریب ”کوٹھ“ نامی جگہ میں ہوئی، جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اور یہی بات عام طور پر علماء اسلام نے لکھی ہے، بابل میں اس جگہ کا نام ”اور“ ذکر کیا گیا ہے، آپ کے والد ماجد کا نام آزر تھا جیسا کہ قرآن مجید کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے، تورات میں آپ کا نام ”تارخ“ بتایا گیا ہے، اسی لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اصل نام تارخ تھا اور آزر لقب، آزر وہاں کی زبان میں بڑے پجاری کو کہا جاتا تھا؛ چونکہ حضرت ابراہیم ؑ کے والد بُت تراش بھی تھے اور بُت پرست قوم کے مذہبی پیشوا بھی، اس لئے آزر کہلائے، حضرت ابراہیم ؑ کے پیدائشی شہر میں ہی آپ نے دعوت توحید کا آغاز کیا، یہیں نمرود سے حضرت ابراہیم ؑ کا ←

← مناظرہ ہوا، یہیں وہ واقعہ پیش آیا جس کا سورہ انبیاء کی ان آیات میں ذکر ہے کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور اللہ کی طرف سے آپ کی حفاظت ہوئی، جب اس آزمائش سے نجات ملی تو آپ نے اس وقت کے وسیع و عریض ملک شام کے شہر حران، یا حاران ہجرت کر گئے، جو اس وقت جنوبی ترکی میں واقع ہے، پھر یہاں سے آپ نے اپنی اہلیہ سارہ اور بھتیجے حضرت لوط ؑ اور ان کی بیوی کے ساتھ شام کے شہر حلب کی طرف اور بعد کو حلب سے فلسطین کی طرف ہجرت کی اور مصر سے بھی آپ کا گزر ہوا، یہیں حضرت ہاجرہ آپ کے نکاح میں آئیں، جن سے حضرت اسماعیل ؑ پیدا ہوئے، بابل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم ؑ، حضرت نوح ؑ کی دسویں پشت میں تھے؛ لیکن محققین کے نزدیک بابل کا یہ بیان قابل قبول نہیں ہے؛ کیوں کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم ؑ کے درمیان کم سے کم تین ہزار سال کے فاصلہ کا اندازہ کیا گیا ہے، اور توریت میں اس سلسلہ نسب میں آنے والے افراد کی جو عمریں لکھی گئی ہیں، وہ ۹۰۰ سال سے بھی کم ہوتی ہیں، حضرت ابراہیم ؑ کی وفات فلسطین کے شہر ”خلیل“، جسے عبرانی اور انگریزی میں ’خبرون‘ کہتے ہیں — میں ہوئی اور یہیں آپ مدفون ہوئے۔

حضرت ابراہیم ؑ کی حیات طیبہ کے مختلف واقعات قرآن کی مختلف سورتوں میں ذکر کئے گئے ہیں، یہاں جس واقعہ کا ذکر آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ مختلف طریقوں پر لوگوں کو شرک کا غلط ہونا اور توحید کا حق ہونا سمجھاتے تھے، اس کے لئے عقل و فطرت سے دلیلیں پیش کرتے تھے؛ چنانچہ ایک دن جو قوم کے مذہبی تہوار کا دن تھا اور جس میں لوگ تہوار منانے کے لئے شہر سے باہر نکل جایا کرتے تھے، حضرت ابراہیم ؑ شہر ہی میں مقیم رہے اور جب لوگوں نے حضرت ابراہیم ؑ سے بھی تقریب میں چلنے کو کہا، تو آپ نے انکار کر دیا اور معذرت کی کہ میں بیمار ہوں: ”انی سقیم —“ ہو سکتا ہے کہ آپ جسمانی طور پر بیمار رہے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شرک و بت پرستی کو دیکھ کر آپ کو غیر معمولی رنج و قلق ہوتا تھا، اس کی وجہ سے دل پر جو کیفیت گذرتی تھی، اس کو آپ نے بیماری سے تعبیر کیا ہو؛ کیوں کہ ذہنی تناؤ اور دل کی بے سکونی بھی ایک بیماری ہے اور موجودہ دور میں باضابطہ ماہرین نفسیات کے ذریعہ اس کا علاج کرایا جاتا ہے، جب سارے لوگ شہر سے باہر نکل گئے، تو حضرت ابراہیم ؑ نے سوچا کہ یہ اس بات کو ثابت کرنے کا بہترین موقع ہے کہ ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیاں خدا نہیں ہو سکتیں؛ چنانچہ آپ بت خانہ میں تشریف لے گئے، تمام بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور بڑے بت کے کاندھے پر کدال رکھ دی، لوگ واپس ہوتے ہی بت خانہ میں پہنچے، وہاں جب یہ منظر دیکھا تو انھیں بے حد غصہ آیا اور اس بات کی تفتیش شروع ہو گئی کہ آخر ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ ایک تو حضرت ابراہیم ؑ کا تہوار میں جانے سے گریز کرنا شبہ کے لئے کافی تھا، دوسرے حضرت ابراہیم ؑ موقع بہ موقع بت پرستی کی مذمت کرتے ہی رہتے تھے، اس لئے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ آپ ہی نے یہ حرکت کی ہے؛ چنانچہ حضرت ابراہیم ؑ طلب کئے گئے، حضرت ابراہیم ؑ نے اس عمل سے انکار نہیں کیا؛ بلکہ بت پرستی کی نامعقولیت کو واضح کرنے کے لئے سوالیہ انداز میں پوچھا کہ کہیں یہ حرکت اس بڑے بت نے تو نہیں کی ہے؟ ان ہی سے پوچھ لو، مقصد یہ تھا کہ بت پرستی کا غلط اور باطل ہونا اچھی طرح واضح ہو جائے، یہ مقصد سیدھی سادی گفتگو سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا، حضرت ابراہیم ؑ کا یہ مقدمہ حکومت وقت کے سامنے پیش ہوا، اس زمانہ میں مذہب سے پھر جانے والوں کی سزا آگ میں زندہ جلادیا جاتا تھا؛ لیکن حضرت ابراہیم ؑ کے لئے معمولی آگ میں جلانے کی سزا کو کافی نہیں سمجھا گیا؛ اس لئے خاص اہتمام سے لکڑیاں جمع کی گئیں اور بڑے پیمانہ پر ←

وَنَجَّيْنَاهُ وَاَوْطَا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۷﴾ وَهَبْنَا لَهُ اِسْحَاقَ وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فَعَلِ الْخَيْرَاتِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَاٰتَى الزَّكَاةَ وَكَانُوا اِلَيْنَا عٰبِدِينَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ابراہیم اور لوط کو ایسی سرزمین میں بھیج کر بچالیا، جس میں ہم نے تمام دنیا والوں کے لئے برکت رکھی ہے ﴿۱۷﴾ ہم نے ان کو انعام کے طور پر اسحاق و یعقوب عطا کیا، نیز ان سب کو نیک و صالح ﴿۱۸﴾ اور پیشوا بنایا، جو ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کو اچھے کام کرنے، نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری ہی بندگی کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۸﴾

← آگ سلگا کر آپ کو اس میں پھینک دیا گیا، جس خدا کے حکم سے آگ جلتی اور جلاتی ہے، اسی خدا نے آگ کو حکم دیا کہ تم ابراہیم کے لئے ٹھنڈی ہو جا اور ایسی ٹھنڈک بھی نہ ہو جو اس کی سلامتی اور حفاظت کے لئے خطرہ بن جائے؛ بلکہ ایک خوشگوار ٹھنڈک پہنچانے والی شے بن جا، بالآخر حضرت ابراہیم ؑ صحت و سلامتی کے ساتھ بڑے پیمانہ پر بھڑکائی ہوئی اس آگ سے باہر نکل آئے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کا اپنے آپ کو بیمار کہنا، یا لوگوں سے سوال کرنا کہ شاید بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا ہو، جھوٹ نہیں تھا، اور اس میں کوئی غلط بیانی نہیں ہے؛ کیوں کہ انبیاء کرام معصوم ہیں اور ان سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا، رہ گیا بعض حدیثوں میں حضرت ابراہیم ؑ کی ان باتوں کو کذب (جھوٹ) قرار دینا، (بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۱۷۹) تو عربی زبان میں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ظاہری مشابہت کے بنیاد پر کسی بات کو اسی لفظ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، حضرت ابراہیم ؑ کی ارشادات اگرچہ جھوٹ نہیں تھے؛ لیکن چوں کہ بظاہر جھوٹ کی طرح لگتے تھے؛ اس لئے اس کو جھوٹ سے تعبیر کر دیا گیا ہے، (حضرت ابراہیم ؑ کے تفصیلی واقعہ کے لئے اہل ذوق مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاری ؒ کی فاضلانہ تالیف 'قصص القرآن' سے استفادہ کر سکتے ہیں)۔

﴿۱﴾ یعنی سرزمین شام، جہاں بکثرت انبیاء آئے اور وہاں مدفون ہوئے، واضح ہو کہ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا، اس وقت موجودہ فلسطین بھی شام ہی کا ایک حصہ تھا، ساتھ ہی ساتھ یہاں دنیاوی برکتیں بھی ہیں کہ شام کے قریب ہی خطہ عرب کا وہ صحراء ہے، جہاں کہیں کہیں کھجور کے باغات کو چھوڑ کر نہ کوئی درخت اُگتا ہے نہ پھل پھول ہوتے ہیں، اور موسم کی شدت بھی سخت تکلیف دہ ہوتی ہے، اس کے قریب ہی سرزمین شام واقع ہے جو سرسبز و شاداب بھی ہے اور خوشگوار آب و ہوا کا حامل بھی۔

﴿۲﴾ غرض کہ صالح اولاد بھی اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ؑ کو عطا فرمائی، یہ بات بظاہر عجیب لگتی ہے کہ ایسے بلند پایہ پیغمبروں کے بارے میں یہ بات کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ہم نے ان کو نیک اور صالح بنایا؟ لیکن اس کی ضرورت اس وقت واضح ہو جاتی ہے، جب بائبل کا مطالعہ کیا جائے کہ اس میں حضرت یعقوب ؑ یہاں تک کہ خود حضرت ابراہیم ؑ پر نہایت ناشائستہ الزامات لگائے گئے ہیں۔

وَلَوْ كَا اَتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ ۖ اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سَوِيًّا فَمِنْهُمْ سَوِيٌّ وَادْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ اِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَنُوحًا اِذْ نَادَى مِنْ هَاهُنَا قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَاهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَنَصْرَنَهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا ۖ اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سَوِيًّا فَاعْرِضْهُمْ اَجْمَعِينَ ۝ وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ اِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَسَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۖ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۖ وَكَلَّا اَتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۖ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۝

اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم سے نوازا اور اس بستی سے نجات دی، جس کے رہنے والے نہایت گندے کام کرتے تھے، یقیناً وہ بہت بدکار، بُرے اور نافرمان لوگ تھے ۝ اور اس کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کر لیا، یقیناً وہ بڑے نیک لوگوں میں تھے ۝ (۱) اور (اے رسول!) نوح کا تذکرہ کیجئے، جب (ابراہیم سے) پہلے اس نے (اپنی قوم کے لئے بد) دُعا کی تو ہم نے اس کی دُعا قبول کر لی؛ چنانچہ ہم نے ان کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو بھاری مصیبت سے بچا لیا ۝ اور ہم نے اس کی ان لوگوں کے مقابلے میں مدد کی، جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا، یقیناً وہ بدترین لوگ تھے، پھر ہم نے اُن سبھوں کو غرق کر دیا ۝ (۲) اور داؤد و سلیمان کا تذکرہ کیجئے: جب وہ دونوں کھیتی کے بارے میں اِس بات کا فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات کے وقت کھیتی کو روند دیا تھا اور ہم خود ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے ۝ پھر ہم نے سلیمان کو صحیح فیصلہ سمجھا دیا اور دونوں ہی کو ہم نے حکمت اور علم سے نوازا تھا ۝ (۳) نیز ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا، جو تسبیح کیا کرتے تھے اور یہ سب کچھ ہم نے ہی کیا تھا۔ ۝

﴿۱﴾ قوم لوط کا، ان کی برائی کا اور ان پر عذاب کا ذکر سورہ اعراف آیت نمبر: ۸۰ میں آچکا ہے، قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لواطت کی بیماری تو ان میں تھی ہی، اس کے علاوہ اور بھی گندے کام کیا کرتے تھے، مفسرین نے ان کا ذکر کیا ہے اور خود بائبل میں بھی ان کا ذکر ہے — یہاں بھی حضرت لوط ۷ کا تذکرہ کر کے خاص طور پر ان کی صالحیت اور نیکو کاری کا ذکر فرمایا گیا؛ کیوں کہ بائبل میں حضرت لوط ۷ پر بعض بڑے ہی قبیح الزامات لگائے گئے ہیں، ان کا ذکر کرنے سے بھی ایک صاحب ایمان کا دل لرز جاتا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت نوح ۷ اور ان کی قوم کا تذکرہ سورہ اعراف کی آیت نمبر: ۱۵۹ اور بعد کی آیات میں آچکا ہے۔

﴿۳﴾ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت کو چر گئیں، مسئلہ حضرت داؤد ۷ کی عدالت میں پہنچا، —

← حضرت داؤد ؑ نے فیصلہ فرمایا کہ کھیتی کے نقصان کے بدلہ میں بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں، دونوں فریق جب باہر نکلے تو وہیں حضرت داؤد ؑ کے صاحبزادے حضرت سلیمان ؑ موجود تھے، انھوں نے فیصلہ کی تفصیل سنی اور سن کر فرمایا کہ اس کے بجائے ایسا فیصلہ بھی ہو سکتا تھا، جو دونوں فریق کے لئے مناسب ہوتا، پھر وہ فریقین کو لے کر حضرت داؤد ؑ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: اگر ایسا ہو کہ بکریاں کھیت والے کے حوالہ کر دی جائیں اور کھیت بکری والے کے حوالہ، کھیت والا بکریوں کے دودھ سے استفادہ کرے اور بکری والا کھیتیاں لگائے، یہاں تک کہ جب کھیتی اس درجہ کو پہنچ جائے جس درجہ کی کھیتی کو بکریاں چر گئی تھیں تو کھیت والے کو اس کا کھیت واپس کر دیا جائے اور بکری والے کو اس کی بکریاں، حضرت داؤد ؑ کو یہ فیصلہ پسند آیا اور انھوں نے اپنے پہلے فیصلہ کو بدل کر اس تجویز کے مطابق فیصلہ نافذ فرمایا، دراصل حضرت داؤد ؑ نے غالباً اس بات کو ملحوظ رکھا کہ کھیتی کا جو نقصان ہوا ہے، وہ ان بکریوں کی قیمت کے برابر ہے؛ اس لئے انھوں نے کھیت والے کو بکریاں دینے کا حکم صادر فرمایا، اور حضرت سلیمان ؑ نے ایک ایسی متبادل صورت پیش کی جس میں نقصان کی تلافی بھی ہو جائے اور دونوں کی چیز ان کی ملکیت میں باقی رہ جائے، فیصلے دونوں ہی درست تھے؛ لیکن حضرت سلیمان ؑ کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔

حضرت سلیمان ؑ کی معاملہ فہمی کا ایک اور واقعہ حدیث میں بھی آیا ہے، جس کو حضرت ابو ہریرہ ؓ نے روایت کیا ہے کہ دو عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ تھیں، ایک کے بچہ کو بھیڑیا لے گیا، اب دونوں کہنے لگیں کہ بھیڑیا جس بچے کو لے گیا ہے، وہ اس کا نہیں اور جو موجود ہے وہ اس کا ہے، معاملہ حضرت داؤد ؑ کی عدالت میں پہنچا، انھوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ کیا، غالباً ثبوت و شہادت نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے کبرسنی کو ترجیح دی، جب یہ خواتین باہر نکلیں تو حضرت سلیمان ؑ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا: ایسا کرو کہ تم لوگ ایک چاقو لے آؤ، میں اس بچہ کو درمیان سے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں، دونوں آدھا آدھا لے لو، بڑی تو تیار ہو گئی؛ لیکن چھوٹی نے اسے قبول نہیں کیا اور کہا کہ اسی کو بچہ دے دو، حضرت سلیمان ؑ سمجھ گئے کہ یہ حقیقی ماں کی متنا ہے، چنانچہ یہی فیصلہ نافذ کیا گیا، (بخاری، کتاب الفرائض، باب إذا ادعت المرأة ابناً، حدیث نمبر: ۶۳۸۷) جو قرینہ کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔

قرآن مجید کی اس آیت اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بھی اجتہاد کی اجازت تھی؛ کیوں کہ حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کا فیصلہ ان کے اجتہاد ہی پر مبنی تھا؛ البتہ انبیاء کے اجتہاد میں کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ کی طرف سے ان کو متنبہ کر دیا جاتا ہے، خواہ جی کے ذریعہ کیا جائے یا کسی اور شخص کے ذریعہ، جیسا کہ اس واقعہ میں حضرت سلیمان ؑ کے ذریعہ حضرت داؤد ؑ کو مطلع فرمایا گیا، دوسرے: اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ پر حضرت داؤد ؑ اور حضرت سلیمان ؑ دونوں کی تعریف کی، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر کوئی قاضی حق تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور وہ اس سلسلہ میں پوری کوشش کرے؛ لیکن پھر بھی اس سے چوک ہو جائے تو وہ اجر کا مستحق ہے اور قابل ستائش ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر قاضی حق تک پہنچنے کی بھرپور کوشش یعنی اجتہاد کرے تو اگر وہ درست رائے تک پہنچ گیا تو اس کے لئے دُہرا اجر ہے اور اگر غلطی ہو گئی تب بھی اس کے لئے ایک اجر ہے، (مسلم عن عمرو بن العاص: کتاب الاقضية، باب اجر الحاكم، حدیث نمبر: ۱۷۱۶) تیسرے: اس سے معلوم ہوا کہ اگر قاضی فیصلہ کر چکا ہو؛ لیکن فیصلہ نافذ کرنے سے پہلے وہ محسوس کرے کہ اس سے غلطی ہوئی ہے اور وہ اس سے رجوع کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، چوتھے: حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت سے معلوم ہوا کہ جن باتوں کو فیصلہ کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے، ←

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِيُخْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَسَلَيْنَا  
الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ﴿۵۹﴾  
وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَنْ يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۖ وَكُنَّا لَهُمْ حَفِظِينَ ﴿۶۰﴾

اور ہم نے اس کو تمہارے لئے زرہ کی صنعت سکھائی تھی، جو تم کو لڑائی میں ایک دوسرے سے محفوظ رکھے، تو کیا تم  
(اب بھی) شکر گزار ہو گے؟ ﴿۵۸﴾ نیز تیز ہوا کو بھی سلیمان کے تابع کر دیا تھا، جو اس کے حکم سے اس زمین کی طرف  
چلتی تھی، جہاں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں ﴿۵۹﴾ اور بعض شیاطین سلیمان کے لئے غوطے لگایا  
کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کیا کرتے تھے، اور ہم ہی نے ان کو تھام رکھا تھا۔ ﴿۶۰﴾

← ان میں ایک بنیاد مضبوط قرینہ بھی ہے، پانچویں: ایک قابل ذکر مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی کھیتی کو کسی اور شخص کا جانور چر جائے تو  
شریعت محمدی میں اس کے لئے کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اسی طرح کا ایک معاملہ آیا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی  
اوٹنی ایک شخص کے باغ میں گھس گئی اور نقصان پہنچا دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دن کے وقت، باغ والوں کی ذمہ داری  
ہے کہ وہ اپنے باغ کی حفاظت کریں اور رات کے وقت مویشی والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو باندھ کر رکھیں؛ لہذا اگر رات میں کسی  
کا جانور دوسرے کی کھیتی کو چر جائے تو اس کی تلافی کرنا جانور کے مالک کی ذمہ داری ہوگی، (مؤطا امام مالک عن حرام بن سعد بن محبہ، کتاب  
الاقتضی، حدیث نمبر: ۴۳۵) چنانچہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کی یہی رائے ہے کہ دن میں ہونے والے نقصان کی ذمہ داری جانور کے مالک پر  
ہوگی، حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جانور جو نقصان پہنچائے، اس کا کوئی تاوان نہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”العجماء  
جرحھا جبار“ (بخاری، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۵۱۴) یعنی جانور کسی کو جو جسمانی نقصان پہنچائے، اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا؛  
اسی لئے ان کے نزدیک حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی روایت کا حکم ابتدائی دور کا تھا، جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔ (قرطبی: ۳۱۵/۱۱)

﴿۱﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے بعض ان خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو اللہ کی طرف  
سے دیئے گئے تھے، ان میں ایک یہ ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تھے تو آپ کے ساتھ ساتھ پہاڑ اور پرندے بھی تسبیح  
کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے نغمے گاتے تھے، بابل میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، (زبور: ۱۳۸-۹: ۱۳) دوسرے: آپ کو لوہے  
کو نرم کرنے اور اس سے زرہ بنانے کا فن عطا کیا گیا تھا، گویا آپ فن زرہ سازی کے موجد ہیں، اس میں اس بات کی طرف بھی  
اشارہ ہو گیا کہ صنعت و حرفت ایک اچھی چیز ہے اور اس کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا چاہئے؛ چنانچہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام  
کاشتکار تھے، حضرت نوح علیہ السلام کارپینٹر کا کام کرتے تھے، حضرت لقمان علیہ السلام کپڑے سلا کرتے تھے، طالوت چٹروں کی صفائی کا  
کام کیا کرتے تھے، (قرطبی: ۳۲۱/۱۱) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے مؤمن کو پسند فرماتے ہیں، جو صنعت  
و حرفت سے آگاہ ہو: ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرفَ“ (طبرانی فی الکبیر: ۳۰۸/۱۲، حدیث نمبر: ۱۳۲۰۰) اس لئے مسلمانوں کو  
صنعت و حرفت کی جانب خصوصی توجہ دینی چاہئے۔



وَاَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهُ اِنِّىْ مَسْنٰى الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَّاَتَيْنَاهُ اَهْلَهُ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرًا لِّلْعٰبِدِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور ایوب کا تذکرہ کیجئے، جب اس نے اپنے پروردگار سے دُعا کی کہ مجھ پر سخت تکلیف آپڑی ہے اور آپ تمام مہربانی کرنے والوں سے بڑھ کر مہربان ہیں ﴿۱۷﴾ تو ہم نے ان کی فریاد سن لی، پھر ان کی تکلیف دور کر دی، اور ہم نے ان کو گھروالے بھی دیئے اور ان کے ساتھ ان ہی کے برابر اور لوگ بھی، جو ہماری طرف سے خصوصی فضل و کرم تھا، اور اس لئے کہ یہ عبادت گزار لوگوں کے لئے سبق ہو جائے۔ ﴿۱۸﴾

← حضرت سلیمان ؑ کو ہوا پر تصرف کی طاقت دی گئی تھی، وہ جس طرف ہوا کو چلنے کا حکم دیتے، وہ اس طرف چلا کرتی تھی، اسی طرح جنات پر بھی ان کو قابو دیا گیا تھا، یہاں تک کہ وہ ان کے حکم سے سمندر میں ڈبکی لگا کر موتیاں نکالا کرتے تھے؛ لیکن بہر حال یہ سب کچھ حضرت داؤد ؑ یا حضرت سلیمان ؑ کی اپنی طاقت نہیں تھی؛ بلکہ اللہ ہی کے حکم سے انھیں یہ طاقت حاصل تھی، جس کو قرآن نے یہاں وضاحت سے بیان کر دیا ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء کے معجزات ان کے نبی ہونے کی دلیل ہیں نہ کہ ان کے خدا ہونے کی۔

﴿۱﴾ حضرت ایوب ؑ اللہ کے پیغمبر تھے، وہ حضرت اسحاق ؑ کے بڑے صاحبزادہ اور حضرت یعقوب ؑ کے بڑے بھائی ”عیص“ کی اولاد میں اور حضرت ابراہیم ؑ کی پانچویں پشت میں تھے، یہ فلسطین کے قریب ”عوض“ نامی جگہ کے رہنے والے تھے، بائبل میں تفصیل سے ان کا واقعہ آیا ہے؛ بلکہ ان کے نام سے مستقل ایک صحیفہ بائبل میں شامل ہے، یہ ابتداء بہت صاحب ثروت لوگوں میں تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شیطان نے آزمائشوں میں مبتلا کر دیا، کھیتیاں جل گئیں، مویشی مر گئے، مکان دب گیا، جس میں بچوں کی موت واقع ہو گئی، نوکر چاکر دشمنوں کے ہاتھ مارے گئے، پھوڑوں کی بیماری کچھ اس طرح مسلط ہو گئی کہ سر سے پاؤں تک زخم ہی زخم نظر آتے تھے اور ان زخموں سے کیڑے نکلتے تھے؛ یہاں تک کہ لوگوں نے آبادی سے باہر نکال دیا؛ لیکن اللہ کے اس صابر بندے نے کبھی اُف نہ کیا اور صبر کی تصویر بنے رہے، پھر آخر اللہ کے حضور اپنی مصیبت کی فریاد کی اور اللہ نے اس شان سے یہ دُعا قبول فرمائی کہ آل و اولاد اور مال و دولت پہلے سے بھی بڑھ کر عنایت فرمائی اور عمر بھی خوب دی، حکم خداوندی کے تحت حضرت جبرئیل ؑ نے زمین پر پاؤں مارا، جس سے گرم پانی کا چشمہ جاری ہو گیا، حضرت ایوب ؑ نے اس میں غسل کیا اور آناً فائساری بیماری جاتی رہی، (قرطبی: ۱۱/۳۲۶)، تو رات کے صحیفہ ایوب میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے، جس پر پورا پورا بھروسہ تو نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آزمائش کی یہ مدت بھی سال دو سال کی نہ تھی بلکہ اچھی خاصی تھی، رسول اللہ ﷺ کے ایک ارشاد کے مطابق اٹھارہ سال تھی، (قرطبی: ۱۱/۳۲۷) — مصیبت و آزمائش کے اس دور میں بیوی نے وفاداری کا حق ادا کیا اور ایک لغزش کی وجہ سے وفادار بیوی بھی آزمائش کا شکار ہوئیں، جس کا ذکر سورہ قصص، آیت نمبر: ۴۴ میں آیا ہے۔

وَأَسْعِیْلَ وَادْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِیْنَ ۖ وَادْخُلْنَهُمْ فِی رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادَىٰ فِی الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ ۖ إِنِّی كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۖ ﴿۱۸﴾

اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کا بھی تذکرہ کیجئے، یہ سب ہی ثابت قدم رہنے والے تھے ﴿۱۷﴾، اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا، یقیناً وہ نیک لوگوں میں سے تھے ﴿۱۸﴾ اور مچھلی والے (یونس) کا ذکر کیجئے کہ وہ خفا ہو کر چل دیئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ ہم ان کی پکڑ نہیں کریں گے، پھر وہ تاریکیوں ہی میں فریاد کرنے لگے: آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، یقیناً میں قصور وار ہوں۔ ﴿۱۹﴾

← حضرت ایوب ؑ نے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی تکلیف کی فریاد کی، یہ کوئی شکایت نہیں تھی کہ اسے بے صبری سمجھا جائے، بلکہ یہ ایک دُعا تھی اور دُعا تو بندگی اور عبدیت کا مظہر ہوتی ہے؛ اسی لئے حضرت ایوب ؑ کی درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَاسْتَجِبْنَا لَهُ“ (ہم نے ان کی دُعا قبول کر لی) حضرت ایوب ؑ کے واقعہ میں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق انبیاء کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا گیا ہے؛ لہذا قبر میں زمین انبیاء کے جسم کو نہیں کھا سکتی، (دیکھئے: المنقذی شرح الموطا، جامع الجنائز: ۳۱/۲، فیض القدیر للمناوی: ۸۷/۲) کیوں کہ مٹی کے نہ کھانے کا تعلق وفات کے بعد سے ہے اور مقصد یہ ہے کہ ان کے جسم مٹی نہ ہو جائیں گے اور حضرت ایوب ؑ کا واقعہ بیماری کا ہے اور بیماری سے انبیاء بھی دوچار ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿۱﴾ حضرت اسماعیل ؑ اور حضرت ادریس ؑ دو مشہور پیغمبر ہیں، جن کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے، اس آیت میں ان دونوں کے ساتھ ساتھ حضرت ذوالکفل ؑ کا ذکر آیا ہے، بعض حضرات نے ان کو نبی قرار دیا ہے؛ لیکن زیادہ تر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ نبی نہیں تھے؛ بلکہ ایک صالح اور برگزیدہ شخص تھے، اور اس پر بھی قریب قریب اتفاق ہے کہ آپ کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی ایک روایت میں ہے کہ ان کی ابتدائی زندگی گناہوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور کوئی گناہ ایسا نہیں تھا کہ جس کا ارتکاب نہیں کیا ہو، ایک بار ایسا ہوا کہ ایک عورت ان کے پاس آئی، انھوں نے اس کو اس شرط پر ساٹھ دینار دیئے کہ وہ اس کے ساتھ بدکاری کریں گے، پھر جب وہ اس فعل کے لئے اس طرح بیٹھے جیسے ایک مرد ایک عورت کے مقابلہ میں بیٹھتا ہے تو عورت رونے اور لرزنے لگی، ذوالکفل نے سب پوچھا اور کہا کہ کیا میں نے تم کو اس پر مجبور کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں؛ لیکن میں نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی اور مجھ سے میری مجبوری اس فعل کا ارتکاب کروا رہی ہے، ذوالکفل یہ سن کر اٹھ گئے اور اسے واپس کر دیا اور قسم کھائی کہ اس کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے، اتفاق سے اسی دن ان کا انتقال ہو گیا اور صبح میں ان کے دروازہ پر یہ تحریر لکھی ہوئی ملی: ”إِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَذِي الْكِفْلِ“ (بے شک اللہ نے ذوالکفل کو معاف کر دیا ہے) امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اسی کو حسن یعنی ایک درجہ میں معتبر مانا ہے، (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق، حدیث نمبر: ۲۴۹۶) اسی لئے مفسرین کا خیال ہے کہ ذوالکفل اصل نام نہیں ہے، بلکہ ان بزرگ شخصیت کا لقب ہے، جس کے معنی ہیں: ”ذہرا جرا پانے والا“۔ (خلاصہ تفسیر قرطبی: ۱۱/۳۲۷، ۳۲۸)

فَاَسْتَجَبْنَا لَهُ ۚ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَذَكَرَ يَٰٓاِذَا نَادَىٰ رَبَّهُ  
رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا ۚ وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۱۸﴾

چنانچہ ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دے دی، اسی طرح ہم ایمان والوں کو بچالیا کرتے ہیں ﴿۱۷﴾ اور ذکر کیا کہ بھی یاد کرو، جب اس نے اپنے رب سے فریاد کی: اے میرے رب! مجھے لاوارث نہ چھوڑے اور آپ ہی سب سے بہتر وارث ہیں۔ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ ”نون“ کے معنی مچھلی کے ہیں، ”ذوالنون“ کے معنی ہوں گے مچھلی والے، یہ حضرت یونس ؑ کا لقب ہے؛ کیوں کہ ان کو مچھلی نے نگل لیا تھا، ان کا واقعہ یوں ہے کہ وہ عراق کے شہر ”نینوا“ میں نبی بنا کر بھیجے گئے، انھوں نے قوم کو ایمان کی طرف دعوت دی؛ لیکن قوم کی طرف سے سرکشی اور انکار کا سلسلہ جاری رہا، آخر انھوں نے ان کے لئے بددعا کی اور انھیں خبر دے دی کہ اللہ کی طرف سے ان پر عذاب بھیجا جائے گا، پھر عذاب کے آثار بھی ظاہر ہونے لگے، عام طور پر جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو پیغمبر اور ان کے صالح رفقاء کو وہاں سے ہجرت کر جانے کا حکم ہوتا ہے، اس خیال سے حضرت یونس ؑ وہاں سے نکل پڑے، ادھر صورت حال یہ پیش آئی کہ جب عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے تو پوری قوم نے مل کر دُعا کی اور اللہ کے حضور خوب آہ و زاری کی، بالآخر یہ عذاب ان سے ٹل گیا، ادھر حضرت یونس ؑ نے دریائی راستہ سے کسی طرف جانا چاہا اور کشتی میں سوار ہوئے؛ لیکن ہوا یہ کہ کشتی ڈولنے اور ہچکولے کھانے لگی، کشتی چلانے والے نے کہا کہ شاید کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے اور اسی کی نحوست سے ایسا ہو رہا ہے، اسے کشتی سے کود جانا چاہئے؛ تاکہ اور لوگوں کی جان بچے، حضرت یونس ؑ کو فوراً خیال ہوا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا چاہئے تھا، میں اس سے پہلے ہی نکل آیا، یہ میری خطا ہے، کہنے لگے کہ میں ہی وہ بھاگا ہوا غلام ہوں؛ چنانچہ دریا میں کود گئے اور اللہ کے حکم سے ایک مچھلی نے انھیں نگل لیا، پھر چوں کہ یہ سب کچھ حکم الہی کے تحت ہوا تھا، اس لئے مچھلی کے پیٹ میں زندہ و سلامت رہے اور وہیں اللہ کے حضور گریہ و زاری کرنے لگے کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں خطا کار ہوں، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے ساحل پر انھیں اُگل دیا اور حضرت یونس ؑ صحیح سالم اور محفوظ زمین پر واپس آ گئے، اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس میں حضرت یونس ؑ کی کوئی کوتاہی نہیں تھی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے بغیر نکل جانا ان کی ایک اجتہادی لغزش تھی، جو عام لوگوں کے حق میں قابل گرفت بھی نہیں ہوتی؛ لیکن انبیاء کے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے اتنی سی بات پر بھی ان کی گرفت ہو جاتی ہے، اس آیت میں جو یہ بات کہی گئی ہے کہ حضرت یونس ؑ خفا ہو کر چل دیئے، اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی قوم کے مسلسل انکار اور کفر پر اصرار کی وجہ سے خفا ہو کر چلے گئے نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے خفا ہو کر چلے گئے، بھلا کوئی پیغمبر خدا سے بھی خفا ہو سکتا ہے؟ آیت میں جو تاریکیوں کا ذکر آیا ہے کہ انھوں نے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ سے دُعا و التجا کی، یہ اس لئے کہ اس میں کئی تاریکیاں جمع ہو گئی تھیں، مچھلی کے پیٹ کی، پانی کے اندر کی اور رات کے وقت کی، (اس واقعہ کی بعض تفصیل سورہ یونس میں آچکی ہے اور بعض سورہ صافات میں آگے آئے گی)۔

فَاَسْتَجَبْنَا لَهُ ۚ وَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسْرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ  
وَيَدْعُوْنَآ رَغْبًا وَرَهْبًا ۚ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَالتَّيَّ اَحْصٰنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا  
مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ وَاَنَا رَبُّكُمْ  
فَاعْبُدُوْٓنَ ﴿۱۹﴾

چنانچہ ہم نے ان کی دُعا قبول کر لی، ان کو یحییٰ سے نوازا اور ان کے لئے ان کی بیوی کو بھی اچھا کر دیا، ﴿۱۷﴾ یہ سب  
اچھے کاموں کی طرف لپکتے تھے، اُمید اور خوف کے ساتھ ہم کو پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے جھکے رہتے تھے ﴿۱۷﴾  
اور اس خاتون کا بھی ذکر کیجئے، جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، ہم نے اس میں اپنی (طرف سے) روح  
پھونک دی اور ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو تمام دنیا والوں کے لئے نشانی بنا دیا ﴿۱۸﴾ ﴿۱۷﴾ (اے لوگو! یہ تمہارا دین  
ہے، ایک ہی دین، ﴿۱۹﴾) جس کو لے کر تمام انبیاء آتے رہے ہیں) اور میں ہی تم لوگوں کا رب ہوں؛ لہذا میری ہی  
عبادت کیا کرو۔ ﴿۱۹﴾

← اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ کے سامنے جھکا رہنا چاہئے، اور اپنے گناہوں کے اعتراف میں اس کو  
ذرا بھی تامل نہ ہونا چاہئے، حضرت یونس ؑ اپنے عمل کی توجیہ کر سکتے تھے اور اپنا عذر پیش کر سکتے تھے؛ لیکن انھوں نے یہ سب  
کچھ نہیں کیا اور اللہ کے سامنے اپنی غلطی کے اعتراف کے ساتھ اپنی درخواست پیش کرنے لگے — حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے  
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان کسی ضرورت کے لئے ان الفاظ (لا اِلهَ، اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنْکَ،  
اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ) سے دُعا کرے گا، اس کی دُعا قبول کی جائے گی، (ترمذی، باب جامع الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵۰۵) خود  
قرآن مجید میں اس دُعا پر اللہ تعالیٰ کی قبولیت اور حضرت یونس ؑ کو غم سے نجات عطا کرنے کا جو ذکر آیا ہے، اس میں بھی اس بات کا  
اشارہ موجود ہے۔

- ﴿۱﴾ یعنی ان کی بیوی کا بانیہ پن دور کر دیا — حضرت زکریا ؑ کا واقعہ سورہ آل عمران، آیت نمبر: ۳۷-۳۹ میں گزر چکا ہے۔
- ﴿۲﴾ حضرت مریم علیہا السلام کے فرزند سے حضرت عیسیٰ ؑ مراد ہیں، اور اپنی روح پھونکنے سے مراد یہ ہے کہ عام لوگوں کی  
پیدائش ماں باپ کے واسطے سے ہوتی ہے؛ لیکن حضرت عیسیٰ ؑ باپ کے واسطے کے بغیر پیدا ہوئے اور اللہ نے خصوصی طور پر  
حضرت جبریل ؑ کو روح پھونکنے کے لئے مقرر فرمایا، یہ واقعہ سورہ آل عمران، آیت نمبر: ۴۵-۴۸ میں گزر چکا ہے۔
- ﴿۳﴾ اُمت ان لوگوں کے مجموعہ کو بھی کہتے ہیں جو کسی ایک فکر و عقیدہ کے حامل ہوں؛ لیکن یہاں اس سے دین مراد ہے، جیسا کہ  
حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۳۸/۱۱) مطلب یہ ہے کہ دین حق ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور تمام  
پیغمبروں نے اسی کی دعوت دی ہے۔

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿۱۷﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۙ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿۱۸﴾ وَحَرُمٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿۲۰﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَوِيلُنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۱﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۚ أَنْتُمْ لَهَا وَرِدُونَ ﴿۲۲﴾ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ ۖ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۲۵﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿۲۶﴾

(لیکن) لوگوں نے آپس میں اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے؛ (مگر) سب ہماری ہی طرف واپس آئیں گے، ﴿۱۷﴾ پس جو نیک عمل کرے اور وہ مسلمان بھی ہو تو اس کی کوشش اکارت نہ ہوگی اور ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں، ﴿۱۸﴾ اور جس بستی (کے رہنے والوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے، ان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) لوٹ کر آئیں ﴿۱۹﴾ یہاں تک کہ جب یا جوج و ما جوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے پھسلنے چلے آئیں گے ﴿۲۰﴾ نیز سچا وعدہ قریب آجائے گا تو ان لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، جنہوں نے کفر کیا، (وہ کہیں گے:) ہائے ہماری ہلاکت! ہم تو اس سے غفلت میں تھے؛ بلکہ ہم ہی قصور وار تھے ﴿۲۱﴾ (اے ایمان نہ لانے والو!) یقیناً تم لوگ اور اللہ کے سوا وہ تمام چیزیں جن کی تم پوجا کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہیں، تم کو اسی میں داخل ہونا ہے ﴿۲۲﴾ اگر یہ (واقعی) معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جھونکے جاتے اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ ہمیش پڑے رہیں گے، ﴿۲۳﴾ اس میں ان لوگوں کا شور و غل ہوگا اور وہ اس میں کچھ بھی نہیں سن پائیں گے، ﴿۲۴﴾ جن کے لئے ہماری طرف سے بہتر انجام کا فیصلہ ہو چکا ہے (یعنی: ایمان والے)، وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، ﴿۲۵﴾ وہ (جنت میں جانے کے بعد) اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں میں رہیں گے۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ یعنی بظاہر کتنا بھی اچھا عمل ہو، اگر ایمان نہیں ہے تو آخرت میں اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔

﴿۲﴾ یا جوج و ما جوج کا ذکر سورہ کہف آیت نمبر: ۹۴ کے تحت آچکا ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ ہر بلندی و پستی میں پھیل جائیں گے اور پوری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٧﴾  
يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۚ وَعَدًا عَلَيْنَا ۗ  
اِنَّا كُنَّا فَعَلِينَ ﴿١٨﴾ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ  
الصَّالِحُونَ ﴿١٩﴾ اِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِينَ ۚ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ﴿٢٠﴾ قُلْ  
اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاِلٰهِ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلَهٌ وَّاحِدٌ ۖ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿٢١﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اَدْنُكُمْ  
عَلٰى سَوَآءٍ ۚ وَاِنْ اَدْرٰى اَقْرَبُ اَمْ بَعِيْدُ ۚ مَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ اِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ  
وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٣﴾

ان کو (قیامت کی) بڑی گھبراہٹ بھی پریشانی میں نہ ڈالے گی، اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) ان کا استقبال کریں گے: یہی تمہارا وہ دن ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ﴿۱۷﴾ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے کاغذات کو فائل میں لپیٹ دیا جاتا ہے، جیسے ہم نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے، ہم (اس کو) کر کے رہیں گے ﴿۱۸﴾ اور ہم ”ذکر“ (یعنی: لوح محفوظ) میں لکھنے کے بعد ”زبور“ (یعنی آسمانی کتابوں) میں بھی لکھ چکے ہیں کہ میرے نیک بندے ہی (جنت کی) زمین کے وارث ہوں گے، ﴿۱۹﴾ یقیناً اس میں عبادت کرنے والوں کے لئے ایک بڑا پیغام ہے ﴿۲۰﴾ اور (اے رسول!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے، ﴿۲۱﴾ آپ کہہ دیجئے! میرے پاس تو صرف یہی وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا صرف ایک ہی خدا ہے، تو کیا تم تسلیم کرتے ہو؟ ﴿۲۲﴾ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہہ دیجئے: میں نے تم کو واضح طور پر باخبر کر دیا ہے، اور مجھے نہیں معلوم کہ جس چیز (یعنی قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ نزدیک ہے یا دور؟ ﴿۲۳﴾ یقیناً اللہ بلند آواز میں کہی ہوئی بات کو بھی جانتے ہیں، اور جس بات کو تم چھپاتے ہو، اسے بھی جانتے ہیں۔ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ اگرچہ ”ذکر، زبور اور ارض“ (زمین) سے کیا مراد ہے؟ اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے؛ لیکن رائج وہی ہے جس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ذکر سے مراد لوح محفوظ، زبور سے مراد آسمانی کتابیں اور زمین سے مراد جنت کی زمین ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۳۴۹)

﴿۲﴾ یعنی شرک و گمراہی کی جو باتیں تم کھلے عام کرتے ہو، وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں اور جو مشرکانہ افعال چھپ کر کرتے ہو، وہ بھی اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

وَإِنْ أَدْرِى لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١﴾ قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ  
عُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٢﴾

اور مجھے نہیں معلوم (کہ وعدہ الہی کب پورا ہوگا؟) ممکن ہے اس میں تمہاری آزمائش اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچانا (اللہ تعالیٰ کا مقصد) ہو ﴿۱۱﴾ (آخر) پیغمبر کہہ پڑے: اے میرے رب! حق کا فیصلہ فرما دیجئے، اور ہمارے پروردگار نہایت مہربان ہیں، تم جو باتیں گھڑتے ہو، ہم اس پر اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ ﴿۱۲﴾







## سُورَةُ الْحَجِّ

«سورہ نمبر : (۲۲)

«رکوع : (۱۰)

«آیتیں : (۷۸)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ حج کا اعلان کر دو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو ان تمام لوگوں تک پہنچا دیا، جن کے لئے حج مقدر ہے؛ اسی سورہ میں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورہ کا نام ”سورہ حج“ ہے۔

اس سورہ میں خاص طور پر قیامت کے احوال، دوبارہ زندہ کئے جانے کے دلائل اور جنت و دوزخ کی کیفیات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، نیز حج کے شعائر، حج کی فرضیت، قربانی اور جہاد فرض کئے جانے کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ کو اہل مکہ کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی تھی، اس پر آپ ﷺ کی دلداری کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی نشانیں و قدرتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اخیر میں نماز، زکوٰۃ اور جہاد کا ذکر فرماتے ہوئے دین کے اس بنیادی اصول کو واضح کیا گیا ہے کہ اس دین و شریعت کی بنیاد ناقابل برداشت مشقت و حرج پر نہیں ہے؛ بلکہ سہولت و وسعت پر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَ مَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ ۝ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَ يَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن نُّرَابٍ ثُمَّ مِّنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِّنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۖ وَ نُقَرِّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُتَوَفَّىٰ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۖ وَ تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَّتْ وَ أَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، یقیناً قیامت کا زلزلہ ایک زبردست واقعہ ہوگا، ۱ جس دن تم دیکھو گے کہ تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ نشے میں (بدحواس) ہیں؛ حالاں کہ وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے؛ لیکن اللہ کا عذاب ہی بہت سخت ہوگا ۲ اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں علم و واقفیت کے بغیر جھگڑے کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرنے لگتے ہیں ۳ جس کے حق میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کو دوست بنائے گا، وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور بھڑکتی ہوئی دوزخ کے عذاب کی طرف لے جائے گا ۴ اے لوگو! اگر تم کو دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں شک و شبہ ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم لوگوں کو مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پھر بوٹی سے جو پوری ہوتی ہے اور (بعض) ادھوری (رہ جاتی ہے)؛ تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت کو) اچھی طرح واضح کر دیں، اور ہم جس (حمل) کو چاہتے ہیں، رحم میں ایک متعین مدت تک ٹھہرائے رہتے ہیں، پھر تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں، پھر اس وقت تک تم میں سے بعض کو (زندہ رکھتے ہیں) جب تم اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض کو (اس سے پہلے ہی) موت دے دی جاتی ہے اور بعض وہ ہیں جو زیادہ لمبی عمر (یعنی انتہائی بوڑھا پے) تک پہنچائے جاتے ہیں؛ تاکہ وہ جس چیز کو سمجھ چکے تھے، بعد میں (اس کو) نہ سمجھ پائیں، ۵ اور (یہ بات بھی قابل غور ہے) کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ سوکھی ہوئی ہے، پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو تر و تازہ ہو جاتی ہے، پھولتی ہے اور قسم قسم کے خوشنما پودے اُگاتی ہے۔ ۶

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَاَنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَنْبَعُثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۱۸﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۱۹﴾ ثٰنِي عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۰﴾

یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ ہی برحق ہیں، وہی بے جانوں میں جان ڈالتے ہیں اور وہی ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۱۷﴾ نیز یقیناً قیامت آنے والی ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں اور (جب آئے گی تو) ضرور اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے، جو قبروں میں ہیں، ﴿۱۸﴾ اور بعض لوگ وہ ہیں جو بلا علم، بلا دلیل اور بغیر کسی روشن (آسمانی) کتاب کے تکبر کرتے ہوئے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں؛ تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستے سے ہٹا دیں، دنیا میں اس کے لئے رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾

← ﴿۱۷﴾ یعنی انسان کو دوبارہ پیدا کئے جانے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ ہی نے اس کو پہلے بھی پیدا کیا ہے اور اس طرح پیدا کیا ہے کہ اسے مختلف مرحلوں سے گزرا گیا ہے، پہلا مرحلہ اس کے مٹی ہونے کا ہے، یعنی انسان کا وجود زمین سے نکلنے والے مختلف اجزاء سے تیار ہوتا ہے، جیسے: مٹی، لوہا، چونا، نمک اور شکر وغیرہ، یہ اجزاء ماں باپ کے جسم میں بکھری ہوئی شکل میں موجود ہوتے ہیں، یا اس سے مراد انسان اول یعنی حضرت آدم ﷺ کی تخلیق و پیدائش ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے براہ راست مٹی ہی کو ذریعہ بنایا تھا، پھر اس کے بعد وہ نطفہ کی شکل اختیار کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق چالیس دنوں تک وہ اسی حالت میں عورت کے رحم میں رہتا ہے، پھر جما ہوا خون بن جاتا ہے اور چالیس دن اس کیفیت میں رہتا ہے، اگلے چالیس دن میں گوشت بن جاتا ہے، اگر ایک مکمل انسان کی تخلیق مقصود نہیں ہوتی ہے تو اس گوشت پر شکل و صورت نہیں بنتی اور روح نہیں پیدا ہوتی ہے، اللہ کے حکم سے وہ ساقط ہو جاتا ہے اور اللہ کو پیدا کرنا منظور ہوتا ہے تو حمل کی مدت پوری ہوتی ہے، پھر انسان ایک کمزور بچے کی شکل میں پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ بھرپور جوانی تک پہنچ جاتا ہے، پھر بعضوں کا انتقال جوانی، ادھیڑ عمر یا ایسے بوڑھے میں ہوتا ہے، جب عقل و ہوش میں کوئی فرق نہیں آتا اور بعض دفعہ اللہ کی طرف سے بوڑھے کی ایسی عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے، جب انسان کی عقل و فہم میں خلل آ جاتا ہے اور بالآخر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، دنیوی زندگی کے ان تمام مرحلوں کے بعد اب ایک آخری مرحلہ یہ ہے کہ قیامت میں اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو جو خدا انسان کو پیدا کرنے اور ان تمام مرحلوں سے گزارنے پر قادر ہے، وہ اس آخری مرحلہ کو کیوں انجام نہیں دے سکتا؟ — اس آیت میں انسانی تخلیق کے جو مراحل بیان کئے گئے ہیں، موجودہ دور کی سائنسی تحقیق اس سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے، آیت میں جس ”ارذل عمر“ یعنی عقل و ہوش گم کر دینے والے بوڑھے کا ذکر آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پناہ چاہی ہے، آپ نے اپنی دُعا میں فرمایا: ”أَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرْدَأَ إِلَى أُرْدَالِ الْعَمْرِ“۔ (سنن نسائی، کتاب الاستعاذہ، حدیث نمبر: ۵۴۴۵)

﴿۱۸﴾ یعنی جیسے اللہ مردہ زمین کو بارش کے ذریعہ زندہ کر دیتے ہیں اور جو زمین گھاس اُگانے کے بھی لائق نہیں رہتی، اس سے قسم قسم کے پودے اُگادیتے ہیں، کیا اس کے لئے یہ بات کچھ دشوار ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ زندہ کر دے؟ ←

۱۸ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتَ يَدَكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝۱۷ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهُ خَيْرٌ اِظْمَآَنَّ بِهِ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اِنْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝۱۸ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَاٰلَا يَنْفَعُهُ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۹ يَدْعُوْا لَمَنۢ صَرَّفَهُ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهِ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝۲۰ اِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۱

(ان سے کہا جائے گا: یہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور یقیناً اللہ بندوں کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں کرتے) ۱۷ اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ جیسے وہ کنارے پر کھڑے ہوں، پھر اگر کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہے تو اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں، اور کوئی آزمائش آتی ہے تو اُلٹے منہ پھر جاتے ہیں، دنیا بھی گئی اور آخرت بھی، یہی تو کھلا ہوا نقصان ہے! ۱۸ اور وہ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتا ہے، جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ فائدہ، یہی تو آخری درجہ کی گمراہی ہے، ۱۹ وہ اس کی عبادت کرتا ہے، جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، کیا ہی برا ہے ایسا آقا، اور کیا ہی برا ہے ایسا ساتھی! ۲۰ جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، بے شک اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ ۲۱

← (۲) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت نصر بن حارث کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے، جو قرآن مجید کے بارے میں اعتراضات کیا کرتا تھا اور فرشتوں کو اللہ کے بیٹے قرار دیتا تھا، (قرطبی: ۱۵/۱۲) لیکن اس طرح کے لوگ ہر دور میں پیدا ہوتے رہیں گے، جو اسلام کے بارے میں صحیح واقفیت سے محروم ہوں گے اور کسی معقول دلیل یا الہامی کتاب کے حوالوں کے بغیر اسلام کو نشانہ بنائیں گے، موجودہ دور میں مغربی دنیا کے معترضین کی بھی کم وبیش یہی صورت حال ہے۔

﴿۱﴾ ہمیشہ جب دعوتِ حق شروع ہوتی ہے تو تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک: وہ جو اس پر لبیک کہتے ہیں اور اس کے معاون و مددگار بنتے ہیں، دوسرے: وہ مخالفین جو کھل کر اس کی مخالفت کرتے ہیں، تیسرے: وہ طبقہ ہوتا ہے جو دیوار کی پٹی بن کر صورت حال کو دیکھتا رہتا ہے، اگر مسلمانوں کو کوئی مادی فائدہ حاصل ہو گیا تو ان کی طرف آ جاتا ہے اور اگر نقصان ہو گیا تو کفر کی طرف واپس ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں منافقین کی یہی صورت حال تھی، ان میں بعض یہودی تھے، بعض مشرک اور بعض دیہات کے رہنے والے لوگ، مفسرین نے ایسا مزاج رکھنے والے مختلف افراد اور گروہوں کا نام لیا ہے، مگر ان سب میں مشترک بات یہی ہے کہ وہ وقتی فائدہ کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِغِيْنَ وَالنّٰصِرِيْنَ وَالْمُجُوسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَّكَثِيْرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَّ مَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿١٨﴾

جس کو یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی دنیا و آخرت میں مدد نہیں کریں گے، اس کو چاہئے کہ آسمان تک ایک رسی تان لے، پھر (وحی کا رابطہ) کاٹ ڈالے، اور دیکھے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس چیز (یعنی وحی) کو ختم کر سکتی ہے، جو اس شخص کے غیظ و غضب کا باعث ہے، ﴿۱۵﴾ اور قرآن کو ہم نے اسی طرح اُتارا ہے، جو واضح دلیلوں پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتے ہیں، ہدایت سے نوازتے ہیں، ﴿۱۶﴾ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں، یہودیوں، صابیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ضرور فیصلہ فرمادیں گے، یقیناً ہر چیز اللہ کے سامنے ہی ہے، ﴿۱۷﴾ (اے لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے، وہ اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے آدمی اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، ﴿۲﴾ اور بہت سے لوگ وہ ہیں، جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، اللہ جس کو ذلیل کر دیں، اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا، یقیناً اللہ جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں۔ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی مدد فرمایا کرتے ہیں، تو اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہ ہو تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ کسی طرح آسمان پر پہنچ جائے اور اللہ اور اس کے رسول کے درمیان وحی کا جو رابطہ ہے اس کو ختم کر دے؛ کیوں کہ جب وحی کا رابطہ ختم ہو جائے گا اور رسول اللہ ﷺ سے نبوت چھین لی جائے گی، تبھی اللہ کی مدد آپ سے ختم ہو سکے گی اور ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں، اس کی ایک اور تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ”ساء“ سے چھت مراد ہے، کہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی کامیابی اور اللہ کی طرف سے آپ کی مدد گوارا نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ چھت سے رسی لٹکا کر پھانسی لے لے، یہی ایک شکل ہے کہ جس سے اس کا غصہ ختم ہو سکتا ہے، کہ جب زندگی ہی باقی نہیں رہے گی تو غصہ کیوں کر باقی رہے گا؟ (قرطبی: ۳۱/۱۱)

﴿۲﴾ یعنی دنیا کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو پورا کرنے میں لگی ہیں، کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا کہ سورج نہیں نکلا ہو یا اس نے روشنی دینے سے انکار کر دیا ہو، یا سمندر نے اپنے بہاؤ کو روک لیا ہو، دنیا کی ساری چیزیں ہر وقت اللہ کے احکام کی پابند رہتی ہیں ←

هٰذِهِ خَصَصْنِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ  
مِنْ فَوْقٍ رُّعُوسُهُمُ الْحَمِيمُ ۙ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۚ وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِّنْ  
حَدِيدٍ ۚ كُلَّمَا اَرَادُوا اَنْ يَّخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيدُوا فِيهَا ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ  
الْحَرِيقِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا  
الْاَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَّهَبٍ وَّلَوْاۗءٌ ۙ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۚ

یہ (ایمان والے اور ایمان نہ لانے والے) دو فریق ہیں، جنہوں نے اپنے پروردگار کے سلسلے میں آپس میں اختلاف کیا تو جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ہے، ان کو آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائے گا، ۱۹ اس گرم پانی سے ان کے پیٹ کی چیزیں اور کھالیں سب گل جائیں گی، ۲۰ اور ان کے لئے لوہے کے تھوڑے ہوں گے، ۲۱ جب جب وہ گھٹن کی وجہ سے اس سے نکلتا چاہیں گے تو اسی میں واپس دھکیل دیئے جائیں گے اور (ان سے کہا جائے گا:) جلتی آگ کا مزا چکھتے رہو! ۲۲ یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ایسے باغوں میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ ۲۳

← اور وہ پیدائشی و تکوینی طور پر اس پر قائم ہیں، صرف انسان ہی کا ایک گروہ ہے، جو سرکشی اور نافرمانی کرنے لگتا ہے اور اللہ کے احکام کے سامنے سر نہیں جھکا تا۔

﴿۱﴾ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں (حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم) اور مشرکین مکہ (عتبہ، شیبہ اور ولید) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو غزوہ بدر میں ایک دوسرے کے مد مقابل آئے اور یہ تینوں مشرکین مارے گئے (تفسیر خازن: ۲۵۲/۳) لیکن ظاہر ہے کہ اگرچہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی ہے؛ لیکن اس سے مراد ہر دور میں پائے جانے والے مسلمان اور دشمنان اسلام ہیں کہ ایمان نہ لانے والے دوزخ میں داخل کئے جائیں گے؛ وہاں ان کے جسم کے ظاہری حصہ پر بھی عذاب ہوگا کہ ان کو آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے اور اندرونی حصہ پر بھی ہوگا کہ ان پر ایسا گرم پانی ڈالا جائے گا کہ آنتیں تک گل جائیں گی اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس عذاب سے باہر نکل نہیں سکیں گے، اس کے مقابلہ اہل جنت کو اچھی پوشاک بھی ملے گی اور اچھی خوراک بھی، خوبصورت ماحول بھی، زیب و زینت کی جو چیزیں دنیا میں ان کے لئے حرام تھیں، وہاں ان کے لئے حلال ہو جائیں گی، دنیا میں مردوں کو سونا یا زیور پہننے اور ریشم کا لباس پہننے کی ممانعت تھی؛ لیکن وہاں انہیں سونے کے کنگن، موتی کے زیورات اور ریشم کے لباس پہنائے جائیں گے۔

وَهْدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهْدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿۳۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ  
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً إِلْعَافٍ فِيهِ وَالْبَادِ  
۲۱ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُدِفْهُ مِنْ عَذَابِ آلِيمٍ ﴿۳۲﴾ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ  
الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۳۳﴾

اور (یہ اس لئے کہ) وہ درست بات (یعنی دین اسلام) تک پہنچ گئے تھے اور اس ہستی کا راستہ پالیا تھا، جو قابل تعریف ہے، ﴿۳۱﴾ یقیناً جو لوگ کفر پر اڑے ہوتے ہیں اور اللہ کے راستے سے نیز مسجد حرام سے روکتے ہیں — جس کو ہم نے تمام لوگوں کے لئے بنایا ہے کہ اس (کی حدود) میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا (دونوں اس میں) برابر ہے — اور جو اس میں ناحق زیادتی کرنا چاہے گا، ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے، ﴿۳۲﴾ اور (وہ) وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (اور ہدایت کی) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے بچے ہی رہنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں نیز قیام، رُکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا۔ ﴿۳۳﴾

﴿۱﴾ یہاں اللہ تعالیٰ نے کفر کے علاوہ اہل مکہ کے دو اور گناہوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک یہ کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے یعنی اسلام سے روکتے ہیں، دوسرے: مسجد حرام میں آنے اور حج و عمرہ کرنے سے باز رکھتے ہیں، یہاں مسجد حرام سے اکثر اہل علم کے نزدیک پورا حرم شریف مراد ہے؛ کیوں کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کے موقع سے مسجد حرام کو آنے سے نہیں روکا؛ بلکہ جہاں حرم کی حد شروع ہوتی ہے، وہیں سے روک دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۳۲) اہل مکہ اس زعم میں لوگوں کو مسجد حرام کے طواف سے روک دیتے تھے کہ وہ مکہ کے رہنے والے ہیں، اس لئے وہی اس کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ حرم شریف پر سب کا برابر کا حق ہے، خواہ وہ حرم کے اندر رہتا ہو یا باہر سے آتا ہو، یہاں تک کہ ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ حرم کی سرزمین پوری کی پوری تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہے؛ چنانچہ عہد نبوی سے لے کر حضرت عمر رحمہ اللہ کے دور تک اہل مکہ اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھتے تھے اور ہر آنے والے کو حق ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی گھر میں آکر قیام کر لیں، (حوالہ سابق) — یہ بات کہ ”حرم میں ناحق زیادتی کرنا چاہے گا“ — سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رحمہ اللہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رحمہ اللہ نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ دوسری جگہوں میں تو گناہ کے ارادے سے گناہ نہیں ہوتا؛ جب تک کہ وہ اس ارادے کو عملی شکل نہ دے دے؛ لیکن حرم شریف میں گناہ کے ارادے پر بھی گناہ ہوگا اور انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲/۳۵)

﴿۲﴾ کعبۃ اللہ کو پہلی بار حضرت آدم رحمہ اللہ نے تعمیر کیا تھا، طوفان نوح اور طویل مدت گزر جانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس کی بنیادیں مٹ گئیں، پھر حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے دوبارہ کعبۃ اللہ کو تعمیر فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم رحمہ اللہ پر اس کی پرانی —



وَإِذْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٢﴾  
لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَةٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ  
الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْفَقِيرِ ﴿٢٣﴾ ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُوفُوا  
نُدُورَهُمْ ۖ وَلِيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٤﴾

اور لوگوں میں حج کا اعلان بھی کر دو، تمہارے پاس لوگ پیدل اور اونٹنیوں پر دور دراز راستے سے پہنچیں گے، ﴿۲۲﴾ تاکہ وہ اپنے فائدہ کی جگہوں کو پہنچیں اور اللہ نے انہیں جو چو پائے دیئے ہیں، مقررہ دنوں میں ان پر اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کے ایام میں ان کی قربانی کریں)؛ لہذا اس میں سے تم بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ، ﴿۲۳﴾ (قربانی کے بعد) ان لوگوں کو چاہئے کہ (حالت احرام میں ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والے) اپنے میل و کچیل دور کر لیں، اپنی منتیں پوری کریں اور اس قدیم گھر (کعبۃ اللہ) کا طواف کریں۔ ﴿۲۴﴾

← بنیادوں کو واضح فرما دیا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسجدیں ان ہی کاموں کے لئے مخصوص ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طور پر کئے جاتے ہیں، مسجدوں میں دنیوی کام نہیں کئے جاسکتے۔

﴿﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم ؑ کو حج کے اعلان کا حکم فرمایا تو حضرت ابراہیم ؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ ارشاد ہوا: اعلان کرنا تمہارا کام ہے اور آواز پہنچانا میرے ذمہ ہے؛ چنانچہ حضرت ابراہیم ؑ ابوقیس کی پہاڑی پر چڑھے اور آواز لگائی، اے لوگو! اللہ نے تم کو اس گھر کے حج کا حکم دیا ہے؛ تاکہ وہ تمہیں اس کے ذریعہ جنت میں پہنچائے اور دوزخ کے عذاب سے نجات عطا فرمائے؛ لہذا تم لوگ حج کیا کرو، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان تمام لوگوں تک یہ آواز پہنچادی، جو آئندہ پیدا ہونے والے تھے، انہوں نے جواب میں کہا: ”لبیک اللہم لبیک“ تو جتنی روحوں نے جواب دیا اور جتنی بار جواب دیا، وہ سارے لوگ اتنی ہی بار حج کی سعادت حاصل کریں گے، (تفسیر قرطبی: ۳۸/۱۲) ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے، جو پیدل آئیں گے، اور وہ لوگ بھی ہوں گے، جو دور دراز سے پہنچیں گے، ”ضامر“ ایسی دُلی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو طویل سفر نے تھکا دیا ہو، یہاں اونٹنی سے سواری کی طرف اشارہ ہے، یعنی لوگ دور دراز کے علاقے سے حج و عمرہ کے لئے حرم شریف کا سفر کیا کریں گے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ حج کے افعال سواری پر بھی انجام دیئے جاسکتے ہیں اور پیدل بھی؛ البتہ جو شخص کسی بڑی مشقت کے بغیر پیدل چل سکتا ہو، اس کے لئے پیدل حج کرنا افضل ہے؛ لیکن طواف اور سعی اس سے مستثنیٰ ہے، جو شخص پیدل طواف اور سعی کر سکتا ہے، اس کے لئے پیدل ہی طواف وسیعی کرنا واجب ہے، بلا عذر و حیل چیز یا کسی اور سواری پر طواف یا سعی کرنا درست نہیں، اگر بلا عذر سواری یا وھیل چیز پر طواف وسیعی کی تو لوٹانا ہوگا یا دم واجب ہوگا۔ (محیط ربانی: ۴/۴۲۰)

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۲۸، ۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام کا ذکر فرما دیا ہے، اول یہ کہ جو لوگ حج کے لئے آئے ہوں، وہ اپنے ←

← فائدے کی جگہ کو پہنچیں، یہاں فائدہ سے دینی فائدہ مراد ہے اور فائدہ کی جگہوں سے منی، مزدلفہ اور عرفات مراد ہیں؛ کیوں کہ ان مقامات پر حاضر ہونا اور دُعاء و استغفار کا اہتمام کرنا دینی و اُخروی اعتبار سے بڑے ہی فائدے کی بات ہے، اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی شخص ضمنی طور پر ان مقامات میں تجارت کر لے تو دنیوی فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، جس کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے موقع پر اس کا ذکر فرمایا ہے ”لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ“ (البقرہ: ۱۹۸) اس پہلو سے یہاں دینی اور دنیوی دونوں فائدے مراد ہو سکتے ہیں، بعض مفسرین اسی کے قائل ہیں، دوسرا حکم قربانی کا ہے کہ اللہ نے جو چو پائے عطا فرمائے ہیں، حج کے موقع سے ان کی قربانی کی جائے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ قربانی چو پائے جانوروں کی ہی جائز ہے، تیسرے: یہ قربانی مقررہ دنوں میں ہونی چاہئے، وہ مقررہ دن ۱۰/۱۱/۱۲ ذی الحجہ ہیں جیسا کہ حضرت علی اور عبد اللہ ابن عمر ؓ سے منقول ہے (موطا امام مالک، باب الخویۃ، عمانی بطن المرأة، حدیث نمبر: ۱۲) چوتھے: ذبیحہ کی طرح قربانی کے جانور کو بھی ذبح کرتے ہوئے اس پر اللہ کا نام لینا ضروری ہے، پانچویں: قربانی کے گوشت کا مصرف یہ ہے کہ اس میں سے خود بھی کھائے اور غریب و محتاج لوگوں کو بھی کھلائے، حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ خود کھائے، رشتہ داروں اور مالداروں، دوست و احباب کو کھلائے اور غریبوں کو کھلائے، (مسلم، باب بیان ما کان النبی عن اکھل الخ، حدیث نمبر: ۱۹۷۱) اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کئے جائیں، ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لئے، ایک احباب اور رشتہ داروں کے لئے، ایک غریبوں کے لئے؛ لیکن یہ لازمی حکم نہیں ہے، ضرورت اور حالات کے لحاظ سے حصے گھٹائے اور بڑھائے بھی جاسکتے ہیں، (الجوہرۃ النیرۃ: ۱۹۰/۲) البتہ یہ حکم بقرعید کی قربانی اور حج تمتع اور حج قرآن کرنے والوں پر واجب ہونے والی قربانی کا ہے، اگر حج میں کوئی غلطی ہوگئی اور اس کی وجہ سے جنایت کی قربانی کرنی پڑے تو اس کا پورا کا پورا گوشت صدقہ کر دینا پڑے گا، (ہدایہ اولین: ۲۸) چھٹا حکم یہ معلوم ہوا کہ قربانی کے بعد حج کرنے والا میل پکیل کو صاف کر سکتا ہے، یعنی بال منڈوالے یا کٹالے، وہ ناخن وغیرہ بھی کاٹ سکتا ہے، خوشبو کا استعمال بھی کر سکتا ہے، غرض کہ احرام کی وجہ سے جن باتوں کی ممانعت تھی، سوائے میاں بیوی کے تعلق کے، اب وہ ختم ہوگئی، ساتواں حکم منت سے متعلق ہے، نذر یعنی منت سے مراد یہ ہے کہ جو چیز انسان پر واجب نہیں ہے، اس کو اپنے اوپر واجب کر لے اور اس بات کو وہ اپنی زبان سے کہے، جو چیز پہلے سے واجب ہے، وہ نذر ماننے سے واجب نہیں ہوتی، نذر صرف دل کا فعل نہیں؛ بلکہ زبان کا فعل ہے؛ اس لئے جب تک زبان سے منت نہ مانی جائے، منت نہیں ہوگی، اگر انسان کسی گناہ کی منت مان لے تو واجب ہے کہ منت کو پورا نہ کرے؛ البتہ ایسی صورت میں قسم کا کفارہ ادا کر لے، اگر کسی ایسی چیز کی نذر مانے جو ثواب اور نیکی یا مباح اور جائز ہو تو منت کو پورا کرنا واجب ہے، اگر پورا نہ کر پائے تو قسم کا کفارہ ادا کرے، یعنی دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کے کپڑے بنا دے، اور اگر ان دونوں کی گنجائش نہ ہو تو تین روزے رکھے، (مجمع الانہر: ۵۴۱/۱) یہاں منت کا خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا گیا کہ بہت سے لوگ قربانی کی نذر مانا کرتے ہیں اور بعض دفعہ خاص طور پر حرم شریف میں قربانی کی نذر مانی جاتی ہے، اگر اس طرح کی نذر مانی گئی ہو تو اسے بھی پورا کرنا چاہئے؛ البتہ نذر کی قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کا پورا گوشت غرباء پر صدقہ کر دیا جائے (شامی: ۳۹۶/۹) آٹھواں حکم طواف کا ذکر کیا گیا، اس سے مراد طواف زیارت ہے، جو حج کے دوران میں سے ایک ہے، جس کے بغیر حج مکمل نہیں ہو سکتا، طواف زیارت کے بعد ہی حاجی کے لئے میاں بیوی کا تعلق حلال ہوتا ہے۔ (محیط ربانی: ۴۰۸/۳)

ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ يُعَظِّمْ حُرْمَتِ اللّٰهِ فَهُوَ حَيٌّ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهِ ۚ وَ اُحِلَّتْ لَكُمْ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يَتْلُو عَلَيْكُمْ فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ۖ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرِ مُشْرِكِيْنَ بِهِ ۚ وَ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَانَ خَرًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهٖ الرِّيحُ فِى مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ﴿۱۸﴾

یہ بات تو ہو چکی، اور (اب سنو کہ) جو شخص ان چیزوں کا احترام کرے گا، جس کو اللہ نے قابل احترام بنایا ہے، تو یہ اس کے پروردگار کے نزدیک اسی کے حق میں بہتر ہوگا، ﴿۱۷﴾ اور تمہارے لئے ان چوپایوں کے علاوہ جن کو پڑھ کر تمہیں سنایا گیا ہے، سارے چوپائے حلال کئے گئے ہیں، ﴿۱۸﴾ لہذا تم بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی بات سے بچتے رہو، ﴿۱۹﴾ اس طور پر کہ اللہ ہی کی طرف یکسو رہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اس کو پرندے اُچک لیں یا ہوا اس کو دور دراز جگہ لے جا کر پٹک دے، ﴿۲۰﴾ یہ سن چکے اور (اب سن لو کہ) جو شخص اللہ کی نسبت رکھنے والی یادگاروں کا ادب کرتا ہے، تو یہ (ادب) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں اللہ کا ڈر ہے۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، وہ سب قابل احترام احکام میں شامل ہیں، اور ان کے احترام کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان ان پر عمل کیا کرے۔

﴿۲﴾ ”انعام“ یعنی چوپایوں سے مراد اونٹ، گائے، بیل اور بکرے، مینڈھے وغیرہ ہیں، (تفسیر قرطبی: ۵۴/۱۲) — ان حلال جانوروں کی بھی بعض صورتیں حرام ہیں، جن کا ذکر سورہ مائدہ آیت نمبر: ۳ میں آچکا ہے۔

﴿۳﴾ اگر کوئی شخص زمین میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو وہ دوڑ بھاگ کر سکتا ہے اور کسی کی مدد حاصل کر سکتا ہے، اگر سمندر میں ایسی صورت حال سے دوچار ہو تب بھی وہ تیر کر کام چلا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی گزرنے والی کشتی اس کے کام آجائے؛ لیکن اگر کوئی شخص فضا کی بلندیوں سے زمین کی طرف پھینک دیا جائے تو وہ بالکل بے بس ہو کر رہ جائے گا، اور اسے کوئی سہارا اور مددگار ہاتھ نہ آئے گا، تو جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، آخرت میں ایسے ہی بے سہارا اور بے یار و مددگار ہو کر رہ جائے گا۔

﴿۴﴾ عربی زبان میں ”شعیرۃ“ کے معنی یادگار اور علامت کے ہیں، اس کی جمع شعائر ہے، اللہ کے شعائر سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری متعلق ہو؛ چنانچہ کعبۃ اللہ، حرم شریف، اذان، رمضان المبارک، قرآن مجید اور مسجدیں وغیرہ اس میں شامل ہیں، ان کا احترام یہ ہے کہ ان سے متعلق شریعت کے جو احکام ہیں، ان پر عمل کیا جائے، ان کی بے احترامی و بے ادبی کرنے میں کفر کا اندیشہ ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اگر وہ عملی کوتاہی میں بھی مبتلا ہو تو کم سے کم شرعی احکام کی بے احترامی اور بے توقیری سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۱۷﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا  
مَنْسَكًا لِّذِكْرِكُمْ اللَّهَ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۚ فَإِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ فَلَهُ  
أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا  
أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيَّيِ الصَّلَاةِ ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱۹﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ  
شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَيٌّ ۚ فَادْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا  
فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۰﴾

ان چوپایوں سے ایک مقررہ مدت تک فائدے حاصل کرنا درست ہے، پھر ان کی قربانی کرنے کی جگہ قدیم گھر  
(یعنی کعبۃ اللہ) کے قریب ہے، ﴿۱۷﴾ اور ہر اُمت کے لئے ہم نے قربانی مقرر کر دی ہے؛ تاکہ وہ اللہ کے دیئے  
ہوئے چوپایوں پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیا کریں ﴿۲﴾؛ لہذا تم لوگوں کا خدا ایک ہی خدا ہے، اسی کی  
فرمانبرداری کرو اور (اے رسول! احکام خداوندی کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے، ﴿۱۸﴾ جن  
کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں اور جو مصیبتیں آتی ہیں، ان پر صبر کرتے ہیں،  
نماز قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں، ﴿۱۹﴾ اور قربانی  
کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر (یعنی احکام الہی کو ظاہر کرنے والی یادگاروں) میں شامل  
کر دیا ہے، اس میں تمہاری بھلائی ہے؛ چنانچہ کھڑا کر کے تم ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں  
تو ان میں سے کھاؤ اور نہ مانگنے والوں کو بھی کھلاؤ اور مانگنے والوں کو بھی، اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے  
بس میں کر دیا ہے؛ تاکہ تم احسان مانو۔ ﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ یعنی چوپایوں سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہو، ان پر سواری کی جاسکتی ہے، ان کا دودھ پیا جاسکتا ہے؛ لیکن جب انھیں قربانی کے لئے  
منتعین کر لیا جائے اور حاجی اسے حرم شریف کی طرف لے کر چلے تو اب اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ بہت  
مجبوری ہو، ایسی ہی صورت میں اس جانور پر سواری کی جاسکتی ہے، مقررہ مدت تک فائدہ اٹھانے سے یہی مراد ہے، آگے فرمایا گیا کہ  
چوں کہ اسے حج کی قربانی کے لئے لے جایا جا رہا ہے تو ضروری ہے کہ اب اسے حرم شریف تک لے جایا جائے اور اس کی قربانی کی  
جائے، حدود حرم سے باہر اس کی قربانی جائز نہیں، (ہدایہ اولین: ۲۸۱) ”بیت عتیق“ کے معنی پرانے گھر کے ہیں، یہ اصل میں ”کعبۃ اللہ“  
کا نام ہے؛ کیوں کہ دنیا میں بننے والا پہلا گھر یہی ہے اور پرانے گھر کے قریب سے پورا حرم شریف مراد ہے، حرم کی حدود میں کہیں  
بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲۰۰/۲)

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ قربانی کے احکام پچھلی اُمتوں کو بھی دیئے گئے تھے؛ چنانچہ بائبل میں قربانی کے بہت سے واقعات آئے ہیں؛ ←

لَنْ يَنْتَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنْتَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدٰكُمْ ۚ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۵﴾ اِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ اِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۴۶﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا ۚ وَاِنَّ اللَّهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴿۴۷﴾

اللہ کو ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا؛ لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، ﴿۱﴾ اسی طرح اللہ نے ان چوپایوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے؛ تاکہ اللہ نے تم کو جو توفیق عطا فرمائی، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو اور آپ نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے، ﴿۲﴾ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ ایمان والوں سے (دشمنوں کو) ہٹا دیں گے، ﴿۱﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ کسی دھوکے باز اور ناشکرے کو پسند نہیں فرماتے، ﴿۳﴾ (اے مسلمانو!) ان لوگوں کو (جہاد کی) اجازت دی جاتی ہے، جن سے جنگ کی جارہی تھی؛ کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہیں۔ ﴿۴﴾

← بلکہ بہت سے ایسے مذاہب جو پوری طرح شرک کی آلائش میں لت پت ہیں، جیسے ہندو دھرم، ان کے یہاں بھی قربانی کا تصور موجود ہے؛ البتہ فرق یہ ہے کہ قربانی ہونی چاہئے تھی خدائے واحد کے لئے جیسا کہ امت مسلمہ کا عمل ہے؛ لیکن دنیا کی اکثر قوموں نے قربانی کے اس عمل میں شرک کی ملاوٹ پیدا کر دی۔

﴿۳﴾ اس آیت میں چار احکام ذکر کئے گئے ہیں، اول یہ کہ قربانی کے جانور بھی دین حق کی علامتی چیزوں میں شامل ہیں، جن کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی پہچان ہوتی ہے، دوسرے: اونٹ کی قربانی کا طریقہ بتایا گیا کہ ان کو کھڑا کر کے ذبح کیا جائے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اونٹ تین پاؤں کے سہارے کھڑا رہتا ہے اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے، اس طرح جوں ہی شہ رگ پروار کیا جاتا ہے، وہ پہلو کے بل گر جاتا ہے، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب جانور ذبح ہو جائے اور پوری طرح اس کی جان نکل جائے، تبھی اس میں سے کھایا جائے، جان نکلنے سے پہلے نہیں، قربانی کا گوشت صرف خود ہی نہ کھالیا جائے؛ بلکہ محتاجوں تک بھی پہنچانا چاہئے، خواہ وہ ایسا محتاج ہو کہ خود داری سے کام لے اور سوال نہ کرے، یا ایسا شخص ہو جو ہاتھ پھیلاتا ہو، بہر حال قربانی کی روح یہی ہے کہ اس میں فقراء کا خاص طور پر حصہ رکھا جائے۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں چیزوں کی اہمیت نہیں؛ بلکہ انسان کے اندر شکر و بندگی کے جو جذبات ہوں، ان کی اہمیت ہے۔  
 ﴿۲﴾ مطلب یہ ہے کہ تم سے زیادہ طاقتور اور ڈیل ڈول والے جانوروں کا تمہارے قابو میں رہنا اور پھر اللہ کے راستہ میں ان کی قربانی کی توفیق میسر ہونا یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

﴿۳﴾ یعنی اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اہل مکہ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچا رہے ہیں اور انھوں نے ایمان والوں کو حرم شریف جانے اور عمرہ کرنے سے روک رکھا ہے؛ لیکن جلد ہی وہ وقت آئے گا، جب ان کا زور ٹوٹ جائے گا، اور ان کی طاقت پاش پاش ہو جائے گی؛ چنانچہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور جلد ہی پورے جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۖ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهْدِمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ وَلَيُنْصِرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۱۷﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ناحق صرف اس وجہ سے ان کے گھروں سے نکال دیا گیا کہ وہ کہا کرتے تھے: اللہ ہی ہمارے رب ہیں، ﴿۱﴾ اگر اللہ تعالیٰ ایک کے ذریعہ دوسرے کا زور نہ گھٹواتے تو خانقاہیں، کلیسیائیں، عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں، جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، ﴿۲﴾ اور جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ بھی ضرور اس کی مدد فرمائیں گے، بے شک اللہ بڑی قوت والے اور بڑے غلبہ والے ہیں۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر اشعالبی: ۱۲۶/۴) جس میں ایک طرف مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی کہ عنقریب دشمنان اسلام کا زور ٹوٹ جائے گا اور دوسری طرف مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی اور اس کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ مسلمان مظلوم ہیں اور انھیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کا حکم اس لئے نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے، جیسا کہ دشمنان اسلام کی طرف سے پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے؛ بلکہ اس لئے ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوموں کی مدد کی جائے؛ اسی لئے اہل مکہ کی مسلمانوں سے جتنی جنگیں ہوئیں، وہ سب مدینہ کے قریب ہوئیں، جن میں اہل مکہ نے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کیا اور جارحیت کا ثبوت دیا، اگر مسلمانوں کی طرف سے زیادتی اور جارحیت پیش آئی ہوتی تو جنگیں مکہ کی سرحد پر ہوتیں نہ کہ مدینہ کی سرحد پر، فتح مکہ کے موقع سے ضرور مسلمانوں نے فوج کشی کی؛ لیکن یہ اس لئے کہ اہل مکہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عین حرم شریف میں مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ پر مظالم ڈھائے، اور حرم کے احترام تک کا خیال نہ رکھا، جو عربوں کی روایت میں شامل تھا، اور پھر رسول اللہ ﷺ نے صلح کی جو مقبول اور منصفانہ تجویز رکھی کہ قاتلوں کو سزا دی جائے یا مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے، اسے بھی ٹھکرا دیا؛ اس لئے ان کے اس ظالمانہ طرز عمل کی سزا دینے اور مظلوموں کو انصاف دلانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو فوج کشی کرنی پڑی اور مسلمانوں نے بے حد تحمل سے کام لیتے ہوئے اور قتل و خونریزی سے بچتے ہوئے اس مہم کو انجام دیا۔

﴿۲﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت بیان کی ہے کہ ظالموں کو بے قابو ہونے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نظام قائم ہے کہ ایک طاقتور فرد یا گروہ کو دوسرے فرد یا گروہ کے ذریعہ زیر کیا جاتا رہتا ہے؛ کیوں کہ اگر ایک شخص ظالم و جابر ہونے کے باوجود مسلسل اقتدار پر قائم رہے تو وہ اتنا خود سر ہو جاتا ہے کہ عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو سے تو کھیلتا ہی ہے، ان مقدس مقامات کو بھی نہیں بخشتا ہے، جن کو اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ کسی گروہ کو مسلسل طاقتور نہیں رکھتے ہیں — اس آیت میں چار طرح کی عبادت گاہوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک: صوامع، یعنی عیسائیوں کی خانقاہیں، جن میں دنیا سے کنارہ کش دُرُویش قسم کے لوگ رہا کرتے تھے، دوسرے: بیع، جو ”بیعة“ کی جمع ہے، یعنی عیسائیوں کے چرچ، تیسرے: صلوات، ←

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَتَوْا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَّ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْر ۝۳۱ وَاِنْ يُكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَ عَادٌ وَ ثَمُوْدٌ ۝۳۲ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ۝۳۳ وَ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ كَذَّبَ مُوسٰى فَاَمْلٰكْنٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْنَاهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرٌ ۝۳۴ فَكَآيْنٍ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوْشِهَا وَ بُنًى مُّعْطَلَةٌ وَ قَصْرٍ مَّشِيْدٌ ۝۳۵

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ﴿۱﴾ اور ﴿۲﴾ اے رسول! اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس سے پہلے قوم نوح اور قوم عاد و ثمود بھی تو (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، ﴿۳﴾ اسی طرح ابراہیم اور لوط کی قوم نے بھی جھٹلایا تھا ﴿۴﴾ نیز مدین والوں نے بھی یہی کیا اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا تھا؛ چنانچہ میں نے انکار کرنے والوں کو (پہلے) مہلت دی، پھر ان کو پکڑ لیا تو (دیکھو) میرے انکار (کا نتیجہ) کیسا ہوا؟ ﴿۵﴾ کتنی ہی بستیاں ہیں جن کے رہنے والے گناہگار تھے، ہم نے ان کو تباہ و برباد کر ڈالا، وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں، بہت سے بے کار کنوئیں اور شاندار محل (یوں ہی) پڑے ہیں۔ ﴿۶﴾

← یعنی یہودیوں کے گرجے، چوتھے: مساجد، یعنی مسلمانوں کی مسجدیں، قرآن مجید نے ان چاروں قسم کی عبادت گاہوں کو منہدم کرنے کی مذمت کی، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں تمام ہی مذاہب کی عبادت گاہیں اور مقدس مقامات قابل احترام ہیں، ان کی بے توقیری سے بچنا چاہئے، ایک تو اس لئے کہ ان میں کسی نہ کسی درجہ میں خدا کا نام لیا جاتا ہے، جس کا یہاں قرآن نے ذکر کیا ہے، دوسرے: اس لئے کہ ان سے بہت سے لوگوں کے قلبی جذبات وابستہ ہوتے ہیں، اور کسی بھی انسان کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچانا اور اس کے جذبات کو مجروح کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، اس سے ان غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کی قلعی کھل جاتی ہے کہ مسلمان دوسری قوموں کے مقدس مقامات کا احترام نہیں کرتے اور ان پر زبردستی قابض ہو جاتے ہیں، اگر مسلمانوں کا یہی شیوہ ہوتا تو آج عالم اسلام میں صدیوں پرانی غیر مسلم عبادت گاہیں موجود نہ ہوتیں۔

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی نظر میں حکومت مقصود نہیں؛ بلکہ حکومت ایک ذریعہ ہے، مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت، نیکیوں کا فروغ اور برائیوں کا سد باب ہے، موجودہ دور میں بعض اہل علم نے دین کے تصور کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ عبادتیں ذریعہ ہیں اور حکومت مقصود، یہ درست نہیں ہے، اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ صرف مسلمانوں کے اقتدار پر آ جانے اور حکومت کے سربراہ بن جانے سے اسلامی حکومت کے نصب العین کی تکمیل نہیں ہوتی؛ بلکہ اسلامی حکومت وہ ہے جو خدا سے لوگوں کے تعلق کو مضبوط کرے، نیکیوں کی حوصلہ افزائی کرے اور برائیوں کو روکے؛ اسی لئے آج دنیا کے اکثر مسلم ممالک کی حکومتوں کو مسلم حکومت تو کہا جاسکتا ہے، اسلامی حکومت نہیں کہا جاسکتا۔

اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا اَوْ اَذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ فَانَّهُمْ لَا تَعْنَى الْاَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْنَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفِ سَنَةِ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝ وَكَآيِنٌ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَى الْمَصِيرِ ۝ قُلْ يَٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں؟ کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جو (حق کو) سمجھ سکتے، اور کان ایسے ہو جاتے جو (حق کو) سن سکتے، تو حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں؛ لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں، جو سینوں میں ہیں، (۱) اور وہ آپ سے عذاب مانگنے میں جلد بازی کر رہے ہیں؛ حالاں کہ اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتے، (۲) آپ کے رب کے پاس ایک دن تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے، (۳) اور کتنی ہی بستیاں ہیں، جن کو میں نے ڈھیل دی، ان کے باشندے نافرمانی کرتے رہے، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، اور میری ہی طرف (ہر ایک کو) لوٹ کر آنا ہوگا (۴) آپ کہہ دیجئے: اے لوگو! میں تو تم کو وضاحت کے ساتھ ڈرانے والا ہوں، (۵) تو جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، ان کے لئے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔ (۶)

﴿۱﴾ یعنی اگر اہل مکہ عذاب سے دوچار ہونے والی ان قوموں کا حال دل کی آنکھوں سے دیکھتے اور سبق حاصل کرنے کے جذبہ سے ان کا مشاہدہ کرتے تو یقیناً ان کو فائدہ پہنچتا؛ لیکن مشکل یہی ہے کہ ان میں حق کے طلب کا جذبہ اور سچائی کو پانے کی آرزو ہی باقی نہیں رہی۔

﴿۲﴾ یعنی اپنے مقررہ وقت پر اللہ کا عذاب آکر رہے گا، خواہ دنیا میں اسلام کے غلبہ اور مخالفین کی شکست و ناکامی کی شکل میں ہو، یا آخرت میں، جس کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔

﴿۳﴾ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آخرت کا ایک دن واقعی دنیا کے دن کے مقابلہ میں ایک ہزار دن کے برابر ہوگا، جیسے وہاں کے درخت، وہاں کے پھل پھول، وہاں کے انسان اور وہاں کی ہولناک آگ اور اذیت پہنچانے والے جانور دنیا کے مقابلہ میں کہیں بڑے ہوں گے، اسی طرح دن بھی بڑا ہوگا، پھر ایک اور موقع پر فرمایا گیا کہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، (معارج: ۴) تو ہو سکتا ہے کہ کچھ دن ایک ہزار سال کے برابر ہوں اور کچھ دن پچاس ہزار سال کے برابر — دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے ایک دن ایک ہزار سال کے برابر محسوس ہوگا اور گناہوں کے اعتبار سے بعض لوگوں پر یہ کیفیت اور بھی شدید ہوگی، تو انھیں پچاس ہزار سال کے برابر محسوس ہوگا، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۷۸) غرض کہ یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؛ لیکن جب عذاب آجائے گا تو ٹالے نہیں لٹے گا اور گزارے نہیں گزرے گا۔

﴿۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا نظام یہی ہے کہ کسی گروہ کو سزا دینے سے پہلے اس کے ساتھ ڈھیل کا معاملہ کرتے ہیں اور جب نافرمانی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کو پکڑ لیا جاتا ہے۔



وَالَّذِينَ سَعَوْا فِيْ اٰيٰتِنَا مُعْجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۷﴾ وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنَّی الْشَّيْطٰنُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنسُخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِی الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيَتِهٖ ۚ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِی الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَ الْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اِنَّ الظَّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُوْمِنُوْا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۰﴾ وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰی تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَّوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۲۱﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو نیچا دیکھانے کی کوشش کریں گے، وہی دوزخ والے ہیں، ﴿۱۷﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی جو رسول اور نبی بھیجے، تو ان کو بھی یہ بات پیش آئی کہ جب انھوں نے کچھ پڑھا تو شیطان نے (کافروں کے دل میں) کوئی شبہ ڈال دیا، پس اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا دیتے ہیں، پھر اپنی آیتوں کو پختہ فرما دیتے ہیں، اللہ خوب علم والے اور بڑی حکمت والے ہیں ﴿۱۸﴾ (یہ اس لئے) تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنادیں، جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں، یقیناً یہ نافرمان (حق کی) مخالفت میں دور جا پڑے ہیں، ﴿۱۹﴾ اور (شیطانی شبہات کو دور کرنا) اس لئے ہوتا ہے کہ جن کو سمجھ عطا کی گئی ہے، وہ جان لیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق بات ہے، پھر وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے سامنے جھک جائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کو صحیح راستہ دکھاتے ہیں ﴿۲۰﴾ اور جو لوگ کفر پر جم گئے ہیں، ہمیشہ اس کے بارے میں شک میں ہی گرفتار رہیں گے، یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آجائے، یا ان پر ایک منہوس دن کا عذاب آجائے۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ نیچا دکھانے سے مراد ہے: اسلام کی مخالفت اور اسلامی تعلیمات کو تنقید اور طنز و تضحیک کا نشانہ بنانا، جیسا کہ آج کل اہل مغرب کر رہے ہیں۔

﴿۲﴾ یعنی جیسے تیز اور شوخ ہوائیں چراغ کو بجھانے پر تلی رہتی ہیں، اسی طرح شیطان کا مستقل عمل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام حق کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات کے کانٹے بوتا رہتا ہے اور گمراہ کرتا رہتا ہے، یہ بات ہر نبی اور ہر آسمانی کتاب کے ساتھ پیش آئی ہے، اور قرآن مجید کے ساتھ بھی پیش آتی رہے گی؛ کیوں کہ جو درخت پھل دار ہوتے ہیں، اسی پر پتھر پھینکے جاتے ہیں، آج اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس صورت حال کو بآسانی دیکھا جاسکتا ہے — اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بعض ایسی روایتیں نقل کی ہیں، جو فی اعتبار سے بالکل نامعتبر ہیں اور ان کو بنیاد بنا کر اہل یورپ نے جھوٹ اور دھوکہ کی ایک پوری عمارت کھڑی کر دی ہے۔

اَلْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ يَمْدِدُ لِلّٰهِ يُحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۖ فَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنَّتِ النَّعِيْمُ ﴿٥٦﴾  
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا ۖ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَزِفْنَهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوْ خَيْرُ الرَّزٰقِيْنَ ﴿٥٨﴾  
لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَہُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿٥٩﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا  
عُوِّبَ بِہٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ النَّيْلَ  
فِي النَّهَارِ وَ يُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي النَّيْلِ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾

اس دن اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی، اللہ ان کے درمیان فیصلہ کریں گے تو جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، وہ نعمت بھرے باغات میں ہوں گے ﴿۵۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا، اُن کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا ﴿۵۷﴾ جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر شہید کر دیئے گئے یا مر گئے تو اللہ ضرور ان کو بہترین روزی عطا فرمائیں گے اور اللہ ہی بہترین روزی دینے والے ہیں، ﴿۵۸﴾ اللہ ان کو ایسی جگہ داخل کریں گے، جو اُن کو پسند ہوگی اور یقیناً اللہ خوب جاننے والے اور بہت بردبار ہیں ﴿۵۹﴾ یہ تو سن چکے اور (سنو کہ) جو شخص (بدلہ میں) اتنی ہی تکلیف پہنچائے، جتنی اس کو پہنچائی گئی تھی، پھر اس پر کوئی زیادتی کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائیں گے، ﴿۶۰﴾ یقیناً اللہ خوب درگزر کرنے والے اور معاف کرنے والے ہیں ﴿۶۱﴾ یہ (مسلمانوں کو غالب کر دینا اللہ کے قادر ہونے کی وجہ سے ہے) کہ اللہ تورات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں ﴿۲﴾ اور اس لئے کہ اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں۔ ﴿۱﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے ایک دستہ کو روانہ فرمایا، مشرکین سے اس وقت ان کا آمنا سامنا ہوا جب کہ حرام مہینہ شروع ہو چکا تھا، جس میں جنگ کی ممانعت تھی اور مشرکین مکہ بھی اس کو تسلیم کرتے تھے، مگر خود اپنے عقیدہ کے خلاف جب انھوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے ان کی خوشامد کی کہ یہ حرام مہینہ ہے، اس میں جنگ کرنا نہ ہمارے یہاں جائز ہے نہ تمہارے یہاں؛ اس لئے اس وقت جنگ نہ کرو، مگر مشرکین نہ مانے، مجبوراً مسلمانوں کو بھی جنگ کرنی پڑی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی، اسی کا ذکر ہے کہ حرام مہینہ میں جنگ کر کے اصل زیادتی تو مشرکین نے کی، مسلمانوں نے تو صرف برابری کا بدلہ لیا، اسی لئے وہ قصور وار نہیں ہیں، اور اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدد بھی ہوئی، (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۲۹۲) — اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ بدلہ لینے کا اصول یہی ہے کہ کسی شخص کے ساتھ جتنی زیادتی کی گئی ہو، وہ بھی اسی کے بقدر بدلہ لے سکتا ہے، جب بدلہ لینے والے نے بدلہ لے لیا تو اب برابر کا معاملہ ہو گیا، اب اگر اس کے بعد بدلہ لینے والے پر زیادتی کی جائے تو اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہوگی۔

﴿۲﴾ یعنی کبھی رات کو بڑھادیتے ہیں اور دن کو گھٹادیتے ہیں اور کبھی دن کے اوقات بڑھادیتے ہیں اور رات کے اوقات کم کر دیتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۸﴾ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَاَنْ يُّنْسِكَ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلٰی الْاَرْضَ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَّءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۲۱﴾ لِّكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مُنْشَاةً هُمْ تَاسِيْكُوْهُ فَلَا يُنَاذِرُ عَنْكَ فِي الْاَمْرِ وَاذْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدٰى مُسْتَقِيْمٌ ﴿۲۲﴾

نیز یہ اس لئے بھی ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہیں اور اللہ کے سوا وہ جن کی عبادت کر رہے ہیں، وہ سب باطل ہیں اور یقیناً اللہ بلند و برتر اور سب سے بڑے ہیں ﴿۱۷﴾ آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی اُتارا ہے، جس سے زمین ہری بھری ہو جاتی ہے، یقیناً اللہ بہت مہربان اور نہایت باخبر ہیں، ﴿۱۸﴾ آسمان میں جو کچھ ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے اور اللہ ہی بے نیاز اور قابل تعریف ہیں، ﴿۱۹﴾ آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو — جو اسی کے حکم سے سمندر میں چلتی رہتی ہے — مسخر کر دیا ہے، اور آسمان کو تھام رکھا ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے، سوائے اس کے کہ اللہ ہی کا ایسا حکم ہو جائے، ﴿۲۰﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں ﴿۲۱﴾ وہی خدا ہے جس نے تم کو زندگی عطا کی، پھر تم کو موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے، ﴿۲۲﴾ ہم نے ہر اُمت کے لئے ذبح کرنے کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے، جس کے مطابق وہ ذبح کیا کرتے تھے؛ لہذا اس معاملہ میں ان کو آپ سے جھگڑنا نہیں چاہئے اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلا تے رہئے، یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ آسمان سے وہ سیارے بھی مراد ہو سکتے ہیں، جو فضا میں تیر رہے ہیں، اگر سیاروں کی قوت کشش ختم ہو جائے، جس کے ذریعہ ایک دوسرے کے درمیان فاصلے قائم ہیں اور کوئی سیارہ زمین پر آگرے تو لمحوں میں یہ پوری زمین تہس نہس ہو کر رہ جائے۔

﴿۲﴾ اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ یہ عجیب بات ہے کہ جو جانور آپ سے آپ مرجائے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو براہ راست ماردیا ہو، اس کو نہیں کھاتے ہو، اور جس جانور کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہو، اس کو کھایا کرتے ہو، یہاں اسی کا جواب دیا گیا ہے کہ ہر شریعت میں کچھ احکام متعین کئے گئے ہیں، ان ہی احکام میں سے ذبح کا حکم بھی ہے، تو یہ بات مناسب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اس سلسلہ میں جھگڑا جائے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۹۳) موت تو ہر جاندار کی اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے، خواہ مردار ہو یا شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہو، اس کی اہمیت نہیں ہے، اہمیت اس بات کی ہے کہ اگر تمہارا عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہے تو درست ہے اور اللہ کے حکم کے خلاف ہو تو ناقابل قبول ہے۔

وَإِنْ جَدَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۷﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۸﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿۱۹﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قُلِ أَفَأَنْبِئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَلِكَمُ النَّارُ وَعَذَابُ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۲۰﴾ يَأَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿۲۱﴾

اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیجئے: تم جو کچھ کر رہے ہو، اللہ اس کو خوب جانتے ہیں، ﴿۱۶﴾ تم جن چیزوں کے سلسلہ میں اختلاف کر رہے ہو، اللہ ہی قیامت کے دن ان کے بارے میں تمہارے درمیان فیصلہ فرمادیں گے، ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ کیا تم کو نہیں معلوم کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ان سب سے واقف ہیں؟ یہ سب ایک کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے اور یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے، ﴿۱۹﴾ اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں، جن (کے معبود ہونے) کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے اور نہ خود ان کو اس بارے میں کوئی علم ہے، اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ﴿۲۰﴾ اور جب ان پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں — جو خوب واضح ہیں — تو آپ کفر کرنے والوں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دیکھیں گے، گویا وہ ان لوگوں پر جھپٹ پڑیں گے، جو ان پر ہماری آیات کی تلاوت کر رہے ہیں، آپ فرما دیجئے: کیا میں تم کو اس سے بھی تکلیف دہ چیز نہ بتا دوں؟ دوزخ، جس کا اللہ نے ایمان نہ لانے والوں سے وعدہ فرما رکھا ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے، ﴿۲۱﴾ اے لوگو! (تمہارے لئے) مثال بیان کی جاتی ہے، اس کو غور سے سنو، اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو، وہ اگر سارے کے سارے مل جائیں، تب بھی وہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس سے پھڑا بھی نہیں سکتے، کتنا عاجز ہے طالب اور کتنا عاجز ہے مطلوب! ﴿۲۱﴾ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معقول دلیل کے بغیر ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خواہ مخواہ

بحث کرے تو بحث میں الجھنے کی بجائے اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ ہی اس کا فیصلہ فرمادیں گے۔

﴿۲﴾ یعنی ضد اور عناد کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کو اچھی بات بھی ناگوار محسوس ہوتی ہے۔

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَعَزِيزٌ ۝۱۷ اَللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا ۚ وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ بَصِيْرٌ ۝۱۸ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝۱۹ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝۲۰ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۚ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۲۱

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

۱۷

اللہ تعالیٰ کی جیسی تعظیم کرنی چاہئے تھی، ان لوگوں نے نہیں کی، یقیناً اللہ بڑے طاقتور اور سب پر غالب ہیں ﴿۱۷﴾ اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کرتے ہیں، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ﴿۱۸﴾ وہ ان کے آئندہ اور موجودہ حالات سے خوب واقف ہیں، اور سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے، ﴿۱۹﴾ اے ایمان والو! رُکوع اور سجدہ کرو، اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کیا کرو؛ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، ﴿۲۰﴾ نیز اللہ کے راستے میں ایسی محنت کرو جیسی محنت کرنی چاہئے، ﴿۲۱﴾ اللہ نے تم کو (دین کی خدمت کے لئے) چن لیا ہے اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، ﴿۲﴾ اپنے باپ ابراہیم کے دین کی پیروی کرتے رہو، اللہ نے پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تمہارا نام ”مسلم“ رکھا ہے؛ ﴿۳﴾ تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر؛ ﴿۴﴾ لہذا نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو، اللہ ہی تمہارے کارساز ہیں اور کتنے بہتر کارساز اور کیا ہی بہتر مددگار ہیں۔ ﴿۵﴾

← ﴿۳﴾ یعنی جو لوگ بتوں کو پوجتے ہیں، وہ بھی عاجز ہیں کہ عقل سے محروم ہیں، اور آخرت میں بھی وہ عاجز رہیں گے کہ ان کا کوئی سہارا نہ ہوگا، اور خود یہ بت بھی عاجز ہیں، ایسے عاجز کہ ایک مکھی بھی نہیں ہٹا سکتے۔

﴿۱﴾ بعض فقہاء کے نزدیک یہ آیت بھی آیاتِ سجدہ میں سے ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس آیت کے پڑھنے پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے؛ لیکن ازراہ احتیاط کر لینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ دین کے راستے میں مجاہدہ، دین کے تمام شعبوں کو شامل ہے، عالم احکام شریعت کے اخذ و استنباط میں محنت کرے، مجاہد میدانِ جہاد میں داؤ شجاعت دے، داعی دعوتِ دین کے راستے میں جدوجہد کرے، معلم اسلامی علوم کی تدریس میں اپنی صلاحیتوں کو لگائے، عام مسلمان دین کے تمام احکام پر عمل کرنے کے لئے مشقتوں کو برداشت کریں، یہ ساری صورتیں یہاں مجاہدہ میں شامل ہیں: ←

← ”ہو إشارة إلى امتثال جميع ما أمر الله به والانتفاء عن كل ما نهى الله عنه“۔ (تفسیر قرطبی: ۹۹/۱۲)

﴿۳﴾ اس آیت میں شریعت کے مزاج کو بتایا گیا ہے کہ اس شریعت کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے سہولتیں ہیں، اس میں ناقابل برداشت مشقت اور تکلیف دہ تنگی سے انسان کو بچایا گیا ہے؛ چنانچہ فقہاء نے اس سے بہت سے فقہی قاعدے اخذ کئے ہیں اور ان پر احکام شرعیہ کو منطبق کیا ہے۔

﴿۴﴾ حضرت ابراہیم ؑ نے اللہ تعالیٰ سے جو دعا فرمائی تھی، اس میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ میری ذریت میں سے ایک مسلم گروہ کو پیدا فرما: ”وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُّسْلِمَةً لَّكَ“ (البقرہ: ۱۲۸)، یہی نام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے لئے بھی منتخب فرمایا، مسلمانوں کو یہودیوں یا عیسائیوں کی طرح کسی پیشوا کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا؛ بلکہ ”مسلم“ جیسا معنی خیز نام دیا گیا، یعنی اللہ کے وہ بندے جو اللہ کے احکام کے سامنے سر جھکانے والے ہیں۔

﴿۵﴾ یہاں شہادت و گواہی سے اللہ کے دین کی گواہی اور اس کی تبلیغ و اشاعت مراد ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس اُمت پر دعوت کا فریضہ ادا فرما دیا ہے اور اس اُمت کو پوری انسانیت پر فریضہ دعوت ادا کرنا ہے: ”ناس“ (لوگوں) کا لفظ عام طور پر قرآن مجید میں غیر مسلم بھائیوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں خاص طور پر غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے پر متوجہ کیا گیا ہے۔



## سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

«سورہ نمبر : (۲۳)

«رکوع : (۶)

«آیتیں : (۱۱۸)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے بالکل شروع میں ”مؤمنون“ یعنی اہل ایمان کی سات صفات ذکر کی گئی ہیں، جن کو اختیار کرنے میں ان کی کامیابی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں جنت الفردوس ہے، اسی لئے اس کا نام ”سورۃ المؤمنون“ ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ پر دس ایسی آیتیں نازل کی گئی ہیں کہ جو ان پر عمل کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، پھر آپ نے اس سورہ کی دس ابتدائی آیتیں تلاوت فرمائیں: ”لَقَدْ أَنْزَلَ عَلَىٰ عَشَرَ آيَاتٍ مِنْ أَقَامِهِنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (ترمذی، باب من سورۃ المؤمنون، حدیث نمبر: ۳۱۷۳) کچھ صحابہ نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو اُم المؤمنین نے فرمایا: قرآن مجید ہی آپ ﷺ کا اخلاق ہے، پھر اس سورہ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں اور فرمایا کہ حضور ﷺ کا اخلاق بھی یہی تھا۔ (صحیح مسلم، باب جامع صلاۃ اللیل، حدیث نمبر: ۱۳۹)

مکی سورتوں میں عام طور پر اسلام کے بنیادی عقائد پر گفتگو کی گئی ہے، اس سورہ میں بھی زیادہ تر یہی مضامین آئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا، اللہ کی طرف سے پیغمبروں کا بھیجا جانا، قیامت میں انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا، اس ضمن میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم وغیرہ کے بعض واقعات عبرت و موعظت کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں، احکام شریعت کے اس بنیادی اصول کا بھی تذکرہ فرمایا گیا ہے کہ انسان کی قوت و طاقت کے لحاظ سے ہی احکام دیئے جاتے ہیں، دعوت کا یہ اصول بھی بتایا گیا ہے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دیا جائے؛ بلکہ بہتر طریقہ پر جواب دیا جانا چاہئے اور سورہ کے اخیر میں قیامت کے بعض احوال ذکر کئے گئے ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝۲ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّغْوِ

مُعْرِضُونَ ۝۳ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝۴ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝۵ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝۷ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝۸ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝۹ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝۱۰ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۱۱

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱۔ وہ ایمان والے کامیاب ہو گئے ۲۔ جو اپنی نماز میں عاجزی اختیار کرتے ہیں ۳۔ بے فائدہ باتوں سے دور رہتے ہیں ۴۔ جو زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں ۵۔ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ۶۔ سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے کہ (اس میں) ان پر کوئی ملامت نہیں ۷۔ ہاں، جو (اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے) ان دو کے علاوہ کے طلب گار ہوں تو وہ حد سے گزر جانے والے ہیں، ۸۔ جو اپنی امانتوں کا اور وعدوں کا لحاظ رکھتے ہیں ۹۔ اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ۱۰۔ ایسے ہی لوگ میراث پانے والے ہیں ۱۱۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے۔ ﴿۱﴾ ﴿۱۱﴾

﴿۱﴾ اس سورہ کی ابتدائی آیات میں اسلام کی تمام بنیادی تعلیمات کو جمع کر دیا گیا ہے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص ان دس آیتوں پر عمل کا اہتمام کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، ”أَنْزَلَ عَلَىٰ عَشْرٍ آيَاتٍ مَنْ أَقَامَهُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (ترمذی، باب من سورة المؤمنون، حدیث نمبر: ۳۱۷۳) اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اسی سورہ کی آیت نمبر: ۱ سے آیت نمبر: ۹ تک تلاوت فرمائی، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۰۴) یعنی یہی آیات آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کی پاک زندگی کا خلاصہ ہیں، ان میں پہلا حکم خشوع کا ہے، خشوع کا تعلق اصل میں انسان کے دل سے ہے، یعنی دل کا پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کی یاد میں مشغول ہونا، اور جب دل میں یہ کیفیت ہو تو انسان کے اعضاء سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاحب کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اگر اس کے قلب میں خشوع کی کیفیت ہوتی تو اس کا جسم بھی پُرسکون رہتا: ”لَوْ خَشَعَ قَلْبُ هَذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ“ (مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی مس الحیة فی الصلاة، حدیث نمبر: ۶۷۸۷) خشوع چوں کہ ایسی چیز نہیں ہے جس کو برقرار رکھنے پر انسان کو پوری قدرت حاصل ہو؛ اس لئے یہ نماز کے ارکان میں سے تو نہیں ہے کہ جس کے چھوٹ جانے سے نماز درست نہیں ہو؛ لیکن نماز کے قبول ہونے میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿۱۸﴾

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا ﴿۱۸﴾ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ ﴿۱۸﴾

← دوسرا وصف بیان کیا گیا کہ وہ لغو باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھتا ہو، لغو سے مراد ہے بے فائدہ کام، اس میں گناہ بھی شامل ہے، وہ باتیں بھی شامل ہیں، جو انسان کو اس کے فرائض سے غافل کر دینے والی ہیں، وہ باتیں بھی جو بے فائدہ ہوں اور ایسے کام بھی جو بے محل ہوں، بعض اوقات ایک کام اپنی اصل کے اعتبار سے درست ہوتا ہے؛ لیکن اگر وقت کی رعایت کئے بغیر اس کام کو کیا جائے تو اُلٹے نقصان پہنچتا ہے، ایسے موقع پر اس کام کو چھوڑنا لغو سے اعراض کرنے میں شامل ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کعبۃ اللہ کی عمارت کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم ؑ کی تعمیر کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے تھے؛ لیکن خواہش کے باوجود آپ ﷺ نے اس لئے نہیں کیا کہ اندیشہ تھا کہ اس کی وجہ سے لوگوں میں ابھی نئے نئے مسلمان ہونے کی وجہ سے غلط فہمی اور بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت سی دفعہ اس پہلو کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے اُمت میں انتشار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ اہتمام کے ساتھ زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں، زکوٰۃ بندوں کے ساتھ مالی حسن سلوک کا عنوان ہے، گویا یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ غریب انسانوں کی مالی مدد کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

چوتھا وصف یہ ہے کہ وہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرتا ہے، عصمت و عفت کی حفاظت کا تعلق مرد و عورت کے مخصوص فعل ہی سے نہیں ہے؛ بلکہ انسان کے خیالات، اس کی آنکھیں، اس کی زبان اور اس کے ہاتھ جو اس کو گناہ تک لے جانے میں معاون بنتے ہیں، عفت و عصمت کی حفاظت میں یہ سب شامل ہیں؛ البتہ شوہر و بیوی کا تعلق اور مالک اور اس کی کنیز (جس کا اسلام سے پہلے رواج تھا، اور اسلام نے اس کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا) کا تعلق پاک دامنی کے خلاف نہیں ہے، اگرچہ کہ اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے مخاطب مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں؛ لیکن یہاں مردوں کا ذکر کیا گیا ہے؛ کیوں کہ عورت کی طرف ایسی بات کی نسبت حیا کے خلاف ہے؛ اس لئے قرآن مجید میں عام طور پر مردوں کو مخاطب بنا کر یہ حکم دیا گیا ہے۔

پانچواں اور چھٹا وصف یہ ہے کہ ایمان والے امانتوں اور وعدوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں، امانت میں خیانت نہیں کرتے اور نہ وعدہ خلافی کرتے ہیں، امانت کا تعلق صرف مال ہی سے نہیں ہے؛ بلکہ ذمہ داریوں سے بھی ہے، جیسے دفتروں میں جو اوقات کا متعین ہیں، وہ امانت ہے، اس میں کمی کرنا امانت میں خیانت ہے، وعدہ میں وہ وعدہ بھی شامل ہے، جو معاملات میں دونوں فریق کی جانب سے ہو، جیسے نکاح، ملازمت، خرید و فروخت اور دوسرے مالی معاملات جن میں دو طرفہ وعدہ ہوتا ہے، اور وہ وعدے بھی شامل ہیں جو ایک طرفہ طور پر کیا کرتے ہیں، جیسے کسی کے ساتھ حسن سلوک کا یا قرض وغیرہ دینے کا وعدہ۔

ساتواں وصف یہ ہے کہ وہ نمازوں کی پابندی رکھتے ہیں، یعنی ہر نماز کو نہ صرف ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں؛ بلکہ اس کو اس کے مستحب وقت میں پڑھتے ہیں اور اس کے ارکان یعنی قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ کو مسنون طریقہ پر انجام دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے لئے جنت الفردوس کا وعدہ فرمایا ہے، جو ان صفات کے حامل ہیں۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۖ ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۖ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَكَيْتُونَ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقُ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَفِيلِينَ ﴿۲۰﴾ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿۲۱﴾ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ تَحْيِيلٍ ۖ وَأَعْنَابٍ ۖ لَّكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ ۖ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۲﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورٍ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالذَّهْنِ ۖ وَصِبْغٍ لِلَّالِئِينَ ﴿۲۳﴾

پھر نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا، پھر جے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا، پھر گوشت کی بوٹی میں سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اس کو ایک نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا کر دیا تو بڑی ہی بابرکت ہے اللہ کی ذات، جو سب سے بہتر بنانے والے ہیں، ﴿۱۷﴾ پھر اس کے بعد ضرورتاً لوگوں پر موت بھی آئے گی ﴿۱۸﴾ پھر قیامت کے دن تم سب دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے ﴿۱۹﴾ ہم نے تمہارے اوپر (آسمانوں کی شکل میں فرشتوں کے لئے) سات راستے بنا دیئے ہیں اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں ﴿۲۰﴾ ہم ہی نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی برسایا، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کو بالکل ختم کر دینے پر بھی قادر ہیں ﴿۲۱﴾ پھر ہم نے تمہارے لئے اس سے کھجوروں اور انگوروں کے باغات اُگادیئے، ان باغوں میں تمہارے لئے (اور بھی) بہت سے پھل ہوتے ہیں اور ان ہی میں سے تم (رکھ کر) کھاتے بھی ہو ﴿۲۲﴾ اور وہ درخت (یعنی زیتون) بھی پیدا کیا، جو طور سینا ﴿۲۳﴾ سے نکلتا ہے (اور) تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے اُگتا ہے۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان اول حضرت آدم ﷺ کی پیدائش سے لے کر قیامت میں انسان کے دوبارہ پیدا کئے جانے تک کے سارے مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے کہ پہلے انسان — حضرت آدم ﷺ — مٹی کے منتخب اجزاء سے پیدا کئے گئے، پھر دوسرے انسانوں کی پیدائش کی صورت یہ ہوئی کہ نطفہ مرد کے جسم سے عورت کے جسم میں منتقل ہوا اور جس کو تخلیق کے لئے استعمال کرنا مقدر تھا، اسے عورت کے رحم میں محفوظ کر لیا گیا، پھر اسے جما ہوا خون اور خون سے گوشت بنا دیا گیا، گوشت جیسی نرم چیز سے ہڈیاں بن گئیں اور ان پر گوشت چڑھا دیا گیا، پھر اس میں روح پھونک دی گئی، یہاں تک کہ ایک اچھا خاصا انسان بن گیا، ان مرحلوں کے بعد تو وہ دنیا میں آیا؛ لیکن یہیں اس کا سفر مکمل نہیں ہوا، اس پر موت بھی آئی ہے اور اسے دوبارہ زندہ بھی کیا جائے گا تو جو خدا ماں کے پیٹ میں انسان کو ان مرحلوں سے گزار سکتا ہے، وہ کیا موت دے کر دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟

﴿۲﴾ یعنی سینا میں موجود طور پہاڑ، جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ﷺ سے گفتگو فرمائی تھی۔

وَأَنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٧﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٩﴾ فَقَالَ الْمَلِكُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا ۖ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مِّنَ سَمَٰوَاتِنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٠﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جَنَّةٌ مَّا تَبْصُرُونَ بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢١﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٢﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلَ ۚ فَأَعْيَيْنَا وَوَحَيْنَا فَاذًا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۚ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تَخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٣﴾

اور یقیناً تمہارے لئے چوپایوں میں بھی غور و فکر کا موقع ہے، ہم تم کو ان کے پیٹ میں کی چیز (یعنی دودھ) پلاتے ہیں، تمہارے لئے چوپایوں میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں، نیز تم ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو ﴿۱۷﴾ اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر سوار بھی کئے جاتے ہو، ﴿۱۸﴾ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، انھوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، پھر کیا تم (اللہ کی نافرمانی سے) نہیں ڈرتے؟ ﴿۱۹﴾ نوح کی قوم میں سے وہ سردار جو کفر پر جمے ہوئے تھے، کہنے لگے: ”یہ تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہے، یہ چاہتا ہے کہ تم پر بڑا بن بیٹھے، اور اگر اللہ (پیغمبر بھیجنا) چاہتے تو فرشتوں کو اتار دیتے، ہم نے اپنے پچھلے باپ داداؤں میں کبھی ایسا نہیں سنا ﴿۲۰﴾ بات صرف یہ ہے کہ اس شخص کو جنون ہو گیا ہے؛ اس لئے کچھ عرصہ (اس کے انجام کا) انتظار کر لو“ ﴿۲۱﴾ نوح نے کہا: اے میرے رب! آپ میری مدد کیجئے؛ کیوں کہ ان لوگوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے ﴿۲۲﴾ چنانچہ ہم نے اس کو حکم دیا کہ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بنائیے، جب ہمارا حکم (یعنی عذاب) آجائے اور تنور اُبلنے لگے تو اس کشتی میں ہر چیز کا جوڑا یعنی دودھ (نرا اور مادہ) داخل کر دیجئے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی (سوار کر لیجئے)، سوائے اس کے جس کے بارے میں پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے اور ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے (سفارش کی) بات تک نہ کیجئے گا، یقیناً وہ سب کے سب غرق کر دیئے جائیں گے۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ انسان کے حیرت انگیز تخلیقی نظام کو بیان کرنے کے بعد ان نعمتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا، جن کا تعلق نباتات سے ہے اور کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ خاص طور پر زیتون کا بھی ذکر کیا گیا، جس میں تیل بھی ہوتا ہے اور وہ سالن کے کام بھی آتا ہے، زمینی پیداوار کے بعد جانوروں کا ذکر فرمایا گیا، جس کی ایک حیرت انگیز چیز یہ ہے کہ نجاستوں اور گندگیوں کے درمیان اس کے جسم میں دودھ پیدا ہوتا ہے، جو انسان کے لئے نہایت مفید غذا ہے، اسی طرح سوار یوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، غرض کہ اللہ تعالیٰ کی مختلف نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی کی ذات عبادت کے لائق ہے۔

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَ مَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِّ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۸﴾ وَقُلِ رَبِّ انْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبَرَّكًَا وَ أَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۱۹﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۲۱﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْآخِرَةِ وَ أَتَرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ مَا هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَٰسَ اٰطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذَا الْخَسِرُونَ ﴿۲۴﴾

پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر چڑھ جائیں تو کہئے: اللہ کا شکر ہے، جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی ﴿۱۸﴾ اور یہ بھی کہئے: میرے پروردگار! مجھ کو برکت (یعنی امن و سلامتی) کے ساتھ اتاریئے اور آپ ہی سب سے بہتر اتارنے والے ہیں ﴿۱۹﴾ یقیناً اس واقعہ میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (اپنے بندوں کو) آزمایا بھی کرتے ہیں ﴿۲۰﴾ ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں (عاد و ثمود) کو پیدا کیا ﴿۲۱﴾ پھر ان میں بھی ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، (جس نے دعوت دی) کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۲۲﴾ اور ان کی قوم کے سردار جو کفر پر جمے ہوئے تھے، آخرت کی ملاقات کو جھٹلادیا تھا، حالانکہ ہم نے ان کو دنیوی زندگی کا عیش و آرام بھی دے رکھا تھا، وہ کہنے لگے: ”لوگو! یہ تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، جو تم کھاتے ہو، وہی یہ کھاتے ہیں اور جو تم پیتے ہو، وہی یہ پیتے ہیں، ﴿۲۳﴾ اور تم اپنے ہی جیسے آدمی کی بات پر چلنے لگو گے تو تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ سورہ اعراف: ۵۹ کے حاشیہ میں گزر چکا ہے۔

﴿۲﴾ جو لوگ حقیقت پسند نہیں ہوتے ہیں ان کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ ان ہی جیسا انسان کس طرح ان کے مقابلہ ایسا بلند و برتر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پیغمبری کے لئے منتخب کر لیں؛ حالانکہ نبی ہونے میں خود نبی کی محنت و کاوش کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ کسی کو بڑا بنادیں اور کسی کو چھوٹا، خود انسان دن رات اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ ایک شخص ایسا خوبصورت ہے کہ چاند اور گلاب سے مثال دی جاتی ہے اور ایک شخص ایسا بد صورت ہے کہ انسان اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا، ایک انسان کو زبان و بیان کی ایسی قدرت حاصل ہوتی ہے کہ گویا اس کی زبان سے پھول جھڑتا ہے، اور ایک شخص ایسا بد زبان ہوتا ہے کہ گویا اس کی زبان میں بول کے کانٹے بودیئے گئے ہوں، جب مختلف پہلوؤں سے ایک انسان دوسرے انسان کے درمیان اتنا فرق ہو سکتا ہے تو اگر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبری سے نواز دیں اور دوسروں کو اس سے محروم رکھیں تو اس میں باعث تعجب کیا ہے؟

اَيَعِدْكُمْ اَنْكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِطَافًا اَنْكُمْ مُّخْرَجُونَ ﴿۱۸﴾ هِيَ هَات هِيَ هَات لِمَا تُوْعَدُونَ ﴿۱۹﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۲۰﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ اِفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَبُونَ ﴿۲۲﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لِّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿۲۳﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُرَبَاءَ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۴﴾ ثُمَّ اَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا اٰخَرِينَ ﴿۲۵﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَّ مَا يَسْتَاخِرُونَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا كُلَّمَا جَاءَ اُمَّةٌ رَّسُولُهَا كَذَبُوهُ فَاتَّبَعْنَاهُمْ بِغَضٍّ وَّ جَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيثَ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۷﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوسٰى وَّ اَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَّ سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۲۸﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَّ مَلٰٓئِكَ فَاسْتَكَبَرُوا وَّ كَانُوا قَوْمًا عٰلِينَ ﴿۲۹﴾

کیا یہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے، مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو تم دوبارہ (زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے؟ ﴿۱۸﴾ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، ناقابل یقین ہے بالکل ناقابل یقین! ﴿۱۹﴾ زندگی تو صرف دنیوی زندگی ہے، (یہیں) ہم مرتے ہیں اور پیدا ہوتے ہیں، ہم ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، ﴿۲۰﴾ اس شخص کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ رکھا ہے اور ہم تو ہرگز اس پر ایمان نہیں لائیں گے، ﴿۲۱﴾ پیغمبر نے دعا کی: اے میرے رب! ان لوگوں نے مجھے جھٹلادیا ہے؛ اس لئے میری مدد فرمائیے! ﴿۲۲﴾ اللہ نے فرمایا: یہ لوگ جلد ہی (اپنے کئے پر) پچھتاتے رہ جائیں گے ﴿۲۳﴾ چنانچہ اس سچے وعدہ کے مطابق چیخنے نے ان کو آپکڑا، پھر ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنا کر رکھ دیا، پس ظالموں پر اللہ کی مار ہو، ﴿۲۴﴾ پھر ان کے بعد ہم نے کچھ دوسری امتوں کو پیدا کیا، ﴿۲۵﴾ کوئی امت نہ اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی تھی اور نہ پیچھے ہو سکتی تھی؛ (بلکہ مقررہ وقت پر ہی ہلاک کی گئی) ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے ایک کے بعد ایک پیغمبر بھیجے، جب بھی کسی امت کے پیغمبر اس کے پاس آتے تو وہ ان کو جھٹلاتے، پھر ہم بھی ایک کے بعد ایک کو ہلاک کرتے گئے، اور ان کو (بھولی بھری) کہانیاں بنا کر رکھ دیا، پس خدا کی پھٹکار ہو، ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لائے ﴿۲۷﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلی ہوئی دلیل لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا تو وہ تکبر کرنے لگے اور وہ لوگ تھے ہی بڑے متکبر! ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾

فَقَالُوا اَنْتُمْ مِنْ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبَدُونَ ﴿۱۸﴾ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۲۰﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَامَّةَ آيَةً ۚ وَاَوَيْنَاهُمَا اِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿۲۱﴾ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۚ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّ هَذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿۲۳﴾ فَتَقَطَّعُوا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۲۴﴾ فَذَرَهُمْ فِي غَمَرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۲۵﴾ اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُبَدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَبَنِيْنٍ ﴿۲۶﴾

تو ان لوگوں نے کہا: کیا ہم اپنے ہی جیسے ایسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، جن کی قوم ہماری غلام ہے ﴿۱۸﴾ غرض، ان لوگوں نے ان کو بھی جھٹلادیا، یہاں تک کہ وہ بھی ہلاک کئے گئے ﴿۱۹﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تھی؛ تاکہ وہ لوگ (بنی اسرائیل) ہدایت کے راستہ پر آجائیں ﴿۲۰﴾ نیز ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک بڑی نشانی بنا دیا تھا اور ان کو ایک ایسے ٹیلے پر پناہ دی تھی، جو ٹھہرنے کی مناسب جگہ تھی اور جہاں پانی کا چشمہ جاری تھا، ﴿۲۱﴾ (اللہ نے فرمایا: ﴿۲۲﴾ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، تم جو کچھ عمل کرتے ہو، میں اس سے خوب واقف ہوں، ﴿۲۳﴾ بے شک یہی تمہارا دین ہے، ایک ہی دین، اور میں تم سبھوں کا رب ہوں؛ لہذا مجھ ہی سے ڈرا کرو، ﴿۲۴﴾ پھر ان لوگوں نے اختلاف کر کے اپنا دین الگ الگ کر لیا، ﴿۲۵﴾ ہر گروہ اُسی میں مگن ہے، جو اس کے پاس ہے، ﴿۲۶﴾ پس، ان کو ایک وقت تک ان کی مدہوشی میں ڈوبا ہوا رہنے دیجئے، ﴿۲۷﴾ ہم جو ان کو مال و اولاد دے رہے ہیں تو کیا ان کا خیال ہے۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ ﷺ اور ان کی قوم کا واقعہ متعدد جگہوں میں گزر چکا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی حضرت مریم علیہا السلام کو درد شروع ہوا، جو عورتوں کو ولادت سے پہلے ہوتا ہے تو ایک مناسب مقام پر جہاں پانی کا بھی انتظام تھا، ٹھہرنے کی رہنمائی کی گئی، واقعہ کی تفصیل سورۃ مریم، آیت نمبر: ۱۶-۳۵ میں گزر چکی ہے۔

﴿۳﴾ طیبات سے حلال غذا مراد ہے، اس آیت میں اگرچہ انبیاء سے خطاب ہے؛ لیکن انبیاء کے واسطے سے ان کی اُمتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حلال چیز پر اکتفا کریں اور حرام سے بچیں۔

﴿۴﴾ یعنی دین حق ایک ہی ہے، یہ جو آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام مذاہب راستے ہیں اور منزل ایک ہی ہے، یہ بالکل غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے یہاں جو دین مقبول ہے، وہ صرف اسلام ہے، جس کی بنیاد توحید پر ہے، جس کی ابتداء حضرت آدم ﷺ سے ہوئی ہے اور جو آخری شکل میں محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے؛ البتہ اہل باطل نے اختلاف کر کے نئے نئے مذہب ایجاد کر لئے ہیں۔

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۵۲﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۵۵﴾ أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۵۶﴾ وَلَا نَكْفِ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَلَدَيْنَا مِكْتَبٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۷﴾ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَمَلُونَ ﴿۵۸﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْعَرُونَ ﴿۵۹﴾ لَا تَجْعَرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿۶۰﴾ قَدْ كَانَتْ آيَتِي عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿۶۱﴾ مُسْتَكْبِرِينَ ۖ بِهِ سِيرًا تَهْجُرُونَ ﴿۶۲﴾

کہ ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں؟ نہیں؛ بلکہ وہ سمجھ نہیں رہے ہیں (کہ یہ بہ طور ڈھیل کے ہے) ﴿۵۱﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں ﴿۵۲﴾ جو اپنے رب کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں ﴿۵۳﴾ جو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے، ﴿۵۴﴾ اور وہ جو کچھ دیتے ہیں، اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈر رہے ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۵۵﴾ یہی لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں ﴿۵۶﴾ ہم کسی کو بھی اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایک کتاب (نامہ اعمال) ہے، جو ٹھیک ٹھیک بتلا دے گی اور لوگوں کے ساتھ ذرا بھی نا انصافی نہیں ہوگی، ﴿۵۷﴾ (ایمان نہ لانے والوں کی کیفیت اس کے برخلاف ہے) بلکہ ان کے دل اس دین حق کی طرف سے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ ان کے اور بھی (برے) عمل ہیں، جن کو وہ کرتے رہتے ہیں، ﴿۵۸﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے دوچار کریں گے تو وہ چلا اٹھیں گے ﴿۵۹﴾ (ان سے کہا جائے گا: آج مت چلاؤ، ﴿۶۰﴾ تم ہی تو ہو) کہ میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اٹے بھاگتے تھے، یقیناً تمہیں آج ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی، ﴿۶۱﴾ تکبر کرتے ہوئے قصہ کہانی کی مجلس جما کر (قرآن اور پیغمبر کو) برا بھلا کہا کرتے تھے۔ ﴿۶۲﴾

﴿۱﴾ یعنی جن لوگوں کا یقین اس مادی دنیا پر ہے، جو اس دنیا کی فانی اور جلد ختم ہو جانے والی نعمتوں میں ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے ہیں، وہ تو غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور جن کا یقین آخرت پر ہے، وہ نیک اعمال میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔



أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۖ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۚ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمُ بِالْحَقِّ وَ أَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ۚ وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَ الْأَرْضُ وَ مَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۚ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَزَاجًا فَخَرَّاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَ هُوَ خَيْرُ الرَّاغِبِينَ ۚ وَ إِنَّكَ لَتَدْعُهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ وَ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَ ۚ وَ لَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۚ

کیا انھوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا؟ یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے، جو ان کے پہلے باپ داداؤں کے پاس نہیں آئی تھی؟ ۱۸ یا انھوں نے اپنے پیغمبر کو پہنچانا نہیں ہے؛ اس لئے ان کا انکار کرتے ہیں؟ ۱۹ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو جنون ہے؟ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) پیغمبران کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو حق بات بری لگتی ہے ۲۰ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے مطابق چلتے تو آسمان وزمین اور ان میں موجود ساری چیزیں تباہ و برباد ہو جاتیں؛ بلکہ ہم نے تو ان کو خود ان ہی کی نصیحت کا سامان بھیج دیا ہے، مگر وہ اپنی ہی نصیحت کی بات سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ۲۱ یا کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) کیوں کہ آپ کے پروردگار کی نوازش بہت بہتر ہے اور وہی ہیں بہترین روزی دینے والے! ۲۲ آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلارہے ہیں ۲۳ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ سیدھے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں، ۲۴ اور اگر ہم ان پر مہربانی کریں اور ان کی مصیبت کو دور کر دیں تب بھی وہ اپنی سرکشی میں ڈوبے ہوئے بہکتے ہی رہیں گے۔ ۲۵

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۶۸ سے ۷۲ تک ان تمام باتوں کا ذکر فرما دیا گیا، جو ان کے قرآن کو نہ ماننے کا سبب ہو سکتا ہے، اور ان کی تردید بھی کر دی گئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کا کلام پہلے ان کے باپ دادا حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت اسماعیل ؑ کے پاس آچکا ہے، محمد ﷺ کی صاف ستھری، بے داغ اور بے غبار زندگی نبوت کو پہچاننے کے لئے بہت کافی ہے؛ اس لئے وہ نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے آپ کی نبوت کو پہچانا نہیں، ان کو اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہے کہ آپ کسی دماغی مرض میں مبتلا نہیں ہیں، دنیا میں جو لوگ جھوٹے اور مکار ہوتے ہیں، ان کا بنیادی مقصد لوگوں سے پیسے اینٹھنا ہوتا ہے؛ لیکن آپ ان سے کسی معاوضہ کے طلب گار بھی نہیں ہیں، ان سب کے باوجود آخر وہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿۱﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ ۖ وَالْأَبْصَارَ ۖ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۳﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۴﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۶﴾ قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَبَعُوثُونَ ﴿۷﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ ۖ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِن قَبْلُ ۖ إِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸﴾ قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۖ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾

ہم نے ان کو عذاب میں بھی مبتلا کیا، پھر بھی نہ انھوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کی اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں، ﴿۱﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت ساری امیدیں ٹوٹ کر رہ جائیں گی ﴿۲﴾ وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، (پھر بھی) تم لوگ کم ہی شکر ادا کرتے ہو ﴿۳﴾ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ﴿۴﴾ وہی ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، رات اور دن کی تبدیلی اسی کے اختیار میں ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ﴿۵﴾ بلکہ یہ بھی وہی کہتے ہیں جو پہلے لوگ کہا کرتے تھے ﴿۶﴾ وہ کہا کرتے تھے: ”جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟“ ﴿۷﴾ اس کا وعدہ تو ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے آباء و اجداد سے بھی کیا جاتا رہا ہے، یہ محض گذشتہ لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں“ ﴿۸﴾ آپ دریافت کیجئے: زمین اور جو کوئی زمین میں ہے، وہ کس کی ملکیت ہے؟ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ﴿۹﴾ وہ ضرور کہیں گے: اللہ کی ہے، آپ فرما دیجئے: تو پھر کیا تم لوگ سوچتے نہیں ہو؟ ﴿۱۰﴾

﴿۱﴾ ثمامہ بن اثال جب مسلمان ہو گئے تو انھوں نے مکہ کی ناکہ بندی کر دی؛ کیوں کہ ان کا قبیلہ مکہ جانے والے راستہ پر واقع تھا، انھوں نے اور ان کے قبیلہ نے طے کر دیا کہ اب گیارہوں کا ایک دانہ بھی مکہ پہنچنے نہیں دیا جائے گا، ادھر مکہ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ مردار اور کتے تک کھانے لگے، اس وقت ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ میں آپ کو خدا کا اور قرابت داری کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ نے بڑوں کو تلوار سے قتل کر دیا اور بچوں کو بھوک سے مار ڈالیں گے؛ اس لئے آپ ﷺ اپنے خدا سے اس قحط کے دور ہونے کی دعا فرما دیجئے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا بھی فرمائی اور ناکہ بندی بھی ختم کرادی، پھر بھی اہل مکہ ایمان نہیں لائے۔ (دیکھئے: بخاری، باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامہ بن اثال، حدیث نمبر: ۴۳۷۲، تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۳۳)

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۷۱﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۷۲﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ هُوَ يُجِيرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۳﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ﴿۷۴﴾ بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۷۵﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَ مَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَنَ اللَّهُ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۷۶﴾ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعَلَّى ﴿۷۷﴾ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۷۸﴾ قُلْ رَبِّ إِمَّا تُرِيئُنِي مَا يُوعَدُونَ ﴿۷۹﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۸۰﴾ وَ إِنَّا عَلَىٰ أَنْ تُرِيكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدِيرُونَ ﴿۸۱﴾ إِذْفَعُ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السِّيئَةِ ﴿۸۲﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿۸۳﴾

آپ پوچھئے: سات آسمانوں کا اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ﴿۷۱﴾ وہ ضرور کہیں گے: اللہ ہے، آپ فرمائیے: پھر کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۷۲﴾ آپ کہئے: کون ہستی ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے، وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ ﴿۷۳﴾ وہ یہی کہیں گے: یہ سب اللہ کا ہے، آپ کہئے کہ پھر تم کس جادو کا شکار ہو گئے ہو؟ ﴿۷۴﴾ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ہم نے ان کو حق بات پہنچادی ہے اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں، ﴿۷۵﴾ اللہ نے کسی کو بھی (اپنا) بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ایک دوسرے پر حملہ کرتا، اللہ تعالیٰ کی ذات ان باتوں سے پاک ہے، جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، ﴿۷۶﴾ وہی ہر پوشیدہ اور کھلی ہوئی چیز کا جاننے والا ہے؛ اس لئے وہ ان لوگوں کے شرک کرنے سے بلند و بالا ہستی ہے ﴿۷۷﴾ آپ دُعا کیجئے: ”اے میرے رب! جس عذاب کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے، اگر آپ وہ مجھ کو دکھائیں (یعنی میری زندگی ہی میں وہ عذاب آجائے) ﴿۷۸﴾ تو میرے پروردگار! مجھ کو گنہگار لوگوں میں شامل نہ فرمائیں!!“ ﴿۷۹﴾ اور ہم یقیناً اس بات پر قادر ہیں کہ ہم ان سے جس عذاب کا وعدہ کر رہے ہیں، وہ آپ کو دکھا دیں ﴿۸۰﴾ (لیکن فی الحال) آپ برائی کو ایسے طریقہ سے دُور کیجئے، جو بہت ہی بہتر ہو، ﴿۸۱﴾ یہ جو کچھ باتیں بناتے ہیں، ہم اس سے خوب واقف ہیں۔ ﴿۸۲﴾

﴿۱﴾ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ آپ کی زندگی میں اور اس دنیا میں وہ عذاب ان پر نازل نہیں کریں، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے؛ بلکہ آخرت میں ان کو یہ عذاب ہو؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی ان کو عذاب دینے کی قدرت نہیں رکھتے، اللہ چاہیں تو ابھی ہی ان کو عذاب میں مبتلا کر دیں۔

﴿۲﴾ یعنی سخت کلامی کا جواب نرم گفتگو سے، بے رحمی کا جواب رحم دلی سے، اور نفرت کا جواب محبت سے دیجئے؛ کیوں کہ دل کو جیتنے اور دماغ کو فتح کرنے کا طریقہ یہی ہے۔

وَقُلْ رَبِّ اعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلّٰى اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ کَلَّا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۚ وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ ۚ وَلَا یَتَسَاءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهُ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهُهُمْ النَّارُ ۚ وَهُمْ فِیْهَا کٰلِحُوْنَ ۝ اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُنْتَلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ ۝

آپ دُعا مانگئے: میرے پروردگار! میں شیطانی وسوسوں سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، ۱۸ اور اے میرے رب! میں اس بات سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آدھکیں، ۱۹ یہاں تک کہ جب ان (ایمان نہ لانے والوں) میں سے کسی پر موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھ کو (دنیا میں) واپس بھیج دیجئے ۲۰ تاکہ جس دنیا کو چھوڑ آیا ہوں، اس میں کچھ بھلے کام کر لوں، ہرگز نہیں، یہ صرف ایک بات ہے، جو وہ کہہ رہا ہے (جس کو پورا نہیں کیا جائے گا) اور ان کے سامنے قیامت کے دن تک کے لئے ایک آڑ ہے، ۲۱ پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ اس دن ان کے درمیان رشتے باقی رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے، ۲۲ تو جس (کی نیکیوں) کا وزن بھاری ہو جائے گا، وہی کامیاب ہوں گے ۲۳ اور جس کا وزن ہلکا نکلے گا تو یہی لوگ ہوں گے، جنہوں نے خود اپنا نقصان کر لیا اور وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے ۲۴ آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور ان کے چہرے بگڑ چکے ہوں گے، ۲۵ (ان سے کہا جائے گا: کیا میری آیتیں تم پر تلاوت نہیں کی جاتی تھیں، پھر تم ان کو جھٹلادیا کرتے تھے؟) ۲۶

۱) جب اللہ کے رسول ﷺ سے یہ دُعا کرائی گئی تو عام انسان کس گنتی میں ہیں؟ اس لئے ان کو تو دن و رات چوکنا رہنا چاہئے اور شیطان سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔

۲) یعنی موت کو دنیا کی طرف واپسی میں رکاوٹ بنا دیا گیا ہے؛ اس لئے وہ ہرگز اس دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

۳) اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے: ”وَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَاءَلُوْنَ“ (صافات: ۲۸) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان دونوں آیتوں کے درمیان اس طرح مطابقت پیدا کی ہے کہ جب پہلا صور پھونکا جائے تو نہ کوئی کسی کو پہچانے گا اور نہ کوئی کسی سے سوال کرے گا، پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس وقت ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور سوال کریں گے۔ (الدر المنثور: ۱۱۶/۲)

۴) قرآن وحدیث میں ہر جگہ اعمال کے وزن کئے جانے کا ذکر ہے نہ کہ شمار کئے جانے کا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں عمل کی قدر و قیمت اس کے وزن سے ہوگی نہ کہ صرف کثرت سے، اور اعمال کا وزن بڑھے گا اخلاص نیت کی وجہ سے۔

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿۱۸﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿۱۹﴾ قَالَ احْسَبُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿۲۰﴾ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۲۱﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُم ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿۲۲﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا ۖ إِنَّهُمْ هُمُ الْفَاقِرُونَ ﴿۲۳﴾ قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿۲۴﴾ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلُ الْعَادِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ أَفَحَسِبْتُمْ أَنْتُمَا خَلَقْتُمَا عَبْنًا وَأَنْتُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۲۷﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ ۚ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۲۹﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۳۰﴾

۶

وہ جواب دیں گے: اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بد نصیبی غالب آگئی تھی اور ہم لوگ گمراہ رہ گئے تھے ﴿۱۸﴾ ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال دیجئے، اگر ہم پھر ایسا کریں گے تو ہم ضرور ظلم کرنے والے ہوں گے، ﴿۱۹﴾ اللہ فرمائیں گے: اسی میں ذلت و رسوائی کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو ﴿۲۰﴾ میرے بندوں کا ایک گروہ دُعا کرتا رہتا تھا: ”ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، اس لئے ہمیں معاف فرما دیجئے اور ہم پر رحم کیجئے اور آپ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں“ ﴿۲۱﴾ تو تم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے، یہاں تک کہ (اس مشغلہ نے) تم کو میری یاد سے غافل کر دیا اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے، ﴿۲۲﴾ میں نے آج ان کو ان کے صبر کرنے کا بدلہ عطا کر دیا، یقیناً وہی کامیاب ہیں ﴿۲۳﴾ ارشاد ہوگا: زمین میں تم کتنے سال رہے؟ ﴿۲۴﴾ کہیں گے: ”ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہوں گے“ اس لئے (اے اللہ!) آپ گنتی کرنے والے (فرشتوں) سے دریافت فرمالیجئے، ﴿۲۵﴾ اللہ فرمائیں گے: بے شک تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے، کاش، تم سمجھے ہوتے ﴿۲۶﴾ کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس واپس لائے نہیں جاؤ گے؟ ﴿۲۷﴾ تو اللہ جو حقیقی بادشاہ ہیں، بہت بلند و برتر ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرشِ عظیم کے مالک ہیں، ﴿۲۸﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت کرے گا؛ حالاں کہ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے تو اس کے پروردگار کے پاس اس کا حساب ہوگا، ایمان نہ لانے والے یقیناً کامیاب نہیں ہو سکتے، ﴿۲۹﴾ آپ دُعا کیجئے: ”میرے رب! معاف کر دیجئے، رحم فرمائیے اور آپ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں“ ﴿۳۰﴾





## سُورَةُ النُّورِ

«سورة نمبر : (۲۴)

«رکوع : (۹)

«آیتیں : (۶۴)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ میں یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ ہی آسمان وزمین کے نور ہیں، یعنی آسمان وزمین میں جو روشنی پھیلی ہوئی ہے، وہ اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'سورۃ النور' ہے۔

اس سورہ میں معاشرتی زندگی کی بڑی اہم تعلیمات آگئی ہیں؛ چنانچہ امام مجاہدؒ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے مردوں کو سورہ مائدہ اور خواتین کو سورہ نور کی تعلیم دیا کرو، (شعب الایمان، ذکر السبع الطوال، حدیث نمبر: ۲۲۰۵) سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض رفقاء کو خط لکھا کہ وہ سورہ نساء، احزاب اور سورہ نور کو اچھی طرح پڑھیں، (کنز العمال، فصل فی آداب التلاوة، حدیث نمبر: ۴۱۰۶، نیز دیکھئے: الدر المنثور: ۱۲۴/۶) وجہ ظاہر ہے کہ ان تینوں سورتوں میں معاشرتی زندگی سے متعلق بہت سے احکام ذکر کئے گئے ہیں؛ اسی لئے اس سورہ کی ابتدائی آیات میں خاص طور پر اس سورہ کی اہمیت و فضیلت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس سورہ میں زنا اور تہمت کی شرعی سزا، زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے لعان کا حکم، گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے، نگاہ کو پست رکھنے، عزت و آبرو کی حفاظت کرنے، غیر محرم کے سامنے زیب و زینت کے اظہار سے بچنے، ان مردوں اور عورتوں کے نکاح کرنے (جن کے شوہر و بیوی نہیں ہیں) اور اس طرح کے دوسرے احکام ذکر کئے گئے ہیں، جن کا تعلق عزت و آبرو کی حفاظت اور معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے اور شرم و حیا کی حفاظت کرنے سے ہے، اسی طرح خادموں اور بچوں کے لئے بھی تین ایسے اوقات — جن میں کپڑوں کا پورا لحاظ نہیں رکھا جاتا — میں اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، جن رشتہ داروں اور دوستوں کی طرف سے صریح اجازت کے بغیر کھانے پینے کی اجازت ہو، ان کے یہاں کھانے پینے کی اجازت اور معذوروں کو جہاد کے حکم سے مستثنیٰ رکھنے کا تذکرہ ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي  
 فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۚ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ  
 تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَلَيَشْهَدَ عَذَابُهُمَا كَآيِفَهُ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ یہ ایک سورہ ہے جسے ہم نے ہی نازل کیا ہے، ہم نے ہی اس (میں آنے والے احکام) کو مقرر کیا ہے اور ہم ہی نے اس میں واضح آیتیں اتاری ہیں؛ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ بدکاری کرنے والے مرد اور بدکاری کرنے والی عورت میں سے ہر ایک کو سوسو کوڑے لگاؤ، اگر تم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملہ میں تم لوگوں کو ان پر ترس نہیں آنا چاہئے، اور ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کے ایک گروہ کو حاضر رہنا چاہئے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱﴾

﴿۱﴾ سماجی زندگی سے متعلق احکام و قوانین کے اعتبار سے سورہ نور کو خصوصی اہمیت حاصل ہے؛ اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تلکین فرماتی تھیں کہ عورتوں کو سورہ نور سکھایا کرو: ”علمهن سورة النور“ (متدرک حاکم، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ النور: ۳۴۹۴) سورہ نور کی اس اہمیت کی وجہ سے اور لوگوں کو اس کے مضامین کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے اس سورہ میں خاص طور پر ایک تمہید ذکر فرمائی گئی ہے کہ اس میں ذرا بھی شبہ نہ ہونا چاہئے کہ یہ سورہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اتاری گئی ہے، اس کے احکام اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اس کے مضامین نہایت واضح اور بے غبار ہیں۔

﴿۲﴾ زنا کو دنیا کے ہر مذہب اور ہر مہذب معاشرہ میں جرم سمجھا گیا ہے، یہ آخرت کے اعتبار سے تو ایک شدید گناہ ہے ہی؛ لیکن دنیا میں بھی سماج کے لئے اور خود زنا کرنے والے مرد و عورت کے لئے نہایت نقصان دہ اور مضرت رساں ہے، زنا سے انسانیت شرمسار ہوتی ہے؛ کیوں کہ جو صنفی جذبات انسان کے اندر ہوتے ہیں، وہی دوسرے جانداروں میں ہوتے ہیں؛ لیکن ان کے یہاں ان کی شناخت محفوظ نہیں ہوتی، انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنی ایک پہچان رکھتا ہے، وہ باپ دادا کی نسبت سے جانا جاتا ہے، اس نسبت پر اسے فخر ہوتا ہے اور اگر کسی انسان کے بارے میں یہ بات کہی جائے کہ اس کے باپ کا پتہ نہیں ہے تو اس کے لئے یہ حد درجہ عار کی بات ہوتی ہے؛ اس لئے زنا اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد انسانی سماج کے لئے ایک بدنماداغ سے کم نہیں، دوسرے: انسان کو قدم قدم پر خاندان کی ضرورت پڑتی ہے، زنا کے ذریعہ جو بچے پیدا ہوتے ہیں، وہ خاندان سے محروم ہوتے ہیں، نہ ان کی خوشی و غم میں کوئی مناس و غمخوار ہوتا ہے، نہ اس کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا کوئی شخص ذمہ دار ہوتا ہے، ان کی حیثیت اپنے آپ اُگ جانے والے پودوں کی ہوتی ہے، جن کی نہ کوئی دیکھ رکھ رہی ہوتی ہے اور نہ کوئی قدر و قیمت، تیسرے: یہ عورت کے خاندان کے ساتھ زیادتی ہے، عورت چاہے اپنی رضامندی سے برائی کی مرتکب ہو؛ لیکن یہ اس کے پورے خاندان کے لئے رسوائی کا باعث ہوتا ہے، چوتھے: طبی اعتبار سے بھی یہ گناہ حد درجہ نقصان دہ ہے، مختلف امراض خبیثہ — آتشک، —

← سوزاک اور ایڈس — زنا کے نتیجے میں انسان کو اپنا نشانہ بناتے ہیں اور تکلیف دہ اور سواکن موت تک پہنچا کر رہتے ہیں؛ اسی لئے شریعت نے زنا کی سب سے سخت سزا رکھی ہے، اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا سنگسار کرنا ہے، جس کا ذکر متعدد حدیثوں میں آیا ہے، (نسائی، کتاب القسامۃ، باب سقوط القودن المسلم لکافر، حدیث نمبر: ۴۷۴۳) اور اس پر اُمت کا اجماع و اتفاق ہے، (ہدایہ اولین: ۵۰۹) امام فخر الدین رازیؒ نے ابو بکر جصاص رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ سنگسار کرنے سے متعلق روایت تو اتر کے درجہ کو پہنچتی ہے، (مفتاح الغیب: ۲۲۸/۱۱) — کنوارے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے ہے، جس کا اس آیت میں ذکر ہے، اگر شرعی اُصولوں کے مطابق یہ جرم ثابت ہو جائے تو اس سزا پر فقہاء کا اتفاق ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۶۸) حدیث میں اس کے علاوہ ایک اور سزا کا بھی ذکر آیا ہے، کہ ایسے شخص کو ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے، (ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب حد الزنا، حدیث نمبر: ۲۵۵۰) لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ زنا کی سزا کا لازمی حصہ نہیں ہے؛ (بدائع الصنائع: ۵/۴۹۲) بلکہ یہ حکم بطور مصلحت کے ہے، مصلحت یہ ہے کہ جب ایسے گناہ کا مرتکب سماج میں رہتا ہے اور لوگ اس کو چلتے پھرتے دیکھتے ہیں تو اس برائی کا چرچا ہونے لگتا ہے اور جب کسی برائی کا زیادہ چرچا ہو تو اس کی وجہ سے وہ برائی پھیلتی ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک ایسے ہی مجرم کو شہر بدر کیا گیا، وہ دوسری جگہ جا کر مرتد ہو گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں آئندہ کسی کو جلا وطن نہیں کروں گا، (مصنف عبدالرزاق، کتاب الاثریۃ، حدیث نمبر: ۱۷۰۴۰) ظاہر ہے کہ اگر شہر بدر کرنا سزا کا لازمی حصہ ہوتا تو حضرت عمرؓ کو یہ اختیار نہ ہوتا کہ وہ اپنے طور پر کسی سزا کو ختم کر دیں۔

زنا کے مضر اثرات اور انسان کے اندر جوانی کے زمانہ میں اس پر اُکسانے والے غیر معمولی جذبات کی وجہ سے اگرچہ اس جرم کی سزا نہایت سخت رکھی گئی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو باتیں قابل توجہ ہیں، اول: یہ کہ زنا کی سزا دیئے جانے کے لئے اس کا ثابت ہونا شرط ہے، نہ کافی ثبوت اور شبہ کی وجہ سے یہ سزا نہیں دی جاسکتی، اور اس کے ثبوت کی شرطیں بہت سخت ہیں کہ چار ایسے مرد گواہ اس فعل کی گواہی دیں، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے عین فعل زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دونوں کو دیکھا ہو؛ (ابوداؤد، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۵۲) گویا مجرم صرف زنا کا مرتکب ہی نہیں ہو؛ بلکہ اس نے حد درجہ بے حیائی کے ساتھ اس برائی کا ارتکاب کیا ہو، دوسرے کوئی شخص یا سماج یا خاندان کا ذمہ دار اپنے طور پر زنا کی سزا نافذ نہیں کر سکتا، امیر اور اس کے قائم مقام جیسے قاضی ہی اس سزا کو نافذ کرے گا: ”لا خلاف أن المخاطب بهذا الأمر الإمام ومن نائب منابه“۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۶۱)

عام طور پر اہل مغرب کی طرف سے تاثر دیا جاتا ہے کہ شریعت اسلامی میں مختلف جرائم اور خاص کر زنا کی جو سزا مقرر کی گئی ہے، وہ نہایت سخت بلکہ غیر انسانی ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں، اول یہ کہ زنا اور اس طرح کے جرائم کی سزا صرف دارالاسلام میں قابل نفاذ ہوتی ہے، جہاں ایک حقیقی اسلامی حکومت ہو، پوری طرح اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جاتا ہو اور مجرم کو جرم سے بچنے کے لئے معاون ماحول دیا جاتا ہو، مثلاً جہاں حقیقی اسلامی حکومت قائم ہو، وہاں نہ شراب کے کارخانے ہوں گے اور نہ شراب کی خرید و فروخت ہوگی، جو عام طور پر انسان کو زنا جیسے گناہ کی طرف لے جاتا ہے، اسی طرح وہاں فحش لٹریچر، ہیجان انگیز اشتہارات، نیز تعلیم گاہوں اور آفسوں میں مرد و عورت کے اختلاط کی گنجائش نہیں ہوگی، خواتین اپنے سارے کام ←

الَّذِينَ لَا يَنْكِحُوا إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۖ وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳﴾

بدکار مرد (رغبت کے ساتھ) بدکار عورت یا شرک کرنے والی عورت کے سوا کسی سے نکاح نہیں کرتا، اور بدکار عورت سے (رغبت و خوش دلی کے ساتھ) وہی شخص نکاح کرتا ہے، جو خود بدکار یا مشرک ہو، اور ایمان والوں پر اس کو حرام کر دیا گیا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۳﴾

← پردے کے ساتھ کریں گی، ظاہر ہے ایسے پاکیزہ ماحول میں زنا جیسے واقعات اکا دکا ہی پیش آئیں گے اور بمشکل ہی ثابت ہو سکیں گے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی دس سالہ زندگی میں اس جرم کے صرف تین چار واقعات ہی پیش آئے — دوسرے یہ ایک حقیقت ہے کہ زنا جیسے جرم کو روکنے اور سماج کو عقیف و پاکدامن رکھنے کے لئے سخت جسمانی سزا ضروری ہے، اس کو سمجھنے کے لئے موجودہ مغربی معاشرہ کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہاں کس طرح عفت و عصمت کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے، بے نسب اولاد کی بہتات ہوتی چلی جا رہی ہے، خاندانی نظام بکھر گیا ہے اور جان لیوا بیماریوں نے سماج کو جکڑ لیا ہے؛ اس لئے جو لوگ عفت و عصمت کو انسان کا اخلاقی جوہر سمجھتے ہیں، جن کی نگاہ میں نسب کی حفاظت کی اہمیت ہے اور جو ایک پاکیزہ سماج تعمیر کرنا چاہتے ہیں، وہ ہرگز اس سزا کو ظلم اور انسانیت مخالف قرار نہیں دے سکتے۔

زنا کی سزا مقرر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی ہدایت دی ہے، ایک یہ کہ جب جرم ثابت ہو جائے تو اس کے نفاذ میں تامل نہ کیا جائے اور ایسا نہ ہو کہ رحم دلی کا جذبہ آڑے آجائے؛ البتہ اگر کسی شخص سے زنا کا ارتکاب ہو اور معاملہ عدالت میں نہیں پہنچا، تو اس کو چھپا دینا اور اس پر پردہ رکھ دینا افضل ہے؛ چنانچہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے اپنے بھائی کے عیب کو چھپا دیا ہوتا تو یہ بہتر ہوتا، (ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی الستر علی الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۷۷) — آیت میں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ جب جرم ثابت ہو چکا اور اس پر سزا نافذ ہی کی جائے تو یہ سزا علی الاعلان نافذ کی جانی چاہئے؛ تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی عبرت ہو اور معاشرہ میں یہ گناہ پھیلنے نہ پائے۔

زنا کی سزا میں شریعت کی حکمت قابل توجہ ہے کہ زنا ایک ایسا گناہ ہے، جس سے انسان کا پورا وجود لذت حاصل کرتا ہے، اسی لئے سنگساری یا کوڑے کی شکل میں سزا بھی ایسی مقرر کی گئی، جس کا اثر اس کے پورے جسم پر پڑتا ہے اور یہ بات بھی قابل عبرت ہے کہ جب انسانوں نے اللہ کے احکام کو نافذ کرنا چھوڑ دیا تو قدرت کی طرف سے ان پر ایسی جان لیوا، تکلیف دہ اور رسوا کن بیماریاں مسلط کر دی گئیں، جو انسان کے پورے وجود کو متاثر اور شدید قسم کے درد و الم سے دوچار کرتی ہیں۔

﴿۱﴾ یہ آیت بطور حکم شرعی کے نہیں ہے کہ بدکار مرد کا نکاح پاک دامن عورت سے اور پاکدامن مرد کا نکاح بدکار عورت سے نہیں ہو سکتا؛ بلکہ اس میں انسانی نفسیات کو واضح کیا گیا ہے اور انسان کے اندرونی مزاج کو بتایا گیا ہے کہ جو شخص خود زنا کا عادی ہو، وہی کسی زنا کی شوگر عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور جس عورت کے اندر زنا کی خو پیدا ہو گئی ہے، وہی رشتہ نکاح کے لئے ایسے مرد کو ←

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو، یہی لوگ پکے نافرمان ہیں، ﴿۱۸﴾ سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں؛ کہ اللہ بہت بخشنے والے اور نہایت مہربان ہیں۔ ﴿۱۹﴾

← قبول کر سکتی ہے، جو اس برائی کی کٹ میں مبتلا ہو، گویا اس آیت میں حکم نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک خبر ہے اور انسانی مزاج کا ذکر ہے، اور اتفاقی طور پر کسی شخص کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے، جو اس برے فعل کے عادی ہوں اور بار بار اس کا ارتکاب کرتے ہوں، ورنہ تو کسی مرد یا عورت کا زنا کا مرتکب ہونا مسلمان سے اس کے نکاح منعقد ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے، اسی طرح مشرک مرد سے کسی مسلمان عورت کا اگرچہ کہ وہ بدکار نہ ہو اور مشرک عورت سے کسی مسلمان مرد کا اگرچہ کہ وہ زانی نہیں ہو، نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿۱﴾ انسان کے لئے ایمان اور زندگی کے بعد جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور جس کو ایک شریف اور باعزت انسان سب سے بڑھ کر اہمیت دیتا ہے، وہ ہے عزت و آبرو، اگر کسی پاک باز پر زنا کی تہمت لگانے والوں کو سخت سزا نہ دی جائے تو معاشرہ کے باعزت لوگوں کے لئے مصیبت ہو جائے گی، اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی، جس میں تین احکام بیان کئے گئے ہیں، اول یہ کہ محصنہ یعنی پاک دامن عورت کو کوئی شخص تہمت لگائے تو وہ اس سزا کا مستحق ہے، جس کا آگے ذکر کیا جا رہا ہے، محصنہ سے وہ عورت مراد ہے جو مسلمان ہو، بالغ ہو اور اس الزام سے پہلے اس کا زنا کا مرتکب ہونا ثابت نہ ہو، نیز الزام لگانے والا اس عورت یا مرد پر واضح طور پر زنا کی تہمت لگائے، اس نے صرف شبہ کا اظہار نہ کیا ہو، یا زنا سے پہلے انسان جن افعال سے گذرتا ہے، جیسے: بوس و کنار وغیرہ، صرف اس کا الزام نہ لگایا ہو؛ بلکہ صریح طور پر زنا کا الزام لگایا ہو، اور اپنے اس الزام پر چار آنکھوں دیکھے مرد گواہ پیش نہ کر سکے، دوسرا حکم یہ بتایا گیا کہ ایسے الزام لگانے والے شخص کے لئے دوسرا سزا نہیں ہیں، ایک یہ کہ اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں، دوسرے: آئندہ کبھی اس کی گواہی قبول نہ کی جائے، پہلی سزا جسمانی ہے، دوسری سزا معنوی، تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ اس گناہ کے بعد جو لوگ توبہ کر لیں اور ان کی عملی زندگی اس بات کو بتاتی ہو کہ انھوں نے اپنی حالت کی اصلاح کر لی ہے تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے؛ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور سلف صالحین میں سے بہت سے فقہاء اور اہل علم کا نقطہ نظر یہی ہے کہ توبہ کے باوجود اس کی گواہی کسی بھی معاملہ میں اور ہمیشہ کے لئے ناقابل قبول سمجھی جائے گی؛ کیوں کہ یہ اس کی سزا کا ایک حصہ ہے؛ البتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا گناہ معاف ہو جائے گا؛ لیکن اکثر فقہاء کا رجحان یہ ہے کہ توبہ کے بعد دنیا میں بھی ایسے شخص کی گواہی قبول کی جائے گی، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۷۹) — قرآن مجید میں اگرچہ یہاں پاک دامن عورت پر ←

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعٌ شَهَدَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنْ لَعْنَتَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَيَدْرُوْا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعٌ شَهَدَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنْ غَضَبَ اللّٰهُ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ جَاؤُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ اِمْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اَكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ان کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ یقیناً سچ بول رہا ہے ﴿۶﴾ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو! ﴿۷﴾ اور عورت سے اس طرح سزا مل سکتی ہے کہ وہ بھی چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً یہ مرد جھوٹا ہے ﴿۸﴾ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اگر یہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو! ﴿۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ خوب توبہ قبول کرنے والے اور حکمت والے ہیں (تو تم بڑے نقصان میں پڑ جاتے) ﴿۱۰﴾ جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے، وہ تم ہی میں سے ہیں، تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو؛ بلکہ تمہارے حق میں یہ بہتر ہے، ان میں سے جس شخص نے جتنا کیا، اس کے لئے اتنا ہی گناہ ہے، اور جس شخص نے اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا، اس کے لئے سزا بھی (اتنی ہی) سخت ہے۔ ﴿۱۱﴾

← تہمت لگانے کا ذکر آیا ہے؛ لیکن یہی حکم پاکدامن مرد پر تہمت لگانے کا بھی ہے؛ چوں کہ عورتوں کے لئے یہ الزام زیادہ باعث عار ہوتا ہے؛ اس لئے خاص طور پر عورتوں کا ذکر فرمایا گیا۔

﴿۱﴾ یوں تو کسی بھی مرد و عورت کو زنا کی حالت میں دیکھنا ایک پاکباز انسان کے لئے رنج و صدمہ کا باعث ہے؛ لیکن اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس حالت میں دیکھے تو یقیناً اس کے جذبات غیر معمولی طور پر مشتعل ہو جائیں گے؛ کیوں کہ یہ براہ راست اس کی غیرت کے لئے چیلنج ہے؛ چنانچہ قرآن میں جب یہ حکم نازل ہوا کہ اگر کسی عورت پر کوئی مرد تہمت لگائے اور وہ اپنے اس دعویٰ پر چار آنکھوں دیکھے گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے تو بعض صحابہ کجیرت ہوئی کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس حال میں دیکھے تو کیا اس کے لئے بھی یہی حکم ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“ سوال کرنے والے کی حیثیت سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بھی حدیث میں ذکر آیا ہے، (ابوداؤد، کتاب الدیات، باب فی من وجد مع اہلہ الخ، حدیث نمبر: ۴۵۳۶) اور عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا بھی، (مسلم، کتاب اللعان، حدیث نمبر: ۱۴۹۲) ان حضرات نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ جو شخص اپنی بیوی کو اس حالت میں دیکھے ←

← تو کیا وہ اس کے لئے گواہ تلاش کرے گا یا فوری طور پر کارروائی کرے گا؟ لیکن رسول اللہ ﷺ برابر یہی کہتے رہے کہ یا تو گواہ فراہم کیا جائے یا پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، ان ہی دنوں دوا ایسے واقعات پیش آئے، جن میں شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی حالت میں دیکھا، ایک واقعہ ہلال بن امیہ کا ہے، وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے گھر تشریف لائے تو اپنی بیوی کو شریک بن سمہ کے ساتھ زنا کی حالت میں پایا؛ لیکن انھوں نے تحمل سے کام لیا اور فوری طور پر کوئی کارروائی نہیں کی؛ بلکہ صبح ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں رات اپنی بیوی کے پاس آیا تو میں نے اس کے پاس ایک مرد کو پایا اور برائی کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، رسول اللہ ﷺ کو ان کا یہ الزام ناگوار ہوا، آپ ﷺ نے ناراضگی ظاہر فرمائی اور کہا کہ ثبوت پیش کرو، ورنہ تمہاری پیٹھ پر تہمت کی سزا جاری کی جائے گی، ہلال بن امیہ نے کہا: اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور میرے معاملہ میں ایسا حکم نازل فرمائیں گے کہ میری پیٹھ اس سزا سے محفوظ رہے؛ چنانچہ اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور ان کی بیوی کو طلب فرمایا اور مسجد کے اندر لے کر آیا، ان کی بیوی سے جب پانچویں دفعہ کہلایا گیا کہ ”اگر شوہر اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو“ تو اس وقت انھوں نے تھوڑا سا توقف کیا؛ لیکن پھر یہ کہتے ہوئے لعان کے عمل کو پورا کیا کہ میں اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے رسوا کرنا نہیں چاہتی، (سنن ابی داؤد عن عبد اللہ بن عباسؓ، کتاب الطلاق، باب اللعان، حدیث نمبر: ۲۲۵۶) اس کے بعد جلد ہی ایک دوسرا واقعہ عویمر عجلانیؓ کا پیش آیا، انھوں نے بھی اپنی بیوی کو شریک بن سمہ کے ساتھ زنا کی حالت میں پایا، یہ شریک عویمر عجلانیؓ کے بھی چچا زاد بھائی تھے اور ان کی بیوی خولہ بنت قیس کے بھی، پھر معاملہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آیا، (نصب الراية: ۲۵۲/۳، باب اللعان) اگرچہ کہ اس دوسرے واقعہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کیا ہے: ”قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ فَيْك“، لیکن اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تم جس واقعہ سے دوچار ہوئے ہو، اسی طرح کے واقعہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہو چکا ہے۔ (فتح الباری: ۲۵۳/۱۳، نووی علی مسلم: ۲۶۰/۵) آیت میں جو حکم دیا گیا ہے، اس کو ”لعان“ کہتے ہیں، لعان ’لعنت‘ سے ماخوذ ہے؛ چوں کہ اس میں جھوٹے پر اللہ کی لعنت بھیجی جاتی ہے، اس لئے اس کو ”لعان“ کہا جاتا ہے، ”لعان“ کے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار آنکھوں دیکھے گواہ نہ ہوں اور بیوی کو جرم کا اقرار نہ ہو تو پہلے شوہر سے چار دفعہ قسم کھلائی جائے گی کہ اس نے اپنی بیوی کے بارے میں جو کہا ہے، وہ سچ ہے، اور پانچویں دفعہ کہلایا جائے گا: اگر اس نے یہ بات جھوٹ کہی ہے تو اس پر اللہ کی لعنت، پھر عورت سے چار دفعہ قسم کھلائی جائے گی کہ شوہر نے اس پر جو الزام لگایا ہے، وہ اس میں جھوٹا ہے، اور پانچویں دفعہ کہلایا جائے گا: اگر میرا شوہر اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب — ”لعان“ کے بعد دونوں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گے؛ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک علاحدگی اس وقت واقع ہوگی، جب یا تو شوہر طلاق دے دے اور اگر اس نے طلاق نہیں دی تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے، اور اس کے بعد جو بچہ پیدا ہو، شوہر سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر مرد اپنے دعویٰ پر قائم رہے؛ لیکن قسم کھانے سے انکار کر دے، یا عورت اپنے انکار پر قائم رہے؛ لیکن قسم کھانے پر آمادہ نہ ہو، تو قسم سے انکار کرنے والے کو قید کر دیا جائے گا اور اس وقت تک اس کو قید میں رکھا جائے گا، جب تک کہ وہ قسم کھانے کو تیار نہ ہو جائے۔

لَوْ لَا إِذْ سَبَعْتُمْوهَ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿۱۷﴾  
 لَوْ لَا جَاءُوكَ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ  
 الْكَاذِبُونَ ﴿۱۸﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا  
 أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۹﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ  
 لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۲۰﴾

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اپنے لوگوں کے بارے میں اچھا  
 گمان قائم کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلی ہوئی تہمت ہے، ﴿۱۷﴾ (اگر تہمت لگانے والے سچے تھے) تو انھوں نے اس  
 بات پر چار گواہ کیوں نہیں پیش کئے؟ پھر جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں ﴿۱۸﴾ اگر دنیا  
 اور آخرت میں تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا تو اس بات کو پھیلانے کی وجہ سے تم پر اسی وقت کوئی بڑی آفت آ جاتی ﴿۱۹﴾ جب  
 تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے ایسی باتیں کہنے لگے، جس کی تم کو کوئی خبر نہیں تھی، اور تم  
 اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے؛ حالاں کہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بھاری بات تھی۔ ﴿۲۰﴾

← حنفیہ کے نزدیک ”لعان“ میں مرد سے جو قسم کھائی جاتی ہے، وہ حد قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا کے قائم مقام ہے  
 اور عورت کا قسم کھانا سزا کی سزا کے قائم مقام ہے، نیز یہ شرعی سزائیں جو ”حد“ کہلاتی ہیں، اسلامی حکومت ہی میں قابل نفاذ ہیں؛  
 اسی لئے اگر ہندوستان میں شوہر اس طرح کا دعویٰ کرے اور بیوی کو انکار ہو تو ”لعان“ نہیں کرایا جائے گا؛ کیوں کہ غیر اسلامی  
 حکومت میں ان سزاؤں کا نفاذ نہیں ہو سکتا، دوسرے فقہاء کے نزدیک ”لعان“ کی حیثیت قسم کی ہے اور قسم کھلانے کے لئے  
 اسلامی حکومت کا ہونا ضروری نہیں ہے؛ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں فقہاء کی اکثریت کی جو رائے ہے،  
 اس رائے پر عمل کرنا مناسب ہے کہ ایسے واقعات میں لعان کرایا جائے اور میاں بیوی کے درمیان اس عمل کے ساتھ ہی علاحدی  
 ہو جائے، جیسا کہ مالکیہ اور احناف میں امام زفرؒ کا نقطہ نظر ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۹۳) — لعان سے متعلق احکام کتب فقہ میں  
 تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور اس کے لئے مستقل طور پر ”باب اللعان“ کا عنوان قائم کیا گیا ہے، اہل علم کو چاہئے کہ ان  
 کتابوں سے رُجوع کریں، ایسے واقعات سے یہ خیال پیدا نہ ہونا چاہئے کہ ایسے پاکیزہ اور مبارک دور میں بھی ایسے واقعات پیش  
 آیا کرتے تھے؟ دراصل انسانی معاشرہ میں اچھے اور برے دونوں طرح کے واقعات پیش آتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ایک ایسی  
 شریعت لے کر آئے جو زندگی کے تمام مسائل میں انسانیت کی رہنمائی کرے اور اُمت کے لئے ہر حال میں اُسوہ موجود ہو؛ لہذا جو  
 باتیں رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف نہیں تھیں، وہ آپ ﷺ کو پیش آئیں، اور جن باتوں کو آپ کے ذریعہ کرایا جانا آپ ﷺ کی  
 شان کے خلاف تھا، اللہ کی طرف سے ان کا ارتکاب صحابہ سے کرایا گیا؛ تاکہ اُمت کے لئے ایسے حالات میں بھی اُسوہ مہیا رہے۔

وَلَوْ لَا إِذْ سَبَعْتُمْوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾  
 يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ  
 وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ  
 عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ  
 عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۖ  
 وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۖ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ  
 وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۱﴾

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو کہتے کہ: ”ہمیں اس بات کو زبان پر لانا بھی زیب نہیں دیتا،  
 (اے اللہ!) آپ کی ذات پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے!“ ﴿۱۶﴾ اللہ تم کو نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے مسلمان  
 ہو تو پھر کبھی ایسی حرکت نہیں کرنا ﴿۱۷﴾ اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتے ہیں، اللہ خوب جانتے ہیں  
 اور بڑی حکمت والے ہیں ﴿۱۸﴾ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری کا چرچا ہو، یقیناً ان کے لئے دنیا میں  
 بھی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ﴿۱۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس  
 کی مہربانی نہیں ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بہت شفیق اور مہربان ہیں (تو تم اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں پاتے) ﴿۲۰﴾  
 اے ایمان والو! تم شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، جو شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرتا ہے، وہ بے حیائی کا اور بری  
 باتوں کا حکم دیتا ہے، اگر تم پر اللہ کا کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی بھی (گناہوں سے)  
 پاک صاف نہ ہو پاتا؛ لیکن اللہ جسے چاہتے ہیں پاک صاف کر دیتے ہیں اور اللہ خوب سننے والے اور سب کچھ  
 جاننے والے ہیں۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ سنہ ۶ ہجری میں غزوہ بنو مصطلق پیش آیا، جس کو غزوہ مریح بھی کہتے ہیں، اس غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی  
 رفیق سفر تھیں، مدینہ کے قریب قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا، جب قافلہ کے نکلنے کا اعلان ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضاء حاجت کے لئے  
 جنگل کی طرف بڑھ گئیں، جب واپس آنے لگیں اور اپنے سینہ پر ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے؛ چنانچہ پھر اس کی  
 تلاش کے لئے واپس گئیں، اب ہار تول گیا؛ لیکن واپس ہونے تک قافلہ روانہ ہو چکا تھا، ایک تو رات کا وقت، پھر اس وقت حضرت  
 عائشہ رضی اللہ عنہا کم عمر اور دبلی پتلی تھیں، لوگوں نے سمجھا کہ آپ اپنے ’خودج‘ میں تشریف فرما ہیں، صحابہ نے خودج (کجاوہ) اٹھا کر اونٹنی  
 کی پشت پر رکھ دیا اور انھیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ اُم المؤمنین اس میں موجود نہیں ہیں، بہر حال قافلہ آگے بڑھ گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
 جب واپس آئیں تو چادر اوڑھ کر اس اُمید پر لیٹ گئیں کہ جب حضور ﷺ مجھ کو کجاوہ میں نہیں پائیں گے تو میرے تلاش میں لوگ ←



← یہاں تک پہنچیں گے، معمول یہ تھا کہ قافلہ کے پیچھے ایک شخص کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ وہ پیچھے پیچھے آئے؛ تاکہ فوج کی جوگری پڑی چیز ہو، اسے اٹھالے، اس موقع پر یہ ذمہ داری حضرت صفوان بن معطلؓ سے متعلق تھی، وہ چوں کہ حضرت عائشہؓ کو پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھ چکے تھے؛ اس لئے پہچان گئے اور زور سے 'اَنَا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ' پڑھا، حضرت صفوانؓ بہت بہادر، حضورؐ کے جاں نثار، اور بڑے دین دار صحابہ میں تھے، وہ اونٹنی سے اترے اور وہاں سے ہٹ گئے؛ تاکہ اُم المؤمنین کو سوار ہونے میں کوئی دقت نہ ہو؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ اونٹنی پر سوار ہو گئیں اور حضرت صفوانؓ اونٹ کی ٹکیل پکڑے پیدل چلنے لگے، یہاں تک کہ دوپہر کے قریب قافلہ سے آٹے، حضرت عائشہؓ جیسی پاکباز خاتون، حضرت صفوانؓ جیسے پارہ صحابی، پھر حضرت عائشہؓ کو لانے میں ان کی احتیاط اور چھپ چھپا کر آنے کے بجائے عین دوپہر کے وقت بلا تامل قافلہ سے آملنا، یہ ساری باتیں وہ ہیں، جو دور دور تک پیدا ہونے والے شک و شبہ کی جڑ کاٹ دیتی ہیں؛ لیکن جب آدمی کے دل میں عناد، عداوت اور حسد ہو تو اس کو دن کی روشنی بھی رات کی تاریکی محسوس ہونے لگتی ہے؛ اس لئے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس پر بدگوئی کرنی شروع کر دی، اور ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی چالباز شخص رنگ آمیزی کر کے جھوٹ بولتا ہے تو بہت سے سچے اور اچھے بھولے بھالے لوگ بھی اس کے جال میں آ جاتے ہیں؛ چنانچہ تین مخلص مسلمان حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمزہ بنت جحش نے بھی اس بیہودہ الزام کا یقین کر لیا، حضرت عائشہؓ، ان کے والدین اور خود رسول اللہؐ کو اس بات سے جو صدمہ پہنچا وہ تو پہنچا ہی؛ لیکن منافقین کی طرف سے اس واقعہ کی گونج اور اس کے چرچے نے عام طور پر مسلمانوں کو بے چین کر دیا، آخر تقریباً ایک ماہ کے بعد قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں حضرت عائشہؓ کی براءت اور پاک دامنی کو قیامت تک کے لئے ایک آسمانی ریکارڈ کے طور پر محفوظ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے تہمت لگائی تھی، ان پر تہمت کی حد جاری کی گئی، حدیث و سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے خود حضرت عائشہؓ اور ان کی والدہ ماجدہ کی روایت سے اس واقعہ کا ذکر آیا ہے (بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الإفک، حدیث نمبر: ۳۹۱۰) — ان آیات میں متعدد باتیں قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ بہت سی دفعہ کوئی تکلیف دہ بات پیش آتی ہے؛ لیکن اس میں بھلائی کا پہلو چھپا ہوتا ہے، اُم المؤمنین پر تہمت لگائے جانے سے بڑھ کر تکلیف دہ واقعہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتری کا پہلو پیدا فرما دیا کہ جھوٹی تہمت لگانے والوں کے لئے سخت سزا مقرر کر دی؛ تاکہ آئندہ کوئی جھوٹا شخص دوسرے کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کرے، دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے اس میں بڑھ کر حصہ لیا "الذی تولى کبره منهم" سے مراد عبداللہ بن ابی ہے، جس نے الزام تراشی کی یہ آگ سلگائی اور اس کے شعلے بھڑکائے، تیسرے: یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کے بارے میں بنیادی طور پر پاکدامنی و پاکبازی کا تصور رکھنا چاہئے؛ لہذا اگر کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات کہی جائے تو دوسرے مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اسے بے بنیاد اور جھوٹ قرار دے، سوائے اس کے کہ اس پر کوئی ثبوت شرعی فراہم ہو جائے، چوتھے: کوئی کتنا ہی اچھا آدمی کسی مسلمان مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے، جب تک وہ ثبوت شرعی فراہم نہ کرے، اسے اس معاملہ میں جھوٹا ہی تصور کیا جائے گا، پانچویں: کسی سے متعلق اگر ایسے الزام کے صحیح ہونے کا دل میں خیال بھی پیدا ہو تو اسے زبان پر نہیں لانا چاہئے، چھٹے: جو لوگ اسلام کے دشمن اور شیطان کے پیروکار ہیں، ان کا ایک بنیادی اور مشترک مزاج یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ مسلم سماج میں بے حیائی پھیلے اور اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں برائی کا خوب چرچا کیا جائے، کہ اس سے بھی برائی پھیلتی ہے۔

وَلَا يَأْكُلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلْيَعْفُوا ۖ وَلْيَصْفَحُوا ۚ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۵﴾

اور تم میں سے اہل خیر اور خوش حال لوگوں کو قسم نہ کھالینی چاہئے کہ وہ رشتہ داروں، ضرورت مندوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی مدد نہیں) دیں گے، اور معافی اور درگزر سے کام لینا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دیں؟ اللہ بہت معاف کرنے والے ہیں اور نہایت مہربان ہیں ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ جو لوگ پاکدامن، بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، یقیناً ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ اس الزام تراشی میں جو بھولے بھالے مسلمان شامل ہو گئے — جیسا کہ ذکر ہوا — ان میں ایک مسطح بن اثاثہ بھی ہیں، یہ حضرت ابوبکر ؓ کے ماموں زاد بہن کے لڑکے تھے اور معاشی اعتبار سے بڑے تنگدست تھے، حضرت ابوبکر ؓ ان کے فقر اور محتاجی کی وجہ سے ان کی خصوصی مدد کیا کرتے تھے، جب حضرت عائشہ ؓ کے واقعہ میں وہ شریک ہو گئے تو فطری طور پر حضرت ابوبکر ؓ کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کی مدد نہیں کریں گے، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ نے جن کو گنجائش عطا کی ہے، ان کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے اور پھر کیا ہی خوبصورت انداز پر فرمایا گیا کہ تم انھیں معاف کر دو، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ اللہ تم کو معاف کر دیں، حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف فرمادیں، نیز حضرت مسطح ؓ کی دوبارہ مدد کرنے لگے اور فرمایا کہ میں کبھی اس مدد کو نہیں روکوں گا، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ النور، حدیث نمبر: ۴۷۷۷) — اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان سے سخت سے سخت گناہ بھی ہو جائے تو اس کی پچھلی نیکیاں ختم نہیں ہو جاتیں؛ کیوں کہ حضرت مسطح ؓ کی ہجرت جیسی نیکی کا ذکر اس آیت میں بھی موجود ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی شان میں دوسرے مسلمان بھائی سے کتنی بھی بڑی سے بڑی غلطی ہو جائے، عفو و درگزر کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا کہ انسان اللہ کے بندے کے ساتھ جو سلوک روا رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ وہی سلوک اس کے ساتھ فرماتے ہیں؛ کیوں کہ اللہ کی رحمت انسان کے جذبہ رحم سے کہیں بڑھ کر ہے، حضرت ابوبکر ؓ کے عمل میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ اگر کسی اچھے کام کے نہ کرنے کی قسم کھالی جائے تو قسم کو جاری رکھنا مطلوب نہیں؛ بلکہ اس قسم کو توڑ دینا چاہئے اور اس نیکی کو انجام دینا چاہئے؛ البتہ اس صورت میں اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا — علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایسے گنہگاروں کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا ہے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کے حق میں عفو و درگزر کا حکم دیا ہے، جو نبی کی بیوی پر تہمت لگانے میں شامل ہو گئے تھے؛ اس لئے یہ آیت گنہگار اور عصیاں شعار لوگوں کے لئے اُمید کی روشنی ہے کہ وہ بھی اس رحیم و کریم کی بارگاہ میں لطف و کرم سے محروم نہیں رہیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰۸/۱۲)

﴿۲﴾ دنیا میں لعنت کا مطلب یہ ہے کہ وہ گواہی کے لئے معتبر باقی نہیں رہیں گے اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان تعریف و ستائش کے درجہ سے گر جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۱۰/۱۲)

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۲۵﴾ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۲۶﴾

جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، ﴿۲۴﴾ اس دن اللہ ان کو پوری پوری سزا دیں گے، جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والے اور (سچائی کو) کھولنے والے ہیں ﴿۲۵﴾ گندی عورتیں ہی گندے مردوں کے لائق ہیں اور گندے مرد ہی گندی عورتوں کے قابل ہیں اور پاکدامن مردوں کے شایانِ شان پاکدامن عورتیں اور پاکدامن عورتوں کے شایانِ شان پاکدامن مرد ہیں، یہ (تہمت لگانے والے) جو کچھ کہتے پھرتے ہیں، وہ لوگ اس سے پاک ہیں، ان کے لئے بخشش اور عزت والی روزی ہے۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ یعنی دنیا کی عدالت میں تو باہر سے گواہوں کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی تو خود انسان کے ہاتھ پاؤں گواہی دینے لگیں گے، جس خدا نے گوشت و پوست کی زبان کو بولنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اگر وہ اسی گوشت سے بنے ہوئے دوسرے اعضاء کو بھی بولنے کی طاقت دے دیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

﴿۲﴾ غرض کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انعام بھی ادھورا ہوتا ہے اور سزا بھی ادھوری ہوتی ہے، آخرت میں جو لوگ جنت میں جائیں گے، ان کو انعام بھی پورا پورا ملے گا، نہ نعمت ختم ہوگی نہ نعمت سے فائدہ اٹھانے والے فنا ہوں گے، اسی طرح جو لوگ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، ان کی تکلیفیں بھی بے پناہ ہوں گی، اور ان کو موت بھی نہ آئے گی کہ وہ ان تکلیفوں سے نجات پاسکیں، اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ اگر کسی پر حد (شرعی سزا) جاری ہو جائے؛ لیکن وہ توبہ و استغفار نہ کرے تو آخرت کی سزا معاف نہیں ہوگی، یہی فقہاء حنفیہ کی رائے ہے۔ (ردالمحتار: ۴/۲۶، کتاب الحدود)

﴿۳﴾ یعنی پیغمبر کی ذات سب سے زیادہ پاکباز ہوتی ہے؛ اس لئے اللہ کی طرف سے ان کے لئے ایسی ہی بیوی کا انتخاب کیا جاتا ہے، جو انتہائی پاکدامن ہو، پس یہ بات کیسے سوچی جاسکتی ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی بیوی کا انتخاب فرمایا ہو، جو عفت و عصمت کی حامل نہ ہو؟ — اس آیت میں انسان کے مزاج و مذاق کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ خود بدکردار ہوتے ہیں، وہی جانتے بوجھتے اپنے لئے بدکردار جوڑے کا انتخاب کر سکتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پاکدامن مرد کا نکاح اگر ایسی عورت سے ہو جائے جو پاکدامن نہ ہو، یا پاکدامن عورت کا نکاح ایسے مرد سے ہو جائے جس کو عفت و عصمت کا خیال نہ ہو تو نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ اخلاقی تعلیم ہے، کہ رشتہ کے انتخاب میں جو چیز سب سے زیادہ پیش نظر رکھنے کے لائق ہے، وہ انسان کی پاکبازی اور پاکدامنی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ۚ  
ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى  
يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾  
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا  
تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٦﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو، جب تک اجازت نہ لے لو  
اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اُمید کہ تم خیال رکھو گے، ﴿۲۴﴾ اگر تم گھر میں کسی کو نہ پاؤ، تب  
بھی اس میں داخل نہ ہو، جب تک کہ تم کو اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو لوٹ جایا  
کرو، یہی تمہارے لئے پاکیزہ طریقہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں ﴿۲۵﴾ (ہاں) تم  
پر کوئی حرج نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو، جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور اس میں تمہاری کوئی چیز ہو، اللہ کو وہ بھی  
معلوم ہے، جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور وہ بھی معلوم ہے، جس کو تم چھپاتے ہو۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ ان آیات میں پانچ باتوں کا حکم دیا گیا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہوں تو ضروری ہے کہ پہلے  
اس سے اجازت حاصل کی جائے، اگر آدمی اپنے ہی گھر میں داخل ہو رہا ہو جس میں اس کی بیوی مقیم ہو تو اس میں اجازت لینا واجب  
نہیں؛ لیکن اس صورت میں بھی بہتر یہی ہے کہ بیوی کو کھانس کر یا کسی اور طریقہ سے مطلع کر دے؛ تاکہ وہ اپنے آپ کو ایسی حالت  
میں رکھے، جو اس کے شوہر کو پسند ہو، پھر اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کے گھر میں جھانکنے نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی کے  
گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے تو اس کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دے، (مسلم، عن ابی ہریرہؓ،  
کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ، حدیث نمبر: ۲۱۵۸) اسی لئے اگر دروازہ کھلا ہوا ہو تو دروازہ کی ایک جانب اس طرح کھڑا ہونا  
چاہئے کہ اندر کے لوگ نظر نہیں آئیں، ہاں اگر دروازہ بند ہو تو سامنے کھڑے ہونے میں بھی حرج نہیں ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب  
کسی کے گھر جاتے تو دروازہ کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے، دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے تھے: ”إِذَا أَتَى بَابَ قَوْمٍ لَمْ  
يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ الْخَفِ“ (ابوداؤد، عن عبد اللہ بن عمر، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۱۸۸) اجازت لینے کا یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے  
اور عورتوں کے لئے بھی، بڑوں کے لئے بھی ہے اور بچوں کے لئے بھی (تفسیر قرطبی: ۲۲۰/۱۲) اجازت لینے میں اپنا نام بھی بتانا  
چاہئے، ایسا نہ ہو کہ پوچھا جائے: کون صاحب ہیں؟ تو کہہ دیا جائے: میں ہوں؛ بلکہ اس طرح اپنا نام لیا جائے کہ گھر والے آنے والے  
کو پہچان سکیں، حضرت جابر بن عبد اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حاضری کی اجازت چاہی، آپ نے  
دریافت کیا: کون؟ میں نے عرض کیا: میں، تو آپ اس پر ناراض ہوئے: ”فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَنَا كَأَنَّهُ كَرِهَ  
ذَلِكَ“ (بخاری، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر: ۵۸۹۶، مسلم، کتاب الادب، باب کراهية قول المستأذن، أنا إذا قيل من هذا، حدیث نمبر: ۲۱۵۵، عن جابر بن  
عبد اللہ) اجازت لینے کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ اپنی آواز صاحب خانہ تک پہنچائی جائے؛ لیکن اگر آواز کا پہنچنا دشوار ہو یا دروازہ بند ←

← ہو تو دروازہ پر دستک دی جاسکتی ہے، ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو انھوں نے یہی طریقہ اختیار فرمایا: ”فدق الباب أبو بکر“ (نسائی فی الکبیر، کتاب المناقب، باب فضائل اُبی بکرؓ، حدیث نمبر: ۸۱۳۱) البتہ دستک بھی اتنی زور سے نہ دی جائے کہ لوگوں کو وحشت اور گھبراہٹ ہونے لگے؛ بلکہ آہستہ آہستہ انگلیوں کے پوروں سے دی جائے؛ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دروازوں کو انگلیوں کے ناخنوں سے دستک دی جاتی تھی: ”تقرع بالأنظافیر“ (الادب المفرد: ۶۰۶/۱، باب قرع الباب) موجودہ دور میں گھروں پر آواز دینے کے لئے بیل لگائی جاتی ہے، تو اس بیل کا بجانا بھی دستک دینے کے درجے میں ہے، اسی طرح بعض جگہ ساؤنڈ بکس لگائے جاتے ہیں، جس کے ذریعہ طرفین کی آواز سنی جاسکتی ہے، یہ بھی آواز دینے کا ایک ذریعہ ہے، اسی طرح بعض لوگوں کے ویزینگ کارڈ چھپے ہوتے ہیں، اگر نام زبان سے بتانے کے بجائے اپنا یہ کارڈ بھیج دیا جائے تو یہ بھی درست بلکہ بہتر ہے؛ کیوں کہ اس سے زیادہ بہتر طور پر یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر دروازہ پر آکر اجازت کی بجائے پہلے سے وقت کی تعیین کے ساتھ فون یا ای میل کے ذریعہ آنے کی اجازت حاصل کر لی جائے تو یہ بھی درست ہے — اگر ایک بار میں اجازت نہ ملے تو دوسری اور تیسری بار اجازت طلب کرنے کی گنجائش ہے، اگر تین بار میں بھی کوئی جواب نہیں آئے تو واپس ہو جانا چاہئے، بار بار آواز دے کر یا بیل بجا کر صاحب خانہ کو پریشان نہیں کرنا چاہئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تین دفعہ اجازت طلب کی جائے اور اجازت نہیں ملے تو واپس ہو جائے: ”إذا استأذن أحدكم ثلاثاً فلم يؤذن له فليد جع“ — (بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسليم والاستئذان ثلاثاً، حدیث نمبر: ۵۸۹۱)

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اجازت لینے کے بعد جب گھر میں داخل ہو تو گھر کے لوگوں کو سلام کرے، یہ اس وقت ہے جب کہ آدمی کا سامنا نہ ہو جائے، اگر کسی کے گھر گئے اور اجازت لینے سے پہلے ہی ملاقات ہو جائے تو پہلے سلام کرے اور سلام کے بعد گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگے، اسی طرح اگر آدمی اپنے گھر میں داخل ہو، جس میں اس کے بال بچے ہوں تو اگر چہ اس کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں؛ لیکن گھر میں داخل ہوتے وقت اس کو سلام کرنا چاہئے۔

تیسرا حکم یہ فرمایا گیا کہ اگر کسی کے گھر پر اجازت لینے کے لئے جاؤ، کوئی جواب نہ ملے اور محسوس ہو کہ گھر میں لوگ نہیں ہیں، یا ذمہ دار حضرات نہیں ہیں تو یہ سمجھ کر کہ گھر خالی ہے، گھر میں داخل نہیں ہونا چاہئے، پہلے زمانہ میں چوں کہ چوری وغیرہ کے واقعات کم ہوتے تھے، بہت سے گھروں میں دروازے نہیں ہوتے تھے اور کہیں کچھ وقت کے لئے جانا ہوتا تھا تو یونہی گھر کھلا چھوڑ کر چلے جاتے تھے، اب بھی بعض قبائل میں ایسا رواج ہے، تو ایسے مکانات میں بھی بلا اجازت داخل نہیں ہونا چاہئے۔

چوتھا حکم یہ دیا گیا کہ اگر گھر والوں نے ملاقات سے معذرت کر دی تو واپس ہو جانا چاہئے اور کوئی ناگواری نہ ہونی چاہئے، اس لئے کہ ہر آدمی کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں، یا ایسی مصلحتیں ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے انسان کسی دوسرے شخص کے گھر میں آنے کو پسند نہیں کرتا؛ البتہ یہ بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ اگر کوئی شخص ملاقات کے لئے آپ کے گھر آئے تو بلا وجہ اسے واپس نہیں کیا جائے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تم سے ملاقات کے لئے آئیں، ان کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری، باب حق الضیف، حدیث نمبر: ۶۱۳۴)

پانچواں حکم یہ دیا گیا کہ بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں کسی خاص شخص کی رہائش نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ عوامی مقامات ہوتے ہیں، جیسے: ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ، مسافر خانہ وغیرہ، وہاں عوامی ضرورت کی چیزیں بھی ہوتی ہیں، جیسے: بیٹھنے کے لئے بیچ، پینے کے لئے پانی، بیت الخلاء وغیرہ، ان مقامات میں داخل ہونے کے لئے کسی خاص شخص کی اجازت ضروری نہیں؛ البتہ اگر اس کے لئے کوئی ضابطہ ←

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۱۸﴾ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۚ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِهِنَّ أَوْ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ بَنَىٰ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّبِيعِينَ غَيْرِ أُولَى الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَتِ النِّسَاءِ ۚ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا ۖ إِنَّهُ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۹﴾

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے صاف ستھرا طریقہ ہے، وہ جو کچھ کرتے ہیں، یقیناً اللہ کو ان سب کی خبر ہے، ﴿۱۸﴾ اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش و آرائش کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو کھلا رہتا ہے، اور اپنے گریبانوں پر دوپٹے ڈال لیا کریں، ہاں اپنے شوہر، والد، خسر، بیٹے، شوہر کے بیٹے، بھائیوں، بھتیجیوں، بھانجوں، اپنی عورتوں، باندیوں، شہوت نہ رکھنے والے مرد خدام، یا عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ناواقف بچوں کے سامنے اپنی زیب و زینت ظاہر کر سکتی ہیں، نیز (زمین پر) اس طرح زور سے پاؤں نہ ماریں کہ ان کا پوشیدہ بناؤ سنگار ظاہر ہو جائے اور اے ایمان والو! سب مل کر اللہ کے سامنے توبہ کرو؛ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ ﴿۱۹﴾

← بنا ہوا ہو تو اس کی رعایت ضروری ہے، ریلوے اسٹیشن پر داخل ہونے کے لئے پلیٹ فارم ٹکٹ، یا لائبریری میں جانے کے لئے خصوصی اجازت نامہ یا قابل تحفظ مقامات میں داخل ہونے کے لئے خصوصی پاس وغیرہ حاصل کر کے ہی اندر داخل ہونا چاہئے۔ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اسی کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر ٹیلیفون پر طویل بات کرنی ہو تو پہلے اس کی اجازت لے لینی چاہئے اور سہولت کا وقت دریافت کر لینا چاہئے، ایسے وقت میں فون نہ کرنا چاہئے، جو عام طور پر مشغولیت اور آرام کا ہوتا ہے، (معارف القرآن ۳۹۴: ۶) اسی طرح اگر کسی کو فون کیا جائے، تین بار فون کی گھنٹی بجے اور فون نہ اٹھے تو بار بار فون لگانے سے گریز کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اس سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے۔

البتہ یہ تمام احکام عام حالات کے لئے ہیں، غیر معمولی اور ایمر جنسی صورت حال کا حکم اس سے مختلف ہے، جیسے کہیں آگ لگ جائے، گھر گر جائے، کوئی خطرہ درپیش ہو، کسی قریبی شخص کی موت یا غیر معمولی بیماری کی اطلاع دینی ہو تو ایسی صورتوں میں بعض دفعہ بلا اجازت گھر میں داخل ہونے اور بعض دفعہ بار بار دستک دینے اور فون کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔ ←

← ﴿ان آیات میں سماجی زندگی سے متعلق کم سے کم آٹھ اہم احکام دیئے گئے ہیں: اول یہ کہ مردوں پر واجب ہے کہ وہ کسی غیر محرم یا اجنبی عورت پر نگاہ ڈالنے سے بچیں؛ کیوں کہ بے حیائی و بے شرمی کے سارے کاموں کی ابتداء نگاہ ہی سے ہوتی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے نظر کو شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر قرار دیا ہے، (مستدرک حاکم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۷۸۷۵) اگر غیر ارادی طور پر نظر پڑ جائے تو یہ پہلی اور اچانک کی نظر تو معاف ہے؛ لیکن اپنی نظر ہٹالے اور نظر جمانے سے گریز کرے، (مسلم، کتاب الآداب، حدیث نمبر: ۲۱۵۹، عن جریر بن عبد اللہ) دوسرے: اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرے، اس میں دونوں باتیں شامل ہیں، ایک یہ کہ مرد بھی اپنے ستر کا خیال رکھیں اور شرمگاہ کو چھپانے کا خاص لحاظ ہو: ”أی یستروها عن أن یراها من لا یحل“ (تفسیر قرطبی: ۲۲۳/۱۲) اور یہ بات بھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طریقہ پر شہوانی تقاضوں کے پورا کرنے کی اجازت دی ہے اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار نہ کریں، زنا، ہم جنسی، یا خود اپنی بیوی کے ساتھ خلاف فطرت فعل، یہ ساری باتیں اس حکم میں داخل ہیں، تیسرے: عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں، اگرچہ عورتوں کے لئے ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ کو چھوڑ کر محرم اور غیر محرم مردوں کو دیکھنا جائز ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عینوں کا کھیل دکھایا تھا، (مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب الرخصة فی اللعب الخ، حدیث نمبر: ۸۹۲) اور اس لئے کہ خواتین عہد نبوی اور اس کے بعد بھی مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے آتی تھیں اور جمعہ وعیدین کے خطبے سنا کرتی تھیں، حج میں شریک ہوتی تھیں، ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں مردوں پر نگاہ پڑے بغیر چارہ نہیں؛ لیکن بہتر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، غیر محرم کو بھی دیکھنے سے بچیں، حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، وہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں، آپ ﷺ نے ان دونوں کو وہاں سے جانے کا حکم دیا، انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو نابینا ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟“ (ابوداؤد، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۱۴) اس سے معلوم ہوا کہ احتیاط بہر حال نگاہ کو بچانے میں ہے، اسی طرح جو حصہ مرد کے ستر میں داخل نہیں ہے، اگر کوئی عورت کسی خاص مرد کے دیکھنے میں فتنہ محسوس کرے تو خود اس کے لئے اس سے بچنا بہتر ہی نہیں؛ بلکہ واجب ہے۔

چوتھے: عورتیں بھی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اس میں زنا بھی شامل ہے، ہم جنسی بھی، خود اپنے شوہر کے ساتھ غیر فطری فعل بھی، اور اس میں خصوصی طور پر صنفی اعضاء کے ستر کا لحاظ رکھنے کی طرف بھی اشارہ ہے، عام طور پر قرآن مجید میں احکام کا مخاطب مردوں کو بنایا جاتا ہے اور عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں؛ لیکن اس مسئلہ میں عورتوں کو بھی خصوصی طور پر مخاطب کیا گیا ہے؛ کیوں کہ عفت و عصمت کا تعلق بنیادی طور پر عورت سے ہے اور اگر عورتیں پاکدامنی کے راستے پر قائم رہیں تو مرد خود بخود اس راستے پر قائم رہیں گے — ان احکام کا تعلق تو فطری حسن کو چھپانے سے تھا؛ لیکن پانچویں نمبر پر: اس زینت و آرائش اور حسن و جمال کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا تعلق انسان کے بناؤ سنگار کی بنائی ہوئی چیزوں سے ہے؛ چنانچہ فرمایا گیا کہ اپنی زیبائش و آرائش کو غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر نہ کریں، اور اسی کے تقاضوں میں سے یہ ہے کہ دوپٹہ اس طرح استعمال کریں کہ وہ سرگردن اور سینہ کو اچھی طرح چھپا دے، زمانہ جاہلیت میں خواتین اس طرح دوپٹہ استعمال کرتی تھیں کہ سر کو چھپاتے ہوئے ←

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَأَمْثَلِكُمْ ۚ إِنَّ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴﴾

اور اپنے میں سے غیر شادی شدہ (خواہ شادی ہی نہ کی ہو، یا کسی اور سبب سے بیوی یا شوہر نہ ہو)، نیز اپنے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں، ان کا نکاح کر دو، اگر وہ تنگ دست ہیں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو مالدار کر دیں گے اور اللہ وسعت والے ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

← اس کو پشت کی طرف ڈال دیتی تھیں، اس طرح گردن، سینہ اور کان کھلا رہ جاتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۳۰) افسوس کہ موجودہ دور کی جدید جاہلیت کا بھی فیشن یہی ہے کہ اوڑھنی ایک گلوبند کی طرح لٹکائی جائے اور سر اور سینہ کھلا رہے، قرآن مجید میں اس کو صراحتاً منع کیا گیا ہے، چھپانے سے صرف اس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا جو خود ہی کھلی رہے: ”مَا ظَهَرَ مِنْهَا“ اس سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کی رائیں مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے نزدیک اس سے اوپر کے کپڑے مراد ہیں، سعید بن جبیر ؓ کے نزدیک کپڑے اور چہرہ، امام ابوحنیفہ ؓ اور بعض اور اہل علم کے نزدیک چہرہ، گٹوں تک دونوں ہاتھ اور کپڑے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۲۸، مدارک التنزیل: ۲/۱۵۹، احکام القرآن للجصاص: ۵/۱۷۲) کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بالغ ہونے کے بعد چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ کوئی اور چیز نظر نہیں آنی چاہئے، یہ بات آپ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمائی، (ابوداؤد، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۰۴، عن عائشہ) البتہ یہ حکم عمومی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا گیا ہے، بعد کے ادوار میں جب دیکھا گیا کہ بے حیائی بڑھ گئی ہے تو خود فقہاء احناف میں بھی بعد کے لوگوں نے جو ان عورتوں کے لئے چہرہ کے چھپانے کو بھی واجب قرار دیا ہے۔ (الدرمخ الرد: ۹/۵۳۲)

چھپے: ان لوگوں کا ذکر کیا گیا، جن سے عورتوں کے لئے پردہ کرنا ضروری نہیں، ان میں ایک تو شوہر ہے اور سات محرم رشتہ دار — باپ، دادا، شوہر کے باپ، دادا، بیٹے، سوتیلے بیٹے، حقیقی بھائی، (جس میں باپ شریک، ماں شریک، اور ماں باپ شریک تینوں شامل ہیں)، بھتیجے اور بھانجے — ہیں، ان کے علاوہ چار لوگوں میں بیویاں، باندیاں، ایسے کم عقل لوگ جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت نہ ہو اور چھوٹے بچے، جن کو صنفی امور کا کوئی شعور نہ ہو، شامل ہیں، اگرچہ یہاں بعض محرم رشتہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے؛ لیکن اس بات پر اتفاق ہے کہ اس میں تمام محرم رشتہ دار یعنی وہ مرد شامل ہیں، جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہو، خواہ یہ حرمت خاندانی رشتہ کی وجہ سے ہو یا سررالی رشتہ کی وجہ سے یا دودھ کے رشتہ کی وجہ سے۔

ساتواں حکم: یہ ہے کہ عورتیں زیورات اس طرح پہن کر نہ چلیں کہ اس کی آواز غیر محرم مردوں تک پہنچے، خواہ زیور ہی میں کوئی ایسی شکل ہو جس سے آواز پیدا ہوتی ہو، یا زمین پر اس طرح پاؤں بٹخ کر چلیں کہ آواز پیدا ہو، جیسا کہ آج کل بھی رقاصائیں اپنے تماشہ بینوں کو لہانے کے لئے کرتی ہیں۔



وَلَيْسْتَ تَعْفُفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ  
الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَآتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ  
الَّذِي آتَاكُمْ ۖ وَلَا تَكْرَهُوا فِتْنَتَكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ ۚ إِنْ أَرَدْتُمْ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَنْ يُكْرِهْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِمْ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۳﴾

اور جن لوگوں کو نکاح کرنے کی گنجائش نہیں ہے، وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو گنجائش عطا فرمادیں، اور تمہارے جو غلام مکاتب بننا چاہتے ہوں تو اگر تم ان میں بہتری پاؤ تو انہیں مکاتب بنادو اور اللہ نے تم کو جو مال عطا فرمایا ہے، اس میں سے ان کو بھی دو، اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو؛ تاکہ دنیوی زندگی کے کچھ اسباب حاصل کر لو (بالخصوص ایسی صورت میں) کہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں، اور جو انہیں مجبور کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی کی وجہ سے (ان کو) معاف فرمادیں گے اور مہربانی فرمائیں گے۔ ﴿۱﴾ ﴿۳۳﴾

﴿۱﴾ ان دو آیتوں میں پانچ باتوں کا حکم فرمایا گیا ہے، ایک یہ کہ جو لوگ غیر شادی شدہ ہوں، چاہے شادی ہوئی ہی نہ ہو، یا ہوئی اور میاں بیوی کے درمیان علاحدگی کی وجہ سے یا شوہر و بیوی میں سے کسی کی موت کے سبب تجرد کی زندگی گزار رہے ہوں تو ان کی شادی کر دی جائے اور کوشش کی جائے کہ وہ تجرد اور تنہائی کی زندگی نہ گزاریں، دوسرے: غلاموں اور باندیوں میں سے جو شادی کے لائق ہوں، ان کی شادی کر دی جائے؛ کیوں کہ عام طور پر بے نکاحی زندگی انسان کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے اور نکاح کے حصار میں آنے کے بعد انسان کا پاکیزہ زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تجرد کی زندگی کو پسند نہیں فرمایا، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۶۳۴) اور نکاح کرنے کی آپ ﷺ نے ترغیب دی، (بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۸۰۶) اور اس کو اپنی سنت قرار دیا، (ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۴۶) یہاں تک کہ اگر کوئی شخص نکاح کرنے پر قادر ہو اور بیوی کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو عام حالات میں تو اس کے لئے نکاح کرنا مستحب ہے (رد المحتار: ۵۶/۴)؛ لیکن اگر گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو نکاح کر لینا فرض ہے، (بدائع الصنائع: ۴۸۲/۲) یہی حکم غلاموں اور باندیوں کی نسبت سے اس کے مالکوں کے لئے ہے؛ کیوں کہ وہی ان کا نکاح کرانے کے ذمہ دار ہیں، تیسرا حکم یہ ہے کہ جو لوگ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو ان کو ضروری وسائل کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور اگر انھوں نے کوشش کی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد ہوگی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تین لوگوں کی مدد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، ایک: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا، دوسرے: وہ شخص جو اپنے آپ کو پاکدامن رکھنے کے لئے نکاح کرنا چاہے، تیسرے: وہ غلام جس کی آزادی کے لئے کوئی عوض متعین کیا گیا ہے اور وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہونا چاہتا ہے، (نسائی، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۳۱۲، عن ابی ہریرۃؓ) نکاح کی طاقت سے مراد یہ ہے کہ زندگی گزارنے کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں، جیسے بیوی کے لئے خوراک و پوشاک اور رہائش کا انتظام، وہ مہیا ہو جائیں، نہ یہ کہ آدمی اعلیٰ ترین معیار کی ہوس میں شادی میں تاخیر کرتا جائے جیسا کہ موجودہ صورت حال ہے، اگر نکاح کی طاقت نہ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ نکاح کرنے کی صورت میں بیوی کا حق ادا نہیں کر سکے گا تو پھر اس کے لئے نکاح کرنا مکروہ ہے، (مجمع الانہر: ۳۱۶/۱) ←

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے تم پر واضح احکام، ان لوگوں کے واقعات جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں اُتار دی ہیں۔ ﴿۳۴﴾

← اور ایسے شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک نکاح کی ضروریات حاصل نہ کر لے، اپنے آپ کو قابو میں رکھے، جس کی ایک تدبیر روزہ رکھنا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو نکاح نہیں کر سکتا ہو، وہ روزہ رکھے، یہ اس کے لئے انشاء اللہ ڈھال ثابت ہوگا، یعنی گناہ سے بچنے میں اس کے لئے مدد و معاون ہوگا۔ (بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۸۰۶)

چوتھا حکم غلاموں سے متعلق ہے، غلام کی ایک خاص صورت وہ تھی، جسے مُکَاتَبُ کہا جاتا تھا، یعنی مالک اس سے کہتا تھا کہ تم اتنی رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤ، تو حکم دیا گیا کہ چوں کہ انسان کو غلامی سے آزاد کرنا ایک محبوب عمل ہے اور اصل یہی ہے کہ ہر انسان آزاد ہو؛ لہذا اگر کوئی غلام مکاتب بننا چاہے تو اس کو مُکَاتَبُ بنا دو، اور نہ صرف اس کو مکاتب بناؤ؛ بلکہ اُس کی اس رقم کے ادا کرنے میں مدد بھی کرو؛ چنانچہ حضرت حویط کے غلام صبح نام کے تھے، انھوں نے سودینار آزادی کا معاوضہ مقرر کیا تھا اور اس میں سے بیس دینار اس کو ہبہ کر دیا تھا، اسی دینار ادا کر کے وہ آزاد ہو گئے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۴۴) غلام کے مالک کو تو یہ حکم ہے ہی کہ وہ اپنے مقرر کئے ہوئے معاوضہ کی کچھ رقم معاف کر دے؛ لیکن دوسرے لوگوں کے لئے بھی مکاتب کی مدد کرنے میں بڑا اجر و ثواب ہے، خود اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے حضرت بریرہ ؓ کی اسی طریقہ پر مدد فرمائی (بخاری، کتاب العتق، باب ما يجوز من شروط المكاتب الخ، حدیث نمبر: ۲۴۲۲) — اس حکم کا مقصد اصل میں یہی ہے کہ عام طور پر غلاموں اور باندیوں کے نکاح میں تاخیر کی جاتی تھی؛ کیوں کہ شادی شدہ غلام اور باندی کی قیمت کم آتی تھی، خود غلام اور باندی بھی نکاح کرنا نہیں چاہتے تھے؛ کیوں کہ ان کے بچے پیدائشی طور پر غلام ہوا کرتے تھے؛ اس لئے انھیں آزاد کرنے کا حکم دیا گیا؛ تاکہ ان کی شادی میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور وہ ایک پاکیزہ سماج کا حصہ بن سکیں۔

پانچویں ہدایت یہ ہے کہ تھوڑے سے اسباب دنیا کے لئے باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہیں کیا جائے، اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی کی دو باندیاں تھیں، ایک باندی کا نام مُعَاذَہ یا اُمیمہ تھا اور دوسری کا مُسَکِنَہ، وہ ان دونوں کو زنا پر مجبور کرتا تھا؛ تاکہ پیسے حاصل ہوں اور وہ حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے بھی حاصل ہو جائیں اور وہ اس کے لئے باندیوں کو مار پیٹ بھی کرتا تھا، ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۵۴) غرض کہ یہ آیت اس واقعہ کے پس منظر میں ہے، ورنہ تو باندیاں پاکدامن رہنا چاہیں یا نہیں، ہر صورت میں ان کو برائی پر مجبور کرنا حرام ہے اور ان کو اس سے روکنا واجب ہے، آیت کے اخیر میں اس بات کا بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ اگر کوئی مرد یا عورت زنا سے بچنا چاہتا ہے؛ لیکن اس کو اس طرح مجبور کر دیا گیا کہ اگر وہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا تو اس کی جان خطرے میں پڑ جاتی تو اگرچہ اس حالت میں بھی اس کو اپنی عفت و عصمت کو بچانا چاہئے؛ لیکن اگر وہ مجبوری میں اس کا ارتکاب کر رہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیں گے۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مِثْلُ نُّورٍ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۚ  
الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ ۚ  
يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُورٌ عَلَى نُورٍ ۚ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۚ  
وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۴﴾

اللہ آسمانوں کا اور زمینوں کا نور ہیں، اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے، جس میں ایک چراغ ہے، چراغ شیشے میں ہے، شیشہ ایسا کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ، جوزیتون کے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے، نہ اس کا رخ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف، اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تو لگتا ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشنی دینے لگے گا، نور ہی نور، اللہ جسے چاہتے ہیں، نور کی طرف پہنچا دیتے ہیں اور اللہ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے مختلف مثالیں بیان فرماتے ہیں، اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ عربی زبان میں ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی چیز میں مبالغہ اور اس کی زیادتی کو ظاہر کرنے کے لئے اسم فاعل (Subject) کے بجائے مصدر (Infinitive) کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید کو فرمایا گیا: ”هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ“ (البقرہ: ۲) جس کے لغوی معنی ہیں: تقویٰ والوں کے لئے ہدایت؛ لیکن مراد یہ ہے کہ قرآن مجید تقویٰ والوں کو ہدایت دینے والا ہے، اسی طرح نور (روشنی) ایسی چیز ہے جس کو دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے، خواہ وہ کتنا بھی وسیع ہو، مگر ہر حال وہ محدود ہوتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے، نہ اس کی ذات کو محسوس کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی ذات محدود ہے؛ اس لئے یہاں روشنی سے مراد ہدایت کی روشنی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نور ہونے کا مطلب آسمان وزمین کے تمام لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہادی ہونا ہے، یہی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے: ”يَقُولُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ هَادِي أَهْلِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۵۷) حضرت انس ؓ سے بھی یہی تفسیر نقل کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت کی جو مثال دی گئی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ہدایت نہایت واضح ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو؛ چوں کہ طاق کے ایک طرف سے بند ہونے کی وجہ سے اس کا شعلہ سمٹ جاتا ہے اور روشنی بڑھ جاتی ہے اور پھر چراغ بھی یونہی رکھا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ شیشے کے اندر ہے، شیشے میں ہونے کی وجہ سے روشنی میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے، پھر چراغ کو زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہے، اس تیل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دھواں کم ہوتا ہے اور روشنی زیادہ، زیتون کا درخت بھی ایسا صبح سے شام تک دھوپ میں رہتا ہو، نہ پورب کی طرف کوئی ایسی رکاوٹ ہو، جو دھوپ کو آنے سے روک دے اور نہ پچھم کی طرف، نتیجہ یہ ہے کہ اپنی لطافت کی وجہ سے تیل سلگنے کے لئے تیار ہے، ایسا کہ جیسے آگ کو نہ چھوئے تب بھی سلگ اٹھے، روشنی بڑھانے والی ان مختلف چیزوں کے مل جانے کی وجہ سے روشنیاں اس طرح جمع ہو گئی ہیں کہ گویا ایک روشنی پر دوسری روشنی ہے، حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی روشنی اس قدر واضح ہے کہ کسی کو ذرا بھی ہدایت کی طلب ہو تو وہ ہدایت سے محروم نہ رہ پائے۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۖ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۚ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۸﴾

ان گھروں میں جن کا ادب کرنے کا اور جن میں اپنا نام لینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کو یاد کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتی، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی: ﴿۱۸﴾ تاکہ اللہ ان کو ان کے عمل کا بہترین بدلہ دیں اور اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ عطا فرمائیں، اور اللہ جسے چاہتے ہیں، بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ اوپر اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کا ذکر فرمایا گیا، اب ان لوگوں کی صفت بیان فرمائی جا رہی ہے، جنہوں نے ہدایت کی روشنی کو پایا ہے، ان کی بنیادی صفات یہ ہیں کہ وہ مسجدوں میں صبح وشام نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں، یہاں مسجدوں کا لفظ کہنے کے بجائے فرمایا گیا، ان گھروں میں جن کا ادب کرنے کا اور ان میں اللہ کا نام لینے کا حکم دیا گیا ہے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی تفسیر کے مطابق اس سے مسجدیں ہی مراد ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۶۵) حضرت انس بن مالک ؓ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں کو اللہ کا گھر قرار دیا: ”فَإِنَّهَا أَفْنِيَّةُ اللَّهِ ابْنِيَّتُهُ“ (تذریۃ الشریعہ: ۱۱۴/۲) — ’رفعت‘ کے اصل معنی بلندی کے ہیں، کسی چیز کو بلند کرنا کبھی معنوی اعتبار سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا ادب و احترام کیا جائے، اسی لحاظ سے آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے، اور مسجد کے ادب و احترام کے واجب ہونے پر پوری اُمت کا اتفاق ہے، رسول اللہ ﷺ کو اس کا اتنا لحاظ تھا کہ آپ ﷺ نے کچی لہسن، پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا: ”مَا أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَأْتِيَنَّ الْمَسَاجِدَ“ (ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الثوم، حدیث نمبر: ۳۸۲۵) اور اسی لئے مشہور مفسر علامہ قرطبی ؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے کام کی نوعیت کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے بدبو آتی ہو تو اس کو بھی مسجد میں آنے سے روکا جانا چاہئے، (قرطبی: ۱۲/۳۶۷) — اور رفعت و بلندی ظاہری اعتبار سے بھی ہوتی ہے، کہ مسجد کی خوبصورت اور بلند و بالا عمارت بنائی جائے، اس معنی کی بھی گنجائش ہے اور اس کی بھی بڑی فضیلت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے مال میں سے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے: ”مَنْ بَنَى مَسْجِدًا مِنْ مَالِهِ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ“ (بخاری، ابواب المساجد، باب من بنى مسجداً، حدیث نمبر: ۴۳۹) اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی کی عمارت بہت سادہ تھی اور حضرت عمر ؓ کے دور میں جب مسجد کی توسیع ہوئی تب بھی اس کی سادگی کو برقرار رکھا گیا؛ لیکن حضرت عثمان غنی ؓ نے اس کی پختہ اور خوبصورت تعمیر فرمائی، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ جب مدینہ کے گورنر تھے تو اس کی تعمیر و تزئین پر بہت توجہ دی اور منقش پتھر استعمال کئے، —

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا ۖ وَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۸﴾

اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کے اعمال چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہیں کہ جس کو پیسا پانی خیال کرتا ہے؛ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جاتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا اور اس نے وہاں (پانی کی بجائے) اللہ کو پایا، پھر اللہ نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اور اللہ جلد حساب لینے والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾

← فقہاء میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مساجد کو سونے کے پانی سے منقش کیا جاسکتا ہے، اللہ کے نبی حضرت سلیمان رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے بیت المقدس کی مسجد کو خوب آراستہ فرمایا تھا، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۶۷) دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اعمال پر توجہ دینے کی بجائے مسجد کی آرائش میں مبالغہ اور اس کو فخر و مباہات کا ذریعہ بنانے کو ناپسند بھی فرمایا ہے؛ لہذا مختلف احادیث کو سامنے رکھ کر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں تعمیر اور عمارت کو آراستہ کرنے کا جو رواج پایا جاتا ہے، اس کا لحاظ رکھنے میں کچھ حرج نہیں؛ لیکن ایسا نہ ہونا چاہئے کہ مسجد کے اصل مقصد کی طرف سے توجہ ہٹ جائے، صرف ظاہری زینت و آرائش کو مقصد بنالیا جائے، یہ بھی بہتر نہیں کہ عمارت کی تزئین و آرائشی پر بہت زیادہ خرچ کیا جائے اور یہ بھی درست نہیں کہ اس کو ایک دوسرے کے مقابلہ تفاخر اور بڑائی کے اظہار کا ذریعہ بنالیا جائے۔

صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں؛ کیوں کہ محاورہ یہی ہے کہ کسی چیز کی کثرت اور بیشگی کو بتانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ صبح و شام یہی کرتا رہتا ہے، یہاں مسجد سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ”رجال“ کا لفظ فرمایا گیا ہے، جس کا ترجمہ ”لوگ“ سے کیا گیا ہے، مگر اس کے اصل معنی ”مرد“ کے ہیں، اس سے علماء نے یہ بات اخذ کی ہے کہ مسجدیں اصل میں مردوں کے عبادت کرنے کی جگہ ہیں نہ کہ عورتوں کے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۷۹) کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت کا گھر بلکہ اس کے کسی گوشے میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے: ”صلاة المرأة في بيتها افضل“۔ (ابوداؤد، کتاب الصلاة، باب التثديد في ذلك، حدیث نمبر: ۵۷۰)

ہدایت پانے والوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی کہ تجارت اور خرید و فروخت ایسے کام ہیں، جو عام طور پر انسان کو دوسرے کاموں سے غافل کر دیتے ہیں؛ لیکن ان کو تجارت اور خرید و فروخت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی، یعنی وہ کیسی بھی کاروباری مشغولیت میں ہوں، جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو سب کچھ چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ ایمان کا کمال یہی ہے کہ انسان دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کے باوجود اللہ کو بھول نہ جائے — تیسری اور چوتھی صفت نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی بتائی گئی، اور پانچویں صفت یہ ہے کہ ان میں آخرت کا خوف پایا جاتا ہے، پھر یہ خوشخبری دی گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے عمل کا بدلہ تو دیں گے ہی؛ لیکن اس کے علاوہ اللہ اپنے فضل و کرم سے ان کے استحقاق سے کہیں بڑھ کر مزید اجر بھی عنایت فرمائیں گے۔

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَتْ بَعْضُهَا  
فَوْقَ بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدِ يَرَهَا ۖ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ  
نُّورٍ ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَفَّتْ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ  
صَلٰتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۸﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ  
الْمَصِيرُ ﴿۱۹﴾

یا جیسے گہرے سمندر کے اندھیرے کو ایک لہر نے ڈھاپ رکھا ہے، اس کے اوپر بھی ایک اور موج ہے اور اس کے  
اوپر بادل ہے، (یعنی تہہ بہ تہہ) ایک کے اوپر ایک اندھیرے ہیں، اگر اپنا ہاتھ نکالے تو نظر نہ آئے اور جس کو اللہ  
نے روشنی سے نہ نوازا ہو اس کے لئے کوئی روشنی نہیں، ﴿۱۸﴾ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں  
اور پر پھیلانے اڑتے ہوئے پرندے سب اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں، ہر ایک کو اپنی بندگی کا طریقہ  
اور اپنی تسبیح معلوم ہے، اور یہ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ اس سے واقف ہیں ﴿۱۹﴾ تمام آسمان و زمین میں اللہ ہی کی  
حکومت ہے اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) واپس آنا ہے۔ ﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ یہاں دو مثالیں دی گئی ہیں اور یہ ایمان سے محروم دو طرح کے لوگوں کے لئے ہیں، ایک تو وہ ہیں، جو آخرت کے قائل  
ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے چمکتی ہوئی ریت کی طرف انسان پانی سمجھ کر دوڑتا ہوا آئے اور جب پہنچے تو کچھ نہ ہو، کہ وہ  
ظاہری طور پر بہتر عمل کو آخرت کے لئے فائدہ مند سمجھ رہا تھا؛ لیکن اللہ پر ایمان سے محروم رہنے کی وجہ سے اس کو کوئی فائدہ نہ ہوا،  
دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو آخرت ہی کے قائل نہیں ہیں، وہ تو ایسی تاریکی میں ہیں، جن کے لئے اُمید کی کوئی کرن ہی نہیں،  
(خلاصہ از: بیان القرآن ۲/۲۴) اخیر میں یہ بات واضح فرمادی گئی کہ انسان کتنا بھی صاحب عقل اور صاحب علم ہو اور سائنس و ٹکنالوجی  
میں کتنا بھی ترقی کر جائے، جب تک اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت اسے حاصل نہ ہو جائے، وہ ہدایت سے محروم ہی رہے گا۔

﴿۲﴾ تسبیح و نماز کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سر جھکا دینا اور ان کو بجالانا ہے، کائنات میں جتنی چیزیں پھیلی ہوئی ہیں،  
وہ سبھی ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام کی پابند ہیں، سورج ہو یا چاند، یا دوسرے سیارے، سمندر ہو یا زمین اور پہاڑ، چرند ہو  
یا پرند، یہ سب مسلسل اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے قانون فطرت کے ذریعہ ان کو حکم دیا ہے، اس طرح اگرچہ ان  
کے پاس زبانیں نہیں ہیں، جو الفاظ میں اللہ کی پاکی اور اس کے حکم کے سامنے تابعداری کو بیان کریں؛ لیکن یہ زبان حال سے  
ہر وقت اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول ہیں — بعض مفسرین کی رائے ہے کہ واقعی دنیا کی تمام مخلوقات اللہ کی تسبیح پڑھتی  
اور اللہ سے دُعائیں کرتی رہتی ہیں؛ لیکن انسان ان کی زبان سمجھنے سے قاصر ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزَيِّجُ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خَلِيلِهِ وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ طَيَّكَادُ سَنًا بَرَقَهُ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿١٨﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ يُخْلِقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١﴾ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٢٤﴾

آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادل کو نکالتے ہیں، پھر اس کو آپس میں ملا دیتے ہیں، پھر اس کو تہہ بہ تہہ فرما دیتے ہیں، پھر تم دیکھتے ہو کہ اسی درمیان سے بارش برستی ہے اور اللہ بادل کے پہاڑوں میں سے اگلے برساتے ہیں، جس پر چاہتے ہیں گرا دیتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں، اس کا رخ پھیر دیتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو اچک لے گی، ﴿۱۸﴾ اللہ رات اور دن کو بدلتے رہتے ہیں، یقیناً اس میں اہل نظر کے لئے عبرت کا موقع ہے، ﴿۱۹﴾ اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا ہے، پھر ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں، بعض دو پاؤں پر اور بعض چار پاؤں پر، اللہ جو چاہتے ہیں، بناتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۲۰﴾ ہم نے واضح دلیلیں اُتار دی ہیں اور اللہ جسے چاہتے ہیں سیدھے راستے کی ہدایت سے نوازتے ہیں، ﴿۲۱﴾ (کچھ) لوگ (یعنی منافقین) دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبرداری کریں گے، (مگر) پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور وہ (حقیقت میں) ایمان والے نہیں ہیں ﴿۲۲﴾ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان ہی میں کا ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے، ﴿۲۳﴾ اور اگر ان کا حق نکلتا ہوتا تو سر جھکائے ہوئے آپ کے پاس آ جاتے۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ یعنی بارش کے نظام کو دیکھو، یاد دہانی کی تبدیلی کو، یا چوپایوں کی مختلف قسموں کو؛ کہ کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے، کوئی دو پاؤں پر اور کوئی چار پاؤں پر، یہ سب اللہ کے وجود، اس کی قدرت و طاقت اور تنہا اس کے قابل عبادت ہونے کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، جن پر ہر انسان کو ایمان لانا چاہئے تھا، مگر انسان کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اس کے باوجود ایمان سے محروم ہے۔

اَفِ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمْ اَرْتَابُوْا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهُ بُلٌّ اَوْ لَيْكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲﴾ وَمَنْ يُّطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَخْشِ اللّٰهَ وَيَتَّقْهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰكِرُوْنَ ﴿۳﴾ وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْْمَانِهِمْ لَنْ اَمْرَتَهُمْ لِيَخْرُجْنَ ؕ قُلْ لَا تَقْسِمُوا طَاعَةً مَّعْرُوْفَةً اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴﴾

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے، یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، یا انھیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نا انصافی کریں گے؟ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہی لوگ ظلم و نا انصافی کرنے والے ہیں، ﴿۱﴾ جب مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان کی بات یہی ہوتی ہے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور یہی لوگ کامیاب ہیں، ﴿۲﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں گے، اللہ سے ڈریں گے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہیں گے، وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے، ﴿۳﴾ اور وہ لوگ (یعنی منافقین) خوب زور دے کر قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ان کو حکم فرمادیں تو وہ (سب کچھ چھوڑ کر) نکل کھڑے ہوں گے، آپ فرما دیجئے: تم قسمیں نہ کھاؤ، (تمہاری) فرمانبرداری کا حال معلوم ہے، یقیناً اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ بشر نامی منافق کی ایک یہودی سے کسی زمین کے بارے میں لڑائی تھی، یہودی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرائیں گے؛ لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ کعب بن اشرف کو حکم بنائیں گے؛ کیوں کہ بشر کو اندازہ تھا کہ اس کا دعویٰ غلط ہے، (تفسیر خازن: ۵/۸۴) اسی واقعہ کے پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی، اگرچہ یہ آیت اس خاص موقع پر نازل ہوئی ہے؛ لیکن یہ حکم عام ہے کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ دنیا کا تھوڑا سا فائدہ حاصل کرنے کے لئے ایسی عدالت میں پہنچے جو شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والی ہو اور جس میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو۔

﴿۲﴾ غرض کہ مسلمانوں پر یہ بات واجب ہے کہ وہ اپنے باہمی نزاعات اور جھگڑوں میں ایسے افراد یا اداروں سے رجوع کریں، جو قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہوں، اور پھر وہاں سے جو فیصلہ ہو، اس کے سامنے سر جھکا دیں، مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے تو یہ حکم ہے ہی، جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں بھی ان پر یہ بات واجب قرار دی گئی ہے کہ وہ باہمی اتفاق رائے سے کسی کو امیر منتخب کر لیں، جو ان کے لئے قاضی مقرر کرے، یا کم سے کم کسی کو قاضی بنانے پر ہی متفق ہو جائیں، (التمہات: ۶۰۴/۳، کتاب القضاء) اس وقت ہندوستان اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں دارالقضاء اور شرعی پنچایت کا جو نظام قائم کیا گیا ہے، اس کا یہی حکم ہے، اور مسلمانوں کے لئے اپنے باہمی نزاعات کو ان اداروں میں لے جانا اور اس کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔



قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ<sup>ط</sup>  
وَأَنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا<sup>ط</sup> وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۵﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا  
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ<sup>ص</sup>  
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا<sup>ط</sup>  
يَعْبُدُونَ ۖ إِنِّي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا<sup>ط</sup> وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۶﴾

آپ کہہ دیجئے: اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم لوگ نافرمانی کرو گے تو رسول کے ذمہ وہ ہے، جس کی ذمہ داری اُن پر رکھی گئی ہے، اور تمہارے اوپر وہ ہے، جو تم پر لازم کیا گیا ہے، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کی ذمہ داری صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے، ﴿۵۵﴾ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے، اللہ ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ زمین میں ان کو اسی طرح حکومت عطا فرمائیں گے، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے، ان کے لئے اس دین کو طاقت عطا فرمائیں گے، اور وہ جس خوف سے دوچار ہیں، بعد میں ضرور اس کو امن سے بدل دیں گے؛ (بشرطیکہ) وہ میری بندگی کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، جو شخص اس کے بعد بھی ناشکری کرے گا تو دراصل وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۵۶﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ تیرہ سال مکہ میں رہے اور یہ پورا عرصہ مسلمانوں پر خوف و ہراس کی حالت میں گزرا، ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی تقریباً فتح مکہ تک یہی کیفیت رہی کہ صحابہ کو صبح و شام ہتھیر لگائے رہنا پڑتا تھا اور ہر وقت یہ خطرہ رہتا تھا کہ نہ معلوم کب کسی دشمن کا حملہ ہو جائے؟ ان حالات میں صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ایسا وقت بھی آئے گا، جب ہم امن و سکون کی حالت میں ہوں گے اور ہمیں اس طرح ہر وقت ہتھیرا ساتھ رکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے، (الدر المنثور: ۲/۲۱۵، ابن کثیر: ۶/۷۹) اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں تین باتوں کا وعدہ فرمایا گیا، ایک یہ کہ اللہ تم کو زمین میں اقتدار و حکمرانی سے نوازیں گے، دوسرے: دین اسلام کو غالب فرمادیں گے، تیسرے مسلمانوں کو ایسی طاقت دیں گے کہ انہیں دشمن کا خوف نہ رہے، وہ امن کی حالت میں رہیں گے اور بے خوف و خطر ہماری عبادت کریں گے، یہ پیشین گوئی یوں توفیق مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی پوری ہو گئی؛ لیکن خلافت راشدہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے عہد میں یہ اپنے کمال کو پہنچ گئی، جب مشرق میں عراق اور مغرب میں مصر و شام تک اسلامی خلافت کا دائرہ وسیع ہو گیا؛ اسی لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ چوں کہ یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے، جو اس آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے؛ اس لئے حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہم اس میں شامل ہیں؛ البتہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چوں کہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، اس لئے وہ اس میں شامل نہیں ہیں: ”وفیه الدلالة علی صحة امامة الخلفاء الاربعة الخ“۔ (احکام القرآن للجمہاص: ۵/۱۹۱، مدارک التنزیل: ۲/۷۲، تفسیر ابن کثیر: ۳/۷۵۳)

وَاقْبُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرِّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۸﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۹﴾ لِيَسْتَأْذِنُكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۖ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ ۚ طُفُوفٌ عَلَيْكُمْ بِعُضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۱﴾

نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے، ﴿۱۸﴾ جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں یہ نہ سمجھے کہ وہ زمین میں (ہم کو) عاجز کر دیں گے، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے! ﴿۱۹﴾ اے ایمان والو! تمہارے غلاموں اور تم میں سے ان لوگوں کو جو ابھی بالغ نہیں ہوئے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر آنا چاہئے، فجر کی نماز سے پہلے، دوپہر کے وقت جب اپنے (زائد) کپڑے اُتار دیتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے لئے پردہ کے ہیں، ان اوقات کے علاوہ تمہارے لئے اور ان کے لئے (ایک دوسرے کے پاس بلا اجازت داخل ہونے میں) کوئی حرج نہیں ہے؛ (کیونکہ) تم ایک دوسرے کے پاس بکثرت آتے جاتے رہتے ہو، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے سامنے احکام کو صاف صاف بیان فرما دیتے ہیں اور اللہ خوب جاننے والے اور خوب حکمت والے ہیں، ﴿۲۰﴾ اور تمہارے جو بچے بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہئے، جیسا کہ ان کے اگلے (یعنی ان سے بڑے) اجازت لیتے رہے ہیں؛ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کو واضح فرماتے ہیں اور اللہ بڑے جاننے والے اور بڑے دانائے ہیں۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ اسی سورہ کی آیات نمبر: ۲۷، ۲۸، ۲۹ میں یہ حکم آچکا ہے کہ جب کسی کے گھر میں داخل ہو تو اجازت لے کر داخل ہو اور آیت نمبر: ۳۱ میں یہ بات بھی آچکی ہے کہ عورتوں کے لئے نابالغ بچوں کے سامنے ہونے کی گنجائش ہے، ان ہی دونوں احکام سے مربوط یہ حکم ہے کہ جو بچے یا غلام ابھی بالغ نہیں ہوئے ہیں، ان سے اگرچہ پردہ کا حکم نہیں ہے اور اس اعتبار سے وہ اپنے بزرگوں کے پاس جائیں تو ان کے لئے اجازت لینا بھی ضروری نہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ فجر کے وقت، دوپہر کے وقت اور نماز عشاء کے بعد اجازت لے کر ہی کمرہ میں داخل ہوں؛ کیونکہ یہ آرام کرنے کے اوقات ہیں اور ایسے اوقات میں لوگ ہلکا ڈھیلا ڈھالا کپڑا پہنتے ہیں، ←

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَغْفِنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۖ وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۖ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۖ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

ع  
۱۳

اور بوڑھی عورتیں جن کو نکاح میں آنے کی اُمید باقی نہ ہو، ان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے (ضروری کپڑوں سے زائد) کپڑے اُتار دیں؛ البتہ زیبائش و آرائش ظاہر نہ کریں اور اس سے بھی اجتناب کریں تو ان کے حق میں بہت ہی بہتر ہے، اللہ ساری باتیں جانتے اور سنتے ہیں، ﴿۱﴾ اندھے، لنگڑے، بیمار اور خود تم پر اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے یا اپنے باب، دادا، یا اپنی ماؤں، یا اپنے بھائیوں، یا بہنوں، یا چچاؤں، یا پھوپھیوں، یا ماموں، یا خالاؤں کے گھروں سے، یا اس گھر سے جس کی کنجی کے تم مالک ہو، یا اپنے دوست کے گھر سے کھانا کھاؤ، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ ایک ساتھ کھاؤ یا الگ الگ؛ البتہ جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، جو خدا کی طرف سے دُعاء کے طور پر مقرر ہے، اور برکت کا باعث اور پاکیزہ عمل ہے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنے احکام بیان کرتے ہیں؛ تاکہ تم سمجھ لو۔ ﴿۲﴾

← پورے کپڑے کا اہتمام نہیں کرتے، اور بعض دفعہ جسم کے قابل ستر حصوں میں سے کچھ کھلا بھی رہ جاتا ہے؛ اس لئے ان اوقات میں نابالغ بچوں کو بھی اجازت لے کر ہی کمرے میں داخل ہونا چاہئے اور بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو یہ بات سمجھائیں، عام اوقات میں اگر وہ بلا اجازت اندر آجائیں تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ جو بچے بالغ ہو چکے ہوں، یا بالغ ہونے کے قریب ہوں، ان کو عام اوقات میں بھی اجازت لینی چاہئے، رسول اللہ ﷺ سے ایک صاحب نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: کہ کیا تم کو یہ بات پسند آئے گی کہ تم اپنی ماں کو بے لباس حالت میں دیکھو؟ (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب النکاح، باب استئذان المملوک والطفل فی العورات: ۱۳۳۶) یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ تم اچانک کمرے میں داخل ہو جاؤ اور اس وقت تمہاری ماں کا لباس برابر نہ ہو۔

﴿۱﴾ یعنی عورت کے لئے محرم کے سامنے جن اعضاء کو کھولنے کی اجازت ہے، بوڑھی عورتیں اجنبی شخص کے سامنے بھی ان کو کھول ←

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸﴾

یقیناً مسلمان تو وہی ہیں، جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو جب تک رسول سے اجازت نہ لے لیں، چلے نہیں جاتے، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت لیا کرتے ہیں، بس وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں؛ لہذا جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت چاہیں تو آپ ان میں سے جن کو اجازت دینا چاہیں، دے دیا کریں، اور ان کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دعا کرتے رہیں، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں۔ ﴿۱۸﴾

← سکتی ہیں؛ لیکن انھیں بھی غیر محرم کے سامنے بناؤ سنگار کے ساتھ سامنے آنے سے بچنا ضروری ہے اور جو رعایت اوپر دی گئی ہے، اگر ان سے بھی احتیاط ہی کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

﴿۲﴾ اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے عربوں کے بعض رواجات کو سامنے رکھنا چاہئے، ان میں ایک یہ تھا کہ چوں کہ عام طور پر گھروں میں دروازے نہیں ہوتے تھے اور کھلے مکان ہوتے تھے تو جو آدمی بھوکا یا معذور ہوتا، وہ کسی کے گھر میں داخل ہو کر کھا لیتا، اسی طرح ایک رواج وہ تھا، جیسے ’غہذ‘ کہتے تھے، یعنی مختلف لوگ کھانے پینے کی چیزیں ایک جگہ جمع کرتے اور اس سے قطع نظر کہ کس کی چیز زیادہ ہے اور کس کی کم؟ سب مل کر کھاتے تھے، جب قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریقے پر نہ کھاؤ تو صحابہ نے قریبی رشتہ داروں اور بے تکلف دوستوں کے یہاں جا کر کھانے، یا معذور لوگوں کو وہاں لے جا کر کھانے اور کسی کی کم اور کسی کی زیادہ چیزیں ایک جگہ جمع کر کے ساتھ کھانے سے بھی بچنے لگے، اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۲/۳۱۲) جس کا مقصد یہ ہے کہ اگر معذور لوگ جیسے نابینا، لنگڑا اور بیمار شخص کسی ایسے آدمی کے گھر جا کر کھالے، جن کو ان کا کھالینا ناگوار نہ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے بال بچوں کے گھر یا اپنے ماں باپ، بھائی، بہن، پھوپھی، چچا، ماموں، خالہ کے گھر جا کر کھالے، یا اس شخص کے یہاں جس نے اپنا گھر اس کے اختیار میں دے دیا ہو، یا اپنے بے تکلف دوست کے گھر جا کر کھالے، تب بھی حرج نہیں؛ کیوں کہ عام طور پر اس میں اس شخص کی رضامندی شامل ہوتی ہے، جس کے یہاں کھایا گیا ہے، اسی طرح اگر مختلف لوگ کھانے کی چیزیں ملا کر اجتماعی طور پر کھائیں تو یہ بھی درست ہے اور الگ الگ اپنا اپنا ہی کھائیں تو اس میں بھی حرج نہیں؛ البتہ ادب اور تہذیب کا خیال رکھیں کہ جب کسی کے گھر میں داخل ہوں تو سلام کرنے کا اہتمام کریں — یہ حکم عربوں کے قدیم رواج کے پس منظر میں ہے اور اگر اب بھی کہیں اس طرح کا رواج پایا جاتا ہو تو یہی حکم ہے؛ لیکن کسی کی رضامندی کے بغیر یا اس کے منع کرنے کے باوجود اس کے گھر سے کھالینا جائز نہیں، اسی طرح نابالغ کا مال اس کی اجازت کے باوجود کھانا درست نہیں؛ کیوں کہ ایسی چیزوں میں اس کی اجازت معتبر نہیں ہے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۖ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۹﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۖ وَيَوْمَ يُزْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۰﴾

ع  
۱۵

(اے مسلمانو! تم رسول کو اپنے درمیان اس طریقہ پر نہ بلایا کرو جیسے ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو، اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں، جو آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں؛ لہذا جو لوگ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی آفت آپڑے یا ان پر دردناک عذاب آجائے، ﴿۱۹﴾ آگاہ ہو جاؤ، آسمان وزمین کی تمام ہی چیزیں اللہ ہی کی ہیں، تم جس حال میں بھی ہو، اللہ کو وہ بھی معلوم ہے، جس دن وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے، اس دن اللہ ان کو وہ سب بتا دیں گے، جو انھوں نے کیا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ ﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ منافقین کا حال یہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ مشورہ کے لئے یا کسی اور اجتماعی کام کے لئے لوگوں کو جمع کرتے تو وہ وہاں سے بھاگ نکلنے کی فکر میں رہتے اور نظر بچا کر کھسک جاتے؛ لیکن مسلمانوں کی شان یہ تھی کہ وہ آپ کی مجلس میں جم کر بیٹھتے اور اگر کوئی بہت ضروری کام پیش آگیا، تب بھی اجازت لے کر ہی جاتے — اگرچہ یہ واقعہ صحابہ سے متعلق ہے؛ لیکن اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ امیر کے ساتھ اس کی امارت میں رہنے والوں، ذمہ دار کے ساتھ اس کے تحت کام کرنے والوں، ماں باپ کے ساتھ اس کے بچوں اور اساتذ کے ساتھ اس کے شاگردوں کا یہی رویہ ہونا چاہئے کہ جب وہ کسی بات کے لئے طلب کریں تو جمع ہو جائیں اور بلا عذر وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھا جائے، جب تک مجلس ختم نہ ہو جائے اور اٹھنا ہی ہو تو اجازت لے کر اٹھے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور حکم یہ دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو پکارنے کا انداز وہ نہ ہونا چاہئے، جو دوسروں کو پکارنے کا ہے، جیسے: ”اے محمد!“ کہنا، یا دور سے اور زور سے پکارنا؛ بلکہ ادب یہ ہے کہ احترام اور تعظیم کے کلمہ کے ساتھ ہلکی آواز میں اور قریب آکر متوجہ کیا جائے، صحابہ کے لئے تو یہ حکم تھا ہی، اور ابھی بھی امت کے لئے یہ حکم ہے کہ روضۂ اطہر پر سلام پیش کرنے میں ان آداب کا لحاظ رکھا جائے — اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تو خصوصی ادب واجب تھا ہی؛ لیکن چھوٹا اپنے ہر بڑے کے ساتھ اس ادب کا لحاظ رکھے؛ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ باپ کو نام لے کر پکارنا، یا شوہر کو نام لے کر پکارنا مکروہ ہے، (رد المحتار: ۵۹۹/۹) یہی سلوک اپنے اساتذ، اپنے شیخ، اپنی تنظیم، جماعت یا ادارہ کے ذمہ دار اور اپنے آفس کے سربراہ اعلیٰ کے ساتھ بھی ہونا چاہئے۔





## سُورَةُ الْفُرْقَانِ

«سورہ نمبر : (۲۵)»

«رکوع : (۶)»

«آیتیں : (۷۷)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے ہوتا ہے، جس میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے فرقان یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی یہ کتاب قرآن مجید نازل فرمائی ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام ”سورہ فرقان“ ہے۔

اس سورہ میں بنیادی طور پر توحید و رسالت، قرآن مجید کی صداقت، آخرت میں جزاء و سزا اور شرک و بت پرستی کی تردید پر گفتگو کی گئی ہے، اسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، کائنات میں پھیلی ہوئی دلیلوں اور گزشتہ اقوام جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب رس اور قوم لوط وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور اہل مکہ کو ان کے انجام سے سبق لینے کی دعوت دی گئی ہے۔

اس سورہ کے اخیر میں اللہ تعالیٰ کے مخلص اور نیک بندوں کی صفات — تواضع، بردباری، نماز تہجد کا اہتمام، اللہ کا خوف، خرچ میں اعتدال، شرک و قتل اور زنا جیسے گناہوں سے اجتناب، جھوٹ اور جھوٹی گواہی سے پرہیز، نصیحتوں کی باتیں قبول کرنے، اللہ کے سامنے جھکنے اور اللہ سے مانگنے — کا ذکر فرمایا گیا ہے، غرض کہ یہ ایسی جامع آیتیں ہیں، جو زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُوْنُ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيْرًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهِ اِلٰهَةً لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نَشُوْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا اِفْكٌ اِفْتَرٰهُ وَاَعٰنٰهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْا ظُلْمًا وَزُوْرًا ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے یہ فیصلہ کن کتاب اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے؛ تاکہ وہ تمام دنیا والوں کو خبردار کر دے، ۝ وہ ذات کہ جس کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے، نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ حکومت میں کوئی اس کا شریک ہے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر سب کا انداز بھی مقرر فرما دیا ہے، ۝ (۱) لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود تراش لئے ہیں، جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے، وہ تو خود پیدا کئے جاتے ہیں اور اپنے لئے بھی نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے، نہ ان کو (کسی کی) موت کا اختیار ہے نہ زندگی کا، اور نہ دوبارہ زندہ کرنے کا، ۝ جو ایمان نہیں لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: ”یہ تو کچھ بھی نہیں، محض جھوٹ ہے، جس کو اس نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے“ یقیناً ان لوگوں نے بڑے ظلم اور سفید جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ ۝

﴿﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع کائنات میں پھیلی ہوئی دنیا کو صرف پیدا ہی نہیں فرمایا؛ بلکہ اس کی ہر چیز کی بناوٹ، اس کی خصوصیات اور اس کا ساز بھی متعین فرمادیا اور یہ ساری چیزیں نہایت حکمت کے ساتھ رکھی گئی ہیں، مثلاً جن جانوروں کو سواری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور جن کی غذا گھاس پھوس ہے، ان کو چار پاؤں والا بنایا اور ان کی پشت لمبی رکھی گئی، اگر وہ دو پاؤں والے ہوتے تو انسان کے لئے ان پر سواری کرنا مشکل ہوتا اور خود ان کے لئے چارہ کھانا دشوار ہوتا، پتھر کو ایسا سخت بنایا کہ اس کو آسانی سے توڑا نہ جاسکے؛ تاکہ اس کے ذریعہ مکانات بنائے جائیں، زمین کو اتنا نرم بنایا کہ اس کو کھودا جاسکے؛ تاکہ اس میں کھیتی اور باغبانی ہو سکے، خود نظام کائنات میں دیکھئے کہ سورج، چاند، زمین ہر سیارے میں ایسی کشش رکھی گئی، جو ایک دوسرے کو تھامے رہیں اور ایک دوسرے میں ضم ہونے کی کوشش نہ کریں، اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کا بڑا شاہکار خود انسان ہے، اگر انسان کا قد ہاتھی اور اونٹ کی طرح لمبا ہوتا، تو سوچئے کہ کتنے اونچے دروازے اور کتنی اونچی چھتیں رکھنی پڑتیں اور اس میں کس قدر دشواری ہوتی، اگر انسان چوہے، بلی کی طرح چھوٹا اور کم قد و قامت کا ہوتا تو وہ کس طرح اپنی حفاظت کرتا، اور جو فرائض ان سے متعلق ہیں، ان کو کس طرح انجام دیتا، اگر انسان کے ہاتھ پاؤں اس کی آنکھ، ناک، کان کے برابر ہوتے تو وہ کیسے کسی شے کو پکڑتا اور چلتا پھرتا، غرض کہ کائنات کی ایک ایک شے کے ساز، اس کی بناوٹ، اس کی صلاحیت، اس کی نرمی اور سختی اور اس کی رنگت کو دیکھئے تو اس کے لئے اس سے زیادہ موزوں، مناسب اور بہتر کوئی اور شکل ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْ لَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۝ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۝ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝

۱۹

یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں، جس کو اس شخص (یعنی پیغمبر ﷺ) نے لکھوا لیا ہے، پھر وہی اس کو صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں، ۱۹ آپ فرمادیجئے: اس کو اس ذات نے نازل کیا ہے، جس کو آسمان و زمین کی چھپی ہوئی باتیں بھی معلوم ہیں، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ۲۰ یہ لوگ کہتے ہیں: ”یہ کیسا پیغمبر ہے، جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے؟ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا، جو اس کے ساتھ مل کر ڈرایا کرتا؟“ ۲۱ یا اس پر کوئی خزانہ اُتارا جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا، جس سے وہ کھایا کرتا؟“ نیز یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایک ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو، جس پر جادو کر دیا گیا ہے، ۲۲ تو دیکھئے کہ آپ کے لئے یہ کیسی کیسی مثالیں دیتے ہیں؟ چنانچہ یہ تو راستہ سے بھٹک گئے، اب یہ راستہ نہیں پاسکتے۔ ۲۳

۱) بعض اہل مکہ اعتراض کرتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ نے کچھ دوسرے لوگوں کی مدد سے تصنیف کر لیا ہے، ایسا کہنے والوں میں پیش پیش نضر بن حارث تھا (تفسیر قرطبی: ۳/۱۳)، اس اعتراض کا غلط ہونا بالکل ظاہر ہے، رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد سے لے کر ہجرت تک پورے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزارے، صرف ایک مختصر سفر طائف کا فرمایا؛ تاکہ ان کو اسلام کی دعوت پیش کر سکیں، قرآن نے ان کو بار بار چیلنج کیا کہ وہ اس کتاب کی کوئی مثال پیش کریں، اور حد درجہ دشمنی اور مخالفت کے باوجود وہ اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے، اگر واقعی آپ کو اس میں کچھ لوگوں کی مدد حاصل ہوتی تو وہ ان سے مدد لے کر اس چیلنج کا جواب دے سکتے تھے، یا کم سے کم ان لوگوں کو سامنے لا کر دعوت اسلام کو روک سکتے تھے؛ لیکن وہ ایسا کچھ نہ کر سکے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ یہ کلام محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی مددگار یا استاذ کا بنایا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کا اُتارا ہوا ہے اور اللہ کا علم تمام چیزوں کو شامل ہے؛ اس لئے اس کتاب میں تم کو اُن گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بھی ملتے ہیں، جن کے بارے میں تم کو کوئی علم نہیں تھا، اور آنے والے حالات کے بارے میں پیشین گوئیاں بھی ملتی ہیں، جو تمہارے علم میں نہیں ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، افسوس کہ علم اور ٹکنالوجی کی ترقی کے اس دور میں بعض اہل مغرب بھی ایسے ہی سوالات اُٹھاتے ہیں، پہلے بھی اس کا سبب دشمنی، عناد اور سچائی کے اعتراف سے انکار تھا، اور اب بھی اس کا سبب یہی ہے — اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ سامان کی خرید و فروخت یا تجارت کے لئے بازار میں جانا جائز ہے، یہ دین داری کے خلاف نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۵/۱۳) ←

تَبَرَّكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
وَيَجْعَلُ لَكَ فُصُورًا ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝ إِذَا  
رَأَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَبَعُوا لَهَا تَغِيظًا وَزَفِيرًا ۝ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا  
مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝

وہ بڑی بابرکت ہستی ہے، اگر چاہے تو آپ کو اس سے بھی بہتر باغات عطا فرمادیں، جس کے نیچے نہریں بہتی رہیں اور آپ کے لئے بہت سے محل بنادیں؛ (۱) بلکہ (ان کی بے خونی کا اصل سبب یہ ہے کہ) وہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلائے، ہم نے اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، (۱) جب یہ آگ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ (دور ہی سے) اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا سنیں گے، (۲) اور جب یہ دوزخ کے اندر ایک تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔ (۳)

← (۲) یہ ان کا دوسرا اعتراض ہے، جس کا قرآن میں متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے، کہ جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا ہو، وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اگر ایک انسان کو نبی بنا ہی دیا گیا تو اس کے ساتھ کسی فرشتہ کو ہونا چاہئے، یا اس پر کوئی خزانہ اترنا چاہئے؛ اس لئے آپ پیغمبر تو نہیں ہیں؛ البتہ جو غیر معمولی کیفیات آپ کے اندر پائی جاتی ہیں، وہ اس لئے ہیں کہ آپ پر جادو کر دیا گیا ہے، ظاہر ہے یہ اعتراض بالکل بے معنی تھا، آپ کا دعویٰ اللہ کے پیغمبر ہونے کا تھا نہ کہ فرشتہ اور بادشاہ ہونے کا، اور آپ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ پیغمبر بنائے جانے میں ان کی اپنی کوشش اور اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور اللہ کو اپنے بندوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، یہ اعتراضات اس قدر لغو ہیں کہ ان کا جواب دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی؛ البتہ فرما دیا گیا کہ یہ سب ان کی بے توفیقی کا نتیجہ ہے اور ایسے لوگ درست راستہ کو نہیں پاسکتے۔

﴿۱﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت کے خزانے نہیں دیئے تو ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کی نعمتیں عطا نہیں فرما سکتے، جو خدا بادشاہوں کو یہ نعمتیں دے سکتا ہے، اپنے پیغمبر کو کیوں نہیں دے سکتا؛ لیکن عام طور پر انبیاء کو محتاجی اور تنگی کی حالت سے گذرنا گیا ہے؛ کیوں کہ پیغمبر اُمت کے لئے نمونہ ہیں اور اُمت میں زیادہ تر لوگ وہی ہوں گے، جو غربت اور تنگی سے دوچار ہوں، جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے رسول نے اس حالت میں زندگی گزاری ہے تو یہ ان کے لئے دلداری کا سامان بنے گا اور جو اُمت میں دولت مند لوگ ہوں گے، ان میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ کسی کا غریب ہونا اس لئے نہیں ہے کہ یہ اللہ کے نامقبول بندے ہیں، اس کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کریں گے اور ان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھیں گے۔

﴿۲﴾ یا تو دوزخ کا دیکھنا کناہیہ اور محاورہ کے طور پر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ سامنے آجائے گی، جیسے کہا جاتا ہے، زمین و آسمان نے اس سے بہتر شخص نہیں دیکھا، ظاہر ہے کہ اس میں حقیقی طور پر دیکھنا مراد نہیں ہے، یا واقعی دوزخ کو دیکھنے کی صلاحیت عطا کر دی جائے گی۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٣﴾ قُلْ أَذِلَّكَ حَيُّ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي  
وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَاصِيَةً ﴿١٤﴾ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خُلْدٌ ۖ كَانَ عَلَى  
رَبِّكَ وَعْدًا مَسْعُورًا ﴿١٥﴾ وَيَوْمَ يَخْشَرُهُمْ ۖ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ۖ أَأَنْتُمْ  
أَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٦﴾ قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ  
تَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ ۖ وَكَانُوا قَوْمًا  
بُورًا ﴿١٧﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۖ فَبِمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا ۖ وَلَا نَصْرًا ۖ وَمَنْ يَظْلِمِ  
مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٨﴾

(ان سے کہا جائے گا) ایک ہی موت کو نہ پکارو، بہت سی موتوں کو پکارو، ﴿۱۳﴾ آپ دریافت فرمائیے: (بتاؤ تو سہی) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت، جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے؟ یہی ان کا بدلہ اور ٹھکانہ ہے، ﴿۱۴﴾ جنت میں ان کے لئے وہ سب چیزیں ہوں گی، جو وہ چاہیں گے، وہ ہمیشہ (اسی میں) رہیں گے، آپ کے رب کے ذمہ یہ وعدہ ہے، جس کی درخواست کی جاسکے گی، ﴿۱۵﴾ جس دن اللہ ان (شرک کرنے والوں) کو، اور ان چیزوں کو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے، جمع فرمائیں گے تو کہیں گے: کیا تم ہی لوگوں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کر دیا تھا، یا وہ خود گمراہ ہو گئے تھے؟ ﴿۱۶﴾ وہ جواب دیں گے: آپ کی ذات پاک ہے، ہماری کیا مجال کہ ہم آپ کے سوا کسی اور کو دوست بنائیں؛ لیکن آپ نے ان کو اور ان کے باپ داداؤں کو خوشحالی عطا کی، یہاں تک کہ وہ (آپ کی) نصیحت کو بھلا بیٹھے، ﴿۱۷﴾ اور (آخر) یہ لوگ تباہ و برباد ہو کر رہے، ﴿۱۸﴾ (ارشاد ہوگا:) لو، تمہارے ان معبودوں نے تو تمہاری ان باتوں کو جھٹلا دیا، اب تم نہ تو خود عذاب کو ہٹا سکتے ہو اور نہ تم کو مدد حاصل ہو سکتی ہے، اور تم میں سے جس نے بھی ظلم (یعنی شرک) کیا ہے، ہم اسے سخت عذاب چکھائیں گے۔ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ یعنی تم ایک تکلیف سے نجات کے لئے موت کو پکارتے ہو، ابھی مسلسل ایسی تکلیفوں سے گزارے جاؤ گے کہ بار بار موت کو پکارو گے۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز لازم نہیں ہے؛ لیکن اللہ نے خود ہی اپنے آپ پر اس سے ڈرنے والوں کے لئے یہ چیز لازم کر لی ہے؛ اس لئے بندہ کو حق ہوگا کہ وہ اپنے خالق و مالک سے اس کی درخواست کرے۔

﴿۳﴾ یہاں وہ انبیاء، فرشتے اور نیک لوگ مراد ہیں جن کی بعض مشرک قومیں پوجا کیا کرتی ہیں۔

﴿۴﴾ یعنی انبیاء پر اترنے والی کتاب کو بھلا بیٹھی: ”القرآن المنزل علی الرسل ترکوا العمل به“ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۳)

— اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اکثر و بیشتر دولت، خوشحالی اور دنیا کے اسباب کی فراوانی انسان کو اپنے خالق —

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ط  
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۖ أَتَصْبِرُونَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝

۲  
۱۸

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، وہ بھی کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لئے آزمانے کا ذریعہ بنا دیا ہے کہ کیا تم ثابت قدم رہتے ہو؟ اور آپ کے رب سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

← و مالک سے غافل کر دیتی ہے؛ اس لئے اگر انسان پر اس طرح خوشحالی آئے کہ وہ دین سے غفلت میں مبتلا ہو جائے تو اسے ڈرنا چاہئے کہ کہیں یہ دولت اللہ کی طرف سے اس کی آزمائش تو نہیں ہے۔

﴿۱﴾ ایک کو دوسرے کے لئے آزمانے کا ذریعہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں میں برابری نہیں رکھی ہے، کوئی دولت مند ہے کوئی غریب، کوئی صحت مند ہے کوئی بیمار، کوئی خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت، کوئی حاکم ہے اور کوئی محکوم، اس میں دونوں کی آزمائش ہوتی ہے، جس کو نعمت دی گئی ہے، اس کا امتحان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے یا تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے؟ اور جس کو نعمت نہیں دی گئی، اس کا یہ امتحان ہے کہ وہ صبر و قناعت سے کام لیتا ہے، یا حسد اور لالچ میں مبتلا ہو کر اللہ سے شکایت کرنے لگتا ہے؟ — بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ابو جہل اور سردارانِ قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو حضرت بلال و صہیب ؓ اور ان جیسے غریب و محکوم مسلمانوں کو دیکھ کر مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہو جائیں؛ تاکہ میرا حال بھی ان ہی کی طرح ہو جائے؟ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے ان غریب مسلمانوں کو سردارانِ قریش کے لئے امتحان کا ذریعہ بنا دیا تھا۔ (تفسیر بغوی: ۷۶/۷۷)



وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْ لَا أَنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلِيكَةُ أَوْ لَأَنَّا رَبَّنَا ۖ

لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ۖ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ۖ وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ۖ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ۖ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۖ الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ ۖ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۖ وَيَوْمَ يَعْصُ الْظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۖ

اور جن لوگوں کو ہمارے سامنے پیش ہونے کی امید نہیں ہے، وہ کہتے ہیں: ہم پر فرشتے کیوں نہیں اُتارے گئے، یا ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہم خود اپنے رب کو دیکھ لیتے؟ یہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے ہیں، (۱) اور سرکشی میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں، (۲) جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن مجرموں کے لئے خوشی کی کوئی بات نہ ہوگی اور کہیں گے: کوئی بچاؤ کا سامان حاصل ہو جائے، (۳) اور جو بھی کام انھوں نے کئے تھے، ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے، پھر اس کو خاک بنا کر اڑا دیں گے، (۴) اس دن جنتیوں کی قیام گاہ خوب ہوگی اور آرام گاہ بھی بہتر ہوگی، (۵) جس دن آسمان پھٹ کر بادل نمودار ہوگا اور کثرت سے فرشتے اُتارے جائیں گے، (۶) اس دن حقیقی بادشاہت بے حد رحم کرنے والے خدا ہی کی ہوگی اور ایمان نہ لانے والوں پر وہ دن بڑا سخت ہوگا، (۷) نیز اس دن ظالم (مارے غم و افسوس کے) اپنے ہاتھ کاٹ کھائیں گے، وہ کہیں گے: ”کاش! میں پیغمبر کے ساتھ (صحیح) راستہ پر لگ جاتا۔“ (۸)

(۱) قرآن مجید میں متعدد مواقع پر اہل مکہ کے اس طرح کے مطالبات کا ذکر آیا ہے، یہ مطالبات ایمان کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے، ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان دیکھی چیزوں پر یقین کرے، اسی کو ایمان بالغیب کہتے ہیں، اگر انسان فرشتوں کو اور خود خدا کو دیکھ لے تو یہ غیب پر ایمان لانا نہیں ہوا، یہ تو دیکھی دکھائی چیزوں پر یقین کرنا ہوا۔

(۲) یعنی دنیا میں انھوں نے اگر کچھ نیکی کے کام بھی کئے ہوں گے تو ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے آخرت میں وہ چیز بیکار ہو جائے گی اور ان کو کوئی ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

(۳) ”مستقر“ کے معنی اس جگہ کے ہیں، جہاں آدمی کا مستقل رہنا سہنا ہو، اور ”مقیل“ سے مراد ایسی جگہ ہے، جہاں تھوڑی دیر کے لئے رہنے کی نوبت آئے، مطلب یہ ہے کہ جنت میں ان کے قیام کی جو مستقل جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جائے گی، وہ بھی خوب ہوگی اور جہاں کچھ دیر کے لئے آنا جانا ہوگا، وہ بھی بہتر مقام ہوگا۔

يُؤَيِّلَتْنِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿۱۹﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ إِنَّا قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ﴿۲۱﴾ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًّا وَنَصِيرًا ﴿۲۲﴾

ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، ﴿۱۹﴾ اس شخص نے میرے پاس نصیحت (قرآن مجید) آجانے کے باوجود مجھے بھٹکا دیا اور شیطان تو انسان کو دھوکہ دیا ہی کرتا ہے، ﴿۲۰﴾ پیغمبر کہیں گے: ”اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا، ﴿۲۱﴾ اور ہم اسی طرح ہر نبی کے مقابلہ مجرموں میں سے دشمن بناتے رہے ہیں، ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے آپ کے پروردگار کافی ہیں!“۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اپنے لئے اچھے دوست کا انتخاب کرنا چاہئے؛ کیوں کہ انسان غیر محسوس طور پر اپنے دوستوں کے طور طریقہ سے متاثر ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: ہمارے لئے کون سا ہم نشین بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے دیکھنے سے تم کو اللہ یاد آئے، جس کے بولنے سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کے عمل سے آخرت کی یاد تازہ ہو: ”مَنْ ذَكَرَكُمْ بِاللَّهِ رُوَيْتَهُ وَزَادَ فِي عِلْمِكُمْ مَنْطِقَهُ وَذَكَرَكُمْ بِالْآخِرَةِ عَمَلَهُ“ (تفسیر قرطبی: ۲۷/۱۳، بحوالہ بزار) اس آیت کے سلسلہ میں بعض سیرت نگاروں سے یہ واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے ایک دعوت کی اور اس میں قریش کی معزز شخصیتوں کو مدعو کیا، رسول اللہ ﷺ کو بھی دعوت دی، آپ ﷺ نے اس کے سامنے شرط رکھی کہ تم کلمہ شہادت پڑھو، تبھی میں کھانا کھاؤں گا، عربوں کی روایت کے مطابق انسان کے لئے یہ بات بہت بے عزتی کی ہوتی تھی کہ جس شخص کو دعوت دی جائے، وہ وہاں کھانا نہ کھائے؛ اس لئے اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا، اُمیہ بن خلف عقبہ کا دوست تھا، اس کو جب یہ خبر ملی تو آگ بگولا ہو گیا، عقبہ نے اس سے عذر کیا کہ معززین قریش میں سے اگر ایک شخص کی دعوت میں شرکت نہیں ہوتی تو یہ بہت خراب بات ہوتی، اُمیہ بن خلف نے اصرار کیا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان کے چہرے پر تھوک دو، اس کے بغیر میں راضی نہیں ہو سکتا، اس بد بخت نے ایسا ہی کیا، آخر عقبہ اور اُمیہ دونوں ہی غزوہ بدر میں مارے گئے، (تفسیر قرطبی: ۲۵/۱۳) پس قیامت میں ان کا جو حشر ہونے والا ہے، یہاں اس کا ذکر ہے، بہر حال جو لوگ کسی کی دوستی اور خدا بیزار لوگوں کی پیروی کی وجہ سے دین کے احکام چھوڑ دیتے ہیں، وہ سب اس میں شامل ہیں، آج کل جو مغرب زدہ مسلمان دین و شریعت پر اعتراض کرتے ہیں، وہ اسی کا مصداق ہیں۔

﴿۲﴾ یہ آخری جملہ کہ ”شیطان انسان کو دھوکہ دیا ہی کرتا ہے“ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہو سکتا ہے اور ایمان سے محرومی پر پچھتانے والے شخص کی بات بھی ہو سکتی ہے۔

﴿۳﴾ یعنی لوگوں کی طرف سے مخالفت اور انکار کے باعث آپ ﷺ رنجیدہ نہ ہوں کہ تمام انبیاء کی یہی تاریخ رہی ہے اور ان کی قوم ان کے ساتھ دشمنی کرتی رہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۖ كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۖ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٢٥﴾ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا ۚ مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۝

اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ کہتے ہیں: پیغمبر پر ایک ہی دفعہ میں پورا قرآن کیوں نہ نازل کر دیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے)؛ تاکہ اس کے ذریعہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اور ہم نے اس کو خوب ٹھہر ٹھہر کر اُتارا ہے ﴿۲۵﴾ اور وہ جب بھی آپ کے سامنے (بہ طور دلیل) کوئی مثال پیش کرتے ہیں، تو ہم اس کا ٹھیک اور واضح جواب آپ کو عطا کر دیتے ہیں، ﴿۲۶﴾ جو لوگ منہ کے بطن دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے، یہ (آخرت میں) جگہ کے اعتبار سے بہت بُرے حال میں ہوں گے اور (دنیا میں) درست راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، ﴿۲۷﴾ نیز ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے بھائی ہارون کو (ان کا) مددگار بنادیا۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ قرآن مجید میں کئی جگہ اس کا ذکر آیا ہے، اہل مکہ کہتے تھے کہ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل ہو گیا ہوتا، یہ تھوڑا تھوڑا بار بار کیوں نازل کیا جاتا ہے؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کسی انسان سے سیکھ کر تصنیف کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بالکل لغو ہے، انسان کبھی پوری کتاب ایک ساتھ تصنیف کرتا ہے اور کبھی جستہ جستہ مضامین لکھتا ہے، جو آہستہ آہستہ ایک پوری کتاب بن جاتی ہے تو جب مخلوق کو اپنی تصنیف میں یہ اختیار ہے تو کیا خالق کو یہ اختیار نہیں کہ وہ چاہے تو اپنی پوری کتاب ایک ساتھ اُتار دے، یا تھوڑی تھوڑی کر کے اُتارے؟ پھر غور کیا جائے تو کائنات میں اللہ تعالیٰ جتنی نعمتیں پیدا فرماتے ہیں، سب میں یہی نظام موجود ہے، انسان آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور جوانی کی منزل کو پہنچتا ہے، درختوں اور پودوں کی آہستہ آہستہ نشوونما ہوتی ہے اور وہ پھل اور دانے دینے کے لائق بنتے ہیں، بارش ایک ساتھ نہیں ہو جاتی؛ بلکہ آہستہ آہستہ ہفتوں اور مہینوں میں اپنے معمول کو پورا کرتی ہے، وحی اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اگر اس نعمت کو تھوڑا تھوڑا اور آہستہ آہستہ اُتارا گیا تو اس میں حیرت اور اعتراض کی کیا بات ہے؟ پھر اس کی ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور اس کے معانی پیغمبر کو ذہن نشین ہوتے جاتے تھے اور ان کے دل میں جمتے جاتے تھے، اگر ایک ساتھ پورا قرآن اُتار دیا جاتا تو انسانی فطرت کے اعتبار سے اس کا تحمل دشوار ہوتا، قرآن مجید کو دوسری آسمانی کتابوں پر قیاس نہ کرنا چاہئے؛ کیوں کہ ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا حصہ بہت کم ہے، زیادہ تر اس پیغمبر سے متعلق واقعات ہیں، جن کو بعد کے لوگوں نے نقل کیا ہے — قرآن کے آہستہ آہستہ اُتارے جانے کی ایک دوسری مصلحت یہ بتائی گئی کہ جب بھی مخالفین کی طرف سے کوئی اعتراض ہوتا ہے، تو اس مناسبت کی آیتیں اُتار دی جاتی ہیں، تلاش کی ضرورت نہیں پڑتی، اگر پورا قرآن ایک ساتھ نازل کر دیا گیا ہوتا تو اس میں سے جواب ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا پڑتا۔



فَقُلْنَا اذْهَبْآ إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۚ وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَبُوا الرُّسُلَ ۖ آغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِّلنَّاسِ آيَةً ۖ وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ وَعَادًا وَثَمُودًا ۚ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۚ وَكُلًّا صَبَرْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۚ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطْرَتْ مَطَرُ السَّوْءِ ۖ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَتَذَكَّرُونَ ۚ وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۚ إِن كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ الْهَيْتِنَا لَوْ لَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۖ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَن أَضَلُّ سَبِيلًا ۚ

پھر ہم نے کہا: تم دونوں اُن لوگوں (یعنی فرعون کی قوم) کے پاس جاؤ، جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلادیا ہے (وہ گئے، مگر فرعون کی قوم نے نہیں مانا) تو ہم نے ان کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا، اور ہم نوح کی قوم کو بھی ہلاک کر چکے ہیں، جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ان کو لوگوں کے لئے نشانی بنادیا، نیز ہم نے ان ظالموں کے لئے دردناک عذاب بھی تیار رکھا ہے، اور ہم نے عاد، ثمود، اصحاب رس اور اُن (قوموں) کے درمیان بہت سی اور قوموں کو بھی ہلاک کر دیا، ہم نے ہر ایک کے سامنے دلیلیں بیان کر دیں اور سب کو (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) تباہ و برباد کر دیا، ان لوگوں کا اس بستی پر بھی گزر ہو چکا ہے، جن پر بری طرح پتھر برسائے گئے، تو کیا وہ دیکھا نہیں کرتے؛ لیکن (اس کے باوجود) وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کا یقین نہیں رکھتے، اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں کہ: ”کیا یہی وہ صاحب ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟“ اگر ہم اپنے معبودوں پر جم نہ گئے ہوتے تو اس نے تو ہمیں ان سے ہٹا ہی دیا ہوتا، اور ان کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا، جب یہ عذاب دیکھیں گے کہ کون گمراہ ہے؟

۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد و ثمود کا ذکر بار بار آچکا ہے؛ البتہ ”اصحاب رس“ کا ذکر پہلی بار آیا ہے، ”رس“ کے معنی ایسے کنوئیں کے ہیں جو کھلا ہوا ہو، جس پر کوئی ڈھکن نہ ہو، اس قوم کے سلسلہ میں حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عباس علیہ السلام وغیرہ سے مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں، حاصل یہ ہے کہ وہ کسی درخت کی پوجا کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک نبی پیدا فرمایا، جنہوں نے درخت پرستی سے روکا، لوگوں نے پیغمبر کو قتل کر کے اسی کنوئیں میں پھینک دیا، اس قوم کی بعض اخلاقی برائیوں کا بھی تفسیر کی کتاب میں ذکر آیا ہے، خاص طور پر اس بات کا کہ جیسے قوم لوط پہلی قوم تھی، جس میں مرد مردوں سے اپنی خواہشات پوری کرتے تھے، اسی طرح اصحاب رس وہ پہلی قوم تھی، جس میں عورتیں عورتوں سے اپنی خواہشات پوری کرتی تھیں، بالآخر یہ قوم اللہ کے عذاب میں ہلاک کر دی گئی۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۳۲/۱۳، ۳۳)

۲) یعنی قوم لوط کے کھنڈرات، جہاں سے شام کے سفر میں قریش کا گزر ہوا کرتا تھا۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۚ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿۱۹﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۲۰﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ ۚ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿۲۱﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿۲۲﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۲۴﴾ لِنُنْجِيَ بِهِ بَلَدَةً مَّيِّتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِي ۚ كَثِيرًا ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا ۚ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿۲۶﴾

بھلا آپ کیا سمجھتے ہیں، جس شخص نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہو، کیا آپ اس کا ذمہ لے سکتے ہیں؟ ﴿۱۹﴾ یا آپ کا خیال ہے کہ ان کی اکثریت سنتی یا سمجھتی ہے؟ نہیں، وہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں؛ بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، ﴿۲۰﴾ آپ نے اپنے رب کو دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح سایہ کو پھیلا دیتے ہیں؟ اگر اللہ چاہتے تو اس کو ٹھہرا دیتے، پھر ہم نے اس (کے گھٹنے بڑھنے) پر سورج کو علامت بنادیا، ﴿۲۱﴾ پھر ہم سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں، ﴿۲۲﴾ وہی خدا ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پردہ، نیند کو آرام کا ذریعہ اور دن کو (کام کاج کے لئے) دوڑ دھوپ کا وقت بنادیا، ﴿۲۳﴾ وہی خدا ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری دینے کے لئے بھیجتا ہے اور ہم ہی آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں، ﴿۲۴﴾ تاکہ اس کے ذریعہ ہم مردہ شہر کو نئی زندگی عطا کریں اور ہماری پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوقات — چوپایوں اور انسانوں — کو پانی پلائیں، ﴿۲۵﴾ اور ہم اس بارش کو ان کے درمیان تقسیم کرتے رہتے ہیں؛ تاکہ وہ غور و فکر کریں، پھر بھی اکثر لوگ ناشکری کئے بغیر نہیں رہتے۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ یعنی کفر و شرک پر کوئی دلیل نہیں؛ بلکہ یہ بے سمجھے بوجھے اپنی خواہش کی پیروی ہے۔

﴿۲﴾ یعنی سنتے ہیں؛ لیکن سنی ہوئی باتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اور عقل رکھتے ہیں؛ لیکن عقل سے کام نہیں لیتے؛ اس لئے وہ اپنے عمل کے اعتبار سے چوپایوں کی طرح ہیں۔

﴿۳﴾ معلوم ہوا کہ آسمان سے جو پانی برستا ہے، وہ پاک بھی ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، خواہ وہ زمین کی سطح پر ندی نالے یا تالاب کی شکل میں ہو، یا زمین کے اندر جذب ہو کر چشمہ کی صورت اختیار کر لے اور اسے کسی ذریعہ سے نکالا جائے، یا برف اور اولیٰ کی شکل میں ہو، سوائے اس کے کہ وہ کسی ناپاک چیز سے آلودہ ہو جائے؛ چنانچہ اس پر اُمت کا اجماع و اتفاق ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلیہ: ۱/۲۲۹)

﴿۴﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ کی نوازش کے سوا کسی اور طور پر حاصل نہیں کیا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿۱۹﴾ فَلَا تُطْعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا ﴿۲۱﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شہر میں ایک ڈرانے والے (پیغمبر) کو بھیج سکتے تھے، ﴿۱۹﴾ لہذا آپ ایمان نہ لانے والوں کی بات نہ مانے اور قرآن کے (دلائل کے) ذریعہ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیجئے، ﴿۲۰﴾ وہی خدا ہے جس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملایا ہے کہ یہ خوب میٹھا ہے اور یہ بہت ہی کھارا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ رکھ دی ہے۔ ﴿۲۱﴾

← جاسکتا، جیسے دنیا کی اکثر چیزوں کا سایہ دار ہونا، اگر یہ نہ ہوتا تو انسان اپنے مکان میں ہو یا کسی کھلے میدان میں، ایک ہی طرح کی صورت حال سے دوچار رہتا، پھر تاریک رات کی پیدائش کہ اس کی وجہ سے سارے کے سارے لوگ ایک ساتھ پرسکون طریقہ پر سوتے ہیں، اگر نیند کے لئے یہ ماحول نہ فراہم کیا جاتا اور خود نیند جیسی نعمت انسان کو نہ دی جاتی تو سوچئے کہ اس کی زندگی کس درجہ بے سکون ہوتی، پھر اگر چوبیس گھنٹے کی رات ہی ہوتی، دن نہیں ہوتے تو انسان کی معاشی تنگ و دو کیسے انجام پاتی؟ اسی طرح اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت پانی ہے، بادل ہوا کے کاندھوں پر سوار ہو کر جہاں جہاں ضرورت ہو، وہاں پہنچتا ہے، اگر پانی نہ برستا یا دنیا میں کسی ایک ہی جگہ اس کا خزانہ ہوتا تو انسان کی ضروریات کیسے پوری ہوتیں، اور کیسے انسانوں اور جانوروں، امیروں اور غریبوں سمیوں کو یہ حاصل ہوتا اور حقیقی باڑی کا نظام چلتا؟

﴿۱﴾ لیکن اے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا ہے کہ پوری دنیا کے لئے تنہا آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؛ اس لئے آپ ہر گز دشمنان اسلام کی مخالفتوں سے متاثر نہ ہوئے۔

﴿۲﴾ قرآن مجید نے اس آیت میں ایک اہم سائنسی حقیقت سے پردہ ہٹایا ہے، سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق سمندر کے ایک لیٹر پانی میں ستائیس گرام نمک ہوتا ہے، اندازہ کیا گیا ہے کہ اگر سمندری نمک کو نکال کر پانچ آباد براعظموں پر پھیلا دیا جائے اور کوئی ایسی جگہ نہ رہے جو نمک سے خالی ہو، تب بھی زمین پر نمک کی سطح ایک سو تریس میٹر تک موٹی ہوگی، اب اس نمکین سمندر میں اگر کوئی میٹھے پانی کا دریائے تو میلوں تک ایک ساتھ چلنے کے باوجود دونوں کا پانی الگ الگ رہتا ہے، اور سمندر کے نمکین پانی پر ایک ایسی پرت ہوتی ہے، جو سمندری طوفان کے باوجود ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ موجوں کے ساتھ حرکت کرتی رہتی ہے، یہ پرت میٹھے پانی کو اور اس کی مچھلی اور جانوروں کو دوسری طرف جانے سے روکتی ہے، غالباً اسی کو قرآن مجید میں ”حاجز“ (پردہ) کہا گیا ہے؛ بلکہ یہی پردہ ہے جو دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر بھی قائم رہتا ہے اور دونوں سمندروں کے پانی کو الگ الگ رکھتا ہے، بحر اطلانتک اور بحر متوسط کے ملنے کی جگہ نیز بحر ہند اور بحر احمر کے ملنے کی جگہ کا لوگ مشاہدہ کرتے ہیں، اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کہیں کہیں سمندر کے درمیان بھی میٹھے پانی کے چشمے اُبلتے ہیں، جن کا پانی کئی کئی میلوں تک پھیل جاتا ہے، یہ پانی بھی ←

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۖ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۱۹﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۖ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿۲۰﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۲۱﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ بَذُنُوبٍ عِبَادَةً خَيْرًا ﴿۲۳﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَنُ فَسَلِّ بِهِ خَيْرًا ﴿۲۴﴾

وہ خدا ہی کی ہستی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا ہے، پھر اس کو داد بیہال و نانیہال اور سسرال عطا کیا، اور آپ کے رب بے حد قدرت والے ہیں، ﴿۱۹﴾ اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں، جو نہ کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان، اور کافر تو اپنے رب کے مقابلہ میں (شیطان کا) مددگار ہوتا ہی ہے، ﴿۲۰﴾ اور ہم نے تو آپ کو صرف (ایمان والوں کے لئے جنت کی) خوشخبری دینے والا اور (ایمان نہ لانے والوں کے لئے دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، ﴿۲۱﴾ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، ہاں، اس کا معاوضہ وہ لوگ ہیں، جو چاہتے ہیں کہ اپنے رب کا راستہ اختیار کر لیں، ﴿۲۲﴾ اور اس زندہ جاوید ہستی پر بھروسہ کیجئے، جس پر کبھی موت نہیں آسکتی اور حمد و ستائش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پاکی بیان کرتے رہئے اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے، ﴿۲۳﴾ جس نے آسمانوں کو، زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرما دیا، پھر (اپنی شان کے مطابق) عرش پر جلوہ فرما ہو گیا، وہ بے حد مہربان ہے، اس کے بارے میں کسی باخبر شخص سے پوچھ لو۔ ﴿۲۴﴾

← سمندر کے پانی سے الگ رہتا ہے، یقیناً ایسی دقیق سائنسی حقیقتوں سے اب سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے کوئی واقف نہیں ہو سکتا تھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید اس کائنات کے خالق و مالک ہی کا کلام ہے نہ کہ کسی مخلوق کا۔

- ﴿۱﴾ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے کہ انسان کو نطفہ جیسی معمولی چیز سے پیدا فرمایا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام یہ بھی ہے کہ اس کو داد بیہال، نانیہال اور سسرال کی شکل میں وسیع خاندان عطا فرمایا، جس سے دوسرے جاندار محروم ہیں۔
- ﴿۲﴾ یعنی جو لوگ جھوٹ بولتے اور مکاری کرتے ہیں، ان کا مقصد اس کے ذریعہ مادی فائدوں کا حاصل کرنا ہوتا ہے؛ لیکن میں تو تم سے کسی مادی فائدے کا طلب گار ہی نہیں ہوں، صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں کہ تم ایمان لے آؤ۔
- ﴿۳﴾ سورہ اعراف آیت نمبر: ۵۴ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۖ تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۗ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنۢ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۚ وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۚ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۚ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں: رحمن کیا چیز ہے؟ کیا تم جس کے بارے میں حکم دو، ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں؟؟ اور یہ بات (کہ خدا کو سجدہ کرو) ان کی نفرت ہی میں اضافہ کر رہی ہے، (۱) ﴿۱﴾ دو، برکت والی ذات ہے وہ جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں (سورج کا) چراغ اور چمکتا ہوا چاند رکھ دیا، (۲) ﴿۲﴾ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے، (یہ سب نشانیاں) ان لوگوں کے لئے ہیں، جو نصیحت حاصل کرنا یا شکر گزار بننا چاہے، ﴿۳﴾ رحمن کے (نیک) بندے وہ ہیں، جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، جب جاہل لوگ ان سے ہم کلام ہوتے ہیں، تو سلامتی کی بات کہہ دیتے ہیں، ﴿۴﴾ وہ اپنے رب کے سامنے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ رحمن کے معنی ”بے حد مہربان“ کے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا ہے؛ لیکن یمامہ کے ایک شخص مُسَیْلَمَہ کا نام بھی رحمن تھا، جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور مارا گیا، اہل مکہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ قرآن میں جو رحمن کی عبادت کرنے اور سجدہ کرنے کا حکم ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے، جو بے حد مہربان و کریم ہے؛ لیکن وہ بطور تمسخر کہتے تھے کہ یہ رحمن کیا چیز ہے، ہم تو صرف یمامہ کے رحمن کو جانتے ہیں؟ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر بغوی: ۶/۹۲) کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے ذکر سے تو ان کے دل میں اللہ کی محبت کی چنگاری کو سلگنا چاہئے تھا؛ لیکن ان کی بے توفیقی ہے کہ اس کے بجائے اُلٹے ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

﴿۲﴾ آسمان میں برج بنائے جانے سے کیا مراد ہے؟ اس کا ذکر سورہ حجر آیت نمبر: ۱۶ میں آچکا ہے ”سراج“ کے معنی ”چراغ“ کے ہیں، جو خود روشن ہوتے ہیں، چراغ میں گرمی اور حرارت کا ہونا ضروری ہے، سورج کی کیفیت یہی ہے کہ وہ آگ کا ایک گولا ہے، جس کی روشنی اس کے باوجود پوری زمین کو روشن کر دیتی ہے کہ تقریباً ۳۹ فیصد روشنی کی شعاعیں اوزون کی پَرِث، ہوائی غلاف، بادلوں، بخارات اور گرد و غبار کے ذرات کی وجہ سے زمین تک نہیں پہنچ پاتی ہیں، چاند کی روشنی اپنی نہیں ہے؛ بلکہ وہ سورج کی روشنی کا عکس ہے، جس سے چاند روشن ہوتا ہے اور پھر اپنی روشنی پھیلاتا ہے؛ اسی لئے چاند کے لئے قرآن مجید نے ”منیر“ (روشن کرنے والا) کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۚ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۖ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۖ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۖ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۖ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۖ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۖ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ۚ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۖ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۖ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتَنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۖ

وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور رکھے، یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے، ۱۹ اس میں شک نہیں کہ وہ برا ٹھکانہ اور رہنے کی بدترین جگہ ہے، ۲۰ ان کا حال یہ ہے کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں؛ بلکہ اس کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں، ۲۱ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پوجا نہیں کرتے اور کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے، جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، ہاں، مگر حق کی بنا پر (یعنی حکم شرعی کے مطابق)، اور وہ زنا بھی نہیں کرتے، جو ایسا کرے گا، وہ گنہگار ہوگا، ۲۲ قیامت کے دن اس کو دو گنا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل و خوار ہو کر ہمیشہ اسی میں رہے گا، ۲۳ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی، ایمان لائے اور نیک عمل کیا، اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے اور اللہ بہت معاف کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں، ۲۴ نیز جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرنے لگتا ہے، وہ اللہ کی طرف پوری طرح لوٹ آتا ہے، ۲۵ اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لایعنی چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں، ۲۶ جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان پر گونگے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے ہیں، ۲۷ اور جو دُعا کرتے رہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ایسی بیویاں اور اولاد عطا فرما دیجئے، جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور ہم کو اللہ سے ڈرنے والوں کا پیشوا بنادیتجئے۔ (۱) ۲۸

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۖ خُلِدِينَ فِيهَا ۖ حَسَنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۖ قُلْ مَا يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۖ

یہی لوگ ہیں، جن کو ان کے صبر و استقامت کی وجہ سے (جنت کے) بالا خانے دیئے جائیں گے اور اس میں دُعا اور سلام سے ان کا استقبال کیا جائے گا، ۱۹ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، وہ کیا ہی بہتر ٹھہرائے جانے کی اور قیام کرنے کی جگہ ہے! ۲۰ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: اگر تم اس کی عبادت نہ کرو تو میرے پروردگار کو تمہاری کیا پروا ہے؟ (پھر عبادت کرنا تو کیا؟) تم نے تو جھٹلادیا ہے، تو اب اس کا وبال آکر رہے گا۔ ۲۱

← عاجزی کا اظہار ہوتا ہے، دوسری صفت گفتگو میں تواضع کی ہے کہ اگر کوئی شخص ان سے ناشائستہ گفتگو کرے تو وہ سلامتی کی بات کہہ کر گزر جاتے ہیں، اُلجھتے نہیں ہیں، تیسری اور چوتھی صفت رات کی عبادت اور عذابِ دوزخ سے نجات کے لئے دُعا کا اہتمام کرنے کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرتا ہے، پانچویں صفت مال سے متعلق ہے کہ نہ بخل کرتے ہیں نہ فضول خرچی، چھٹی صفت کا تعلق عقیدہ و ایمان سے ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، ساتویں اور آٹھویں صفت کا تعلق گناہوں سے بچنے سے ہے کہ نہ ناحق قتل کے مرتکب ہوتے ہیں، جس کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، اور نہ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہے، نویں صفت یہ ہے کہ یہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، دسویں صفت یہ ہے کہ لایعنی کاموں اور باتوں سے بچتے ہیں، گیارہویں صفت یہ ہے کہ جب ان پر اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے تو توجہ کے ساتھ اور عمل کے جذبہ سے سنتے ہیں، بارہویں اور آخری بات یہ ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کے لئے اللہ سے دُعا کرتے ہیں اور خاص طور پر اس بات کی دُعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کو متقی لوگوں کا پیشوا بنادیں، یہ نہایت جامع آیات ہیں، جن میں مسلمانوں کے لئے پوری زندگی کا نظام عمل بیان فرما دیا گیا ہے۔







## سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

«سورة نمبر : (۲۶)

«رکوع : (۱۱)

«آیتیں : (۲۲۷)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

شعرا اپنے خیالات کے اظہار کا ایک بہتر اور اثر انگیز طریقہ ہے؛ لیکن زیادہ تر اس کا استعمال گمراہی پھیلانے اور غیر اخلاقی باتوں کے اظہار کے لئے کیا جاتا ہے، عربوں میں شعر گوئی کا خاص ذوق تھا اور اسی لئے وہ رسول اللہ ﷺ کو شاعر قرار دیا کرتے تھے؛ چنانچہ اس سورہ میں اس شبہ کو دور کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ محمد ﷺ کی پیروی کرنے والے تو نیک، پاکباز اور اچھے لوگ ہیں، جب کہ شعراء کی پیروی تو عام طور پر بھٹکے ہوئے لوگ کرتے ہیں، پس چوں کہ اس سورہ میں شعراء کا ذکر آیا ہے؛ اس لئے اس کا نام ”شعراء“ رکھا گیا ہے۔

اس سورہ میں بھی زیادہ تر توحید و رسالت اور آخرت کا ذکر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعات کا ذکر آیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

طَسَمَ ۱ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ ۳ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۴ إِنْ تَشَأْ نُثَوِّلُ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۵ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۶ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۷ أَوْ لَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ طا، سین، میم ۱۱ یہ (آپ پر اتاری جانے والی) کتاب کے واضح احکام ہیں ۲ اس لئے کہ وہ ایمان نہیں لاتے، شاید آپ اپنی جان دے دیں گے ۳ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک نشانی اُتار دیں، پھر ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک کر رہ جائیں (لیکن اس طرح مسلمان بنانا مقصود نہیں) ۴ جب بھی ان کے پاس بے حد رحم و کرم والے خدا کی طرف سے کوئی نیا حکم آتا ہے تو یہ اس سے بے رخی ہی برتتے ہیں ۵ تو یہ تو جھٹلا چکے، اب جلد ہی ان کو ان باتوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، جن کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ۶ کیا وہ زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں قسم قسم کے بہترین پودے اُگائے ہیں؟ ۷ (۳)

۱ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں، اس سلسلہ میں وضاحت سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر: ۱ میں آچکی ہے۔  
 ۲ رسول اللہ ﷺ انسانیت پر بے حد شفقت و مہربانی کی وجہ سے اس بات کے لئے بے قرار رہتے تھے کہ لوگ ایمان لے آئیں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں؛ اس لئے جب لوگ ایمان نہیں لاتے، تو آپ ﷺ کو ایسا رنج و افسوس ہوتا کہ گویا جان ہی دے دیں گے، اسی سلسلہ میں آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے پر اتنا رنجیدہ نہ ہوں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے ہے کہ کچھ لوگ ایمان سے محروم رہیں، اگر کسی نہ کسی طرح سب کا ایمان لے آنا ہی منظور ہوتا تو آسمان سے کوئی ایسا معجزہ ظاہر ہو جاتا، جس کو ماننے کے سوا چارہ نہیں ہوتا اور ہر شخص کی گردن اللہ کے سامنے جھک جاتی؛ لیکن یہ بات منشاء خداوندی کے خلاف ہے، دنیا میں انسان کو بھیجے جانے کا مقصد اس بات کا امتحان لینا ہے کہ وہ ارادہ و اختیار کی صلاحیت کا صحیح استعمال کرتا ہے یا نہیں؟ اگر ایسی نشانی ظاہر ہو جاتی تو امتحان کا مقصد پورا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جو چیز پردہ غیب میں چھپی ہوئی ہے، وہ آنکھوں کے سامنے آ جاتی تو پھر اس کو ماننے میں کوئی امتحان باقی نہیں رہتا — انسانیت کی ہدایت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بے قراری اور دل سوزی کا جو منظر کھینچا گیا ہے، اس میں مسلمانوں کے لئے سبق ہے کہ ایک داعی امت ہونے کی حیثیت سے ان کا کیا جذبہ اور کیا کردار ہونا چاہئے، کاش! مسلمان انسانیت کے تئیں اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں۔  
 ۳ یعنی اگرچہ کوئی آسمانی نشانی ان کے سامنے نہیں لائی گئی؛ لیکن خود اس کائنات میں اللہ کی جو نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، اگر وہ اس میں بھی غور کریں اور ضد اور عناد سے کام نہ لیں تو درست راستے کو پا سکتے ہیں۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۹  
 نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنْ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۱۰ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۖ أَ لَا يَتَّقُونَ ۝۱۱ قَالَ رَبِّ إِنَّنِي  
 أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝۱۲ وَيَضْحَكُوا صَدْرِي وَلَا يَنْظِلُوا لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَرُونَ ۝۱۳ وَلَهُمْ  
 عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝۱۴ قَالَ كَلَّا ۖ فَادْهَبَا بِأَيْتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَعِينُونَ ۝۱۵ فَاتَّبَعَا  
 فِرْعَوْنَ فَقَوْلَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۶ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝۱۷ قَالَ أَلَمْ  
 نُرَبِّكَ فِينَا وَلَيْدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۝۱۸ وَفَعَلْتَ فَعَلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ  
 مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۱۹ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝۲۰

یقیناً اس میں نشانی ہے؛ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے ۝۹ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے پروردگار زبردست اور بے حد مہربان ہیں ۝۱۰ اور (وہ واقعہ قابل ذکر ہے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تم اس گناہ کا قوم کے پاس جاؤ، ۝۱۱ یعنی فرعون کی قوم کے پاس کہ کیا ان کو اللہ کا ڈر نہیں ہے؟ ۝۱۲ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے ۝۱۳ میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان چلتی نہیں ہے؛ اس لئے آپ ہارون پر بھی وحی بھیج دیجئے ۝۱۴ اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک جرم کا دعویٰ بھی ہے؛ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل ہی نہ کر ڈالیں ۝۱۵ (۲) ارشاد ہوا: وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے؛ اس لئے تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور سب کچھ) سن رہے ہیں، ۝۱۶ پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تمام عالم کے پروردگار کے پیغمبر ہیں ۝۱۷ (اس ذات کا حکم ہے) کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو ۝۱۸ فرعون نے کہا: ”کیا ہم نے بچپن میں اپنے یہاں تمہاری پرورش نہیں کی تھی؟ اور تم اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس ہی رہے سہے ۝۱۹ اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی جس کو تم نے انجام دیا تھا، (۳) اور تم تو بڑے احسان فراموش ہو“ ۝۲۰ موسیٰ نے کہا: ”جب میں ناواقف تھا اس وقت یہ حرکت کر بیٹھا تھا۔ ۝۲۰“

(۱) آیت نمبر: ۱۰ تا ۶۸ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور فرعون کو دعوتِ ایمان دینے کا ذکر آیا ہے، جس کی تفصیل سورہ اعراف، آیت نمبر: ۱۰۸ میں گزر چکی ہے۔

(۲) جرم سے مراد ہے، حضرت موسیٰ ؑ کے ہاتھوں غیر ارادی طور پر ایک قبطی شخص کا قتل۔

(۳) یہاں بھی قبطی کے قتل والا واقعہ مراد ہے، جس میں حضرت موسیٰ ؑ کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں تھا۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۚ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۚ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ۚ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۚ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ۚ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۚ قَالَ لِمَنْ اتَّخَذَتِ الْهَآ غَيْرِي لَا جَعَلَنَّاكَ مِنَ الْمُسْجُونِينَ ۚ قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ۚ قَالَ فَأْتِ بِهِ ۚ إِنَّ كُنْتُ مِنَ الصَّادِقِينَ ۚ فَالْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ۚ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۚ

پھر میں تمہارے ڈر سے بھاگ گیا تھا، اس کے بعد پھر مجھ کو میرے پروردگار نے سمجھ بوجھ عطا کی (۱) اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل فرمایا، (۲) اور تم جو مجھ پر احسان جتلاتے ہو تو کیا وہ یہی ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟ (۳) فرعون نے کہا: پروردگار عالم کیا چیز ہے؟ (۴) موسیٰ نے کہا: اگر تم کو (سچائی پر) یقین کرنا ہو (تو سمجھ لو کہ) وہی آسمانوں کا، زمین کا اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار ہے، (۵) فرعون نے اپنے گرد موجود لوگوں سے کہا: کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ (۶) موسیٰ نے کہا: تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار بھی وہی ہے! (۷) فرعون کہنے لگا: (اے لوگو!) تمہارا رسول جس کو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، ضرور پاگل ہے، (۸) موسیٰ نے کہا: وہی پورب، بچھم اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار ہے، اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو مان لو گے) (۹) فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں تم کو جیل میں ڈال دوں گا (۱۰) موسیٰ نے کہا: اگرچہ کہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں (تب بھی نہ مانو گے)؟ (۱۱) فرعون نے کہا: اچھا، اگر تم واقعی سچے ہو تو دلیل پیش کرو (۱۲) پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو فوراً ہی وہ صاف اڑ دھا بن گیا (۱۳) موسیٰ نے اندر سے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے بالکل سفید ہو گیا۔ (۱۴)

(۱) بعض مفسرین نے ”حکماً“ کے معنی نبوت کے لئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور پیغمبروں میں شامل فرمایا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/۹۵)

(۲) ہر زمانہ میں خدا نا آشنا گمراہ لوگ نبوت کو پاگل پن کہتے رہے ہیں، آج بھی یورپ کے نام نہاد دانشور رسول اللہ ﷺ پر طاری ہونے والی وحی کی کیفیت کے بارے میں یہی کہتے ہیں، زمانہ بدل گیا ہے، علم کی روشنی ہر طرف پھیل گئی ہے؛ لیکن جو لوگ نور ہدایت سے محروم ہیں، وہ کل بھی گھٹا ٹوپ تاریکی میں تھے اور آج بھی ہیں۔

قَالَ لِمَلَا حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ ۖ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٢٨﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَابٍ عَلِيمٍ ﴿٢٩﴾ فَجَبَعَ السَّحَرَةُ لِبَيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٠﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَبِعُونَ ﴿٣١﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٣٢﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَنَأْجُرُكَ إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَئِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٣٤﴾ قَالَ لَهُمْ مُوسَى أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٣٥﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٣٦﴾ فَأَلْقَى مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٣٧﴾ فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سِحْدِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالُوا أَمَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٩﴾ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ﴿٤٠﴾ قَالَ أَمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ لَا قُطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ ۖ وَلَا صَلْبَيْنَكُمُ أَجْمَعِينَ ﴿٤١﴾

فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: یہ تو بہت ہی ماہر جادوگر ہے ﴿۲۶﴾ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو ہی تمہارے ملک سے نکال باہر کرے، تو تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟ ﴿۲۷﴾ ان لوگوں نے جواب دیا: آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں ہر کارے بھیج دیجئے ﴿۲۸﴾ کہ وہ تمام ماہر اور جان کار جادوگروں کو آپ کے پاس حاضر کر دیں؛ ﴿۲۹﴾ چنانچہ مقررہ دن اور مقررہ وقت پر جادوگر جمع کر دیئے گئے ﴿۳۰﴾ اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ کیا تم لوگ (اس مقابلہ کو دیکھنے کے لئے) اکٹھے ہو جاؤ گے؟ ﴿۳۱﴾ تاکہ اگر جادوگر غالب آجائیں تو ہم ان ہی کے راستہ پر قائم رہیں، ﴿۳۲﴾ جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے دریافت کیا: اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا؟ ﴿۳۳﴾ فرعون نے کہا: ہاں، اور اس وقت تم میرے قریبی لوگوں میں شامل کر لئے جاؤ گے ﴿۳۴﴾ موسیٰ نے جادوگروں سے کہا: تمہیں جو ڈالنا ہے، ڈال دو ﴿۳۵﴾ چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے: فرعون کی عزت و اقبال کی قسم! یقیناً جیت ہماری ہی ہوگی۔ ﴿۳۶﴾ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو ڈالتے ہی یوں ہوا کہ وہ جادوگروں کے پُر فریب کرتبوں کو نگلنے لگا ﴿۳۷﴾ چنانچہ جادوگر سجدے میں گر پڑے ﴿۳۸﴾ اور کہنے لگے: ہم تمام عالم کے رب پر ایمان لائے ﴿۳۹﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ﴿۴۰﴾ فرعون نے کہا: تم ہماری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے؟ دراصل موسیٰ ہی تم سب کا گروہ ہے، جس نے تم کو جادو سکھایا ہے تو ابھی تم کو (اس کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا، میں تم لوگوں کے اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور میں تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ ﴿۴۱﴾

قَالُوا لَا ضَيْرَ ۚ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿۱۸﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا ۚ إِنَّ كُنَّا آوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي ۖ إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿۲۰﴾ فَأَرْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿۲۲﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿۲۳﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ﴿۲۴﴾ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۲۵﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۲۶﴾ كَذَلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿۲۷﴾ فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ﴿۲۸﴾ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿۲۹﴾ قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۳۰﴾

جادوگروں نے کہا: کوئی حرج نہیں، ہمیں اپنے رب ہی کی طرف تو جانا ہے ﴿۱۹﴾ چون کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، اس لئے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے رب ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے ﴿۱۸﴾ ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ میرے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ (کیوں کہ) ضرورتاً لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا ﴿۲۰﴾ پھر فرعون نے تمام شہر میں ہر کارے دوڑا دیئے ﴿۲۱﴾ (اور کہلا بھیجا) کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ﴿۲۲﴾ انھوں نے ہم کو بہت غصہ دلا یا ہے ﴿۲۳﴾ اور ہم سب بھی (تھکے اور دفاعی سر و سامان کے ساتھ) تیار ہیں ﴿۲۴﴾ چنانچہ ہم نے ان کو باغات اور چشموں ﴿۲۵﴾ نیز خزانوں اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا ﴿۲۶﴾ اسی طرح ہوا، اور ہم نے (ان کے بعد) بنی اسرائیل کو اس کا مالک بنا دیا ﴿۲۷﴾ غرض کہ فرعون کے لوگ سورج نکلتے ہی بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑے، ﴿۲۸﴾ جب دونوں گروہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے: ہم تو یقیناً پکڑے گئے ﴿۲۹﴾ موسیٰ نے کہا: ”ہرگز نہیں“ میرے ساتھ میرے رب ہیں، وہ ضرور مجھ کو راستہ بتائیں گے۔ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ یعنی حضرت موسیٰ ﷺ کی چند لمحات کی صحبت نے ان کے دل کو ایسا صاف اور ان کی روح کو ایسا پاکیزہ بنا دیا کہ وہ دین حق پر ڈٹ گئے اور جان کی قربانی دینے کو تیار ہو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی صحابیت کا جو بلند مقام ہے، وہ کسی اور شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

﴿۲﴾ ’غائظون‘ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ ہم سے بہت غصہ اور عداوت رکھتے ہیں؛ اسی لئے بعض اہل علم نے اس کا ترجمہ کیا ہے، ”وہ مقررہم سے دل جلے ہوئے ہیں“ (ترجمہ شیخ الہند) اور اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے بلا اجازت مصر سے نکل کر ہمیں غصہ دلا یا ہے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۰۱/۱۳)

﴿۳﴾ ’حذر‘ کے معنی چوکنا اور تیار کے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۰۲/۱۳) یعنی ہم جنگی ساز و سامان کے ساتھ دشمن کی سرکوبی کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔

﴿۴﴾ تورات کے صحیفہ ’خروج‘ باب: ۱۴، میں تفصیل سے اس واقعہ کا ذکر آیا ہے۔

فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوسٰى اَنْ اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَكَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۚ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرَيْنَ ۚ وَاَنْجَيْنَا مُوسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ اَجْمَعِينَ ۚ ثُمَّ اَعْرَفْنَا الْاٰخَرَيْنَ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۚ وَاْتٰلُ عَلَيْهِمْ نَبَاۤ اِبْرٰهِيْمَ ۚ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَنْظِلُّ لَهَا مِنْ سَحَابٍ مُّطْفِئَةٍ ۙ اَوْ يَنْفَعُوْنَكَمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۙ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۙ قَالَ اَفَرَاۤءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ الْاَقْدَمُوْنَ ۙ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّىْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهٗوَ يَهْدِيْنِىْ ۙ وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِىْ ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهٗوَ يَشْفِيْنِىْ ۙ

پھر ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ اپنی لاٹھی سے دریا کو مارو؛ چنانچہ دریا پھٹ گیا اور (پانی کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا ۱۹۔ ہم نے دوسرے فریق (یعنی فرعون کے لوگوں) کو بھی اسی جگہ پہنچا دیا ۲۰ اور موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو بچا لیا ۲۱۔ پھر ہم نے دوسرے فریق کو ڈبو دیا ۲۲ یقیناً اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے، (لیکن اس کے باوجود) ان (اہل مکہ) میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے ہیں ۲۳ اور یقیناً آپ کے رب ہی غالب اور نہایت مہربان ہیں ۲۴ آپ ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ بھی بیان کر دیجئے، ۱) جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا: تم کس چیز کی پوجا کرتے ہو؟ ۲) ان لوگوں نے جواب دیا: ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور دن بھر ان ہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں ۳) ابراہیم نے دریافت کیا: جب تم انھیں پکارتے ہو تو وہ (تمہاری پکار) سنا کرتے ہیں ۴) یا تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں، یا کیا کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ۵) ان لوگوں نے جواب دیا: نہیں؛ بلکہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے ۶) ابراہیم نے پوچھا: ”کیا تم نے ان کا حال دیکھ لیا، جن کو تم پوجتے ہو اور جن کو تمہارے گزشتہ باپ دادا پوجا کرتے تھے؟“ ۷) یہ سب میرے دشمن ہیں، سوائے اس ذات کے جو تمام جہانوں کا رب ہے ۸) جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے ۹) جو مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے ۱۰) جب میں بیمار پڑتا ہوں تو شفاء عطا فرماتا ہے“۔ (۲) ۱۱)

۱) آیت نمبر: ۲۹ تا ۸۸ میں حضرت ابراہیم ؑ کے واقعہ کا ذکر ہے، حضرت ابراہیم ؑ کا واقعہ تفصیل سے سورۃ انبیاء: ۷۰ کے حاشیہ میں اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے سبق آموز پہلو پر گفتگو سورۃ مریم: ۵۰ میں آچکی ہے۔  
 ۲) اللہ کے حضور میں ایک پیغمبر کا ادب دیکھئے کہ یوں تو بیماری اور صحت دونوں اللہ ہی کی طرف سے ہے؛ لیکن بیماری کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی، صحت و شفا کی نسبت اللہ کی طرف فرمائی۔



وَالَّذِي يُبَيِّنُنِي ثُمَّ يُحْيِيَنِي ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۝ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ وَاعْفُ عَنِّي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَبُرِزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَوِينَ ۝ وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَمَا كُنْتُمْ تُعْبُدُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۝ هَلْ يَنْصُرُونَكُمُ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ۝ فَكَبَّكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ۝ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْعُونَ ۝ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۝ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ إِذْ نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ۝ وَلَا صَدِيقٍ حَبِيمٍ ۝

جو مجھے موت دے گا، پھر (دوبارہ) زندہ کرے گا ۱۹ اور جس سے اُمید ہے کہ قیامت کے دن میری غلطی کو معاف کر دے گا ۲۰ اے میرے رب! مجھ کو حکمت و دانائی سے نواز دے، مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما لیجئے ۲۱ اور آئندہ آنے والوں میں میرے ذکر خیر کو باقی رکھیے ۲۲ اور مجھ کو ان لوگوں میں شامل رکھیے، جو نعمتوں والی جنت کے وارث ہوں گے ۲۳ نیز میرے والد کو معاف فرما دیجئے، جو یقیناً گمراہ لوگوں میں سے ہیں ۲۴ اور جس دن تمام لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اس دن مجھے رسوا مت فرمائیے ۲۵ جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا اور نہ اولاد ۲۶ ہاں (وہ کامیاب ہوگا) جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے گا ۲۷ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے جنت قریب کر دی جائے گی ۲۸ اور گمراہ لوگوں کے لئے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی ۲۹ اور ان سے کہا جائے گا: اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کیا کرتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ ۳۰ ۳۱ پھر ان کو، دوسرے گمراہ لوگوں کو اور ابلیس کے پورے لشکر کو دوزخ میں اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا، ۳۲ ۳۳ وہ وہاں آپس میں جھگڑتے ہوئے کہیں گے: ۳۴ ”خدا کی قسم! ہم تو یقیناً کھلی ہوئی غلطی پر تھے ۳۵ جب ہم تم کو پروردگار عالم کے برابر قرار دیتے تھے ۳۶ اور ہم کو تو ان ہی سرغنوں نے گمراہ کیا ہے، ۳۷ تو (اب) نہ کوئی ہماری سفارش کرنے والا ہے ۳۸ اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔ ۳۹

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ اگر کوئی اچھا کام اس نیت سے کیا جائے کہ بعد میں لوگوں کے درمیان اس کا ذکر خیر باقی رہے تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں۔

فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَنْتُمْ مِنْ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ وَمَا عَلَيَّ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾ إِنْ حَسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٢٦﴾

پس اگر ہم کو واپس جانے کا موقع ملتا تو ہم بھی مسلمان ہو جاتے“ ﴿۱۰﴾ یقیناً اس میں عبرت ہے اور (پھر بھی) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۱﴾ یقیناً آپ کے پروردگار بہت زبردست اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۲﴾ نوح کی قوم نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱۳﴾ جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا: ”کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں ہے؟“ یقیناً میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿۱۴﴾ لہذا اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۵﴾ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف پروردگارِ عالم کے ذمہ ہے ﴿۱۶﴾ لہذا اللہ ہی سے ڈرو اور میری بات مان لو“ ﴿۱۷﴾ وہ لوگ کہنے لگے: کیا ہم تم کو مان لیں؛ حالاں کہ صرف گھٹیا قسم کے لوگ ہی تمہاری پیروی کر رہے ہیں؟“ ﴿۱۸﴾ نوح نے کہا: ”ان کے پیشہ سے مجھے کیا بحث؟“ ﴿۱۹﴾ ان کا حساب و کتاب تو میرے پروردگار ہی کے ذمہ ہے، کاش، تم اس کو سمجھو ﴿۲۰﴾ اور میں ایمان لانے والوں کو دور نہیں کر سکتا، ﴿۲۱﴾ میں تو صرف صاف صاف متنبہ کر دینے والا ہوں۔“ ﴿۲۲﴾

﴿﴾ آیت نمبر: ۱۰۵ سے ۱۲۲ تک حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت، قوم کی طرف سے سرکشی اور پھر اس کی وجہ سے ان کے عذاب میں مبتلا کئے جانے کا ذکر ہے، یہ مضمون سورہ اعراف، آیت نمبر: ۶۳ میں آچکا ہے۔ ایک پیغمبر کو جھٹلانا، گویا تمام پیغمبروں کو جھٹلانا ہے؛ اس لئے کہ تمام پیغمبر ایک ہی دعوت کو لے کر آئے، اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا گیا کہ انھوں نے ”پیغمبروں“ کو جھٹلایا۔

﴿۲﴾ یہاں عمل سے صنعت و حرفت مراد لی گئی ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳/۱۲۰) ہر دور میں لوگوں نے اپنے طور پر کچھ پیشوں کو باعزت اور کچھ کو حقیر سمجھا ہے، یہ بیماری حضرت نوح ﷺ کی قوم میں بھی تھی، حضرت نوح ﷺ پر ایمان لانے والے لوگ اس زمانہ کے مزاج کے لحاظ سے حقیر پیشہ والے سمجھے جاتے تھے؛ اس لئے حضرت نوح ﷺ نے فرمایا: کہ میں تو تو حید کی طرف بلانے اور شرک سے روکنے کے لئے آیا ہوں، نہ کہ کسی بیشی کی بڑائی اور کسی کا گھٹاپا بیان کرنے کے لئے۔

﴿۳﴾ یعنی ظاہری جاہ و حشمت رکھنے والے بے دین لوگوں کی وجہ سے دین دار مسلمانوں کو نظر انداز کر دینا درست نہیں ہے۔

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَنُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۖ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ۖ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَانْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِكِ الْمَشْحُونِ ۖ ثُمَّ اغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَقِيَّةِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۖ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۖ

ان لوگوں نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور تم کو سنگسار کر دیا جائے گا ۱۹ نوح نے کہا: اے میرے رب! میری قوم نے تو مجھ کو جھٹلا دیا ہے ۲۰ اس لئے میرے اور ان کے درمیان کوئی ایک فیصلہ فرما دیجئے اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں، ان کو بچا لیجئے، ۲۱ چنانچہ ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کھچا کھچ بھری ہوئی کشتی میں تھے، سب کو بچا لیا ۲۲ اس کے بعد ہم نے بقیہ لوگوں کو غرق کر دیا، ۲۳ یقیناً اس واقعہ میں عبرت ہے، اور (لیکن) ان (مکہ والوں) میں سے زیادہ تر لوگ ماننے والے نہیں ہیں ۲۴ یقیناً آپ کے پروردگار بڑے زبردست اور بہت مہربان ہیں ۲۵ عادی نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ۲۶ جب کہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا: ”کیا تم کو (خدا کا) خوف نہیں ہے؟“ ۲۷ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ۲۸ اس لئے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ۲۹ میں تم سے اس کا کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا جرتو پروردگار عالم کے ذمہ ہے ۳۰ کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک بے فائدہ یادگار تعمیر کرتے ہو ۳۱ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو، جیسے تم کو (دنیا میں) ہمیشہ رہنا ہے۔ ۳۲ (۳)

۱) اللہ تعالیٰ کا اجتماعی عذاب تمام لوگوں کو اپنی پلیٹ میں لے لیتا ہے؛ لیکن جو لوگ ہدایت کی طرف بلانے کا اور گمراہی سے روکنے کا حق ادا کر دیتے ہیں، وہ ایسے عمومی عذاب سے بھی بچا لیئے جاتے ہیں۔

۲) آیت نمبر: ۱۲۳ تا ۱۴۰ میں قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ ہے، سورہ اعراف، آیت نمبر: ۷۲، ۷۹ کے حاشیہ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

۳) غرض کہ دنیا میں مکان ایسا بنانا چاہئے، جس سے ضرورت پوری ہو جائے، اگر اس سے آگے بڑھ کر ایسی عمارت بنالی جائے جو ضرورت کو بھی پوری کرے اور راحت و آسانی کا بھی سبب ہو تو اس میں بھی حرج نہیں؛ لیکن اپنی شان و شوکت کا اظہار اور جذبہ نمائش کی تسکین کے لئے بلند و بالا اور وسیع و عریض عمارتیں بنانا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، تعمیری شان و شوکت کے اظہار کا یہ مزاج نہ صرف اُس زمانہ میں تھا؛ بلکہ آج بھی ہے، ایک طرف لاکھوں وہ غریب لوگ ہیں، جن کے پاس سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے اور دوسری طرف وہ سرمایہ دار ہیں، جن کے محل گویا دنیا میں جنت بنانے کی کوشش ہے اور ان کے ایک ایک ہاتھ روم ایسے ہیں کہ اتنی ہی رقم میں ایک متوسط آمدنی کے حامل شخص کا اچھا خاصا مکان بن سکتا ہے۔

وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا ۖ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۖ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۖ وَجَنَّتِ وَعُيُونٌ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَّعْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ۖ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۖ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ۖ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ كَذَبَتْ ثُمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَتَتَّكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ۖ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۖ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ۖ وَتَنجِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَرِهِينَ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا ۖ

اور جب کسی کی پکڑ کرتے ہو تو بڑے ظالم و جابر بن کر پکڑ کرتے ہو ۱۹ تو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ۲۶ اور اس ہستی کا ڈر رکھو جس نے ایسی چیزوں سے تمہاری مدد کی ہے، جن کو تم خود جانتے ہو ۱۹ اللہ نے تمہاری چوپایوں سے، بیٹوں سے ۲۳ باغات اور چشموں سے مدد فرمائی ہے، مجھے ڈر ہے کہ تم پر ایک بڑے سخت دن کا عذاب نہ آجائے ۲۵ انھوں نے کہا: تم نصیحت کرو یا نہ کرو، ہمارے لئے برابر ہے ۲۶ کچھ نہیں، یہ (نبی ہونے کا دعویٰ کرنا) اگلے لوگوں کی عادت ہے ۲۷ اور ہم پر ہرگز عذاب آنے والا نہیں ہے ۲۸ غرض کہ وہ ہود کو جھٹلانے لگے تو ہم نے ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا، یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور (لیکن) ان (اہل مکہ) میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۲۹ اور یقیناً آپ کے پروردگار بہت زبردست اور بے حد مہربان ہیں ۳۰ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ۳۱ جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا: ”کیا تم کو اللہ کا خوف نہیں ہے؟“ ۳۲ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ۳۳ اس لئے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو، ۳۴ اور میں تم سے اس کا کوئی بدلہ بھی نہیں مانگتا، میرا اجر تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے ۳۵ کیا تم کو یہاں بے فکری کے ساتھ رہنے دیا جائے گا؟ ۳۶ باغوں اور چشموں میں؟ ۳۷ کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن کے گاہے نرم ہیں؟ ۳۸ اور کیا تم پہاڑوں سے تراش تراش کر پُر تکلف مکانات بناتے ہی رہو گے؟ ۳۹ (ایسا نہیں ہے) تو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ ۴۰

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۴۱ سے ۱۵۹ تک حضرت صالح ؑ کی دعوت، قوم کی طرف سے انکار و نافرمانی اور پھر ان پر اللہ کے عذاب کا ذکر آیا ہے، اس واقعہ کی وضاحت سورہ اعراف، آیت نمبر: ۷۹ میں گزر چکی ہے۔

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۝ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا ۖ فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ۝ وَلَا تَسْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ فَعَقَرُوهَا فَاصْبَحُوا نَدِيمِينَ ۝ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ ۱۹ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ ۱۶ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۖ

اور زیادتی کرنے والوں کا حکم نہ مانو ۱۹ جو زمین میں فساد مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ۱۹ قوم ثمود نے کہا: ”تم پر تو کسی نے بھاری جادو کر دیا ہے ۲۶ تم بھی تو ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو تو اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ پیش کرو“ ۲۶ صالح نے کہا: ”یہ اونٹنی ہے، (ایک دن) اس کے پینے کی باری ہوگی اور ایک مقرر دن تمہارے پینے کی ۲۷ اور اس کو تکلیف دینے کے لئے ہاتھ بھی نہ لگانا، ورنہ تم کو بھاری دن کا عذاب آ پکڑے گا“ ۲۷ پھر ان لوگوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا، اس کے بعد (جب عذاب کی علامتیں دیکھیں تو) پچھتانے لگے ۲۸ آخر عذاب نے ان کو آ پکڑا، یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان (مکہ والوں) میں کے بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۲۹ بے شک آپ کے پروردگار بہت زبردست اور بے حد رحم کرنے والے ہیں ۳۰ لوط کی قوم نے بھی اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ۳۱ (۲) جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا: ”کیا تم کو اللہ کا خوف نہیں ہے؟“ ۳۱ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں؛ ۳۲ لہذا اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ۳۳ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ تو پروردگار عالم کے ہی ذمہ ہے ۳۴ کیا تمام دنیا والوں میں سے تم ایسے ہو کہ مردوں سے بدلہ لیتی ہو ۳۵

۱) شرک و بت پرستی، زنا اور بے حیائی، شراب نوشی اور قتل و غارت گری، سود خوری اور جوئے بازی، نیز رشوت اور ظلم و زیادتی، یہ سب زمین میں فساد پھیلانے کی مختلف شکلیں ہیں اور جو تو میں خدا اور آخرت پر یقین نہیں رکھتی ہیں، وہ یقیناً ان برائیوں میں مبتلا ہو کر رہتی ہیں۔

۲) حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کا ذکر سورہ اعراف، آیت نمبر: ۸۴ کے حاشیہ میں آچکا ہے، یہاں بھی آیت نمبر: ۱۶۰ تا ۱۷۵ میں اسی کا تذکرہ ہے۔

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَرْوَاجِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿۱۹﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿۲۰﴾ قَالَ إِنِّي لَعَلَّكُمْ مِنَ الْفَالِغِينَ ﴿۲۱﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾ فَنجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۲۳﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۲۴﴾ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿۲۵﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذِرِينَ ﴿۲۶﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾ كَذَّبَ أَصْحَابُ لُوطٍ لَئِنْ كُنَّا الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۹﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۰﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۳۱﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۳۳﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿۳۴﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْنُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۳۵﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأُولِينَ ﴿۳۶﴾

اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں، ان کو نظر انداز کئے دیتے ہو؛ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم لوگ حد سے گزر جانے والے ہو ﴿۱۹﴾ ان لوگوں نے کہا: اے لوط! اگر تم (اس فعل کو روکنے سے) باز نہ آئے تو تم کو ضرور نکال باہر کیا جائے گا ﴿۲۰﴾ لوط نے کہا: میں تمہاری اس حرکت سے سخت نفرت کرتا ہوں ﴿۲۱﴾ اے میرے رب! مجھ کو اور میرے لوگوں کو ان کی اس حرکت (کے وبال) سے محفوظ رکھے ﴿۲۲﴾ چنانچہ ہم نے اس کو اور اس کے لوگوں کو بچالیا ﴿۲۳﴾ سوائے ایک بڑھیا کے، جو رہ جانے والوں میں رہ گئی ﴿۲۴﴾ پھر ہم نے اور سب کو تباہ و برباد کر ڈالا ﴿۲۵﴾ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا، ان پر برسنے والی بارش کیا ہی بری تھی! ﴿۲۶﴾ یقیناً اس میں عبرت ہے اور (لیکن) ان (مکہ والوں) میں سے بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں ﴿۲۷﴾ بے شک آپ کے پروردگار بہت زبردست اور بے حد مہربان ہیں ﴿۲۸﴾ ایکہ والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ﴿۲۹﴾ جب ان سے شعیب نے کہا: ”کیا تم (اللہ کا) خوف نہیں رکھتے؟“ ﴿۳۰﴾ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿۳۱﴾ اس لئے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۳۲﴾ اور میں تم سے اس کا کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ ہے، ﴿۳۳﴾ پورا پورا ناپا کرو، ناپ میں کمی نہ کیا کرو ﴿۳۴﴾ اور سیدھی ترازو سے تولاد کرو ﴿۳۵﴾ لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو، ﴿۳۶﴾ اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام گذشتہ مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔“ ﴿۳۷﴾

﴿۱﴾ ایکہ والوں کا ذکر سورہ اعراف، آیت نمبر: ۹۳ میں آچکا ہے، جن کی طرف حضرت شعیب ؑ کو نبی بنایا گیا تھا، وہاں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے، آیت نمبر: ۶۰ تا ۱۹۱ میں اسی واقعہ کا تذکرہ ہے۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۸﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۱۹﴾ فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۰﴾ قَالَ رَبِّیْ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ یَّوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۲۲﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآیَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۲۴﴾ وَإِنَّهُ لَنَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۵﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۲۶﴾ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۲۷﴾ بِلِسَانٍ عَرَبٍ مُّبِينٍ ﴿۲۸﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبْرِ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۹﴾

ایکہ والوں نے جواب دیا: ”یقیناً تم پر جادو کر دیا گیا ہے ﴿۱۸﴾ تم تو ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے بھی ہو ﴿۱۹﴾ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو، ﴿۲۰﴾ شعیب نے کہا: میرے رب ان باتوں سے اچھی طرح واقف ہیں، جو تم کیا کرتے ہو ﴿۲۱﴾ ایکہ والوں نے شعیب کو جھٹلادیا تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا، بے شک وہ ایک بڑے سخت دن کا عذاب تھا ﴿۲۲﴾ یقیناً اس میں عبرت ہے اور (لیکن) ان (مکہ والوں) میں سے بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، ﴿۲۳﴾ آپ کے رب بڑی قدرت والے اور نہایت مہربان ہیں ﴿۲۴﴾ اور یہ قرآن پروردگار عالم کا اُتارا ہوا ہے، ﴿۲۵﴾ جس کو امانت دار فرشتہ (جبرئیل) لے کر نازل ہوا ہے، ﴿۲۶﴾ آپ کے دل پر (یہ کتاب اُتاری گئی ہے)؛ تاکہ آپ بھی (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں ہو جائیں ﴿۲۷﴾ یہ واضح عربی زبان میں ہے ﴿۲۸﴾ اور پہلی اُمتوں کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ یعنی پہلی آسمانی کتابوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کے نبی بنائے جانے کا ذکر موجود ہے، ضروری نہیں کہ یہ ذکر محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے نام ہی سے ہو؛ چنانچہ بائبل میں اس کے واضح اشارات موجود ہیں، (دیکھئے: مولانا رحمت اللہ کی انوی کی ”انظہار الحق“ اور اس موضوع کی دوسری کتابیں) — اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ خود قرآن مجید یعنی قرآن کی تعلیمات پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں، گویا تمام آسمانی صحائف کی بنیادی تعلیمات یکساں ہیں، جس سے علماء بنی اسرائیل اچھی طرح واقف ہیں، یہ خود آپ کے نبی برحق اور قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے، اس سے بعض حضرات نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قرآن کا ترجمہ بھی قرآن ہے، (دیکھئے: احکام القرآن للخصاص: ۳/۳۴۷) اور اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ابتدا میں رائے تھی کہ نماز کے اندر غیر عربی زبان میں بھی قرآن کی تلاوت جائز ہے؛ لیکن بعد کو آپ نے اس قول سے رجوع فرمالیا، (دیکھئے: روح المعانی: ۱۹/۱۲۶) یہاں قرآن مجید کی صفات بیان کرتے ہوئے پچھلی کتابوں کا حوالہ دینے سے پہلے فرمادیا گیا کہ یہ کتاب واضح عربی زبان میں ہے: ”بلسان عربی مبین“ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اصل قرآن مجید وہی ہے، جو عربی زبان میں ہے، اسی کی تلاوت عبادت ہے اور نماز میں اس کی قراءت ضروری ہے؛ البتہ قرآن مجید میں جو مضامین آئے ہیں، وہ پچھلی کتابوں میں بھی آچکے ہیں۔

أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاؤُا بَنِي إِسْرَآءِيلَ ۖ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۖ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۖ كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۖ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۖ فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ۖ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۖ أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۖ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ۖ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَسْتَعْبُونَ ۖ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْنٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۖ ذِكْرَىٰ ۖ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ۖ وَمَا تَنْزِيلُ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُذَكِّرَ الْبَشَرَ ۖ الشَّيْطَانُ ۖ

کیا یہ بات ان کے لئے دلیل نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء بھی اس کو جانتے ہیں؟ ﴿۱۹﴾ اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر اتار دیتے ﴿۲۰﴾ پھر وہ اس کتاب کو ان (مکہ والوں) کو پڑھ کر سناتا، تب بھی یہ اس کو نہیں مانتے ﴿۲۱﴾ اسی طرح ہم نے ایمان نہ لانے کو ان مجرموں کے دلوں میں بیٹھا دیا ہے، ﴿۲۲﴾ جب تک یہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں، ایمان نہیں لائیں گے ﴿۲۳﴾ ان پر اچانک ہی عذاب آجائے گا اور انھیں خبر بھی نہیں ہوگی، ﴿۲۴﴾ تو اس وقت وہ کہیں گے: کیا ہم کو کچھ مہلت مل سکتی ہے؟ ﴿۲۵﴾ کیا (پھر بھی) وہ ہمارے عذاب کو مانگنے میں جلد بازی کرتے ہیں؟ ﴿۲۶﴾ بھلا دیکھتے تو سہی، اگر ہم ان کو چند سال عیش و آرام کی زندگی میں رہنے دیں ﴿۲۷﴾ پھر ان پر وہ عذاب آپہنچے، جس کا ان سے وعدہ ہے ﴿۲۸﴾ تو کیا ان کو ان کا عیش و آرام کام آسکے گا؟ ﴿۲۹﴾ اور ہم نے ایسی ہی بستی کو تباہ و برباد کیا ہے، جس میں نصیحت کے لئے ڈرانے والے (پیغمبر) آچکے تھے، اور ہم نا انصافی نہیں کرتے، ﴿۳۰﴾ اور قرآن کو لے کر شیاطین نہیں اترے ہیں۔ ﴿۳۱﴾

﴿۱﴾ یعنی جب انسان ضد اور عناد پر آمادہ ہوتا ہے تو پہاڑ جیسی دلیل بھی اس کو رائی کے ایک دانہ کے برابر نظر نہیں آتی، قرآن مجید اتنا بلند کلام اور عربی زبان و ادب کا شاہکار ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے عرب شخص کا اس کو پیش کرنا بھی کچھ کم درجہ کا کمال نہیں؛ تاہم اگر کسی عجمی نژاد شخص پر قرآن نازل کیا جاتا اور اللہ کی طرف سے یہی فیصلہ ہوتا تو اس کے ذریعہ قرآن کا سنایا جانا اور بھی حیرت انگیز بات ہوتی؛ لیکن پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۲۷)

﴿۲﴾ یعنی اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب تک کسی گروہ تک دعوت حق نہیں پہنچ جائے، اللہ تعالیٰ اس کو عذاب سے دوچار نہیں کرتے، خواہ یہ دعوت پیغمبر کے ذریعہ پہنچے، یا اس قوم کے ذریعہ جو پیغام ربانی کی حامل ہو، موجودہ دور میں پریس اور ذرائع ابلاغ کی ترقی اور کثرت کی وجہ سے پوری انسانیت تک اجمالی طور پر اسلام کی بنیادی تعلیمات پہنچ چکی ہیں؛ اس لئے جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں، وہ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ ہمارے پاس پیغمبر نہیں آئے؛ اس لئے ہم ان کو نہ ماننے میں معذور ہیں۔



وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿١٩﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمْعَزُولُونَ ﴿٢٠﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذِّبِينَ ﴿٢١﴾ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢٢﴾ وَخَفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرِئْءٍ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢٥﴾ الَّذِي يَرْبُكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢٦﴾ وَتَقْلُبَكَ فِي السُّجُودِ ﴿٢٧﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٨﴾ هَلْ أَنْبِئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنْزَلُ الشَّيْطَانُ ﴿٢٩﴾

نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ﴿۱۹﴾ وہ تو سننے سے بھی روک دیئے گئے ہیں، ﴿۲۰﴾ لہذا اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارا کرو، ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے ﴿۲۱﴾ اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے ﴿۲۲﴾ اور جو ایمان والے آپ کی پیروی کرنے لگیں، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیا کیجئے ﴿۲۳﴾ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجئے: میں تمہارے کام سے بے زار ہوں، ﴿۲۴﴾ اور اس ذات پر بھروسہ رکھئے، جو بڑی قدرت والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۲۵﴾ جو آپ کے نماز کے لئے کھڑے ہونے کو اور نمازیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کو دیکھتا رہتا ہے ﴿۲۶﴾ یقیناً وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے، ﴿۲۷﴾ کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اتر اترتے ہیں؟ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ بعض اہل مکہ کہتے تھے کہ جیسے کاہنوں اور جیوتشیوں پر شیطان اُترتے ہیں اور ان کو کچھ بتا جاتے ہیں، نعوذ باللہ ایسے ہی آپ پر بھی شیطان اُترتا ہے، اسی کی تردید میں فرمایا گیا کہ شیطان تو اللہ کی طرف سے اُترنے والے کلام کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، اس کو تو سننے تک کی اجازت نہیں ہے، وہ کیسے قرآن مجید لے کر آ سکتا ہے؟

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے قریش کے تمام قبائل کی دعوت کی اور تمام عام و خاص کو جمع کیا، پھر انھیں دعوت دی کہ وہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا سامان کریں، ورنہ میں بھی تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا، (مسلم، عن ابی ہریرۃ، کتاب الایمان، باب فی قولہ تعالیٰ ”وانذر عشیرتک الاقربین“، حدیث نمبر: ۲۰۴، ”دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشاً فاجتمعوا فعم وخص“) — اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمل کے بغیر آخرت میں رشتہ داریاں کام نہیں آئیں گی، وہاں اپنے عمل اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی سے نجات مل سکے گی۔ (تفسیر مدارک: ۸۳۳)

﴿۳﴾ غور کیجئے کہ تواضع کی کس قدر اہمیت ہے کہ رسول کو بھی اپنی اُمت کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، تواضع کے اس حکم کے ساتھ ہی اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ اگر وہ نافرمانی کا راستہ اختیار کریں تو ان سے بیزاری کا اظہار بھی کیجئے، یعنی محبت و شفقت بھی اللہ کے لئے ہو اور غصہ و ناراضگی بھی اللہ کے لئے ہو۔

﴿۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت آپ کی حفاظت و نگرانی ہو رہی ہے؛ اس لئے کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

تَنْزِلُ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۖ يُلْقُونَ السَّعَ وَكَثُرُهُمْ كَذِبُونَ ۖ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۖ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهْمِيْمُونَ ۖ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۖ إِلَّا الَّذِينَ أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۖ

شیاطین ہر جھوٹے بدکردار شخص پر اترتے ہیں ﴿۱۹﴾ جو (شیطان کی طرف) کان لگائے رہتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ﴿۲۰﴾ اور شاعروں کی بات پر وہی لوگ چلتے ہیں، جو گمراہ ہیں ﴿۲۱﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یہ لوگ (یعنی شعراء) ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں ﴿۲۲﴾ اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں، جو کرتے نہیں ہیں ﴿۲۳﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اچھے عمل کئے، اللہ کا خوب ذکر کیا اور ان پر جو ظلم ہوا ہے، (صرف) اس کا بدلہ لیا، اور جو ظلم کرنے والے ہیں، وہ عنقریب جان لیں گے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے؟ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ شیطان قرآن مجید کو نازل کرتا ہے؛ لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، حقیقت یہ ہے کہ شیطان کی باتیں سننے، اس کا کہا ماننے اور اس کے حکم پر عمل کرنے والے یہ لوگ ہیں، جو جھوٹے اور بدکردار واقع ہوئے ہیں، پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کی پاکیزہ جماعت کا شیطان سے کیا تعلق؟

﴿۲﴾ اہل مکہ کا اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن مجید ایک شاعرانہ کلام ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، یہاں اس کی تردید فرمائی گئی ہے کہ شعراء کے کلام میں تو خیال آرائی، مبالغہ اور جھوٹے دعوے ہوا کرتے ہیں، وہ مضمون ایسا باندھتے ہیں کہ گویا بہادری میں شیر اور ببر سے بھی آگے ہیں؛ لیکن عملاً ان کی بزدلی لومڑی اور گیدڑ سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے، شاعروں کے کلام میں کوئی متعین پیغام نہیں ہوتا؛ بلکہ اپنے فائدے کے لحاظ سے ہر میدان میں بھٹکتے رہتے ہیں، قرآن مجید ظاہر ہے ایسی باتوں سے مبرا ہے، وہ ایک سنجیدہ کلام اور حیات بخش پیغام ہے، اس میں جھوٹ اور مبالغہ کا کہیں کوئی دخل نہیں؛ لیکن یہاں مذمت ایسی شاعری کی ہے، جو جھوٹ، مبالغہ اور بے حیائی پر مبنی ہو؛ لیکن جن اشعار میں اللہ کا ذکر ہوا اور دین کی باتیں ہوں، ان کی ممانعت نہیں ہے، غالباً اسی لئے شعر و شاعری کی مذمت کرنے کے فوراً بعد ان لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، جو مسلمان ہوں، نیک عمل کرتے ہوں، مجبوروں کے مددگار ہوں اور ظلم کا دفاع کرتے ہوں۔



## سُورَةُ النَّمْلِ

«سورہ نمبر : (۲۷)»

«رکوع : (۷)»

«آیتیں : (۹۳)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے ایک خصوصی انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور وہ یہ کہ انھیں پرندوں اور چوپایوں کی زبان کا علم بھی عطا فرمایا گیا تھا؛ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزرا ایک ایسی وادی سے ہوا، جس میں کثرت سے چیونٹیاں رہتی تھیں، چیونٹیوں میں سے ایک نے اپنی ساتھیوں سے کہا کہ وہ بل میں داخل ہو جائیں؛ کیوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے، وہ انھیں مسل کر رکھ دے گا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سن کر مسکرایا اور اللہ کا شکر ادا کیا، عربی زبان میں 'نمل' کے معنی چیونٹی کے ہیں، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'نمل' ہے، اس کے علاوہ اس سورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ خصوصیت بھی ذکر کی گئی ہے کہ ان کو جہنم جیسی سرکش مخلوق پر قابو حاصل تھا۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت، قیامت اور قرآن مجید کی صداقت کا ذکر فرمایا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کے واقعات بطور عبرت کے ذکر کئے گئے ہیں، نیز قیامت کی علامات اور قیامت قائم ہونے کی کیفیت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

طَسَّ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ۝ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسَرُونَ ۝ وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝ اِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ بَشِيرٍ بِشَهَابٍ قَبَسَ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ط، سین، یہ قرآن اور واضح کتاب کی آیتیں ہیں ۝ جو ایمان والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور خوشخبری سنانے والی ہیں ۝ (یعنی ان لوگوں کے لئے) جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، ۝ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے، ہم نے ان کی نظر میں ان کے اعمال کو خوشنما بنا دیا ہے؛ اس لئے وہ بھٹکے پھر رہے ہیں، ۝ ان ہی لوگوں کے لئے بدترین عذاب ہے اور وہ آخرت میں بہت نقصان میں رہیں گے ۝ اور آپ کو قرآن یقیناً بڑی حکمت اور علم والی ذات کی جانب سے عطا کیا جا رہا ہے ۝ (وہ واقعہ قابل ذکر ہے) جب موسیٰ نے اپنے گھروالوں سے کہا: میں نے ایک آگ دیکھی ہے، میں تمہارے پاس جلد ہی کوئی خبر یا سلگایا ہوا آگ کا شعلہ لے کر آتا ہوں؛ تاکہ تم سینک سکو۔ ۝

۱﴾ انسان کی فطرت میں خواہشات کی طرف میلان رکھا گیا ہے اور اگرچہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں بہت حقیر ہیں؛ لیکن اس کے باوجود انسان کی خواہشات اور اس کی مادی آرزوؤں کو پورا کرنے کے مواقع اس دنیا میں بھی بے پناہ ہیں؛ اس لئے جن لوگوں کا آخرت پر یقین نہ ہو، وہ دنیا ہی میں اپنی ساری خواہشات کو پوری کرنا چاہتے ہیں اور ان مادی نعمتوں کے حاصل کرنے کے لئے جو محنت اور تنگ و دو کرتے ہیں، وہی ان کی نگاہوں کو بھاتی اور دلوں کو خوش کرتی ہے؛ اس لئے ان کو یہ کام بہت بھلے اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں؛ البتہ جن لوگوں کا آخرت میں اللہ کے سامنے حاضر ہونے اور اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہی کا یقین ہے، انہیں وہ کام ناگوار گذرتا ہے، جس سے دنیا کی خواہش پوری ہو جائے اور آخرت کا نقصان اٹھانا پڑے؛ اس لئے قرآن مجید نے ایک بنیادی بات کہی ہے کہ آخرت کے یقین کے سوا کوئی چیز نہیں، جو انسان کے گناہوں کے طرف بڑھتے ہوئے قدم کو تھام لے اور دنیا کی لذتیں اور نعمتیں اس کے لئے ایسی خوشنما نہ بن جائیں کہ اس کا قدم پھسل جائے۔

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸﴾  
يُمُوسَى إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۹﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يُمُوسَى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۰﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ  
بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ  
غَيْرِ سُوءٍ ۚ إِنِّي تُسِّعُ أَيْتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ  
أَيُّنَا مُبْصِرَةٌ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُلُوًّا  
فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۴﴾

پھر جب موسیٰ وہاں پہنچے تو ان کو آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہے، اس پر بھی برکت ہو اور جو اس کے آس پاس ہے  
اس پر بھی، ﴿۸﴾ اور اللہ کی ذات پاک ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، ﴿۹﴾ اے موسیٰ! میں ہی بہت زبردست  
اور حکمت والا خدا ہوں ﴿۱۰﴾ اور اپنی لاٹھی کو زمین پر توڑ ڈالو، اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح پھن پھنارہا ہے جیسے  
سانپ ہو، تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر دیکھا تک نہیں، (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! ڈرو مت، میرے حضور میں  
پیغمبر ڈر نہیں کرتے ﴿۱۱﴾ ہاں، مگر جس نے کوئی گناہ کیا ہو (تو اسے ڈرنا چاہئے)، پھر وہ گناہ کی جگہ نیک کام کرنے  
لگے تو میں بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہوں ﴿۱۲﴾ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ بلا کسی عیب کے بالکل  
سفید ہو کر نکلے گا، (اب ان دونوں کو ملا کر) نو معجزات ﴿۲﴾ کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ، یقیناً وہ  
بڑے سرکش لوگ ہیں ﴿۱۳﴾ پھر جب ان کے پاس ہمارے نہایت واضح معجزات پہنچے تو وہ کہنے لگے: یہ تو کھلا ہوا جادو  
ہے ﴿۱۴﴾ اور ظلم و تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر بیٹھے؛ حالاں کہ ان کے دلوں کو ان (کے حق ہونے) کا یقین ہو گیا تھا،  
تو دیکھئے کہ فساد مچانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ یہ واقعہ سورہ طہ، آیت نمبر: ۱۰ میں آچکا ہے، حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ﷺ نے تو اس کو دور سے آگ سمجھا؛ لیکن جب قریب  
آئے تو دیکھا کہ یہ آگ نہیں ہے، روشنی ہے، جو ایک سبز درخت سے نکل رہی ہے؛ چوں کہ حضرت موسیٰ ﷺ کو آگ کی ضرورت تھی  
اور آگ میں بھی روشنی ہوتی ہے؛ اس لئے یہ روشنی آگ کی شکل میں دکھائی گئی — پھر یہ جو فرمایا گیا کہ ”جو اس آگ کے اندر ہے،  
اس پر بھی برکت ہو اور جو اس کے آس پاس ہے اس پر بھی“ میں آگ کے اندر سے مراد فرشتہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ پیغمبر کی طرف پیغام  
بھیجنے کے لئے نمائندہ بناتے ہیں اور آس پاس سے مراد حضرت موسیٰ ﷺ ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۱۸/۱۳، مدارک التنزیل: ۸۳۷)  
﴿۲﴾ ان نو معجزات کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر: ۱۰۱ میں آچکا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے ہمیں بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی ہے۔ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۵ سے ۴۴ تک حضرت سلیمان ؑ اور ملکہ سبا کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب ؑ کے صاحبزادے یہودا کے سلسلہ سے جو خاندان چلا ہے، اس میں ایک جلیل القدر شخصیت حضرت داؤد ؑ کی ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور سلطنت دونوں سے نوازا تھا، حضرت داؤد ؑ کے صاحبزادے حضرت سلیمان ؑ ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے والد ہی کی طرح نبوت سے بھی نوازا اور حکومت سے بھی، اور بعض ایسی خصوصیات عطا فرمائیں، جن میں کوئی اور ان کا ہمسر نہیں ہو سکتا، ان آیات میں ان میں سے دو خصوصیات کا ذکر آیا ہے، ایک یہ کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے؛ چنانچہ حضرت سلیمان ؑ کی اس خصوصیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ چرند و پرند کی گفتگو پر مبنی دو واقعات بھی ذکر کئے گئے ہیں، ایک: ہد ہد نامی پرندہ سے گفتگو، دوسرے: چیونٹی کی بات کا سننا اور سمجھنا، دوسری خصوصیت جس کا ان آیات میں ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان ؑ کو جنّات پر بھی قابو دیا گیا تھا، وہ حضرت سلیمان ؑ کے لشکر میں شامل تھے اور حضرت سلیمان ؑ جو بھی حکم دیتے، اس کی تعمیل کرتے تھے، ان دونوں میں سے کوئی بھی بات ایسی نہیں جو قابل تعجب اور ناقابل یقین ہو، پرندوں اور جانوروں کی آوازیں تو ہر انسان سنتا ہے، آوازیں ہی مل کر الفاظ کے سانچے میں ڈھلتی ہیں؛ البتہ جیسے ایک زبان کو بولنے والا انسان دوسری زبان بولنے والے کے الفاظ کو نہیں سمجھ پاتا، اسی طرح ہم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جانور اپنی ان آوازوں کے ذریعہ اپنی جنس کے لوگوں کو کیا کچھ کہہ رہے ہیں؟ پھر جس طرح ایک زبان بولنے والا دوسری زبان کو سمجھ کر اس زبان میں بات کرنے والوں کے مقصد کو سمجھ لیتا ہے، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو حیوانات کی زبان کا فہم عطا کر دیں تو اس میں حیرت و تعجب کی کیا بات ہے؟ یہی حال جنات اور اس پر قابو کا ہے، دنیا میں ایک اُن دیکھی مخلوق بھی پائی جاتی ہے، جو اپنی اصل شکل میں انسان کو نظر نہیں آتی، مذہبی کتابیں اس پر متفق ہیں، بہت سے لوگوں کے تجربات اس پر گواہ ہیں، اور یہ بات بھی سینکڑوں لوگوں کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بعض عاملین جنات کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں، اگرچہ اس میدان میں جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے؛ لیکن ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو واقعی کسی جن کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں، تو اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ایک دو جنوں پر نہیں بلکہ تمام جنوں پر قدرت عطا فرمادیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے اس میں کیا دشواری ہے؟

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان ؑ کا لشکر اس طرح مرتب کیا گیا کہ اس میں جنات بھی تھے، انسان بھی اور پرندے بھی، اور ہر ایک اپنی ترتیب کے مطابق آگے بڑھتے تھے، چلتے ہوئے یوں ایک ایسے میدان میں پہنچی، جہاں بڑی تعداد میں چیونٹیاں بسی ہوئی تھیں، جانوروں میں احساس کی قوت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور چیونٹیوں میں یہ کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے، پھر جانوروں میں جیسے شہد مکھیوں کی تنظیم کی ایک امتیازی کیفیت ہے، اسی طرح چیونٹیوں کی تنظیم اور تعاون کا باہمی نظام بھی حیرت میں ڈال دینے والا ہے؛

← چنانچہ ایک چوٹی — جو غالباً چیونٹیوں کی سردار رہی ہوگی — نے اعلان کیا کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں گھس جائیں، کہیں حضرت سلیمان ؑ کا لشکر انھیں پیس نہ ڈالے، حضرت سلیمان ؑ نے یہ سنا تو ہنسی آگئی، جن بادشاہوں کا دل اللہ کے خوف اور آخرت کے یقین سے خالی ہوتا ہے، وہ ایسے موقع پر اترانے لگتے ہیں اور ان کی زبان سے غرور اور بڑائی کے الفاظ نکلنے لگتے ہیں؛ لیکن حضرت سلیمان ؑ اللہ کے نبی تھے، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے توفیق عطا فرمائیے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں اور آپ ہی کی مرضی کے مطابق عمل کیا کروں۔

حضرت سلیمان ؑ نے اپنی فوج کے پرندہ دستہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہد ہد نامی پرندہ موجود نہیں ہے، حضرت سلیمان ؑ نے فوراً نوٹس لیا کہ اگر وہ بلا عذر غیر حاضر ہوا ہے تو سزا کا مستحق ہے؛ لیکن کچھ ہی دیر میں ہد ہد آ پہنچا اور اس نے کہا کہ میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں کہ جس سے اب تک آپ بھی واقف نہیں ہیں، اور وہ یہ کہ میں نے سب نامی علاقہ میں ایک عورت کو دیکھا ہے، جو وہاں کی حکمران ہے، اس کو دنیا کی ہر نعمت حاصل ہے اور اس کے پاس ایک عظیم الشان تخت شاہی بھی ہے، وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کی پوجا کرتی ہے، حضرت سلیمان ؑ نے فرمایا کہ ہم ابھی تمہاری اس خبر کی تحقیق کرتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ تم یہ خط لے کر جاؤ، اس کے پاس ڈال دو اور اس کے پاس سے ہٹ کر دیکھو کہ وہ اپنے درباریوں سے کیا مشورہ کرتی ہے؟ مملکہ سبائے درباریوں کو حضرت سلیمان ؑ کا خط پڑھ کر سنایا اور ان سے مشورہ کی طلب گار ہوئی، اہل دربار نے کہا: ہم لوگ طاقتور اور جنگجو ہیں، اگر آپ جنگ کرنا چاہیں تو اس کے لئے بھی حاضر ہیں؛ لیکن فیصلہ آپ کو کرنا ہے، ملکہ نے کہا: بادشاہوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی علاقہ میں غلبہ حاصل ہوتا ہے تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں، اس لئے ہم پہلے کچھ تحائف بھیج کر آزمائش کرتے ہیں، غالباً ملکہ سبائے کے ذریعہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ شخص مال و زر کا حریص ہے یا اس کا کوئی اور مقصد ہے؟ اگر یہ مال و دولت کا لالچی ہے تو کچھ لے دے کر معاملہ ختم ہو سکتا ہے۔

جب حضرت سلیمان ؑ تک یہ تحائف پہنچے تو چونکہ آپ کا مقصد ملکہ اور اس کی قوم کو توحید کی دعوت دینا تھا؛ اس لئے آپ نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور فرمایا: اللہ نے مجھ کو تم سے بہتر چیز عطا فرمائی ہے اور اگر وہ ہماری دعوت کو قبول نہ کرے تو پھر ہمیں فوجی کارروائی کرنی پڑے گی، حضرت سلیمان ؑ نے اپنے دربار کے جناتی ارکان سے دریافت فرمایا کہ ملکہ سبائیہاں کے لئے رخت سفر باندھ چکی ہے، تم میں سے کون ہے جو اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت شاہی لے کر یہاں آجائے؟ ایک شخص نے کہا: اس مجلس کے ختم ہونے سے پہلے میں اسے لا کر حاضر کر سکتا ہوں، دوسرے نے کہا: مجھے اتنی دیر بھی نہ لگے گی، میں پلک جھپکتے حاضر کر دوں گا، حضرت سلیمان ؑ کا اشارہ پا کر اس دوسرے شخص نے فوراً ہی ملکہ سبائے کا تخت شاہی سامنے رکھ دیا، یہ موقع تھا کہ حضرت سلیمان ؑ اپنی اس طاقت پر ناز کرتے؛ لیکن آپ نے پھر اللہ کا شکر ادا کیا اور اشارہ فرمایا کہ یہ موقع انسان کے امتحان کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی کامیابی پر مغرور و نازاں ہو جاتا ہے، یا خدا کے سامنے سجدہ شکر بجالاتا ہے؟ حضرت سلیمان ؑ نے ملکہ سبائے کے امتحان کے لئے حکم دیا کہ تخت شاہی میں تھوڑی بہت تبدیلی لے آئی جائے، دیکھا جائے کہ ملکہ اپنے اس تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں؟

اب ملکہ سبائے دربار سلیمانی میں پہنچتی اور حیرت کی آنکھوں سے دیکھتی ہے کہ اس کا تخت شاہی یہاں رکھا ہوا ہے، حضرت سلیمان ؑ نے دریافت کیا: کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ کہنے لگی: گویا یہ وہی ہے، تب حضرت سلیمان ؑ نے اپنے دربار کا ایک ←



← اور عجب دیکھایا کہ ملکہ کو محل میں داخل ہونے کی دعوت دی، محل کے صحن میں خوبصورت شیشہ کاری کی گئی تھی اور نیچے پانی کا حوض بنایا گیا تھا، یہ کام اس صفائی سے ہوا تھا کہ ملکہ کو ذرا بھی اندازہ نہ ہو سکا کہ صاف و شفاف پانی پر شیشہ کی چھت ڈالی دی گئی ہے، اس نے گہرا پانی سمجھ کر کپڑے کچھ اوپر اٹھائے اور قدم رکھے، حضرت سلیمان ؑ نے ٹوکا: یہ پانی نہیں ہے، یہ شیشہ محل ہے، بادشاہوں اور حکمرانوں کے یہاں عیش و عشرت کے جو نقشے سجائے جاتے تھے اور فن تعمیر کی جن نزاکتوں کا مظاہرہ کیا جاتا تھا، ملکہ سببان سے اچھی طرح واقف تھی، اس نے اندازہ کر لیا کہ یہ صرف انسانی ہاتھوں کا کارنامہ نہیں ہے؛ بلکہ حضرت سلیمان ؑ کے ساتھ اللہ کی مدد بھی ہے اور اللہ نے ایک ایسی مخلوق کو ان کے تابع کر دیا ہے، جس کے ذریعہ تعمیر حسن و جمال کا یہ شاہکار وجود میں آیا ہے، اب تک اس نے حضرت سلیمان ؑ کو ایک بادشاہ کے روپ میں دیکھا تھا؛ لیکن اب اس نے بادشاہت کے اس ظاہری کردار میں چھپی ہوئی نبوت کو بھی سمجھ لیا، اور بے ساختہ بول پڑی کہ اب تک جو میں کفر و شرک میں مبتلا رہی، یہ میرا اپنے آپ کے ساتھ ظلم تھا اور اب میں خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔

سام ابن نوح کی چوتھی پشت میں قحطان کا نام آتا ہے، قحطان کے پوتے کا نام عبدالشمس اور لقب سبأ تھا، اسی عالی حوصلہ شخص نے سلطنت سبأ کی بنیاد رکھی تھی، اس سلطنت کا زمانہ عروج گیارہ سو سال قبل مسیح تھا، اس کی حکومت کا اصل مرکز جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغرب میں یمن کے علاقہ میں تھا اور سلطنت کا دائرہ حضرموت سے گذرتے ہوئے افریقہ میں حبشہ تک پہنچ گیا تھا، حضرت سلیمان ؑ کے زمانہ میں یہاں ایک زبردست اور وسیع رقبہ کی حامل حکومت موجود تھی، جس کا شمار اُس زمانہ کی متمدن اور ترقی یافتہ قوموں میں تھا، سبأ کی جس ملکہ کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے، اسرائیلی روایات میں اس کا نام ’بلقیس‘ ذکر کیا گیا ہے، تورات میں بھی ملکہ سبأ کے دربار سلیمانی میں حاضری اور پھر ایمان لانے کا ذکر ملتا ہے، (دیکھئے: سلاطین: ۱۰: ۱۳-۱۰) کیا ملکہ سبأ حضرت سلیمان ؑ کے نکاح میں آگئیں؟ قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہیں آیا ہے؛ لیکن یہودیوں کے یہاں یہ بات معروف ہے کہ حضرت سلیمان ؑ نے ان سے نکاح کر لیا تھا اور پھر انھیں اپنے ملک واپس ہونے کی اجازت دے دی تھی، (واقعہ کی تفصیلات کے لئے مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی کی قصص القرآن دیکھی جاسکتی ہے)۔

حضرت سلیمان ؑ کے اس واقعہ میں کئی سبق آموز پہلو اور قابل ذکر باتیں ہیں، یہاں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

● حضرت سلیمان ؑ نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہمیں بہت سے ایمان والوں پر فضیلت بخشی — اس سے معلوم ہوا کہ بطور بڑائی اور تکبر کے اپنے آپ کو دوسروں سے افضل بنانا درست نہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ کہنے میں کہ ”اللہ نے ہمیں فلاں نعمت عطا کی، جس سے اس کے دوسرے بندے محروم ہیں“ کوئی حرج نہیں ہے۔

● سلطنت اور نبوت دونوں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد ؑ کو اور ان کے بعد حضرت سلیمان ؑ کو عطا فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر دینی ذمہ داریوں میں صلاحیت اور اہلیت کی بنا پر باپ کے بعد بیٹے کو اس کی ذمہ داریاں دی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

● حضرت سلیمان ؑ نے اللہ سے ایسے نیک عمل کی دعا کی، جس سے اللہ راضی ہو جائیں: ”أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ“ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ عمل کا درست ہونا کافی نہیں، اللہ کے دربار میں مقبول ہونا ضروری ہے؛ اس لئے مومن کو چاہئے کہ عمل صالح مقبول کی دعا کیا کرے۔

← ● چیونٹیاں اپنے بلوں میں اس لئے گھس گئیں کہ حضرت سلیمان ؑ کے لشکر کو ان کے یہاں ہونے کی خبر نہیں ہے، کہیں وہ ان کو مسل نہ ڈالیں، معلوم ہوا کہ جانتے بوجھتے کسی جاندار کو خواہ مخواہ مار ڈالنا درست نہیں ہے، اور اگر انجانے میں کوئی کیڑا مکوڑا نیچے آجائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

● حضرت سلیمان ؑ نے اپنی فوج کا جائزہ لیا اور اس کی خبر گیری کی، پس جو ذمہ دار ہو، اس کے لئے اُسوہ نبوی یہ ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی خبر گیری کرتا رہے۔

● حضرت سلیمان ؑ نے ہد ہد کی غیر حاضری پر اس کی سرزنش کرنے کی بات کہی، معلوم ہوا کہ جانور کو اس کے مقصد میں استعمال کرنے کے لئے بوقت ضرورت کچھ مار پیٹ کی جاسکتی ہے، مگر یہ ایسی نہ ہو کہ جانور کے لئے تکلیف دہ ہو جائے۔

● ہد ہد نے کہا: میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس سے آپ واقف نہیں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء بھی غیب کی باتوں کا علم نہیں رکھتے تھے۔

● حضرت سلیمان ؑ نے اپنا خط ملکہ سبا کو بھیجا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تحریر بھی گفتگو کے درجہ میں ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوت اسلام کا ایک ذریعہ خط اور لٹریچر بھی ہے۔

● حضرت سلیمان ؑ نے کسی انسان کے بجائے پرندہ کے ذریعہ خط ملکہ سبا تک پہنچایا، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ انسان کے علاوہ پیغام رسانی کے دوسرے ذرائع بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں، جیسے: آج کل ٹیلیفون، انٹرنیٹ وغیرہ۔

● حضرت سلیمان ؑ نے اپنا خط ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے شروع کیا، گویا خط یا کوئی بھی تحریر بسم اللہ سے شروع کرنی چاہئے۔

● نیز اپنے خط کے شروع میں اس بات کی وضاحت فرمائی کہ یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے؛ لہذا خط لکھنے کی سنت یہ معلوم ہوئی کہ پہلے خط لکھنے والا اپنا نام لکھے؛ تاکہ جس شخص کو خط لکھا جا رہا ہے، وہ پہلے ہی مرحلہ میں واقف ہو جائے کہ یہ خط کس کا ہے؟ — اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوت اسلام کے نقطہ نظر سے غیر مسلم کو لکھے گئے خط میں بھی قرآن مجید کی آیات لکھی جاسکتی ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے؛ البتہ اگر کسی وجہ سے آیات قرآنی کی اہانت کا اندیشہ ہو تو وہاں قرآنی آیات یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے سے بچا جائے۔

● ملکہ سبا کے اس واقعہ سے عورت کی حکمرانی کا ثبوت نہیں ملتا ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں یہ بات نہیں آئی ہے کہ حضرت سلیمان ؑ نے ملکہ کو حکمرانی پر باقی رکھا ہو؛ بلکہ بظاہر ملکہ نے اپنی سلطنت کو حضرت سلیمان ؑ کی سلطنت کے ساتھ ضم کر دیا تھا۔

● تحفہ قبول کرنا چاہئے؛ لیکن اگر کبھی تحفہ نہ قبول کرنے میں دینی مصلحت ہو تو قبول کرنے سے معذرت بھی کی جاسکتی ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان ؑ نے فرمایا۔

● حضرت سلیمان ؑ نے عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ عمدہ مکانات کی تعمیر جائز ہے اور اگر کوئی دینی مصلحت ہو تو پُر تکلف عمارت بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

وَوَرِثَ سُلَيْمُنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَظِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝ ۱۹ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ ۲۰ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ يَأْكُلُهُمَا النَّمْلُ اذْخُلُوا مَسَكِنَكُمْ لَا يَحْطَبَتَكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ۲۱ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ ۲۲ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ ۚ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ ۲۳ لَأَعَذَّبَنَّكَ الْعَذَابَ شَدِيدًا أَوْ لَأَأَذِibَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ ۲۴ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِط بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَأٍ يَقِينٍ ۝ ۲۵ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝ ۲۶ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّيْطَانِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۝ ۲۷

اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے اور انھوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں، یقیناً یہ (اللہ تعالیٰ کی کھلی) ہوئی مہربانی ہے ۱۹ اور سلیمان کے پاس جنات، انسان اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے، جن کے گروپ بنائے جاتے تھے ۲۰ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تم کو پھنس نہ ڈالے ۲۱ چنانچہ سلیمان اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور عرض کیا: اے میرے رب! مجھے توفیق دیجئے کہ جو نعمت آپ نے مجھے اور میرے والد کو عطا فرمائی ہے، اس کا شکر ادا کرتا رہوں اور ایسا نیک عمل کیا کروں، جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیجئے، ۲۲ اور انھوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: کیا بات ہے کہ میں ہدہ کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟ ۲۳ میں اس کو سخت سزا دوں گا، یا ذبح کر ڈالوں گا، یا وہ میرے پاس (اپنے غیر حاضر رہنے کے عذر پر) واضح دلیل پیش کرے ۲۴ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ آگیا اور اس نے کہا: میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں، جو آپ کو معلوم نہیں ہے، اور (وہ یہ کہ) میں آپ کے پاس (ملکہ) سبا کی ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں ۲۵ میں نے ایک عورت کو پایا، جو ان پر حکومت کرتی ہے، اس کو ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے اور اس کا ایک بڑا تخت بھی ہے، ۲۶ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں، شیطان نے ان کی نظر میں ان کے اعمال کو خوشنما بنا دیا ہے، اس طرح اس نے ان لوگوں کو (ہدایت کے) راستہ سے روک رکھا ہے، چنانچہ وہ ہدایت سے محروم ہیں۔ ۲۷

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبَاءَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ إِذْ هَبَّ بِكُنْيَىٰ هَذَا فَالَقَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّىٰ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۝ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَإِئِنَّيَ الْفَقَىٰ كَرِيمٌ ۝ إِنَّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ إِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَّا تَعْلَمُونَ عَلَىٰ وَاتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَإِئِنَّيَ الْفَقَىٰ كَرِيمٌ ۝ أَلَّا تَعْلَمُونَ ۝ كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ۝ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوا قُوَّةً وَأُولُوا بِأَسْ شَدِيدٍ ۝ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ۝ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَظِرَةً بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتَّبِدُونَ مِن بَنِي إِسْرَءِيلَ فَمَا آتَىٰنِ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَىٰكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ۝

وہ خدا کو سجدہ کیوں نہیں کرتے، جو آسمان وزمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر لاتا ہے اور تم جن چیزوں کو چھپاتے ہو ان کو بھی جانتا ہے اور جن کو ظاہر کرتے ہو ان کو بھی؟ ۱۹ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرش عظیم کے مالک ہیں ۲۰ سلیمان نے کہا: ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم سچ کہتے ہو یا جھوٹے ہو؟ ۲۱ میرا یہ خط لے کر جاؤ اور اس کو ان کے پاس ڈال دو، پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا اور دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا سوال وجواب کرتے ہیں؟ ۲۲ ملکہ سبا کہنے لگی: اے دربار والو! میرے پاس ایک با وقعت خط ڈالا گیا ہے، ۲۳ وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم ۲۴ تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر نہ کرو اور میرے تابع دار ہو کر آ جاؤ“ ۲۵ ملکہ سبا کہنے لگی: اے دربار والو! میرے اس معاملے میں مجھ کو مشورہ دو، میں تمہاری موجودگی کے بغیر کسی بات کا فیصلہ نہیں کیا کرتی ۲۶ اہل دربار نے کہا: ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگجو ہیں، اور (آگے فیصلہ کا) آپ کو اختیار ہے تو آپ ہی غور کر لیں کہ آپ کو کیا فیصلہ کرنا ہے؟ ۲۷ ملکہ نے کہا: جب بادشاہ کسی بستی میں جاتے ہیں تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں اور وہاں کے با عزت لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا کرتے ہیں، یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے ۲۸ اور میں ان کے پاس کچھ تحفہ بھیجوں گی، پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں؟ ۲۹ پھر جب (ملکہ کا قاصد) سلیمان کے پاس آیا تو اس نے کہا: کیا تم مال کے ذریعہ میری مدد کرتے ہو؟ اللہ نے مجھے جو عطا فرمایا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے، بلکہ تم آپ ہی اپنے تحفہ سے خوش ہو رہے ہو۔ ۳۰

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا اَذِلَّةً وَهُمْ  
 طٰغِرُونَ ﴿۱۹﴾ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَيُّكُمْ يٰۤاَتِيَنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۲۰﴾ قَالَ  
 عِزْرِيْتُ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا۠ اَتِيْتُكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيْٓ اٰمِيْنٌ ﴿۲۱﴾  
 قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا۠ اَتِيْتُكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ ظُرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاَهُ  
 مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْ ؕ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا  
 يَۡثَبُرْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۲۲﴾

پھر تم ان کے پاس واپس ہو جاؤ، اب ہم ان پر ایک ایسی فوج لے کر پہنچتے ہیں، جس کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتی اور ہم  
 ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ ماتحت ہو کر رہیں گے ﴿۱۹﴾ سلیمان نے کہا: اے دربار والو! اس سے  
 پہلے کہ وہ لوگ فرمانبردار بن کر میری خدمت میں حاضر ہو جائیں، تم میں سے کون میرے پاس ملکہ سبا کا تخت  
 لے کر آئے گا؟ ﴿۲۰﴾ ایک دیو ہیکل جن نے جواب دیا: آپ کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے میں اس کو آپ کی  
 خدمت میں حاضر کر دوں گا، میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں، ﴿۲۱﴾ (پھر) جس شخص کو کتاب کا  
 علم حاصل تھا، اس نے کہا: میں اس کو آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کر سکتا ہوں ﴿۲۲﴾؛ چنانچہ  
 جب سلیمان نے اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے: یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے؛ تاکہ میری  
 آزمائش کرے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں؟ اور جو شکر ادا کرے گا وہ اپنے ہی لئے شکر ادا کرے گا  
 اور جو ناشکری کرے گا تو (وہ جان لے کہ) میرا پروردگار بہت بے نیاز اور بڑے کرم والا ہے۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ایک شخص آصف بن برخیا تھے، جن کی حیثیت حضرت سلیمان ؑ کے ساتھ ویسی  
 ہی تھی، جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی، حضرت سلیمان ؑ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ شریر جنات سے یہ  
 کام لیا جائے؛ اس لئے آپ نے اس مرد صالح سے یہ خدمت لینے مناسب سمجھی، جنات اپنی خلقی صلاحیت و قوت کے ذریعہ یہ کام کرنا  
 چاہتا تھا اور ان صاحب نے کتاب الہی کے فیض سے اس کام کو انجام دینے کی پیشکش کی تھی، یہ کنوسی کتاب تھی؟ تورات، لوح محفوظ،  
 یا کوئی اور کتاب جو اللہ کی طرف سے تھی، اور جس کی برکت سے ایسے حیرت انگیز کام انجام پا جاتے تھے؟ نہ قرآن مجید میں اس کی  
 صراحت ہے نہ حدیث میں؛ اس لئے اس کے پیچھے پڑنا بے فائدہ ہے، مفسرین نے جیسے اسرائیلی روایات کے ذریعہ حضرت  
 سلیمان ؑ کے دربار کا عجیب و غریب نقشہ کھینچا ہے، اسی طرح ان کی شخصیت پر بھی بحث کی ہے کہ یہ صالح انسان تھے یا فرشتہ  
 یا حضرت خضر؟ اور یہ کارنامہ ان کے ہاتھوں کس طرح صادر ہوا؛ لیکن یہ سب قیاس اور اندازہ ہے اور قرآن و حدیث میں جس چیز  
 کی تفصیلات سے صرف نظر کیا گیا ہو، اس پر بحث کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۰۴ تا ۲۰۶)

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرُ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۲۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۲۳﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالَتْ إِنَّهُ صَرْحٌ مُبَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاسْلُمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ طَبْحًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿۲۵﴾ قَالَ يَقُومُ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۶﴾ قَالُوا أَطِيعُوا بَكْ وَبَيْنَ مَعَاكَ قَالِ طَبْرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿۲۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۲۸﴾

سلیمان نے حکم دیا: اس کے لئے اس کے تخت کی شکل بدل دو، دیکھیں وہ سمجھ لیتی ہے یا نہیں سمجھ پاتی ہے؟ ﴿۲۱﴾ پھر جب ملکہ سبا آن پہنچی تو اس سے پوچھا گیا: کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ کہنے لگی: گویا یہ وہی ہے، ہم کو پہلے ہی سے (یہ واقعہ) معلوم ہو چکا ہے اور ہم تو تابعداری قبول کر چکے ہیں، ﴿۲۲﴾ اللہ کے سوا وہ جن چیزوں کی پوجا کیا کرتی تھی، اس نے اس کو (ایمان لانے سے) روک رکھا تھا، یقیناً وہ اس قوم سے تعلق رکھتی تھی، جو ایمان سے محروم تھی ﴿۲۳﴾ اس سے کہا گیا: محل میں داخل ہو جاؤ، جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اس کو خیال ہوا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان نے کہا: یہ شیشوں کا بنا ہوا محل ہے، ملکہ نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر بڑی زیادتی کی اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں ﴿۲۴﴾ اور ہم نے ثمود کی طرف ان ہی کے بھائی صالح کو (اپنا یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کیا کرو، پھر وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے ﴿۲۵﴾ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم نیک عمل کرنے سے پہلے عذاب کو طلب کرنے میں کیوں جلد بازی کر رہے ہو؟ کیوں نہ اللہ سے معافی چاہتے ہو؟ شاید تم پر مہربانی کی جائے ﴿۲۶﴾ وہ لوگ کہنے لگے: ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں، صالح نے کہا: تمہاری بد نصیبی اللہ کے علم میں ہے؛ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم لوگ آزمائے جا رہے ہو، ﴿۲۷﴾ اور شہر میں نو شخص تھے جو زمین میں فساد مچاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ یہ نو حضرات قوم کے سردار اور ذی اثر لوگ تھے؛ اس لئے ہر ایک کے پیچھے ان کی اتباع و پیروی کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی، (روح المعانی: ۱۹/۲۱۲) ان حضرات کے نام کیا تھے، مفسرین نے علماء اہل کتاب سے ان کو نقل کرنے کی کوشش کی ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۱۵) لیکن نہ قرآن میں ان کا ذکر آیا ہے اور نہ کسی معتبر حدیث میں، اور نہ ان کے ذکر سے کوئی دینی نفع متعلق ہے۔

قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿۱۹﴾ وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۚ إِنَّا دَمَرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۲۱﴾ فَبَلَكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَوْ كُنَّا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿۲۴﴾ أَيْنَكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۲۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوْنَا لَوْ طِ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿۲۶﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۲۷﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۲۸﴾

ع  
۱۹

ان لوگوں نے کہا: آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم لوگ رات میں صالح اور ان کے لوگوں (یعنی مسلمانوں) کو مار ڈالیں گے، پھر ہم اس کے وارث کو کہیں گے ”ہم تو اس کے لوگوں کے مارے جانے کی جگہ پر سرے سے موجود ہی نہیں تھے اور ہم یقیناً سچ بول رہے ہیں“؛ ﴿۱۹﴾ (چنانچہ) انھوں نے بھی سازش کی اور ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر کی اور ان کو خبر بھی نہ ہو سکی ﴿۲۰﴾ تو دیکھ لو کہ ان کے فریب کا کیسا انجام ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سمجھوں کو تباہ و برباد کر ڈالا ﴿۲۱﴾ یہ ان کے گھر ہیں، جو ان کے زیادتی کرنے کی وجہ سے ویران پڑے ہوئے ہیں، یقیناً اس میں علم و دانش رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے ﴿۲۲﴾ اور جو لوگ ایمان لا چکے تھے اور (گناہ سے) بچتے رہتے تھے، ہم نے ان کو بچا لیا ﴿۲۳﴾ اور ہم نے لوط کو بھی بھجھا تھا، جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؟ حالاں کہ تم سمجھدار ہو؟ ﴿۲۴﴾ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو؟ بلکہ تم نادانی کر رہے ہو ﴿۲۵﴾ تو ان کی قوم کا جواب یہی ہوتا کہ کہتے: لوط کے لوگوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو، یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا، سوائے اس کی بیوی کے، جس کے بارے میں ہم نے طے کر دیا تھا کہ وہ رہ جانے والوں میں رہے گی ﴿۲۷﴾ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسادی، تو جن لوگوں کو ڈرایا جا چکا تھا، ان پر ہونے والی بارش کیا ہی بری تھی! ﴿۲۸﴾

﴿۲﴾ حضرت صالح ؑ اور ان کی قوم، قوم ثمود کا واقعہ سورہ اعراف، آیت نمبر: ۷۳-۷۹ میں گزر چکا ہے۔

﴿۳﴾ آیت نمبر: ۵۴ تا ۵۹ میں قوم لوط کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے سورہ اعراف، آیت نمبر: ۸۰-۸۳ میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۖ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾

(اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے اُن بندوں پر سلامتی ہو، جن کو اس نے منتخب کر لیا ہے، ﴿۱﴾ کیا اللہ بہتر ہیں یا وہ (باطل معبود) جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں؟ ﴿۵۹﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے کون ہیں؟ جن پر یہاں سلامتی بھیجی گئی ہے، اس سلسلہ میں مفسرین کے تین نقطہ نظر ہیں: ایک یہ کہ اس سے صحابہ مراد ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے براہ راست مخاطب تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور ﷺ کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا تھا، دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے انبیاء مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت جیسے بلند مرتبہ کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں دوسرے موقع پر فرمایا گیا ”سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ“ (صافات: ۱۸۱) یعنی سلامتی ہو اللہ کے پیغمبروں پر، (تفسیر قرطبی: ۲۲۰/۱۳) تیسری رائے یہ ہے کہ اس میں تمام اہل ایمان شامل ہیں، جو اپنے اپنے وقت میں نبی برحق پر ایمان لائے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سبھوں کو ہدایت کے لئے منتخب فرمایا اور گمراہی سے ان کی حفاظت فرمائی، یہ تفسیر اس لحاظ سے زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ اس سے پہلے مختلف انبیاء اور ان کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے پیغمبروں کی تعلیمات کا انکار کیا، وہ عذاب میں مبتلا کئے گئے، اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے منتخب فرمایا، ان کو اس عذاب سے بچا لیا۔

قرآن مجید کی یہ آیت اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء کے بشمول اللہ کے منتخب بندوں پر سلام پر مشتمل ہے؛ اسی لئے خطباء، واعظین و مقررین اور مصنفین اپنے خطاب کا اور کتاب کا آغاز ان ہی الفاظ سے یا کسی ایسے کلمہ سے کرتے رہے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ و سلام ہو، علامہ قرطبی ؒ نے لکھا ہے کہ یہ علماء اسلام کا متواتر عمل رہا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۲۰/۱۳)



۲۰

**اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً ۚ فَالْتَبَتْنَا بِهِۦٓ حَدَآئِقَٔ**

ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ۚ ؕ اِلٰهُ مَعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ ۝۲۰  
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلَافَهَا اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَّجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ  
حَاجِزًا ۚ اِلٰهُ مَعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱ اَمَّنْ يُجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ  
وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۚ اِلٰهُ مَعَ اللّٰهِ ۚ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۲

بھلا کس نے آسمان وزمین بنائے؟ اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے پُر رونق باغات اُگائے  
(ورنہ) تمہارے بس میں نہیں تھا کہ ان کے درخت اُگاؤ، (تو کیا) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی ہے؟ بلکہ وہ لوگ  
درست راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں ۝۲۰ بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا، اس کے درمیان نہریں بنائیں  
اور زمین (کو ٹھہرائے رکھنے) کے لئے پہاڑ بنائے، نیز دودریاؤں کے درمیان رکاوٹ رکھ دی، تو اللہ کے ساتھ کوئی  
اور خدا بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے بہتوں کو سمجھ نہیں ہے، ۝۲۱ بھلا کون ہے کہ جب کوئی بے کس پکارتا ہے تو وہ اس کی  
فریاد کو سنتا ہے، مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین پر گزشتہ لوگوں کی جگہ آباد کرتا ہے، ۝۲۲ کیا اللہ کے سوا کوئی  
اور معبود ہے؟ (مگر) تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔ ۝۲۳

﴿۱﴾ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ”وَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ“ کا مفہوم بتایا ہے ”اُی سکانہا یتھلک قومًا وینشیئ  
آخرین“ (تفسیر قرطبی: ۲۲۴/۱۳) یعنی اللہ تم کو وہاں آباد کر دیتے ہیں، اس طور پر کہ ایک قوم کو ختم کر کے اس کی جگہ دوسری قوم کو  
پیدا کرتے ہیں، اسی لحاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زمین پر گزشتہ لوگوں کی جگہ آباد کرتے ہیں، یعنی ایک قوم کے بعد  
دوسری قوم کو اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل کو، غور کیا جائے تو یہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ ایک نسل دنیا سے جاتی ہے  
اور دوسری نسل پیدا ہوتی ہے، اگر سارے کے سارے لوگ دنیا میں زندہ ہی رہتے اور ان کو کبھی موت نہیں آتی تو دنیا کتنی تنگ  
ہو جاتی اور یہاں بوڑھے، ضعیف اور مجبور لوگوں کی اتنی بڑی تعداد ہو جاتی کہ ان کو سنبھالنا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا بھی مشکل  
ہو جاتا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نظام رکھا کہ انسانوں کی ایک نسل بتدریج دنیا سے چلی جائے اور دوسری نسل کی دنیا میں آمد ہو، اس  
آیت میں جو بات فرمائی گئی ہے کہ کون ہے جو بے کس کی پکار کو سنتا ہے؟ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ  
اپنے ہر بندہ کی دُعا سنتے اور اس کی مصلحت کے لحاظ سے قبول فرماتے ہیں، اور مومنوں کے ساتھ ساتھ کافروں کی دُعا بھی بعض  
اوقات مقبول ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب شیطان نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ اس کو مہلت دی جائے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں کو  
بھگانے کی کوشش کرے اور ان کو امتحان میں ڈالے، تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اس دُعا کو بھی قبول فرمایا؛ (الاعراف: ۱۴) لیکن  
خاص طور پر جب انسان اضطراب اور بے کسی و بے پناہی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس وقت اللہ سے دُعا کرتا ہے، نیز اس کی دُعا  
قبول کئے جانے میں اس کے لئے مصلحت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو قبول فرما لیتے ہیں۔

اَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيْحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ  
 عَالِهَ مَعَ اللّٰهِ ۚ تَعَلٰى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ يَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ  
 مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ عَالِهَ مَعَ اللّٰهِ ۚ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۱﴾ قُلْ لَا  
 يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّٰنَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۲﴾ بَلِ  
 اَدْرَاكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ  
 كَفَرُوْا اِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّ اَبَآؤُنَا اِنَّمَا تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۴﴾

بھلا کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کے اندھیروں میں راستہ دکھاتا ہے اور کون ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ وہ لوگ جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ اس سے بلند و بالا ہیں، ﴿۲۰﴾ کون مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟؟ آپ کہئے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو ﴿۲۱﴾ آپ کہہ دیجئے: آسمان و زمین میں جتنی چیزیں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اور ان کو خبر نہیں ہے کہ وہ دوبارہ کب زندہ کئے جائیں گے: ﴿۱﴾ ﴿۲۰﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم گم ہو کر رہ گیا ہے؛ بلکہ ان کو اس کے بارے میں شک ہے؛ بلکہ وہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم (زندہ کر کے قبر سے) نکالے جائیں گے؟ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام بھی غیب کا علم نہیں رکھتے تھے؛ چنانچہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ جس کا خیال ہو کہ محمد (ﷺ) کل ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں، وہ اللہ پر بہت بڑا جھوٹ گھڑتا ہے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ“۔

(مسلم: کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل ”وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اٰخِرٰی“، حدیث نمبر: ۱۷۷۷)

﴿۲﴾ مولانا عبد الماجد دریابادی ؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں آخرت کے انکار کرنے والے تین طبقوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک وہ جو صرف مادی علم کے قائل ہیں اور ان کا یہ علم آخرت کے نظام کو سمجھنے سے قاصر ہے، وہ اپنی اسی جہالت پر مطمئن ہو گئے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا علم آخرت کے بارے میں گم ہو کر رہ گیا ہے، دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو نہ اس سلسلہ میں خاموش ہیں اور نہ کھل کر اقرار کرتے ہیں؛ بلکہ خود شک میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے ہیں، تیسرا طبقہ وہ ہے، جو کھل کر انکار کرتا ہے اور آخرت کے دلائل کی طرف سے آنکھیں بند کیا ہوا ہے، گویا وہ اندھا بنا ہوا ہے۔ (خلاصہ از: تفسیر ماجدی: ۵/۱۰۸، طبعکنو)

لَقَدْ وَعَدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۖ اِنَّ هَٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَقُولُوْنَ مَتٰى هَٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ رَدْفٌ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَا مِنْ غَآبٍۭةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِى كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۶﴾ اِنَّ هَٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقْصُ عَلَىٰ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِنَّهٗ لَهْدٰى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۹﴾

اس طرح کا وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ داداؤں سے پہلے سے کیا جاتا رہا ہے، یہ محض من گھڑت کہانیاں ہیں، جو پہلوں سے نقل ہوتی آرہی ہیں؟ ﴿۱۹﴾ آپ کہہ دیجئے: زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ گناہگاروں کا کیسا انجام ہوا؟ ﴿۲۰﴾ آپ ان پر غم نہ کیجئے اور یہ جو شرارتیں کر رہے ہیں، اس سے تنگ دل نہ ہو جائے ﴿۲۱﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۲۲﴾ آپ فرما دیجئے: جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو کیا بعید ہے کہ اس کا کچھ حصہ تمہاری پیٹھ ہی پر آپہنچا ہو؟ ﴿۲۳﴾ اور یقیناً آپ کے رب لوگوں پر بہت مہربان ہیں؛ لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور یقیناً آپ کے رب ان باتوں کو بھی جانتے ہیں، جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں اور ان باتوں کو بھی، جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں ﴿۲۵﴾ اور آسمان و زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ چیز نہیں، جو واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں موجود نہ ہو، ﴿۲۶﴾ بلاشبہ یہ قرآن بنی اسرائیل سے ان میں سے اکثر باتوں کو بیان کر رہا ہے، جن کے متعلق وہ لوگ جھگڑتے رہتے ہیں ﴿۲۷﴾ اور یقیناً یہ کتاب ایمان والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور سرپا رحمت ہے ﴿۲۸﴾ آپ کے پروردگار ان کے درمیان ضرور اپنے حکم سے فیصلہ کر دیں گے اور وہی بہت زبردست اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ یعنی مکمل عذاب تو قیامت کے بعد ہوگا؛ لیکن ہو سکتا ہے کہ عذاب کا کچھ حصہ جلد ہی آجائے، اس کی ایک صورت تو موت ہے کہ مرنے کے بعد ہی سے عذاب قبر شروع ہو جاتا ہے اور دوسری ظاہری صورت یہ پیش آئی کہ غزوہ بدر میں مکہ کے وہ تمام سردار جو اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے، ذلت و رسوائی کے ساتھ مارے گئے۔

﴿۲﴾ اس میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ کس قوم پر کب عذاب آئے گا؟ نہ اُس وقت کے آنے سے پہلے عذاب آئے گا اور نہ وقت کے آنے کے بعد اس میں کوئی تاخیر ہوگی۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿۱۹﴾ إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿۲۰﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَىٰ عَنْ ضَلَّتِهِمْ ۚ إِنَّ تَسْمِعَ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۲۱﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۚ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۲۲﴾

اس لئے اللہ پر بھروسہ رکھئے، یقیناً آپ حق پر ہیں جو بالکل واضح ہے، ﴿۱۹﴾ البتہ آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں، نہ بہروں تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں، (خاص کر) جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں، ﴿۲۰﴾ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر ہدایت پر لا سکتے ہیں، آپ تو صرف ان ہی کو سنا سکتے ہیں، جو ہماری باتوں کا یقین رکھتے ہیں، تو وہی ہیں فرمانبردار لوگ! ﴿۲۱﴾ اور جب ان پر وعدہ پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، جو ان سے باتیں کرے گا؛ اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱۹﴾ اس میں مردے، اندھے اور بہرے کے الفاظ تشبیہ کے طور پر ہیں، یعنی جو لوگ حق کی بات سنیں اور اس کو سمجھنے کو تیار نہ ہوں تو گویا وہ مردہ ہیں، جیسے مردہ کسی بات کو نہیں سمجھ سکتا، وہی حال اس شخص کا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی دلیلوں کو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ایمان نہیں لاتا تو گویا وہ اندھا ہے، اور جو کان رکھنے کے باوجود اس طرح باتوں کو سنتا ہے کہ اس کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا، وہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے بہرا ہے — یہاں جو یہ بات فرمائی گئی کہ آپ مردہ کو نہیں سنا سکتے: ”إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ“ اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہو گیا کہ سننا اصل میں زندہ لوگوں کا وصف ہے، مردہ اپنی اصل کے اعتبار سے سننے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے، یہ مضمون قرآن مجید میں ایک اور موقع پر بھی آیا ہے، (روم: ۵۲) چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کا نقطہ نظر یہی ہے کہ مردہ سن نہیں سکتا، دوسری طرف صحیح حدیثوں میں یہ بات آئی ہے کہ غزوہ بدر کے موقع سے قتل ہونے والے مشرکین کی لاشوں کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے جان لیا کہ یہ حق ہے؟ ”فهل وجدتم ما وعد ربكم حقاً“ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ ایسے جسموں سے بات کر رہے ہیں، جو روح سے خالی ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میری بات وہ تم سے کم نہیں سن رہے ہیں، (بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبي جهل، حدیث نمبر: ۷۵۷، ۳، مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة الخ، حدیث نمبر: ۲۸۷۴) اسی لئے اس مسئلہ میں عہد صحابہ سے اختلاف رہا ہے کہ مردے سن سکتے ہیں یا نہیں؟ ساری بحث کا خلاصہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مردے اصلاً تو نہیں سنتے ہیں، سوائے انبیاء اور شہداء کے، جن کو اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ میں بھی خصوصی زندگی عطا فرمائی ہے؛ لیکن جب اللہ کی مرضی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ عام مردوں کو بھی سنا دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿۲۰﴾ قیامت کس سال، کس تاریخ اور کس وقت میں قائم ہوگی؟ یہ بات تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے راز میں رکھی گئی ہے اور ان چیزوں میں سے ہے جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے؛ لیکن قیامت کی علامتیں احادیث میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے کچھ علامات تو لوگوں کے احوال میں تبدیلی سے متعلق ہیں، جو آہستہ آہستہ پیش آرہی ہیں اور آدمی اس کے بارے میں قیاس اور اندازے سے ←

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۲۰﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ  
قَالَ أَكْذَبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۱﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ  
عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۲۲﴾

اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ان لوگوں کا ایک ایک گروہ جمع کریں گے، جو ہماری باتوں کو جھٹلایا کرتا تھا، پھر اُن کے گروپ بنادیئے جائیں گے ﴿۲۰﴾ یہاں تک کہ جب یہ سب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: کیا تم میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے؛ حالاں کہ تم نے پوری طرح اس کا علم حاصل نہیں کیا تھا؟ یا اس کے علاوہ تم اور کیا کیا کام کیا کرتے تھے؟ ﴿۲۱﴾ اور اُن پر اُن کی زیادتیوں کی وجہ سے (عذاب کا) وعدہ پورا ہو چکا ہوگا؛ اس لئے وہ کچھ بھی نہ بول سکیں گے۔ ﴿۲۲﴾

← کسی خاص صورت حال کو اس کا مصداق قرار دیتا ہے؛ لیکن کچھ ایسی علامتوں کا بھی ذکر آیا ہے، جو واضح اور متعین ہیں، ان کا ظہور اس وقت ہوگا، جب قیامت بالکل قریب آجائے گی، وہ علامتیں یہ ہیں: (۱) سورج کا پورب کی بجائے پچھم کی طرف سے نکلنا، (۲) دھوئیں کا ظاہر ہونا، (۳) دابۃ الارض کا نکلنا، (۴) یاجوج ماجوج کا نکلنا، (۵) حضرت عیسیٰ ﷺ کا آسمان سے اُترنا، (۶) دجال کا ظاہر ہونا، (۷) مغرب، مشرق اور جزیرۃ العرب میں دھسنے کے واقعات کا پیش آنا، (۸) عدن سے ایک ایسی آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر میدانِ حشر کی طرف لے جائے گی۔ (ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب امارات الساعة، حدیث نمبر: ۴۳۱۳)

ان علامتوں میں سے ایک علامت دابۃ کے نکلنے کا ذکر اس آیت میں بھی آیا ہے، قرآن مجید میں جو یہاں ”دابۃ الارض“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ جانور نسلی طور پر پیدا نہیں ہوگا؛ بلکہ معجزاتی طور پر زمین سے نکلے گا، جیسا کہ حضرت صالح ﷺ کی اونٹنی نکلی تھی، (روح المعانی: ۲۴/۲۰) اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہوگا تو وہ جانور؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس کو بولنے کی صلاحیت عطا فرمائیں گے اور وہ انسانوں سے گفتگو کرے گا، حدیثوں میں اس کی ایک خصوصیت یہ بھی آئی ہے کہ یہ مومن کی دونوں آنکھوں کے درمیان صاحبِ ایمان ہونے کی ایک علامت لگا دے لگا اور اسی طرح کافر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ان کی علامت لگا دے گا، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۳/۱۳) مفسرین نے اس کے علاوہ بہت سی تفصیلات لکھی ہیں کہ یہ دابہ کہاں سے نکلے گا، اس کی شکل کیا ہوگی؟ وغیرہ؛ لیکن یہ تفصیلات معتبر روایات سے ثابت نہیں ہیں، بہر حال یہ آخری علامت ہوگی، جو قیامت کے واقع ہونے سے پہلے ظاہر ہوگی، اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوگی اور نہ ایمان لانا معتبر ہوگا۔

﴿۱﴾ یعنی لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ ان سب کا ایک ساتھ جانا دشوار ہوگا؛ اس لئے ان کے گروپ بنادیئے جائیں گے اور یکے بعد دیگرے آگے بڑھیں گے۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ تم نے تحقیق کی بھی زحمت نہیں کی اور غور و فکر کئے بغیر ہی میرے احکام کو جھٹلادیا، اور اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ نافرمانی اور سرکشی کے دوسرے کام بھی کرتے رہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا اَلْبَلَّ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَاَلنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۚ وَكُلُّ اَتَوْهٖ دٰخِرِيْنَ ﴿۲﴾ وَتَرٰى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَّهِيَ تَكْبُرُ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىۤ اَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّمَّهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَرَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۴﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات اس لئے بنائی ہے کہ لوگ اس میں آرام کر سکیں اور دن اس لئے بنائے ہیں کہ وہ اس میں دیکھ سکیں ﴿۱﴾، بلاشبہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، اس میں ان کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۲﴾ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین میں جو کوئی بھی ہے، سب گھبرا جائے گا، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ (اس گھبراہٹ سے بچانا) چاہیں، اور سب کے سب عاجزی کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے، ﴿۲﴾ تم پہاڑ کو دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ یہ حرکت نہیں کریں گے؛ (لیکن اُس دن) وہ بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا، جس نے ہر چیز کو مضبوطی کے ساتھ بنا رکھا ہے، تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری خبر ہے ﴿۳﴾ جو شخص نیکی لے کر آئے گا، اس کو اس سے بہتر ملے گا اور وہ لوگ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے۔ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ رات کے وقت بلاوجہ جاگنا مناسب نہیں اور یہ رات کی تخلیق کے مقصد کے خلاف ہے، اسی طرح کام کاج کے لئے دن کا وقت ہے؛ لہذا آدمی کو ایسی ملازمت حاصل کرنی چاہئے، جس میں رات کی ڈیوٹی نہ ہو، سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت اور مجبوری ہو۔

﴿۲﴾ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبار صور پھونکا جائے گا، جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو زمین کی تمام چیزیں مرجائیں گی، جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گی، یہاں اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق پہلا صور پھونکنے جانے کا ذکر ہے، اسی صور کا ذکر سورہ زمر، آیت نمبر: ۶۸ میں بھی آیا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ صور کی آواز پر زمین و آسمان کی تمام چیزیں بے ہوش ہو جائیں گی، دونوں آیتوں کو اور احادیث کو سامنے رکھ کر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ صور کی آواز پر پہلے لوگ گھبرا جائیں گے، پھر شدت گھبراہٹ کی وجہ سے بے ہوش ہو جائیں گے، آخر یہ بے ہوشی ان کو موت تک پہنچا دے گی اور سب کے سب مرجائیں گے، پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو لوگ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگیں گے، قرآن مجید میں کئی مواقع پر صور پھونکنے کے اس دوسرے واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ (دیکھئے: کہف: ۹۹، طہ: ۱۰۲، یٰسین: ۵۱، نباہ: ۱۸)

﴿۳﴾ ان کے گھبراہٹ سے محفوظ رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ قیامت کا واقعہ ہونا، ان کی اُمید و یقین کے عین مطابق ہوگا اور جو لوگ ایمان سے محروم تھے، ان کے لئے یہ سب کچھ اُمید اور توقع کے خلاف ہوگا۔

وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۰﴾  
 إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ  
 مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۲۱﴾ وَأَنْ أَتْلُوا الْقُرْآنَ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ  
 فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۲۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ  
 بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾

ع

اور جو برا عمل لے کر آئے گا تو اس کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا: تم کو تمہارے ہی عمل کی سزا دی جا رہی ہے، ﴿۲۰﴾ مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ مکرمہ) کے مالک کی عبادت کرتا رہوں، جس کو اللہ تعالیٰ نے قابل احترام بنایا ہے، ہر چیز اسی کی ہے، اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں (ہمیشہ) فرمانبرداری کرنے والوں میں رہوں ﴿۲۱﴾ اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن پڑھ کر سناتا رہوں، پھر جو شخص ہدایت کو قبول کر لے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے ہدایت قبول کرے گا، اور جو گمراہی پر قائم رہے گا تو کہہ دیجئے: میں تو صرف (اللہ کی طرف سے) ڈرانے والوں میں سے ہوں ﴿۲۲﴾ اور آپ کہہ دیجئے: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ جلد ہی تم کو اپنی نشانیاں دکھا دیں گے تو تم ان کو پہچان لو گے، اور آپ کے رب ان کاموں سے بے خبر نہیں ہیں، جو تم کیا کرتے ہو۔ ﴿۲۳﴾







## سُورَةُ الْفَصْلِ

«سورة نمبر : (۲۸)

«رکوع : (۹)

«آیتیں : (۸۸)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

قصہ کے معنی واقعہ، داستان، کہانی کے ہیں، اس کی جمع ”قصص“ (ق پر زیر یا زبر کے ساتھ) ہے، (لسان العرب: ۱۱/۱۹۱) — قرآن مجید میں لوگوں کی نصیحت اور عبرت کے لئے گزشتہ انبیاء اور ان کی اقوام کے واقعات کثرت سے ذکر کئے گئے ہیں، سورہ قصص بھی ان سورتوں میں سے ہے، جن میں خصوصی طور پر حضرت موسیٰ السلام کے واقعات ان کی ولادت سے نبوت تک اور نبی بنائے جانے کے بعد سے فرعون کے غرقاب کئے جانے تک نیز بنی اسرائیل ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک متکبر ہم زمانہ شخص قارون کے واقعات کا تفصیل سے ذکر فرمایا گیا ہے؛ اسی لئے اس کو سورہ القصص کا نام دیا گیا ہے۔

اس سورہ کا بیشتر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور قارون کے واقعات پر مشتمل ہے اور اس میں عبرت و موعظت کے جو پہلو ہیں، انہیں بیان کیا گیا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

طَسَمَ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاٍ مُّوسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیْعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحْ اَبْنَاءَهُمْ وَیَسْتَحْیِ نِسَاءَهُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتَضَعُّوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اٰیَةً ۙ وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ طاء، سین، میم ۝ (۱) یہ واضح کتاب (یعنی قرآن مجید) کی آیتیں ہیں ۝ ہم آپ کو ایمان والوں کے لئے موسیٰ اور فرعون کے کچھ واقعات ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں ۝ (۲) فرعون زمین (مصر) میں بہت خود سر ہو گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو طباقوں میں بانٹ رکھا تھا، (۳) اس نے ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو دبا کر رکھا تھا، وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، یقیناً وہ فساد مچانے والوں میں سے تھا ۝ اور ہم کو یہ بات منظور تھی کہ ہم اس ملک کے دے بے کچلے لوگوں پر احسان کریں، انھیں سردار بنادیں، ان کو (اس سرزمین کا) وارث بنادیں۔ ۝

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، سورہ بقرہ حاشیہ نمبر: ۱ میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ ۑ سے متعلق واقعات قرآن مجید میں بکثرت نقل کئے گئے ہیں، سورہ بقرہ، آیت نمبر: ۴۹ میں اس پر وضاحتی نوٹ آچکا ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد سورتوں میں حضرت موسیٰ ۑ کا ذکر آیا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ۑ کو اپنی قوم بنی اسرائیل سے جس طرح کی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا اور حضرت موسیٰ ۑ پر ایمان لانے والے گروہ بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے لوگوں کی طرف سے جن آزمائشوں سے گزرنا پڑا، اس اُمت کے داعیوں کو بھی قوم کی طرف سے ایسے سلوک سے دوچار ہونا پڑے گا، جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ ۑ سے کیا تھا اور اُمت محمدیہ کو بھی مخالف اسلام طاقتوں کی طرف سے ایسی ہی آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا، جن سے بنی اسرائیل گزر چکے ہیں۔

(۳) یعنی فرعون مصر کے تمام شہریوں کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کرتا تھا، جو قبیلہ یعنی فرعون کی قوم کے لوگ تھے، ان کو عزت دی جاتی تھی اور بنی اسرائیل جن کو ابراہیمی، یاسینٹی کہا جاتا تھا، ان کے ساتھ غلامانہ برتاؤ کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ان سے بیگار لیا جاتا اور ان پر ہر طرح کا تشدد روا رکھا جاتا، تورات کے صحیفہ خروج کے پہلے باب میں تفصیل سے ان مظالم کا ذکر آیا ہے، اسی طبقاتی نظام کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَنُسَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿۱﴾  
 وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَاِذَا خِفَتْ عَلَيْهِ فَالْقَيْهِ فِي إِلِيمٍ ۖ وَلَا تَخَافِي وَلَا  
 تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَأَدُّوهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲﴾ فَالْتَقِطْهُ الْفِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ  
 عَدُوًّا وَحَزَنًا ۚ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿۳﴾

اور ان کو اس ملک میں حکومت عطا کر دیں، نیز فرعون، ہامان ﴿۱﴾ اور ان کے لشکروں کو ان (بنی اسرائیل) کے ہاتھوں وہ چیز دکھادیں، جس کا ان کو اندیشہ تھا ﴿۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی ﴿۳﴾ کہ تم موسیٰ کو دودھ پلاتی رہو، جب تم کو ان کے متعلق اندیشہ ہو (کہ فرعون کو اس کے پیدا ہونے کی خبر ہو جائے گی) تو ان کو دریا میں ڈال دو، نہ خوف کھاؤ اور نہ غم کرو، پھر ہم ضرور ان کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے اور ان کو پیغمبر بھی بنائیں گے؛ ﴿۴﴾ (چنانچہ موسیٰ کی والدہ نے ان کو دریا میں ڈال دیا) پھر فرعون کے گھر والوں نے ان کو اٹھالیا؛ تاکہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لئے غم کا باعث بنے، یقیناً فرعون، ہامان اور ان کا لشکر چوک گیا۔ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ ہامان کا ذکر یہاں پہلی بار آیا ہے، یہ نسلاً قطبی تھا اور مفسرین کے بیان کے مطابق فرعون کا وزیر تھا (تفسیر قرطبی: ۲۵۳/۱۳) یہاں اور آگے دوسرے مقامات پر فرعون کے ساتھ جس طرح ہامان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عام وزیروں کی طرح صرف ایک وزیر نہیں تھا؛ بلکہ وہ فرعون کا انتہائی معتمد اور بھروسہ مند شخص تھا، جس کے مشوروں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی — مغربی مصنفین کو یہ اعتراض ہے کہ ہامان تو ایران کے ایک بادشاہ کے دربار کا امیر تھا، جو حضرت موسیٰ ﷺ کے صدیوں بعد پیدا ہوا؛ اس لئے اس کو فرعون مصر کا وزیر قرار دینا غلط ہے، مگر اس اعتراض میں کوئی معقولیت نہیں ہے، تاریخ میں ہمیشہ ایک ہی نام کی کئی شخصیتیں رہی ہیں، خاص کر اگر کوئی ایسی شخصیت ہو جس کو مذہبی یا سیاسی پیشوائی کا درجہ حاصل رہا ہو تو لوگ اس کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھا کرتے ہیں؛ اس لئے اس ہامان کے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے، جس کا فرعون کے رفیق کی حیثیت سے قرآن مجید نے ذکر فرمایا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی بنی اسرائیل کا اقتدار پر آنا اور فرعون اور اس کی قوم کی سلطنت کا ختم ہو جانا۔

﴿۳﴾ حضرت موسیٰ ﷺ کی والدہ نبی نہیں تھیں؛ اس لئے یہاں وحی اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی، (دیکھئے: مدارک التنزیل: ۸۶۱) — تو رات میں حضرت موسیٰ ﷺ کی والدہ کا نام 'یوکبدہ' اور والد کا 'عمرام' ذکر کیا گیا ہے، ان ہی سے حضرت ہارون ﷺ اور حضرت موسیٰ ﷺ پیدا ہوئے۔ (خروج: ۶: ۲۰)

﴿۴﴾ کہ خود اپنے گھر میں اپنے دشمن کی پرورش کی۔

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتْ عَيْنٌ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اَمْرِ مُوسَىٰ فَرِغًا ۖ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهٖ لَوْ لَا اَنْ رَّبَّنَا عَلٰى قَلْبِهَا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُوْمِنِيْنَ ﴿١٠﴾ وَقَالَتْ لِاخْتِبِ قَصِيْبَهٗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنْبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١١﴾ وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْنَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصْحُوْنَ ﴿١٢﴾ فَرَدَدْنَاهُ اِلٰى اُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾

۱۳

فرعون کی بیوی نے کہا: یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، بعید نہیں کہ یہ ہمارے کام آئے، یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور ان کو (انجام کی) کچھ خبر نہیں تھی، ﴿۱۰﴾ اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا، اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا کہ وہ (بچہ کی واپسی کا) یقین رکھے تو قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیتی ﴿۱۱﴾ اور اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا: تو اس کے پیچھے پیچھے چلتی رہ؛ چنانچہ وہ دور سے اس طرح دیکھتی رہی کہ فرعون کے لوگوں کو پتہ بھی نہ چل سکا، ﴿۱۲﴾ اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والی دانیوں کی بندش کر دی تھی (کہ وہ کسی عورت کا دودھ نہ پکڑیں) تو موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں تم کو ایک ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں، جو تمہارے لئے اس کی پرورش کر دے اور وہ اس کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کرے؟ ﴿۱۳﴾ اس طرح ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں تک پہنچا دیا؛ تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے؛ لیکن اکثر لوگ (اس کا) یقین نہیں رکھتے۔ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ فرعون کی بیوی سے مراد حضرت آسیہ ہیں، جو ان پانچ منتخب عورتوں میں سے ہیں، جن کو تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے، (نسائی فی الکبیر، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۸۳۶۴) — تو رات میں فرعون کی بیوی کے بجائے فرعون کی بیٹی کا ذکر آیا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰؑ کو اٹھایا تھا: (خروج: ۲: ۵، ۶) لیکن ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے بیان کے مقابلہ ایک تحریف شدہ کتاب کے بیان کی اہمیت نہیں، تاہم مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے دونوں میں اس طرح تطبیق پیدا کی ہے کہ فرعون کے مذہب میں باپ کی بیٹی سے شادی ہوا کرتی تھی؛ اس لئے قرآن اور تو رات دونوں کے بیان میں کوئی تضاد نہیں۔

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ انسان کو حفاظت کے ظاہری اسباب اختیار کرنا چاہئے، یہ توکل کے خلاف نہیں، حضرت موسیٰؑ کی بہن کا نام بائبل کے بیان کے مطابق مریم تھا۔ (خروج: ۱۵: ۲۰)

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۱﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَوَكَّزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۲﴾

اور جب موسیٰ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور اور ان کی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے ان کو حکمت و دانائی اور علم سے نوازا اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۲۱﴾ اور موسیٰ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے، جب وہاں کے باشندے (نیند کی وجہ سے) غفلت کی حالت میں تھے ﴿۲۲﴾ تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا، ایک تو ان کی برادری (یعنی بنی اسرائیل) کا تھا اور دوسرا ان کے دشمن (یعنی فرعون کے لوگوں) میں سے تھا، تو جو ان کی برادری کا تھا، اس نے اپنے دشمن کے خلاف ان سے مدد چاہی، موسیٰ نے اس (دوسرے شخص کو) گھونسہ رسید کیا تو اس کا کام ہی تمام کر دیا، موسیٰ نے کہا: یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی، یقیناً شیطان غلطی میں ڈال دینے والا اور کھلا ہوا دشمن ہے۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ ﷺ ابھی گرچہ نبی نہیں بنائے گئے تھے؛ لیکن انھوں نے بادشاہ مصر کے دربار میں ایک شہزادہ کی طرح پرورش پائی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت مصر جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں امیر و کبیر گھرانے کے لڑکوں اور شاہی خاندان کے بچوں کو جو علوم و فنون سکھائے جاتے تھے، حضرت موسیٰ ﷺ کو بھی ان کی تعلیم دی گئی ہوگی؛ چنانچہ بائبل میں ہے: ”اور موسیٰ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی اور وہ کلام اور کام میں قوت والا تھا“۔ (اعمال: ۷: ۲۲)

﴿۲﴾ حضرت موسیٰ ﷺ اگرچہ فرعون کی پرورش میں تھے؛ لیکن ان کی سلیم فطرت کو یہ بات گوارا نہیں تھی کہ ایک خدا کی بجائے فرعون کی اور بتوں کی پوجا کی جائے؛ اس لئے ان کو اس صورت حال سے نفرت تھی، اندازہ ہے کہ دل کی یہ بات کبھی کبھی زبان پر آجاتی تھی اور یہ بات آہستہ آہستہ فرعون کے لوگوں میں پھیل رہی تھی؛ اس لئے حضرت موسیٰ ﷺ کو فرعون کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ تھا اور وہ احتیاط سے کام لیتے تھے، اس وجہ سے غالباً وہ زیادہ وقت دار السلطنت سے باہر گزارتے اور موقع محل دیکھ کر دار السلطنت میں داخل ہوتے تھے، بعض لوگوں نے غفلت کے وقت سے دوپہر کا وقت اور بعض نے رات کا وقت مراد لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۶۰) اس شہر کا نام مفسرین کے بیان کے مطابق ’مَنْف‘ تھا، جیسا کہ قرطبی وغیرہ میں لکھا ہے، جب کہ بائبل میں اس کا نام ’صوف‘ بتایا گیا ہے، مولانا عبد الماجد دریابادی ﷺ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ مصر کا قدیم شہر ’مفس‘ ہے، جو قارہ سے بارہ میل دکن دریائے نیل کے مغربی کنارے پر واقع تھا، جہاں بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور جو صدیوں دار السلطنت بنارہا۔

(تفسیر ماجدی: ۵/۱۳۴)

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۶﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِحُهُ ۖ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۷﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا ۖ قَالَ يُمُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنَّ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلُوحِينَ ﴿۱۸﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَى ۚ قَالَ يُمُوسَى إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَأْتِيهِمْ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿۱۹﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۰﴾

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں نے تو اپنے آپ پر زیادتی کر لی ہے؛ اس لئے آپ مجھے معاف فرمادیجئے، اللہ نے اس کو معاف کر دیا، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں ﴿۱۵﴾ موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! چوں کہ آپ نے مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے؛ اس لئے میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا ﴿۱۶﴾ چنانچہ موسیٰ نے شہر میں ڈرتے ہوئے اور (اس واقعہ کے انجام کا) انتظار کرتے ہوئے صبح کی، اچانک دیکھا کہ وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی، آج پھر فریاد کر رہا ہے، موسیٰ نے اس سے کہا: تو کھلا ہوا بد معاش ہے ﴿۱۷﴾ پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا، جو ان دونوں کا دشمن تھا (یعنی اسرائیلی)، تو اس نے کہا: اے موسیٰ! جیسے تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اسی طرح آج مجھ کو مار ڈالنا چاہتے ہو؟ بس تم تو دنیا میں صرف اپنی دھاک بیٹھانا چاہتے ہو اور صلح کرانا نہیں چاہتے ﴿۱۸﴾ اور ایک شخص شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے موسیٰ! اہل دربار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو مار ڈالیں؛ اس لئے آپ (یہاں سے) نکل جائیے، یقین کریں کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں؛ ﴿۱۹﴾ چنانچہ موسیٰ ڈرتے ہوئے اور (حالات کا) جائزہ لیتے ہوئے وہاں سے چل پڑے، موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے بچا لیجئے۔ ﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ ؑ کا یہ اعتراف پیغمبرانہ خشیت کا مظہر ہے؛ کیوں کہ حضرت موسیٰ ؑ کا مقصد فرعون کی قوم کے اس شخص کو مار ڈالنا نہیں تھا، صرف تنبیہ مقصود تھی، جو گناہ کے دائرہ میں نہیں آتی تھی، پھر بھی حضرت موسیٰ ؑ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔  
 ﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ جیسے گناہ کرنے کی ممانعت ہے، اسی طرح گناہ کے کاموں میں مدد کرنا بھی جائز نہیں۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَلَى رَئِي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٢٠﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢١﴾ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٢﴾ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۖ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٣﴾

اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے: اُمید ہے کہ مجھ کو میرے پروردگار صحیح راستے پر لے جائیں گے، ﴿۲۰﴾ اور جب مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو وہاں لوگوں کا ایک مجمع دیکھا جو (مویشیوں کو) پانی پلا رہا تھا اور دیکھا کہ ان سے الگ دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے ہوئے کھڑی ہیں، موسیٰ نے کہا: تم لوگوں کا کیا مسئلہ ہے؟ دونوں کہنے لگیں: چرواہے (پانی پلا کر) چلے جاتے ہیں، تب ہم پانی پلایا کرتے ہیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں (اس لئے وہ خود نہیں آسکتے) ﴿۲۱﴾ چنانچہ موسیٰ نے ان لڑکیوں کے جانور کو پانی پلا دیا، پھر ہٹ کر سایہ کی طرف آگئے اور دُعا کرنے لگے: اے میرے پروردگار! آپ مجھے جو بھی نعمت بھیج دیں، میں اس کا محتاج ہوں ﴿۲۲﴾ پھر ان دونوں میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی جو شرمائی ہوئی چل رہی تھی، اس نے کہا: میرے والد آپ کو بلارہے ہیں؛ تاکہ آپ نے ہمارے جانور کو جو پانی پلایا ہے، آپ کو اس کی اجرت ادا کر دیں، ﴿۲۳﴾ پھر جب موسیٰ ان کے پاس آئے اور ان سے حالات بیان کئے تو انھوں نے کہا: ڈرو مت، تم ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہو۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ ﷺ بے یار و مددگار بغیر توشہ اور سواری کے مدین کی طرف نکل پڑے، یہاں تک کہ شہر کا راستہ بھی معلوم نہیں تھا؛ لیکن اللہ پر بھروسہ کر کے آپ نے رخت سفر باندھ لیا، مدین کا انتخاب آپ نے اس لئے فرمایا کہ مدین کے لوگ حضرت ابراہیم ﷺ کی نسل سے تھے اور حضرت موسیٰ ﷺ بھی حضرت ابراہیم ﷺ کی نسل سے تھے اور یہاں فرعون کی حکومت نہیں تھی، اس لئے بجا طور پر وہ توقع رکھتے تھے کہ یہاں انھیں ہمدردی حاصل ہوگی اور ان کا تحفظ ہو سکے گا۔

﴿۲﴾ غرض کہ حضرت موسیٰ ﷺ نے جو دُعا کی تھی کہ میں آپ کی نعمت کا محتاج ہوں، فوراً ہی یہ دُعا قبول ہوئی؛ چنانچہ تورات میں ہے کہ حضرت شعیب ﷺ نے ان کو کھانے پر مدعو فرمایا، (خروج: ۲: ۱۸، ۲۰) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ﷺ نے اس سے یہ بات اخذ کی ہے کہ اگر کوئی عمل اجرت کے لئے نہیں کیا جائے؛ لیکن جس شخص کو نفع پہنچا، وہ کچھ دیدے اور اسے قبول کر لیا جائے تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔ (دیکھئے: بیان القرآن ۲/۲۱۵)



قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا بَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿۱۷﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَجَجٍ فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۸﴾ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۱۹﴾ فَلَمَّا نَجَّى قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا ۖ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۰﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۱﴾

ان میں سے ایک لڑکی نے کہا: ابا جان! ان کو ملازم رکھ لیجئے، بہترین شخص جس کو آپ ملازم رکھیں، وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور امانت دار بھی ﴿۱۷﴾ لڑکیوں کے والد (حضرت شعیب) نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا اس شرط پر تمہارے ساتھ نکاح کر دوں کہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو گے، پھر اگر تم دس پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان ہوگا) اور میں تم کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا، انشاء اللہ تم مجھے اچھا معاملہ کرنے والا پاؤ گے ﴿۱۸﴾ موسیٰ نے کہا: میرے اور آپ کے درمیان یہ بات کچی ہوگئی، میں ان دونوں میں سے جو بھی مدت پوری کروں، مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور جو کچھ ہم بات چیت کر رہے ہیں، اللہ اس پر گواہ ہیں، ﴿۱۹﴾ پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی اور اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہوئے تو طور نامی پہاڑ کی طرف سے ایک آگ دکھائی دی، اس نے اپنی بیوی سے کہا: تم ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں تمہارے پاس کوئی خبر یا آگ کا کوئی شعلہ لے کر آسکوں؛ تاکہ تم تاپ سکو ﴿۲۰﴾ پھر جب موسیٰ وہاں پہنچے تو ان کو اس میدان کے دائیں کنارے کے مبارک مقام کے ایک درخت میں سے آواز آئی: اے موسیٰ! میں اللہ ہوں، یعنی تمام جہانوں کا رب۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ایک مقررہ مدت کی خدمت کو مہر بنایا جاسکتا ہے؛ (قرطبی: ۱۳/۲۷۳) البتہ ضروری ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر مقرر نہ کیا جائے؛ کیوں کہ یہ شوہر و بیوی کے حیثیت و مرتبہ کے خلاف ہے، (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب النکاح: ۱۱۹/۳) دوسرے: اجارہ کی جو بھی شکل ہو خواہ کسی آدمی سے ملازمت کا معاملہ طے ہو، یا کسی مکان یا سواری وغیرہ سے استفادہ کا، اس میں دونوں باتوں کا متعین ہونا ضروری ہے، اجرت کیا ہوگی اور کام کی مدت کیا ہوگی؟

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی آواز آئی اور حضرت موسیٰ ﷺ کو محسوس ہوا کہ اس آواز کا مرکز زیتون کا درخت ہے، سورہ نمل، آیت نمبر: ۸ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَمُوسَىٰ أَقْبَلَ وَلَا تَخَفْ ۚ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿۳۱﴾ أَسْلُكُ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۚ وَاضْمُمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ۚ فَذُنُوكَ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا ۚ فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِأَيِّتِنَا ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِأَيِّتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿۳۶﴾

تم (زمین پر) اپنی لاٹھی ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اس کو دیکھا تو ایسا لگا جیسے کوئی پتلا سانپ لہرا رہا ہو؛ چنانچہ موسیٰ منہ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا (اللہ نے کہا: اے موسیٰ! آگے آؤ، اور ڈرو مت، تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو، ﴿۳۱﴾ اپنے ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ کسی بیماری کے بغیر بالکل سفید ہو کر نکلے گا، ﴿۳۲﴾ اور ڈر لگے تو اپنا بازو اپنے جسم سے ملا لینا تو پھر ہاتھ اصل حالت پر آجائے گا) پس، تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے سامنے پیش کرنے کے لئے یہ دو معجزات ہیں، یقیناً وہ لوگ بڑے نافرمان ہیں ﴿۳۳﴾ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو (غلطی سے) قتل بھی تو کر دیا تھا؛ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ مجھے مار ہی نہ ڈالیں ﴿۳۴﴾ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے؛ لہذا میری مدد کے لئے ان کو بھی رسول بنا دیجئے، جو میری تصدیق کیا کریں گے؛ کیوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے ﴿۳۵﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: ہم تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو ایسی شوکت عطا فرمائیں گے کہ وہ لوگ تم تک پہنچ نہیں سکیں گے، ہمارے معجزات لے کر جاؤ، تم دونوں اور تمہاری پیروی کرنے والے ہی غالب رہیں گے ﴿۳۶﴾ پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے کھلے ہوئے معجزات لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے: ”یہ تو محض ایک جادو ہے، جو گھڑا گیا ہے (کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے) اور ہم نے نہیں سنا کہ ایسی بات ہمارے اگلے باپ داداؤں کے وقت میں بھی کبھی ہوئی ہو“ ﴿۳۷﴾

﴿۱﴾ تورات میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ﷺ کا ہاتھ برف کی مانند سفید مبروص تھا، (خروج، باب: ۴، آیت نمبر: ۶) یعنی ایسا لگتا تھا کہ جیسے آپ کے ہاتھ میں برص کی بیماری ہو، قرآن مجید نے ”من غیر سوء“ (کسی بیماری کے بغیر) کہہ کر تورات کے بیان کی غلطی کو واضح کر دیا۔

وَقَالَ مُوسَى رَبِّيْ اَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ فَاَوْقَدْ لِيْ يٰهٰمٰنُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْ اَطَّلِعُ اِلٰى اِلٰهِ مُوسٰى وَاِنِّىْ لَا ظَنُّهُ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَغَشَّوْهُمُ فِى الٰیْمِ ۚ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اٰیَةً يِّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنصَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

موسىٰ نے کہا: ”میرے پروردگار اس شخص کو خوب جانتے ہیں، جو اللہ کے پاس سے ہدایت کی بات لے کر آیا ہے اور جس کے لئے آخرت کا بہترین انجام ہے، یقیناً ظلم و ستم کرنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے،“ فرعون نے کہا: ”اے دربار والو! مجھ کو تو نہیں معلوم کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور خدا بھی ہے؛ لہذا اے ہامان! میرے لئے مٹی (کی کچی اینٹوں) کو آگ میں پکاؤ، پھر (پکی ہوئی اینٹوں سے) میرے لئے ایک بلند عمارت بنا دو، شاید میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو جھانک سکوں اور میرا خیال ہے کہ وہ یقیناً جھوٹا ہے،“ ﴿۲۰﴾ فرعون اور اس کا لشکر دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگا تھا اور ان کو خیال ہو گیا تھا کہ ان کو لوٹ کر ہماری طرف آنا نہیں ہے ﴿۲۱﴾ چنانچہ ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا، تو دیکھ لو ظلم کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ ﴿۲۲﴾ اور ہم نے ان کو سردار بنایا تھا (مگر) وہ دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور قیامت کے دن کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ فرعون کے ذہن میں خدا کی یہی تصویر تھی کہ اگر اوپر کوئی اور خدا ہوگا بھی تو وہ تو بتوں کی طرح یا کسی مخلوق کی طرح اوپر بیٹھا ہوا ہوگا؛ اس لئے اس نے اپنی عوام کو متاثر کرنے کے لئے ہامان سے کہا کہ پختہ، مضبوط اونچی عمارت تعمیر کرو کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا پر تیرے پھینکوں اور اس کا قصہ تمام کر دوں، تفسیری روایات میں ہے کہ ہامان نے اس کام میں مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار معماروں کو لگایا، مٹی کی اینٹیں پکائی گئیں، لکڑیوں کا انتظام کیا گیا، ضرورت کے مطابق کیلیں ٹھوکی گئیں اور اتنی اونچی اور پختہ عمارت بنائی گئی کہ دنیا میں اس سے پہلے ایسی عمارت نہیں بنی تھی، کوئی شخص اس عمارت کی آخری حد تک چڑھ نہیں پاتا تھا، مگر چوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان مقصود تھا اور امتحان میں بعض دفعہ خوب ڈھیل دی جاتی ہے؛ اس لئے فرعون نہ صرف اس پر چڑھنے میں کامیاب ہوا؛ بلکہ اس نے آسمان کی طرف ایک تیر بھی پھینکا، جو غون میں رنگا ہوا واپس آیا اور اس نے دعویٰ کر دیا کہ میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا ہے، یہ بات بھی نقل کی گئی ہے کہ جب فرعون نے یہ کہا تو حضرت جبریل ؑ نے اس بلند قلعہ کو اپنے پُڑے سے ٹھوکر لگائی کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور وہ اس طرح گرے کہ فرعون کے لشکر کے ہزاروں لوگ موت کے منہ میں چلے گئے — تاہم یہ سب کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہے، اسی لئے علامہ قرطبی ؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایات کہاں تک صحیح ہیں؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۸۹)

وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۲۵﴾ وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۖ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۖ وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۲۶﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾ وَلَوْ لَا أَن تَصِيبَهُمْ مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْ لَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں ہوں گے ﴿۲۳﴾ اور پچھلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تھی، ﴿۱﴾ جو لوگوں کے لئے بصیرت کا سامان، ہدایت کا ذریعہ اور سراپا رحمت تھی؛ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۴﴾ (اے رسول!) اور آپ (طور کے) مغربی جانب میں اس وقت موجود نہیں تھے، جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے تھے اور نہ آپ (اس کے) دیکھنے والوں میں تھے ﴿۲۵﴾ اور لیکن (موسیٰ کے بعد بھی) ہم نے کئی کو پیدا کیا، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی اور آپ مدین والوں میں بھی نہیں رہا کرتے تھے، کہ آپ (ان آنکھوں دیکھے واقعات پر مشتمل) ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے؛ لیکن ہم ہی رسول بھیجتے رہے ہیں ﴿۲۶﴾ اور جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تو اس وقت بھی آپ طور کے کنارے موجود نہیں تھے، آپ اپنے رب کی رحمت سے (بنی بنائے گئے) تاکہ آپ ان لوگوں کو (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرائیں، جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؛ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۷﴾ اور اگر ہم رسول نہ بھیجتے، پھر ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آجاتی تو وہ کہتے: ”اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کے احکام کی پیروی کرتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہوتے؟“ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام وغیرہ کی قومیں۔

﴿۲﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو یہ واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان واقعات کے پیش آنے کے وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا نبی ہونا برحق ہے اور جس خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب اتاری تھی، وہی خدا ہے جس نے آپ پر بھی اپنی کتاب اتاری ہے۔

﴿۳﴾ بظاہر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اور رسول اللہ ﷺ سے پہلے جزیرۃ العرب میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گئے، اسی کی طرف اشارہ ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْ لَا أَوْتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوْ لَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظْهَرَانِ ۖ وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كِفْرٍ عَلِيمُونَ ﴿۵۸﴾ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵۹﴾ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۶۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۶۱﴾ الَّذِينَ اتَّبَعُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۶۲﴾ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۶۳﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۶۴﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلِّمْ عَلَيْكُمْ ۖ لَا تَبْتَغِ الْجَاهِلِينَ ﴿۶۵﴾

اب جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپہنچا ہے تو کہتے ہیں: اس رسول کو اس طرح کا معجزہ کیوں نہیں ملا جو موسیٰ کو ملا تھا؟ کیا اس سے پہلے جو معجزہ موسیٰ کو عطا کیا گیا تھا، لوگوں نے اس کا بھی انکار نہیں کیا تھا؟ وہ کہنے لگے: یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون) جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں اور وہ کہتے تھے: ہم دونوں کو نہیں مانتے ﴿۵۸﴾ آپ فرما دیجئے: اگر تم سچے ہو تو پھر تم ہی اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ، جو ہدایت دینے میں ان دونوں (تورات و قرآن) سے بہتر ہو کہ میں ہی اس کی پیروی کروں؟ ﴿۵۹﴾ پھر اگر وہ آپ کا مطالبہ پورا نہ کر پائیں تو سمجھ لیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا، جو اللہ کی ہدایت کے بغیر (صرف) خواہش کی پیروی کیا کرے؟ یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے ﴿۶۰﴾ اور ہم ان کی طرف مسلسل اپنا کلام بھیجتے رہے ہیں؛ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۶۱﴾ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں ﴿۶۲﴾ اور جب ان پر (قرآن مجید کی) تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اس (کتاب) پر بھی ایمان لائے، یقیناً یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے، ہم تو اس سے پہلے ہی سے مانے ہوئے ہیں ﴿۶۳﴾ یہی لوگ ہیں جن کو ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے دوہرا ثواب دیا جائے گا، وہ بھلائی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ﴿۶۴﴾ اور جب کوئی بیکار بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ”ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہم تم کو سلام کرتے ہیں اور ہم نا سمجھوں کے ساتھ الجھنا نہیں چاہتے۔“ ﴿۶۵﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۵۲ تا ۵۵ میں چند باتیں قابل توجہ ہیں، اول: یہ کہ جو پہلے سے یہودی یا نصرانی تھے اور اس وقت کے نبی پر ←

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۵۱﴾  
وَقَالُوا إِن تَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَضَّفُ مِنْ أَرْضِنَا ۖ أَو لَمْ نُكَيِّمْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ  
إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾

(اے رسول!) آپ جس کو چاہیں، ہدایت پر نہیں لاسکتے ہیں؛ لیکن اللہ جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں اور اللہ ان لوگوں سے خوب واقف ہیں جو ہدایت کو قبول کریں گے ﴿۵۱﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں: اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت پر آجائیں تو ہم تو اپنی سرزمین سے اُچک لئے جائیں گے، کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم (کی سرزمین) میں جگہ نہیں دی، جہاں ہر چیز کے پھل ٹھنچے چلے آتے ہیں؟ یہ ہماری ہی طرف سے عطا کی گئی روزی ہے؛ لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ نا سمجھ واقع ہوئے ہیں، ﴿۵۲﴾

← ایمان رکھتے تھے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے تو ان کو دودھرا اجر حاصل ہوگا، یہ مضمون حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی آیا ہے، (مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۵۴) عام طور پر اس کا مطلب یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کو ایک اجر سابق دین حق پر عمل کرنے کی وجہ سے ملے گا اور دوسرا اجر اُمت محمدیہ میں شامل ہونے پر؛ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر دو عمل پر دو اجر ملے تو اس میں کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؛ اس لئے مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ ایسے لوگوں کو ہر عمل پر دو اجر ملے گا، مثلاً نماز پڑھے تو دو نمازوں کا، روزہ رکھے تو دو روزوں کا، (معارف القرآن: ۶/۶۶۶) یہ دل لگتی ہوئی بات ہے، دوسرے: یہاں اہل کتاب کا قول نقل کیا گیا ہے: ”اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِ مُسْلِمِينَ“ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں، گویا ہر عہد میں اس عہد کے دین حق کو ماننے والا مسلمان ہے، یہ اور بات ہے کہ پچھلی قوموں نے اپنے لئے یہودی یا عیسائی وغیرہ کا نام منتخب کیا اور اُمت محمدیہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے اپنے لئے نام ہی ”مسلم“ کا منتخب کیا، تیسرے: یہ کہ دین کی دعوت کے کام کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انتقام اور بدلہ کے بجائے تحمل اور درگزر سے کام لیں اور اگرچہ برائی کا جواب برائی سے دینے کی گنجائش ہے؛ لیکن وہ برائی کا جواب بھی بھلائی سے دیں، چوتھے: اگر کوئی شخص اُلجھنے کی کوشش کرے تو بحث کو طول دینے کی بجائے خاموشی اختیار کر لیں۔

﴿۱﴾ تقریباً تمام اہل علم کی رائے ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، آپ کی آخری درجہ خواہش تھی کہ آپ ﷺ کے یہ حسن چچا ایمان لے آئیں؛ لیکن وہ ایمان نہیں لائے، (تفسیر قرطبی: ۲۹۹/۱۳) — اگر ہدایت پیغمبروں کے ہاتھ میں ہوتی تو حضرت ابراہیم رحمہ اللہ کے والد، حضرت نوح رحمہ اللہ کے بیٹے، حضرت لوط رحمہ اللہ کی بیوی اور رسول اللہ ﷺ کے محبوب چچا دولت ایمان سے محروم نہیں رہتے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کا ہدایت سے بہرہ ور ہونا اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے!

﴿۲﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش کے بعض لوگ خاص کر حارث بن عثمان بن نوفل نے حضور ﷺ سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کی بات حق ہے؛ لیکن اگر میں اس پر ایمان لے آؤں تو عرب کے لوگ ہمیں اُچک لیں گے ←

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۵۱﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿۵۲﴾ وَمَا أَوْتَيْنَتْهُ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۳﴾ أَفَمَنْ جَعَلْنَا عَدُوًّا حَسَنًا فَهُوَ لَا قِيَّةَ لَكُمْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۵۴﴾

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جن کو اپنے سامان عیش و عشرت پر ناز تھا، ہلاک کر دیا، اب یہ ان کے گھر ہیں، جو ان کے بعد بہت کم ہی آباد ہو سکے اور (آخر) ہم ہی ان کے وارث بنے ﴿۵۱﴾ اور آپ کے پروردگار اس وقت تک بستیوں کو تباہ نہیں فرماتے، جب تک ان میں سے مرکزی شہر میں کوئی رسول نہ بھیج دیں، جو ان کو ہمارے احکام سنائیں اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں، جب وہاں کے باشندے ظلم کرنے لگتے ہیں، ﴿۵۲﴾ اور تم کو جو کچھ دیا گیا ہے، وہ (چند روزہ) دنیوی زندگی میں فائدہ اٹھانے کے لئے ہے، اور یہیں کی رونق ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، کیا تم لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے؟ ﴿۵۳﴾ کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کر رکھا ہے، پھر وہ اس کو حاصل کرنے والا بھی ہے، اسی شخص کی طرح ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے اور پھر وہ قیامت کے دن پکڑ کر لایا جائے گا؟ ﴿۵۴﴾

← اور ہمارے اندر طاقت نہیں ہے کہ ہم اتنے سارے مخالفین کا مقابلہ کر سکیں، (قرطبی: ۳۰۰/۱۳) اللہ تعالیٰ نے اسی کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم کو اللہ کی قدرت پر بھروسہ نہیں ہے، غور کرو کہ پورا عرب قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے دوچار ہے؛ لیکن اسی خطہ میں اللہ تعالیٰ نے حرم کو امن کا گہوارہ بنا دیا ہے، یہ پورا علاقہ ریگستان ہے، جہاں ایک دانہ نہیں اُگتا؛ لیکن پھل جو اعلیٰ قسم کی غذا ہوتی ہے، وہ پوری دنیا سے یہاں چلے آ رہے ہیں، کیا وہ خدا تمہاری تمہارے دشمنوں سے حفاظت نہیں کر سکتا؟

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی آبادی پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے، جب تک وہاں کسی نبی کو بھیج کر ان پر حجت پوری نہ ہو جائے اور نبی کو بھیجنے کے حکم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہاں اچھی طرح ان کی زبان میں نبی کی لائی ہوئی تعلیمات بھیجی جائیں؛ لیکن نبی ہر گاؤں دیہات میں نہیں بھیجے جاتے؛ بلکہ جس علاقہ میں نبی کو بھیجا گیا، وہاں کے مرکزی شہر میں بھیجا گیا، قرآن مجید میں جن انبیاء کرام کا ذکر آیا ہے، وہ ایسے ہی شہروں میں مبعوث فرمائے گئے، مکہ مکرمہ نہ صرف جزیرۃ العرب کا مرکزی شہر تھا؛ بلکہ اپنے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے وہ پوری دنیا کے مرکز میں واقع ہے؛ اسی لئے اس مبارک شہر کو 'أم القرى' کہا گیا ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۱﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿۲۲﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿۲۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَا ذَا آجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۴﴾ فَعَبَّيْتُ عَلَيْهِمُ الْآتِيَائَ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿۲۶﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَنَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۷﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۲۸﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۚ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۹﴾

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر کہیں گے: میرے وہ شریک کہاں ہیں، جن (کے شریک ہونے) کا تم لوگ دعویٰ کیا کرتے تھے؟ ﴿۲۱﴾ تو جن لوگوں پر خدا کا فرمان ثابت ہو چکا ہوگا، وہ اقرار کریں گے: اے ہمارے پروردگار! یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا، ہم نے ان کو بھی اسی طرح بھٹکایا جیسے ہم خود بھٹکے ہوئے تھے، ہم آپ کے سامنے ان سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں، وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے ﴿۲۲﴾ اور (ایمان نہ لانے والوں سے) کہا جائے گا: (لُؤَاب) اپنے شریکوں کو پکارو، وہ ان کو پکاریں گے، تو وہ ان کا جواب تک نہ دیں گے اور (اس وقت اپنی آنکھوں سے) عذاب دیکھ لیں گے، کیا اچھا ہوتا اگر یہ درست راستے پر آگئے ہوتے! ﴿۲۳﴾ اور جس دن ان سے اللہ پکار کر پوچھیں گے کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟ ﴿۲۴﴾ تو اس دن ساری باتیں ان سے گم ہو کر رہ جائیں گی، وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتاچھ بھی نہ کر سکیں گے ﴿۲۵﴾ تو جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور نیک عمل کیا، اُمید ہے کہ وہ یقیناً فلاح پانے والوں میں سے ہوگا ﴿۲۶﴾ اور آپ کے پروردگار جس چیز کو چاہتے ہیں، پیدا کرتے ہیں اور جس حکم کو چاہتے ہیں، پسند کرتے ہیں، ان کو پسند کرنے کا کچھ اختیار نہیں، ﴿۱﴾ اللہ کی ذات پاک ہے اور ان کے شریک ٹھہرانے سے بلند و برتر ہے ﴿۲۷﴾ آپ کے رب اس بات کو بھی جانتے ہیں، جس کو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس بات کو بھی، جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، ﴿۲۸﴾ وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اسی کے ہاتھ میں فیصلہ ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ اس کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے کہ اللہ قادر مطلق ہیں اور جو بھی حکم دینا چاہیں دے سکتے ہیں، کسی کو ان پر اعتراض کا حق حاصل نہیں، اور اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ جس کو چاہتے ہیں، نبی بناتے ہیں، لہذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا؟ غلط ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۳۵۰/۱۳)



قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ اِلَهٌ غَيْرُ اللهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۖ اَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۱﴾ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ اِلَهٌ غَيْرُ اللهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ اَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ اَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵﴾ اِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مَوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۚ وَاتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا اِنْ مَفَاتِحُهَا لَتَنُوْا بِالْعَصْبَةِ اُولٰٓئِكَ الْقُوَّةُ اِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۶﴾ وَابْتَغَ فِىْمَا اٰتٰهُ اللهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۚ وَاَحْسَنَ كَمَا اَحْسَنَ اللهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۚ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُبْسِدِيْنَ ﴿۷﴾

آپ کہہ دیجئے: بھلا غور کرو، اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک ہمیشہ تم پر رات ہی رہنے دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو روشنی دے گا، پھر بھی کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ﴿۱﴾ آپ فرمائیے! اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ تم پر دن ہی کر دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم پر رات لائے کہ تم اس میں آرام کر سکو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ﴿۲﴾ اور اللہ نے اپنی مہربانی سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے ہیں؛ تاکہ تم (رات میں) آرام کرو اور (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار رہو ﴿۳﴾ اور جس دن اللہ ان کو پکار کر فرمائیں گے: کہاں ہیں وہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے؟ ﴿۴﴾ اور ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک گواہ الگ کر لیں گے ﴿۱﴾، پھر ہم کہیں گے: اپنی دلیل لاؤ، تب وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی کی بات سچی تھی اور وہ جو کچھ گھڑا کرتے تھے، وہ سب باتیں ان سے لاپتہ ہو جائیں گی ﴿۲﴾ قارون موسیٰ ہی کی قوم (بنی اسرائیل) میں سے تھا (مگر) پھر بھی وہ ان پر ظلم کرنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اس کی کنجیاں اٹھانے میں کئی طاقتور مرد تھک جاتے تھے، جب اس سے اس کی قوم نے کہا: ”اتراؤ امت، یقیناً اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے، ﴿۳﴾ اور اللہ نے تم کو جو (دولت) عطا فرمائی ہے، اس کے ذریعہ آخرت کی بھی جستجو کرو اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو، ﴿۴﴾ جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے، تم بھی بھلائی کرو، اور زمین میں فساد اور بگاڑ مت چاہو، یقیناً اللہ بگاڑ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔“ ﴿۷﴾

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۖ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۖ وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۸﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْكِنَّا لَمَثَلٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ ۖ إِنَّهُ لَذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَكُنْ لَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۖ وَلَا يُلْقِهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿۶۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبَدَارِهِ الْأَرْضَ ۖ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ﴿۶۱﴾ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيُكَانُّ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْ لَا أَن مِّنَ اللَّهِ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيُكَانَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۶۲﴾

ع ۱۱

تو قارون نے کہا: ”مجھے جو ہنر حاصل ہے، اسی کے ذریعہ مجھے یہ مال ملا ہے“ کیا اسے نہیں معلوم تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے کی نسلوں میں ایسے لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا، جو اس سے زیادہ طاقتور اور دولت جمع کرنے میں اس سے بڑھ کر تھے، اور مجرموں سے ان کے گناہ کے بارے میں دریافت بھی نہ کیا گیا جائے گا (کیوں کہ ان کے گناہ بالکل واضح ہوں گے) ﴿۵۸﴾ پھر قارون اپنے ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ اپنے لوگوں کے سامنے نکلا، (یہاں تک کہ) جن لوگوں کو صرف دنیوی زندگی کی طلب تھی، وہ کہنے لگے: ”اے کاش! ہمیں بھی قارون کی طرح ساز و سامان ملا ہوتا، یقیناً یہ تو بڑا خوش نصیب ہے!“ ﴿۵۹﴾ اور جن لوگوں کو سمجھ عطا کی گئی تھی، انھوں نے (ایسا کہنے والوں سے) کہا: ”ہائے تمہاری بربادی! جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ کا دیا ہوا اجر و ثواب اس کے لئے زیادہ بہتر ہے اور یہ بات ان ہی کو حاصل ہوتی ہے، جو ثابت قدم رہنے والا ہے“ ﴿۶۰﴾ چنانچہ ہم نے قارون کو اور اس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اس کی کوئی جماعت نہ تھی، جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی اپنے آپ کو بچا سکا ﴿۶۱﴾ اور جن لوگوں نے کل اس جیسے ہونے کی آرزو کی تھی، آج کہنے لگے: ”ہائے رے (قارون کی) خرابی! اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں، زیادہ روزی دیتے ہیں اور جس پر چاہیں، روزی تنگ کر دیتے ہیں، اگر اللہ نے ہم پر فضل و کرم نہ کیا ہوتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتے، ہائے خرابی (ہماری اس سوچ کی! حقیقت یہ ہے کہ) ایمان نہ لانے والوں کو فلاح حاصل نہیں ہوتی“ ﴿۶۲﴾

← ﴿۲﴾ اس سے اسلام کا اعتدال اور توازن معلوم ہوتا ہے، کہ جہاں حرص و طمع اور دنیا کو زندگی کا مقصود بنا لینے سے منع فرمایا گیا، وہیں یہ بات بھی فرمائی گئی کہ مناسب طور پر اور جائز حدود میں رہتے ہوئے دنیا سے نفع اٹھانے میں بھی حرج نہیں۔

﴿۱﴾ آیت نمبر ۶۱ تا ۸۲ کا تعلق قارون سے ہے، قارون نہ صرف بنی اسرائیل میں سے تھا؛ بلکہ حضرت موسیٰ ﷺ اور قارون کے ←

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۖ وَالْعَاقِبَةُ  
لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۳﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ  
عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۴﴾

یہ آخرت کا گھر ہے، ہم یہ ان لوگوں کو عطا کریں گے جو زمین میں نہ اپنی بڑائی چاہتے ہوں اور نہ بگاڑ پیدا کرنا،  
اور (اللہ کی نافرمانی سے) بچنے والوں ہی کے لئے بہتر انجام ہے ﴿۳۳﴾ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا، اس کو اس سے  
بہتر (بدلہ) ملے گا اور جو برا عمل لے کر آئے گا تو برائی کرنے والوں کو اتنی ہی سزا ملے گی، جتنی وہ کیا کرتے  
تھے۔ ﴿۳۴﴾

← دادا ایک ہی تھے، جن کا ذکر تفسیر کی کتابوں میں قاہرہ کے نام سے ملتا ہے اور تورات میں قحٰت کے نام سے، گویا قارون  
حضرت موسیٰ ﷺ کا چچا زاد بھائی تھا؛ لیکن جب بنی اسرائیل کی قیادت حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت ہارون ﷺ کے ہاتھ میں آئی  
اور ان دونوں کو نبوت سے نوازا گیا تو قارون کے اندر حاسدانہ جذبہ نے انگڑائی لی، اللہ نے اس کو دولت سے بھی نوازا تھا اور اس  
کے خزانوں کی کنجیاں اتنی زیادہ تھیں کہ ان کو اٹھانے کے لئے کئی لوگ درکار ہوتے تھے، یہ قابل تعجب نہیں، اُس زمانہ میں آج کل  
کی طرح چھوٹے تالے اور اور کنجیاں نہیں ہوتے تھے؛ بلکہ لکڑی کے بڑے بڑے تالے اور کنجی بنائے جاتے تھے، جیسا کہ اب  
بھی بعض میوزیموں میں قدیم زمانہ کے ایسے بڑے بڑے تالے ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو علم سے بھی نوازا تھا، وہ دنیا کے علوم  
کے ساتھ ساتھ تورات کا بھی بڑا عالم تھا، جو لوگ حسد اور احساس محرومی میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ اپنی جھوٹی دولت کا خوب اظہار  
کرتے ہیں؛ تاکہ جو عزت اخلاق اور عمل کے ذریعہ حاصل نہ ہو پائی، اس نمائش کے ذریعہ حاصل ہو جائے؛ چنانچہ قارون نے  
بھی ایسا ہی کیا اور بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ اپنی دولت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے آیا، قوم کے نیک لوگوں نے اسے  
سمجھایا بھی کہ ایمان اور عمل صالح اصل ہے اور دولت پر اس طرح اترا نا نہیں چاہئے؛ لیکن قارون پر کبر و غرور کا ایسا نشہ چڑھا ہوا تھا کہ  
اس کو کوئی بات سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی تھی؛ بلکہ اس کا دعویٰ تھا کہ یہ دولت میں نے اپنے ہنر کے ذریعہ حاصل کی ہے؛ چنانچہ  
قارون کو اس کی دولت اور اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا، بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے پہلے اس کی دولت کے مظاہرہ  
کو دیکھ کر تمنا کی تھی کہ کاش، ہم بھی قارون کی طرح ہوتے؛ لیکن جب قارون پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھا تو اپنی اس تمنا پر  
شرمندہ ہوئے اور اعتراف کیا کہ ہماری یہ سوچ غلط تھی، اگر ہم قارون کے ساتھ ہو لئے ہوتے تو ہم بھی اسی طرح ہلاک کر دیئے  
جاتے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۰۹-۳۱۹) — قارون کے غرور اور اس کے دھنسائے جانے کا واقعہ بائبل میں بھی آیا ہے کہ  
ایک شخص نے جو حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت ہارون ﷺ کے خلاف بغاوت کی تو بنی اسرائیل کے ڈھائی سولہ لوگ ان کے ساتھ  
ہو گئے، (گنتی، باب: ۱۶: ۲، ۳) اسی میں آگے زمین کے پھٹنے اور قارون کے نکل لئے جانے کا ذکر بھی آیا ہے۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿۲﴾ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۴﴾

﴿۱﴾

یقیناً جس خدا نے آپ پر قرآن (کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے، وہ پھر آپ کو پہلی جگہ (یعنی مکہ مکرمہ) واپس لائیں گے، ﴿۱﴾ آپ کہہ دیجئے: میرے پروردگار کو خوب معلوم ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون کھلی ہوئی گمراہی میں ہے؟ ﴿۲﴾ اور آپ کو تو یہ اُمید نہیں تھی کہ آپ پر یہ کتاب اُتاری جائے گی، مگر یہ صرف آپ کے رب کی مہربانی سے آپ پر نازل کی گئی ہے، تو آپ ایمان نہ لانے والوں کی ذرا بھی تائید نہ کیجئے ﴿۳﴾ اور جب آپ پر اللہ کے احکام نازل ہو چکے تو اس کے بعد ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو اللہ کے احکام سے روک دیں اور اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہتے اور ہرگز شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جائیے ﴿۴﴾ نیز (آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے، (دنیا و آخرت میں) اسی کی حکمرانی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ ہجرت کے موقع سے جب رسول اللہ ﷺ حُجَّہ کے مقام پر پہنچے، جہاں سے مکہ کا راستہ الگ ہوتا تھا، تو آپ کے دل میں مکہ کی طرف واپسی کی آرزو پیدا ہوئی، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ آپ ﷺ کو مکہ واپس لے جائیں گے، (بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۷۷۳) اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت نہ مکہ میں نازل ہوئی ہے نہ مدینہ میں، (تفسیر قرطبی: ۳۲۱/۱۳) اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت ایک معجزہ ہے، ایسے وقت جب کہ آپ ﷺ مکہ سے بے یار و مددگار نکلنے پر مجبور ہوئے، کیا کوئی تصور بھی کیا جاسکتا تھا کہ آپ پھر مکہ واپس آسکیں گے؟ لیکن اس آیت میں پوری تاکید کے ساتھ یہ بات فرمائی گئی کہ آپ ﷺ ضرور اپنے اصل ٹھکانہ یعنی مکہ کو لوٹائے جائیں گے، چنانچہ بہت کم وقت میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، اس واقعہ کے ساتویں سال آپ ﷺ نے عمرہ فرمایا اور آٹھویں سال مکہ فتح ہو گیا، تو ہمیشہ کے لئے اس مبارک و محترم شہر کی تقدیر اسلام سے وابستہ ہو گئی۔

﴿۲﴾ غرض کہ جتنی مخلوقات ہیں، وہ سب فنا ہو کر رہیں گی، اس آیت میں ان فلاسفہ کی تردید ہو گئی، جن کا خیال ہے کہ روح اور مادہ یہ دونوں چیزیں قدیم ہیں، روح کبھی فنا نہیں ہوتی؛ بلکہ ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور مادہ کبھی ختم نہیں ہوتا، صرف اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، ہندوؤں کے یہاں تناخ (آواگون) کا نظریہ اسی فکر پر مبنی ہے؛ لیکن قرآن کا تصور یہ ہے کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں جو لافانی ہو، صرف خالق تعالیٰ کی ذات ہی لافانی ہے۔



## سُورَةُ الْغَنَکَبُوتِ

«سورہ نمبر : (۲۹)

«رکوع : (۶۹)

«آیتیں : (۷)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

عنکبوت کے معنی مکڑی کے ہیں، کسی بات کو سمجھانے کا ایک آسان طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مثالوں کے ذریعہ اس کو سمجھایا جائے؛ چنانچہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے شرک کرنے والوں کی مثال مکڑی کے جالوں سے دی ہے کہ جیسے مکڑی کا جالا کمزور و ناپائیدار ہوتا ہے، اسی طرح جو لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہیں، ان کے اعمال بے فائدہ اور بے ثبات ہیں، آخرت میں انھیں کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اس سورہ میں یہ بات ذکر فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور ان کے متبعین کا بھی امتحان لیا کرتے ہیں، اس سے گھبرانا نہیں چاہئے، انبیاء کیسی کیسی مصیبتوں سے گزرے اور بالآخر ان کی قوم ہلاک کر دی گئی، اس سلسلہ میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر روشنی ڈالی گئی ہے، مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور عرب کے معاشرہ میں جہاں کوئی نظم و ضبط نہیں تھا، حرم شریف کی برکت سے اہل مکہ کو جو امن و امان حاصل تھا، اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، والدین کے حقوق کی اہمیت بتائی گئی ہے، اہل کتاب سے کس طرح مذاکرہ ہو اور انھیں دین کی طرف کیسے دعوت دی جائے، اس سلسلہ میں بھی ہدایت دی گئی ہے، بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورہ ہجرت سے پہلے اس وقت نازل ہوئی ہے، جب جلد ہی ہجرت کا حکم دیا جانے والا تھا اور ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اہل کتاب کی طرف دین حق کی دعوت پیش کرنی تھی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ الف، لام، میم ﴿۱﴾ کیا لوگوں کا خیال ہے کہ وہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزما یا نہ جائے گا؟ ﴿۲﴾ حالاں کہ ہم ان سے پہلے کے لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں، پس اللہ تعالیٰ (ظاہری طور پر بھی) سچوں کو اور جھوٹوں کو معلوم کر کے رہیں گے، ﴿۳﴾ ﴿۲﴾ جو لوگ گناہ کرتے ہیں، کیا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ نکلیں گے، کس قدر غلط ہے ان کا فیصلہ! ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات ہیں، سورہ بقرہ کے شروع میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

﴿۲﴾ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں تو اہل ایمان کے لئے انعام ہی انعام ہے؛ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بھی آزمائش کا نظام رکھا ہے، اللہ پر یقین، مصیبتوں سے دو چار ہونے کے باوجود دین کے اوپر ثابت قدمی اور اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری کے سلسلے میں ان کا بھی امتحان لیا جاتا ہے، حضرت خباب بن ارت ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے سائے میں ایک چادر کو تکیہ بنائے آرام فرما رہے تھے، میں نے عرض کیا: کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے بعض لوگوں کو زمین کھود کر گاڑ دیا جاتا تھا، پھر ان کے سر پر آرا رکھ کر چیر دیا جاتا تھا، اور ان کے جسم کے دو حصے کر دیئے جاتے تھے، لوہے کی کنگھی سے ان کے گوشت اور ان کی ہڈیاں چھیل دی جاتی تھیں، اس کے باوجود وہ اپنے دین سے ہٹے نہیں تھے، اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو غلبہ عطا فرمائیں گے، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضرت موت تک اس طرح سفر کرے گا کہ اللہ کے سوا اور اپنی بکریوں پر بھیڑیوں کے سوا ان کو کسی اور چیز کا خوف نہیں رہے گا؛ لیکن تم لوگ جلد بازی سے کام لیتے ہو، (بخاری، عن خباب بن ارت، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، حدیث نمبر: ۳۴۱۶) اسی طرح حضرت سعد بن وقاص ؓ سے روایت ہے کہ ان کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر جو ان کے بعد نیک لوگ ہوں، پھر جن کا درجہ ان کے بعد ہوں، آدمی اپنے دین کے اعتبار سے آزما یا جاتا ہے، اگر وہ دین میں سخت ہے تو اس کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے، اور کم درجہ کا ہے تو اسی لحاظ سے اس کی آزمائش ہوتی ہے، (ترمذی، کتاب الزہد، حدیث نمبر: ۲۳۸۹) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد واضح کرتا ہے کہ اس وقت مسلمان پوری دنیا میں جس آزمائش سے گزر رہے ہیں، وہ باعث تعجب نہیں اور اس سے گھبرانا نہیں چاہئے — یہ جو فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو معلوم کریں گے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے اس بات سے واقف ہیں کہ آپ کے بندوں میں کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عملی طور پر اس کو ظاہر کر دینا چاہتے ہیں؛ تاکہ خود مسلمان بھی اس بات سے واقف ہو جائیں کہ کون لوگ مخلص ہیں اور کون منافق؟

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

جس کو اللہ سے ملاقات کی اُمید ہو تو (وہ جان لے) کہ اللہ کا وعدہ یقینی طور پر پورا ہونے والا ہے، اور اللہ سب کچھ سنتے اور جانتے ہیں ۝ اور جو شخص (دین حق کے لئے) محنت کرتا ہے تو وہ اپنے ہی (فائدہ کے) لئے محنت کرتا ہے، یقیناً اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہیں ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، ہم ان سے ان کے گناہوں کو دور کر دیں گے اور ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائیں گے ۝ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی اور (ہاں!) اگر وہ تم پر زور دیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو (اس سلسلہ میں) ان کی بات نہ ماننا، میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے تو میں تم کو ان سب اعمال سے آگاہ کر دوں گا، جو تم کیا کرتے تھے۔ (۲) ۝

۱) یعنی نیک عمل پر آخرت میں اجر تو حاصل ہوگا ہی، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بعض نیک اعمال گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس سے اعضاء وضوء سے صادر ہونے والے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، (مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء، حدیث نمبر: ۲۴۴) اور جیسے صدقہ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، (ترمذی، باب ما جاء فی فضل الصلاۃ، حدیث نمبر: ۶۱۳) اس طرح کی بعض اور روایتیں بھی ہیں، ان اعمال کی وجہ سے صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں؛ لیکن نیک اعمال ہی میں ایک اہم عمل 'توبہ' ہے، جس سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔

۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی والدہ سخت ناراض ہوئیں اور انھوں نے کہا کہ یا تو تم اس دین سے باز آ جاؤ یا میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی، یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے، تو لوگ تم کو عار دلائیں گے اور کہیں گے: اے اپنی ماں کے قاتل! حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے بڑے فرمانبردار تھے؛ لیکن یہاں مسئلہ اللہ اور اس کے رسول کے رشتہ اور ماں کے رشتہ کا تھا، اس لئے فرمایا: اے میری ماں! اگر آپ کی سوجائیں ہوں اور ایک ایک جان نکلتی چلی جائے تب بھی میں اس دین سے باز آنے والا نہیں ہوں، آخر وہ کھانے پینے لگیں، (الدر المنثور: ۵۲۱/۶) اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی، اس سے اصول معلوم ہوا کہ اگر ماں باپ کسی ایسی بات کا حکم دیں، جو شریعت میں جائز نہیں ہے، جیسے کہیں کہ ڈاڑھی نہ رکھو، نماز نہ پڑھو وغیرہ، تو اس میں ماں باپ کی بات نہیں مانی جائے گی اور جب ایسے امور میں ماں باپ کی فرمانبرداری نہیں ہے تو دوسرے رشتہ دار جیسے شوہر، بیوی یا حاکم اور ذمہ دار یا دوست اور احباب کی بات ماننا بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ خالق کو ناراض کر کے مخلوق کو ناراض کرنا جائز نہیں۔



وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿۲۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةً النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۖ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿۲۱﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، ہم ضرور ان کو نیک لوگوں میں داخل کریں گے، (جن کا مقام جنت ہوگا) ﴿۲۰﴾ اور بعض لوگ کہہ تو دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب ان کو اللہ کے راستے میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کے تکلیف پہنچانے کو ایسا سمجھ بیٹھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا عذاب، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں، کیا یہ حقیقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بھی جانتے ہیں، جو دنیا والوں کے سینوں میں چھپی ہوئی ہیں؟ ﴿۲۱﴾ اور اللہ تعالیٰ (آزمائش کے ذریعہ) مخلص ایمان والوں کو اور منافقین کو معلوم کر کے رہیں گے ﴿۲۲﴾ ﴿۱﴾ جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ ایمان والوں کو کہتے ہیں: تم لوگ ہمارے راستے کی پیروی کرو، تمہارے گناہوں (کا بوجھ) ہم اٹھالیں گے؛ حالاں کہ وہ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں اٹھا سکتے، یقیناً وہ جھوٹے ہیں ﴿۲۳﴾ البتہ یہ لوگ اپنے (گناہوں کے) کا بوجھ اور اپنے بوجھ کے ساتھ ساتھ (دوسروں کے گناہوں کے) کچھ بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے، اور یہ لوگ جو جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے، قیامت کے دن اُن سے اس کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ منافقین کا ایک گروہ مکہ مکرمہ میں بھی تھا، یہ ایمان لے آتے تھے؛ لیکن ایمان پر ثابت قدم نہیں رہتے تھے، ذرا بھی کچھ تکلیف پہنچائی گئی تو مرتد ہو جاتے تھے، (تفسیر قرطبی: ۳۳۰/۱۳) ان سے خطاب ہے کہ انسانوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو اللہ کے اس عذاب کے درجہ میں نہیں رکھنا چاہئے، جو کفر کی وجہ سے آخرت میں ہونے والا ہے، آیت نمبر: ۱۰ کے آخر میں جو بات فرمائی گئی کہ ”اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں سے واقف ہیں“ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں کا اسلام سے پھر جانا صرف زبان سے نہیں تھا، دل سے تھا، اگر دل ایمان پر مطمئن ہوتا اور ایذا رسانی سے بچنے کے لئے صرف زبان سے کلمہ کفر کہہ دیتے تو اس کی گنجائش تھی، جیسا کہ خود قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (النحل: ۱۰۶) ﴿۲﴾ ولید بن مغیرہ وغیرہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم کو آخرت ہی کا تو خوف ہے تو اول تو ہم لوگ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، اور اگر کئے گئے تو تمہارے گناہ کا بوجھ بھی ہم اپنے اوپر اٹھالیں گے، اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۳۳۱/۱۳) ←

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ۖ فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۲۰﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۱﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۳﴾ وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۲۴﴾

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، وہ پچاس کم ایک ہزار سال ان کے درمیان رہے، پھر ان کی قوم کو (ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے) طوفان نے پکڑ لیا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے ﴿۲۰﴾ البتہ ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچا لیا اور ہم نے اُس کشتی کو تمام دنیا والوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا ﴿۲۱﴾ اور ہم نے ابراہیم کو بھی بھیجا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو سمجھ لو کہ) یہی تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۲۲﴾ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو، تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پوجا کرتے ہو، وہ تمہیں روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے؛ اس لئے اللہ ہی سے روزی طلب کرو، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو، پھر تم سب کو اسی کی طرف واپس ہونا ہے ﴿۲۳﴾ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں (پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں اور رسول کی ذمہ داری تو صرف صاف طور پر (اللہ کا پیغام) پہنچا دینا ہے۔ ﴿۲۴﴾

← جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آخرت میں کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ تو نہیں اٹھا سکے گا اور ہر گناہگار کو خود اپنی سزا بھگتنی پڑے گی؛ لیکن جو لوگ اس طرح کی بات کہہ کر دوسروں کو گناہ پر اکساتے ہیں، ان کو یقیناً دوسرا گناہ ہوگا، ایک: اپنے عمل کا، دوسرے: اپنے پیروی کرنے والوں کو گناہ کی دعوت دینے کا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دوسرے کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کو دوسرے شخص کے عمل کا بھی ثواب حاصل ہوتا ہے، اس کے بغیر کہ اصل عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی ہو، اسی طرح جو شخص گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے، تو اس کے دعوت دینے کی وجہ سے وہ جس گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اس شخص پر بھی اس کا عذاب ہوگا، بغیر اس کے کہ اصل عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی ہو۔ (نسائی، باب التحریض علی الصدقة، حدیث نمبر: ۲۵۵۴)

﴿۱﴾ حضرت نوح ﷺ اور ان سے پہلے اللہ کی طرف سے لوگوں کی عمریں زیادہ ہوا کرتی تھیں، شاید اس کی مصلحت یہ تھی کہ اس وقت دنیا میں آبادی بہت کم تھی اور آبادی کو بڑھانا مقصود تھا، پھر جب آبادی بڑھ گئی اور دنیا پوری طرح بسادگی گئی تو عمریں کم ہو گئیں، تورات میں بھی حضرت نوح ﷺ کی عمر ساڑھے نو سو برس کی بتائی گئی ہے اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ طوفان نوح کے واقعہ کے بعد آپ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے، (پیدائش: ۲۹:۹) — حضرت نوح ﷺ کا واقعہ سورہ اعراف، آیت نمبر: ۶۹-۷۰ میں آچکا ہے۔ ﴿۲﴾ حضرت ابراہیم ﷺ اور ان کی دعوت کا واقعہ سورہ انبیاء، آیت نمبر: ۵۱-۷۰ میں گزر چکا ہے۔

اَوْ لَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوْا كَيْفَ بَدَا الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشَاةَ الْاٰخِرَةَ اِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاءُ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيْرٌ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَايَةِ اُولٰٓئِكَ يَسْكُوْنَ مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِۦ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجَبَهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَا وَاوَكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّصِيْرِيْنَ ﴿۲۵﴾

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتے ہیں، ﴿۱﴾ پھر اللہ ہی اس کو دوبارہ بھی پیدا کریں گے، اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بہت ہی آسان ہے ﴿۱۹﴾ آپ فرما دیجئے: تم لوگ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا فرمایا ہے، پھر اللہ دوسری بار بھی پیدا فرمائیں گے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۲۰﴾ جس کو چاہیں عذاب دیں اور جس پر چاہیں مہربانی فرمادیں، تم سب ان ہی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے ﴿۲۱﴾ نہ تم زمین میں خدا کو عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی کام بنانے والا ہے اور نہ کوئی مددگار ﴿۲۲﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور اس سے ملاقات (یعنی آخرت) کا انکار کر دیا ہے، وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے ﴿۲۳﴾ اور ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ﴿۲۴﴾ ابراہیم کی قوم کا صرف یہی جواب ہوتا کہ کہتے: اس کو مار ڈالو یا جلا دو، پس، اللہ نے ابراہیم کو آگ سے بچا لیا، یقیناً اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ﴿۲۵﴾ اور ابراہیم نے کہا: یہ جو تم لوگوں نے اللہ کے سوا بتوں کو (معبود) بنا لیا ہے، یہ دنیوی زندگی میں تمہاری آپسی دوستی کی وجہ سے ہے، ﴿۲﴾ پھر قیامت کے دن تم ہی میں ایک دوسرے کا انکار کرے گا، ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور تم لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور (وہاں) کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ بعض فلاسفہ کا خیال ہے کہ دنیا کی کوئی ابتدا نہیں، وہ ازل سے ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے اس کی تردید ہوتی ہے اور بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا پہلے نہیں تھی، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی۔  
 ﴿۲﴾ یعنی آخرت میں ان کو میری رحمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔  
 ﴿۳﴾ یعنی جو لوگ شرک کرنے والے ہیں، وہ اس غلط کام کو اس لئے کر رہے ہیں کہ اپنے دوستوں کی بات مان جائے اور ان سے تعلقات بنے رہیں؛ لیکن جب آخرت میں اللہ کے عذاب کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں گے۔

فَأَمَّنْ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۰﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۱﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۲﴾ أَإِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ طَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۲۴﴾

ع  
۱۵

چنانچہ لوط نے ابراہیم کی تصدیق کی اور ابراہیم نے کہا: میں تو وطن چھوڑ کر اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں، یقیناً وہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے ﴿۲۰﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمایا اور ان کی نسل میں نبوت اور (آسمانی) کتاب کو قائم رکھا ﴿۲۱﴾ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عطا فرمایا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے ﴿۲۲﴾ اور ہم نے لوط کو بھی بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا: یقیناً تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو، جس کا ارتکاب تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی شخص نے نہیں کیا ﴿۲﴾ کیا تم (اپنی نفسانی خواہشات کے لئے) مردوں پر ٹوٹے پڑتے ہو، ڈاکہ ڈالتے ہو اور اپنی مجلس میں (علی الاعلان) برا کام کیا کرتے ہو، ﴿۳﴾ مگر ان کی قوم کا یہی جواب ہوتا کہ وہ کہتے: اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ، ﴿۲۴﴾ لوط نے کہا: اے میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے بارے میں میری مدد فرمائیے۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ چنانچہ تمام انبیاء بنی اسرائیل حضرت اسحاق ؑ کی نسل سے پیدا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ حضرت اسماعیل ؑ کی نسل سے، اور یہ دونوں حضرت ابراہیم ؑ کے فرزند تھے۔

﴿۲﴾ حضرت لوط ؑ اور ان کی قوم کا واقعہ سورہ اعراف، آیت نمبر: ۸۰-۸۴ میں گزر چکا ہے۔

﴿۳﴾ غرض کہ قوم لوط کا ایک بڑا جرم ہم جنسی تو تھا ہی؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی برائیاں تھیں، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ راستے چلنے والوں پر حملے کرتے تھے، ان کے مال تو لوٹتے ہی تھے، بعض مفسرین کے بقول وہ خود مسافروں کو بھی اٹھالے جاتے تھے اور ان کے ساتھ بد فعلی کرتے تھے، ایک اور برائی یہ تھی کہ وہ نہ صرف برائی میں مبتلا تھے؛ بلکہ علی الاعلان لوگوں کے سامنے برائی اور خاص کر ہم جنسی کے مرتکب ہوتے تھے، (تفسیر قرطبی: ۳/۱۳۱) معلوم ہوا کہ گناہ تو بہر حال گناہ ہے ہی؛ لیکن اگر گناہ علی الاعلان کیا جائے تو یہ اور بھی بڑا جرم ہے؛ کیوں کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس کو گناہ سمجھتا ہی نہیں، اور اس کے اندر شرم و حیا کی کوئی رقی باقی نہیں، فقہاء نے اس سلسلے میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ فرمایا کہ اگر کسی شخص کے ذمہ قضا نماز باقی ہو اور وہ اس کو ادا کرنا چاہے تو خاموشی سے ادا کر لے، اعلان اور اظہار نہ کرے؛ کیوں کہ یہ بھی اپنے گناہ کا اظہار ہے۔ (شامی: ۳/۹۱)

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبَشْرِىٰ ۚ قَالُوْا اِنَّا مُهْلِكُوْا اَهْلَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لَوْكَآ ۚ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۚ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَاَهْلَكَ اِلَّا اِمْرَاَتَهُ ۚ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا اَنَّ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِىِّءَ بِهِمَّ وَضَاقَ بِهِمَّ دَرْعًا ۚ وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۚ اِنَّا مُنْجُوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا اِمْرَاَتَكَ ۚ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ ۚ بَمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْتَوُوا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ۚ فَاصْبَحُوْا فِى دَارِهِمْ جٰثِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) خوشخبری لے کر ابراہیم کے پاس آئے تو فرشتوں نے کہا: ہمیں اس بستی والوں کو ہلاک کر دینا ہے، یقیناً اس بستی کے باشندے زیادتی کرنے والے ہیں ﴿۲۱﴾ ابراہیم نے کہا: اس بستی میں لوط بھی تو ہیں؟ فرشتوں نے جواب دیا: اس بستی میں جو لوگ ہیں ہم ان سب سے خوب واقف ہیں، ہم لوط کو اور ان کے لوگوں کو بچالیں گے، سوائے ان کی بیوی کے، جو رہ جانے والوں میں سے ہوگی ﴿۲۲﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ غم زدہ ہو گئے اور ان کو دیکھ کر دل تنگ ہونے لگا، فرشتوں نے کہا: آپ نہ ڈریں اور نہ غم کریں، آپ کی بیوی کے سوا جو رہ جانے والوں میں سے ہوگی، ہم آپ کو اور آپ کے لوگوں کو بچالیں گے ﴿۲۳﴾ ہم کو اس بستی والوں پر ان کی بدکاریوں کی وجہ سے ایک آسمانی عذاب نازل کرنا ہے ﴿۲۴﴾ اور ہم نے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں کے لئے باقی رہنے دیا ہے، جو عقل رکھتے ہیں ﴿۲۵﴾ اور ہم نے مدین کی طرف ان ہی کے بھائی شعیب کو بھیجا، شعیب نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، قیامت کے دن سے ڈرو، ﴿۲۶﴾ اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو ﴿۲۷﴾ پھر ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلادیا، تو زلزلہ نے آپکڑا، آخر وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے: ”اخشوا الآخرة“ اسی لحاظ سے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے، اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت کا یقین کرو، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۳/۳۳۳) — حضرت شعیب ؑ اور اہل مدین کا واقعہ سورہ اعراف، آیت نمبر: ۸۵-۹۳ میں گزر چکا ہے۔

وَعَادًا وَثُبُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسْكِنِهِمْ ۚ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ  
عَنِ السَّبِيلِ ۚ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٢٨﴾ وَقَارُونُ وَفِرْعَوْنُ وَهَامَنْ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُّوسَىٰ  
بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوا لِسَبِيقِينَ ﴿٢٩﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذُنْبِهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ  
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَسَفْنَا بِهٖ الْاَرْضَ ۚ  
وَمِنْهُمْ مَّنْ اَعْرَفْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٣٠﴾ مَثَلُ  
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعُنْكَبُوتِ ۙ اِذَا خَذَتْ بَيْتًا ۖ وَاِنَّ اَوْهَنَ  
الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعُنْكَبُوتِ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣١﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعَوْنَ مِنْ دُونِهٖ مِنْ  
شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يُعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ﴿٣٣﴾  
خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٤﴾

ع ۱۴

اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کر دیا، تم پر ان کا حال ان کے (اُجڑے ہوئے) گھروں سے ظاہر ہو چکا ہے، شیطان نے ان کو ان کے برے اعمال کو خوشنما بنا کر دکھا دیا تھا اور ان کو (سیدھے) راستہ سے روک دیا تھا؛ حالاں کہ وہ لوگ ہوشیار بھی تھے ﴿۲۸﴾ اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کر دیا، جن کے پاس موسیٰ کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے، پھر بھی ان لوگوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ (ہم سے) بھاگ نہ سکے ﴿۲۹﴾ غرض کہ ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑ لیا، تو بعضوں پر ہم نے پتھر برسائے، بعضوں کو ہولناک چیخ نے پکڑ لیا، بعض کو زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ڈبودیا، اور اللہ ایسے نہیں تھے کہ ان پر ظلم کریں؛ لیکن یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے، ﴿۳۰﴾ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست بنایا، ان کی مثال مکڑی کی ہے، جس نے (جالے کا) گھر بنایا اور کوئی شبہ نہیں کہ سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے، کاش! ان لوگوں کو سمجھ ہوتی ﴿۳۱﴾ اللہ کے سوا وہ جس چیز کی پوجا کرتے ہیں، اللہ اس سے واقف ہیں اور وہ بڑی قدرت والے اور حکمت والے ہیں ﴿۳۲﴾ ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں ﴿۳۳﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو مناسب طریقہ پر پیدا فرمایا ہے، یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے۔ ﴿۳۴﴾

﴿۱﴾ چنانچہ قوم لوط پر پتھر برسائے گئے، قوم ثمود اور اہل مدین کی ہلاکت ہولناک چیخ کی وجہ سے ہوئی، قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا، قوم نوح اور فرعون و ہامان اور اس کی قوم کو پانی میں غرق کر دیا گیا۔  
﴿۲﴾ یعنی جیسے مری کا جالا کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے، اسی طرح مشرکین کا کفر و شرک میں مبتلا ہونا ناپائیدار گھر تعمیر کرنے کی طرح ہے، جو آخرت میں ذرا بھی کام نہ آ سکے گا۔

اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۲۱﴾ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَالْهُنَا وَالْهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۲۲﴾

(اے رسول!) جو کتاب آپ کی طرف اُتاری گئی ہے، اس کی تلاوت فرمائیے اور نماز کی پابندی کرتے رہئے، یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی رہتی ہے ﴿۱﴾ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، ﴿۲﴾ اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہیں، ﴿۳﴾ اہل کتاب سے ایسے طریقہ سے بحث کیا کرو، جو سب سے بہتر ہو، ہاں اُن میں سے جو زیادتی کرے (تو ان کو اسی کے مطابق جواب دے سکتے ہو) اور کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان لائے، جو ہماری طرف اُتاری گئی ہے، اور ان کتابوں پر بھی جو تمہاری طرف اُتاری گئی ہیں، نیز ہمارے اور تمہارے معبود ایک ہی ہیں اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ یعنی جو شخص نماز کا پابند ہوگا اور اس کو اس کے حق کے ساتھ ادا کرے گا، وہ بے حیائی اور برائی سے بچا رہے گا، جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے، کہ مسجد اور نماز کے پابند لوگ بمقابلہ عام لوگوں کے بہت سے گناہوں سے بچے رہتے ہیں، اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اور گناہ بھی کرتا ہو تو وہ اس آیت کے خلاف نہیں؛ کیوں کہ نماز کی یہ خصوصیت اس وقت ہے جب نماز خشوع و خضوع اور اس کے تمام آداب کے ساتھ پڑھی جائے، اگر نماز پڑھنے کے باوجود وہ گناہ میں مبتلا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ نماز کو اس کے حقوق و آداب کے ساتھ نہیں ادا کرتا ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی بیمار کو دوا دی جائے، وہ دوا اس طریقے پر نہ کھائے جس طریقہ پر کھانے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس کو فائدہ نہ ہو تو یہ دوا کا نقص نہیں؛ بلکہ دوا کھانے والے کا قصور ہے — اس کا ایک مطلب یہ بھی بتایا گیا کہ نماز گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے کوئی شخص دن بھر میں پانچ دفعہ غسل کرے تو اس کے بدن پر کوئی میل باقی نہیں رہے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص پانچ وقت نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتا رہے تو اس کی وجہ سے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دیں گے۔ (بخاری، عن ابی ہریرۃ، باب الصلوات الخمس کفارۃ، حدیث نمبر: ۵۰۵)

﴿۲﴾ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرنا بہت بڑا عمل ہے، خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، اور نماز خود بھی اللہ کے ذکر ہی کی ایک شکل ہے: ”أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي“ (طہ: ۱۴) — دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے، جو حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابوذر داء، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے منقول ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بندہ نماز پڑھتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور بندہ کے لئے اس سے بڑھ کر اعزاز و شرف کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرمائیں۔ (تفسیر قرطبی: ۳/۳۹۹)

﴿۳﴾ اس آیت میں دعوت کے بنیادی اصول کی رہنمائی کی گئی ہے کہ مذہبی معاملات میں جب کسی سے بحث اور مذاکرے کی ←

وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَاهَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ط فَالَّذِينَ أَتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ ۖ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَا تَرْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُوَ آيَةٌ بَيِّنَةٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۖ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿٢٦﴾

اور اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے، تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی ہے، وہ تو اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ان (مکہ والوں) میں بھی بعض لوگ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں، جو کفر پر جے ہوئے ہیں ﴿۲۴﴾ اور آپ تو اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کوئی کتاب لکھ سکتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو حق کا انکار کرنے والے شبہ میں پڑ سکتے تھے؟ ﴿۲۵﴾ بلکہ یہ واضح آیتیں ہیں، جو ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں، جنہیں علم دیا گیا ہے اور ہماری آیتوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں، جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ ﴿۲۶﴾

← نوبت آئے تو بہتر سے بہتر اسلوب اختیار کرنا چاہئے، زبان و بیان کے لحاظ سے بھی، اخلاق و رویہ کے اعتبار سے بھی، دلیل کے اعتبار سے بھی اور مخالف نقطہ نظر کے رد کے اعتبار سے بھی، دوسرے: اپنی طرف سے اخلاق و مروت اور گفتگو میں نرمی کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے، ہاں، اگر دوسرا فریق گرمی دکھائے اور مصلحت کا تقاضا یہی ہو تو بقدر ضرورت اس کو بھی اختیار کرنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ ماہر معالج وہی ہے، جو ضرورت کے لحاظ سے مریض کو کبھی میٹھی دوا دے اور کبھی کڑوی، اسی داعیہ نہ اخلاق کا ایک پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے اور جن کو دعوت اسلام دی جا رہی ہو، ان کے درمیان کچھ مشترک باتیں ہوں تو مانوس کرنے کے لئے پہلے ان مشترک باتوں کا ذکر کیا جائے، جیسے یہودیوں، عیسائیوں سے کہا جائے کہ جن کتابوں پر تمہارا ایمان ہے، ان پر فی الجملہ ہم بھی ایمان رکھتے ہیں، ہندوستان میں ہندو بھائیوں کی جو مستند مذہبی کتابیں ہیں، ان میں بھی کثرت سے توحید اور آخرت کے مضامین آئے ہیں، یہاں تک کہ ان کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بائبل سے بھی زیادہ واضح پیشین گوئی ملتی ہے؛ لہذا ان حضرات کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے اگر ان کی کتابوں کی ان تعلیمات کا ذکر کیا جائے تو یہ داعیہ نہ حکمت کے عین مطابق ہوگا۔

﴿۱﴾ قرآن مجید کی معجزانہ شان کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نظام قائم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا نہ اہل کتاب سے ایسا رابطہ ہوا کہ آپ ﷺ ان سے کچھ سیکھ سکتے، نہ آپ ﷺ کو کچھ لکھنا اور لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا آتا تھا، کہ کسی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہو کہ آپ ﷺ نے کسی کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید تصنیف کر لیا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ کا اُمی ہونا آپ ﷺ کے نبی ہونے اور قرآن مجید کے آسمانی کتاب ہونے کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔



وَقَالُوا لَوْ لَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَعِزًّا ۚ وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَلَوْ لَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۖ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْةٌ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَخْسَهُمُ الْعَذَابُ مِّن فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۖ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۵﴾ لِيُعَذِّبَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی جانب سے نشانیاں کیوں نہیں اُتاری گئیں؟ آپ فرمادیجئے: نشانیاں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں ﴿۵۰﴾ کیا ان کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب اُتاری ہے، جو ان کو سنائی جاتی ہے، ﴿۱﴾ یقیناً اس میں ایمان لانے والوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے ﴿۵۱﴾ آپ کہہ دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہیں، اللہ آسمانوں کی اور زمین کی تمام چیزوں کو جانتے ہیں اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں، وہی لوگ بڑا نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر وقت مقرر نہیں ہوتا، تو ان پر عذاب آہی چکا ہوتا اور ان پر اچانک اس طرح عذاب آئے گا کہ ان کو خبر بھی نہیں ہوگی ﴿۵۳﴾ یہ لوگ آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اور (وہ جان لیں کہ) دوزخ ایمان نہ لانے والوں کو گھیرے میں لے کر رہے گی ﴿۵۴﴾ اس دن ان کو عذاب اوپر سے بھی ڈھانپ لے گا اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی، اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم لوگ جو کچھ کرتے رہے ہو (اب اس کا مزا) چکھو، ﴿۲﴾ ﴿۵۵﴾ اے میرے وہ بندو جو ایمان لا چکے ہو! یقیناً میری زمین کشادہ ہے؛ اس لئے میری ہی عبادت کیا کرو۔ ﴿۵۶﴾

﴿۱﴾ یعنی آپ ﷺ جیسے اُمی شخص پر قرآن مجید کے نازل ہونے اور قرآن مجید کا اپنے مثل کوئی اور کلام لانے کا چیلنج دینا کیا قرآن کے برحق کتاب ہونے کی کچھ کم نشانی ہے؟

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بات مقدر ہے کہ مشرکین مکہ پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہ کیا جائے کہ ان کا نام و نشان مٹ کر رہ جائے؛ کیوں کہ ان ہی کی نسلوں کے ذریعہ پوری دنیا میں دین حق کی اشاعت کا کام لیا جائے گا؛ البتہ آخرت میں ان پر عذاب ہوگا، ایسا عذاب جو اوپر سے، نیچے سے اور ہر طرف سے ان کو ڈھانپ لے گا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۖ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَيُّنَ مِّنْ دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاَيًّا كُمْ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَلَٰكِنْ سَاَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَسْخَرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلَنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری ہی طرف لائے جاؤ گے ﴿۵۸﴾ جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں، ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی رہیں گی، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، (اچھے) عمل کرنے والوں کا کیا ہی بہتر بدلہ ہے! ﴿۵۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا تھا اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے تھے، ﴿۶۰﴾ بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھا کر نہیں رکھتے، اللہ ان کو بھی روزی عطا کرتے ہیں اور تم کو بھی، اور اللہ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں، ﴿۶۱﴾ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو قابو میں رکھا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ، پھر وہ کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہیں؟ ﴿۶۲﴾

﴿۱﴾ جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا، تمام ایمان لانے والوں کو یہ حکم تھا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں اور اس وقت زیادہ تر مسلمان مدینہ ہی میں مقیم تھے، جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے، ان کو ہجرت کرنے میں دو باتوں کا اندیشہ تھا، ایک یہ کہ مشرکین مسلمانوں کے جان کے درپے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان کے ہاتھ آجائیں اور مارے جائیں، دوسرے: وہاں ان کی روزی روٹی کا انتظام کیا ہوگا، گھر بار، زمین جائیداد ساری چیزیں چھوٹ جائیں گی تو ان کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی؟ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کا جواب دیا ہے کہ جہاں تک مارے جانے کا ڈر ہے تو موت تو بہر حال آکر رہے گی، ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں رہے تو وہ موت سے بچ جائے، اور جہاں تک روزی اور معاشی وسائل کی بات ہے تو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے، انسان تو اپنی خوراک جمع کر کے رکھتا ہے؛ لیکن انسان کے سوا دوسرے جانوروں کا حال یہ ہے کہ وہ ایک دن کی خوراک بھی محفوظ نہیں رکھتے، جب مل گیا، اسی وقت کھالیا؛ لیکن اللہ ان کو بھی روزی سے محروم نہیں رکھتے ہیں، تو کیا تمہاری روزی کا انتظام نہیں کریں گے؟ — اس آیت کا منشاء یہ نہیں ہے کہ اپنی خوراک جمع کر کے رکھنا جائز نہ ہو، جب فداک سے پیداوار آتی تھی تو خود رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو سال بھر کی خوراک دے دیا کرتے تھے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آدمی کا اللہ سے بھروسہ اٹھ جائے اور انسان سوچنے لگے کہ اگر میں فلاں جگہ رہوں گا تو روزی ملے گی، ورنہ روزی نہیں ملے گی۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۷﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾ وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۲۹﴾ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۰﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾ أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿۳۲﴾

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتے ہیں، روزی کو کشادہ فرما دیتے ہیں، اور جس کے لئے چاہتے ہیں، تنگ کر دیتے ہیں، یقیناً اللہ ہر چیز (کی ضرورت اور حالت) سے واقف ہیں ﴿۱﴾ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا ہے، پھر زمین کے خشک ہو جانے کے بعد بارش کے ذریعہ اس کو تروتازگی عطا کی ہے؟ تو یقیناً وہ کہیں گے: اللہ، آپ فرما دیجئے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں؛ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے، ﴿۲﴾ اور یہ نبوی زندگی تو محض کھیل کود ہے اور عالم آخرت ہی اصل زندگی ہے، کاش! وہ لوگ (اس بات کو) سمجھتے ﴿۳﴾ پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ ہی کا خالص اعتقاد رکھ کر اس سے دُعاء کرتے ہیں، پھر جب اللہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتے ہیں تو فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں ﴿۴﴾ غرض کہ ہم نے ان کو جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کی ناشکری کرتے ہیں اور یہ لوگ کچھ اور مزے لے لیں، پھر غریب ہی وہ (اپنے انجام کو) جان لیں گے ﴿۵﴾ کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے حَرَم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے؛ حالاں کہ ان کے آس پاس سے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں، کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۶﴾

﴿۱﴾ یعنی جن جن چیزوں کا تعلق انسان کی روزی سے ہے، وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، آسمان جس سے بارش ہوتی ہے، زمین جو پودے اُگاتی ہے، سورج جو درختوں اور پودوں کو تمازت پہنچاتا ہے، چاند جس کی ٹھنڈک پودوں کی نشوونما میں معاون ہوتی ہے، یہ سب اللہ ہی کی قدرت میں ہیں اور اللہ ہی کے ہاتھ میں روزی میں وسعت اور تنگی پیدا کرنا ہے؛ اس لئے روزی کے معاملہ میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور ظاہری اسباب پر ایسا یقین نہ ہونا چاہئے کہ گویا اسی سے ہماری روزی جڑی ہوئی ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ اَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوٰى لِّلْكَافِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِيْهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اور سچائی کے آجانے کے باوجود اس کو جھٹلا دے، کیا کفر کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہوگا؟ ﴿۱۸﴾ اور جو لوگ ہمارے راستہ میں محنت کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھا دیں گے، ﴿۱۹﴾ اور یقیناً اللہ اچھے عمل کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ اس آیت کا تعلق شریعت کے تمام احکام اور تعلیمات سے ہے، کہ انسان جس کا خیر میں کوشش کرے گا، اللہ کی طرف سے اسے کامیابی نصیب ہوگی، وہ جہاد میں کوشش کرے گا، تو اس کو اسی میں کامیابی حاصل ہوگی، عبادات کو خوب محنت اور توجہ سے انجام دے گا، تو اسے اخلاص کی دولت حاصل ہوگی اور جو قرآن و حدیث اور احکام شرعیہ کی تحقیق میں محنت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر علوم و معارف کو ظاہر فرمائیں گے اور عمل کی توفیق عنایت فرمائیں گے اور دعوت دین کے راستہ میں جدوجہد کرے گا، تو اس کے نتائج ظاہر ہوں گے۔



## سُورَةُ الزُّمَرِ

«سورہ نمبر : (۳۰)»

«رکوع : (۶)»

«آیتیں : (۶۰)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے شروع میں ہی اہل ایران پر روم کی فتح کی پیشین گوئی کی گئی ہے، جو اس وقت بالکل ناقابل قیاس تھی؛ اسی پیشین گوئی کی بنا پر اس کا نام 'روم' ہے۔

اس سورہ میں جو پیشین گوئی کی گئی، ظاہری حالات وہ ناقابل یقین تھی، پھر اسی واقعہ کے ضمن میں مکہ کے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے اہل مکہ پر فتح یاب ہونے کا اشارہ بھی فرمایا گیا ہے، یہ دونوں پیشین گوئیاں واضح معجزات کا درجہ رکھتی ہیں۔

مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی دوسری سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی بنیادی طور پر عقائد و ایمانیات کا ذکر ہے، جنت و دوزخ کے تذکرے ہیں، کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت ہے، رسول اللہ ﷺ کو اہل مکہ کی طرف سے جو تکلیف دہ باتیں پیش آئی تھیں، ان کے سلسلہ میں تسلی یا دلداری فرمائی گئی ہے، ان کے ساتھ ساتھ رشتہ داروں اور مسکینوں پر صدقہ کرنے اور سود سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ دینے کی ترغیب ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ یَغْلِبْتَ الرُّومَ ۚ فِیْ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۚ فِیْۤ بَضْعِ سِنِیْنٍ ۚ اِنَّ لِلّٰهِ اَمْرًا مِّنۢ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۚ وَیَوْمَئِذٍ یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۚ بِنَصْرِ اللّٰهِ یُنْصَرُ ۚ مَنۢ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ الف، لام، میم ۝ روم والے قریبی ہی علاقہ میں مغلوب ہو چکے ہیں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سے نو سال کے اندر غالب آجائیں گے — پہلے بھی اللہ ہی کا اختیار تھا اور بعد میں بھی (اسی کا اختیار ہے) — اور اس دن مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد پر خوش ہوں گے، ۝۲۳۴۵۶ اللہ جس کی چاہتے ہیں، مدد فرماتے ہیں اور وہی غالب اور مہربان ہیں۔ ۝۲۷۸

﴿۱﴾ سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر: امیں ان حروف کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے، جن کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔  
 ﴿۲﴾ جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت سے نوازا گیا، اس وقت عرب کے پورب اور پچھم جانب دو بڑی سلطنتیں قائم تھیں، پورب کی طرف ”ایران“ تھا، جس کا مذہب آتش پرستی تھا اور جس میں دود خدا کا تصور تھا، پچھم کی طرف ”روم“ تھا، جس کو بیزنطینی سلطنت بھی کہا جاتا تھا، جس کا دار السلطنت قسطنطنیہ، یعنی موجودہ استنبول تھا، اس کا مذہب عیسائیت تھا، جو اصولی طور پر تو خدا کے ایک ہونے کے قائل تھے؛ لیکن کہتے تھے کہ تین شخصیتیں (باپ، بیٹا اور روح القدس) مل کر ایک خدا بنتا ہے، یہ دونوں اس زمانہ کی سوپر طاقتیں تھیں اور دونوں کے درمیان سخت رقابت رہتی تھی، رسول اللہ ﷺ کے واقعہ ہجرت سے چند سال پہلے ایران نے پوری تیاری کے ساتھ رومیوں پر حملہ کر دیا اور رومیوں کو ایسی شکست دی کہ پورے شام و فلسطین پر ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا، رومیوں کے بڑے بڑے چرچ اور ان کی شاندار یادگاریں مٹی کا ڈھیر بن گئیں، جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو مکہ کے مشرکین کو اس سے بڑی خوشی ہوئی؛ کیوں کہ اہل مکہ بھی مشرک تھے اور ایرانی بھی، اس کے برخلاف جیسے مسلمان ایک آسانی کتاب کے حامل تھے، عیسائی بھی آسمانی کتاب رکھتے تھے؛ اس لئے اہل مکہ نے اس واقعہ کو اپنے لئے فال نیک سمجھا کہ ہمیں بھی مسلمانوں پر ایسی ہی زبردست فتح حاصل ہوگی اور اس لئے کہ ان کے خیال میں یہ اس بات کی دلیل تھی کہ شرک ہی مقبول مذہب ہے؛ اسی لئے مشرکین کو اہل کتاب کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی، دوسری طرف مسلمان اس واقعہ پر رنجیدہ تھے؛ کیوں کہ اس واقعہ نے مشرکین مکہ کے حوصلوں کو اور بلند کر دیا تھا اور رومیوں کو اتنی زبردست شکست ہوئی تھی اور وہ کچھ اس طرح حوصلہ اور ہمت ہارے ہوئے تھے کہ اس بات کی کوئی اُمید نہیں کی جاسکتی تھی کہ قریبی عرصہ میں پانہ پلٹ سکے گا اور رومی غالب آسکیں گے، ان حالات میں قرآن مجید میں پیشین گوئی کی گئی کہ اگرچہ عرب کے قریبی علاقہ (ادنی الارض) یعنی شام و فلسطین میں رومی جنگ ہار چکے ہیں؛ لیکن محض چند سالوں میں انھیں دوبارہ غلبہ و عروج حاصل ہوگا، چند سال کے لئے قرآن کریم نے ”بضع سنین“ کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی تین سے نو سال، اس وقت کے حالات کے لحاظ سے یہ پیشین گوئی اس قدر ناقابل یقین تھی کہ ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر ؓ کو چیلنج کیا کہ وہ دس اونٹنیوں کی شرط لگالیں، اگر رومی فتح یاب نہ ہو سکے تو یہ حضرت ابوبکر ؓ کو دینی پڑیں گی اور فتح یاب ہو گئے تو ہم لوگ دیں گے، —

وَعَدَ اللّٰهُ ۚ لَا يَخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۲﴾

اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتے؛ لیکن زیادہ تر لوگ جانتے نہیں ہیں ﴿۱﴾ یہ لوگ دنیوی زندگی کے ظاہر کو تو جانتے ہیں؛ لیکن آخرت سے بے خبر ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

← حضرت ابوبکر ؓ نے پہلے تین سال کی شرط لگائی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کے اشارہ پر تین سے نو سال کی مدت مقرر ہوئی اور اونٹنیوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دی گئی، اہل مکہ کو اس پیشین گوئی کے غلط ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ انھوں نے مدت میں اس اضافہ کو بھی قبول کر لیا ہے، تاہم اس طرح کی بازی لگانا جوئے میں شامل ہے، جو ناجائز ہے، اس وقت تک جوئے کے حرام ہونے کا حکم نہیں آیا تھا، اس لئے حضرت ابوبکر ؓ نے یہ شرط لگائی تھی۔ (مدارک التنزیل: ۲/۲۸۳)

پھر ایسا ہوا کہ جیسے کسی تپتی اور آگ اُگلتی ہوئی دوپہر میں اچانک گھٹائیں چھا جائیں اور برسنے لگیں، اسی طرح بے قیاس و گمان روم کے بادشاہ ہرقل نے انگریزی لی اور اس نے اس قوت اور جرأت و ہمت کے ساتھ ایران پر حملہ کیا کہ نہ صرف اپنے ہارے ہوئے علاقے واپس لے لئے؛ بلکہ اصل ایرانی سلطنت کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایرانی فوجوں کو آرمینیا اور آذربائیجان تک دھکیل دیا، ان کے آتش کدے تباہ کر دیئے اور خود شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا، اس طرح قرآن مجید کی یہ حیرت انگیز معجزاتی پیشین گوئی پوری ہوئی، عجب بات ہے کہ جس دن رومیوں نے ایران پر فتح حاصل کی، اسی دن بدر کے میدان میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معرکہ کارزار گرم تھا، مسلمانوں کو اس میں واضح فتح حاصل ہوئی اور مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے گئے، مسلمانوں کے اللہ تعالیٰ کی مدد پر خوش ہونے سے یہی مراد ہے، یہ ناقابل قیاس پیشین گوئی اور اس کا درست ثابت ہونا قرآن مجید کا ایک ایسا معجزہ ہے، جو آج بھی تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے، اس پیشین گوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”پہلے بھی اللہ ہی کا حکم چلتا تھا اور بعد میں بھی اسی کا حکم چلے گا“ اس ارشاد میں اس بات کی وضاحت ہے کہ دنیا کی جیت اور ہار حق و باطل کے لئے پیکانہ نہیں ہے؛ بلکہ جب رومی ہارے تھے، اس وقت بھی ان کا یہ ہارنا اللہ ہی کے حکم سے ہوا تھا، اور آئندہ جو فتح یاب ہوں گے، وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوگا۔ اس فقرہ کا یہ مطلب تو روم اور ایران کی جنگ کے پس منظر میں ہے؛ لیکن غالباً اس فقرہ (بعد میں بھی اسی کا حکم چلے گا) میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جلد ہی وہ وقت بھی آنے والا ہے، جب مسلمان رومیوں کو شکست دے کر قسطنطنیہ پر اسلام کا جھنڈا لہرائیں گے۔

﴿۱﴾ یعنی جو لوگ ایمان سے محروم ہیں ان کی ساری جدوجہد اور علم و تحقیق کا حاصل صرف دنیوی زندگی ہے، انھوں نے اسی کو علم کی انتہاء سمجھ رکھا ہے؛ حالاں کہ اس سے کہیں وسیع دنیا وہ ہے، جس کو آخرت کہا گیا ہے، مگر نہ اس کے بارے میں واقف ہیں اور نہ واقف ہونا چاہتے ہیں۔



اَوْ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَوْ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فِیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارًا فِی الْاَرْضِ وَعَمَرُوْهَا اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لَیْظِلَّهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا السُّوْاۤی اَنْ كَذَّبُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ اللّٰهُ یَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُجْعَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَیَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ یَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعَاۗءٌ وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۳﴾

کیا انھوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو، زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کسی مقصد ہی سے اور مقررہ مدت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے؛ لیکن بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں ﴿۸﴾ کیا وہ زمین میں نہیں چلتے کہ دیکھ لیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ وہ تو ان سے بھی قوت میں بڑھے ہوئے تھے، انھوں نے زمین کو بویا اور جوتا تھا، ان کے آباد کرنے سے بھی بڑھ کر زمین کو آباد کر رکھا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے، (مگر وہ ایمان نہیں لائے) غرض کہ ایسا نہیں تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتے؛ لیکن وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے، ﴿۹﴾ پھر جن لوگوں نے برائی کی تھی، ان کا انجام برا ہی ہوا؛ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿۱۰﴾ اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتے ہیں، پھر اس کو دوبارہ بھی پیدا فرمائیں گے، پھر تم سب اسی کی طرف واپس لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن گناہ کرنے والے ہکا بکارہ جائیں گے ﴿۱۲﴾ جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے، ان میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا، اور وہ اپنے ان شرکاء (کو خدا کی میں شریک ٹھہرانے) کا انکار کر جائیں گے۔ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے؛ بلکہ انسان کے امتحان کے لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارتا ہے یا اس کے خلاف؟ اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ کسی دن یہ دنیا ختم ہو اور جزاء و سزا کا نظام قائم ہو، جس کو آخرت کہتے ہیں؛ کیوں کہ اس امتحان کا کیا حاصل جس پر نہ اچھے عمل کرنے والوں کو انعام ملے اور نہ برا عمل کرنے والوں کو اس کی کوئی سزا؟ ﴿۲﴾ یعنی جھوٹ کہیں گے کہ ہم ان کو آپ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ان کی بات نقل کی گئی ہے: ”وَاللّٰهُ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ“ (الانعام: ۲۳) ”خدا کی قسم! جو ہمارا پروردگار ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا کرتے تھے۔“

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفَخُونَ ۚ فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ۝ ۱۵ وَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ ۝ ۱۶ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُونَ وَحِيْنَ تُصْبِحُونَ ۝ ۱۷ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَحِيْنَ تَنْظَهَرُونَ ۝ ۱۸ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ ۱۹

جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن (مسلمانوں اور ایمان نہ لانے والوں کے) گروہ الگ الگ ہو جائیں گے (۱)۔ پھر جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے نیک عمل کیا تھا، وہ تو جنت میں خوش و خرم رکھے جائیں گے (۱۵) اور جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے اور انھوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا، وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے (۱۶) لہذا تم شام اور صبح کے وقت اللہ کی تسبیح کیا کرو (۱۷) — اور اسی کی تعریف آسمانوں میں بھی ہوتی ہے اور زمین میں بھی — نیز تیسرے پہر اور ظہر کے وقت بھی اسی کی تسبیح کرو، (۲) وہی ہے جو بے جان سے جان دار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے، اسی طرح تم لوگ بھی (موت سے زندگی کی طرف) نکالے جاؤ گے۔ (۳)

(۱) یعنی مسلمان اور کافر، جنت والے اور دوزخ والے الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر بیضاوی: ۱۴/۴)

(۲) آیت نمبر: ۱۷، ۱۸ میں چار اوقات میں تسبیح کا ذکر آیا ہے، شام کے وقت، صبح کے وقت ”عشیاً“ یعنی تیسرے پہر، اور ”تنظہرون“ یعنی دوپہر کے وقت، تسبیح سے یہاں نماز مراد ہے؛ کیوں کہ تسبیح نماز کا ایک اہم ترین عمل ہے اور کبھی عمل کے کسی اہم حصہ کو بول کر پورا عمل مراد لیا جاتا ہے، تو شام کی دو نمازیں ہوگئی: مغرب و عشاء، صبح کی ایک نماز ہوگئی: نماز فجر، تیسرے پہر کی نماز سے عصر کی نماز مراد ہے اور دوپہر کی نماز سے ظہر کی نماز، اس طرح ان دو آیتوں میں پانچوں نمازوں کا ذکر آگیا، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے جب دریافت کیا گیا کہ قرآن مجید میں پانچوں نماز کا ذکر کہاں ہے؟ تو انھوں نے اسی آیت کا حوالہ دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۴) افسوس کہ منکرین حدیث جو دھوکہ دینے کے لئے اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں، وہ اس واضح آیت کے باوجود پانچ وقت کی نماز کا انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے صرف دو ہی وقت کی نمازیں ثابت ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے — نماز کا ایک جزو چوں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف بھی ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا ذکر کرتے ہوئے درمیان میں فرما دیا گیا کہ جیسے تسبیح اللہ کے لئے ہے، ویسے ہی آسمان و زمین میں اللہ ہی قابل تعریف ہیں اور ان ہی کی تعریف و تقدیس ہوتی رہتی ہے۔

(۳) بے جان سے جاندار پیدا کرنے کی مثال خود انسان ہے، جو مادہ منویہ سے پیدا کیا جاتا ہے، اور جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال مرغی سے انڈے، شہد کبھی سے شہد اور ریشم کے کیڑے سے ریشم وغیرہ کا نکالنا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاِخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم انسان بن کر (زمین) میں پھیلے ہوئے ہو ﴿۵۰﴾ اسی کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے (بیویاں) بنادیئے؛ تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کر دی، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ﴿۵۱﴾ اور آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہے، یقیناً اس میں سمجھ دار لوگوں کے لئے دلیلیں ہیں ﴿۵۲﴾ اسی کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی کو تلاش کرنا ہے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے جو (قبولیت کے جذبہ سے) سنا کرتے ہیں، نشانیاں ہیں ﴿۵۳﴾

﴿۱﴾ یعنی انسان ہی کی جنس سے عورت کی شکل میں مردوں کا جوڑا پیدا کیا، اگر یہ جوڑا کسی اور مخلوق کی شکل میں ہوتا تو ایک دوسرے کے درمیان وہ محبت اور کشش نہ ہوتی جو شوہر و بیوی کے درمیان ہے، اور اللہ کی ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ عام طور پر انسان کو اجنبی شخص سے قلبی محبت نہیں ہوتی، شوہر اور بیوی نکاح سے پہلے ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوتے ہیں؛ لیکن رشتہ نکاح کے ذریعہ اللہ ان دونوں کے درمیان قلبی محبت پیدا فرما دیتے ہیں۔

﴿۲﴾ زبانوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی غیر معمولی نشانی ہے، دنیا میں کروڑوں لوگ اس وقت موجود ہیں، نہ جانے کتنے کروڑ گزر چکے ہیں اور نہ معلوم قیامت تک کتنے لوگ دنیا میں آئیں گے؛ لیکن ہر ایک کی آواز الگ، ہر گروہ کی زبان الگ اور ہر شخص کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف، یہاں تک کہ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہونے والے بچوں کا رنگ و روپ بھی الگ الگ، کیا کوئی بڑا سے بڑا فنکار اس کی ادنیٰ سی مثال بھی پیش کر سکتا ہے؟ پھر زبان اور رنگ کا یہ اختلاف انسان کے لئے بہت بڑا انعام بھی ہے؛ کیوں کہ اسی سے انسان کی پہچان قائم ہوتی ہے، اگر تمام لوگ سرسوں کے پھول کی طرح ایک ہی رنگ و روپ کے ہوتے تو مختلف انسانوں کے درمیان امتیاز کرنا کتنا دشوار ہو جاتا؟

﴿۳﴾ رات کے وقت پوری آبادی کو تاریکی کی چادر سے ڈھانپ دیا جاتا ہے؛ اس لئے تمام کے تمام لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ اس وقت جاگنے اور دوڑ دھوپ کرنے کے بجائے سو جائیں، سونے کے اس اجتماعی نظام سے پورے ماحول پر خاموشی چھا جاتی ہے اور انسان گہری اور پرسکون نیند لے پاتا ہے، نیز کبھی رات میں نیند پوری نہ ہو تو انسان دن میں پوری کر لیتا ہے، دن کے وقت ←

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَيُخْرِجُ بِهٖ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۚ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَا اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ لَهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗا وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ۚ وَلَهٗ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۚ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَفْصِلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۵﴾

نیز اسی کی نشانیوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تم کو بجلی دکھاتے ہیں، جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی پیدا ہوتی ہے، اور اللہ ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر زمین کے خشک ہو جانے کے بعد پانی کے ذریعہ اس کو تروتازگی عطا فرماتے ہیں، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو عقل سے کام لیتے ہیں، ﴿۲۱﴾ اور یہ بھی اسی کی نشانیاں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہے، پھر جب تم کو زمین سے پکار کر بلائیں گے تو تم یکبارگی فوراً نکل پڑو گے ﴿۲۲﴾ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے، سب اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿۲۳﴾ وہی خدا ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس کے لئے اور بھی آسان ہے اور آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اسی کی اونچی شان ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے، ﴿۲۴﴾ اللہ تمہارے لئے تمہارے ہی حالات کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ہم نے جو تم کو رزق عطا کی ہے، کیا تم میں سے کسی کا غلام اس میں شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں (اور) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو، جیسے آپس میں ایک (دوسرے سے) ڈرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان لوگوں کے لئے نشانیاں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، جو سمجھ دار ہیں۔ ﴿۲۵﴾

← سورج کا چراغ جلتا ہے، جو چپہ چپہ کو روشن کر دیتا ہے، یہ ایسی بجلی ہے جو امیروں کے محلات کی طرح غریبوں کی جھونپڑیوں کو بھی روشن کر دیتی ہے؛ اس لئے ہر انسان کے لئے کام کاج، تلاش معاش کی دوڑ دھوپ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر آسان ہو جاتا ہے، دن کی روشنی جتنی بڑی نعمت ہے، رات کا اندھیرا بھی اتنی ہی بڑی نعمت ہے، یہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار بھی۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی یہ ہے کہ پہلے بجلی کووندتی ہے، جس سے انسان کو خوف ہوتا ہے، پھر اس کے بعد بارش ہوتی ہے، جس چیز سے انسان ڈر رہا تھا، وہی اس کے لئے رحمت کا سبب بن جاتی ہے، جیسے جاندار مرکز دوبارہ زندہ نہیں ہوتے، اگر اسی طرح زمین خشک ہونے کے بعد پھر تروتازہ نہیں ہو جاتی تو انسان کے لئے غذائی ضرورتوں کا حاصل کرنا ناظر ممکن نہ ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ زمین بار بار مرکز زندہ ہوتی ہے، یعنی سوکھ جانے کے بعد پھر قابل کاشت ہو جاتی ہے۔ ←

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَاقْصِرْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ ظالم بغیر سمجھے بوجھے اپنی خواہشات پر چل رہے ہیں، تو جس کو اللہ گمراہی پر رہنے دیں تو اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، ﴿۲۵﴾ لہذا ایک سو ہو کر آپ اسی دین کی طرف اپنا رخ کئے رہئے، اللہ کی عطا کی ہوئی اسی فطرت کی پیروی کیجئے، جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی درست اور سیدھا دین ہے؛ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ﴿۲۶﴾

← ﴿۲﴾ یعنی جیسے غلام کا اپنے آقا کی ملکیت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، اسی طرح کوئی بندہ اپنے رب کے اختیارات اور اس کی ملکیت میں کیسے حصہ دار ہو سکتا ہے؟

﴿۱﴾ یہاں فطرت سے مراد اسلام ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۴، ۲۵) یعنی ہر انسان کے اندر فطری اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے اور اس کے سامنے سر جھکانے کا جذبہ موجود ہے، بعد میں دوسرے اسباب جیسے خراب ماحول، ماں باپ کی غلط تربیت، اخلاق سے دُور کر دینے والی تعلیم، حرص و لالچ، ڈر و خوف اور خواہشات نفسانی کی وجہ سے وہ اپنی فطرت سے ہٹ جاتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں، جیسے جانور صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، اس کے کان کٹے ہوئے نہیں ہوتے، (بخاری، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۹۲) لیکن بعد میں لوگ کان کاٹ ڈالتے ہیں، انسان کی فطرت میں خدا کی طرف آنے کا جو جذبہ اور حق کو قبول کرنے کی جو صلاحیت رکھی گئی ہے، وہ قیامت تک اسی طرح باقی رہے گی، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، یہ اور بات ہے کہ دوسرے اسباب کی وجہ سے انسان ایمان کو چھوڑ کر کفر کی طرف چلا جاتا ہے۔ ”لا تبدیل لخلق اللہ“ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قبول حق کے جس جذبہ پر پیدا کیا ہے، اس کو اس میں تبدیلی نہیں لانی چاہئے، جیسے کائنات کی تمام چیزیں سورج، زمین، سمندر وغیرہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام پر قائم ہیں، اسی طرح انسان کو بھی اللہ کی پیدا کردہ فطرت سے ہٹنا نہیں چاہئے، یعنی اس فقرہ کا مقصد خبر دینا نہیں ہے؛ بلکہ منع کرنا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ (بیان القرآن: ۸/۹)

اس آیت میں دو اور باتوں کی طرف بھی اشارہ ہو گیا، ایک یہ کہ جو بچہ بالغ ہونے سے پہلے مر جائے، خواہ اس کے والدین مسلمان ہوں یا غیر مسلم، وہ مسلمان شمار کیا جائے گا اور انشاء اللہ آخرت میں اس کا ٹھکانہ جنت میں ہوگا؛ کیوں کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے مسلمان ہے؛ چنانچہ ایک جنگ کے موقع پر بعض بچے مسلمان مجاہدین کے ہاتھ سے مارے گئے تو آپ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، جب بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یہ تو مشرکین کی اولاد ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ دین فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے: ”کل نسمة تولد علی الفطرة“ (مسند احمد: ۳/۴۳۵، حدیث نمبر: ۱۵۶۲۷) — دوسرے اس بات کی طرف بھی ←

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلُّ جُزٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۲﴾ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةٌ إِذَا فَرِحُوا مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۴﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿۵﴾ وَإِذَا آذَيْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿۶﴾

تم خدا کی طرف رُجوع ہو کر (اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کی پیروی کرو)، اللہ ہی سے ڈرو، نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو جاؤ، ﴿۱﴾ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور بہت سے فرقے بن گئے، ہر گروہ اپنے اپنے طریقہ پر مگن ہے ﴿۱﴾ اور جب لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رُجوع کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں، پھر جب اللہ ان کو اپنی طرف سے مہربانی کا مزا چکھادیتے ہیں تو فوراً ہی ان میں سے بعض لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں؛ ﴿۲﴾ تاکہ ہم نے جو احسان کیا ہے، اس کی ناشکری کریں، تو چند دنوں اور فائدہ اٹھا لو، پھر جلد ہی تم (اپنے انجام کو) جان لو گے ﴿۲﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اتاری ہے کہ وہ ان سے شرک کرنے کو کہتے ہیں؟ ﴿۳﴾ اور جب ہم لوگوں کو اپنی مہربانی کا مزا چکھاتے ہیں تو اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر ان کی کارستانیوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو نا اُمید ہو جاتے ہیں۔ ﴿۴﴾

← اشارہ ہو گیا کہ جسمانی اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کوئی تبدیلی پیدا کرنا درست نہیں، جیسے موجودہ دور میں نس بندی کا آپریشن، یا مصنوعی خوبصورتی کے لئے کی جانے والی سرجری وغیرہ۔

﴿۱﴾ یعنی ایسا نہیں ہے کہ مذہب کی ابتداء شرک، بت پرستی اور مخلوق کی عبادت سے ہوئی اور اس میں فکری ترقی کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ لوگوں میں توحید کا تصور ابھرا؛ بلکہ دین فطرت توحید ہے، جو ایک خدا کی عبادت کی طرف بلاتا ہے، مختلف گروہوں نے اس میں اپنی طرف سے اضافے کر دیئے ہیں، کسی نے ایک سے دو خدا، کسی نے تین، کسی نے سینکڑوں اور ہزاروں، کسی نے سورج اور چاند کی پوجا کی، کسی نے پتھروں کو معبود بنایا، کسی نے درختوں کے سامنے پیشانی رکھی اور کسی نے جانوروں کو خدا بنادیا، غرض کہ مختلف گروہوں نے شرک کے مختلف مذاہب ایجاد کر لئے اور بجائے اس کے کہ سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرتے، جس نے مصنوعی اور خود ساختہ مذہب کو اختیار کیا، اسی پر مطمئن ہو گیا۔

﴿۲﴾ یعنی عام انسانی مزاج یہ ہے کہ مصیبتوں کے وقت خدا کی یاد آتی ہے اور سہولت کے وقت وہ خدا کو بھول جاتا ہے؛ اس لئے اگر اللہ کی طرف سے بہتر حالات پیدا ہوں تو خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ کہیں وہ اپنے مالک کی طرف سے غافل تو نہیں ہو گیا ہے۔

اَوْ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ فَاِنَّ ذَا النُّفْرٰنِ حَقَّهٗ وَالْمُسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَبِيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَّرِيدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲﴾ وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا لِّيَزْبُوْا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَزْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا آتَيْتُم مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَلَوْلٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳﴾

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ جس کو چاہتے ہیں، زیادہ روزی دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں، کم روزی دیتے ہیں، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو ایمان رکھتے ہیں، ﴿۱﴾ لہذا قربت دار کو ان کا حق دیا کرو اور مسکین و مسافر کو بھی، ﴿۲﴾ یہ ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے، ﴿۳﴾ اور تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں (شامل ہو کر) بڑھ جائے تو اللہ کے نزدیک وہ بڑھتا نہیں ہے، اور اللہ کی خوشنودی کے لئے تم جو کچھ زکوٰۃ دیتے ہو، تو (یاد رکھو کہ) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ یعنی جب روزی اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں تو انسان کا فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ اس کے بندوں، جیسے قرابت دار، غرباء، اور مسافروں پر بھی خرچ کیا کرے — اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر بیوی اور اولاد کے علاوہ دوسرے قریبی رشتہ دار کا نفقہ بھی بعض حالات میں واجب ہوتا ہے؛ چنانچہ فقہاء احناف نے اسی آیت سے یہ بات مستنبط کی ہے کہ ضرورت مند محرم رشتہ داروں کا نفقہ بھی انسان پر واجب ہوتا ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۴۵)

﴿۲﴾ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ کسی شخص کو کوئی چیز دینے کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ خالصتاً اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے دی جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کو خوش کرنے اور ان کی تعریف حاصل کرنے کے لئے دیا جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ کچھ دے کر یہ اُمید رکھی جائے کہ وہ شخص بھی اس کے بدلہ میں کچھ دے گا، (تفسیر قرطبی: ۱۳/۳۸) ان میں سے پہلی صورت کا ذکر آیت کے اخیر میں آیا ہے کہ جو چیز اللہ کی خوشنودی کے لئے دی جاتی ہے، اس میں اجر کے اعتبار سے اللہ کی طرف سے اضافہ ہوتا رہتا ہے، دوسری صورت انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ انسان دکھاوے کے لئے مال خرچ کرے، قرآن مجید میں ایک اور موقع پر صراحت فرمائی گئی کہ اس سے صدقہ اکارت ہو جاتا ہے: ”لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَّا كَلَّهٗ رِئَآءَ النَّاسِ“ (البقرہ: ۲۶۳) تیسری صورت کا بیان یہاں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا؛ لیکن یہ صورت جائز ہے، (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص: ۲۱/۴۵) ظاہر ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی چیز دنیا میں بدلہ کی نیت سے دی جائے، اگر ایسی نیت نہ ہو؛ لیکن جس شخص کو ہدیہ دیا، وہ بھی اپنے طور پر اس شخص کو ہدیہ پیش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس سے دینے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی؛ بلکہ لینے والے کے لئے ایسا کرنا مسنون ہے؛ ←

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُعِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْدِیْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شُرَکَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرَکُّوْنَ ﴿۲۱﴾ ۚ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ ۚ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ۚ قُلْ سَیِّدُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ ۚ کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّشْرِکِیْنَ ﴿۲۳﴾

وہی خدا ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی عطا کی، پھر تم کو موت دیتا ہے، پھر تم کو (دوبارہ) زندہ فرمائے گا، تم جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، کیا ان میں سے کوئی ہے، جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ اس کی ذات پاک ہے اور وہ ان کے شریک ٹھہرانے سے بالاتر ہے! ﴿۲۱﴾ لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بعض کاموں کا مزا چکھائیں، شاید کہ وہ باز آجائیں، ﴿۲۲﴾ آپ فرمادیجئے: زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ ان میں سے اکثریت شرک کرنے والوں کی تھی۔ ﴿۲۳﴾

← کیوں کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ پیش کرنے والوں کو خود بھی ہدیہ عنایت فرماتے تھے: ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل الهدیۃ ویثیب علیہا“ (بخاری، کتاب الہبۃ وفضلہا، حدیث نمبر: ۲۴۳۵) لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو ہدیہ دے کر کیا اس سے اس کے بدل کا مطالبہ کر سکتا ہے؟ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر ہدیہ دیتے وقت بدل کی شرط لگا دی تھی تو وہ مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر اس طرح کی شرط نہیں لگائی تھی تو مطالبہ نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ یہ تبرع و احسان ہے اور اس کا تقاضا یہی ہے کہ بدل کا مطالبہ نہ ہو۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۴/۳۷، مجمع الانہر: ۲/۳۶۴)

﴿۱﴾ فساد سے اصل میں تو اخلاقی بگاڑ مراد ہے، انسان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے زمین میں ہر طرح کا فکری، اخلاقی اور عملی بگاڑ پھیلتا ہے؛ لیکن اس میں ایک اشارہ کائنات کے مادی نظام کی طرف بھی ہے کہ دنیا میں تمام چیزیں سمندر، درخت، پانی، پہاڑ، ہوا، برف کی چٹانیں، جنگلی جانور وغیرہ، دنیا کے ماحول کو زمین میں پائی جانے والی مخلوقات خاص کر جانداروں کے موافق ماحول عطا کرتی ہیں؛ لیکن انسان جنگلات کو کاٹ کر، پہاڑوں کو توڑ کر، دریاؤں کو پاٹ کر، چرند و پرند کو ناپید کر کے، فضا میں دھوؤں اور ایندھنوں سے نکلنے والے ذرات کو بکھیر کر اور پانی میں گندگیاں اور صنعتی فضلات کو ڈال کر قدرت کے بنائے ہوئے ماحول کو تباہ کر رہا ہے اور مختلف قسم کی آلودگیاں پیدا ہو رہی ہیں، جو انسان اور دوسری مخلوقات کے لئے تباہ کن ہیں، اس پہلو سے بھی خشکی و تری کا فساد انسان کے اپنے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے، ماحولیاتی آلودگی کا یہ نکتہ ”فساد“ کے لفظ سے مستنبط ہوتا ہے؛ کیوں کہ فساد کسی شے کے حد اعتدال سے نکل جانے کو کہتے ہیں: ”خروج الشیء عن الاعتدال قليلاً کان الخروج عنه أو کثیراً“ (مفردات القرآن: ۴۲۵) اور ماحولیاتی آلودگی بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اشیاء کے استعمال میں آدمی اعتدال کا راستہ چھوڑ دے۔



فَاقْمِ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿۱﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُمْ يَنْهَدُونَ ﴿۲﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُنْذِرَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَبْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اٰجَرُمُوْا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵﴾

اس دن کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے آکر رہے گا اور ٹل نہیں سکے گا، اپنا رخ سچے دین کی طرف رکھو، اس دن سارے لوگ الگ الگ ہو جائیں گے ﴿۱﴾ جو شخص کفر کر رہا ہے تو اسی پر اس کے کفر (کا وبال) ہوگا اور جو نیک عمل کرے، وہ اپنے ہی لئے راستہ ہموار کر رہا ہے ﴿۲﴾ حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے (بہتر) بدلہ عطا فرمائیں گے، واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں فرماتے ﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری دینے اور اپنی رحمت کا مزا چکھانے کے لئے بھیجتے ہیں اور تاکہ اللہ کے حکم سے کشتیاں چلیں، ﴿۳﴾ تم اس کی روزی تلاش کرو، ﴿۴﴾ اور (اللہ کا) شکر ادا کرو ﴿۵﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبران کی قوموں کی طرف بھیجے، وہ ان کے پاس واضح دلیلیں لے کر آئے، پھر ہم نے ان لوگوں سے بدلہ لیا، جنہوں نے جرم کا ارتکاب کیا تھا اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ یعنی دنیا میں تو مسلمان اور کافر سب ایک جگہ ہیں؛ لیکن آخرت میں دونوں الگ الگ کر دیئے جائیں گے اور دونوں کا ٹھکانہ علاحدہ ہوگا۔

﴿۲﴾ اگرچہ دنیا میں بعض اوقات ایمان نہ لانے والوں کو بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے، بہت سی دفعہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو وقتی طور پر فتح بھی حاصل ہو جاتی ہے؛ لیکن یہ اس لئے نہیں ہے کہ اللہ ان کو پسند فرماتے ہیں؛ بلکہ یہ بطور ڈھیل کے ہے، اللہ پسند تو ہمیشہ ایمان والوں ہی کو فرماتے ہیں۔

﴿۳﴾ اب تو سمندروں میں جہازوں اور کشتیوں کو چلانے کے لئے موٹر بن گئے ہیں، جو ابندھن کی طاقت سے چلتے ہیں؛ لیکن قدیم زمانہ میں کشتیوں میں بادبان باندھ دیئے جاتے تھے اور ہوا کی مدد سے کشتیاں آگے بڑھتی رہتی تھیں، اب بھی ملاح اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی کی طرف اشارہ ہے۔

﴿۴﴾ کیوں کہ سمندری سفر تجارت کا ایک اہم ذریعہ ہے اور قدیم زمانہ سے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُغَيِّرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا فَتَكْرَى الْوُدُقُ يُخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٥٨﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنَ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ﴿٥٩﴾ فَاَنْظُرْ إِلَىٰ أَثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُغِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُبْحَى الْمَوْتِ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦٠﴾ وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ﴿٦١﴾ فَإِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمَعُ الصَّمَّةَ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٦٢﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعُمَى عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۚ إِنَّ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٦٣﴾

۵۸  
۵۹  
۶۰  
۶۱  
۶۲  
۶۳

وہی خدا ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اٹھالیتا ہے، پھر اللہ جس طرح چاہتے ہیں، اس کو آسمان میں پھیلا دیتے ہیں اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے بارش برستی ہے، پھر اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں، اس کو برسا دیتے ہیں، تو بس وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ حالاں کہ ان پر بارش برسانے سے پہلے وہ نا اُمید ہو رہے تھے ﴿۶۰﴾ لہذا اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو کہ کیسے اللہ زمین کے مرجانے کے بعد اس کو زندہ کرتے ہیں؟ یقیناً وہی مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۶۱﴾ اور اگر ہم ان پر ہوا چلا دیں، پھر یہ لوگ دیکھیں کہ کھیتی زرد پڑ گئی ہے، تو اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں ﴿۶۲﴾ یقیناً آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ ان بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جو پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں ﴿۶۳﴾ نیز نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر ہدایت کا راستہ دیکھا سکتے ہیں، آپ اسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں کہ وہی فرمانبردار ہیں۔ ﴿۶۳﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ ہوائیں بادلوں کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے فضا میں پھیل جاتی ہیں اور اس کے ٹکڑے مختلف علاقوں میں پہنچ جاتے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو پوری بارش ایک ہی جگہ ہو جاتی، دوسرے علاقے بارش سے محروم ہو جاتے، اور جہاں بارش ہوتی، وہاں اتنی زیادہ مقدار میں ہوتی کہ لوگوں کے لئے مصیبت بن جاتی، پھر جہاں اللہ کو منظور ہوتا ہے، وہاں یہ ٹکڑے برس جاتے ہیں، قدرت کا نظام ایک طرف اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک انتہائی باتدبیر خدا کی ذات موجود ہے، جس کے اشارہ پر یہ سب کچھ انجام پاتا ہے، دوسرے وہ یکتا و تنہا بھی ہے؛ کیوں کہ اگر اس کام میں کئی لوگوں کی شرکت ہوتی تو اس ترتیب، تسلسل اور خوبصورتی کے ساتھ یہ نظام نہیں چل سکتا تھا۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ ایسی بھیج سکتے ہیں، جو کھیتی کو ہرا بھرا کرنے کے بجائے زرد کر کے رکھ دے اور نقصان پہنچائے، ایسی صورت میں بھی ان کا طریقہ صبر و شکر کی بجائے بے صبری اور ناشکری کا ہی ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشِیْبَةً ۖ یَخْلُقْ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۷﴾ وَیَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُفْکُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰتُوْا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ۚ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلَکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فِیْیَوْمَئِذٍ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَلَقَدْ صَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَیْنِ جِئْتَهُمْ بِآیَةٍ لَّیَقُولَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

وہی خدا ہے جس نے تم کو کمزوری اور ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد قوت عطا فرمائی، پھر طاقت و قوت کے بعد ضعف اور بوڑھا پے سے دو چار کیا، اللہ جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں اور وہ خوب جاننے والے اور خوب قدرت والے ہیں، ﴿۱﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن مجرم لوگ قسم کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں یا قبر میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، اسی طرح یہ لوگ (دنیا میں بھی) بہکے ہوئے تھے ﴿۵۷﴾ اور جن لوگوں کو علم و ایمان سے نوازا گیا تھا، وہ کہیں گے کہ تم تو اللہ کے فیصلہ کے مطابق قیامت کے دن تک رہے ہو، تو یہی تو ہے قیامت کا دن! لیکن تم یقین نہیں رکھتے تھے ﴿۵۸﴾ غرض کہ اس دن زیادتی کرنے والوں کو نہ ان کی معذرت کام آئے گی اور نہ ان سے توبہ قبول کی جائے گی، ﴿۲﴾ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے بھی آئیں، تب بھی یہ کفر کرنے والے لوگ یہی کہیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔ ﴿۶۱﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جیسے کائنات کی دوسری چیزوں میں تصرف کرتے رہتے ہیں اور ان پر اچھے اور بُرے حالات لاتے رہتے ہیں، خود انسان بھی اس نظام سے باہر نہیں ہے؛ چنانچہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو انتہائی کمزور ہوتا ہے، پھر بچپن سے گزر کر جوانی میں قدم رکھتا ہے، یہ بھر پور طاقت و قوت کا زمانہ ہوتا ہے، پھر بوڑھا پے سے دو چار ہوتا ہے اور اب قوت کی بجائے کمزوری اور ضعیفی دامن تھام لیتی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اللہ کے فیصلہ کے سامنے بے بس ہے، اور انسان ہو یا کائنات کی کوئی اور چیز، سب پر خدا کا فیصلہ جاری ہے، — بعض مفسرین نے (خلقکم من ضعف) ”تم کو ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا“ سے پیدائش سے پہلے کی کیفیت مراد لی ہے، جب انسان نطفہ کی شکل میں تھا۔ (تفسیر قرطبی: ۴/۱۴۰)

﴿۲﴾ ”یستعذبون“ کے اصل معنی یہ ہیں کہ اس روز ان کو اللہ تعالیٰ کے غضب و عتاب کو دُر کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دُر کرنے کا طریقہ توبہ ہے، حاصل یہ ہے کہ اس وقت ان کو توبہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ (دیکھئے: روح المعانی: ۲۱/۶۱)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

جو سمجھ نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتے ہیں؛ ﴿۵۹﴾ لہذا آپ صبر کیجئے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ یقین نہ کرنے والے کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں۔ ﴿۶۰﴾

﴿۱﴾ یعنی دشمنانِ اسلام کا رویہ کتنا ہی نامناسب ہو، صبر و برداشت کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے، یہاں اگرچہ خطاب آپ ﷺ سے ہے؛ لیکن بالواسطہ پوری اُمت اور خاص کر علماء اور داعیانِ دین اس میں شامل ہیں؛ کہ کتنی ہی تکلیف دہ صورت حال ہو، ان کو صبر و وقار پر قائم رہنا چاہئے۔



# سُورَةُ الْقَمَلِ

« سورة نمبر : (۳۱) »

« رکوع : (۴) »

« آیتیں : (۳۴) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

گذشتہ زمانہ میں 'لقمان' نام کے ایک صاحبِ عقل و دانش گذرے ہیں، اس سورہ میں ان کی نصیحتوں کا ذکر آیا ہے، جو انھوں نے اپنے صاحبزادہ سے کی تھی، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام لقمان ہے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت لقمان علیہ السلام کے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور اپنے فرزندوں کو نصیحت سے متعلق واقعہ دریافت کیا، اس پس منظر میں یہ سورہ نازل ہوئی، اس سورہ میں بھی زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہے، یہ بات بھی فرمائی گئی ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ کو جن باتوں کا حکم فرمایا، یعنی: صبر، والدین کے ساتھ حسن سلوک، نماز، نیکی کی دعوت، برائی سے روکنا، اعتدال اور آواز کو پست رکھنا وغیرہ، ان نصیحتوں کا بھی تذکرہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ تَلِكْ اَیُّ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۝ هُدٰی وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدٰی مِّنْ رَّبِّهِمْ ۝ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن یَّشْتَرِیْ لَهٗوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۖ وَیَتَّخِذَ هَٰ هُزُوًا ۖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ الف، لام، میم ﴿۱﴾ یہ حکمت سے معمور کتاب کی آیتیں ہیں ﴿۲﴾ (یہ کتاب) اچھے عمل کرنے والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور رحمت ہے ﴿۳﴾ یعنی ان لوگوں کے لئے جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ﴿۴﴾ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے درست راستہ پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں ﴿۵﴾ اور بعض لوگ (اللہ سے) غافل کر دینے والی باتیں خرید کرتے ہیں؛ تاکہ بغیر سمجھے بوجھے اللہ کے راستہ سے ہٹا دیں اور اس کا مذاق اڑائیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے رُسوا کن عذاب ہے۔ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات ہیں، جس کی وضاحت سورہ بقرہ کے شروع میں آچکی ہے۔  
 ﴿۲﴾ یعنی قرآن مجید ہدایت تو تمام انسانوں کے لئے ہے؛ لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھائیں گے، جو نیک عمل کرتے ہیں، نیک عمل کی فہرست تو بہت لمبی ہے؛ لیکن نماز اور زکوٰۃ تمام نیک اعمال کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں، نماز ایک جسمانی عبادت ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا پورا وجود اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے، اور زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے، جس کی روح یہ ہے کہ انسان مال کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھے، اللہ ہی کے حکم کے مطابق حاصل بھی کرے اور خرچ بھی کرے، اس طرح یہ دونوں عبادتیں زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کے احکام پر قائم رہنے کی تعلیم دیتی ہیں اور اس کے ساتھ آخرت پر یقین کا ذکر فرمایا گیا؛ کیوں کہ انسان کا اپنے آپ کو نیکیوں پر قائم رکھنا اور گناہوں سے بچا رہنا آخرت کے یقین کے بغیر نہیں ہو سکتا۔  
 ﴿۳﴾ لہو کے معنی ایسی بات یا چیز کے ہیں، جو انسان کو غافل کر دے؛ اسی لئے وہ تمام باتیں اس میں شامل ہیں، جس میں دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو ”یشتوی“ کے معنی تو خریدنے کے ہیں؛ لیکن چون کہ خریدار قیمت ادا کر کے ایک چیز کی ملکیت کو اختیار کرتا ہے؛ اس لئے اس کے معنی اختیار کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں، قرآن میں بعض جگہ یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے: ”الَّذِیْنَ اشْتَرَوْا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی“ (البقرہ: ۱۶) یہاں بھی یہی معنی مراد ہے کہ بعض لوگ غفلت میں ڈال دینے والی چیزوں یا باتوں کو اختیار کر لیتے ہیں، اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ نصر بن حارث ایران کے بادشاہوں کے واقعات پر مشتمل کتابیں خرید کر لاتا، اسے اہل مکہ کو سناتا، اور کہتا کہ یہ اس کلام سے بہتر ہے، جو محمد (ﷺ) پیش کرتے ہیں، کبھی ان کو اسلام سے دور کرنے کے لئے اپنی باندیوں سے گانے وغیرہ بھی سنوا تا اور سب کا مقصد یہ ہوتا کہ لوگ قرآن مجید کی طرف سے بے توجہ رہیں۔

وَإِذَا تَنَلَىٰ عَلَيْهِ أَيْتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ﴿۸﴾

اور جب اس پر ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ تکبر کرتا ہوا اس طرح منھ پھیر لیتا ہے کہ جیسے اس نے سنائی نہ ہو، گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے، تو اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے ﴿۸﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ ﴿۸﴾

← ہو جائیں، (تفسیر قرطبی: ۵۲/۱۴) چنانچہ ’لہو الحمدیث‘ (غفلت میں ڈالنے والی بات) میں گانا بجانا شامل ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ نے فرمایا، (قرطبی: ۵۳/۱۴) لیکن اس کے علاوہ وہ تمام طریقے جو انسان کو غفلت میں ڈال دینے والے اور خواہش پرستی کی طرف لے جانے والے ہوں، سب اس میں شامل ہیں، خواہ یہ گانے بجانے کی شکل میں ہو، جھوٹی کہانیوں، فرضی افسانوں اور ناولوں کی شکل میں ہو، یا ڈراموں، نفسانی جذبات کو اکسانے والی فلموں، عشقیہ اشعار یا فحش لطائف کی شکل میں، یہ تمام باتیں اور ان کے لئے منعقد کی جانے والی مجلسیں ’لہو الحمدیث‘ میں شامل ہیں اور درجہ بدرجہ اپنے نقصانات کے اعتبار سے حرام یا مکروہ ہیں، مفسرین اور فقہاء نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اشعار یا کتاب یا گانے بجانے میں دین کا مذاق اڑایا جائے تو کفر ہے، دوسرے: مزامیر یعنی باجوں کے ساتھ گانا اور ان کو سننا بھی حرام ہے اور وہ بھی اس میں شامل ہے، (کتاب الاختیار للموصلی: ۱۶۵/۴) تیسرے: ایسی کہانیاں، اشعار، مشاعرے، اور کھیل جو فرائض سے بے توجہ کر دینے والے ہوں مکروہ تحریمی ہیں، چوتھے: غیر محرم عورتوں سے گانا سننا حرام ہے، (عنایہ شرح ہدایہ: ۴/۲۰۸) پانچویں: ایسے اشعار کا سننا یا سنانا جس میں اچھی باتیں ہوں جائز ہے: ”ولو فيه وعظ وحكمة فجائز اتفاقاً“ (روح المعانی: ۶۹/۲۱) چھٹے: اگر آدمی اپنے آپ میں سکون خاطر کے لئے گنگنا لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں: ”وفي الدر المختار التغني لنفسه لدفع الوحشة لا بأس به عند العامة على ما في العناية وصحة العينى وإليه ذهب شمس الأئمة السرخسی“ (رد المحتار: ۳۴۸/۶) ساتویں: صوفیاء کا مزامیر کے بغیر نعتیہ یا اصلاحی اشعار کا پڑھنا اور سننا تو درست ہے؛ لیکن آج کل بعض خانقاہوں میں جو عرس کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور اس میں ہارمونیم اور طبلہ کے ساتھ قوالی گائی جاتی ہے، یہ بھی حرام ہے: ”وأما ما ابتدعه الصوفية في ذلك فمن قبيل ما لا يختلف في تحريمه“ (روح المعانی: ۷۰/۲۱) بلکہ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ چونکہ اس کو عبادت سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے؛ اس لئے دوسرے گانوں کے مقابلہ اس کا گناہ بڑھ کر ہے: ”بل هذا أشد من كل تغن، لأنه مع اعتقاد العبادة“ (روح المعانی: ۶۸/۲۱) — جو حکم کسی فعل کا ہے، وہی حکم اس فعل کو انجام دینے والے آلات و وسائل کا ہے؛ اس لئے جو آلات گانے بجانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، جیسے: طبلہ، سارنگی وغیرہ، یا جو اشیاء حرام کھیلوں کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، ان کا خریدنا اور بیچنا بھی حرام ہوگا، جن چیزوں کا استعمال مکروہ کاموں کے لئے ہو، ان کا خرید و فروخت کرنا بھی مکروہ ہوگا اور جو جائز کام ہیں، ان کے آلات کی خرید و فروخت بھی جائز ہوگی؛ کیوں کہ اصول یہ ہے کہ جو حکم مقصود کا ہوتا ہے، وہی حکم ذریعہ کا بھی ہوتا ہے۔



خُلْدَيْنِ فِيْهَا ۖ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَهَا  
وَالْقَىٰ فِي الْاَرْضِ رَوٰسِيًّۢا اَنْ تُبَيِّدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ  
مَآءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۲﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرْوُنِيْ مَا ذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ  
دُوْنِهٖ ۖ بَلِ الظَّالِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ اَتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اِنْ اَشْكُرْ لِلّٰهِ ۖ وَمَنْ  
يَشْكُرْ فَاَتٰمَّا يَشْكُرْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۴﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ  
وَهُوَ يَعُوْظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۵﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ  
حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ۖ وَفَصْلَهٗ فِيْ عَمَلِيْنَ اِنْ اَشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۖ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾

وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے ﴿۱﴾ اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا ہے، جنھیں تم دیکھ رہے ہو ﴿۱﴾ زمین میں پہاڑ رکھ دیئے ہیں کہ یہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگیں اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے ہیں، نیز ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اُگادیں، ﴿۲﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے تو مجھ کو دکھاؤ کہ اللہ کے سوا (جو معبودانِ باطل ہیں، انھوں) نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں؟ بلکہ یہ ظالم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۳﴾ اور ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا کی تھی کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں، اور جو شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بہت تعریف کے لائق ہیں ﴿۴﴾ اور وہ وقت یاد کئے جانے کے لائق ہے، جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ، یقیناً شرک کرنا بڑی ہی ناانصافی کی بات ہے، ﴿۵﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں بڑی تاکید کی (اس لئے کہ) اس کی ماں بے حد کمزوری سے دوچار ہو کر اس کو (اپنے پیٹ میں) اُٹھائے رکھتی ہے اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہے؛ کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرتے رہو، آخر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے! ﴿۶﴾

﴿۱﴾ اس کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تم آسمانوں کو دیکھ رہے ہو کہ وہ بغیر ستونوں کے قائم ہیں، دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آسمان ایسے ستونوں کے بغیر ہے، جن کو تم دیکھ سکو، (تفسیر قرطبی: ۵۸/۱۴) پہلے ترجمہ کے اعتبار سے اس کی مراد واضح ہے کہ دنیا میں چھوٹی سی چھوٹی اور ہلکی سی ہلکی چھت کے لئے بھی ستون کی ضرورت ہوتی ہے؛ لیکن اتنا بڑا اور وسیع آسمان کسی ستون کے بغیر اپنی جگہ رکا ہوا ہے، دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کے ستون تو ہیں؛ لیکن تم کو نظر نہیں آتے، موجودہ سائنسی تحقیق کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ مختلف سیاروں کے اندر جو قوت کشش رکھی گئی ہے، جس نے سب کو ایک مقررہ فاصلہ پر تھام رکھا ہے، یہی قوت ستون کا کام کر رہی ہے۔ واللہ اعلم

﴿۲﴾ عمدہ پودے رنگ و بو کے اعتبار سے بھی، مزے کے اعتبار سے بھی اور صحت کے لئے مفید ہونے کے اعتبار سے بھی۔

وَإِنْ جَاهِدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهَا فِي الدُّنْيَا  
مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾  
يُبْنَىٰ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمُوتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ  
يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۱۶﴾ يُبْنَىٰ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَامُرْ بِالْعُرْوَفِ وَأَنَّهُ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ  
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ  
وَاعْظُضْ مِّنْ صَوْتِكَ ۖ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿۱۹﴾

۲۱

اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ، جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، تو تم ان کا کہا نہیں مانو اور بہتر طور پر دنیا میں ان کے ساتھ رہو، نیز اس شخص کے راستہ کی پیروی کرو، جو میری طرف رجوع کرتا ہے، ﴿۱۵﴾ پھر میری ہی طرف تم سب کو واپس آنا ہے، تو میں تم کو تمہارے اعمال کے بارے میں بتا دوں گا ﴿۱۶﴾ اے میرے بیٹے! اگر رائی کے ایک دانے کے برابر بھی کوئی چیز ہو، خواہ وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں، تو اللہ تعالیٰ اس کو حاضر کر دیں گے، بے شک اللہ بڑے باریک بین اور بہت باخبر ہیں ﴿۱۷﴾ اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو، بھلائی کا حکم دیتے رہو، برائی سے روکتے رہو، اور جو مصیبت پیش آئے، اس پر صبر کرو، یقیناً یہ بڑے اہم کاموں میں سے ہے ﴿۱۸﴾ لوگوں سے اپنا رخ نہ پھیر لیا کرو اور نہ زمین میں اترا کر چلو، بے شک اللہ تکبر کرنے والے اور اترانے والے کو پسند نہیں فرماتے ﴿۱۹﴾ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو کہ سب سے بڑی آواز گدھے کی آواز ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ اس سے تقلید کا ثبوت ملتا ہے؛ کیوں کہ تقلید عملی احکام میں ایک ایسے فقیہ کی پیروی ہے، جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، علامہ ابوبکر جصاص رازی ؒ نے اسی سے اجماع یعنی ”کسی شرعی مسئلہ میں اُمت کا اتفاق“ کے حجت ہونے کو ثابت کیا ہے، (احکام القرآن: ۳/۵۲) کیوں کہ اجماع اللہ کی طرف رجوع کرنے والے نیک بندوں کا اجتماعی راستہ ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ لقمان ایک ایسے شخص تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فطری حکمت و دانائی سے نوازا تھا، ان کے والد کا نام بعض لوگوں نے باعوراء اور بعض نے عنقا بتایا ہے، ان کے نسب کے سلسلے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم ؑ کے والد آزر کی اولاد میں سے تھے اور بعض نے ان کو حضرت ایوب ؑ کا بھانجا یا خالہ زاد بھائی قرار دیا ہے، نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک ہزار سال کی عمر پائی اور حضرت داؤد ؑ نے بھی ان کے زمانہ کو پایا، یہ بنی اسرائیل کے قاضی بھی تھے، سیاہ فام تھے اور شکل و صورت بظاہر بہتر نہیں تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازا تھا، اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ نبی نہیں تھے؛ بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے اس سلسلہ میں صریح حدیث بھی نقل کی گئی ہے، حکمت سے مراد اصابت رائے یعنی درست رائے تک پہنچنا ہے، خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۵۹/۱۳، نیز دیکھئے: مدارک التنزیل: ۹۱۷) قرآن مجید نے جس اہتمام کے ساتھ لقمان کا —

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ ﴿۲۵﴾

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ نے اس کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم کو بھرپور طریقے پر عطا کی ہیں، پھر بھی بعض لوگ علم، ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر ہی اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں۔ ﴿۲۵﴾

— اور ان کی نصیحتوں کا ذکر کیا ہے، اس سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ لقمان علم و فضل کے حامل ایک برگزیدہ شخص تھے؛ البتہ تفسیر کی کتابوں میں ان کی نسبت سے جو باتیں نقل کی گئی ہیں، وہ کسی معتبر روایت پر مبنی نہیں ہیں، ان آیات میں لقمان کی نو (۹) نصیحتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو انھوں نے اپنے صاحبزادہ کو کی تھیں، اول: یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ؛ کیوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے، دوسرے: نماز قائم کرو، تیسرے: نیکی کا حکم دو، چوتھے: برائی سے روکنے کی کوشش کرو، پانچویں: اگر کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے تو اس پر صبر کرلو، چھٹے: لوگوں سے بے زنجی نہ برتو، ساتویں: زمین میں اترا کر نہ چلو جو تکبر کی علامت ہے، آٹھویں: چلنے میں میانہ روی اختیار کرو، یعنی کسی خاص سبب کے بغیر نہ بہت تیز چلو، اور نہ بالکل آہستہ، نویں: آواز کو پست رکھو، چیخنے چلاؤ اور ضرورت سے زیادہ زور سے بولنے سے بچو، جو متکبر لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ گدھے کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے اور یہی آواز سب سے ناپسندیدہ بھی ہوتی ہے، اس میں آخری چار نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے ہر عمل میں تواضع کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

ان نصیحتوں کے درمیان آیت نمبر: ۱۴، اور ۱۵ ہے، جس میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور خاص کر ماں کے درجہ و مقام پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو اولاد کے لئے غیر معمولی تکلیف اٹھاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اگر والدین تم سے کفر و شرک کا مطالبہ کریں تب بھی تم ان کے ساتھ بہتر سلوک رکھو؛ لیکن اس معاملہ میں ان کی بات نہ مانو، اس ذیل میں دو فقہی مسائل بھی آگئے، ایک یہ کہ دودھ پینے والے بچے کا دودھ دو سال میں چھڑا دینا چاہئے، یہی جمہور فقہاء کا نقطہ نظر ہے؛ البتہ احناف کے نزدیک چوں کہ اچانک دودھ کا چھڑا دینا بڑا دشوار ہوتا ہے، اس لئے مزید چھ ماہ تک دودھ پلانے کی گنجائش ہے، (ہندیہ: ۳۴۲/۱) دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی ایسی بات میں ماں باپ کی اطاعت جائز نہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو، خواہ مسلمان ماں باپ اس کا مطالبہ کریں یا غیر مسلم، تیسرے: ماں باپ چاہے غیر مسلم ہوں، ان کے حقوق اولاد کے ذمہ ہوتے ہیں، جیسے: نفقہ اور خدمت وغیرہ، (بدائع الصنائع: ۴۳۹/۳) اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ خواہ کوئی اچھی ہی بات کیوں نہ ہو پھر بھی ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنا بہتر نہیں، حضرت ابو محذورہ ؓ نے اذان طاعت سے زیادہ بلند آواز میں دی تو حضرت عمر ؓ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱/۱۴، مصنف عبدالرزاق، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۲۰۶۰)

﴿۱﴾ ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں، جن کو عقل اور احساس کے ذریعہ جانا جاسکتا ہے، باطنی نعمتوں سے وہ پوشیدہ نعمتیں مراد ہیں، جن کا عقل اور احساس کے ذریعہ ادراک نہیں ہو سکتا۔ (فتح القدیر: ۴/۲۳۳)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٣١﴾ وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۖ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٣٢﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۖ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٣٤﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٥﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٣٦﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس بات کی پیروی کرو، جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو وہ کہتے ہیں: نہیں، ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا اگرچہ کہ شیطان ان کے باپ دادا کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو (تب بھی وہ ان ہی کی پیروی کرتے رہیں گے؟) ﴿۳۱﴾ اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف رکھے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے مضبوط حلقہ کو تھام لیا، ﴿۳۲﴾ اور تمام چیزوں کا آخری انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ﴿۳۳﴾ اور جو لوگ کفر کریں، تو ان کا کفر آپ کے لئے رنج و غم کا باعث نہ بنے (کیوں کہ) ان سب کی واپسی ہماری ہی طرف ہوگی، تو ہم ان کو ان کے کرتوتوں کے بارے میں بتا دیں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں ﴿۳۴﴾ ہم ان کو چند دنوں فائدہ اٹھانے کا موقع دے رہے ہیں، پھر ہم ان کو سخت عذاب کی طرف کھینچ لائیں گے ﴿۳۵﴾ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ بھی ضرور کہیں گے: اللہ نے، آپ فرما دیجئے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں؛ لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں، ﴿۳۶﴾ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے، یقیناً اللہ بے نیاز ہیں اور بڑی خوبیوں والے ہیں۔ ﴿۳۷﴾

﴿۱﴾ انسان کو صحیح راستہ سے روکنے والا ایک اہم سبب باپ دادا کی اندھی تقلید ہے، چاہے وہ خود ہدایت سے محروم رہے ہوں۔  
 ﴿۲﴾ یعنی اس نے توحید کی رسی تھام لی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے ”العروۃ الوثقیٰ“ کی تفسیر ”لا الہ الا اللہ“ سے کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۷۴/۱۴)

﴿۳﴾ یہ عجب بات ہے کہ مشرکین کے مختلف گروہ شرک کا ارتکاب بھی کرتے ہیں اور عقیدہ توحید کا دعویٰ بھی، جیسے عیسائی تین خدا ماننے کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم ایک خدا کے قائل ہیں، خود ہندو ہزاروں دیویوں اور دیوتاؤں کو پوجنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اصل ایشور تو صرف اللہ کی ذات ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۚ اِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۱﴾ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثُكُمْ اِلَّا كُنُفُسٍ وَّاحِدَةً ۚ اِنَّ اللَّهَ سَبِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللَّهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى وَاَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳﴾

زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں اور (دنیا کے) سمندر کے علاوہ سات سمندر سیاہی بن جائیں، تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، یقیناً اللہ غالب اور خوب حکمت والے ہیں، ﴿۲۱﴾ تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے) کی طرح ہے، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ﴿۲۲﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور اسی نے سورج اور چاند کو قابو میں رکھا ہے، ہر چیز ایک مقررہ وقت تک چلتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”وَمَا اَوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيلاً“ (ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ بنی اسرائیل، حدیث نمبر: ۳۱۲۰) یعنی تمہیں بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے، کے بارے میں یہودیوں نے آپ ﷺ پر اعتراض کیا کہ ہمارے بارے میں ایسا کہنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید نے خود تورات کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے: ”تَبَيَّنَّا لَكُلِّ شَيْءٍ“ (نحل: ۸۹) اور ہم لوگ تورات کے عالم ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کو علم کی بہت کم مقدار دی گئی ہے، یہ حقیقت کا اظہار ہے اور سب کے لئے ہے، اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ اللہ کی باتیں، اس کی مخلوقات، اس کی قدرت کی نشانیاں اور اس کی صفات و کمالات، اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا، یہاں تک کہ اگر زمین کے تمام درختوں کے قلم بنادیں اور ایک ہی نہیں سات سات سمندر روشنائی بن جائیں، تب بھی وہ ختم نہ ہوں، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۶/۱۳۷) تورات میں ہر چیز کی وضاحت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے لئے ضروری احکام کی اس میں وضاحت کر دی گئی ہے، نہ یہ کہ اس نے اللہ کی تمام باتوں کو سمولیا ہے، اس تفسیر کے مطابق یہ آیت مدنی قرار پاتی ہے؛ کیوں کہ یہود سے آپ ﷺ کی ملاقات مدینہ میں ہوئی ہے، تاہم اس میں مشرکین کی تردید بھی ہے کہ خدا کی قدرت تو بے پناہ ہے، تم جن چیزوں کی پوجا کرتے ہو، وہ اس کی بنائی ہوئی کائنات کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ہیں، ایسی چیز کیسے خدا ہو سکتی ہے؟

﴿۲﴾ یعنی اللہ کے حکم سے کبھی دن کے اوقات بڑھ جاتے ہیں، کبھی رات کے، اور سورج و چاند کا بھی حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے نظام سے ذرا بھی ہٹ نہیں سکتے، تو تم تو ان کو خدا بنائے ہوئے ہو؛ حالانکہ یہ خود احکام خداوندی کو بجالانے میں لگے ہوئے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۱﴾  
 اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيْبْرِیْكُمْ مِنْ اٰیَتِهٖ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ  
 لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلُمِ الَّذِیْ دَعَا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا  
 نَجَّاهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۙ وَمَا يَجْحَدُ بِآیٰتِنَا اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۳﴾ لِآیٰتِهَا النَّاسُ  
 اَتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهٖ ۙ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَارٍ عَنْ وَالِدِهٖ شَیْئًا ۙ  
 اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیْوةُ الدُّنْیَا ۚ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ ﴿۳۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ  
 عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنْزِلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ۙ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا  
 تَكْسِبُ غَدًا ۙ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِآیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۵﴾

یہ سب اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برحق ہے اور اللہ کے سوا وہ جن کو پکارتے ہیں، وہ سب باطل ہیں اور یقیناً  
 اللہ ہی بلند مرتبہ والے اور بڑے ہیں ﴿۳۱﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں اللہ کے فضل سے سمندر میں چلتی ہیں؛  
 تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی نشانیاں دکھائیں؟ یقیناً اس میں ہر اس شخص کے لئے نشانیاں ہیں، جو صبر کرنے والا اور شکر  
 گزار ہے ﴿۳۲﴾ اور جب ان کو کوئی موج سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اللہ ہی کو — اس کے لئے دین کو  
 خالص کرتے ہوئے — پکارتے ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو خشکی کی طرف بچا کر لے آتے ہیں، تو ان میں سے  
 کچھ ہی لوگ درست راستہ پر قائم رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں، جو عہد کو توڑنے والے  
 اور ناشکری کرنے والے ہیں، ﴿۳۳﴾ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو، جس دن کوئی باپ  
 اپنے بیٹے کے بھی کام نہیں آئے گا اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ کے کچھ کام آئے گی، یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے؛  
 اس لئے دنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور وہ (شیطان) ہرگز تم کو اللہ کے معاملہ میں دھوکہ میں نہ ڈال  
 دے، ﴿۳۴﴾ یقیناً اللہ کو قیامت (کے وقت) کا علم ہے، وہی بارش برساتا ہے اور جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے، اس کو  
 جانتا ہے، کسی شخص کو معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی شخص کو اس بات کا علم ہے کہ کس زمین میں اس کی  
 موت واقع ہوگی؟ یقیناً اللہ ہی خوب جاننے والے اور خوب باخبر ہیں۔ ﴿۳۵﴾

﴿۱﴾ غیب سے وہ باتیں مراد ہیں، جو انسان کی نظر سے اوجھل ہوں اور علم سے ایسا علم مراد ہے، جو یقینی ہو، جو اندازہ اور تخمینہ پر مبنی  
 نہ ہو اور جس کو انسان کسی شخص یا کسی مشین کے واسطے سے نہ جانے، بلکہ براہ راست جان لے، پھر جو ہستی انسان کی نظر سے پوشیدہ —

→ تمام چیزوں کو یقینی طور پر اور بلا واسطہ جانتی ہو، اسی کو اصطلاح میں 'عالم الغیب' کہا جاتا ہے، عالم الغیب ہونا اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کا علم صرف اللہ ہی کو ہے: ”قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ“ (النمل: ۶۵) یوں تو غیب کی تمام باتیں صرف اللہ ہی جانتے ہیں؛ لیکن بعض باتیں وہ ہیں، جن کو انسان خاص طور پر جاننا چاہتا ہے، ایسی ہی پانچ باتوں کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے، اول: یہ کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے، دوسرے: بارش کے ہونے کا یقینی علم اللہ ہی کے پاس ہے؛ کہ وہ کب ہوگی، کتنی ہوگی اور کس علاقہ میں ہوگی؟ اگرچہ آج کل بارش کی پیش قیاسی کی جاتی ہے اور بعض دفعہ وہ صحیح بھی ثابت ہوتی ہے؛ لیکن یہ اندازہ پر مبنی ہوتا ہے؛ اس لئے بہت سی دفعہ پیش قیاسی کے خلاف صورت حال بھی سامنے آ جاتی ہے، تیسرے: رحم کے اندر جو بچہ ہے، اس کے بارے میں صحیح علم اللہ ہی کو ہے کہ وہ نیک و صالح ہوگا یا بد عمل، بعض اوقات ماں باپ بہت نیک ہوتے ہیں اور بچہ اس کے برخلاف ہوتا ہے، اور کبھی والدین اچھے نہیں ہوتے اور بچہ ولی صفت نکلتا ہے، اسی طرح بچہ کا رنگ گورا ہوگا یا کالا، اور وہ حمل میں کتنے دنوں رہے گا؟ یہ اللہ ہی کو معلوم ہے، لڑکا ہوگا یا لڑکی، اس کا براہ راست علم اللہ ہی کو ہے، اگرچہ آج کل ایک خاص مرحلہ کے بعد حمل میں موجود بچے کی جنس بتائی جاسکتی ہے؛ لیکن یہ مشینی آلات کے واسطہ سے، اور اس میں بھی بعض اوقات غلطی ہو جاتی ہے، چوتھی چیز: یہ ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا؟ کمانے میں تینوں باتیں شامل ہیں مال کا کمانا، اچھے یا برے عمل کرنا، اور اچھے یا برے حالات سے دوچار ہونا، قرآن مجید میں ان سب کو کمانے سے تعبیر کیا گیا ہے، پانچویں: کس شخص کی موت کہاں ہوگی؟ — ان ساری باتوں کو یقینی طور پر اور بلا واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ یا کوئی بھی پیغمبر عالم الغیب نہیں ہیں اور ان کو عالم الغیب کہنا مشرکانہ بات ہے، یہ جو فرمایا گیا کہ پیغمبر غیب کی باتوں کو بتانے میں بخیل نہیں ہیں، اس سے غیبی احوال مراد نہیں ہیں، جن کا اس آیت میں ذکر ہے؛ بلکہ غیبی احکام مراد ہیں، جو انبیاء کو دیئے جاتے ہیں؛ تاکہ وہ اسے لوگوں تک پہنچا دیں اور وہ اس پر عمل کر سکیں، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو بعض ایسے غیبی احوال بھی بتائے گئے ہیں، جن سے لوگوں کی نصیحت اور اصلاح متعلق ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اُمت کو آگاہ کر دیا ہے؛ چوں کہ یہ علم آپ ﷺ کو وحی کے واسطہ سے حاصل ہوا؛ اس لئے اس کو علم غیب نہیں کہا جاسکتا، اور اگر اس کی بنا پر حضور ﷺ کو عالم الغیب کہا جائے، تو پھر تو اُمت کو بھی عالم الغیب کہنا پڑے گا؛ اس لئے کہ غیب کی بہت سی باتیں آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو بتائی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے وہ بھی اس کا علم رکھتے ہیں۔







# سُورَةُ السَّجَّةِ

«سورہ نمبر : (۳۲)»

«رکوع : (۳)»

«آیتیں : (۳۰)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ میں مومنوں کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ آیت قرآنی کو سننے کے وقت سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں؛ اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'سورہ سجدہ' ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تک سورہ سجدہ اور سورہ ملک پڑھ نہ لیتے، سوتے نہ تھے: ”لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الْمَلِكِ وَالسَّجْدَةَ“ (ترمذی، باب ماجاء فی قصص سورۃ الملک، حدیث نمبر: ۲۸۹۲۰) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن نماز فجر میں ”سورہ سجدہ“ اور ”ہل اُتی علی الانسان حین من الدھر“ پڑھنے کا معمول تھا: ”أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْم تَنْزِيلَ وَهَلْ أَتَى ۰۰۰“۔ (مسلم، باب ما یقرآن فی یوم الجمعة، حدیث نمبر: ۶۵)

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی توحید و رسالت، آخرت کا تذکرہ ہے اور ان مضامین پر کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے استدلال فرمایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ نَنْزِلْ الْكِتٰبَ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُولُوْنَ افْتَرٰهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتَتْهُمْ مِنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَلَا شَفِیْعٍ ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عَلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةُ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ الف، لام، میم ۝ (۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب تمام عالم کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، ۝ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ نہیں؛ بلکہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے سچی کتاب ہے؛ تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں، جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا، ۝ (۲) شاید یہ لوگ صحیح راستہ پر آجائیں ۝ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہو گیا، ۝ (۳) اس کے سوا تمہارا نہ کوئی مددگار ہے نہ کوئی سفارشی، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ۝ وہ آسمان سے زمین تک ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے، پھر اسی کی طرف ہر چیز اس دن پہنچ جائے گی، ۝ (۴) جس کی مقدار تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کی ہوگی، ۝ (۵) وہی غائب اور حاضر کا جاننے والا، بہت زبردست اور بے حد مہربان ہے۔ ۝

(۱) سورہ بقرہ کے شروع میں اس سے متعلق وضاحت آچکی ہے۔

(۲) یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد خاص عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا، یہ اور بات ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی عرب کے بعض لوگ عقل اور فطرت کی آواز پر شرک سے بچے ہوئے تھے اور توحید پر قائم تھے، جیسے عمرو بن نفیل جو آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے سے تین سال یعنی ہجرت سے ۱۳ سال پہلے وفات پا گئے، اور ورقہ بن نوفل جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق کی تھی؛ لیکن جلد ہی ان کی وفات ہو گئی۔

(۳) یہ مضمون سورہ اعراف، آیت نمبر: ۵۴ میں گزر چکا ہے۔

(۴) یعنی زمین والوں کے اچھے اور برے اعمال کی داستان جسے فرشتے لے کر خدا کے حضور پہنچیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۸۷)

(۵) یعنی اس دن کی مقدار تو ایک ہزار سال کی ہوگی؛ لیکن بعض حضرات کو تکلیف و مشقت کی وجہ سے ایک ہزار سال کا صرف ایک دن پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا، اسی طرف سورہ معارج میں اشارہ کیا گیا ہے: ”فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ“۔ (المعارف: ۴)

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۖ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۙ وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُمْ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ كَفِرُونَ ۙ قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۙ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُبْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۙ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلَكِن حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۙ

اس نے جو چیز بھی بنائی، بہتر بنائی ﴿۱﴾ اور مٹی سے انسان کے پیدا کرنے کا آغاز کیا، ﴿۲﴾ پھر اس کی نسل کو ایک نچوڑے ہوئے معمولی پانی کے ذریعہ بنایا ﴿۳﴾ پھر اس کو درست کیا، اس میں اس کی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو، ﴿۴﴾ اور ان لوگوں نے کہا: جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے رب سے ملاقات ہی کے قائل نہیں ہیں ﴿۵﴾ آپ کہہ دیجئے: وہی فرشتہ موت تمہاری جان نکالیں گے، جن کو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۶﴾ کاش، آپ اس وقت کو دیکھتے جب یہ مجرمین اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے (اور عرض کر رہے ہوں گے:) ”اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب پھر ہمیں واپس بھیج دیئے، ہم نیک عمل کیا کریں گے، ہمیں پورا یقین ہو گیا ہے“ (اللہ فرمائیں گے:) ﴿۷﴾ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کے صحیح راستے پر لے آتے؛ لیکن میری طرف سے یہ بات طے ہو چکی تھی، کہ میں ضرور دوزخ کو جناتوں سے اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ ﴿۸﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق اپنی جگہ مکمل اور ظاہری و معنوی خوبیوں کو لئے ہوئی ہے۔

﴿۲﴾ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ اس نے پہلے انسان کو مٹی سے اور اس کی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا، جو معمولی اور حقیر سمجھا جاتا ہے؛ لیکن اسی سے انسان جیسی عظیم مخلوق وجود میں آئی۔

﴿۳﴾ فرشتہ موت سے مراد حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۹۳)

﴿۴﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہر ایک کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا منشاء ہی یہ ہے کہ انسان کا امتحان لیا جائے اور جو لوگ اس امتحان میں ناکام ہو جائیں، انہیں جہنم میں داخل کیا جائے؛ اس لئے اگر کچھ لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں تو اس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے عین مطابق ہے۔

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ اِنَّا نَسِينُكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيَاتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ ﴿۱۹﴾

السجدة ۹

لہذا جیسے تم نے اس دن کے آنے کو بھلا دیا تھا، اب اس کا مزا چکھو، (آج) ہم نے بھی تم کو بھلا دیا ہے اور تم اپنے کرتوتوں کی بدولت ہمیشہ کا عذاب چکھتے رہو ﴿۱۷﴾ ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کو ان آیات کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں، وہ اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے، ﴿۱۸﴾ ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۵، ۱۶ میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ ﷺ غم نہ کریں، کہ یہ تو بگڑے ہوئے لوگ ہیں؛ لیکن نیک اور اچھے لوگ جو اللہ کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور جن کے اندر تکبر نہیں ہے، وہ آپ ﷺ پر ایمان لا رہے ہیں، سجدے کی کیفیت کے ساتھ ”سبحوا بحمد ربہم“ فرمایا گیا، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کے ساتھ ساتھ تسبیح بھی کرتے ہیں، اس میں سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ کی طرف اشارہ ہو گیا، اس میں سبحان کا لفظ تسبیح ہے اور اعلیٰ کا لفظ حمد ہے، پھر ان کی صفت بیان کی گئی کہ ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، یعنی جو وقت بستر پر آرام کرنے کا ہے، اس وقت وہ بستر سے الگ ہو کر نماز پڑھتے ہیں، اکثر مفسرین نے اس سے نماز تہجد مراد لی ہے اور حضرت معاذ بن جبل ؓ کی ایک روایت میں خود حضور ﷺ سے اس آیت کی تفسیر: ”صلاة الرجل من جوف الليل“ کے لفظ سے منقول ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، (ترمذی: کتاب الایمان، حدیث نمبر ۲۶۱۶) بعض مفسرین نے اس سے نماز عشاء، بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان نفل، اور بعض نے عشاء اور فجر کو باجماعت ادا کرنا مراد لیا ہے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۰۰/۱۲) — اس سے نماز تہجد کی اہمیت و فضیلت معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے کہ تین شخص ہیں، جن کو دیکھ کر اللہ خوش ہوتے ہیں، ان میں ایک شخص وہ ہے جو رات میں اپنے بستر اور لحاف چھوڑ کر بیدار ہو، اچھی طرح وضو کرے اور نماز کے لئے کھڑا ہو جائے، اللہ اپنے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ میرے بندے کو اس عمل پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: آپ اس کو زیادہ جانتے ہیں، اللہ فرماتے ہیں: میں جانتا ہوں؛ لیکن تم مجھے بتاؤ، فرشتے کہتے ہیں: آپ نے اس کو کسی چیز کی اُمید دلائی ہے، اس کی اُمید کر کے، اور کسی چیز سے ڈرایا ہے تو اس سے ڈر کر، اللہ فرماتے ہیں کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کو اس چیز سے محفوظ کر دیا، جس کا اسے خوف ہے اور اس کے حق میں اس چیز کا فیصلہ کر دیا جس کی اس کو اُمید ہے، (طبرانی فی الکبیر: ۱۰۱/۹، حدیث نمبر: ۸۵۳۲) — آگے تیسری صفت بیان کی گئی کہ وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید کے ساتھ پکارتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دُعا میں انسان کو اللہ کا خوف بھی ہونا چاہئے اور اللہ سے اُمید بھی۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾ أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوُونَ ﴿۱۸﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوٰی نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَنذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰی دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَن أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا<sup>۲</sup> مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَآئِهِ ۖ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿۲۳﴾

کسی (مسلمان) کو وہ چیز معلوم نہیں ہے جو ان کے لئے چھپا کر رکھی گئی ہے، یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک، جو ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہے، ﴿۱۷﴾ جو شخص مسلمان ہے، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے، جو نافرمان ہے؟ یہ برابر نہیں ہو سکتے، ﴿۱۸﴾ غرض کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا تو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنت ہے، یہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کی مہمان نوازی ہے ﴿۱۹﴾ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جب بھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے، اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے اس عذاب کو چکھو، جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، ﴿۲۰﴾ اور ہم ان کو بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب چکھاتے رہتے ہیں؛ تاکہ وہ (ہماری طرف) لوٹ آئیں، ﴿۲۱﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، جس کو اس کے پروردگار کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جائے، پھر بھی وہ اس سے بے رخی برتے؟ یقیناً ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے، ﴿۲۲﴾ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی؛ لہذا آپ کو بھی کتاب کے ملنے کے بارے میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے ﴿۲۳﴾ اور ہم نے اُس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ یعنی آخرت میں اہل جنت کو جو انعام دیا جائے گا، وہ انسان کے تصور سے بھی بالاتر ہوگا، وہ ایسی نعمتیں ہوں گی، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل پر ان کا خیال تک گذرا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی دنیا میں نسبتاً چھوٹے موٹے عذاب قحط وغیرہ کی شکل میں دیتے رہتے ہیں؛ تاکہ ان کو تنبیہ ہو اور یہ تنبیہ ان کو اللہ کی طرف لے آئے۔

﴿۳﴾ ”لقائہ“ میں کس کا ملنا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے مختلف اقوال منقول ہیں؛ لیکن آیت کے مضمون سے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ اس سے آسمانی کتاب کا ملنا مراد ہے، یعنی جیسے ہم نے حضرت موسیٰ ﷺ کو کتاب عطا کی تھی، اسی طرح آپ کو بھی کتاب عطا کی ہے، اس بات میں آپ کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، امام فخر الدین رازی ﷺ نے یہ قول نقل کیا ہے، (مناقب الغیب: ۲۴۰/۵۶۲) اور قاضی بیضاوی ﷺ، نیز علامہ آلوسی ﷺ نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے، (تفسیر بیضاوی: ۴/۱۵۷، روح المعانی: ۲۱/۱۳۷) برصغیر کے مفسرین میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ﷺ نے بھی یہی نقطہ نظر اختیار کیا ہے۔ (بیان القرآن: ۹/۳۲)

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اُمَّةً يَهْدُونَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِاٰيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ  
يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِیْمَا كَانُوا فِيْهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۳﴾ اَوْ لَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا  
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ۭ اَفَلَا یَسْمَعُونَ ﴿۳۴﴾ اَوْ  
لَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنَخْرُجُ مِنْهُ زَرْعًا ۖ نَّأْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ  
وَاَنْفُسُهُمْ ۚ اَفَلَا یُبْصِرُونَ ﴿۳۵﴾ وَیَقُولُونَ مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾ قُلْ یَوْمَ  
الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوا اِیْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُونَ ﴿۳۷﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ  
اِنَّهُمْ مُّنتَظِرُونَ ﴿۳۸﴾

نیز ہم نے ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ان میں سے کئی پیشوا بنائے، جو ہمارے حکم کے مطابق راستہ بتاتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے، (۱) ﴿۳۲﴾ بے شک آپ کے پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان اُن چیزوں کے بارے میں فیصلہ فرمادیں گے، جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں، ﴿۳۳﴾ کیا یہ بات ان کو ہدایت پر نہیں لائی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی اُمتوں کو ہلاک کر دیا ہے، جن کی بستیوں میں یہ چلا پھرا کرتے ہیں، ﴿۳۴﴾ یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں، کیا وہ سنتے نہیں ہیں؟ ﴿۳۵﴾ اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی کو بہالے جاتے ہیں، پھر اس سے کھیتیاں نکالتے ہیں، جس سے ان کے جانور بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی، کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں؟ ﴿۳۶﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا؟ ﴿۳۷﴾ آپ فرمادیجئے: کفر کرنے والوں کو فیصلہ کے دن ان کا ایمان لانا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی؛ ﴿۳۸﴾ لہذا ان سے پہلو تہی اختیار کیجئے اور انتظار کرتے رہئے، یقیناً وہ لوگ بھی (اپنے انجام کا) انتظار ہی کر رہے ہیں۔ ﴿۳۹﴾

﴿۱﴾ پیشوا سے مراد انبیاء بھی ہو سکتے ہیں، اور بنی اسرائیل کے علماء اور مصلحین بھی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۰۹)

﴿۲﴾ یعنی قوم لوط اور قوم عاد و ثمود وغیرہ، جن کے کھنڈرات اہل مکہ کو تجارتی اسفار میں ملا کرتے تھے۔

﴿۳﴾ یعنی زمین کو سیراب کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہاں بارش برسائی جاتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک مقام پر بارش ہوتی ہے، پانی کی کثرت کی وجہ سے یہ پانی دریاؤں اور ندیوں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور ایسے علاقہ تک پہنچ جاتا ہے جو پانی سے محروم ہو۔

﴿۴﴾ یعنی مشرکین کہتے ہیں کہ جس فیصلہ کے دن، یعنی قیامت کا بار بار ذکر کرتے ہو، آخر وہ کب آئے گی؟ — جواب دیا گیا کہ وہ دن آئے گا ضرور؛ لیکن تمہارے لئے اصل فکر کی بات یہ ہے کہ جب یہ دن آئے گا تو اس وقت پھر تم کو کوئی مہلت نہیں مل سکے گی، غرض کہ فتح سے قیامت مراد ہے، تاہم بعض مفسرین نے اس سے جنگی فتح و کامیابی مراد لی ہے اور فیصلہ کے دن سے غزوہ بدر یا فتح مکہ کا دن مراد لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۱، ۱۲)







# سُورَةُ الْأَحْزَابِ

«سورہ نمبر : (۳۳)»

«رکوع : (۹)»

«آیتیں : (۷۳)»

«نوعیت : مدنی»

آسان تفسیر قرآن مجید

حزب کے معنی جماعت، گروہ، جتھے کے آتے ہیں، اسی کی جمع 'احزاب' ہے، جس کے معنی ہیں: بہت سے گروہوں اور جماعتوں کا مجموعہ، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یوں تو مدینہ پر اہل مکہ کی طرف سے کئی حملے ہوئے؛ لیکن ان میں سب سے خطرناک اور دشمنانِ اسلام کی سازش کے اعتبار سے فیصلہ کن حملہ وہ تھا، جس میں مسلمانوں کے خلاف قریش مکہ، بنو غطفان اور یہودیوں میں سے بنو قریظہ ایک جٹ ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہو گئے اور جو منافقین مسلمانوں کی صف میں گھسے ہوئے تھے، انھوں نے بھی درپردہ اس سازش کو کامیاب کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اسلام کے خلاف بننے والی اس اتحادی طاقت کو قرآن نے 'احزاب' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، (آیت: ۲۰، ۲۲) اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام احزاب ہے، ویسے اس غزوہ کو احزاب بھی کہتے ہیں اور خندق بھی، خندق کے معنی گڑھے اور کھائی کے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ایک جنگی تدبیر کے طور پر پیچھے کی طرف سلع نامی پہاڑی رکھ کر ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق سامنے سے چھ ہزار گز لمبی، دس گز چوڑی اور دس گز گہری خندق کھودی گئی: (عہد نبوی کے میدان جنگ: ۲۷، ۲۸) تاکہ دشمن خندق پار کر کے حملہ آور نہ ہو سکے۔

یہ سورہ جہاں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے دواہم واقعہ غزوہ احزاب اور غزوہ بنو قریظہ پر روشنی ڈالتی ہے، وہیں بہت سے شرعی احکام پر مشتمل ہے، جیسے: یہ بات کہ اب قانون میراث رشتہ کی بنیاد پر ہو گا نہ کہ اس اسلامی بھائی چارہ کی بنیاد پر، جو آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان قائم فرمادی تھی، ایسی طلاق شدہ عورت کا حکم جس کو میاں بیوی کے تعلق سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو، عورتوں کے لئے حجاب کا حکم کہ جب گھر سے باہر نکلیں تو گھونگھٹ ڈال کر نکلا کریں، ان کے ساتھ ساتھ دوا ایسے احکام بھی دیئے گئے ہیں، جن کا مقصد زمانہ جاہلیت کی رسموں کو ختم کرنا ہے، ایک یہ کہ کوئی شخص بیوی کو ماں سے تشبیہ دے دیتا تو وہ ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جاتی، اور وہ گویا ماں کے درجہ میں آ جاتی، دوسرے: اگر کوئی شخص کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو اس کو اپنے بیٹے کا درجہ حاصل ہو جاتا اور اس کی بیوی کو اپنی بہو کی طرح محرم سمجھا جاتا، اس رسم کی جڑیں اتنی گہری ہو گئی تھیں کہ اس کو ختم کرنے کے لئے ایک واضح مثال اور عملی نمونہ ضروری تھا، اسی مقصد کے تحت حضرت زید رضی اللہ عنہ — جن کو آپ نے پہلے اپنا بیٹا بنا لیا تھا — بہ مشیتِ خداوندی ان کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا، پھر مزاج کی ناموافقت کی وجہ سے طلاق ہو گئی، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوا؛ تاکہ عملی طور پر اس رسم کا خاتمہ کیا جاسکے، اسی واقعہ کو منافقین نے غلط فہمی اور بدگمانی پیدا کرنے کا ذریعہ بنا لیا تو ان کی تردید کی گئی۔

اس سورہ میں کچھ تعلیمات وہ بھی ہیں، جو آداب کے قبیل سے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کا ادب، آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا طریقہ، ازواجِ مطہرات سے چیزیں طلب کرنے کا سلیقہ، ولیمہ اور کسی دعوت میں شرکت کا ادب وغیرہ، رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کو قناعت و توکل کا راستہ اختیار کرنا چاہئے؛ کیوں کہ وہ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں، ان کو رسول اللہ ﷺ کے حرم میں ہونے کا جو شرف عطا کیا گیا ہے، یہ خود بہت بڑا اعزاز ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾  
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢﴾  
وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٣﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ  
وَكُفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٤﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۱﴾ اے پیغمبر! اللہ سے ڈرتے رہئے، ایمان نہ لانے والوں کی اور منافقوں کی بات نہ مانئے، یقیناً اللہ بہت علم والے اور خوب حکمت والے ہیں، ﴿۲﴾ اور آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کتاب اُتاری جا رہی ہے، اسی کی پیروی کرتے رہئے، (اے لوگو!) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہیں ﴿۳﴾ (اور اے پیغمبر! اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے اور کام بنانے کے اعتبار سے) (بھی) اللہ ہی کافی ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۳﴾

۱﴾ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس بات کے لئے بے قرار رہتے تھے کہ جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں، وہ ہدایت کی طرف آجائیں، اس مقصد کے لئے یہودیوں، مکہ کے مشرکوں اور مسلمانوں کی صفوں میں چھپے ہوئے منافقوں کی طرف سے جب بھی کسی گفتگو کی پیشکش ہوتی تو آپ اسے اس اُمید پر قبول فرمالیتے کہ شاید یہ ملاقات ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے؛ چنانچہ مختلف ایسی باتیں پیش آئیں، جن کے پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں، اول یہ کہ مدینہ میں یہودیوں کے تین قبائل تھے: بنو نضیر، بنو قریظہ، آپ ان کے ساتھ خاص طور پر نرمی اور دگرگزر کا معاملہ فرماتے تھے کہ شاید اس سے ان کو ایمان لانے کی ترغیب ہو، اسی طرح منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کے یہاں غزوہ اُحد کے بعد مکہ سے ابوسفیان، ابو جہل کے بیٹے عکرمہ اور ابوالاعور آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی کہ آپ ہمارے معبودوں لات، عزری، منات کو بُرا بھلا نہ کہیں اور صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ اپنی پوجا کرنے والوں کی شفاعت کریں گے، تو پھر ہم آپ سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کریں گے، حضور ﷺ کو ان کی یہ بات بہت گراں گزری، حضرت عمرؓ نے ان کو قتل کرنے کی اجازت چاہی؛ کیوں کہ وہ کھلے ہوئے دشمن تھے اور غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا چکے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی؛ کیوں کہ آپ ﷺ کے نمائندوں کو امان دے چکے تھے، اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں، جس میں دو باتوں کا حکم دیا گیا: ایک یہ کہ آپ اللہ سے ڈریں، یعنی جن یہودی قبیلوں سے آپ نے باہمی امن و امان کا معاہدہ کر رکھا ہے، یا مکہ سے آنے والے جن لوگوں کو آپ نے امان دے رکھی ہے، ان سے وعدہ کا پاس و لحاظ رکھیں اور وعدہ توڑنے سے بچیں، دوسرے: اشاعت اسلام کے جذبہ کے تحت اپنے اُصول سے ہرگز نہ ہٹیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسی پر قائم رہئے اور ان کی بات ہرگز تسلیم نہ کریں، (مُلخص از: تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۱۴-۱۱۵) اس حکم میں خطاب تو آپ ﷺ سے ہے؛ لیکن اس کی اصل مخاطب پوری اُمت ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ سے اس بات کی اُمید ہی نہیں کی جاسکتی تھی کہ آپ کسی ایسی پیشکش کو قبول کر لیں گے، جو دائرہ ایمان سے باہر ہو، ہاں، کسی درجہ میں مسلمانوں سے اس کا اندیشہ کیا جاسکتا تھا کہ ←

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اَللّٰهُ تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۳۱﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اَبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِیْہَا اَخْطَاْتُمْ بِہٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۳۲﴾

اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے ہیں، ﴿۱﴾ تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو، اللہ نے ان کو تمہاری ماں نہیں بنا دیا ہے، ﴿۲﴾ اور نہ تمہارے منہ بولے کو تمہارا بیٹا بنایا ہے، یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں، اللہ سچی بات فرماتے ہیں اور سیدھا راستہ دیکھاتے ہیں، ﴿۳﴾ ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے بلایا کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ زیادہ انصاف کی بات ہے، اگر تم ان کے باپوں سے واقف نہیں ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، اس سلسلہ میں تم پہلے جو غلطی کر چکے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے؛ لیکن (آئندہ) جو کچھ دل کے ارادہ سے کرو گے (اس پر پکڑ ہوگی) اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں۔ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

← وہ کبھی مخالف اسلام طاقتوں کے دباؤ میں آکر یا لالچ میں پڑ کر صحیح راستہ سے ہٹ جائیں؛ اس لئے آپ کے واسطہ سے امت کو متنبہ کر دیا گیا، آج پوری دنیا میں کوشش کی جا رہی ہے کہ اسلام کو تراش خراش کر پیش کیا جائے، مسلمان شریعت کے بعض احکام سے دستبردار ہو جائیں، وہ کفر و شرک کے شعار کو قبول کر لیں اور بد قسمتی سے بعض مسلمان حکمران اور مغرب زدہ مسلم عوام عملی طور پر اس کا شکار ہو رہے ہیں، یہ آیات ان کے لئے واضح تنبیہ ہیں!

﴿۱﴾ یہاں قرآن مجید میں زمانہ جاہلیت کے تین غلط تصورات کی تردید کی گئی ہے، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ ان کے یہاں جو لوگ بہت ذہین ہوتے، ان کے بارے میں تصور کیا جاتا کہ اس شخص کے پاس دو دل ہیں اور وہ دو دلوں سے سوچتا سمجھتا اور غور کرتا ہے، (قرطبی: ۱۱۹/۱۳) اس کی تردید کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک ہی دل دیا ہے؛ البتہ جیسے دوسرے اعضاء مختلف انسانوں کو دیئے جاتے ہیں؛ لیکن ان کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے، کسی کی بینائی تیز ہوتی ہے کسی کی کمزور، کسی کی آواز بلند ہوتی ہے کسی کی آہستہ، کسی کی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، کوئی کمزور ہوتا ہے، اسی طرح دل و دماغ انسان کو ایک ایک ہی دیئے گئے ہیں؛ لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا فرق ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ یہ اسلام سے پہلے کی دوسری رسم کا ذکر ہے، یہ رسم اس طرح تھی کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہتا کہ تم میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو، یا میری ماں کی طرح ہو تو خیال کیا جاتا کہ اب یہ شوہر بیوی کی پیٹھ کے درجہ میں آگئے اور عورت بیوی باقی نہ رہی، ماں کے حکم میں ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کر دی کہ ماں کی پیٹھ کا رشتہ زبان کے بول سے وجود میں نہیں آتا، کسی عورت کو ماں کے مشابہ قرار دینے سے وہ ماں نہیں ہو جاتی۔ (سورہ مجادلہ، آیت: ۲ میں اس کی تفصیل آئے گی) ←

← ﴿۳﴾ اب تیسری رسم کا ذکر ہے، اسلام سے پہلے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ لوگ کسی دوسرے کی اولاد کو منہ بولا بیٹا یا منہ بولی بیٹی بنالیا کرتے تھے، ان کو تمام معاملات میں حقیقی بیٹے بیٹی کا درجہ حاصل ہوتا تھا، بیٹا بنانے والے کی بیوی اس کی ماں سمجھی جاتی تھی، خود منہ بولے بیٹے کی بیوی اس کی بہو تصور کی جاتی اور اس سے نکاح کو ممنوع سمجھا جاتا تھا، اسی رسم کے تحت رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا، اس کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت زیدؓ تھے تو آزاد؛ لیکن کچھ لوگوں نے زبردستی ان کو قید کر کے غلام بنالیا تھا، پھر حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزامؓ نے ان کو خرید کر حضرت خدیجہؓ کو بہہ کر دیا، جب حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں تو وہ آپ ﷺ کے خاص خادموں میں شامل کر لئے گئے، پھر کسی طرح ان کے والد اور چچا کو خبر ہوئی کہ حضرت زیدؓ مکہ میں موجود ہیں اور انھیں غلام بنالیا گیا ہے، وہ مکہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ انھیں ہمارے ساتھ جانے دیں اور ان کا فدیہ مجھ سے قبول کر لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو اختیار ہے، اگر یہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں، حضرت زیدؓ کے والد اور چچا نے حضرت زیدؓ کو ترغیب دی کہ وہ ان کے ساتھ واپس چلیں؛ لیکن حضرت زیدؓ کی جاں نثاری دیکھنے کے انھوں نے آپ ﷺ کی غلامی کو اس آزادی پر ترجیح دی، جو ان کو حضور ﷺ سے دُور کر دے اور والد اور چچا کی ہزار خواہش کے باوجود ان کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوئے، آپ ﷺ کو ان کی یہ وفا شکاری اس قدر بھائی کہ آپ حضرت زیدؓ کو لے کر کعبۃ اللہ کے پاس گئے اور اعلان فرمایا: اے گروہ قریش! گواہ رہو کہ اب زید میرا بیٹا ہے، وہ مجھ سے وارث ہوگا اور میں اس سے وارث ہوں گا (قرطبی: ۱۱۸/۱۳) چنانچہ اس کے بعد لوگ حضرت زیدؓ کو ”زید بن محمد“ کہنے لگے، ان آیات میں اس رسم کے غیر معتبر ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ بچہ کو اس کے حقیقی باپ ہی کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے، اسی لئے پھر ”زید بن حارثہؓ“ کہا جانے لگا اور یہ بھی فرمایا گیا کہ اگر ان کے والد کے بارے میں معلوم نہ ہو تو ان کو اپنا بھائی اور دوست کہو؛ لیکن کسی اور شخص کی طرف اس کے بیٹے ہونے کی نسبت نہ کرو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اس کے والد کے بجائے دوسرے کی طرف نسبت کر کے بلایا جائے؛ حالانکہ معلوم ہو کہ وہ اس کے والد نہیں ہیں تو اس پر جنت حرام ہے، (بخاری، کتاب الفرائض، باب من ادعی الی غیر اُبیہ، حدیث نمبر: ۶۳۸۵) غرض کہ نکاح ہی اک ایسا رشتہ ہے جو زبان کے بول سے وجود میں آتا ہے، ماں باپ اور اولاد کا رشتہ صرف الفاظ سے وجود میں نہیں آ سکتا؛ البتہ اگر ازراہ شفقت و محبت اپنے بھتیجے بھانجے یا اپنے سے چھوٹے لوگوں کو بیٹا کہہ دیا جائے تو اس میں حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ سے بھی اس کا ثبوت ہے، (ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی التسلیم إذا دخل بیتہ، حدیث نمبر: ۲۶۹۸) اور سلف صالحین سے بھی؛ کیوں کہ اس کا مقصد نسبت کا بدلنا نہیں ہے؛ بلکہ شفقت و محبت کا اظہار ہے۔

دنیا کی مختلف قوموں میں اب بھی منہ بولے بیٹے کا رواج ہے، ہندو مذہب میں بھی اس کو تسلیم کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک انسان کی ”مگنتی“ (نجات) کے لئے ضروری ہے کہ اس کی لاش کو کوئی نر اولاد آگ دکھائے، اسی طرح بیشتر مغربی ممالک میں بھی منہ بولی اولاد کے تصور کو قبول کیا گیا ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ مغربی سماج میں نکاح کی شرح گھٹتی جا رہی ہے، بڑی عمر میں شادی کرنے کی وجہ سے بچوں کی پیدائش بہت ہی کم ہو گئی ہے؛ اس لئے لوگوں کی بڑی تعداد اولاد سے محروم رہتی ہے اور انسان میں صاحب اولاد ہونے کا ایک فطری جذبہ پایا جاتا ہے، تو اس مصنوعی طریقہ سے وہ ماں باپ بننے کے جذبات کی ←

اَلنَّبِيُّ اُولٰٓئِیْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَتُهُمْ ۖ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلٰی اَوْلِیَّکُمْ مَّعْرُوْفًا ۖ كَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتَابِ مَسْطُوْرًا ﴿۱﴾

پیغمبر ایمان والوں کی جانوں سے بھی بڑھ کر ان سے قریب ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، اللہ کی کتاب کی رو سے (دوسرے) اہل ایمان اور مہاجرین کے مقابلہ رشتہ دار ایک دوسرے (کے ترکہ) کے زیادہ حقدار ہیں، سوائے اس کے کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، (تو اس کی گنجائش ہے) یہ احکام کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔ ﴿۱﴾

← تسکین کرتے ہیں؛ لیکن اس کا غلط ہونا واضح ہے، جو رشتہ فطری نظام پر مبنی ہو، وہ اس کے بغیر کیسے وجود میں آسکتا ہے؟ اور پھر حقیقی والدین اور اولاد کی سی محبت مصنوعی والدین اور اولاد کے درمیان کیوں کر ہو سکتی ہے؟

﴿۱﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، پہلی بات یہ کہ مسلمانوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات ان کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہونی چاہئے، وہ آپ کے حکم کو اپنی خواہش پر ترجیح دیں، بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ شروع شروع میں جب کوئی مسلمان مقروض ہونے کی حالت میں گزر جاتا تو آپ ﷺ ان پر خود نماز جنازہ نہیں پڑھتے، دوسرے رفقاء سے فرماتے کہ وہ ان پر نماز جنازہ پڑھ لیں، پھر جب فتوحات حاصل ہوئیں تو ایسے لوگوں کے قرض کی ادائیگی آپ نے اپنے ذمہ لے لی اور ترکہ کا مستحق ان کے رشتہ داروں کو قرار دیا اور فرمایا: ”اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ“ (بخاری، کتاب الخفایہ، باب الدین، حدیث نمبر: ۲۱۷۶، مسلم، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثتہ، حدیث نمبر: ۱۶۱۹) گویا رسول اللہ ﷺ احکام کی اطاعت کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کے حق میں ان کی ذات پر مقدم ہیں اور ان کے واجبات کی ادائیگی کے اعتبار سے بھی حضور ﷺ کا سلوک ان کے ساتھ وہی ہوتا تھا، جو ایک باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے — دوسری بات یہ بتائی گئی کہ حضور ﷺ کی پاک بیویاں اُمت کی مائیں ہیں؛ لیکن ماں ہونے سے مراد دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ اپنی ماں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اُمہات المؤمنین کا احترام کرنا اور ان کے بارے میں اپنی زبان کی حفاظت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، دوسرے: جیسے اپنی ماں سے نکاح حرام ہوتا ہے، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج سے بھی نکاح حرام ہے؛ لیکن ماں سے متعلق دو احکام وہ ہیں، جو ازواج مطہرات سے متعلق نہیں کئے گئے، ایک یہ کہ ماں پر اپنی اولاد سے پردہ نہیں ہے؛ لیکن ازواج مطہرات پر پردہ کا حکم باقی رکھا گیا، دوسرے ماں سے اولاد اور اولاد سے ماں کو میراث ملتی ہے؛ لیکن روحانی اولاد ہونے کی حیثیت سے اُمت کو ازواج مطہرات کا وارث نہیں بنایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی حد درجہ گناہ ہے کہ یہ اپنی ماں کے ساتھ بھی بدسلوکی ہے اور رسول ﷺ کو بھی تکلیف پہنچانا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَنُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۖ لِّيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا، آپ سے بھی، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے بھی، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا، ۱ تا کہ سچ کہنے والوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کریں اور اللہ نے ایمان نہ لانے والوں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱) ۵

← تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی دور میں دینی رشتہ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے وراثت حاصل ہوتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد انصار و مہاجرین میں سے ایک ایک فرد کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، وہ نہ صرف زندگی میں ایک دوسرے کے مال سے استفادہ کرتے تھے؛ بلکہ موت کے بعد بھی ایک دوسرے کے مال کے وارث ہوا کرتے تھے، اسی طرح اسلام قبول کرنے والوں میں سے اگر ایک شخص ہجرت کر جاتا اور دوسرا ہجرت نہیں کرتا تو قریبی رشتہ داری کے باوجود ہجرت نہ کرنے والے کو ہجرت کرنے والے کے مال سے ترکہ نہیں ملتا، ابتدائی دور کے ان دونوں احکام کو اس فرمان کے ذریعہ ختم کر دیا گیا کہ اب رشتہ داری ہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اسلامی رشتہ کی بنیاد پر جو بھائی چارہ قائم کیا گیا ہے، اس کے لحاظ سے میراث کی تقسیم نہیں ہوگی؛ البتہ دینی رشتہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا دروازہ کھلا ہوا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/۱۲۲) — ان احکام کے کتاب میں لکھے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تم کو پہلے کچھ اور حکم دیا گیا اور اب اس حکم کی جگہ کچھ اور حکم دیا جا رہا ہے، تو اسے تضاد نہ سمجھو، اللہ کے یہاں پہلے سے یہی حکم طے تھا اور لکھا ہوا تھا۔

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے عالم ازل میں ایک عہد تو تمام انسانوں سے لیا ہے کہ وہ سب اللہ ہی کو اپنا رب تسلیم کریں گے اور دوسرا عہد خاص طور پر انبیاء کرام سے لیا کہ وہ اپنی اپنی اُمتوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں گے اور ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کریں گے؛ تا کہ قیامت کے دن خاص طور پر ان سے اس کے بارے میں سوال ہو اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جب انبیاء سے بھی باز پرس ہو رہی ہے تو اوروں کا کیا شمار؟ اس میں خاص طور پر چار پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی ایک وجہ تو ان کی خصوصی فضیلت ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۳/۱۲۷) دوسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ کے مخاطب تھے، وہ ان پیغمبروں سے متعارف تھے، اہل مکہ حضرت نوح ﷺ اور حضرت ابراہیم ﷺ سے اور اہل مدینہ حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ سے، اس میں رسول اللہ ﷺ سے بھی عہد لینے کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آنے والے تھے، جن کے حق میں آپ سے عہد لیا گیا؛ بلکہ آپ نے گزشتہ پیغمبروں کی جو تصدیق فرمائی، اس کا عہد لینا مراد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۹﴾

اے مسلمانو! تم اپنے آپ پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب (دشمن کی) فوجیں تمہارے سامنے آئیں تو ہم نے ان پر ہوا اور تم کو نظر نہ آنے والی (فرشتوں کی) فوجوں کو بھیج دیا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہے تھے، ﴿۹﴾

﴿۹﴾ آیت نمبر: ۹ سے آیت نمبر: ۲۷ تک غزوہ احزاب، جس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں، اور اس سے متصل یہودیوں سے ہونے والی جنگ یعنی غزوہ بنو قریظہ کا ذکر ہے، ہجرت کے پانچویں سال رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا یہ اہم واقعہ پیش آیا، اہل مکہ کو مسلمانوں کا مدینہ میں سکھ چین کے ساتھ رہنا کسی طرح گوارا نہیں تھا، وہ بار بار اس چھوٹی سی نوآبادی پر یلغار کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اس کی اینٹ سے اینٹ بچ جائے، ہجرت کے دوسرے ہی سال انھوں نے بدر کے میدان میں کارزار گرم کیا، تیسرے سال احد کے میدان میں معرکہ گرم کیا، جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے، چوتھے سال پھر اہل مکہ کی دعوت پر دوبارہ جنگ کی تیاری تھی، لیکن مسلمانوں کی جرأت دیکھ کر انھیں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی، اس سازش کا اصل نقشہ بنو نضیر کے یہودیوں نے بنایا، جنھیں ان کی مسلسل سازشوں کی وجہ سے خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا گیا تھا، یہودیوں نے قریش مکہ اور قبیلہ بنی غطفان کو تیار کیا، بنو اسد غطفان کے اور بنو سلیم قریش کے حلیف تھے اور بنو سعد سے خود یہود کا معاہدہ تھا، اس طرح یہود اور تمام قبائل عرب مل کر مدینہ کی طرف بڑھے، مدینہ میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد کل تین، ساڑھے تین ہزار کے قریب تھی جب کہ یہ لشکر جرار دس ہزار آزمودہ کافر فوجیوں پر مشتمل تھا، سردار مکہ ابوسفیان بن حرب اس فوج کے سپہ سالار اعظم تھے، ادھر مسلمانوں کی صف میں منافقین بھی گھسے ہوئے تھے، جو عین جنگ کے وقت آ کر حضور ﷺ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہتے تھے اور گویا یہ بھی نفسیاتی طور پر دشمن فوج کو تقویت پہنچا رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ خندق کھودی جائے، مدینہ میں تین طرف سے مکانات اور کھجور کے گھنے باغات تھے، جو فصیل شہر کا کام کرتے تھے، صرف شام کی سمت سے کھلا ہوا تھا، خندق کھودی جاتی تو اس جانب سے بھی محفوظ ہو جاتا، اس لئے اس رائے کو سبھوں نے پسند کیا، خود رسول اللہ ﷺ نے خندق کی حدود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر دس پر دس دس گز زمین تقسیم کر دی، خندقیں اتنی گہری کھودی گئیں کہ تری نکل آئی، یہ عجیب وقت تھا، جاڑے کا موسم، سرد ہوائیں، مسلمانوں پر کئی دنوں کے فاقے، لیکن جوش جنوں میں کوئی کمی نہیں، جاں نثاران اسلام خندقیں کھودتے، مٹی اٹھا اٹھا کر لاتے۔

چھ دن میں یہ وسیع و عریض خندق تیار ہوئی، خندق مکمل ہوئی اور اعدائے اسلام کا لشکر آ پہنچا، بیس دنوں تک مدینہ کا محاصرہ جاری رہا، زیادہ تر دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوتا، ایک دن اس جگہ سے دشمن فوج نے آگے بڑھنے کی کوشش کی، جہاں خندق کی چوڑائی نسبتاً کم تھی، عرب کے چند مانے ہوئے بہادروں نے خندق کو عبور بھی کر لیا، لیکن مسلمانوں کی ہمت مردانہ کے ←



← مقابلہ ٹھہر نہیں سکے، دو نے تورہ فرار اختیار کی اور دوحیدر کرار اور صاحب ذوالفقار حضرت علیؑ کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے، اس نازک وقت میں بنو قریظہ نے بھی عہد شکنی کی اور دشمنوں سے جا ملے، اس معرکہ میں ایک دن تو ایسا سخت گذرا کہ آپؐ کی چار نمازیں قضاء ہو گئیں۔

اسی دوران کہ جنگ اپنے شباب پر تھی، اللہ تعالیٰ نے 'نعم بن مسعود' اشجعی، جو قبیلہ بنو غطفان کے رؤساء میں تھے، کے دل میں ایمان کا بیج ڈال دیا، وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے اہل قبیلہ میرے ایمان لانے سے واقف نہیں ہیں، تو اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس محاصرہ کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر کریں، آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور انھوں نے ایسی تدبیر کی کہ اہل مکہ اور یہودیوں کے درمیان پھوٹ پڑ گئی، ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی زوردار آندھی آئی کہ خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، گرد و غبار نے لوگوں کو مضطرب کر دیا، موسم کی سختی اور دن بہ دن غذائی اشیاء میں ہونے والی قلت اس سے سوا تھی، ان حالات میں عربوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کے لئے واپس جانے کے سوا چارہ نہیں رہا، اس طرح ایک بہت بڑی آزمائش سے مسلمانوں کو نجات ملی، بیس دن کے محاصرہ کے بعد رات کے اندھیرے میں یہ فوج واپس ہوئی اور صبح کو رسول اللہؐ نے مدینہ کی طرف کوچ فرمایا۔

آیت نمبر: ۹-۱۰ میں مختلف فوجوں کے اوپر اور نیچے سے آنے کا ذکر ہے، اس سے مراد اہل مکہ کا لشکر ہے جو ابوسفیان کی قیادت میں تھا اور بنو غطفان کا لشکر جو عیینہ بن حصن کی قیادت میں تھا، کہ یہ لوگ نیچے کی طرف سے آئے اور اوپر سے آنے والے بنو قریظہ تھے یہ سب مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے، ہوا بھیجنے سے وہ آندھی مراد ہے، جس نے دشمن فوج کا سامان تتر بتر کر کے رکھ دیا، اور نظر نہ آنے والی فوج سے مراد فرشتوں کا لشکر ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا گیا، پھر آیت نمبر: ۱۲ سے ۲۰ تک منافقین کے رویہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نازک وقت میں بجائے اس کے کہ وہ جان کی بازی لگا کر رسول اللہؐ کے ساتھ ہوتے، مسلمانوں کو طعنہ دیتے رہے اور ان کے حوصلے توڑنے کی باتیں کرتے رہے؛ چنانچہ بعض منافقین جن میں طُعْمَہ بن اُبَیْرُق اور مُعْتَب بن قُثَیْر اور کچھ اور لوگ جن کی تعداد ستر تک بتائی جاتی ہے، کہنے لگے کہ محمدؐ (توروم و ایران کے بادشاہوں کے خزانوں کا وعدہ کرتے رہے ہیں؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ کوئی شخص رفع حاجت کے لئے بھی باہر نہیں نکل سکتا، اس لئے ان کا وعدہ محض جھوٹ اور دھوکہ تھا۔) (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۳۷)

اسی طرح بعض منافقین جیسے اوس بن قینقہ مخلص مسلمانوں کو اُکساتے تھے کہ یہاں پر رہنا اپنی جان گنونا ہے، اس لئے تم اپنے گھروں کو واپس ہو جاؤ، اسی طرح بعض منافقین خاص کر بنو حارثہ بن حارث حضورؐ سے اجازت کے طلب گار تھے کہ وہ اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں؛ کیوں کہ ان کے گھروں پر مرد نہیں ہیں، قرآن نے ان پر رد کرتے ہوئے کہا کہ اہل باطل سے جنگ کے لئے ان کی ہمت نہیں ہو رہی ہے؛ حالاں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم پیٹھ نہیں دکھائیں گے؛ لیکن اگر ان کو فتنہ و فساد کے لئے دعوت دی جائے تو پیش پیش رہیں گے، ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ موت سے بھاگنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا، جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ان پر موت آ کر رہے گی اور اگر بالفرض ابھی موت نہ آئی تو چند ہی دنوں تک وہ زندگی کا لطف اٹھا سکیں گے، پھر تو موت آنی ہی ہے، ان کی بزدلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان کا حال یہ ہے کہ دشمن واپس چلے گئے؛ لیکن مارے ←

اِذْ جَآءُوكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۲۲﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۲۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۲۴﴾

جب وہ تم پر اوپر اور نیچے سے چڑھ آئے، آنکھیں پتھر اگئیں، کلیجہ منہ کو آگیا اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، ﴿۲۱﴾ اس وقت مسلمان آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور انھیں زوردار جھٹکا دیا گیا، ﴿۲۲﴾ اور تب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری تھی، کہنے لگے: ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا، وہ محض دھوکہ تھا، ﴿۲۳﴾ اور ان میں سے ایک گروہ نے کہا: ”اے یثرب والو! (یہاں) تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے؛ اس لئے تم واپس ہو جاؤ، اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبر سے اجازت مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر کھلے ہوئے ہیں؛ حالاں کہ کھلے ہوئے نہیں ہیں اور ان کا مقصد صرف راہ فرار اختیار کرنا ہے۔“ ﴿۲۴﴾

← خوف کے وہ سمجھتے رہے کہ دشمن ابھی واپس نہیں گئے اور اگر کہیں دوبارہ یہ فوج آدھمکے تو ان کی خواہش ہوگی کہ وہ دیہاتوں میں جا کر رہ جائیں اور دُور ہی سے مسلمانوں کے حالات کی سُن گُن لیتے رہیں، اخیر میں مسلمانوں کے اطمینان کے لئے فرمایا گیا کہ ان کا تمہاری صفوں میں رہنا بھی کچھ مفید نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر یہ تمہارے ساتھ رہیں گے بھی تو اندر کی آمادگی اور جاں نثاری کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے؛ بلکہ اوپر کے دل سے دکھاوے کی غرض سے تھوڑا بہت شریک ہو جائیں گے۔

پھر آیت نمبر: ۲۱ سے آیت نمبر: ۲۴ تک مسلمانوں کا ذکر ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اپنے لئے نمونہ بنایا اور دشمن کے اس اجتماعی لشکر نے ان کی ہمت کو کمزور نہیں کیا؛ بلکہ اس سے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اضافہ ہو گیا اور وہ کہنے لگے: یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا، نیز انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کیا اور اپنی جانیں قربان کر دیں، مختلف غزوات میں صحابہ نے جو قربانیاں دی ہیں، وہ اس کی روشن مثال ہے، غزوہ احزاب کے واقعہ کو ختم کرتے ہوئے آیت نمبر: ۲۵ میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے کہ ان بدبختوں کو اس جنگ سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ کا اور ان کے فوجی اتحاد کے مقابلہ مسلمانوں کے لئے اللہ کی مدد کافی ہوگئی، غرض کہ ان آیات میں، دشمنوں کے حملہ آور ہونے، اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی نصرت و مدد، منافقین کے رویہ، مسلمانوں کی ثابت قدمی اور دشمنان اسلام کی اتحادی فوج کی ناکامی، جیسے تمام اُمور کو سمیٹ لیا گیا ہے۔

وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَبَلُوا الْفِتْنَةَ لَاتَوَّهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝  
 وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۖ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝ قُلْ لَّنْ  
 يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا تُمْتَتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا  
 الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِّنْ  
 دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ  
 هَلُمَّ إِلَيْنَا ۚ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ أَشْحَهْ عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ  
 يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ  
 بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشْحَهْ عَلَى الْخَيْرِ ۖ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ  
 عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۚ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ  
 بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قُتِلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۝

۱۸

اور اگر ان پر مدینہ کے اطراف سے فوجیں گھس آتیں، پھر ان کو فتنہ انگیزی کی دعوت دی جاتی تو ضرور اسے قبول کر لیتے اور ذرا بھی دیر نہ کرتے، ۱۷) حالاں کہ وہ پہلے اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے، اور اللہ کے وعدہ کے بارے میں باز پرس ہو کر رہے گی، ۱۸) (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگ رہے ہو تو یہ بھاگنا تم کو کام نہ آئے گا اور تم کچھ ہی دنوں فائدہ اٹھا سکو گے، ۱۹) آپ دریافت کیجئے: اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی یا بھلائی چاہیں تو کون ہے جو تم کو اللہ سے بچالے؟ اللہ کے مقابلہ میں وہ کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے، ۲۰) تم میں سے جو لوگ (دوسروں کو جہاد میں نکلنے سے) روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ، اللہ ان لوگوں کو جانتے ہیں اور وہ لوگ کم ہی جہاد میں شریک ہوتے ہیں، ۲۱) وہ تم لوگوں پر بخیل ہیں؛ لہذا جب ڈر کی بات پیش آتی ہے تو تم ان کو اپنی طرف اس طرح گھورتے ہوئے دیکھو گے جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو، پھر جب ڈر ختم ہو جائے گا تو تم پر تیز زبانوں سے زبان چلائیں گے اور مال و دولت میں بخل سے کام لیں گے، یہ لوگ (حقیقت میں) مسلمان ہوئے ہی نہیں ہیں، اس لئے اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے اور اللہ پر یہ بات آسان تھی، ۲۲) وہ (مارے ڈر کے) خیال کرتے ہیں کہ فوجیں (واپس) نہیں گئیں اور اگر فوجیں آجائیں تو چاہیں گے کہ کاش وہ دیہات والوں میں چلے گئے ہوتے (اور وہیں سے) تم لوگوں کے بارے میں معلوم کرتے رہتے اور اگر تمہارے درمیان رہتے بھی تو کم ہی جنگ میں شریک ہوتے۔ ۲۳)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ  
 كَثِيرًا ۖ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ۖ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ  
 وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۚ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ  
 عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ  
 الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا  
 رَّحِيمًا ۖ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ  
 وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۖ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ  
 وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۖ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۚ وَأَوْرَثَكُم أَرْضَهُمْ  
 وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطْكُوهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

ع  
۱۹

(اے مسلمانو! تمہارے لئے اللہ کے پیغمبر کی ذات میں ان لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہے، جو اللہ کا اور آخرت  
 کا یقین رکھتے ہوں اور اللہ کو خوب یاد کرتے ہوں، ﴿۱﴾ اور جب ایمان والوں نے (دشمن کی) فوجوں کو دیکھا تو کہنے  
 لگے: یہی تو ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا،  
 یہ بات ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اور اضافہ ہی کا سبب ہو جاتی ہے، ﴿۲﴾ ایمان والوں میں سے کچھ لوگ وہ  
 ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو سچ کر دیکھا یا، تو ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنا ذمہ پورا  
 کر دیا اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول و قرار کو) ذرا بھی نہیں بدلا، ﴿۳﴾ تاکہ اللہ سچوں  
 کو ان کی سچائی کا اجر عطا فرمائیں اور منافقین کو چاہیں تو عذاب دیں یا (توبہ کی توفیق دے کر) ان کی توبہ قبول  
 فرمائیں، یقیناً اللہ بہت بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ﴿۴﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، اللہ نے ان کافروں کو  
 غصہ سے بھری ہوئی حالت میں پھیر دیا، اور وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے، مومنوں کے لئے جنگ میں اللہ ہی کافی  
 ہو گئے اور اللہ خوب طاقتور اور غلبہ والے ہیں، ﴿۵﴾ اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان (اہل مکہ) کی مدد کی تھی،  
 ہم نے ان کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا اور ان کے دلوں میں دھاک بیٹھا دی، تو تم ایک گروہ کو قتل اور ایک گروہ کو  
 قید کر رہے تھے، ﴿۶﴾ اور اللہ نے تم کو ان کی زمین کا، ان کے گھروں کا، ان کی دولت کا اور ان زمینوں کا جن پر تم نے  
 قدم بھی نہیں رکھا تھا مالک بنا دیا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۲۶، ۲۷ میں غزوہ بنو قریظہ کا ذکر ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے  
 آپ نے جن کاموں کو انجام دیا، ان میں ایک یہ تھا کہ مدینہ میں موجود تمام قبائل اور گروہوں کے درمیان ایک معاہدہ کرائے، —

← اس میں یہودی قبائل بھی شامل تھے، اس معاہدہ کے مطابق مدینہ میں آباد تمام قبائل مذہبی امور میں اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لئے آزاد تھے، سبھوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل تھا اور اگر مدینہ پر باہر سے کوئی حملہ ہوگا تو سب مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے، اس لحاظ سے بنو قریظہ بھی اس معاہدہ میں شامل تھے؛ چنانچہ غزوہ احزاب کے موقع سے جب اہل مکہ اور اس کے حلیف مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو بنو قریظہ شروع میں تو ان سے الگ ہو گئے، اگرچہ انھوں نے مسلمانوں کی مدد نہیں کی؛ لیکن مسلمانوں کے خلاف میدان میں بھی نہ اترے۔

مگر بنو قریظہ کے ایک سردار حُی بن اخطب نے ان کو اکسایا اور بالآخر وہ بھی اہل مکہ کے ساتھ ہو گئے، جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے انصار مدینہ میں سے دو اہم شخصیتوں — سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ — کو ان سے گفتگو کے لئے بھیجا؛ لیکن بنو قریظہ کا سردار کعب بن سعد بڑی ترش روئی کے ساتھ پیش آیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس مرحلہ پر اہل مکہ کے ساتھ رہے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ اہل مکہ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا تو مسلمانوں نے فوراً بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، پچیس دنوں تک یہ محاصرہ جاری رہا، بالآخر بنو قریظہ اس بات پر تیار ہوئے کہ انصار میں سے ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا جائے، اس نام کی پیشکش ان ہی کی طرف سے ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے قبول کر لیا، انھوں نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو باندی اور غلام بنالیا جائے اور املاک پر قبضہ کر لیا جائے، اس طرح تقریباً بنو قریظہ کے چار سو افراد پر سزا جاری کی گئی۔

بظاہر یہ سزا سخت محسوس ہوتی ہے؛ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ بالکل انصاف کے مطابق ہے اور اس سلسلہ میں تین باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے: اول یہ کہ یہ وعدہ خلائی کوئی معمولی واقعہ نہ تھا؛ بلکہ اگر اہل مکہ کی یہ یلغار کامیاب ہو جاتی تو شاید مدینہ میں کوئی شخص زندہ باقی نہیں بچ پاتا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی، ایسی سازش کرنے والے یقیناً خود سزائے قتل کے مستحق تھے، دوسرے: انھوں نے رسول اللہ ﷺ یا مسلمانوں کو اپنے معاملہ میں حکم نہیں بنایا تھا؛ ورنہ ممکن تھا کہ جو طرز عمل آپ نے فتح مکہ کے موقع سے اہل مکہ کے لئے اختیار کیا تھا، وہی طریقہ ان کے لئے بھی اختیار فرماتے، انھوں نے خود ہی اپنے حلیف قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا تھا اور یہ ان ہی کا فیصلہ تھا، تیسرے: یہ فیصلہ تورات کی تعلیم کے عین مطابق تھا، جس پر وہ ایمان رکھتے تھے؛ چنانچہ تورات میں کہا گیا ہے :

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا..... اگر وہ

تجھ سے صلح نہ کرے؛ بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے

تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا؛ لیکن عورتوں اور بال بچوں

اور چوپایوں اور اس کے شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا۔ (استثنا: ۲۰: ۱۰-۱۲)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو صورت حال پیش آئی کہ بنو قریظہ مقابلہ کی ہمت بھی نہ کر سکے، تم نے آسانی سے ان کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا اور ان کی املاک و جائیداد کے بھی مالک ہو گئے، اس میں تمہاری طاقت و قوت کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُحِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّتْهَا فَتَعَالَيْنِ أُمَتَّعَنَّ  
وَأُسَرِّحَنَّ سَرَاحًا جَبِيلًا ۝ وَإِن كُنْتُنَّ تُحِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ  
لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ يُنْسَاءُ النَّبِيُّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ  
يُضَعَفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی رونق چاہتی ہو تو آؤ، میں تم لوگوں کو کچھ دے کر اچھی طرح سے رخصت کر دوں، ۱۵ اور اگر تم خدا کی، اس کے رسول کی اور آخرت کے گھر کی طلب گار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک عمل کرنے والیوں کے لئے بہترین بدلہ تیار کر رکھا ہے، ۱۶ اے پیغمبر کی بیویو! تم میں جو کھلی ہوئی برائی کی مرتکب ہوگی، اس کو دو ہر اعداب دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ ۱۷

۱۱ حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ دربار نبوت میں پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ دروازے پر بیٹھے ہیں، کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے، حضرت ابوبکر ؓ نے اجازت چاہی تو آپ ؓ نے ان کو اجازت دے دی، پھر حضرت عمر ؓ آئے، وہ بھی اجازت کے طلب گار ہوئے تو آپ ؓ نے ان کو بھی اجازت دے دی، ان حضرات نے دیکھا کہ رسول اللہ ؐ بیٹھے ہوئے ہیں، آپ ؓ کے گرد ازواج مطہرات جمع ہیں اور بالکل خاموشی چھائی ہوئی ہے، حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ؐ کو ہنسانے کے لئے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ کاش! آپ نے بنت خارجہ کو دیکھا ہوتا، اس نے مجھ سے نفقہ مانگا تو میں نے اس کی گردن دبا دی، رسول اللہ ؐ ہنسنے لگے اور ارشاد فرمایا: یہ سب جو میرے گرد بیٹھی ہیں، یہ بھی مجھ سے نفقہ ہی طلب کر رہی ہیں، یہ سننا تھا کہ حضرت ابوبکر ؓ کھڑے ہوئے اور حضرت عائشہ ؓ کی سرزنش کی اور حضرت عمر ؓ کھڑے ہوئے اور اپنی بیٹی حضرت حفصہ ؓ کی سرزنش کرنے لگے اور آپ کی ازواج سے کہنے لگے کہ تم لوگ حضور ؐ سے ایسی چیز طلب کر رہی ہو، جو آپ کے پاس نہیں ہے، ازواج مطہرات نے کہا: خدا کی قسم! ہم لوگ حضور ؐ سے کبھی بھی ایسی چیز طلب نہیں کریں گے، جو آپ کے پاس موجود نہ ہو، پھر آپ ؓ نے ایک مہینہ یا ۲۹ دن کے لئے ان سے دوری اختیار کر لی، اس موقع پر قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ازواج مطہرات سے کہا گیا کہ تمہارے لئے دور استے ہیں، یا تو دنیوی زندگی کی آسائشوں کا انتخاب کر لو، پیغمبر تم کو طلاق دے کر اور کچھ تحفہ دے کر رخصت کر دیں گے، یا پھر آخرت کو اختیار کرو اور رسول اللہ ؐ کے ساتھ رہتے ہوئے قناعت کی زندگی گزارو؛ چنانچہ آپ ؓ نے تمام ازواج کو ان دونوں باتوں کا اختیار دیا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ؓ سب سے پہلے حضرت عائشہ ؓ کے پاس تشریف لے گئے اور پیشکش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم فیصلہ میں جلد بازی نہ کرو، اپنے والدین سے بھی مشورہ کر لو، حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ کے معاملہ میں بھی کسی مشورہ کی ضرورت ہے؟ یعنی انھوں نے رسول اللہ ؐ کی رفاقت قائم رکھنے کا انتخاب کیا، اور گزارشش کی کہ میرا یہ فیصلہ دوسری بیویوں کو نہ بتائیں، ←

← آپ نے فرمایا کہ اگر دوسری بیویوں نے دریافت کیا تو میں ضرور سچ سچ بتا دوں گا، بہر حال تمام ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کی رفاقت کو ترجیح دی، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر: ۴۵۰۷، مسلم، کتاب الطلاق، باب آن تجیر امرأه لا یكون طلاقاً إلا بالنیة، حدیث نمبر: ۳۷۵۴، ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر: ۳۲۰۴)۔

آیت اور اس کے واقعاتی پس منظر سے چند باتیں معلوم ہوئیں: اول یہ کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو اس بات کا اختیار دے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے اور چاہے تو نکاح ختم کر لے، تو ایسی صورت میں عورت کو دونوں باتوں کا اختیار ہوگا، اگر اس نے شوہر کے ساتھ رہنے کو اختیار کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، ہاں اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تم کو اپنے آپ پر اختیار ہے اور اس فقرہ سے اس کی نیت طلاق دینے کی تھی تو بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، (ہدایہ: ۳۹۱/۱) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شوہر بیوی کے حقوق ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اختیار دے دے، اور اگر وہ علاحدگی چاہے تو علاحدگی کے مطالبہ کو قبول کر لے؛ البتہ اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا ہو، مثلاً نفقہ نہیں دیتا ہو یا اس میں نفقہ دینے کی صلاحیت نہ ہو یا بیوی کا خصوصی حق ادا کرنے کے لائق نہ ہو اور عورت علاحدگی کی طالب ہو تو پھر اس پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کے مطالبہ کو قبول کرے؛ کیوں کہ بیوی کے حقوق کا ادا نہ کرنا ظلم ہے اور ظلم کو دُور کرنا اور انصاف قائم کرنا ایک اہم شرعی فریضہ ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا عبدالصمد رحمانی کی ”کتاب الفسخ والتفریق اور مجموعہ قوانین اسلامی“)

ازواج مطہرات کے اس واقعہ سے دل میں کوئی بدگمانی پیدا نہیں ہونی چاہئے، صحابہ کا ابتدائی دور بہت زیادہ تنگی و ترشی کا تھا؛ لیکن بعد میں حالات بہتر ہوئے، مگر رسول اللہ ﷺ کی فیاضی اور انفاق کی کثرت کی وجہ سے دولت خانہ نبوی میں اسی طرح تنگی قائم تھی؛ اس لئے ازواج مطہرات کو خیال ہوا کہ اب ان کے ساتھ بھی کچھ سہولت کا معاملہ ہوا اور انھوں نے اجتماعی طور پر رسول اللہ ﷺ سے نفقہ کا مطالبہ کیا، جو ہر انسان کی لازمی ضرورت ہے، اور ہر بیوی کا اپنے شوہر پر حق ہے، آپ ﷺ کی زندگی میں ایسے واقعات کا پیش آنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ اُمت میں یقیناً اس طرح کے واقعات پیش آئیں گے، تو اگر رسول اللہ ﷺ کا اور آپ کی ازواج کا اُسوۂ و نمونہ لوگوں کے سامنے موجود نہ ہوتا تو وہ ایک خلاء محسوس کرتے؛ اس لئے جو واقعات مسلمانوں کی سماجی اور ازدواجی زندگی میں پیش آسکتے تھے اور رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات کی شان کے خلاف نہیں تھے، وہ واقعات آپ ﷺ کی زندگی میں پیش آئے، اور قرآن وحدیث میں ان کا ریکارڈ محفوظ کر دیا گیا؛ تاکہ زندگی کے ہر مرحلہ میں مسلمانوں کے لئے نورِ نبوت کی رہنمائی حاصل رہے۔

وَمَنْ يَفْقَهُ مِنْكُمْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ صَالِحًا تُوْتَهَا أَجْرُهَا مَوْتَتَيْنِ ۖ وَاعْتَدْنَا لَهَا

رِزْقًا كَرِيمًا ﴿۲۱﴾ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيْطَحَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۲۲﴾ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۲۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۲۴﴾

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں رہیں گی اور نیک عمل کریں گی، ان کو ہم دُور ہر اجر عطا کریں گے اور ہم نے ان کے لئے باعزت روزی تیار کر رکھی ہے، ﴿۲۱﴾ اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو (کسی اجنبی سے) نرمی سے بات نہ کیا کرو، کہ جس کے دل میں بیماری ہے، وہ لالچ کرنے لگے اور (البتہ) بہتر بات کہا کرو، ﴿۲۲﴾ اور اپنے گھروں میں رہا کرو، جیسے گذشتہ جاہلیت میں عورتیں زیب و زینت کا اظہار کیا کرتی تھیں، اس طرح زینت ظاہر نہ کیا کرو، نماز کی پابندی کرتی رہو، زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو، اے پیغمبر کے گھر والو! اللہ چاہتے ہیں کہ تم کو گندگی سے بچائے رکھیں اور تم کو پاک صاف رکھیں، ﴿۲۳﴾ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت (کی باتیں) سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو، یقیناً اللہ بہت مہربان اور باخبر ہیں۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ سے جو نفقہ کا مطالبہ کیا تھا، وہ شرعاً غلط یا قابل مذمت نہیں تھا؛ بلکہ انھوں نے اپنے جائز حق کا مطالبہ کیا تھا، جیسا کہ دوسری بیویاں اپنے شوہروں سے کرتی ہیں؛ لیکن یہ مطالبہ ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے شایانِ شان نہیں تھا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، تمہارے گھر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیتیں اُترتی ہیں اور حکمت کی باتیں نازل کی جاتی ہیں، وہ سب سے پہلے تمہارے گھر میں پڑھی جاتی ہیں؛ اس لئے تمہارے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے ایک امتیازی شان عطا فرمائی ہے؛ لہذا اگر تم سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوگا تو اس کی سزا بھی دوگنا ہوگی اور نیکی کرو گی تو اس کا اجر بھی دوگنا ہوگا، نیز تمہارے مرتبہ و مقام کے اعتبار سے تم کو خصوصی احتیاط کرنی چاہئے، کہ جب کسی غیر محرم سے گفتگو ہو تو گفتگو میں لوچ نہ ہو، جس سے بیمار ذہن کے لوگوں میں کوئی اُمید پیدا ہو جائے، نیز تمہارا قیام بنیادی طور پر اپنے گھر میں ہونا چاہئے، زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح زیب و زینت کا اظہار نہ ہو، نماز کی پابندی ہو، زکوٰۃ کی ادائیگی ہو، اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری ہو؛ کیوں کہ اُمت کی خواتین کے لئے تمہاری حیثیت اُسوہ اور نمونہ کی ہے، تمہارے ہی ذریعہ عورتوں سے متعلق احکام مسلمان خواتین تک پہنچیں گے، ان آیات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عورتوں کو اگر غیر محرم یا اجنبی مردوں سے گفتگو ←



إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنِينَ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِغِينَ وَالصَّابِغَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۵﴾

یقیناً مسلمان مردوں اور عورتوں، ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں، فرمانبردار مردوں اور عورتوں، سچے مردوں اور عورتوں، صبر کرنے والے مردوں اور عورتوں، اللہ سے ڈرنے والے مردوں اور عورتوں، صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں، روزہ رکھنے والے مردوں اور عورتوں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مردوں اور عورتوں اور اللہ کو خوب یاد رکھنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے ہم نے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۵﴾

← کرنی پڑے تو اگرچہ کہ ان سے شائستہ گفتگو کریں؛ لیکن لب و لہجہ میں ایسی نرمی نہ ہو کہ اس کے دل میں کوئی بُرا خیال جاگ جائے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کی جدوجہد اور کوششوں کا اصل مرکز اس کا گھر ہے، اس کو گھر کا چراغ بننا چاہئے نہ کہ محفل کا، اس سے سماج بھی پاکیزہ رہے گا اور خود خواتین کو بھی پرسکون اور محفوظ زندگی حاصل ہو سکے گی، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف باہر نکلیں تو صحابہ نے عام طور پر ان کے اس عمل کو پسند نہیں کیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اُم المؤمنین سے عرض کیا کہ اللہ نے آپ کو آپ کے گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ نے ہمیشہ تم کو حق بات کہنے پر قائم رکھا ہے: ”ما زلت قوالا بالحق“ (تفسیر قرطبی: ۱۷۹/۱۴) اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے اختلاف کیا، (فتح الباری لابن حجر، کتاب المناقب، باب فضل عائشہ) اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی بعد میں اپنے اس عمل پر پچھتاوا ہوا، یہاں تک کہ وہ اس عمل پر رو دیا کرتی تھیں، (تفسیر قرطبی: ۱۸۱/۱۴) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا میدان کارسیاسی اور سماجی جدوجہد نہیں ہے؛ بلکہ گھر کی اصلاح و تربیت ہے، آیت نمبر: ۳۳ نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ آپ کی تمام بیویوں اور اولاد کو اللہ نے پاک صاف بنایا ہے، ان پر کسی برائی کی تہمت گویا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مخالفت ہے؛ کیوں کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کو بدکاری کی نجاست سے بچانے کا ارادہ فرمایا ہے، اور اللہ جس چیز کا ارادہ کر لیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ واقع نہ ہو؟ — اہل علم کے نزدیک اس آیت میں اہل بیت سے مراد حضور ﷺ کی بیویاں بھی ہے اور آپ ﷺ کی اولاد بھی، اور بیوی کا اس میں شامل ہونا بالکل واضح ہے؛ کیوں کہ اس سے پہلے ازواجِ مطہرات ہی کا ذکر ہوتا آیا ہے اور اس کے آگے بھی ان ہی کا ذکر آ رہا ہے۔

﴿۱﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دس اوصاف کا ذکر فرمایا ہے کہ جو کسی شخص کے سچے اور یکے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے، اس آیت کے نازل ہونے کا پس منظر یہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت اُم عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ قرآن میں ہر جگہ مردوں ہی کا ذکر ہے، خواتین کے لئے کچھ کہا ہی نہیں گیا ہے، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ مستقل ←

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝

جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مسلمان مرد یا عورت کو ان کے اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں رہتا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلے طور پر گمراہ ہو گیا۔ ﴿۱﴾

← طور پر عورتوں کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، (ترمذی: کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب سورة الاحزاب، حدیث نمبر: ۳۲۱۱) اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اسلام میں عورتوں کی بھی مستقل حیثیت ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ مردوں کے تابع محض ہیں؛ اسی لئے عورت خود اپنے مال کی مالک بن سکتی ہے، اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتی ہے، اس کا نکاح اس کی رضا مندی کے بغیر نہیں ہو سکتا، اسے اپنی زکوٰۃ خود ادا کرنی ہے، جب کہ بیشتر مذاہب میں عورت کو مستقل شخصیت کا درجہ حاصل نہیں تھا اور وہ پوری طرح مردوں کے تابع سمجھی جاتی تھیں؛ البتہ چون کہ عورتوں میں حتی المقدور پردہ پوشی مطلوب ہے، یہ عورتوں کے اندر پائی جانے والی فطری حیا کے بھی مطابق ہے اور اس میں پردہ بھی ہے، اس لئے قرآن مجید نے عام طور پر عورتوں کا نام بنام ذکر نہیں کیا ہے؛ بلکہ ذکر بھی کیا گیا تو ان کے شوہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے، جیسے: فرعون کی بیوی، حضرت نوح ؑ کی بیوی، حضرت لوط ؑ کی بیوی، صرف حضرت مریم ؑ کا نام لیا گیا؛ کیوں کہ ان کے کوئی شوہر نہیں تھے، جن کی نسبت سے ان کا تعارف ہو، (خلاصہ از: معارف القرآن: ۵/۱۴۳) یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ”کثیراً“ کا لفظ لایا گیا، یعنی بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورت، اس کے علاوہ اور بعض مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم دیتے ہوئے کثرت کی ترغیب دی ہے، (دیکھئے: احزاب، آیت نمبر: ۴۱، سورہ جمعہ: ۱۰) مفسرین نے اس کی حکمت یہ بتائی ہے کہ دوسری عبادتوں میں خصوصی اہتمام کی ضرورت پڑتی ہے، ہر جگہ اور ہر حالت میں یہ عبادت نہیں ہو سکتی، جیسے نماز ہے؛ لیکن ذکر یعنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لینا یا دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ایسی عبادت ہے جو ہر جگہ اور ہر حال میں کی جاسکتی ہے؛ اسی لئے قرآن مجید میں ایک اور موقع پر نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلو پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، (آل عمران: ۱۹۱) اسی لئے ذکر کی کثرت میں نہ کوئی دشواری ہے نہ کوئی رکاوٹ۔ (مفاتیح الغیب: ۲۳/۵۹۵)

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش ؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا، انھوں نے یہ سمجھ کر قبول کر لیا کہ آپ ﷺ خود اپنے لئے اس رشتہ کے طالب ہیں، پھر جب حضور ﷺ نے واضح کیا کہ وہ آپ کے پروردہ حضرت زید بن حارثہ ؓ کے لئے رشتہ چاہتے ہیں تو چون کہ حضرت زینب ؓ عرب کے سب سے معزز قبیلہ یعنی قریش سے تعلق رکھتی تھیں اور مزید شرف کی بات یہ تھی کہ آپ ﷺ کی قریبی عزیز تھیں، دوسری طرف حضرت زید ؓ کچھ عرصہ پہلے تک غلام تھے، عرب میں نہ صرف غیر عرب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؛ بلکہ غلام کو آزاد کر دیئے جانے کے بعد بھی کم درجہ ہی خیال کیا جاتا تھا؛ اس لئے حضرت زینب ؓ کے گھر والوں کو اور خود حضرت زینب ؓ کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا اور انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اسی موقع سے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی؛ چنانچہ حضرت زینب ؓ اور ان کے گھر کے لوگوں نے حضور ﷺ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور حضرت زینب ؓ کا نکاح حضرت زید ؓ سے ہو گیا، اسی طرح کے بعض اور واقعات بھی پیش آئے کہ قریش کی کسی معزز خاتون کا نکاح ←

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لَكَ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٢٤﴾

اور جب آپ اس شخص کو — جس کو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے انعام سے نوازا ہے اور آپ نے بھی اس پر کرم کیا ہے — کہہ رہے تھے کہ ”تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو“ تو صورت حال یہ تھی کہ آپ اپنے دل کی بات کہ — جس کو اللہ ظاہر کرنے والے ہی تھے — چھپا رہے تھے اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ زیادہ ڈرے جانے کے لائق ہیں، پھر جب زید نے اس سے ضرورت پوری کر لی تو ہم نے آپ سے اس (کی بیوی) کا نکاح کر دیا؛ تاکہ مسلمانوں پر منہ بولے بیٹیوں کی بیویوں — جن سے وہ ضرورت پوری کر چکے ہوں — کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہنے والا تھا۔ ﴿۲۴﴾

← آپ ﷺ نے دوسرے قبیلہ کے مردوں سے کرنا چاہا تو پہلے مرحلہ میں ان لوگوں کو یہ بات قبول نہ ہوئی؛ لیکن قرآن مجید کا یہ حکم آنے کے بعد صحابہ نے خاندانی عزت و شرف کے احساس کے مقابلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیا اور حضور ﷺ نے ذات پات کی بنیاد پر اونچ نیچ کے اس تصور کو ختم کرنے کے لئے مختلف شادیاں اس انداز پر کیں کہ لڑکی عربی اور قریشی اور لڑکا عجمی یا آزاد شدہ غلام، جیسے آپ نے حضرت مقداد بن اسودؓ کا نکاح ضبائہ بنت زبیر سے اور حضرت بلالؓ کا نکاح حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی بہن سے کیا، حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنے آزاد شدہ غلام سالم کا نکاح فاطمہ بنت ولید بن عجرہ سے کیا، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۸۷) غرض کہ اس طرح اسلام نے خاندان پرستی کے بت کو پاش پاش کر دیا؛ لیکن افسوس کہ مسلمان دوسری قوموں سے متاثر ہو کر آج پھر ذات پات کی بنیاد پر اونچ نیچ کے تصور میں گرفتار ہیں، فقہاء نے جو نسب میں کفایت کا اعتبار کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی خاندان اونچا ہے اور کوئی نیچا، اس کا مقصد صرف مناسبت کا لحاظ ہے، کہ ایک خاندان کے لوگوں میں تہذیب اور رہن سہن کے اعتبار سے یکسانیت پائی جاتی ہے اس لئے ان میں زیادہ بہتر طور پر موافقت پیدا ہوتی ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی خاندان اونچا ہے اور کوئی نیچا — جیسے عربوں میں خاندان کو لوگ فخر کا باعث بناتے تھے، اسی طرح مہر کی مقدار کے زیادہ ہونے کو عورتوں کے لئے باعث عزت سمجھا جاتا تھا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خاندان کی نسبت سے حضرت زینبؓ کے احساس کی تلافی کے لئے ان کا مہر زیادہ مقرر فرمایا اور آپ نے خود ادا کیا، آپ ﷺ نے ان کا مہر دس دینار (تقریباً ۴ تولہ سونا)، ساٹھ درہم (تقریباً ۱۸ تولہ چاندی) بار برداری کا ایک جانور، ایک جوڑا کپڑا، پچاس مد (تقریباً ۲۵ سیر) آٹا، دس مد یعنی پانچ سیر کھجور ادا فرمایا، (تفسیر ابن کثیر: ۳/۶۰۴) — اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا امر (حکم) کر دیں تو مومن کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اسلام کے اصول قانون کا ایک قاعدہ نکل آیا کہ قرآن وحدیث میں اگر امر کے لفظ یا عربی گرامر کے مطابق امر کے صیغہ سے کسی بات کا حکم دیا جائے تو وہ واجب ہوتا ہے نہ کہ صرف جائز اور مستحب۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۸۸)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿۲۰﴾

پیغمبر کے لئے اللہ نے جس بات کا فیصلہ فرما دیا ہے، اس (کو کرنے) میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے، پہلے جو (پیغمبر) گزر چکے ہیں، ان میں بھی اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے اور (یہی) اللہ کا طے شدہ فیصلہ تھا ﴿۱۹﴾ پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں، اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے اور حساب لینے کے لئے اللہ کافی ہیں۔ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ اگرچہ کہ حضرت زینب ؓ نے حضرت زید ؓ کے رشتہ کو قبول کر لیا؛ لیکن خاندان کے فرق کی وجہ سے ان کے دل میں جو احساس پیدا ہو گیا تھا اور جو عرب کے اس معاشرہ کے لحاظ سے ایک فطری احساس تھا، اس کی چھن بہر حال دل میں باقی رہی، اور احساس برتری کی وجہ سے حضرت زید ؓ کے ساتھ ان کی زبان تیز ہو جایا کرتی تھی؛ اس لئے مزاج کی موافقت پیدا نہ ہو سکی، حضرت زید ؓ چاہتے تھے کہ حضرت زینب ؓ کو طلاق دے دیں؛ لیکن آپ ؐ ان کو اس سے باز رہنے کی تلقین فرماتے، ادھر اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور تھی کہ منہ بولے بیٹے کو اپنا بیٹا قرار دینے اور اس کی بیوی کو اپنی بیوی کی طرح حرام سمجھنے کی جو رسم زمانہ جاہلیت سے آ رہی ہے، اس کو رسول اللہ ﷺ کے عمل کے ذریعہ ختم کرایا جائے؛ کیوں کہ اگر حضرت زینب ؓ سے آپ ؐ کا نکاح ہو جائے تو آپ ؐ کے اس عمل سے ہمیشہ کے لئے یہ غیر اسلامی رسم ختم ہو جائے گی، رسول اللہ ﷺ کو منشاء ربانی کا علم ہو چکا تھا کہ حضرت زینب ؓ کو حضرت زید ؓ طلاق دے دیں گے اور پھر ان کا نکاح آپ ؐ سے ہوگا؛ لیکن اس خیال سے کہ آپ ؐ کے دشمنوں کو جو مکہ سے لے کر مدینہ تک موجود تھے، مذاق اڑانے اور پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملے گا، آپ ؐ حضرت زید ؓ کو اس بات سے منع کرتے رہے کہ وہ حضرت زینب ؓ کو طلاق دیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں اسی کا ذکر فرمایا ہے کہ حضرت زید ؓ جن پر اللہ نے انعام کیا کہ ان کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی اور مسلمانوں میں بلند درجہ سے نوازا اور جن پر آپ ؐ نے بھی احسان کیا کہ ان کو آزاد کیا اور ایسی قربت عطا کی، جو آپ ؐ کے اہل بیت کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہو سکی، آپ ؐ لوگوں کے بدنام کرنے کے ڈر سے ان سے کہہ رہے تھے کہ وہ اس رشتہ کو ختم نہ کریں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ ؐ کے اور حضرت زینب ؓ کے نکاح کے سلسلہ میں جو بات منظور تھی، وہ ہو کر رہے گی؛ چنانچہ حضرت زید ؓ نے حضرت زینب ؓ کے ساتھ ازدواجی زندگی کا ایک وقفہ گزار لیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خود ہم نے آپ ؐ کا نکاح حضرت زینب ؓ سے کر دیا اور پھر اس کی حکمت بھی بیان کر دی گئی کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے حکم میں نہیں ہوتا اور بیٹے کی بیوی کی طرح اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح حرام نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ پہلی بیویوں کی موجودگی میں یہ نکاح کوئی نئی چیز نہیں ہے؛ گزشتہ انبیاء کے نکاح میں بھی کئی کئی بیویاں رہا کرتی تھیں اور انبیاء کے بارے میں بھی اللہ کی یہی سنت رہی ہے؛ کیوں کہ انبیاء کی —

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۖ ﴿۳۳﴾

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں؛ لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کیا کرو، ﴿۳﴾ اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ ﴿۳۳﴾

← حیاتِ طیبہ اُمت کے لئے نمونہ ہوتی ہے اور بیوی سے بڑھ کر کسی شخص کی خلوت اور جلوت کو کوئی اور بیان نہیں کر سکتا، اس لئے انبیاء کا کئی نکاح کرنا ایک اہم دینی مصلحت اور اُمت کے نفع کے لئے ہے۔ بعض ضعیف بلکہ موضوع روایات میں اس طرح کی باتیں نقل کی گئی ہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت نہیں؛ بلکہ اپنی رغبت کی بنیاد پر حضرت زینب (ؓ) سے نکاح کرنا چاہ رہے تھے اور اسی بات کو آپ ﷺ نے اپنے دل میں چھپا رکھا تھا؛ لیکن یہ بات روایت کے اعتبار سے بھی غلط ہے؛ کیوں کہ جو روایتیں اس سلسلہ میں نقل کی جاتی ہیں، وہ اہل فن کے نزدیک قطعاً غیر معتبر ہیں اور یہ بات عقلاً بھی ناقابل فہم ہے؛ کیوں کہ اگر حضور ﷺ کے دل میں حضرت زینب (ؓ) سے نکاح کی خواہش چھپی ہوتی تو آپ ﷺ حضرت زید (ؓ) سے ان کا نکاح ہی نہ کرتے، اور یہ بات خود ان کی اور ان کے خاندان کے لوگوں کی بھی عین خواہش کے مطابق ہوتی، جو شخص خود کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے، وہ اس کو دوسرے کے نکاح میں دینا کیسے پسند کرے گا؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ حضرت زینب (ؓ) سے تم نے خود نکاح نہیں کیا؛ بلکہ ہم نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا ہے: ”وَجَنَّا كَهَا“۔ (احزاب: ۳۷)

یہ اور اس قسم کی آیات قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہیں، اسی لئے اُم المؤمنین حضرت عائشہ (ؓ) کے بقول اگر رسول اللہ ﷺ قرآن مجید میں اپنی طرف سے کوئی چیز بڑھاتے، یا گھٹاتے، یا چھپا دیتے تو آپ ﷺ نے ان آیات کو چھپا دیا ہوتا۔

﴿۱﴾ یہ بات پہلے آچکی ہے کہ اسلام میں گود لینے اور منہ بولی اولاد بنانے کا کوئی تصور نہیں ہے، اس کی مزید وضاحت فرمادی گئی ہے کہ محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، اس سے اس بات کی مزید تاکید ہو گئی کہ حضرت زید (ؓ) آپ ﷺ کے نسبی بیٹے یا بیٹے کے حکم میں نہیں ہیں؛ البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چار چار صاحبزادیوں سے نوازا اور ان ہی کے ذریعہ آپ ﷺ کی نسل کا سلسلہ چلا اور قیامت تک چلتا رہے گا، صاحبزادے بھی اگر چہ آپ ﷺ کو چار چار ہوئے، تین حضرت خدیجہ (ؓ) سے، جن کے نام حضرت قاسم (ؓ)، حضرت طیب (ؓ) اور حضرت طاہر (ؓ) ہیں، اور حضرت ماریہ قبطیہ (ؓ) سے حضرت ابراہیم (ؓ) پیدا ہوئے؛ لیکن یہ سارے صاحبزادے بچپن ہی میں گزر گئے اور ”رَجُل“ (مرد) اس شخص کو کہتے ہیں، جو بالغ ہو چکا ہو، اس لئے فرمایا گیا کہ وہ تم میں سے کسی مرد یا کسی بالغ شخص کے باپ نہیں ہیں، یعنی روحانی اعتبار سے تو پوری اُمت کے باپ ہیں؛ بلکہ اُمت پر آپ ﷺ کی شفقت ایک باپ سے بھی بڑھی ہوئی ہے اور آپ کا احترام باپ سے بھی کہیں بڑھ کر ہے؛ لیکن نسبی اعتبار سے آپ ﷺ اپنے ان آٹھوں صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے علاوہ کسی کے باپ نہیں ہیں؛ لہذا اُمت کی کسی عورت سے یا کسی مرد کی طلاق شدہ بیوی سے آپ ﷺ کا نکاح حرام نہیں ہوگا۔

→ آگے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک امتیازی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، لفظ ”خاتم“ میں دو قراءتیں منقول ہیں، ایک: تاء کے زیر کے ساتھ ”خاتم“ جس کے معنی ہوں گے: نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے، یعنی آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ ﷺ نے اس سلسلہ کو مکمل فرما دیا ہے، دوسرے: تاء کے زبر کے ساتھ ”خاتم“، یعنی وہ چیز جس سے کسی چیز کو مہر بند کر دیا جاتا ہے، جیسے دواؤں کی شیشیوں پر سیل ہوتی ہے کہ اب اس میں کوئی چیز داخل نہیں کی جاسکتی تو اس قراءت کے لحاظ سے بھی یہی مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ کے ذریعہ سلسلہ نبوت کو مہر بند کر دیا گیا ہے، آپ ﷺ کے بعد اب کوئی اور شخص نبی نہیں ہو سکتا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک الفاظ میں اس کو اور واضح کرتے ہوئے فرمایا: اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي (ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون، حدیث نمبر: ۲۲۱۹) میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو: ”أَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ“ (مسند رک حاکم، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۸۶۲۰) اس مضمون کی اتنی زیادہ احادیث ہیں کہ اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث تو اتر کے درجہ کو پہنچ گئی ہے، یعنی بظاہر یہ بات ناقابل تصور ہے کہ اتنے سارے لوگوں نے اس بات کو نقل کرنے میں غلطی کی ہو، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس موضوع پر اپنے استاذ علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے زیر نگرانی ایک مستقل رسالہ ”التصريح في ما تواتر بنزول المسيح“ کے نام سے مرتب کیا ہے، اہل علم کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

خود اس آیت میں تین پہلوؤں سے رسول اللہ ﷺ پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کو واضح کیا گیا ہے، ایک تو خاتم کا لفظ، جس کا اوپر ذکر آیا، دوسرے: النبیین، کہ آپ ﷺ نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں، نبی کا لفظ بمقابلہ رسول کے عام ہے، رسول ایسے نبی کو کہتے ہیں جس کو نئی شریعت بھی دی گئی ہو، تو آپ ﷺ کو خاتم النبیین کہہ کر اس طرف اشارہ فرما دیا گیا کہ اب آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی صاحب شریعت نبی آ سکتا ہے نہ کوئی عام نبی، تیسرے: اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت رہی ہے کہ پیغمبر کے بیٹوں ہی میں سے آئندہ کسی کو پیغمبر بنایا جاتا تھا، جیسے حضرت ابراہیم رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت اسماعیل رحمہ اللہ و اسحاق رحمہ اللہ کو نبی بنایا گیا، حضرت اسحاق رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت یعقوب رحمہ اللہ کو، حضرت یعقوب رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت یوسف رحمہ اللہ کو، حضرت داؤد رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت سلیمان رحمہ اللہ کو اور حضرت زکریا رحمہ اللہ کے بیٹے یحییٰ رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا، تو اگر آپ ﷺ کو کوئی مرد اولاد ہوتی تو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ وہ بھی نبوت سے نوازے گئے ہوں گے، اس لئے آپ ﷺ کو کوئی مرد اولاد عطا نہیں فرمائی گئی؛ اس لئے اس بات پر امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویٰ نہ کرے، خواہ کسی بھی قسم کی نبوت ہو، تو وہ مرتد، زندیق اور کافر ہے اور اس کو نبی ماننا بھی کفر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی یا ایران میں دعویٰ نبوت کرنے والا باب، بہاء، یادکن میں صدیق دیندار، سب اسی حکم میں ہیں، اسی طرح جو لوگ سید محمد جو پوری کو کہتے تو ہیں امام مہدی؛ لیکن عملاً ان کو نبی کا درجہ دیتے ہیں، ان کی بیوی کو ”ام المؤمنین“ کہتے ہیں، ان کے ساتھیوں کو ”صحابی“ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام مہدی پر معافی قرآن نازل کیا گیا ہے، وہ بھی دائرۃ ایمان سے باہر ہی ہیں۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٣٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۖ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿٣٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٣٥﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴿٣٦﴾

وہ اللہ ہی ہیں جو تم پر رحمتیں بھیجتے رہتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی؛ تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں اور اللہ ایمان والوں پر بڑے مہربان ہیں، ﴿۳۳﴾ جس دن وہ اللہ سے ملیں گے، ان کا تحفہ سلام ہوگا اور اللہ نے ان کے لئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے، ﴿۳۴﴾ اے پیغمبر! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا، ڈرانے والا، اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾

﴿۱﴾ اس سے ذکر کی اہمیت معلوم ہوئی، ایک مسلمان کی زبان زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر سے تر ہونی چاہئے، یہاں تک کہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں، (مستدرک حاکم، کتاب الدعاء والکبیر، حدیث نمبر: ۱۸۳۹) ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاص طور پر صبح و شام تسبیح پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۲۳۸، عن ابی امامۃ) پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا انعام بھی بتا دیا ہے کہ ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں، فرشتے ان کے لئے دُعا کرتے ہیں اور اس کی برکت سے انسان ہدایت پر قائم رہتا ہے اور آخرت میں اللہ کا ذکر کرنے والوں کا یہ اعزاز ہے کہ جب یہ جنت میں داخل کئے جائیں گے تو فرشتے بھی ان کی خدمت میں سلام پیش کریں گے اور وہ خود بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے، حضرت براء بن عازب ؓ سے منقول ہے کہ ”یوم یلقونہ“ سے مراد جان کا نکالا جانا ہے کہ جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے تو احترام کے ساتھ ان کو سلام کریں گے۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۳/۱۹۷-۱۹۸)

﴿۲﴾ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی پانچ صفتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں آپ ﷺ کی ذمہ داریوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، پہلی صفت گواہ ہونے کی ہے، یعنی قیامت کے دن آپ ﷺ اپنی اُمت کے حق میں گواہی دیں گے، بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دوسرے انبیاء کی اُمتیں انکار کر جائیں گی کہ ہم کو اللہ کے نبیوں نے پیغام نہیں پہنچایا تو آپ ﷺ ان انبیاء کے حق میں بھی گواہی دیں گے، (بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث نمبر: ۶۹۱۷) آپ ﷺ کی دوسری صفت یہ ہے کہ آپ ﷺ ایمان لانے والوں کو جنت کی خوشخبری دیں گے، تیسری صفت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہ لائیں اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا اہتمام نہ کریں، آپ ﷺ ان کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں گے، اس میں پہلے آپ ﷺ کے خوشخبری دینے کا ذکر ہے، پھر ڈرانے کا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعوت دین میں خوشخبری کے پہلو کو مقدم رکھا جائے، چوتھی صفت بیان کی گئی کہ آپ ﷺ اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والے ہیں، یعنی دعوت اللہ کی طرف ہونی چاہئے، اس میں سبق ہے کہ اپنے مسلک اور اپنی محبوب شخصیتوں کی طرف دعوت نہ ہونی چاہئے، دعوت کا مقصد اللہ ہی کی طرف بلانا ہے، مسلک قابل ترجیح تو ہے؛ لیکن لائق تبلیغ نہیں، اخیر میں فرمایا گیا کہ آپ ﷺ روشن چراغ ہیں، یہ بطور تشبیہ کے ہے کہ جیسے چراغ سے روشنی پھیلتی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے ذریعہ ہدایت کی ←

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿۲۵﴾ وَلَا تُطِيعِ الْكُفْرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذِلَّهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۲۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِيتَعُوهُنَّ وَسِرَّ حُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۲۷﴾

اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑی عنایتیں ہیں، ﴿۲۵﴾ کفر کرنے والوں کی اور منافقین کی باتیں نہ مانئے، ان کے تکلیف پہنچانے کو نظر انداز کر دیجئے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کام بنانے کے لئے کافی ہیں، ﴿۲۶﴾ اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دو تو تمہارا ان پر اختیار نہیں ہے کہ تم ان سے عدت گزراؤ؛ لہذا تم ان کو (رخصتانہ کے طور پر) کچھ تحفہ دے دو اور خوشگوار طریقہ پر رخصت کر دو۔ ﴿۲۷﴾

← روشنی پھیلے گی، تشبیہ دینے میں عام طور پر اونچی سے اونچی چیز کا ذکر کیا جاتا ہے، بظاہر خیال ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو سورج یا چاند سے تشبیہ دی گئی ہوتی تو اس سے آپ کے مقام کی زیادہ بلندی ظاہر ہوتی؛ لیکن چراغ سے تشبیہ کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک سورج سے دوسرا سورج روشن نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلائے جاسکتے ہیں، گویا اس تشبیہ میں آپ ﷺ کی افراد سازی اور تعمیر شخصیت کی صلاحیت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعہ رشد و ہدایت اور علم و عمل کے کتنے ہی چراغ جلیں گے۔

﴿۱﴾ اس میں دعوت کا کام کرنے والوں کو بنیادی نصیحت کی گئی ہے کہ دعوت دین کے کام میں کسی سے اُلجھنا نہیں چاہئے، اگر کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دے تو اس کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانا چاہئے؛ کیوں کہ اُلجھنے سے انسان کی طاقت بحث و مباحثہ میں ضائع ہو جاتی ہے اور وہ اصل کام کی طرف سے بے توجہ ہو جاتا ہے۔

﴿۲﴾ اس آیت میں تین احکام بتائے گئے ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح ہو؛ لیکن میاں بیوی کا تعلق قائم نہیں ہوا اور طلاق کی نوبت آگئی تو ایسی عورت کے لئے عدت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اس مطلقہ بیوی کو کچھ تحفہ دے کر رخصت کرنا چاہئے، اگر نکاح کے وقت اس کا مہر متعین نہیں ہوا تھا تب تو یہ تحفہ دینا واجب ہے جس کو ”متاع“ کہتے ہیں، (ہدایہ: ۱/۳۴۶) اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو تو مہر کی آدھی رقم واجب ہوگی، (حوالہ سابق) اور تحفہ دینا مستحب ہوگا، اگر میاں بیوی کا تعلق نہیں ہوا؛ لیکن دونوں کے درمیان ایسی تنہائی ہوگئی کہ تعلق قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی تو اس صورت میں وہ احکام ہوں گے، جو تعلق قائم ہونے کے بعد طلاق دینے سے ہوتے ہیں، یعنی اس پر عدت واجب ہوگی اور جتنا مہر مقرر ہوا ہے، وہ پورا کا پورا واجب ہوگا، (ہدایہ: ۱/۳۴۷) اگر طلاق کی نوبت نہیں آئی؛ لیکن میاں بیوی کے تعلق سے پہلے ہی شوہر کا انتقال ہو گیا تو پھر پورا مہر واجب ہوگا اور عدت وفات گزارنی ہوگی، ←



يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ خَالَكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُضْرِكُنَّ إِلَىكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝

اے پیغمبر! ہم نے آپ کے لئے آپ کی ان بیویوں کو جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں، آپ کی باندیوں کو جو اللہ نے (مال غنیمت میں سے) آپ کو دلوائی ہیں، نیز آپ کے ساتھ ہجرت کر کے آنے والی آپ کی چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنوں کو آپ کے لئے حلال کر دیا ہے، اور اگر کوئی مسلمان عورت (مہر کے بغیر) اپنے آپ کو پیغمبر کے لئے ہبہ کر دے، نیز پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہیں تو یہ بھی خاص طور پر آپ کے لئے حلال ہے، دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں، ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور باندیوں کے سلسلہ میں جو مقرر کر دیا ہے، وہ ہمیں معلوم ہے، (یہ حکم) اس لئے ہے کہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بہت بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ۵ (آپ کو اختیار ہے) ان (بیویوں) میں سے جن کو چاہیں، الگ رکھیں، اور جن کو چاہیں ساتھ رکھیں، اور جن کو الگ رکھا تھا، پھر سے ان کو ملا لیں تو (اس میں بھی) آپ پر کوئی حرج نہیں ہے، یہ اس لئے ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، وہ غمگین نہ ہوں اور آپ ان کو جو کچھ دیں، وہ اسی پر خوش رہیں، اور اللہ اس بات کو بھی جانتے ہیں، جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ خوب علم والے اور بہت ہی بردبار ہیں۔ ۱۱ ۵

← جو حاملہ عورت کے لئے بچہ کی ولادت ہے اور دوسری عورتوں کے لئے چار مہینہ دس دن، (ہدایہ: ۴۲۸/۱) تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ جس بیوی کے ساتھ تنہائی کی نوبت بھی نہ آئی کہ اسے طلاق دے دی گئی تو اس پر عدت واجب نہیں ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ اگر نکاح کے بعد میاں بیوی کے تعلق سے پہلے ہی شوہر طلاق دے دے تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہ طلاق احناف کے نزدیک طلاق بائن کے حکم میں ہوتی ہے۔ (ہدایہ: ۴۲۸/۱)

﴿ آیت نمبر: ۵۰ اور ۵۱ میں بنیادی طور پر رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے، اس میں بعض احکام وہ دیئے گئے ہیں، جو حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، اور بعض وہ ہیں جو آپ ﷺ کے لئے بھی تھے اور اُمت کے لئے بھی ہیں، پہلا حکم یہ بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ نے ←

← جن بیویوں کا مہر ادا کر دیا ہے، وہ سب آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں، اس آیت کے نازل ہونے کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں؛ اس لئے اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اوروں کے لئے تو چار سے زائد نکاح جائز نہیں ہے؛ لیکن آپ ﷺ کے نکاح میں جتنی بیویاں ہیں، وہ سب آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی مردوں اور عورتوں کے لئے اُسوہ و نمونہ تھی اور مسلمان اپنی خلوت و جلوت کی زندگی میں اسی نمونہ پر عمل کرنے کے پابند ہیں؛ اس لئے جیسے گھر سے باہر کی زندگی میں ہزاروں صحابہ نے آپ ﷺ سے استفادہ کیا اور آپ ﷺ کی تعلیمات لوگوں تک پہنچائی، اسی طرح گھر کے اندر بھی ایسی باصلاحیت اور مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کی ضرورت تھی، جو آپ ﷺ کے عمل کو دیکھیں اور خواتین اُمت تک پہنچائیں، اس بنیادی مصلحت کے تحت آپ ﷺ کو چار سے زیادہ نکاح کی اجازت دی گئی، پھر چار باتیں ایسی واضح ہیں کہ اگر ان کو پیش نظر رکھا جائے تو آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اول یہ کہ بچپن سال کی عمر تک آپ کے حرم میں ایک ہی بیوی رہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا؛ حالاں کہ یہی زمانہ انسان کے اصل شباب کا اور عورت کی چاہت کا ہوتا ہے، اس کے بعد ہی آپ ﷺ کے نکاح میں ایک سے زائد بیویاں آئیں، دوسرے: سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آپ ﷺ کی کوئی بیوی کنواری نہیں تھیں، باقی تو بیوہ تھیں یا طلاق شدہ؛ بلکہ بعض تو ایک سے زیادہ شوہروں سے گزر کر آپ ﷺ کے پاس آئی تھیں، جو شخص خواہش نفسانی کے لئے شادی کرے گا، وہ اپنے لئے کنواری لڑکی کا انتخاب کرے گا نہ کہ بیوہ اور مطلقہ کا؛ حالاں کہ حضور ﷺ کی شان یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ کسی کنواری لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے تو وہ اور ان کے اہل خاندان خوشی سے اس کو قبول کر لیتے، تیسرے: آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے کوئی خاتون ایسی نہ تھیں، جو شکل و صورت کے اعتبار سے بہت ممتاز ہوں، ہاں، ان کے اندر ذہانت، تقویٰ و طہارت اور اخلاقی اوصاف اعلیٰ درجہ کے تھے، چوتھے: اگر رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زندگی پر کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش ہوتی تو مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود و منافقین ہر گز اس سے باز نہ آتے؛ لیکن کسی کو آپ ﷺ کے کردار پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی، اگر ایسا ہوتا تو قرآن و حدیث میں ضرور اس کا ذکر آتا؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی متعدد شادیوں پر اہل مغرب کا اعتراض حسد اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں؛ حالاں کہ بائبل میں تو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سینکڑوں بیویوں کا ذکر موجود ہے، مگر عجیب بات ہے کہ اس کتاب پر ایمان رکھنے والے پیغمبر اسلام ﷺ کو ہدف تنقید بنائیں، جن کے نکاح میں بیک وقت نو سے زیادہ بیویاں کبھی نہیں رہیں۔

دوسرا حکم باندیوں سے متعلق ہے، مال غنیمت سے جس مسلمان کو جو باندی ملے، وہ اس کے لئے حلال ہے؛ لیکن آپ ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اگر آپ ﷺ کسی باندی کو منتخب کر لیتے تو وہ بھی آپ ﷺ کے لئے حلال ہوتی، جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوہ بنو قریظہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ (بیان القرآن: ۵۸/۹)

تیسرے: چچا زاد، پھوپھی زاد اور ماموں زاد بہنوں سے نکاح تو ہر مسلمان کے لئے حلال ہے؛ لیکن آپ ﷺ کو یہ خصوصی حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ کے لئے ان رشتہ داروں میں سے وہی حلال ہیں، جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہو، جن رشتہ دار عورتوں نے ہجرت نہیں کی، جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی وغیرہ، ان سے نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے جائز نہیں تھا؛ جب کہ دوسرے ←

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۝

اس کے بعد آپ کے لئے اور عورتوں (سے نکاح کرنا) جائز نہیں ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ ان (بیویوں کو چھوڑ کر) ان کے بدلے دوسری بیویاں کر لیں، اگرچہ کہ آپ کو ان کی خوبی پسند آجائے، سوائے باندیوں کے (کہ نئی باندیاں حلال ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ ﴿۱﴾

← مسلمانوں کے لئے یہ شرط نہیں تھی کہ وہ صرف ان ہی رشتہ دار عورتوں سے نکاح کریں جو ہجرت کر چکی ہوں — چوتھا خصوصی حکم یہ دیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان عورت اپنی ذات آپ ﷺ کو ہبہ کر دے، یعنی بغیر مہر کے آپ ﷺ سے نکاح کرنا چاہے اور آپ ﷺ قبول کر لیں تو یہ بھی آپ ﷺ کے حق میں جائز ہے، اس حکم میں رسول اللہ ﷺ کی دو خصوصیتیں ہیں: ایک یہ کہ عام مسلمانوں کے لئے اہل کتاب سے بھی نکاح جائز تھا؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے لئے مسلمان عورت ہی کو بحیثیت بیوی یا باندی اپنی زندگی میں لانے کی اجازت تھی؛ کیوں کہ خانہ نبوت میں کسی غیر مسلم عورت کا رہنا مصلحت کے خلاف تھا، دوسری یہ کہ عام مسلمانوں کے لئے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز نہیں، مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے بغیر مہر کے بھی نکاح کرنے کی گنجائش تھی، اس طرح یہ چار خصوصی احکام ہوئے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول آپ ﷺ نے اپنی اس خصوصیت کا فائدہ نہیں اٹھایا، جو خواتین آپ ﷺ کے حرم میں تھیں، وہ یا تو آپ ﷺ کی بیوی تھیں یا باندی۔

یہ بات کہ یہ اجازت آپ ﷺ کے لئے ہے، دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں، اس سلسلہ میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اس کا تعلق صرف اس آخری حکم سے ہے کہ بغیر مہر کے بھی آپ کے لئے نکاح کی اجازت تھی، دوسرے احکام سے اس کا تعلق نہیں، دوسری رائے یہ ہے کہ اوپر جو پانچ احکام ذکر کئے گئے ہیں وہ سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی، اسی لئے آگے فرمایا گیا کہ عام مسلمانوں کے حق میں بیویوں اور باندیوں کے سلسلہ میں جو احکام مقرر ہیں اور جو اللہ کے علم میں ہیں، ان ہی کے مطابق عمل ہوگا — چھٹا خصوصی حکم یہ دیا گیا کہ عام مسلمانوں پر تو بیویوں کے درمیان عدل واجب ہے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ بات واجب نہیں تھی، آپ ﷺ کو اختیار حاصل تھا کہ جس بیوی کو چاہیں ساتھ رکھیں، جس کو چاہیں باری سے الگ کر دیں، اگر کسی کو الگ کر چکے ہوں تو ان کو پھر واپس لے لیں، آپ ﷺ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۰۵-۱۱۸)

﴿۱﴾ اس آیت میں خود رسول اللہ ﷺ سے خصوصی خطاب ہے کہ اب جو بیویاں آپ ﷺ کے پاس موجود ہیں — اور اُس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں نواز واج مطہرات تھیں — ان کے علاوہ اب مزید نکاح کرنے کی آپ ﷺ کو اجازت نہیں، اور نہ اس بات کی اجازت ہے کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دیں؛ کیوں کہ آپ ﷺ کے علاحدگی کے اختیار دینے پر ان سب نے آپ ﷺ کے ساتھ رفاقت کو ترجیح دی ہے، اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ آپ ﷺ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کوئی نئی بیوی لے آئیں کہ تعداد تو وہی رہے جو موجودہ ہے؛ لیکن شخصیت بدل جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَظَرٍ  
إِلَيْهِ ۖ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۖ  
إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَعِجِلُ مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَعِجِلُ مِنَ الْحَقِّ ۖ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ  
مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۖ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۖ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ  
تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زُجَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۖ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ  
عَظِيمًا ۝۵۳ إِنْ تُبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تُخَفُّوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝۵۴ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَ فِي  
أَبْنَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا ابْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا  
نِسَاءِيهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ ۖ وَالتَّقِينِ اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝۵۵

اے ایمان والو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو، سوائے اس کے کہ تم کو کھانے پر بلا جائے اور اس کے پکنے کا  
انتظار نہ کرنا پڑے؛ البتہ جب دعوت دی جائے تو آؤ، پھر جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور بات میں دلچسپی لے کر نہ بیٹھ  
جاؤ؛ کیوں کہ اس بات سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی ہے، وہ (کہتے نہیں ہیں، اس لئے کہ) تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ  
سچی بات کہنے سے حیا نہیں کرتے، اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ  
تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزگی کا باعث ہے، تمہارے لئے درست نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو  
تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم پیغمبر کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، یقیناً یہ اللہ کے نزدیک بڑا  
سخت گناہ ہے، ۵۳ تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، یقیناً اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ۵۴ عورتوں کے لئے اپنے باپ،  
بیٹوں، بھائیوں، بھتیجیوں، بھانجیوں، عورتوں اور باندیوں سے (پردہ نہ کرنے میں) کوئی حرج نہیں ہے، اور (اے  
عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ ۵۵

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۵۳ اور ۵۵ میں سماجی زندگی سے متعلق بہت اہم احکام دیئے گئے ہیں، اگرچہ ان احکام میں ازواج مطہرات  
سے یا رسول اللہ ﷺ کے دولت خانہ کو آنے جانے والے لوگوں سے خطاب ہے؛ لیکن یہ بالواسطہ پوری امت کے لئے ہدایت ہے،  
پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ خود کھانے کی دعوت نہ دیں، اپنے طور پر نہ پہنچ جایا کرو، یہی حکم عام مسلمانوں کی  
دعوت میں جانے کے سلسلہ میں بھی ہے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ دعوت دی جائے تو کھانے کے وقت پہنچو، پہلے سے پہنچ کر انتظار  
مت کرو کہ گھر والوں کو دشواری ہو، تیسری ہدایت یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد خواہ مخواہ میزبان کے یہاں بیٹھے مت رہو کہ  
اس کے کاموں میں خلل ہو، ان تینوں احکام کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کا نکاح حضرت زینب ؓ سے ہوا اور آپ ﷺ نے  
ولیمہ میں لوگوں کو مدعو کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی مدعو حضرات وہیں بیٹھ گئے، اب یہ حضرات گفتگو کر رہے تھے ←

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۱۰﴾  
 إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا  
 مُّهِينًا ﴿۱۱﴾

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے رہتے ہیں، (لہذا) اے ایمان والو! تم بھی پیغمبر پر (درود و سلام) بھیجا کرو، ﴿۱۰﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا میں بھی اللہ کی پھٹکار ہے اور آخرت میں بھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زُسا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۱﴾

← اور اُم المؤمنین حضرت زینب بن جحش ؓ دیوار کی طرف چہرہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں، رسول اللہ ﷺ کو ان کا یہ عمل گراں گزرا، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۲۲۴/۱۴) چوتھے حکم کا تعلق پردہ سے ہے کہ اگرچہ پیغمبر کی بیویاں تمہاری روحانی مائیں ہیں؛ لیکن پردہ کے معاملہ میں ان کا حکم غیر محرم کا ہے؛ لہذا اگر کوئی چیز مانگنی ہو تو سامنے آ کر نہ کھڑے ہو جاؤ؛ بلکہ پردے سے مانگو، یہی حکم عام مسلمان عورتوں کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے؛ کیوں کہ ازواجِ مطہرات کے تقدس کے تحت تو کسی مسلمان کے دل میں بُرا خیال آ بھی نہیں سکتا تھا، جب ان کے بارے میں یہ حکم ہے تو دوسروں کے بارے میں بدرجہ اولیٰ ہوگا، پانچواں حکم ازواجِ مطہرات کے ساتھ مخصوص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی کسی مسلمان کے لئے آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کرنا جائز نہیں، اس میں ایک تو رسول اللہ ﷺ کی عظمت و احترام کا پہلو ہے کہ آپ ﷺ کی نسبت کی وجہ سے یہ خواتین پوری اُمت کے لئے نسبی ماؤں سے بڑھ کر ماں ہیں، دوسرے: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی زندگی حاصل ہے اور شوہر کی زندگی میں بیوی کا کسی اور سے نکاح نہیں ہو سکتا، تیسرے: یہ دنیا کی طرح جنت میں بھی آپ ﷺ کے نکاح میں رہیں گی، گویا آپ ﷺ سے ان کا نکاح دنیا سے لے کر آخرت تک کے لئے ہوا ہے اور آپ ﷺ کی وفات کی وجہ سے رشتہ نکاح ختم نہیں ہوا ہے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۲۲۸/۱۴-۲۳۰) اور یہ کہہ کر کہ تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ صحابہ کو متنبہ کر دیا گیا کہ ازواجِ مطہرات سے کسی مسلمان کے نکاح کرنے کا دل میں خیال بھی نہ پیدا ہونا چاہئے۔

آخری حکم یہ دیا گیا کہ اُمہات المؤمنین سے پردے سے چیزیں طلب کیا کرو، یہ اُن مردوں کے لئے ہے جو غیر محرم ہوں، جو محرم ہیں جیسے باپ، دادا، چچا، اولاد، بھائی، بھتیجے، بھانجے، مسلمان خواتین اور باندیاں، ان سب کے لئے پردہ کا حکم نہیں ہے، ان کے سامنے نکلنے کی گنجائش ہے، یہ حکم جیسے ازواجِ مطہرات کے لئے ہے، ویسے ہی اُمت کی دوسری خواتین کے لئے بھی ہے۔

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کے سلام بھیجنے کا مطلب رحمت نازل کرنا ہے اور فرشتوں کے سلام بھیجنے سے مراد آپ ﷺ کے لئے دُعاءِ رحمت کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے اور فرشتوں کے صلاۃ و سلام کا ذکر کرنے کے بعد پھر مسلمانوں کو آپ ﷺ پر صلاۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا، اس سے اس عمل کی اہمیت معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ اُمت کے سب سے بڑے محسن اور انسانیت کے سب سے بڑے

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾

جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایسی بات (کی تہمت لگا کر) تکلیف پہنچاتے ہیں، جو انھوں نے کیا ہی نہیں ہے، تو انھوں نے بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لے لیا۔ ﴿۵۸﴾

← خیر خواہ تھے، اس لئے آپ کا حق ہے کہ آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ صلاۃ و سلام بھیجا جائے، اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ زندگی میں ایک بار آپ ﷺ پر صلاۃ و سلام پیش کرنا فرض ہے؛ لیکن اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار آپ ﷺ کا مبارک ذکر آئے تو کیا ایک دفعہ صلاۃ و سلام بھیجنا کافی ہو جائے گا یا ہر بار کہنا ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں دورائیں ہیں، ایک یہ کہ ہر بار صلاۃ و سلام پڑھنا واجب ہوگا، مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے، وہ دوزخ میں داخل ہوگا، اللہ اس کو محروم ہی رکھے، (صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الادعیۃ، حدیث نمبر: ۹۰۷) دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک بار صلاۃ و سلام پڑھ دینا کافی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۳۲-۲۳۳) اسی طرح نماز میں جو صلاۃ و سلام پڑھا جاتا ہے، اس کے بارے میں جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ وہ سنت یا مستحب ہے، امام شافعیؒ کے یہاں واجب ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۳۶) جیسے زبانی صلاۃ و سلام پڑھنا چاہئے، اسی طرح اگر تحریر میں آپ ﷺ کا ذکر مبارک آجائے تو صلاۃ و سلام لکھنا چاہئے، اصول حدیث کے مشہور عالم علامہ ابن صلاحؒ نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر پورا صلاۃ و سلام لکھنے کی بجائے اختصار کے طور پر ”صلعم“ لکھ دینا کافی نہیں، (تدریب الراوی: ۷۷/۲) — سلام تو ہر مسلمان کے لئے ہے؛ لیکن صلاۃ کا لفظ صرف انبیاء اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے، انبیاء کے علاوہ کسی کے لئے مستقلاً صلاۃ کا لفظ درست نہیں؛ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی پر صلاۃ بھیجنا درست نہیں؛ البتہ ان کے لئے استغفار کے الفاظ کہہ سکتے ہیں: ”لا یصلی علی أحد إلا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکن یدعی للمسلمین والمسلمات بالاستغفار“ (سنن بیہقی، باب بل یصلی علی غیر النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۲۶۹۶، نیز دیکھئے: فتح الباری لابن حجر، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی) البتہ حضور ﷺ کے ساتھ ضمنی طور پر آپ ﷺ کی آل و اصحاب یا اُمت مسلمہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے: ”وتجوز الصلوۃ علی غیرہ تبعالہ“۔ (التفسیر المنیر: ۲۲/۹۵)

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچانے سے مراد ہے: کفر کرنا، اللہ کی طرف بیوی کی یا اولاد کی نسبت کرنا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، یا زمانہ کو برا بھلا کہنا؛ حالاں کہ زمانہ اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانے سے مراد ہے: حضور ﷺ کو جسمانی تکلیف پہنچانا، جیسا کہ مکہ میں ہوا، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنا، جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر منافقین نے تہمت لگائی، حضور ﷺ کے کسی حکم کو دل سے قبول نہ کرنا، یا حضرت صفیہؓ اور حضرت زینبؓ سے نکاح پر منافقین کا طعن و تشنیع کرنا، اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کی صورتیں واضح ہیں کہ اپنے قول و فعل کے ذریعہ کوئی ایسا عمل کرنا جو مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ ہو، اور خاص کر ان پر تہمت لگانا، جیسا کہ منافقین حضرت علیؓ وغیرہ کے بارے میں کیا کرتے ←

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۖ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۲۵﴾ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲۶﴾ مَلْعُونِينَ ۖ أَيَنَّمَا تُقَفُّوا اخْذُوا وَقْتًا تَفْتِيلًا ﴿۲۷﴾ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۸﴾

اے پیغمبر! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے آپ پر گھونگٹ لٹکا لیا کریں، اس سے اُمید ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، تو ان کو تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور بڑے مہربان ہیں، ﴿۲۵﴾ اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں غلط افواہیں پھیلانے والے باز نہیں آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے، پھر وہ مدینہ میں کچھ دنوں سے زیادہ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکیں گے، ﴿۲۶﴾ ان سب پر پھٹکار ہے، وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں، پکڑ لئے جائیں اور اچھی طرح مار ڈالے جائیں، ﴿۲۷﴾ ان سے پہلے لوگوں کے بارے میں بھی اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے اور آپ اللہ کے طریقہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ ﴿۲۸﴾

← تھے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۳۹، ۲۴۰) — موجودہ دور میں قرآن وحدیث کے احکام کو خلاف عقل قرار دینا، حدیث نبوی کی حجیت کا انکار کرنا، صحابہ پر سب و شتم کرنا وغیرہ بھی اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کی شکلیں ہیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

﴿۱﴾ یعنی بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ عورتیں بلا وجہ گھر سے باہر نہ نکلیں؛ لیکن اگر کسی ضرورت سے نکلنا پڑے تو ایسا گھونگھٹ استعمال کریں، جس سے گزرنے والوں کو چہرہ نظر نہ آئے اور گھونگھٹ لٹکانے والی کو راستہ نظر آتا رہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے اس کی شکل یہ بتائی کہ پیشانی کے اوپر دوپٹہ اس طرح باندھا جائے کہ سینہ اور چہرہ کا بڑا حصہ چھپ جائے اور دونوں آنکھیں کھلی رہیں؛ تاکہ راستہ دیکھ سکیں، اس کی گنجائش ہے: ”ذَٰلِكَ أَنْ تَلْوِيَهُ فَوْقَ الْجَبِينِ وَتَشْدَهُ، ثُمَّ تَعْطِفُهُ عَلَى الْأَنْفِ وَإِنْ ظَهَرَتْ عَيْنَاهَا لَكِنَّهُ يَسْتُرُ الصَّدْرَ وَمَعْظَمَ الْوَجْهِ“ (جامع الاحکام القرآن للقرطبی: ۱۴/۱۵۶) اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اوباش قسم کے لوگ سمجھ جائیں گے یہ شریف عورت ہے، عورتوں کے لئے پردہ کی کیا حدود ہیں؟ بحیثیت مجموعی اس کے چار درجات کئے جاسکتے ہیں، اول: شوہر سے جس کے لئے کوئی پردہ نہیں ہے، دوسرے: محرم رشتہ دار، جن کے سامنے چہرہ ہاتھ، بازو، سینہ کا اوپری حصہ، پنڈلی، پاؤں اور بال وغیرہ حسب ضرورت کھولنے کی گنجائش ہے، تیسرے: اجنبی مرد یا ایسے غیر محرم جن کی عام طور پر گھر میں آمد و رفت نہیں ہوتی، ان سے چہرہ کا پردہ بھی ضروری ہے، سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت درپیش ہو، جیسے ڈاکٹر کو دکھانا یا کسی سامان کا ←

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٢٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرَيْنَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٢٤﴾ خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ لَوْلَا مَا كُنَّا نَعْبُدُ اللَّهَ وَآطَعْنَا أَمْرًا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّنَا السَّبِيلَا ﴿٢٦﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَهُمُ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٢٧﴾

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کب آئے گی؟) آپ کہہ دیجئے: اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور کیا خبر کہ شاید قریب ہی آگئی ہو، ﴿۲۳﴾ یقیناً کافروں کو اللہ نے محروم رکھا ہے اور ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، ﴿۲۴﴾ وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے، نہ ان کو کوئی دوست ملے گا اور نہ مددگار، ﴿۲۵﴾ جس دن ان کے چہرے دوزخ میں اُلٹا دیئے جائیں گے، ﴿۲۶﴾ اس دن وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی ہوتی، ﴿۲۷﴾ اور وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تو اپنے سرداروں اور بڑوں کی مان لی تھی، تو انھوں نے ہی ہمیں گمراہ کر دیا تھا، ﴿۲۸﴾ پروردگار! آپ ان کو دو ہر عذاب دیجئے اور ان کو خوب پھٹکارئے۔ ﴿۲۹﴾

← خرید کرنا، چوتھے: ایسے رشتہ دار جو غیر محرم ہوں؛ لیکن مشترک گھر کی وجہ سے یا کثرت سے آمد و رفت کی وجہ سے ان سے مکمل پردہ دشوار ہو، تو اگر ان کے سامنے ہونے میں فتنہ کا اور گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو چہرہ اور گٹوں تک ہاتھ کھولنے کی اجازت ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے؛ کیوں کہ حضرت اُم ہانی رحمہ اللہ اور بعض دیگر خواتین پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد بھی آپ کے سامنے آتی رہی ہیں، اور اگر گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ان سے بھی پردہ ضروری ہے: ”فحل النظر مقید بعدم الشهوة وإلا فحرام“ (در مختار: ۲/۲۴۲) اسی طرح اگر عمر دراز عورتیں ہوں، جن کے سامنے ہونے میں فتنہ کا اندیشہ نہیں ہو، ان کے لئے بھی چہرہ اور گٹوں تک ہاتھوں کے کھولنے کی گنجائش ہے۔

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں، اب آپ ﷺ کے بعد قیامت سے پہلے کسی نبی کے آنے کا امکان نہیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے (مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعة، حدیث نمبر: ۲۹۵۱) البتہ قیامت کے واقع ہونے کی قطعی تاریخ کو چھپا کر رکھا گیا ہے؛ تاکہ لوگ اپنے عمل کے اعتبار سے ہر وقت اس کے لئے تیار رہیں۔

﴿۲﴾ چہرے کے بل ڈالے جانے میں تکلیف کے ساتھ ساتھ اہانت و تذلیل کا پہلو بھی ہے، یعنی اہل دوزخ کو نہ صرف سخت عذاب دیا جائے گا؛ بلکہ ان کو رسوا اور ذلیل بھی کیا جائے گا، اسی لئے قرآن مجید میں بعض گناہوں پر دوزخ کے عذاب کے لئے ”عذاب مہین“ (رسوا کن عذاب) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِبُهُا ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۚ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۚ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۚ

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنہوں نے موسیٰ کو (عیب لگا کر) تکلیف پہنچائی تھی، تو اللہ نے موسیٰ کا ان کے الزام سے پاک ہونا واضح فرما دیا اور وہ خدا کے نزدیک بڑے مرتبہ والے تھے، ﴿۱﴾ ﴿۱۹﴾ اے مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور درست بات کہا کرو، ﴿۲﴾ اللہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کو درست کر دیں گے اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، وہ بہت کامیاب ہوگا، ﴿۳﴾ ہم نے (دین کی) امانت (کا بوجھ) آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو اٹھانے سے عاجزی ظاہر کر دی اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، یقیناً انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین اور منافقین کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی تھی، اس کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پچھلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ان کی اُمتوں کا یہی رویہ رہا تھا، ان ہی میں حضرت موسیٰ ﷺ ہیں کہ قوم بنی اسرائیل حالاں کہ ان پر ایمان لا چکی تھی؛ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے پیغمبر کو طرح طرح کی تکلیف پہنچایا کرتی تھی، ان ہی تکلیفوں میں سے ایک یہ تھی کہ بنی اسرائیل کھلے عام بے لباس غسل کیا کرتے تھے؛ لیکن حضرت موسیٰ ﷺ پردہ کا بہت اہتمام کرتے تھے، جسم کو چھپا کر رکھتے تھے، قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ان کو کوئی نہ کوئی بیماری ہے یا تو ان کے فوطے پھولے ہوئے ہیں یا جسم پر سفید داغ ہے یا کوئی اور بیماری ہے؟ نبی کو حق تعالیٰ جیسے اخلاق و عادات کے اعتبار سے مکمل بناتے ہیں، اسی طرح جسم اور بناوٹ کے اعتبار سے بھی ہر طرح کے عیب سے بچا کر رکھتے ہیں، حضرت موسیٰ ﷺ بھی اسی شان کے حامل تھے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ان الزامات سے براءت کی یہ صورت بنی کہ ایک دن حضرت موسیٰ ﷺ ایسی جگہ جہاں لوگ نہیں تھے، کپڑے اتار کر پانی کے چشمے میں غسل کے لئے گئے اور کپڑا ایک چٹان پر رکھ دیا، پتھر کی وہ چٹان وہاں سے بھاگنے لگی، حضرت موسیٰ ﷺ ”میرا کپڑا، میرا کپڑا“ کہتے ہوئے پیچھے دوڑے، آپ کے جسم پر کپڑا نہیں تھا، آخر یہ پتھر وہاں جا کر رُکا، جہاں بنی اسرائیل کا ایک گروہ موجود تھا، لوگوں نے دیکھا کہ آپ جسمانی اعتبار سے بھی نہایت خوبصورت اور اعضاء کے اعتبار سے بھی بہت متناسب ہیں اور اس طرح اس الزام کا دفعیہ ہو گیا، حضرت ابو ہریرہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، (بخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام، حدیث نمبر: ۳۲۳۳) بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں کو ستانا اور تکلیف پہنچانا اللہ تعالیٰ کے غضب اور پکڑ کا باعث ہے۔

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱﴾

تاکہ اللہ منافق مردوں، عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دیں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول فرمائیں، اور اللہ ہیں ہی بہت بخشنے والے اور مہربان۔ ﴿۱﴾

← ﴿۲﴾ امانت پیش کرنے سے مراد دین کے احکام کو پیش کرنا ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۵۳/۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر دین کے احکام پیش کئے، ان سے کہا کہ اگر تم اس امانت کو اٹھاؤ تو اللہ کی فرمانبرداری کرنے کی صورت میں تم کو بہترین اجر دیا جائے گا اور نافرمانی کرنے کی صورت میں زبردست سزا دی جائے گی، اس امانت میں اللہ کی توحید اور اس کی عبادت یقینی طور پر شامل رہی ہوگی، رہ گئے دوسرے احکام، تو وہ ہر مخلوق کو اس کی ساخت اور صلاحیت کے اعتبار سے دیئے جاتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ان کے لئے وہی شرعی احکام ہوتے جو انسانوں کے لئے ہیں، بہر حال ان مخلوقات نے اپنے عجز کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اس امانت کو اٹھانے کی ذمہ داری نہیں رکھی، پھر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کی تخلیق کے بعد ان سے کہا: میں نے یہ امانت آسمان و زمین پر پیش کی تو انھوں نے اس سے عاجز ہونے کا اظہار کر دیا، تو کیا تم اس کو اٹھا سکتے ہو؟ اگر تم اس کو اٹھانے کا حق ادا کرو گے تو تمہیں اس کا بہترین اجر عطا کیا جائے گا اور اگر تم نے اس امانت کا حق ادا نہیں کیا، ضائع کر دیا تو تم کو عذاب ہوگا، حضرت آدم ؑ نے اس کو قبول فرمایا، (تفسیر ابن کثیر: ۵۰۱/۳) اس طرح دین و شریعت کے احکام انسان کے کاندھوں پر رکھے گئے۔ انسان کے بڑے ظالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس امانت کو قبول کر کے اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے؛ کیوں کہ اگر اس کا حق ادا نہ کرے گا تو دوزخ میں جائے گا، اور جاہل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جس ذمہ داری کو قبول کیا ہے، وہ اس کی مشکلات سے کما حقہ واقف نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سعید بن جبیر ؓ اور قتادہ ؓ نے ظالم اور جاہل ہونے کا یہی مطلب مراد لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۵۷/۱۴) — اگرچہ کہ اس فقرہ میں بظاہر انسان کی مذمت ہے؛ لیکن غور کیا جائے تو اس کے پس پردہ انسان کی تعریف بھی کی گئی ہے، ظالم اسی کو کہا جاتا ہے، جس میں عدل و انصاف کرنے کی صلاحیت ہو، گائے بکری اور اور دود یوار کو ظالم نہیں کہا جاتا، جاہل اسی کو کہا جاتا ہے، جس میں اپنی اصل کے اعتبار سے علم کی صلاحیت ہو، سمندر اور پہاڑ کو جاہل نہیں کہا جاتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے اس بات کا اعلان ہے کہ اس کو علم و عدل کی صلاحیت عطا کی گئی ہے اور یہی صلاحیت ہے جس کے ذریعہ انسان امانت الہی کا بوجھ اٹھا سکتا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی دین کی امانت انسان کو بطور امتحان کے سپرد کی گئی ہے کہ جو اس امانت کا حق ادا کرے، اس کو آخرت کا بہترین اجر عطا کیا جائے، اس سے جو بھول چوک ہو، اس کے لئے توبہ قبول کی جائے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھل کر شرک کرنے والے ہوں یا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں؛ لیکن حقیقت میں مسلمان نہ ہوں، یعنی منافقین، ان کو عذاب دیا جائے؛ کیوں کہ اگر اچھا عمل کرنے والوں کو انعام نہ دیا جائے اور غلط عمل کرنے والوں کو سزا نہ دی جائے تو یہ امتحان بے مقصد ہو جائے گا۔



# سُورَةُ سَبَا

«سورہ نمبر : (۳۴)»

«رکوع : (۶)»

«آیتیں : (۵۴)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفہیم قرآن مجید

یمن کے خوبصورت اور زرخیز علاقہ کا نام سبا تھا، یہاں جو لوگ آباد تھے وہ بنیادی طور پر سورج کے پرستار تھے، اس سورہ کی آیت نمبر: ۱۵، ۱۶ میں اس کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورہ سبا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کو جو غیر معمولی نعمتیں عطا کی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ پرندے، پہاڑ، ہوائیں اور جنات بھی ان کے قابو میں تھے، دوسری طرف ملک سبا میں لوگوں کو پھلوں کے باغات، پانی کے چشمے اور خوراک کی فراوانی میسر تھی، اس سورہ میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ سبا کو اسلام کی دعوت، بارگاہ سلیمانی میں ملکہ کی حاضری اور ایمان سے مشرف ہونے کی دلچسپ داستان بھی ذکر کی گئی ہے، اس کے معاً بعد اس بدنصیب قوم کا حال بیان کیا گیا ہے، جو بڑی خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے، سرسبز و شاداب اور لہلہاتے ہوئے باغات کی وجہ سے یہ علاقہ دنیا میں گویا جنت کا نمونہ تھا اور یہاں آپاشی کا زبردست نظام موجود تھا؛ لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے منھ موڑا تو وہی ڈیم جو ان کی خوشحالی کا سبب تھا، ان کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بن گیا اور یہ ایک اُجڑی ہوئی بستی بن کر رہ گئی — اس کے علاوہ اس سورہ میں قرآن مجید کی بنیادی دعوت — توحید اور آخرت — کو مختلف دلیلوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ  
الْخَبِيرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ  
فِيهَا ۖ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي  
لَتَأْتِيََنَّكُمْ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا  
أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے، ﴿۱﴾ وہ بڑی حکمت و دانائی والا اور بہت باخبر ہے، ﴿۲﴾ زمین میں جو چیزیں داخل ہوتی ہیں اور جو چیزیں زمین سے نکلتی ہیں، جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان میں چڑھتا ہے، اللہ کو سب معلوم ہیں، اور وہ نہایت مہربان اور بہت معاف کرنے والے ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ ایمان نہ لانے والے کہتے ہیں: ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ کہہ دیجئے! کیوں نہیں، میرے غیب کے جاننے والے رب کی قسم! قیامت تم پر ضرور آ کر رہے گی، آسمان و زمین میں ذرہ برابر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے، نہ اس سے چھوٹی اور بڑی کوئی چیز ہے، جو واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں موجود نہ ہو۔ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ یوں تو دنیا میں بھی قابل تعریف ہیں؛ لیکن دنیا میں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتوں کے لئے بندوں کو واسطہ بنایا ہے، انسان کے وجود کے لئے ماں باپ کو، علم کے لئے استاذ کو، صحت کے لئے معالج کو، ماں باپ بننے کے لئے شوہر و بیوی کو، اور اناج کے لئے زمین اور درخت کو؛ لیکن آخرت میں یہ سارے واسطے ہٹ جائیں گے اور ہر شخص براہ راست اللہ کی قدرت اور اس کے رحم و کرم کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا؛ اس لئے وہاں صرف اللہ ہی کی تعریف ہوگی، دنیا میں جو انسان ان واسطوں کو قابل تعریف خیال کرنے لگتا ہے، وہاں یہ بھی نہیں ہوگا۔

﴿۲﴾ پانی، بیج، کیڑے مکوڑے، کتنی ہی چیزیں ہیں جو سطح زمین سے زمین کے اندر داخل ہو جاتی ہیں اور پودے درخت، زمین کے اندر چھپے ہوئے معدنی خزانے سونا چاندی، پٹرول اور نہ جانے کتنی چیزیں زمین سے باہر نکلتی ہیں، آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے، اولے گرتے ہیں، وحی نازل کی جاتی ہے، فرشتے بھیجے جاتے ہیں، تقدیر کے فیصلے اُتارے جاتے ہیں اور آسمان کی طرف انسان کے اعمال اور اپنی ڈیوٹی کے مطابق فرشتے جاتے یا اعمال کی رپورٹ لے جاتے ہیں، اگر ان کی تفصیلات و جزئیات کو دیکھا جائے تو ان کی تعداد بے شمار ہو جائے گی، یہ ساری چیزیں اللہ کے علم میں ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۶۶)

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٌ ۝ وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ ۖ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنْبِئُكُمْ إِذَا مُزِقْتُمْ كُلٌّ مِّنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفَتَوَارَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝

تاکہ اللہ ان لوگوں کو بدلہ عطا فرمائیں، جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بخشش اور عزت والی روزی ہے، ﴿۱﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے سلسلہ میں کوشش کی کہ (ہمیں) ہر ادیں، ان کے لئے سخت تکلیف دینے والا عذاب ہے، ﴿۲﴾ اور جن کو علم سے نوازا گیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جو کتاب آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے اوپر اتاری گئی ہے، وہ حق ہے اور وہ غالب اور قابل تعریف (خدا) کا راستہ دیکھاتی ہے، ﴿۳﴾ اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں، وہ کہتے ہیں: کیا ہم تم کو ایک ایسا شخص بتائیں، جو تم کو خبر دیتا ہے کہ جب ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ گے، تو پھر نئے سرے سے پیدا کئے جاؤ گے، ﴿۴﴾ تمہارا کیا خیال ہے؟ یا تو یہ اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے یا اس کو جنون ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ آفت اور پڑلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ عالم آخرت میں بنیادی طور پر اللہ کی طرف سے دو چیزیں ہوں گی، ایک تو مردے زندہ کئے جائیں گے، دوسرے: انسان کے اعمال کا ریکارڈ دیکھا جائے گا اور اسی کے مطابق ان کو جزا و سزا دی جائے گی، انسان کے دوبارہ زندہ کرنے کے لئے تو یہ بات کافی ہے کہ وہ پہلی بار انسان کو پیدا کر چکا ہے اور جو ایک دفعہ کسی چیز کو پیدا کر چکا ہو، اس کے لئے دوبارہ اس کو بنانا آسان ہوتا ہے، اور حساب و کتاب اس لئے آسان ہے کہ نہ صرف یہ کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں؛ بلکہ ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کے پاس لکھی ہوئی شکل میں بھی موجود ہے، یہ دراصل کفار مکہ کا جواب ہے، جن کو اس بات کا تو اقرار تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے؛ لیکن وہ کہتے تھے کہ اللہ دوبارہ کیسے پیدا کر سکتے ہیں، جب کہ ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے؟

﴿۲﴾ آیتوں کے سلسلہ میں ہرانے سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے واضح دلائل کو جھٹلایا اور ان کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔

﴿۳﴾ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، ان کے پاس اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل موجود نہیں، اور جس کے پاس دلیل نہیں ہوتی ہے، وہ بہودہ گفتگو کرنے لگتا ہے؛ اسی لئے وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گھڑنے کا الزام لگاتے تھے، حالاں کہ پورے مکہ میں آپ ﷺ کی سچائی —

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ نَشْأَ نَحْسِفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۚ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يُجِبَالُ أَوَّي مَعَهُ وَالطَّيْرُ ۚ وَأَلْنَا لَهُ الْحَدِيدَ ۖ أَنْ أَعْمَلْ لِسَبِغَتٍ وَقَدِيرٍ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

کیا وہ اپنے آگے اور پیچھے جو آسمان و زمین ہے، اس کو نہیں دیکھتے؟ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں، یقیناً اس میں اللہ سے لو لگانے والے ہر بندہ کے لئے نشانی ہے، ﴿۱﴾ اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت عطا فرمائی تھی، (کہ کہا تھا:) اے پہاڑو! ان کے ساتھ ساتھ تسبیح پڑھا کرو، پرندوں کو (ان کے قابو میں کر دیا تھا) اور لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا تھا، ﴿۲﴾ کہ کشادہ زر ہیں بناؤ، کڑیوں کو اندازہ سے جوڑو اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔ ﴿۲﴾

← اور دیانت کا شہرہ تھا، اسی طرح وہ آپ ﷺ پر دیوانگی کا الزام لگاتے تھے؛ حالاں کہ آپ ﷺ کی سمجھ داری، فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور معاملہ فہمی سے ایک ایک شخص آگاہ تھا، کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت جب حجر اسود کے رکھنے پر جنگ و جدال کا اندیشہ ہوا تو آپ ﷺ نے نہایت خوش تدبیری کے ساتھ اس مسئلہ کو حل فرمایا؛ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، وہ نہ صرف آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے؛ بلکہ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں بھی پڑے ہوئے ہیں، انسان کی فطرت تقاضہ کرتی ہے کہ اس کو اس کی نیکیوں کا اجر ملے اور برائی کرنے والے کو اس کی برائی کی سزا دی جائے، بہت سی بھلائیاں ہیں جن کا دنیا میں کوئی اجر نہیں ملتا، اور بہت سی برائیاں ہیں، جن پر دنیا میں کوئی سزا نہیں مل پاتی ہے؛ اس لئے ایک ایسا عالم ضروری ہے، جہاں ہر نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کا اور ہر برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا بدلہ دیا جائے، یہی عالم 'عالم آخرت' ہے، اس کا انکار نہ صرف ایک سچائی کا انکار ہے؛ بلکہ عقل کے اعتبار سے بھی ایک کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

﴿۱﴾ یعنی یہ لوگ عالم آخرت کا انکار کرتے ہیں؛ لیکن اللہ تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ چاہیں تو اس دنیا ہی میں زمین یا آسمان کی طرف سے انسان پر اپنا عذاب نازل کر دیں۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد ؑ کو پیغمبری عطا کرنے کے علاوہ کچھ خصوصی امتیازات بھی عطا فرمائے تھے، ان میں ایک یہ تھا کہ ان کی آواز بڑی خوبصورت اور پرکشش تھی، جب وہ اپنی خوبصورت آواز میں زبور کی تلاوت کرتے تو جمادات، جیسے: پہاڑ، اور حیوانات، جیسے: پرندے بھی ان سے ہم آواز ہو کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے، یہ ایک خاص معجزہ تھا، جو انھیں عطا فرمایا گیا تھا، ایک اور معجزہ یہ تھا کہ لوہے جیسی سخت چیز کو اللہ نے ان کے لئے موم کی طرح نرم کر دیا تھا، وہ آگ میں سلگائے اور کسی اوزار کا استعمال کئے بغیر لوہے کو موڑنے کی قدرت رکھتے تھے، خاص طور پر زر ہیں بنایا کرتے تھے اور اسی کی آمدنی سے اپنی ذاتی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔

وَلِسْلَيْبِنَ الرِّيحِ غُدُوَهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاسْلُنَا لَهُ عَيْنَ الْقَطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنَّ مَنْ  
يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَنْزُ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۲﴾  
يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رُسِيَّتٍ ۖ اِعْمَلُوا  
أَلْ دَاوُدَ شُكْرًا ۖ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳﴾

اور ہم نے ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا، ان کے صبح کے سفر کی مسافت بھی ایک مہینے کی ہوتی تھی اور شام کے سفر کی مسافت بھی، اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے بعض ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے سامنے ہی کام کیا کرتے تھے، اور ان (جنوں) میں سے جو ہمارے حکم کی خلاف ورزی کرے گا، ہم اس کو (دوزخ کی) آگ کا عذاب چکھائیں گے، ﴿۱۲﴾ یہ جن سلیمان کی خواہش کے مطابق اونچی عمارتیں، مجسمے، حوض کی طرح کے بڑے بڑے لگن اور زمین میں رکھی ہوئی دیگیں بنایا کرتے تھے، اے داؤد کی اولاد! تم شکر گزاری کے طور پر عمل کرو اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے کم ہی ہیں۔ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ حضرت سلیمان ؑ، حضرت داؤد ؑ کے صاحبزادے تھے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت کے علاوہ اور کئی معجزات سے نوازا تھا، ایک معجزہ یہ تھا کہ ہوا کے دوش پر ان کا سفر ہوتا تھا، ایک ماہ کی مسافت صبح میں اور ایک ماہ کی مسافت شام میں طے ہوتی تھی، یہ سفر کہاں سے کہاں تک ہوتا تھا اور آپ کے قافلہ سفر میں کن کن مخلوقات کی شرکت ہوتی تھی؟ قرآن مجید اس سلسلہ میں خاموش ہے اور حدیثوں میں بھی اس کا ذکر نہیں آیا ہے؛ البتہ اسرائیلی روایات کی بنیاد پر مفسرین نے بہت سی باتیں لکھی ہیں، دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپ کے لئے تانبے کا چشمہ جاری ہو گیا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ تین دن ورات کے لئے یہ چشمہ جاری ہوا تھا، عام طور پر مفسرین کا رجحان ہے کہ یہ چشمہ یمن کے کسی حصہ میں پھوٹ پڑا تھا اور ظاہر ہے کہ پچھلے ہوئے تانبے سے بہت ساری چیزیں تیار کی جاسکتی ہیں، تیسرا معجزہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو ان کے تابع کر دیا تھا، جو ایک بے بس مزدور کی طرح ان کے سامنے کام کیا کرتے تھے، وہ ان کے حکم سے قلعے اور محل بھی تعمیر کرتے تھے، مجسمے بھی بنایا کرتے تھے اور اتنے بڑے بڑے لگن تیار کرتے تھے، گویا تالاب ہوں، بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے، جو اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں، تو جب اللہ اپنے بندے کو ایسی طاقت دے سکتے ہیں تو کیا اس دنیا کو ختم کرنا اور عالم آخرت قائم کرنا اللہ کے لئے کوئی دشوار ہے؟ — پچھلی اُمتوں میں مجسمے بنانے کی اجازت تھی؛ لیکن یہی چیز شرک اور بت پرستی کا ذریعہ بن جاتی تھی؛ اس لئے اس اُمت کو جان دار کی تصویر بنانے سے منع فرما دیا گیا، (تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۷۴) اگرچہ کہ تصویر کی بعض صورتوں کے جائز اور ناجائز ہونے میں اختلاف ہے؛ لیکن سایہ دار تصویروں کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، (الفقہ الاسلامی وادنیۃ: ۳/۵۷۳) — ان ساری نعمتوں کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو جو حضرت داؤد ؑ کی نسل سے تھے، فرمایا کہ تم اپنے آباء و اجداد پر اللہ کی ان نعمتوں کا تو خیال کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو اور اس شکر کا سب سے پہلا تقاضہ یہ ہے کہ ایمان لے آؤ۔



فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجُنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٢٢﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتٍ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُّوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿٢٣﴾

پھر جب ہم نے سلیمان کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو اُن جنوں کو ان کے مرنے کا علم زمین کے ان کیڑوں ہی سے ہوسکا، جو ان کے عصا کو کھائے جا رہے تھے، یہاں تک کہ جب وہ گر پڑے تو جنوں کو (ان کی وفات کا) پتہ چلا (اور وہ کہنے لگے:) اگر ان کو غیب کی باتیں معلوم ہوتیں تو اس رسوا کن تکلیف میں نہ پڑے رہتے، ﴿۲۲﴾ قوم سبا کے لئے خود ان کے مقام پر ایک نشانی موجود تھی (یعنی) دو باغات داہنی طرف اور بائیں طرف، (ہم نے ان سے کہا:) اپنے پروردگار کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرتے رہو، پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں) معاف کر دینے والا پروردگار ہے۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ حضرت سلیمان ؑ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے زندگی میں عجیب و غریب قوتیں عطا فرمائی تھیں، وہیں آپ کی موت بھی معجزاتی انداز کی ہوئی، اور وہ یہ کہ آپ لاٹھی کے سہارے کھڑے تھے، اسی حال میں آپ پر موت آگئی، عام طور پر انسان اگر کھڑی یا بیٹھی ہوئی حالت میں مرجائے تو گر پڑتا ہے؛ لیکن حضرت سلیمان ؑ اسی طرح کھڑی ہوئی کیفیت پر باقی رہے، جن جنوں سے پُر مشقت کام لیا کرتے تھے، وہ انھیں دیکھتے رہے اور انھیں ذرا بھی اندازہ نہ ہوسکا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے، کہا جاتا ہے کہ ایک سال آپ کی مبارک نقش اسی کیفیت میں رہی، یہاں تک کہ دیمک نے جب آپ کی لاٹھی کو کھانا شروع کیا اور لاٹھی گر پڑی تو آپ بھی گر پڑے، اب جا کر جنوں کو اندازہ ہوا اور پچھتائے کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ ہو سکی، ورنہ اتنے دنوں تک ہم خواہ مخواہ اس پُر مشقت کام میں لگے نہ رہتے، اس صورتِ حال کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ جنوں کا دعویٰ تھا کہ وہ غیب کی باتوں سے باخبر ہیں، لوگ بھی ان کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ رکھا کرتے تھے، اس واقعہ نے ظاہر کر دیا کہ ان کا یہ دعویٰ یا ان کے بارے میں لوگوں کا یہ خیال غلط ہے، دوسرے: یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان ؑ کو ایسے معجزات عطا کئے تھے کہ جن کو دیکھ کر یائسن کر عقل دنگ رہ جائے؛ لیکن بہر حال یہ سب کچھ ان کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوا تھا اور وہ بھی اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہی تھے، تیسرے: بعض مفسرین کے بیان کے مطابق یہ صورتِ حال اس وقت پیش آئی، جب حضرت سلیمان ؑ جنوں کے ذریعہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام کر رہے تھے، اب جب ان کی وفات کا وقت آیا تو تقریباً ایک سال کا کام باقی تھا، اس طرح یہ کام پورا ہو گیا، ورنہ جنات پہلے ہی بھاگ لئے ہوتے اور بیت المقدس کی تعمیر ناقص رہ جاتی۔

(دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۵۰۷/۳، تفسیر قرطبی: ۱۷۸/۱۴)

فَاعْرِضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ أُكُلٍ خَمْطٍ  
وَأَثَلٍ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذَٰلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ ۝  
وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَىٰ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا  
فِيهَا لَيَالٍ وَآيَآمًا أَمِينٍ ۝ فَقَالُوا رَبَّنَا بُعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ  
أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَرِّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝

مگر انھوں نے منہ موڑ لیا تو ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور ان کو ان کے (اچھے) دو باغوں کے بدلہ دو ایسے  
باغ دیئے جو بد مزہ پھلوں والا تھا، جن میں کچھ جھاؤ تھا اور تھوڑی سے بیریاں تھیں، ۱۶ یہ ہم نے ان کو ان کی  
ناشکری کی سزا دی تھی اور ہم ناشکری کرنے والوں ہی کو سزا دیا کرتے ہیں، ۱۷ ہم نے ان کے درمیان اور ان  
بستیوں کے درمیان جن میں برکتیں رکھی تھیں، کچھ ایسی بستیاں رکھ دی تھیں، جو نظر آتی تھیں، اور ہم نے ان میں آمد  
ورفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا (اور کہہ دیا تھا کہ) تم لوگ ان بستیوں میں رات دن بے خوف و خطر چلا کرو، ۱۸ تو وہ  
لوگ دُعا کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں کے درمیان دوری پیدا فرما دیجئے، اور انھوں نے  
اپنے آپ ہی پر زیادتی کی؛ اس لئے ہم نے ان کو بھولی بسری داستان بنادیا اور ہم نے انھیں پوری طرح بکھیر کر  
رکھ دیا، یقیناً اس میں ہر اس شخص کے لئے عبرت کی باتیں ہیں، جو خوب صبر و شکر کرنے والا ہو۔ ۱۹

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ یمن میں سبانی ایک شخص تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے دس اولاد عطا فرمائی تھی،  
ان میں سے چھ نے تو یمن ہی میں قیام کیا اور یہیں ان کا خاندان پھلا پھولا، اور چار شام میں مقیم ہو گئے اور وہاں ان کی نسل بڑھی،  
(مسند احمد: ۱/۳۱۶، عن عبداللہ بن عباس ؓ) یمن کے جس علاقہ میں یہ لوگ بسے، وہ ملک سبا کہلایا، اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنے پیغمبروں کو  
بھیجا، جنھیں توحید کی تعلیم دی گئی، ان کے علاقہ میں دو پہاڑوں کے درمیان سیلاب آیا کرتا تھا؛ چنانچہ وہاں کے قدیم بادشاہوں نے  
ان پہاڑوں کے درمیان بلند اور مضبوط ڈیم تعمیر کر دیا، اس سے ایک طرف لوگوں کو سیلاب سے نجات مل گئی، دوسری طرف اس پانی  
سے کھیت اور باغات کی سیرابی ہونے لگی اور آبادی کے دائیں اور بائیں طرف ایک بڑا خطہ ارض بن گیا، جو بہت زرخیز اور ہر ابھرا  
تھا، ان کی زندگی بہت ہی خوش حالی اور عیش و آرام میں گزر رہی تھی؛ لیکن پھر یہ قوم آہستہ آہستہ توحید کے راستہ سے ہٹ گئی اور بت  
پرستی اور سورج پرستی میں مبتلا ہو گئی، اللہ کی طرف سے ان پر اس طرح عذاب بھیجا گیا کہ اس ڈیم کی بنیادوں میں چوہے پیدا  
ہو گئے، جنھوں نے اس کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا؛ چنانچہ سیلاب کے زمانہ میں عمارت منہدم ہو گئی، اس نے وادی میں آباد کھیتوں  
اور باغوں کو لکھت بہا ڈالا اور پانی بھی خشک ہو گیا، اس طرح یہ پھلتا پھولتا باغ ویرانے میں تبدیل ہو گیا اور کچھ ایسے درخت باقی  
رہ گئے، جو ان کے لئے کچھ کام کے نہ تھے، اور جو خود رو پودوں کی طرح بغیر پانی کے بھی اُگ آتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی —

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّن سُلْطٰنٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنهَا فِي شَكٍّ ۚ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۲۱﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِّنْ شَرِكٍ ۚ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّن ظَهِيرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَن أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۲۳﴾

شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا؛ چنانچہ ایمان والوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب اسی کے پیچھے ہو لئے، ﴿۲۰﴾ شیطان کو ان پر کوئی طاقت حاصل نہیں تھی، ہم ہی آخرت میں شک کرنے والوں کے مقابلہ آخرت پر یقین رکھنے والوں کو ظاہر کر دینا چاہتے تھے، ﴿۲۱﴾ اور آپ کے پروردگار ہی ہر چیز پر نگہبان ہیں، ﴿۲۲﴾ آپ کہہ دیجئے: تم اللہ کے سوا جن کو معبود خیال کرتے ہو، ان کو بلاؤ، وہ آسمان میں اور زمین میں ذرہ برابر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں، نہ ان میں ان کی کچھ شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے، ﴿۲۳﴾ اللہ کے یہاں اسی کی سفارش کام آسکتی ہے، جس کو خود اللہ نے سفارش کرنے کی اجازت دی ہو، یہاں تک کہ (فرشتوں جیسی مخلوق کا حال یہ ہے کہ) جب ان کے دل سے گھبراہٹ دُور کر دی جاتی ہے تو کہتے ہیں: تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ تو (آپس میں) کہتے ہیں: جو ارشاد فرمایا، وہ حق ہے، وہ بلند مرتبہ اور بڑا ہے۔ ﴿۲۴﴾

← دوسری نعمت یہ تھی کہ ان کی آبادیاں قریب قریب تھیں؛ چنانچہ وہ دن ہی دن یا رات ہی رات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے تھے، ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے کے لئے اور اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لئے لمبے اسفار نہیں کرنے پڑتے تھے، گویا ساری آبادیاں ان کی نظر کے سامنے رہتی تھیں، مگر وہ اس پر اللہ کے شکر گزار ہونے کے بجائے ناشکری کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہمارے درمیان فاصلے بڑھا دیجئے، پھر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ان کی آبادی، شام، بصرہ، عمان اور مدینہ وغیرہ میں پھیل گئی، غرض کہ وہ عیش و آرام جو انھیں حاصل تھا، ان کے کفر و نافرمانی کی وجہ سے اس نہ آیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو تنگی، پریشانی اور بکھراؤ کی زندگی میں مبتلا کر دیا، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۸۱/۱۲، نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۵۰۹/۳) — یہ کوئی جگہ تھی اس کے متعین کرنے کے سلسلہ میں اہل علم کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے، زیادہ تر حضرات کا خیال ہے کہ یہ یمن میں مارب کے جنوب میں واقع کوہ ابلق نامی دو پہاڑوں کے درمیان کی وادی ہے، جو ”وادی اذینہ“ کہلاتی ہے۔

(مزید تفصیلات کے لئے: قصص القرآن: ۲۰/۲۷-۳۱۵، بعنوان: ”سبا اور ییل غیر“، کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

﴿۲۵﴾ یعنی اگرچہ شیطان انسان پر اپنا داؤ چلاتا ہے؛ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ انسان اس کے مقابلہ میں بالکل بے بس اور مفلوج ہو، ←

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ قُلِ اللّٰهُ ۚ وَاِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هٰدٰى اَوْ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا اَجْرُمٰنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنِنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنِنَا بِالْحَقِّ ۚ وَهُوَ الْفَتّٰحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۴﴾ قُلْ اَرُوْنِى الدِّیْنَ الَّذِیْنَ الْحَقُّمُ بِهِ شُرَكَاءُ ۚ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۵﴾ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بِشَیْءٍ اَوْ نَذِیْرًا ۚ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

آپ دریافت کیجئے: تم کو آسمانوں سے اور زمین سے کون روزی دیتا ہے؟ (پھر) آپ فرمادیجئے: اللہ! یقیناً ہم اور تم یا تو ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں، ﴿۲۲﴾ کہہ دیجئے: نہ ہمارے گناہوں کی تم سے باز پرس ہوگی اور نہ تمہارے کرتوتوں کا ہم سے سوال ہوگا، ﴿۲۳﴾ کہہ دیجئے: ہمارے پروردگار ہمیں (قیامت کے دن) اکٹھا کریں گے، پھر ہمارے درمیان سچائی کے مطابق فیصلہ فرمادیں گے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والے اور خوب جاننے والے ہیں، ﴿۲۴﴾ فرمادیجئے: تم نے اللہ کے ساتھ جن کو شریک ٹھہرا رکھا ہے، ان کو دکھاؤ تو سہی، ہرگز نہیں، (خدا کا کوئی شریک ہے ہی نہیں)؛ بلکہ اللہ ہی غالب اور حکمت والے ہیں، ﴿۲۵﴾ (اے رسول!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۲۶﴾

← جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور ثابت قدمی کے ساتھ شیطانی سازشوں سے اپنے کو بچاتے ہیں، شیطان ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

﴿۲﴾ یعنی فرشتے جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب رہتے ہیں اور جن کو اللہ نے اپنے نیکو فیصلوں کو نافذ کرنے کی ذمہ داری دے رکھی ہے، اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ بھی اللہ کے احکام کو سن کر سہم جاتے ہیں، تو کسی اور کو کیسے ہمت ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش کے لئے زبان تک کھولے؟

﴿۱﴾ یعنی یا تو وہ دین برحق ہے، جسے لے کر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا، جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید اور یکتائی پر ہے، یا پھر وہ دین درست ہوگا، جس کی تم دعوت دیتے ہو، جس کی بنیاد شرک پر ہے، بیک وقت یہ دونوں باتیں درست نہیں ہو سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بے شمار دلائل سے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ہی برحق ہے، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ تم جس فکر و خیال کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہو، وہ تاریکی ہی تاریکی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں — معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ راستے الگ الگ ہیں؛ لیکن تمام مذاہب کی منزل ایک ہی ہے، سبھی راستے خدا تک پہنچاتے ہیں، یہ درست نہیں ہے، دین حق ایک ہی ہے اور اس کے مقابلہ انسان کے جو خود ساختہ مذاہب ہیں، وہ سب کے سب باطل اور غلط ہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾ قُلْ لَّكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْذِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۖ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْجَعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلُ الَّذِي اسْتُضِعِفُوا لَلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْ لَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۲۵﴾ آپ فرما دیجئے: تمہارے لئے ایک دن کا وقت مقرر ہے، اس دن سے نہ تم پیچھے ہو سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے، ﴿۲۶﴾ اور جو لوگ کفر پر جے ہوئے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس سے پہلے کی کتابوں پر، کاش! آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے گئے ہوں گے، وہ ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہوں گے، جو کمزور سمجھے جاتے تھے، وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔ ﴿۲۷﴾

← ﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ان کی زبان میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ“ (ابراہیم: ۴) لیکن چون کہ رسول اللہ ﷺ آخری پیغمبر ہیں اور آپ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب بھیجی ہے، جس سے انسان کی فلاح و بہبود متعلق ہے، اس لئے آپ ﷺ قیامت تک آنے والی پوری انسانیت کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ“ (سبا: ۲۸) بلکہ آپ ﷺ جنوں کی طرف بھی نبی بنا کر بھیجے گئے، چون کہ ”جن“ احکام پر عمل کرنے میں انسانوں کے تابع ہیں؛ اس لئے ان کا الگ تذکرہ نہیں کیا گیا، آپ ﷺ کے تمام انسانیت کی طرف سے پیغمبر ہونے کی صراحت حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے پانچ ایسی خصوصیتیں عطا ہوئی ہیں، جو کسی اور پیغمبر کو حاصل نہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ پہلے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے: ”كَانَ النَّبِيُّ يَبْعَثُ إِلَىٰ قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبَعَثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً“ (بخاری، کتاب التیمم، حدیث نمبر: ۴۲۷) — افسوس ہے اہل مغرب پر کہ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کا تو صریح قول بائبل میں موجود ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، (متی: ۱۵: ۲۴) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی؛ لیکن ان کا دعویٰ ہے کہ عیسائیت پوری انسانیت کا دین ہے؛ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں صرف عربوں کا نبی ہوں؛ لیکن اگر کبھی بہت رواداری سے کام لیتے ہیں تو آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی اگرچہ قیامت کی قطعی تاریخ چھپا کر رکھی گئی ہے؛ لیکن اللہ کے فیصلے کے مطابق اس کا ایک دن مقرر ہے، اس دن قیامت آکر رہے گی۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا اَكُنْ صَدْدُكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ اِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِينَ ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَأْمُرُونَنَا اَنْ نَّكْفِرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهُ اَنْدَادًا ۖ وَاَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاُوا الْعَذَابَ ۖ وَجَعَلْنَا الْاَغْلَلَ فِيْ اَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾ وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا ۖ اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰفِرُونَ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۖ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۴﴾

جو بڑے بنتے تھے، وہ کمزوروں سے کہیں گے: تمہارے پاس تو ہدایت آچکی تھی، کیا اس کے بعد بھی ہم نے تم کو ہدایت (قبول کرنے) سے روک دیا تھا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ خود ہی مجرم ہو، ﴿۳۱﴾ کمزوران بڑوں سے کہیں گے: بلکہ دن و رات کی (تمہاری) چال بازیوں نے (ہمیں) ہدایت قبول کرنے سے روک دیا تھا؛ کیوں کہ تم ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں، اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو شرمندگی کو دل ہی دل میں چھپائے رہیں گے اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، ہم ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، بس، ان کو ان ہی کے کرتوتوں کی سزا ملے گی، ﴿۳۲﴾ اور ہم نے جب بھی کسی شہر میں کوئی پیغمبر بھیجا تو وہاں کے عیش پرست لوگوں نے یہی کہا کہ تم جو دین لے کر آئے ہو ہم تو اس کا انکار ہی کرتے ہیں، ﴿۳۳﴾ وہ کہا کرتے تھے: ہمیں تو بہت ساری دولت بھی حاصل ہے اور اولاد بھی، ہم پر عذاب نہیں ہوگا۔ ﴿۳۴﴾

﴿۱﴾ بُرے وقتوں میں تسلی و دل داری آدمی کے غم کو ہلکا کرتی ہے، انسان نے جن لوگوں پر بھروسہ کیا تھا، ایسے وقت میں اگر وہ ساتھ نہ دیں اور ایک دوسرے کی دل داری کے بجائے ایک دوسرے پر چوٹ کریں اور زخم پر نمک رکھیں تو مصیبت کا احساس اور بڑھ جاتا ہے اور جسمانی تکلیف کے ساتھ ساتھ ذہنی تکلیف بھی شامل ہو جاتی ہے، آخرت میں دوزخیوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ وہاں بھی ایک دوسرے پر الزام دیں گے اور قصور وار ٹھہرائیں گے، اس طرح جسمانی تکلیف کے ساتھ ساتھ ذہنی تکلیف بھی ان کا پیچھا کرتی رہے گی۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا کرنے سے پہلے انسان کی آزمائش کرتا ہے، اس آزمائش کی ابتداء راحت و آرام سے ہوتی ہے، ان پر عیش و عشرت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ یہ نعمتیں ان کو نعمتوں کے نوازنے والے خالق و مالک کی طرف متوجہ کرتی ہیں یا نہیں؟ وہ اپنے مالک کی طرف جھکتا ہے یا دولت کے نشہ میں خود سر ہو جاتا ہے؟ پھر جب اسے اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو اس کا نشہ اُتارے نہیں اُترتا اور اس کے غرور و تکبر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، پھر اللہ کی طرف سے اس کی پکڑ ہوتی ہے اور راحت و آرام کے سارے نقشے ملیا میٹ کر دیئے جاتے ہیں، انسان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر ہونے ←

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَفْعَلُ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۲۳﴾

آپ بتادیجئے: میرے پروردگار جس کے لئے چاہتے ہیں، روزی بڑھا دیتے ہیں، اور جس کے لئے چاہتے ہیں، کم کر دیتے ہیں؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں، ﴿۲۱﴾ مال و اولاد ایسی چیز نہیں، جو تم کو ہم سے قریب کر دے، ﴿۱﴾ ہاں، (وہ لوگ خدا کے قریب ہوں گے) جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، یہی ہیں جن کو ان کے عمل کی وجہ سے دوسرا اجر ملے گا اور وہ سکون و اطمینان کے ساتھ بالا خانوں میں قیام پذیر ہوں گے، ﴿۲۲﴾ اور جو لوگ ہماری نشانوں کے سلسلہ میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں عاجز کر دیں، وہی لوگ عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ ﴿۲۳﴾

← والی رزق کی وسعت و تنگی کا تعلق تمہارے حق پر ہونے اور نہ ہونے سے نہیں ہے، یہ دنیا کا چند روزہ آرام تمہارے لئے اللہ کا انعام نہیں؛ بلکہ امتحان ہے؛ اس لئے اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے، دنیا میں تو اللہ تعالیٰ مسلمان و کافر اور اچھا اور برا عمل کرنے والے کا فرق کئے بغیر جس کو چاہتے ہیں، رزق میں کشادگی پیدا فرما دیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں، تنگی پیدا فرما دیتے ہیں، اگر دنیا کی راحت انسان کی کامیابی کی دلیل ہوتی تو انبیاء بڑے مال دار ہوتے، اور جو اعداء دین ہیں، وہ بڑی تنگدستی میں مبتلا ہوتے؛ لیکن صورت حال اس کے برعکس ہے، اس میں مسلمانوں کے لئے بھی سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی نعمتوں پر نازاں نہیں ہونا چاہئے، یہ چیز انھیں اللہ سے غافل نہ کر دے؛ بلکہ اللہ سے ڈرتے رہیں کہ کہیں یہ ان کا امتحان نہ ہو۔ اس آیت میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء کی مخاطب قوموں کی یہ بات نقل کی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ آپ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں، ہم اس کا کفر یعنی انکار کرتے ہیں، یعنی وہ خود اپنے آپ کو کافر کہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کفر یا کافر کا لفظ تذلیل و اہانت پر مبنی نہیں ہے، جیسا کہ آج کل غیر مسلم قوموں کی طرف سے کہا جاتا ہے؛ بلکہ کفر کے اصل معنی انکار کے ہیں، جو قوم توحید کو اور پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، اس کو کافر کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو خود اپنے آپ کو کافر کہنے میں کوئی تامل نہیں ہوا، قرآن میں بھی بہت سی جگہ اہل مکہ کو ”کافروں“ کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے؛ لیکن کبھی اہل مکہ کو اس پر اعتراض نہیں ہوا۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اگر تم کو مال و اولاد سے نوازا ہے تو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی نزدیکی عطا کر دی ہے۔  
 ﴿۲﴾ ”عاجز کرنے کی کوشش“ سے مراد یہ ہے کہ وہ کفر کو ثابت کرنے اور قرآن مجید کے پیش کئے ہوئے افکار کو اپنی بے بنیاد دلیلوں کے ذریعہ رد کرنا چاہتے ہیں، جیسے یہ کہ اتنی بڑی کائنات کو ایک خدا کیسے چلا سکتا ہے، یا یہ کہ مٹی بن جانے کے بعد دوبارہ انسان کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے؟

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۳۵﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَكَةِ أَهْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا كُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۳۶﴾ قَالُوا سُبْحَنَكَ أَنْتَ وَلِيِّنَا مَنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿۳۷﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَنْفَعُكَ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۖ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۳۸﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَنْ مَا كَانُوا يَعْبُدُ آبَاءَكُمْ ۖ وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا أِفْكٌ مُفْتَرًى ۖ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿۳۹﴾

آپ فرمادیجئے: میرے رب اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں، روزی بڑھا دیتے ہیں، اور جس کی چاہتے ہیں، گھٹا دیتے ہیں، اور (اللہ کے راستہ میں) تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اللہ اس کا بدلہ دیں گے، اور اللہ ہی بہترین روزی دینے والے ہیں، ﴿۳۵﴾ جس دن اللہ ان سب کو جمع کریں گے پھر فرشتوں سے فرمائیں گے، کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے؟ ﴿۳۶﴾ فرشتے عرض کریں گے: آپ کی ذات پاک ہے، آپ ہی ہمارے دوست ہیں نہ کہ یہ لوگ؛ بلکہ یہ تو جنات کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان کی اکثریت ان ہی کو مانتی تھی، ﴿۳۷﴾ اللہ فرمائیں گے تو آج تم میں سے کوئی کسی کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اور ہم زیادتی کرنے والوں میں سے نہیں ہیں، (لو) دوزخ کے اس عذاب کا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، مزہ چکھو، ﴿۳۸﴾ اور جب ان کو ہماری واضح آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: یہ ایسا شخص ہے، جس کا مقصد تم کو صرف ان چیزوں سے روک دینا ہے، جن کی تمہارے آباء و اجداد پرستش کیا کرتے تھے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو محض ایک گھڑی ہوئی بات ہے، نیز جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں، ان کے پاس جب حق آیا تو وہ اس کے بارے میں کہنے لگے: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۳۹﴾

﴿۱﴾ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے خیال کے مطابق فرشتوں کی بھی پوجا کیا کرتے تھے، اور ان کا خیال تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہم لوگوں کے لئے نزدیکی کا ذریعہ بنیں گے، قیامت کے دن فرشتوں کے سامنے وہ کھڑے کئے جائیں گے اور فرشتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے، تم نے ان کو اس کا حکم دیا تھا؟ فرشتے سہمے ہوئے اللہ کی پاکی بیان کریں گے اور کہیں گے کہ یہ ہماری نہیں؛ بلکہ شیاطین کی عبادت کیا کرتے تھے، جو جنوں میں سے تھے، شیطان کی عبادت اس طور پر کہ ان کا یہ عمل شیطان ہی کے اُکسانے پر تھا؛ اس لئے دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ انھوں نے ہماری عبادت کی ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے شیطان کی عبادت کی ہے۔



وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ۖ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَمَا بَلَغُوا مَعْشَارَ مَا آتَيْنَهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۖ قُلْ إِنَّمَا آعَظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلِي وَفِرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۖ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ ۖ إِن هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيِ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۖ

نہ ہم نے ان لوگوں کو کتابیں دیں جن کو وہ پڑھا کرتے تھے اور نہ آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا، ۳۲ ان کے پہلے کے لوگوں نے بھی (اللہ کی کتاب کو) جھٹلایا تھا اور یہ (مشرکین عرب تو ان نعمتوں کے) دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے، جو ہم نے ان پہلے کے لوگوں کو عطا کی تھیں، تو جب ان لوگوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا تو (دیکھ لو کہ ان پر) میرا کیسا عذاب ہوا؟ ﴿۱﴾ آپ فرما دیجئے: میں تم لوگوں کو ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے لئے دو دو اور تنہا تنہا کھڑے ہو جاؤ، پھر خوب غور و فکر کرو (تو اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ) تمہارے اس ساتھی کو جنون نہیں ہے، وہ تو صرف تم کو بڑے عذاب کے آنے سے پہلے باخبر کر رہے ہیں۔ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ یعنی چوں کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد نہ اللہ کا کوئی پیغمبر آیا نہ آسانی کتاب اُتاری گئی؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا، یہ تو ان کے لئے فخر و سعادت اور شکر و احسان مندی کی بات تھی، مگر اُلٹے یہ لوگ کفر و عناد پر آمادہ ہو گئے؛ حالانکہ ان قوموں کے حالات ان کے سامنے ہیں، جن پر ان کے انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کا عذاب ہو چکا ہے؛ اس کے باوجود کہ وہ دنیوی ترقی کے اعتبار سے ان سے کہیں آگے بڑھے ہوئے تھے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں ملیا میٹ کر دیا، — موجودہ عہد میں دنیا کو علم و ٹکنالوجی کی طاقت پر غرور ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ مادی طاقت کے ذریعہ غیبی طاقت کا مقابلہ کر لے گی، یہودی طاقتوں نے باضابطہ اس کی تیاری کر لی ہے کہ جب دجال ظاہر ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتارے جائیں گے اور ان کی قیادت میں فتنہ دجال کو پھیل کر رکھ دیا جائے گا تو ہم ٹکنالوجی کی طاقت کے ذریعہ اس غیبی یلغار کا مقابلہ کر لیں گے؛ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب نظر کا دھوکہ ہے، آج بھی جب زلزلہ ہوتا ہے، سونامی کی لہریں اُٹھتی ہیں، طوفان آبادیوں کو روندنے لگتا ہے، سیلاب شہروں اور دیہاتوں کو ندیوں اور تالابوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور آتش فشاں اپنے سینے سے آگ برسانے لگتا ہے تو ساری ٹکنالوجی دھری کی دھری رہ جاتی ہے اور انسان اس جانور سے بھی زیادہ بے بس ہو جاتا ہے، جسے باندھ کر پنجرے میں رکھ دیا گیا ہو۔

﴿۲﴾ یعنی تھوڑی دیر کے لئے خدا اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اپنی آنکھوں سے تعصب کی عینک اُتار کر ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ کیا پیغمبر اسلام ﷺ جنون میں مبتلا ہیں، یا وہ تمہارے ہمدرد وہی خواہ ہیں اور ان کے ذمہ حق کی دعوت دینا ہے جو تمہارے ہی لئے کامیابی اور نجات کی ضامن ہے؟ تو یقیناً تم اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ آپ ﷺ جس بات کی طرف بلا رہے ہیں، وہی صحیح ہے اور اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنَّ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۲۲﴾  
قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْضِي بِالْحَقِّ عِلَامُ الْغُيُوبِ ﴿۲۳﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿۲۴﴾

آپ کہہ دیجئے: میں نے تم سے کوئی اُجرت مانگی ہے، تو وہ تمہیں کو مبارک ہو، میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے اور ہر چیز اللہ کے سامنے ہی ہے، ﴿۲۲﴾ آپ کہہ دیجئے: یقیناً میرا پروردگار حق کو غالب کر رہے ہیں اور وہ چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف ہیں، ﴿۲۳﴾ آپ کہہ دیجئے: حق آچکا ہے اور باطل (قوت و شوکت کو) پیدا کر سکتا ہے اور نہ واپس لا سکتا ہے۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ یعنی عام طور پر جو لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں، ان کا مقصد اپنی چکنی چڑی باتوں کے ذریعہ لوگوں کے مال و اسباب کا حاصل کرنا ہوتا ہے؛ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ تم سے کسی اُجرت اور نذرانہ کے طلب گار نہیں ہیں، یہ خود ان کے سچے اور ہمدرد وہی خواہ ہونے کی دلیل ہے، اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دی جائے یا خود مسلمانوں کو عمل صالح کی طرف بلایا جائے تو جن لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں، ان سے اُجرت کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص امامت کرے اور نمازیوں سے نماز پڑھانے کی اُجرت نہ لے، معلم دینی تعلیم دے اور طلبہ سے تعلیم دینے کی اُجرت طلب نہ کرے؛ لیکن چونکہ ان کا وقت ان کاموں کے لئے مشغول رہتا ہے اور ان کے لئے کسبِ معاش کے دوسرے راستے اختیار کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے، اس لئے اگر انتظامیہ اس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک متعینہ رقم دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ضروریات بھی صحابہ کے تعاون ہی سے پوری ہوتی تھیں؛ بلکہ بعض اوقات تو آپ ﷺ نے اپنے مخلص رفقاء سے کھانے کا یا کسی شے کا مطالبہ بھی فرمایا اور صحابہ نے اسے سعادت سمجھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، پھر آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر ؓ صحابہ کے مشورہ سے بیت المال سے وظیفہ لیتے تھے، یہ اور بات ہے کہ اپنی احتیاط، نیز مالی اعتبار سے صاحب گنجائش ہونے کی وجہ سے آپ نے وفات کے بعد جتنی رقم زمانہ خلافت میں لی تھی، اتنی رقم اپنے ترکہ میں سے واپس لوٹا دینے کا حکم فرمایا، اسی طرح حضرت عمر ؓ نے اور حضرت علی ؓ نے بھی بیت المال سے وظیفہ لیا، آپ ﷺ نے عالمین زکوٰۃ کو جو آپ کے حکم سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے جایا کرتے تھے، محتانہ عطا فرمایا، اس لئے یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے، مسلم سماج کی نمائندگی کرنے والے اداروں سے اُجرت لینے میں حرج نہیں ہے، ممانعت اس بات کی ہے کہ آپ کسی شخص کو اسلام کی دعوت دیں اور وہ مسلمان ہو تو آپ کہیں کہ تم میری دعوت پر مسلمان ہوئے ہو؛ اس لئے اس کی اُجرت عطا کرو، یا آپ کسی مسلمان کو نماز کی دعوت دیں اور وہ نماز پڑھنے لگے تو آپ اس سے تقاضہ کریں کہ چونکہ تم میری دعوت پر نمازی بنے ہو، اس لئے تم کو اس کی اُجرت عطا کرنی ہوگی، جو لوگ تجارت، کاروبار اور زیادہ سے زیادہ آمدنی فراہم کرنے والے روزگار سے وابستہ رہتے ہیں، اور کچھ وقت اللہ کی طرف دعوت دینے کے لئے لگاتے ہیں، وہ یقیناً قابلِ تعریف ہیں؛ لیکن بہر حال ان لوگوں کی قربانی بڑھی ہوئی ہے، جنہوں نے کسبِ معاش کی ترقی کے راستہ کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کم آمدنی کے ساتھ دینی خدمت پر قائم رکھا ہے اور ہمیشہ کے لئے دنیوی عیش و آرام کی کشتی کو توڑ کر اس راستہ پر آگئے ہیں۔

قُلْ إِنْ صَلَّيْتُمْ فَلَنْ تَزِيدُوا عَلَىٰ نَفْسِي ۚ وَإِنْ اهْتَدَيْتُمْ فَلَنْ يُوْجِبَ إِلَيَّ رَبِّي ۚ إِنَّهُ سَابِقُ قَرِيبٌ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَا قُوَّةَ وَأُخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ ۚ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَافُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْدِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ۝

۶۱

کہہ دیجئے: اگر میں گمراہ ہوں، تو میری گمراہی کا بوجھ میری پیٹھ پر، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو وہ اس کا طفیل ہے کہ میرے پروردگار مجھ پر اپنا کلام اتارتے ہیں، یقیناً اللہ خوب سننے والے ہیں اور نزدیک ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۵﴾ کاش، آپ دیکھتے! جب یہ گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے، پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے، ﴿۵﴾ اور کہیں گے: ہم اس دین حق پر ایمان لائے، مگر اب کہاں دُور دراز جگہ سے ان کا ہاتھ پہنچ سکے گا، ﴿۲﴾ ﴿۵﴾ حالاں کہ وہ پہلے تو انکار کرتے رہے اور دُور ہی سے اٹکل کا تیر چلاتے رہے، ﴿۵﴾ اور ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان آڑ پیدا کر دی جائے گی، جیسا کہ پہلے کے ان کے ہم طریقہ لوگوں کے ساتھ کیا جائے گا، یہ لوگ ایسے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔ ﴿۳﴾ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ انسان سے اپنی خوشنودی کا کوئی کام لے لیں تو اس کو اترا نہ چاہئے؛ بلکہ اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اسی کی توفیق سے اس نے یہ کام کیا ہے۔

﴿۲﴾ اس سے مراد عالم آخرت ہے، یعنی قیامت میں جب لوگ قبر سے نکلیں گے اور میدانِ حشر کی ہولناکی کو دیکھیں گے تو چاہیں گے کہ یہاں سے بھاگ جائیں؛ لیکن ذرا دُور بھی نہیں بھاگ سکیں گے، وہیں کے وہیں پکڑ لئے جائیں گے، اب دُہائی دیں گے کہ ہم ایمان لے آتے ہیں، ہمیں اس کا موقع دیا جائے؛ لیکن یہ تو جزا و سزا کی دنیا ہوگی، ایمان لانے اور عمل کرنے کی دنیا تو ختم ہو چکی ہوگی؛ اس لئے ایمان تک ان کا ہاتھ پہنچ ہی نہیں سکے گا۔ (خلاصہ از: تفسیر ابن کثیر: ۷/۳۶۷)

﴿۳﴾ یعنی اب وہ ایمان لانا اور توبہ کرنا چاہیں گے؛ لیکن توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا، اب گویا ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان ایک آڑ کھڑی ہو چکی ہے، بعض اہل علم نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ دنیا میں انھیں جو نعمتیں حاصل تھیں، وہ پھر انھیں حاصل کرنے کی خواہش کریں گے؛ لیکن ان کے لئے اب اس کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، علامہ ابن کثیر ؒ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں باتیں درست ہیں، یعنی ایمان لانے کی جگہ بھی یہ دنیا ہے اور جہنمیں اور راحۃ میں ان کو عارضی طور پر حاصل ہیں، ان کا تعلق بھی اسی دنیا سے ہے، تو اس دنیا کا ختم ہونا اور جزا و سزا کی دنیا قائم ہو جانا ان کے لئے آڑ بن جائے گا اور ان کی یہ خواہشیں اور آرزوئیں ایک خواب بن کر رہ جائیں گی۔





# سُورَةُ فَاطِر

«سورہ نمبر : (۳۵)

«رکوع : (۵)

«آیتیں : (۴۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

فاطر کے معنی کسی چیز کو وجود میں لانے والے ہیں، اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ”فاطر السماوات والارض“ یعنی آسمان وزمین کے خالق وموجد ہونے کی صفت بیان کی گئی ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ”سورہ فاطر“ ہے؛ چوں کہ اس پہلی آیت میں ہی یہ بات بھی آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی فرشتوں (ملائکہ) کے بنانے والے ہیں، اس لئے اس سورہ کا نام ”سورہ ملائکہ“ بھی ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک کی تردید پر دلائل پیش کئے گئے ہیں اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کا جو حیرت انگیز نظام کارفرما ہے، اس کو واضح کیا گیا ہے، جیسے: بارش کا ہونا، کھیتوں اور پھلوں کی پیدائش، خود انسان کی تخلیق، ایک ساتھ ہونے کے باوجود کھارے اور میٹھے دریا کا الگ الگ چلنا، دن اور رات کی آمد و رفت، سورج اور چاند کی گردش، جانوروں کا نظام زندگی، وغیرہ۔

اخیر میں عمل کے اعتبار سے انسان کے تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک: وہ جو گناہ میں ڈوبے ہوئے ہوں، دوسرے: وہ جن کے اعمال ملے جلے ہوں، اور تیسرے: وہ جو نیکیوں میں سبقت رکھتے ہوں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مَّتَنِي وَثُلُثٍ وَرُبْعٍ<sup>ط</sup>  
 يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے ہیں، جس نے فرشتوں کو پیغام پہنچانے والا بنایا، ﴿۱﴾ ان کے دودو، تین تین، چار چار، بازو ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں جو چاہتے ہیں اضافہ فرما دیتے ہیں، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ﴿۲﴾ ۝

﴿۱﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ براہ راست انسان پر اپنا پیغام القاء فرماتے تو انسان کے لئے اس کو برداشت کرنا دشوار ہوتا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو واسطہ بنایا کہ وہ پیغمبروں پر وحی نازل کرے اور جو پیغمبر نہ ہوں؛ لیکن اللہ کے نیک بندے ہوں، ان کے دل میں اس بات کو ڈال دے، جو اللہ چاہتے ہیں، اسی کو اصطلاح میں ”الہام“ کہتے ہیں، یا ان کے خواب میں آکر اس راستہ کی نشان دہی کر دے، جس میں خیر ہو، جس کو حدیث میں روئے صالحہ یا مبشرات کہا گیا ہے، (تفسیر مظہری: ۸/۴۱، آیت مذکورہ) البتہ نبی کی طرف بھیجی جانے والی وحی حجت ہے اور الہام و خواب حجت و دلیل نہیں؛ کیوں کہ ان کا اللہ کے حکم سے ہونا اور فرشتوں ہی کے ذریعہ انسان تک پہنچایا جانا یقینی نہیں ہے؛ اسی لئے کسی نیک بندہ کے دل میں کوئی خیال آجائے، یا خواب کے ذریعہ کسی پہلو کی طرف رجحان ہو جائے تو اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے، اور اگر اس پر عمل کرنے سے شریعت کا کوئی حکم ٹوٹا ہو تو اس کو چھوڑ دینا واجب ہے اور اس پر عمل کرنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ وہ شیطانی اور نفسانی وسوسہ ہے، نہ کہ اللہ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے مختلف مخلوقات کو ان کی ضرورت کے اعتبار سے الگ الگ صورتوں پر پیدا کیا ہے اور بعض مخلوقوں میں یہ صلاحیت بھی رکھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مختلف شکلوں میں ڈھال لے، جیسے جنات و شیاطین، ایسی ہی مخلوقات میں فرشتے بھی ہیں؛ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل ؑ کبھی آپ ﷺ کے پاس ایسی شکل میں آتے کہ کسی کو نظر ہی نہ آتے، کبھی صحابی رسول حضرت وحیہ کلّی ؑ کی صورت میں آتے، (المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۵۸) اور کبھی ایسے شخص کی صورت میں جس کو صحابہ پہچانتے ہی نہ ہوں، (بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبرئیل النبی ﷺ عن الایمان، حدیث نمبر: ۵۰) فرشتوں کو ان کی اصل صورت کے اعتبار سے متعدد بازوؤں سے نوازا گیا ہے، کسی کو دو، کسی کو تین، کسی کو چار بازو دیئے گئے، یہ جو ارشاد ہوا کہ اللہ اپنی تخلیق میں جو چاہتے ہیں، اضافہ فرما دیتے ہیں، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کو اس سے زیادہ بھی بازو عطا کئے جاتے ہیں؛ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے موقع سے حضرت جبرئیل ؑ کو دیکھا، تو اس وقت ان کے چھ سو بازو تھے۔

مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكُ ۚ فَلَا يُرْسِلُ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۱﴾ يَأْتِيهَا النَّاسُ أَذْكَرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَكَأَنِّي تُؤْفِكُونَ ﴿۲۲﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲۳﴾ يَأْتِيهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿۲۴﴾

اللہ لوگوں میں سے جس کو رحمت سے نوازدیں، کوئی اس کو روکنے والا نہیں، اور جس کو محروم کر دیں تو اس کے سوا کوئی اس کو جاری کرنے والا نہیں، ﴿۲۱﴾ اور وہی غالب اور حکمت والے ہیں، ﴿۲۲﴾ اے لوگو! اپنے آپ پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور پیدا کرنے والا ہے، جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دے دے؟ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پھر تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ ﴿۲۳﴾ (اے رسول!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں، تو آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جاتا رہا ہے، (اس لئے آپ رنجیدہ نہ ہوں) اور ساری چیزیں بالآخر اللہ ہی کے سامنے پیش ہوں گی، ﴿۲۴﴾ اے لوگو! اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے؛ لہذا دنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ تم کو دھوکہ باز شخص (یعنی شیطان) اللہ کے نام سے دھوکہ میں ڈال دے۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱﴾ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے :

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير ، اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ، ولا ينفع ذا الجد منك الجد ۔ (بخاری، عن مغيرة بن شعبه، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوة، حدیث نمبر: ۶۳۳۰)  
ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! آپ جسے عطا فرمائیں، اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جسے آپ محروم کر دیں، اسے کوئی دے نہیں سکتا اور نہ آپ کے مقابلہ کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کا رگر ہو سکتی ہے۔

﴿۲﴾ بعض دفعہ شیطان برائی کو نیکی بنا کر پیش کرتا ہے اور جو باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، ان کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ گویا اسی میں اللہ کی خوشنودی ہے، جیسے شرک کرنے والوں کے ذہن میں یہ بات ڈالنا کہ مخلوق کی پوجا اللہ ہی کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے ہے، یا ان سے یہ کہہ کر فرشتوں کی عبادت کرانا کہ تم کسی اور کی نہیں، اللہ ہی کی بیٹیوں کی عبادت کر رہے ہو، یا عیسائیوں کو یہ سمجھا کر شرک میں مبتلا کر دینا کہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ ﷺ کی پیدائش کی وجہ یہ ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) اللہ کی اولاد ہیں، یا دین حق پر ایمان رکھنے والوں کے ذہن میں ایسے کاموں کی عظمت بیٹھا دینا، جن کا کتاب و سنت سے ثبوت نہیں اور جو بدعت ہیں، غرض کہ ←



إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۚ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۚ أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَاهُ حَسَنًا ۚ فَإِنَّ اللَّهَ يُمْضِلُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۸﴾  
وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فُسْفِنُهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ النُّشُورُ ﴿۹﴾

یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے؛ اس لئے اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو، وہ اپنے لوگوں کو اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں، ﴿۸﴾ جو لوگ (دین حق کا) انکار کرتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ان کے لئے معافی اور بڑا اجر ہے، ﴿۹﴾ بھلا ایک ایسا شخص جس کے لئے اس کے بُرے کام ہی کو خوش نما بنا کر دکھایا گیا ہو اور وہ اس کو بھلا کام سمجھنے لگے (کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے؟) تو اللہ جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے محروم رکھتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نوازتے ہیں؛ لہذا ان پر مارے افسوس کے اپنی جان ہی نہ دیدیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی حرکتوں سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو ہواؤں کو بھیجتے ہیں، پھر بادل کو اُٹھاتے ہیں، پھر ہم اس کو بے جان (یعنی سوکھے ہوئے) علاقہ میں لے جاتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتے، اسی طرح مُردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ﴿۲﴾

← شیطان کچھ لوگوں پر مال و دولت، حرص اور نفسانی شہوات کو اس قدر غالب کر دیتا ہے کہ وہ جانتے بوجھتے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اور جو لوگ اس جال میں نہیں پھنستے ان کو اللہ ہی کے نام پر دھوکہ دیتا ہے اور ان کے سامنے گناہ کو نیکی بنا کر پیش کرتا ہے، اس سے خاص طور پر ڈرنا چاہئے۔

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بے قرار رکھتی تھی کہ اللہ کے بندوں کا رشتہ اس کے حقیقی مالک اور پروردگار سے قائم کیا جائے اور وہ کسی طرح دوزخ کی آگ سے بچ جائیں، اور جب آپ کی کوششوں کے باوجود وہ ایمان نہیں لاتے تو ایسا لگتا تھا کہ گویا آپ جان ہی دے دیں گے، اسی پس منظر میں آپ کو تسلی دی گئی کہ اللہ کو یہ منظور ہی نہیں ہے کہ تمام کے تمام لوگ مسلمان ہی ہو جائیں، اللہ کی مشیت ہی یہ ہے کہ یہ امتحان کے لئے بنائی گئی دنیا ایسی ہو، جس میں پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوں؛ اس لئے آپ ایمان نہ لانے والوں پر دُکھی نہ ہوں — اس میں اُمت کے لئے سبق ہے کہ ان کے دل میں بھی اللہ کے بندوں کی ہدایت کی وہی تڑپ ہونی چاہئے، جو ہمارے نبی ﷺ کے دل میں تھی۔

﴿۲﴾ یعنی جیسے سوکھی ہوئی زمین دوبارہ سیراب ہو کر کھیتی کے لائق ہو جاتی ہے، اسی طرح انسان کی سوکھی ہوئی بوسیدہ ہڈیاں اللہ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہو جائیں گی اور پہلے کی طرح ایک چلتے پھرتے، دیکھتے سنتے، بولتے اور روتے ہنستے انسانوں کی شکل میں لوٹ آئیں گی۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۖ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٥﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمِّرُ مِنْ مَعَمَّرٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٦﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۚ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٍ سَائِغٌ شَرَابُهُ ۖ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَمِنْ كُلِّ تَاكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا ۖ وَتَسْتَخْرِجُونَ حَلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِرَ لَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٧﴾

جو شخص عزت کا طلب گار ہے (تو اسے جان لینا چاہئے) کہ ساری کی ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے، اچھی باتیں اللہ ہی کی طرف پہنچتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نیک عمل کو بلند فرماتے ہیں، ﴿۱﴾ جو لوگ غلط غلط سازشیں کر رہے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کی چالبازیاں ناکام ہو کر رہیں گی، ﴿۱۵﴾ اللہ نے تم لوگوں کو مٹی سے، پھر نطفے سے پیدا فرمایا، پھر تم کو جوڑا جوڑا بنادیا، اور جو بھی عورت حاملہ ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے، وہ سب اللہ ہی کے علم سے ہوتا ہے اور نہ کسی کی عمر زیادہ رکھی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم، مگر یہ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے، بے شک یہ سب اللہ کے لئے آسان ہے، ﴿۲﴾ دو دریا برابر نہیں ہیں، یہ تو میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے، جس کا پینا خوشگوار ہے اور یہ کھار اور کڑوا ہے (البتہ) تم ہر ایک میں سے (مچھلیاں نکال کر ان کا) تازہ گوشت کھایا کرتے ہو، اور زیور بھی نکالا کرتے ہو، جس کو تم پہنتے ہو، نیز تم دریا میں کشتیوں کو دیکھتے ہو، جو (پانی کو) پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں؛ تاکہ تم اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اس لئے کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ عام طور پر جو لوگ اہل باطل کے سرغنہ ہوتے ہیں، وہ اس لئے حق کی بات پر کان نہیں دھرتے کہ اگر ہم کسی اور شخص کی بات مان لیں تو ہمارا سر نیچا ہو جائے گا اور وہ ہم سے زیادہ باعزت سمجھا جائے گا؛ اسی لئے ان کی کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ داعیان حق کو زیادہ سے زیادہ ذلیل و رسوا کیا جائے؛ تاکہ ان کی بے عزتی کو دیکھ کر دوسرے لوگ ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیں؛ چنانچہ فرمایا گیا کہ عزت دینا اور عزت سے محروم کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے، سب سے بڑی عزت یہ ہے کہ تم اپنے مالک اور پروردگار کی نظر میں معزز ہو جاؤ — یہاں نیک عمل میں ایمان اور دوسرے نیک کام دونوں شامل ہیں اور اللہ کی طرف چڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے اس کو بلند کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کا اس عمل کو قبول کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری: ۸/۴۷، تفسیر آیات مذکورہ)

﴿۲﴾ یعنی انسان کی پیدائش کے جتنے مرحلے ہیں اور پھر اس کے اس دنیا سے جانے کا جو وقت ہے، وہ سب اللہ کے حکم کے تحت ہے، اس کے علم میں ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ — جو گویا ریکارڈ رجسٹر ہے — میں بھی یہ ساری چیزیں لکھ دی ہیں تو پھر انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے میں اللہ کے لئے کیا دشواری ہے؟

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْعٍ ۖ إِنَّ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرِكُمْ ۖ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۚ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ وَمَا ذَلِكُ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۚ

اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور اللہ ہی نے سورج اور چاند کو قابو میں رکھا ہے، ہر ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تمہارے رب ہیں، اسی کے لئے بادشاہی ہے اور اس کے سوا تم جن کو پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں ہیں، ﴿۱﴾ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار بھی نہ سن سکیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہارے سوال کو پورا نہ کر سکیں، نیز قیامت کے دن وہ تمہارے شریک ٹھہرانے کا انکار کر دیں گے اور باخبر ذات (یعنی اللہ) کی طرح کوئی اور تم کو صحیح خبر نہیں دے سکتا، ﴿۲﴾ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور بڑی خوبیوں والے ہیں، ﴿۳﴾ اگر اللہ چاہیں تو تم کو ختم کر دیں اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دیں، ﴿۴﴾ اور یہ اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں ہے، ﴿۵﴾ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور کوئی بھاری بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کو بلائے گا تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا، چاہے (جس کو بلا یا ہے، وہ) رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، ﴿۶﴾ آپ صرف ان ہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو دیکھے بغیر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، جو شخص پاکیزگی اختیار کرتا ہے، وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے اور سب کو اللہ ہی کی طرف واپس ہونا ہے۔ ﴿۷﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کو دیکھو کہ پانی ایک جیسے ہیں؛ لیکن کسی دریا کا پانی میٹھا اور کسی کا کھارہ ہے، اور دونوں کے اپنے اپنے فائدے ہیں، میٹھا پانی پینے کے کام آتا ہے، کھارے پانی سے انسان کو موتی جیسی چیز حاصل ہوتی ہے، جس سے خوبصورت اور قیمتی زیور بنائے جاتے ہیں اور کچھ فائدے دونوں میں ہے، جیسے مچھلیوں کا حاصل ہونا اور کشتیوں کے ذریعہ سفر کی آسانی، اسی طرح رات و دن کا نظام ہے کہ اللہ کے منشاء کے مطابق کبھی دن کے اوقات بڑھ جاتے ہیں اور کبھی رات کے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے لئے ایک نظام مقرر کر دیا ہے اور ایک مقررہ وقت یعنی قیامت تک سورج اور چاند اسی طرح گردش کرتے رہیں گے، ایک طرف اللہ کی قوت و طاقت، حکمت و دانائی اور علم کا یہ حال ہے، دوسری طرف بت پرست تو ہیں ←

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا الظُّلُ ﴿٢١﴾ وَلَا الْحُرُورُ ﴿٢٢﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْبِعُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُسْبِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴿٢٣﴾ إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٥﴾

اندھے اور آنکھ والے برابر نہیں ہو سکتے، ﴿۱۹﴾ نہ تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے، ﴿۲۰﴾ اور نہ چھاؤں اور دھوپ ﴿۲۱﴾ اور نہ زندہ اور مردے، یقیناً اللہ جسے چاہتے ہیں، سُنواتے ہیں، مگر آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں دفن ہیں، ﴿۲۲﴾ آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں، ﴿۱﴾ ہم نے آپ کو حق دے کر خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی اُمت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۳﴾

← جن چیزوں کو پوجتی ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ وہ کھجور کی گٹھلیوں کے چھلکوں کے برابر بھی کسی چیز کی مالک نہیں ہیں، سب چیزیں اللہ ہی کے حکم سے بنتی اور وجود میں آتی ہیں۔

﴿۲﴾ بعض سردارانِ مکہ غریب مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم ایمان کو چھوڑ کر ہمارے دین کی طرف آ جاؤ، اگر تمہاری نظر میں یہ بُرا ہے اور تمہارے خیال میں قیامت قائم ہونی ہے تو وہاں ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ انسان ایک دوسرے کے سامان کا بوجھ تو اٹھا سکتا ہے، اعمال کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، اور آخرت میں سارے فیصلے اعمال پر ہوں گے، وہاں انسان کے ساتھ کوئی سامان نہ ہوگا۔

﴿۱﴾ یعنی جن لوگوں کو ہدایت کی روشنی حاصل ہے اور جو اس سے محروم ہیں، ایمان جو روشنی ہی روشنی ہے اور کفر جو سراپا تاریکی ہے، نیک عمل جو جنت کی چھاؤں میں پہنچائے گا اور برے اعمال جو دوزخ کی تپش میں لے جائیں گے اور وہ لوگ جن کے دل زندہ ہیں اور وہ بد نصیب جن کے دل مردہ ہو گئے ہیں، ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور آپ کی کوشش ہر ایک پر بار آور نہیں ہو سکتی۔

﴿۲﴾ یعنی قرآن مجید میں اگرچہ جزیرۃ العرب اور اس کے مضافات شام، عراق، مصر اور یمن وغیرہ میں بسنے والی قوموں اور ان میں بھیجے جانے والے پیغمبروں ہی کا ذکر آیا ہے، لیکن پیغمبر ہر قوم میں آتے رہے ہیں، اس لئے اگر آپ ﷺ کو پیغمبر بنایا گیا تو اس پر اہل مکہ کو حیرت نہ ہونی چاہئے۔ اس سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں بھی ضرور اللہ کے پیغمبر آئے ہوں گے اور انھوں نے دین حق کو پیش کیا ہوگا، لوگوں نے ان کی تعلیمات میں ایسی ملاوٹ پیدا کر دی کہ آج ان کا سراغ لگانا مشکل ہو گیا ہے، ہندو مذہبی کتابوں، جیسے ویدوں، پرانوں اور اپنشدوں وغیرہ میں نہ صرف توحید کے واضح احکام موجود ہیں؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں اور آخرت کا تصور بھی ہے؛ اس لئے یہ بات بالکل عجیب نہیں کہ ان کتابوں کے حاملین اللہ کے پیغمبر رہے ہوں؛ لہذا جو ہندو مذہبی پیشوا گذرے ہیں، ان کی بے احترامی سے بچنا چاہئے؛ البتہ چون کہ ہمیں یقینی طور پر ان کا پیغمبر ہونا اور ان کتابوں کا الہامی ہونا معلوم نہیں، اس لئے ہم ان کو یقینی طور پر نبی نہیں مان سکتے، ان پر ایمان لانے کو ←

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ  
وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۲۶﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ  
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۖ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ  
وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ ۖ وَأَلْوَانُهُمْ كَذَلِكَ ۖ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۲۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ  
يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرِجُونَ تِجَارَةً  
لَّنْ تَبُورَ ﴿۲۹﴾

اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے، ﴿۲۵﴾ پھر جن لوگوں نے نہیں مانا، میں نے ان کو پکڑ لیا، تو (دیکھ لو کہ) کیسا تھا میرا عذاب؟ ﴿۲۶﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے رنگ برنگ کے پھل نکالے اور پہاڑوں میں بھی مختلف حصے، سفید، مختلف رنگتوں کے سرخ اور گہرے سیاہ جیسے ہیں، ﴿۲۷﴾ اسی طرح انسان، چوپائے اور مویشی بھی مختلف رنگ کے ہیں، یقیناً اللہ کے بندوں میں سے جو علم والے ہیں، وہی اللہ سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت زبردست اور خوب معاف فرمانے والے ہیں، ﴿۲۸﴾ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے چھپا کر بھی اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں، وہ ایک ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں، جس میں ہرگز نقصان نہیں ہوگا۔ ﴿۲۹﴾

← ضروری قرار نہیں دے سکتے، ان کتابوں کو آسمانی اور الہامی کتاب نہیں کہہ سکتے اور ہندو برادرانِ وطن کو اہل کتاب کے درجہ میں نہیں رکھ سکتے، کسی چیز کا ممکن ہونا اور بات ہے اور کسی چیز کا یقینی طور پر واقع ہونا اور بات ہے۔

﴿۱﴾ نشانوں سے مراد معجزات ہیں جو انبیاء کو دیئے جاتے تھے، صحیفوں سے مراد چھوٹی چھوٹی آسمانی کتابیں ہیں، جیسے حضرت ابراہیم ؑ پر نازل ہونے والے صحیفے، روشن کتاب سے مراد عقائد و اعمال کی رہنمائی سے متعلق تفصیلی کتابیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی ہیں، جیسے تورات، انجیل اور قرآن مجید۔

﴿۲﴾ مختلف رنگوں میں چیزوں کا پیدا ہونا اور وجود میں آنا، جہاں نگاہ کو بھلا لگتا ہے، اس رنگارنگی سے کائنات کی خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے، وہیں اس سے چیزوں کی پہچان اور شناخت بھی متعلق ہے، اگر تمام پھل، تمام درخت، تمام جانور اور تمام انسان ایک ہی رنگ و روپ کے ہوتے تو ان کو پہچاننا کس قدر دشوار کام ہوتا؛ اس لئے رنگوں کا اختلاف جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہے، وہیں انسان کے لئے بہت بڑی نعمت بھی ہے۔

لِيُؤْفِيَهُمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۶﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۖ بإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۷﴾

تاکہ اللہ ان کو ان کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائیں اور اپنے فضل و کرم سے ان کو اور بڑھا کر دیں، یقیناً اللہ بہت بخشنے والے اور بڑے ہی قدر داں ہیں، ﴿۳۵﴾ اور ہم نے وحی کے ذریعہ جو کتاب آپ پر اتاری ہے، وہی برحق (کتاب) ہے، جو گزشتہ کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور بے شک اللہ اپنے بندوں سے باخبر ہیں اور خوب نظر رکھے ہوئے ہیں، ﴿۳۶﴾ پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو کتاب حوالہ کی، جن کو ہم نے چن لیا، تو ان میں سے بعض تو اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے ہیں، بعض درمیانی درجہ پر ہیں، اور بعض اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں آگے بڑھتے جا رہے ہیں، یہی تو (اللہ کا) بڑا فضل و کرم ہے۔ ﴿۳۷﴾

← ﴿۳﴾ عبادت کو چھپ کر انجام دینا بہتر ہے؛ کیوں کہ اس میں دکھاوے کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا؛ لیکن بعض دفعہ کسی عبادت کو ظاہر کر کے کرنا بھی مفید اور مصلحت کا تقاضہ ہوتا ہے، اس سے اس عمل کے لئے ماحول بنتا ہے اور عمل نہ کرنے والوں کو ترغیب ہوتی ہے؛ اسی لئے فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ کے راستہ میں اعلانیہ خرچ کرنے میں بھی یہی مصلحت ہے کہ بعض اوقات اس سے دوسروں کو خرچ کرنے کی ترغیب ملتی ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مرتبہ جہاد کے لئے علی الاعلان صحابہ سے تعاون جمع کرایا، یا بعض غریب مسلمانوں کی مدد کرائی، اس مقصد کے تحت اظہار و اعلان کے ساتھ خرچ کرنے میں حرج نہیں اور یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے، اخلاص کی ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اگر اس عمل کا اظہار نہ ہوتا تو وہ اس عمل کو انجام ہی نہ دیتا، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر عمل کا اظہار ریا اور دیکھا وانہیں ہے۔

﴿۱﴾ چن لئے جانے والے لوگوں سے مراد امت محمدیہ ﷺ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عطا فرمایا، زیادتی کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان تو رکھتے ہیں؛ لیکن عمل میں کوتاہ ہیں، درمیانی درجہ کے لوگوں سے وہ لوگ مراد ہیں، جو فرائض و واجبات کو ادا تو کرتے ہیں؛ لیکن ان سے گناہوں کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے، ان کے اعمال ملے جلے ہیں اور آگے بڑھنے والے لوگوں سے وہ حضرات مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ پر قائم رہنے اور گناہوں سے بچنے کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے، ان میں اول درجہ صحابہ کرام کا ہے، ان تین گروہوں میں سے پہلے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یا تو اللہ ان کو عذاب دیں گے یا ان کی توبہ قبول فرمائیں گے: ”إِمَّا يَعْذِبُهُمْ وَإِمَّا يَمُنُوبُ عَلَيْهِمْ“ (التوبہ: ۱۰۶) اور جو درمیانی درجہ کے لوگ ہیں، ان کے بارے میں اُمید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادیں گے: ”وَأَخْرُؤْنَ اٰخِرُتُوهُمْ اٰخِرُتُوهُمْ“ (التوبہ: ۱۰۲) اور جو اعمال میں آگے ہیں، ان کا کیا کہنا وہ تو آخرت میں ←

جَنَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۖ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا ۖ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ أَوْ لَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا ۖ فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿۳۷﴾

وہ ہمیشہ رہنے والے باغوں میں داخل ہوں گے، ان باغوں میں ان کو سونے اور موتی کے زیورات پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی، ﴿۳۳﴾ وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے رنج و غم کو دور کر دیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے رب بہت معاف کرنے والے اور بڑے قدرداں ہیں، ﴿۳۴﴾ جس نے اپنی مہربانی سے ہم کو ہمیشہ ہمیش رہنے کے گھر میں اتارا ہے، جس میں نہ ہم کو کوئی مشقت ہوگی اور نہ ٹکان، ﴿۳۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، نہ ان کے لئے فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی، اسی طرح ہم ہر ناشکرے کو سزا دیا کرتے ہیں، ﴿۳۶﴾ وہ اس میں چیخ و پکار کریں گے: ہمارے پروردگار! ہم کو (اس عذاب سے) نکال دیجئے؛ کہ ہم جو کچھ کیا کرتے تھے، اس کی بجائے نیک عمل کریں، (اللہ فرمائیں گے): کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس میں سوچنے والے سوچ لیں اور تمہارے پاس خبردار کرنے والے (رسول) بھی تو آچکے تھے؟ تو اب چکھو، کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ﴿۳۷﴾

← اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں ہوں گے: ”وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ، أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ“ (الواقعہ: ۱۰، ۱۱) حضرت عمرؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو آگے بڑھنے والے لوگ ہیں، وہ تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں اور جو ہم میں سے درمیانی درجہ کے لوگ ہیں، انھیں بھی نجات حاصل ہوگی اور جو ظلم کرنے والے ہیں، ان کی بھی مغفرت ہوگی: ”سابقنا سابق ومقتصدنا ناج وظالمنا مغفور له“۔ (تفسیر بغوی: ۳/۶۲۴، نیز دیکھئے: کنز العمال، حدیث نمبر: ۲۹۲۵)

﴿۱﴾ مردوں کے لئے زیورات اور ریشم کی ممانعت اس دنیا میں ہے، عالم آخرت میں ان پر کوئی چیز حرام نہ ہوگی، اس لئے وہاں مرد بھی زیورات پہنیں گے اور ان کے لئے بھی ریشم کی پوشاک ہوگی۔  
 ﴿۲﴾ یعنی دنیا میں تو انسان بعض اوقات مصائب و آلام سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتا ہے؛ لیکن آخرت میں یہ راستہ بھی بند ہوگا اور انسان پر موت بھی نہ آئے گی۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۲۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۖ أَمْ اتَّيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَى بَيِّنَةٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِن يَبْعُدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿۳۰﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمَسِّكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۖ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ ۖ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۳۱﴾

بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتے ہیں، یقیناً اللہ دلوں کی بات سے بھی واقف ہیں، ﴿۲۸﴾ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا تو جو ایمان نہ لائے، اس کے ایمان نہ لانے کا وبال اسی پر ہے، انکار کرنے والوں کے لئے ان کا انکار کرنا ان کے پروردگار کے نزدیک غصہ و ناراضگی بڑھنے کا باعث بنے گا اور ایمان نہ لانے والوں کے حق میں ان کا کفر نقصان ہی بڑھاتا جاتا ہے، ﴿۲۹﴾ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے: ذرا تم اپنے ان شرکاء کو تو دیکھو، جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہو، کہ انھوں نے زمین میں سے کیا کچھ پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں (کے بنانے) میں ان کی ساجھے داری ہے، یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ ان کو اس کی سند حاصل ہے؟ بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے جو وعدہ کر رہے ہیں، وہ محض دھوکہ ہے! ﴿۳۰﴾ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے ہیں کہ کہیں وہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں، اور اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو تھام نہیں سکتا، یقیناً اللہ بہت بردبار اور بڑے معاف کرنے والے ہیں۔ ﴿۳۱﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ لوگ اللہ کے ساتھ جن کو شریک ٹھہراتے ہیں، اس عمل کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، نہ عقل کی گواہی ہے؛ کیوں کہ جو خود بے بس و لاچار ہوں، وہ کیسے خدا ہو سکتے ہیں اور دوسروں کی چارہ گری کر سکتے ہیں؟ اور نہ ان کے پاس کوئی کتابی دلیل ہے کہ اللہ کی طرف سے اُترنے والی کتاب میں ان کی عبادت کا حکم دیا گیا ہو۔

﴿۲﴾ زمین اور فضا میں پھیلے ہوئے بے شمار سیاروں کا ایک مقررہ نظام کا پابند ہونا اللہ ہی کے حکم سے ہے، اللہ نے ان میں کشش کا ایسا نظام رکھ دیا ہے، جو دو سیاروں کو آپس میں ٹکرانے نہیں دیتا ہے، ان کے درمیان مناسب فاصلہ رکھتا ہے، اور اسی فاصلہ کے ساتھ ان کی گردش ہوتی رہتی ہے، ممکن ہے کہ آسمان و زمین کو تھامنے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا یہ نظر نہ آنے والا نظام کشش اور آسمان سے مراد وہ تمام سیارے ہوں جو افق پر تیر رہے ہیں اور ہمیں بلندی پر محسوس ہوتے ہیں، اسی میں وہ اصل آسمان بھی شامل ہے، جہاں آج تک انسان ہی نہیں؛ بلکہ دوربین کی نگاہیں اور برقی لہریں بھی نہیں پہنچ پائیں اور شاید قیامت تک نہیں پہنچ پائیں۔



وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۚ إِنَّتُكِبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئِ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۚ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۚ وَلَوْ يُوَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرٍهَا مِنْ ذَاتِهِ ۚ وَلَكِنَّ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝

اور یہ لوگ تو اللہ کی پکی قسمیں کھایا کرتے تھے، کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (رسول) آیا تو وہ ہر امت سے بڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرانے والے (رسول) آگئے تو ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا، (۱) کیوں کہ وہ زمین میں تکبر اور بدترین سازش کرنے لگے اور بری سازشوں کا وبال سازش کرنے والوں ہی پر ہوتا ہے، کیا وہ اسی طریقہ کے منتظر ہیں، جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے، تو آپ ہرگز اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے، (پھر آگاہ ہو جائیں کہ) آپ اللہ کے طریقہ میں کوئی بدلاؤ نہیں پائیں گے، (۲) کیا یہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ دیکھ لیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؛ حالاں کہ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے؟ اور اللہ کو آسمان و زمین کی کوئی چیز ہر انہیں سکتی، یقیناً اللہ خوب جاننے والے اور بڑی قدرت والے ہیں، (۳) اگر اللہ لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے (دنیا ہی میں) ان کی پکڑ کر لیتے تو زمین کی پیٹھ پر کسی جاندار کو نہیں چھوڑتے؛ لیکن اللہ ان کو ایک مقررہ مدت تک ڈھیل دیئے جاتے ہیں، پھر جب ان کا وقت آجائے گا، تو یقیناً اللہ خود اپنے بندوں کو دیکھ لیں گے۔ (۳) (۴)

(۱) رسول اللہ ﷺ کے نبی بنائے جانے سے پہلے قریش مکہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم میں بھی کوئی پیغمبر بھیجتے تو ہم دنیا کی قوموں میں سب سے زیادہ اپنے نبی کے فرمانبردار ہوتے اور اس پر قسمیں کھایا کرتے تھے، نیز جب ان کو معلوم ہوا کہ یہودیوں و عیسائیوں نے بعض پیغمبروں کو جھٹلادیا تھا تو ان کے اس عمل پر لعنت بھیجتے تھے؛ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان ہی کے شہر اور خاندان کے ایک فرد محمد ﷺ کو اپنا پیغمبر بنایا تو انہوں نے آپ ﷺ کی بدترین مخالفت کی اور اپنی ان ساری قسموں کو بھول گئے۔ (تفسیر بغوی: ۶۲۹/۳)

(۲) یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کو ان کی سرکشی، پیغمبر کے ساتھ بدسلوکی اور انکار پر سزا دی ہے، اگر اہل مکہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو وہ بھی اسی طرح کے عذاب سے دوچار ہو کر رہیں گے؛ چنانچہ غزوہ بدر میں ان کے بڑے بڑے لیڈر مارے گئے، ←

← اور جو بیچ گئے، وہ اس لئے کہ انھوں نے اپنے رویہ سے توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا، یہاں تک کہ ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا، جس میں مکہ کے تمام لوگوں نے کسی جبر و دباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے اسلام کے سامنے سر جھکا دیا۔

﴿۳﴾ یہ دنیا انسان کے امتحان کی جگہ ہے، یہاں اگر ہر شخص کو ہاتھوں ہاتھ سزا ملنے لگے تو امتحان باقی نہیں رہے گا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ سزا کو مؤخر فرماتے ہیں، ورنہ اگر ہر شخص کی اس کی نافرمانی پر فوراً پکڑ کر لی جائے تو کوئی انسان باقی نہ رہ سکے۔



# سُورَةُ يٰسٓ

«سورہ نمبر : (۳۶)

«رکوع : (۵)

«آیتیں : (۸۳)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز ”یس“ کے لفظ سے ہوا ہے، جو حروف مقطعات میں سے ہے، اسی لئے اس کا نام سورہ یسین ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کا دل سورہ یسین ہے، (ترمذی: کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل یس، حدیث نمبر: ۲۸۸۷) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اموات پر سورہ یسین پڑھنے کی تاکید فرمائی، اموات میں مُردے بھی شامل ہیں اور وہ بھی جو مرنے کے قریب یعنی حالت نزاع میں ہوں۔

اس سورہ کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے ذکر سے ہوتا ہے اور کچھ ہی آیات کے بعد ایک بستی والے کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے، جن کے پاس ایک ہی وقت میں تین تین داعی آئے، بستی کے لوگوں نے انکار کیا اور ایک شخص نے اللہ کی توفیق سے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ ایمان لے آئیں؛ لیکن انھوں نے ایمان لا کر نہیں دیا، اہل مکہ کو بتایا گیا کہ وہ ایسے لوگوں کی روش اختیار نہ کریں، اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد سے اب تک یہ سرزمین نور نبوت سے محروم تھی، مگر اب اللہ نے تمہارے درمیان پیغمبر کو بھیج دیا ہے، تم لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہو، اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شاعر نہیں ہیں؛ بلکہ آپ ﷺ پر اُترنے والا کلام کلام الہی ہے، پوری سورہ میں بار بار انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت قائم ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور اسی تذکرہ پر سورہ ختم ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

یس ۱ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۲ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۳ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۴ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۵ لِنُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۷ إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلًا فَبِهِ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۸

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ یا، سین ۱ ۲ حکمت و دانائی سے معمور قرآن کی قسم ہے! ۳ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اللہ کے پیغمبروں میں سے ہیں، ۴ سیدھے راستہ پر ہیں، ۵ یہ قرآن اس ذات کا اُتارا ہوا ہے، جو غالب اور نہایت مہربان ہے؛ تاکہ آپ ان لوگوں کو باخبر کر دیں، جن کے باپ دادا کو باخبر نہیں کیا گیا تھا، اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ۶ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں پر (عذاب الہی کی) بات ثابت ہو چکی ہے؛ اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے، ۷ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں، جو ٹھوڑیوں تک ہیں؛ اس لئے ان کے سراو پر کواٹھے ہوئے ہیں۔ ۸

۱ یہ حروف مقطعات میں سے ہیں، سورہ بقرہ کی آیت: ا میں اس کی تشریح گزر چکی ہے۔

۲ اگرچہ ہر انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اس بات کو جاننے کی کوشش کرے کہ اس دنیا میں اس کو کس نے پیدا کیا ہے اور کیوں پیدا کیا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کی تنبیہ کے لئے کسی پیغمبر کو بھیجے بغیر انسان کی پکڑ فرمالیتے کہ اس نے اپنی عقل اور اس کے اندر رکھی گئی صلاحیت کا استعمال کر کے خدا کو پانے کی کوشش کیوں نہیں کی تو یہ انصاف کے خلاف نہیں ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب تک کسی گروہ کے پاس اللہ تعالیٰ اپنا پیغمبر نہیں بھیجتے اور ان تک اللہ کی کتاب نہیں پہنچتی ان کی پکڑ نہیں کی جاتی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا“ (بنی اسرائیل: ۱۵) یعنی جب تک ہم رسول نہیں بھیجتے، کسی قوم پر اپنا عذاب نازل نہیں کرتے، اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہل مکہ سے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے جو تمہارے درمیان محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، چوں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں کوئی پیغمبر نہیں آئے اور کئی پشتوں سے وہاں کے لوگ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے بے خبر رہے، اس لئے تم کو باخبر کرنے کی غرض سے محمد ﷺ کو تمہارے درمیان نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، اب اگر تم ایمان نہ لاؤ تو تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے دوچار ہو گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت صرف عربوں کے لئے تھی؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت پوری انسانیت کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے، اسی لئے آپ ﷺ پر اُتاری جانے والی کتاب ”قرآن مجید“ کو محفوظ کر دیا گیا ہے؛ لہذا آپ ﷺ کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہی؛ البتہ اب اس اُمت کا کام ہے کہ وہ ان تمام انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچائے، جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿٩﴾  
 وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ  
 وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿١١﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ  
 مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٢﴾

ہم نے ایک آڑ اُن کے آگے بنادی ہے اور ایک پیچھے، اسی طرح ان کو ڈھانپ دیا ہے؛ لہذا وہ دیکھ نہیں سکتے، ﴿۹﴾  
 ان کے حق میں آپ کا خبردار کرنا اور نہ کرنا برابر ہے، یہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰﴾ آپ اسی کو خبردار کر سکتے ہیں  
 جو نصیحت پر چلے اور بغیر دیکھے ہوئے بے حد مہربان (خدا) سے ڈرے، تو آپ ان کو مغفرت اور باعزت بدلہ کی  
 خوشخبری سنا دیجئے، ﴿۱۱﴾ ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ اعمال انھوں نے کئے ہیں، ان کو اور ان کے  
 اثرات کو ہم لکھتے جا رہے ہیں، ﴿۱۲﴾ اور ہر چیز کو ہم نے ایک واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج کر دیا ہے۔ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ یہ ایک تشبیہ ہے، انسان کے علم اور واقفیت کا سب سے بڑا ذریعہ اس کی آنکھیں ہیں، وہ جب کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھتا  
 ہے اور اس کے ذہن میں اس کی تصویر قائم ہو جاتی ہے، تبھی دماغ اس پر غور کرتا ہے اور انسان اس کو پوری طرح سمجھ پاتا ہے، اگر  
 کسی کی گردن میں اس طرح طوق ڈال دیا گیا ہو کہ اس کا چہرہ اوپر کی طرف اٹھا رہے، وہ اپنی گردن کو دائیں بائیں سامنے اور نیچے  
 موڑ نہ سکے تو اس کے لئے اپنے گرد و پیش کو دیکھنا ممکن نہ ہوگا، اور اگر اس کے علاوہ مزید یہ بھی ہو جائے کہ اس کے آگے اور پیچھے  
 دیوار بنادی جائے تو اب تو اس کے لئے آگے پیچھے دیکھنا بالکل ہی ممکن نہ رہے گا، جو لوگ اپنے کفر پر اڑے ہوئے ہیں، ان کا یہی  
 حال ہے کہ ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر نیچے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بکھری ہوئی ہے، جن کے ذریعہ وہ اپنے مالک کو پہچان  
 سکتے ہیں؛ لیکن اپنی بے توفیقی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ اس صلاحیت سے محروم کر دیئے گئے ہیں، اس لئے اب ان کے ایمان  
 لانے کی اُمید نہ رکھی جائے۔

﴿۲﴾ ”اثرات“ سے مراد یہ ہے کہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کا اثر انسان کی زندگی تک محدود رہتا ہے اور بعض نیک اور بُرے  
 اعمال ایسے ہیں جن کا ان کی موت کے بعد بھی تسلسل باقی رہتا ہے، جیسے ایک شخص مسلمان نہیں تھا، آپ نے اس کو مسلمان بنا دیا  
 اور اب وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کئے جا رہا ہے، آپ نے کسی کو دین کی تعلیم دی اور وہ اس تعلیم کو فروغ دے رہا ہے، کوئی مسجد  
 یا مدرسہ کی تعمیر کی، جہاں نماز اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے، آپ نے دینی کتابیں لکھیں، جن سے لوگ استفادہ کر رہے ہیں،  
 تو ان صورتوں میں آپ کی نیکی کا اثر آپ کے بعد بھی جاری رہتا ہے، اسی طرح ایک شخص نے کسی کو گمراہ کر دیا اور وہ اپنی گمراہی پر  
 قائم ہے، گمراہ کن کتاب لکھ دی، لوگ اس کو پڑھ کر گمراہ ہو رہے ہیں، سنیما ہال بنا دیا، اس کے بعد اس میں اخلاق کو بگاڑنے والی  
 فلمیں دکھائی جا رہی ہیں، یہ بُرے اعمال کے اثرات ہیں، تو اللہ تعالیٰ نیک عمل کے ساتھ ساتھ اس عمل سے پیدا ہونے والے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿١٦﴾ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ﴿١٧﴾ قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِن أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿١٨﴾ قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُم لَمُرْسَلُونَ ﴿١٩﴾ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٢٠﴾ قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾

اور (اے رسول!) آپ ان لوگوں کے سامنے اس بستی کے رہنے والوں کا قصہ سنائیے، جب ان کے پاس کئی پیغمبر آئے، ﴿۱۶﴾ اس طرح کہ ہم نے ان کی طرف دو پیغمبروں کو بھیجا، ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلادیا، تو ہم نے تیسرے کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچائی، ان تینوں نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، ﴿۱۷﴾ وہ لوگ کہنے لگے: ”تم لوگ تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو، خدائے رحمان نے کوئی چیز اتاری نہیں ہے، تم لوگ محض جھوٹ بول رہے ہو“ ﴿۱۸﴾ ان پیغمبروں نے کہا: ہمارے رب کو خوب معلوم ہے کہ ہم لوگوں کو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، ﴿۱۹﴾ اور ہماری تو صرف اتنی ذمہ داری ہے کہ واضح طور پر (اللہ کا پیغام) پہنچادیں، ﴿۲۰﴾ وہ لوگ کہنے لگے: ہم تو تم لوگوں کو منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے اور ہماری جانب سے تم کو دردناک تکلیف پہنچے گی۔ ﴿۲۱﴾

← اثرات کو بھی ریکارڈ کراتے جا رہے ہیں اور اس پر بھی اجر عطا فرمائیں گے، اور بُرے عمل کے ساتھ ساتھ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی برائیوں کے تسلسل کو بھی محفوظ کرتے جا رہے ہیں، اس کو اس کے اپنے اعمال کے ساتھ ساتھ اس سے پیدا ہونے والے اثرات کی بھی سزا دی جائے گی؛ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ بات کہی گئی ہے کہ گمراہ کرنے والے اپنے گناہ کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے، جو ان کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں، حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ جس نے کسی اچھے طریقے کی بنیاد رکھی، جو اس کے بعد جاری رہا تو اس کو اس کا ثواب پہنچتا رہے گا اور جس نے کسی بُرے عمل کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد بھی وہ طریقہ جاری ہے تو اس کو اس کی بھی سزا ملے گی (مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمر، حدیث نمبر: ۱۰۱۷)؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے تو عمل سے اس کا رشتہ کٹ جاتا ہے، سوائے تین صورتوں کے، اس نے کوئی ایسا علمی کام کیا ہو، جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، یا صدقہ جاریہ کیا ہو، یعنی کوئی ایسا کام جس سے اس کے بعد بھی لوگوں کو مادی فائدہ حاصل ہوتا رہے، یا اس نے نیک اولاد چھوڑی ہو، جو اس کے لئے دُعا کیا

کرتی ہو۔ (مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حدیث نمبر: ۱۶۳۱)

قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ ۚ إِنَّكُمْ ذُكِّرْتُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿۱۹﴾ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا  
الْبَدْيَةِ رَجُلٌ يُسْعَىٰ قَالَ يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا  
وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾

پیغمبروں نے فرمایا: تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، کیا اس لئے کہ تم کو نصیحت کی گئی (تم ہمیں منحوس کہتے ہو؟) بلکہ تم حد سے نکلے ہوئے لوگ ہو، ﴿۱۹﴾ نیز شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: ”اے میری قوم! تم (اللہ کے) پیغمبروں کی پیروی کرو، ﴿۲۰﴾ ایسے لوگوں کے راستے پر چلو، جو تم سے کسی بدلہ کے طلب گار نہیں ہیں اور وہ خود بھی درست راستہ پر ہیں۔ ﴿۲۱﴾



وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۶﴾

الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُون ﴿۳۷﴾ إِنَِّّي إِذَا لَفِيَ ضَلَلٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾  
إِنَِّّي أَمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْتَعُونَنِي ﴿۳۹﴾ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾ بِمَا  
غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۴۱﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ  
السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۴۲﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خُمُودُونَ ﴿۴۳﴾

آخر میں کیوں اس ذات کی عبادت نہ کروں، جس نے مجھے پیدا فرمایا، اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے، ﴿۳۶﴾  
کیا میں اس کے سوا دوسرے معبود بنالوں؟ اگر رحم و کرم کرنے والے (اللہ) مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کر لیں، تو  
ان (جھوٹے معبودوں) کی سفارش مجھے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں گے، ﴿۳۷﴾ اگر میں نے ایسا کیا  
تو کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا، ﴿۳۸﴾ میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا ہوں، اس لئے میری بات سن لو، ﴿۳۹﴾ (مگر جو  
لوگ کفر پراڑے ہوئے تھے، انھوں نے اس ایمان لانے والے کو شہید کر دیا؛ چنانچہ خدا کی طرف سے) اس کو حکم  
فرمایا گیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، (وہ کہنے لگے:) کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی، ﴿۴۰﴾ کہ میرے رب  
نے مجھے معاف کر دیا ہے اور مجھ کو باعزت بندوں میں شامل فرمالیا ہے، ﴿۴۱﴾ ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر  
آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی، ﴿۴۲﴾ وہ تو صرف ایک سخت آواز تھی، پھر اسی لمحہ وہ سب  
بجھ کر رہ گئے۔ ﴿۴۳﴾

﴿۱﴾ یہ کس قوم کا واقعہ ہے، کن دو حضرات نے پہلے دین حق کی دعوت دی اور پھر ان کی تقویت کے لئے کونسے تیسرے شخص آئے؟  
اس کی تفصیل نہ قرآن مجید میں آئی ہے اور نہ حدیث میں؛ البتہ مفسرین نے مقام اور شخصیتوں کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، عام  
طور پر اس طرح کی وضاحتیں بائبل سے ماخوذ ہوتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ انطاکیہ کا ہے جہاں ایک بُت پرست قوم آباد تھی،  
جن تین حضرات نے ان پر دعوت حق پیش فرمائی، ان کا نام صادق، صدوق اور شلوم تھا، بعض حضرات نے کچھ اور نام ذکر کئے ہیں،  
مفسرین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے پیغمبر نہیں تھے؛ بلکہ یہ دو شخص حضرت عیسیٰ ﷺ کے حواری تھے، جن کو انھوں نے  
دعوت دین کے لئے بھیجا تھا اور تیسرے شخص — جنھوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا، خود مسلمان ہو گئے اور دوسروں کو بھی ایمان لے  
آنے کی ترغیب دی، یہاں تک کہ قوم کے لوگوں نے ان کو شہید کر دیا — اسی قوم سے تعلق رکھتے تھے، جن پر اسلام کی دعوت پیش  
کی گئی تھی، ان پر عذاب اس طرح نازل ہوا کہ حضرت جبریل ﷺ نے چیخ ماری اور پوری کی پوری قوم ہلاک ہو گئی، اسی کی طرف  
اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ہمیں ان کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کی کسی فوج کی ضرورت نہیں پڑی، ایک فرشتے کی چیخ ہی  
کافی ہو گئی۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۳-۱۵)

يَحْسِرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٦﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣٧﴾ وَإِن كُلُّ لَبَّاءٍ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَإِيَّةُ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَبِتُّهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣٩﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٤٠﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ ۚ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٤١﴾ سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنَ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِيَّةُ لَهُمُ الْيَلُّ ۚ تَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارُ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ﴿٤٣﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٤٤﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿٤٥﴾

افسوس ہے بندوں پر کہ ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آتے تو وہ ان کی ہنسی ہی اڑاتے، ﴿٣٦﴾ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ساری امتوں کو ہلاک کر دیا ہے، وہ ان کی طرف لوٹ کر آنے والے نہیں ہیں، ﴿٣٧﴾ اور یہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں گے، ﴿٣٨﴾ اور ان کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے، جس کو ہم نے زندہ کیا، اس سے اناج نکالا، پھر یہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں، ﴿٣٩﴾ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے ہیں اور زمین میں پانی کے چشمے جاری کر دیئے ہیں، ﴿٤٠﴾ تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں اور یہ پھل ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں تو کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ ﴿٤١﴾ اللہ کی ذات پاک ہے، جس نے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں، خود انسانوں اور ان چیزوں کو جن کو وہ نہیں جانتے، جوڑا جوڑا بنایا، ﴿٤٢﴾ رات بھی ان کے لئے ایک نشانی ہے کہ ہم اس سے دن کو ہٹا لیتے ہیں، پھر یکا یک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، ﴿٤٣﴾ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ اس ذات کا مقرر کیا ہوا (نظام) ہے، جو بے حد طاقتور اور بڑا ہی باخبر ہے، ﴿٤٤﴾ چاند کے لئے بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں، یہاں تک کہ وہ سوکھی ہوئی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ ﴿٤٥﴾

﴿١﴾ انسانوں اور جانوروں میں زو مادہ ہونا تو ہر شخص کو معلوم ہے، اور اسی ذریعہ سے ان کی نسل کی افزائش ہوتی ہے؛ لیکن دنیا میں اس کے علاوہ بیشتر چیزیں وہ ہیں، جن کو اللہ نے جوڑا بنایا ہے، جیسے: دن اور رات، روشنی اور تاریکی، اسی طرح پودوں میں بھی زر اور مادہ کا نظام رکھا گیا ہے، یہاں تک کہ بجلی جو ہماری موجودہ زندگی کا لازمی حصہ ہے، اس میں بھی مثبت اور منفی دونوں قوتیں کام کرتی ہیں، ان چیزوں میں جوڑے جوڑے ہونے کا انسان کو کوئی علم نہیں تھا، موجودہ سائنسی تحقیق نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٥٠﴾  
وَأَيُّهُ لَهُمْ آتَا حَمَلَنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٥١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا  
يَرْكَبُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿٥٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا  
وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ  
تُزَكَّوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٥٦﴾ وَإِذَا قِيلَ  
لَهُمْ انْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا انْطَعِمُوا مِنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ  
أَطَعْتُمْ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٥٧﴾

نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو آ پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، سب کے سب ایک مدار میں تیر رہے ہیں، ﴿۱﴾ ان کے لئے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر لیا، ﴿۲﴾ اور ہم نے ان کے لئے کشتی کی طرح کی اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں، جن پر وہ سوار ہوتے ہیں، ﴿۳﴾ اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پھر نہ ان کی فریاد پر کوئی پہنچنے والا ہو اور نہ وہ نکالے جاسکیں، ﴿۴﴾ مگر یہ محض ہماری مہربانی ہے اور ایک وقت تک کے لئے فائدہ مہیا کرنا ہے، ﴿۵﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے (عذاب) سے ڈرو، جو تمہارے سامنے اور پیچھے ہے، شاید تم پر رحم کیا جائے (تو وہ اس کی کوئی پروا نہیں کرتے) ﴿۶﴾ اور جب بھی ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، ﴿۷﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرو تو ایمان نہ لانے والے مسلمانوں سے کہتے ہیں: کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں، جن کو کھلانا اللہ کو منظور ہوتا تو خود ہی کھلا دیتے؟ تم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ ﴿۸﴾

﴿ یعنی سورج اور چاند کی گردش، دن اور رات کا نظام اور ان سب کا آپس میں نہ ٹکرائنا، پرانی ٹہنی کی طرح ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے آخری مرحلہ میں باریک ہو جاتا ہے۔ ﴾ (تفسیر قرطبی: ۲۳/۱۵)

﴿۲﴾ انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہر سفر پیدل کر لے اور اپنی ضروریات کا پورا بوجھ اپنے کاندھے پر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ نہ صرف ان کو ایسے جانور عطا کئے گئے جن پر وہ سواری کریں اور جن سے وہ بار برداری کا کام لیں؛ بلکہ پانی جیسی سیال چیز جس میں ہر چیز غرق ہو جاتی ہے، اس میں شستی اور پانی جہاز کی شکل میں ایک ساتھ بہت سارے لوگوں کو لے جانے اور سامان کی بڑی بڑی مقدار ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی سہولت پیدا کر دی، نیز اور بھی سواریاں پیدا کر دیں، جن کو انسان نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل کی مدد سے اور اس کے پیدا کئے ہوئے قدرتی وسائل سے بنایا ہے، جیسے: موٹرس، ٹرینیں اور ہوائی جہاز وغیرہ۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّصُونَ ﴿۳۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۰﴾

۳۸

اور وہ لوگ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو، (تو بتاؤ کہ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۳۸﴾ وہ لوگ بس ایک سخت آواز کا انتظار کر رہے ہیں، جو ان کو اس حالت میں آپکڑے گی کہ وہ باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے، ﴿۳۹﴾ پھر نہ تو وہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف جاسکیں گے۔ ﴿۴۰﴾

← ﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ نے آخرت کا نظام تو اس طور پر رکھا ہے کہ وہاں کوئی شخص دوسرے کا محتاج نہ ہوگا؛ لیکن دنیا میں ایک شخص کو دوسرے شخص کا محتاج بنایا گیا ہے، اگر مزدور سرمایہ دار کا محتاج ہے کہ وہ اسے مزدوری کا موقع دے تو سرمایہ دار بھی مزدور کا محتاج ہے کہ وہ اس کے مکانات کی تعمیر کرے، اس کے باغات کو سیراب کرے اور اس کے کھیتوں کو بار آور بنائے، اگر گا ہک کو تاجر کی ضرورت ہے کہ تاجر نہ ہوں تو اس کو آسانی سے مطلوب مال کیسے مل سکے گا، تو آجر کو بھی گا ہک کی ضرورت ہے کہ اگر خریدار نہ ہو تو اس کی تجارت کیوں کر چل سکے گی، زندگی کے اس کاروبار کے چلانے اور ایک دوسرے کی احتیاج کو باقی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دولت میں یکسانیت نہیں رکھی، کسی کو زیادہ دولت سے نوازا گیا اور کسی کو کم، اس میں یہی حکمت ہے کہ یہ محتاجی ایک دوسرے کی خدمت کا راستہ پیدا کرے گی؛ البتہ مالداروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کریں، اس سے نہ صرف آخرت میں اجر حاصل ہوگا؛ بلکہ دنیا میں بھی غریبوں میں مالداروں کے خلاف غیظ و غضب کا جذبہ پیدا نہ ہوگا؛ لیکن جو سرمایہ دار خود غرض، انسانیت کے جذبہ سے خالی اور خدا کے خوف سے عاری ہوتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ان کا ایک پیسہ بھی ان کے کسی غریب بھائی پر خرچ نہ ہو، یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی رویہ کی مذمت فرمائی ہے، ایسے لوگ اپنے عمل کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیتے ہیں؛ چنانچہ مکہ کے بعض بخیل سرداروں نے کہا کہ اگر ان غریبوں کو کھانا نہ ہی مقصود ہوتا تو اللہ خود کھلا دیتے، جب اللہ نے ان کو محتاج رکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کی مرضی ہی یہی ہے کہ وہ بھوکے رہیں، اس سلسلہ میں مفسرین نے حضرت ابوبکر ؓ اور ابو جہل کی باہمی گفتگو بھی نقل کی ہے، حضرت ابوبکر ؓ کی طبیعت میں بڑی فیاضی اور غرباء پروری تھی، وہ غریبوں کی بڑی مدد کیا کرتے تھے، ابو جہل نے ان سے کہا کہ تم کیوں ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہو؟ کیا اللہ ان کو کھانا کھلانے پر قادر نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ ابو جہل نے کہا: کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو محتاج رکھا؟ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: اللہ نے کچھ کو محتاج بنایا ہے اور کچھ کو دولت مند، اس میں دونوں کا امتحان مقصود ہے، محتاجوں کو حکم دیا کہ وہ صبر سے کام لیں اور مالداروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ایسے بھائیوں پر خرچ کیا کریں، ابو جہل نے کہا: تم بڑی غلطی پر ہو، گو یا تمہارا خیال ہے کہ اللہ ان کو کھلانے پر قادر ہیں اور نہیں کھلاتے ہیں اور تم ان کو کھلاتے ہو؟ (تفسیر قرطبی: ۲۶/۱۵) — بہر حال اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو دولت دی ہو، ان کا انسانی اور دینی فریضہ ہے کہ اپنے غریب بھائیوں کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھائیں، آج دنیا میں معاشی اعتبار سے جو بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اور آجروں اور مزدوروں نیز سرمایہ داروں اور غریبوں کے درمیان جو نگر او کا ماحول پایا جاتا ہے، وہ اسی کی طرف سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿۵۱﴾ قَالُوا يُوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۲﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهُونَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرْبَابِ مُتَكِنُونَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ ﴿۵۷﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ ﴿۵۸﴾

اور صور پھونکا جائے گا تو وہ سب قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے، ﴿۵۱﴾ کہیں گے: ہائے ہماری بد نصیبی! ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اُٹھا دیا؟ یہی ہے وہ واقعہ جس کا بے حد مہربان (خدا) نے وعدہ فرمایا تھا، اور اللہ کے پیغمبروں نے سچ ہی کہا تھا، ﴿۵۲﴾ بس یہ ایک سخت آواز ہوگی، پھر ایک ہی دم سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے، ﴿۵۳﴾ پھر اس دن کسی شخص کے ساتھ ذرا بھی نا انصافی نہیں ہوگی اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، ﴿۵۴﴾ یقیناً اہل جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے، ﴿۵۵﴾ وہ اور ان کی بیویاں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے سایوں میں بیٹھے ہوں گے، ﴿۵۶﴾ ان کے لئے جنت میں میوے بھی ہوں گے اور وہ ساری چیزیں بھی، جو وہ مانگیں گے ﴿۵۷﴾ (سب سے اہم انعام یہ ہے کہ) ان کو مہربان پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔ ﴿۵۸﴾ (۲)

﴿۱﴾ کسی چیز کی تعمیر میں تو بہت سارا وقت مطلوب ہوتا ہی ہے؛ لیکن کسی بڑی چیز کو ختم اور ملایمیت کرنے کے لئے بھی ایک مدت درکار ہوتی ہے، اگر کسی پہاڑ کو زمین کی طرح ہموار کرنا ہو تو نہ جانے کتنے مزدور، کتنی مشینیں اور پتھر کو توڑنے والی بارود کی کتنی ساری مقدار کی ضرورت پڑتی ہے، بظاہر یہ گمان ہو سکتا تھا کہ جب قیامت برپا ہوگی، ایک دفعہ دنیا کی ساری چیزیں ختم کر دی جائیں گی، جتنے جاندار روئے ارض پر موجود ہیں، سب ہلاک ہو جائیں گے اور پھر دوبارہ کائنات کی ابتداء سے لے کر قیامت تک مرنے والے سارے انسانوں کو زندہ کیا جائے گا تو اس میں تو بڑی محنت کرنی ہوگی، بے شمار فرشتے لگ کر اس کام کو انجام دیں گے اور ایک لمبی مدت درکار ہوگی، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب کچھ نہ ہوگا؛ بلکہ خدا کے حکم سے ایک فرشتہ صورت پھونکے گا اور آن کی آن میں یہ ساری باتیں ہو جائیں گی، پہلا صورت پھونکا جائے گا تو تمام جاندار مرجائیں گے، دوسرا صورت پھونکا جائے گا تو سب کے سب زندہ ہو جائیں گے، صورت پھونکنے سے محض ایک سخت آواز پیدا ہوگی اور اس سے لمحہ بھر میں یہ سارا کام سارا کام ہو جائے گا۔ اس آیت میں دوسری بار صورت پھونکنے کا ذکر آیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۸)

﴿۲﴾ یعنی جنت میں راحتیں تو ساری کی ساری ہوں گی ہی، ساتھ ہی ساتھ اہل جنت کا بے حد اعزاز و اکرام بھی ہوگا، اس سے بڑھ کر اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کو سلام فرمائیں گے؟

وَأَمَّا زُورَ الْيَوْمِ أَيْهَا الْمَجْرُمُونَ ﴿۵۹﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ لِبَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۶۰﴾ وَأَنْ اعْبُدُونِي ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿۶۲﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۶۳﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۶۴﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَى أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّى يُبْصِرُونَ ﴿۶۶﴾

اور (اللہ فرمائیں گے): اے گنہگارو! آج تم الگ ہو جاؤ، ﴿۵۹﴾ اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، ﴿۶۰﴾ اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے، ﴿۶۱﴾ اور شیطان تو تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکا ہے، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے؟ ﴿۶۲﴾ یہی وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا تھا، ﴿۶۳﴾ آج اپنے کفر کرنے کی وجہ سے اس میں داخل ہو جاؤ، ﴿۶۴﴾ آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، نیز ان کی حرکتوں کے بارے میں ان کے ہاتھ ہم سے گفتگو کرنے لگیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے، ﴿۶۵﴾ اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو سپاٹ کر دیں، پھر یہ راستہ کی طرف دوڑیں، تو کہاں دیکھ پائیں گے؟ ﴿۶۶﴾

﴿۱﴾ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور ایمان نہ لانے والوں، نیک اور برے عمل کرنے والوں کے لئے الگ الگ کالونیاں نہیں بسائی ہیں، ایک ہی آبادی ہے، جس میں سب بستے ہیں، ایک ہی زمین ہے جس پر سب رہتے ہیں، ایک ہی طرح سورج سب کو روشنی پہنچاتا ہے اور ہر شخص کے کھیت کو بادل سیراب کرتا ہے؛ کیوں کہ یہ امتحان کی جگہ ہے؛ لیکن آخرت میں یہ الگ الگ ہوں گے، انھیں حساب و کتاب کے ساتھ ہی الگ کر دیا جائے گا، ایک کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور دوسرے کا دوزخ، ایک کے لئے بے حد و حساب راحت و آسائش اور دوسرے کے لئے بے انتہا مشقت و تکلیف۔

﴿۲﴾ وعدہ لینے سے مراد یہ ہے کہ کیا ہم نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں کے ذریعہ تم کو یہ نصیحت نہ کی تھی اور یہ پیغام نہ پہنچا دیا تھا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرنا اور شیطان کی تدبیروں سے بچ کر رہنا؟

﴿۳﴾ یعنی قیامت قائم ہونے کے بعد ایک مرحلہ تو ایسا ہوگا، جس میں دوزخ کے مستحق نہ صرف بات کریں گے؛ بلکہ جھوٹ بولنے کی بھی کوشش کریں گے، (انعام: ۲۳) پھر دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ ان کی زبان بند ہو جائے گی، جسم کے اعضا گفتگو کرنے لگیں گے اور ان اعضاء سے کیا کیا گناہ کئے گئے؟ وہ اُن سب کو بیان کر دیں گے، غرض کہ جس جسم کی راحت و آسائش اور اس کی خواہشات کی تکمیل کے لئے انسان ساری تگ و دو کرتا ہے اور حلال و حرام تک کی پرواہ نہیں کرتا، وہ خود اس کے خلاف گواہ بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَمَسْخُنْهُمْ عَلَى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَنْ نُّعِزَّهُ ۚ  
نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۚ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۹﴾ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ  
وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿۲۰﴾ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحَقِّقَ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۲۱﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ پر ہی ان کی صورتوں کو مسخ کر دیتے کہ یہ لوگ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے، ﴿۱۸﴾ جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں، تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ﴿۱۹﴾ ہم نے اپنے پیغمبر کو نہ شعر کہنا سکھایا ہے اور نہ یہ بات ان کے شایانِ شان ہے، یہ تو محض نصیحت اور واضح قرآن ہے، ﴿۲۰﴾ تاکہ ایسے شخص کو خبردار کر دے جو (قلب و روح کے اعتبار سے) زندہ ہو اور تاکہ ایمان نہ لانے والوں پر حجت پوری ہو جائے۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ اوندھا کرنے سے مراد پیچھے کی حالت کی طرف لے جانا ہے، یعنی جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بہت ہی کمزور و ناتواں، اس کی آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں، نہ بولنے کی قوت، نہ چلنے پھرنے کی طاقت، نہ اٹھنے بیٹھنے کی صلاحیت، نہ غور و فکر کی استعداد، پھر آہستہ آہستہ اس کی ساری صلاحیتیں جوان ہو جاتی ہیں اور پندرہ بیس سال تک اس کی یہ کیفیت باقی رہتی ہے، پھر اس کی عمر ڈھلنی شروع ہوتی ہے اور اس کی ہر صلاحیت میں انحطاط پیدا ہوتا جاتا ہے، آنکھوں کی بینائی متاثر ہو جاتی ہے، قوت گویائی اور آواز پر اثر پڑنے لگتا ہے، ہاتھ پاؤں میں رعشہ آ جاتا ہے، گویا ایک طرح سے بوڑھا ہو جانے کے بعد وہ پھر بچہ بن جاتا ہے، یہ سب اللہ کی قدرت کے مظاہر ہیں، اگر اللہ تعالیٰ جوانی ہی میں اس کی صلاحیتوں کو چھین لینا چاہے تو اس کے لئے اس میں کیا دشواری ہے؟

﴿۲﴾ اہل مکہ قرآن مجید کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ شاعرانہ کلام ہے، اسی کی تردید فرمائی گئی ہے کہ محمد ﷺ شاعر نہیں ہیں؛ کیوں کہ اگر آپ ﷺ شاعر ہوتے تو پہلے سے اشعار کہتے ہوتے، اور نہ یہ آپ کے شایانِ شان ہے؛ کیوں کہ شاعر تو خیالی باتیں پیش کرنے اور مبالغہ سے کام لینے کا عادی ہوتا ہے اور نبی کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک حرف سچائی کا ترجمان ہوتا ہے، رہ گئی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ایک دو مواقع پر ایسے فقرے نکل گئے، جو شعر کے وزن کے مطابق تھے تو یہ آپ ﷺ کے شعر نہ کہنے کے مغائر نہیں ہے؛ کیوں کہ شعر وہ ہوتا ہے جس میں وزن کا پابند کلام شعر کہنے کی نیت سے کہا جائے، اگر شعر کہنے کی نیت نہ تھی، یوں ہی زبان پر کوئی موزوں جملہ جاری ہو گیا تو وہ شعر نہیں ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۶) — اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ دعوت و اصلاح کے لئے تقریر و تحریر کا جو طریقہ موزوں ہے، وہ نثر ہے نہ کہ شعر، اگر شعر اس کے لئے زیادہ موزوں ہوتا تو آسمانی کتابیں اشعار کی شکل میں نازل کی جاتیں؛ البتہ اگر اچھے اشعار کہے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ بھی اپنے افکار کو دوسروں تک پہنچانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، اور صحابہ کے عہد سے لے کر آج تک سلف صالحین اظہار خیال کے اس طریقہ سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مِلْكُونَ ﴿۱﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿۲﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ ۖ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحَضَّرُونَ ﴿۵﴾ فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ ۚ إِنَّآ نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۶﴾ أَوْ لَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۷﴾

کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کر دیئے؛ ﴿۱﴾ چنانچہ وہ ان کے مالک ہیں ﴿۱﴾ اور ہم نے ان کو ان کے قابو میں کر دیا، تو ان میں سے بعض تو ان کی سواری ہیں اور بعض ان کی غذا ہیں، ﴿۲﴾ نیز ان کے لئے اس میں بہت سے فائدے اور (بعض جانوروں میں) پینے کی چیزیں بھی ہیں، تو کیا پھر بھی یہ شکر ادا نہیں کرتے، ﴿۲﴾ ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنائے ہیں؛ کہ شاید ان کی مدد کی جائے، ﴿۳﴾ وہ ان کی مدد نہیں کر سکیں گے اور وہ بت ان بت پرستوں کے لشکر بن کر حاضر کئے جائیں گے، ﴿۳﴾ آپ ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوں، وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ سب کچھ ہمیں معلوم ہے، ﴿۴﴾ کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ ہم نے تو اس کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر وہ کھلا ہوا جھگڑالو ہو گیا؟ ﴿۷﴾

﴿۱﴾ یعنی بعض سواریاں تو وہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انسان بناتا رہا ہے اور اس کا سلسلہ جاری ہے، جیسے: کشتی، جہاز، موٹر، ٹرین وغیرہ؛ لیکن چوپائے ایسے خادم ہیں کہ جن کے وجود میں انسان کی صنعت کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

﴿۲﴾ جانوروں سے حاصل ہونے والے بہت سے فائدوں میں ان کے چمڑوں سے جوتے، موزے اور دوسری مصنوعات کا حاصل ہونا، ان کے بالوں سے گرم لباس کا بنایا جانا، ان کے جسم کے مختلف اجزاء سے دواؤں کی تیاری اور بعض جانوروں کے ذریعہ ماحولیات کی حفاظت اور ان میں توازن کی برقراری وغیرہ بھی شامل ہیں۔

﴿۳﴾ یعنی مشرکین جن باطل معبودوں کی پرستش کیا کرتے تھے، وہ وہاں اس طرح حاضر کئے جائیں گے جیسے کوئی فوج اپنے فرمانروا کے سامنے حاضر ہوتی ہے اور ان کی پوجا کرنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ ان کے یہ جھوٹے معبود بالکل بے بس ہیں، وہ ان کی مدد تو کیا کر پائیں گے، وہاں حاضر ہو کر ان کی مخالفت کریں گے اور خود بھی ان کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے؛ تاکہ ان کی پیروی کرنے والوں کو جلالے میں ایندھن کا کام کریں۔



وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۱﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۲﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا ۖ فَإِذَا آنْتُمْ مِّنْهُ تُوقَدُونَ ﴿۳﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ ۖ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۴﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۵﴾ فَسُبْحَنَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۶﴾

۵۶

وہ ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا، ﴿۱﴾ اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، وہ کہنے لگا: جو ہڈیاں گل چکی ہیں، ان کو (دوبارہ) کون زندہ کرے گا؟ ﴿۲﴾ آپ کہہ دیجئے: وہی زندہ کرے گا، جس نے اس کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور وہ سب (چیزوں کو) پیدا کرنا جانتا ہے! ﴿۳﴾ جس ہستی نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی، پھر تم اس سے (آگ) سلگاتے ہو، ﴿۴﴾ کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے، ان (انسانوں) کے جیسا پیدا نہیں کر سکتی؟ کیوں نہیں؟ وہ ضرور پیدا کر سکتا ہے، وہ خوب پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے، ﴿۵﴾ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو فرماتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے، ﴿۶﴾ غرض کہ وہ ذات پاک ہے، جس کے ہاتھوں میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۷﴾

﴿۱﴾ مثالیں بیان کرنے سے وہی بات مراد ہے جو آگے کہی جا رہی ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ کیسے زندہ کیا جاسکتا ہے؟  
 ﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ درخت کی ٹہنیاں سبز اور مضبوط ہوتی ہیں؛ لیکن اسی کو ایندھن کے کام میں لایا جاتا ہے اور اس سے آگ سلگ اٹھتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۴۱/۱۵) نیز جنگلات میں بعض ایسی لکڑیاں بھی دریافت ہوئی ہیں جن کو آپس میں گھسنے سے آگ پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح ہری بھری ٹہنیوں میں کرنٹ کو قبول کرنے کی خاص صلاحیت ہوتی ہے اور اگر کسی برقی تار کو وہ لگ جائے تو فوراً بجلی کی لہر دوڑ جاتی ہے تو جب اللہ تعالیٰ ایک چیز سے اس کی متضاد چیز پیدا کر سکتا ہے تو مردہ ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتا؟

﴿۳﴾ یہ بات سمجھانے کے لئے کہی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہو جا، تو وہ چیز بلا تاخیر ہو جاتی ہیں، ورنہ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے کچھ کہنے کی بھی حاجت نہیں، آپ جس لمحہ کسی چیز کو چاہتے ہیں، اسی لمحہ وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔





## سُورَةُ الصَّافَاتِ

«سورہ نمبر : (۳۷)

«رکوع : (۵)

«آیتیں : (۱۸۲)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے شروع ہی میں صف باندھ کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے، اور فرشتوں کی یہ صفت ”صافات“ کے لفظ سے کی گئی ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام ”صافات“ ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی توحید و رسالت اور آخرت کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی اُن دیکھی مخلوقات — فرشتوں اور جنوں — کا بھی ذکر آیا ہے، قیامت کی ہولناکی اور اہل دوزخ کے عذاب کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور مسلمان اہل جنت اور ایمان سے محروم اہل دوزخ کے درمیان جو گفتگو ہوگی، اس کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔

ایمانیات کے علاوہ حضرت نوح ﷺ، حضرت ابراہیم ﷺ، حضرت اسماعیل ﷺ، حضرت موسیٰ ﷺ، حضرت ہارون ﷺ، حضرت الیاس ﷺ، حضرت لوط ﷺ اور حضرت یونس ﷺ کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں، خاص کر حضرت ابراہیم ﷺ کے بتوں کو توڑنے اور حضرت اسماعیل ﷺ کے ذبح کرنے کا واقعہ اس سورہ میں تفصیل سے آیا ہے، اسی طرح مچھلی کے حضرت یونس ﷺ کو نگل جانے اور پھر ان کو زمین پر اُگل دینے، نیز مچھلی کے پیٹ میں آپ کے توبہ و استغفار کرنے کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱ فَالزُّجَرِ ۱  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ان فرشتوں کی قسم! جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی جو ڈانٹ پھٹکار کرتے ہیں، پھر ان کی جو ذکر (یعنی قرآن اور آسمانی کتابوں) کی تلاوت کرتے ہیں، کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے، جو آسمانوں کا، زمین کا، ان کے درمیان کی چیزوں اور سورج نکلنے کی جگہوں کا پروردگار ہے۔ (۲) ۵

۱) اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں، توحید کے مضمون کی تاکید کے لئے فرشتوں کی قسم کھائی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکابر مفسرین کی رائے ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۴۲) اور فرشتوں کے تین اوصاف بیان کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اللہ تعالیٰ کا ذکر، اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہوئے صف لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، جیسے غلام اپنے مالک کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے، دوسرے: جو شیطان آسمان کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، یہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، تیسرے: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کیا کرتے ہیں، اگرچہ ان صفات کی تشریح اور طرح پر بھی کی گئی ہے؛ لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس کی اسی طور پر وضاحت کی ہے، (حوالہ سابق) فرشتوں کی قسم اس لئے کھائی گئی کہ وہ ایک عظیم مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہو سکتی جس کی اللہ تعالیٰ قسم کھائیں، اسی لئے مخلوقات ہی میں سے جو بڑی مخلوقات ہیں، یا انسان کے لئے زیادہ فائدہ ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی قسم کھاتے ہیں اور فرشتوں کی قسم کھانے کے ساتھ ساتھ ان کی ان صفات کا بھی ذکر کر دیا گیا، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور اللہ کے احکام کو بجالاتے ہیں؛ تاکہ عربوں میں فرشتوں کے معبود ہونے کا جو خیال پایا جاتا تھا، وہ دور ہو جائے؛ اسی لئے اتنی تاکید کے بعد فرمایا گیا کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے — عبادت تو الگ الگ بکھری حالت میں بھی کی جاسکتی تھی؛ لیکن فرشتے صف بنا کر اللہ کی بندگی کرتے ہیں اور انسانوں کو صف بستہ ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا؛ اس میں اس بات کا سبق ہے کہ انسان جو بھی کام کرے، سلیقہ اور نظم و ضبط کے ساتھ کرے۔

۲) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر دن سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہ الگ الگ ہوتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۴۳) موجودہ سائنسی تحقیق بھی یہی ہے کہ سورج ہر دن ایک ہی جگہ سے نہیں نکلتا؛ بلکہ ہر دن اس کی جگہ بدلتی رہتی ہے، قرآن مجید میں مشرق اور مغرب، یعنی واحد کا صیغہ بھی استعمال کیا گیا ہے، یہ سمت اور رخ کے اعتبار سے ہے، یعنی سورج کے نکلنے کی جگہ پورب کی طرف ہے، چاہے وہ پورب کے پھیلے ہوئے افق میں کہیں سے بھی نکلے، اور مشرقین و مغربین یعنی دو مشرق اور دو مغرب کا بھی ذکر آیا ہے، (الرحمن: ۱۷) اس سے مراد جاڑے کے مختصر دنوں کا مطلع اور گرما کے طویل دنوں کا مطلع ہے، یعنی بحیثیت مجموعی پورب کی —

إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ الْكَوَاكِبِ ۖ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۖ لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَاِ الْأَعْلَىٰ وَيُقَذَّفُونَ مِّنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۖ إِلَّا مَن خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۖ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهْمُ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَن خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّنْ طِينٍ لَّازِبٍ ۖ

یقیناً ہم نے ہی آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا ہے، اور ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر رکھا ہے کہ وہ عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اور ہر طرف سے ان پر (انگارے) پھینکے جاتے ہیں؛ تاکہ (وہاں سے) ان کو مار بھگایا جائے، ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے، مگر جو شیطان کچھ اُچک ہی لے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے، اب ان سے پوچھئے کہ اُن کا بنانا زیادہ مشکل ہے یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں؟ ہم نے ان کو چپک جانے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (۲) ۱۱

← ایک جانب سے سرما میں سورج نکلتا ہے اور ایک جانب سے گرما میں، غرض کہ مجموعی اعتبار سے پورے سال سورج نکلنے کی سمت ہے، یعنی پورب کی طرف اس کو واحد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور سرما و گرما میں سورج نکلنے کی سمت میں جو فرق ہوتا ہے اس کو دو مشرق اور دو مغرب سے تعبیر کیا گیا، اور ہر دن سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہ میں جو فرق پایا جاتا ہے، اس کو جمع (مشارق) کے لفظ سے بیان کیا گیا۔

﴿۱﴾ یعنی آسمان دنیا پر جو ستارے نظر آتے ہیں، ان کا ایک فائدہ تو وہ ہے جو انسان کو نظر آتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے آسمان خوبصورت اور بھلا نظر آتا ہے اور آنکھوں کو بھاتا ہے؛ اسی لئے شعراء تاروں بھرے آسمانوں کے حسن کو بیان کرتے آئے ہیں، دوسرا فائدہ جو انسان کو نظر نہیں آتا، وہ یہ ہے کہ جب شیطان کو آسمان سے نکال دیا گیا تو وہ اور اس کی اولاد برابر اس بات کے لئے کوشاں رہتی ہے کہ آسمان میں پہنچ کر فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام جاری ہوتے ہیں، ان کو سن لیں اور آکر اپنے دوستوں کو بتائیں؛ تاکہ وہ اپنے لئے علم غیب کا دعویٰ کریں اور لوگوں کو دھوکہ دے سکیں، تو یہ ستارے شیطان کے آسمان تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتے ہیں اور ہر طرف سے ان کو دھکا دے کر بھگا دیا جاتا ہے، پھر بھی اگر ایک آدھ بچ بچا کر کسی طرح پہنچ جاتے ہیں اور کچھ سن گن حاصل کر لیتے ہیں تو ان پر دھکتے ہوئے شعلے پھینک دیئے جاتے ہیں، جن کو 'شہاب ثاقب' کہا گیا ہے، موجودہ سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق مختلف سیاروں سے خارج ہونے والے مادی فضلات جو نہایت حرارت انگیز ہوتے ہیں، فضا میں گھومتے رہتے ہیں اور یہی بعض اوقات زمین کی طرف گرتے ہیں جو آگ کے شعلوں کی طرح نظر آتے ہیں، کبھی کبھی ان کی چٹانیں بہت بڑے حجم کی بھی ہوتی ہیں، یہاں تک تو سائنس نے تحقیق کر لی ہے؛ لیکن اس سے آگے کی بات ابھی سائنس دانوں کے احاطہ سے باہر ہے، ہو سکتا ہے کہ انسان کی کوتاہ عقل آئندہ اس کا ادراک کر لے، جس سے قرآن نے پردہ اُٹھایا ہے کہ یہ شہاب ثاقب شیطان کی سرزنش کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔

بَلْ عَجَبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿١٨﴾ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٠﴾ عَادَا مِثْنًا وَكُنَّا ثُرَابًا وَعِظَامًا عَرَانًا لِّبَعُوثُونَ ﴿٢١﴾ أَوِ ابَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿٢٢﴾ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿٢٣﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٢٤﴾ وَقَالُوا يُؤَيِّلَنَا هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٥﴾ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٦﴾ أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٧﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ عَزَّ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿٢٨﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴿٢٩﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ﴿٣٠﴾ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٣١﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٣٢﴾

حقیقت یہ ہے کہ تم کو تو (اللہ کی) قدرت پر تعجب ہو رہا ہے اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں، ﴿۱﴾ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں ہیں، ﴿۲﴾ جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ہنسی اڑاتے ہیں، ﴿۳﴾ اور کہنے لگتے ہیں: ”یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے، ﴿۴﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو پھر ہم زندہ کئے جائیں گے؟ ﴿۵﴾ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟) ﴿۶﴾ آپ کہہ دیجئے: ہاں، اور تم ذلیل بھی ہو گے، ﴿۷﴾ بس ایک سخت چیخ ہوگی کہ یکا یک وہ لوگ دیکھنے لگیں گے، ﴿۸﴾ اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ تو وہی بدلہ کا دن ہے، ﴿۹﴾ یہ تو وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ﴿۱۰﴾ (فرشتوں کو حکم ہوگا: ظالموں کو، اُن کے ساتھیوں کو اور اُن کے معبودوں کو، جن کی وہ خدا کو چھوڑ کر پوجا کرتے تھے، جمع کرو، پھر ان کو دوزخ کے راستے کی طرف ہانک دو، ﴿۱۱﴾ اور اُن کو کھڑا رکھو، اُن سے پوچھا جائے گا ﴿۱۲﴾ کہ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اب ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ ﴿۱۳﴾ بلکہ اس دن وہ سب کے سب سر جھکائے ہوئے ہوں گے، ﴿۱۴﴾ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال جواب کرنے لگیں گے۔ ﴿۱۵﴾

← ﴿۲﴾ یعنی حضرت آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا گیا، جو ابتدائی مرحلہ میں ایسی لیس دار تھی، جو کسی چیز سے چپک جاتی ہے، اس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ نے کیسی معمولی چیز سے کیسی اہم اور عظیم الشان مخلوق کو وجود بخشا ہے؟

﴿۱﴾ یعنی آپ کو تو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ ایسی واضح دلیلوں کے سامنے آجانے کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے اور ان کا حال یہ ہے کہ اس دلیل کو قبول کرنے کے بجائے وہ اُلٹے مذاق اڑاتے ہیں۔

﴿۲﴾ اس سے دوسری بار کا صورت پھونکنا مراد ہے، جب سب کے سب زندہ ہوا اٹھیں گے، نیز ”ایک چیخ“ کہہ کر اس جانب اشارہ ہے کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ اتنے سارے لوگوں کو زندہ کرنے کے لئے بار بار صورت پھونکنا پڑے گا؛ بلکہ ایک ہی بار صورت پھونکنا کافی ہو جائے گا۔

قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٣﴾ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِينَ ﴿٢٥﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّآ لَذٰلِكَ بِقٰوْنٍ ﴿٢٦﴾ فَآغْوَيْنٰكُمْ إِنَّا كُنَّا غٰوِينَ ﴿٢٧﴾ فَإِنَّهُمْ يُؤَمِّدُونَ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٠﴾ وَيَقُولُونَ آيِنَّا لَتَنَارِكُنَا لِشَآءٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣١﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٢﴾ إِنَّكُمْ لَذٰلِكَ بِقٰوِي الْعَذَابِ الْآلِيمِ ﴿٣٣﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٤﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٣٥﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٣٦﴾ فَوَآكِهَ ۖ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ﴿٣٧﴾

کہیں گے: ”تم ہی تو تھے جو (آخرت کے انکار پر) زور دیتے ہوئے ہمارے پاس آتے تھے، ﴿۲۴﴾ وہ جواب دیں گے: (نہیں) بلکہ تم لوگ تو ایمان لانے والے تھے ہی نہیں، ﴿۲۵﴾ ہمارا تمہارے اوپر کوئی زور تو تھا نہیں؛ بلکہ تم لوگ خود ہی سرکش تھے، ﴿۲۶﴾ پس ہم سبھوں پر ہمارے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے کہ یقیناً ہمیں (دوزخ کا) مزہ چکھنا ہے، ﴿۲۷﴾ ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے، ﴿۲۸﴾ غرض کہ اُس دن وہ سب کے سب عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے، ﴿۲۹﴾ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، ﴿۳۰﴾ ان کی حالت یہ تھی کہ جب ان سے کہا جاتا تھا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے، ﴿۳۱﴾ اور کہتے تھے: کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ ﴿۳۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر دین برحق لے کر آئے ہیں، اور وہ تمام پیغمبروں کی بھی تصدیق کرتے ہیں، ﴿۳۳﴾ یقیناً تم کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا، ﴿۳۴﴾ اور تم کو تمہارے ہی کرتوتوں کی سزا ملے گی، ﴿۳۵﴾ البتہ اللہ کے منتخب بندے (اس سے محفوظ رہیں گے) ﴿۳۶﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے (اللہ کی طرف سے) طے شدہ رزق ہے، ﴿۳۷﴾ یعنی میوے، اور ان کو عزت دی جائے گی۔ ﴿۳۸﴾

﴿۱﴾ یعنی دوزخ میں ان کو جو جسمانی تکلیف ہوگی، وہ تو ہوگی ہی، ساتھ ساتھ ذہنی اذیت سے بھی دوچار ہونا پڑے گا کہ شرک و کفر میں جو اُن کے مذہبی سردار تھے اور جو اُن کے ماننے والے تھے، دونوں کے درمیان نوک جھونک ہوتی رہے گی اور وہ تکلیف کے اس مرحلہ میں ایک دوسرے کی غنچاری و دل داری کرنے کی بجائے ایسی باتیں کہیں گے، جو ایک دوسرے کے لئے مزید تکلیف کا سبب ہوں گی۔

﴿۲﴾ یعنی جنت میں داخل کئے جانے والوں کو غذا تو ایک سے ایک ملے گی ہی، اس کے ساتھ ساتھ ان کا خوب اعزاز و اکرام بھی کیا جائے گا، یعنی جسمانی راحت کے ساتھ ساتھ ذہنی و قلبی راحت کا بھی خیال رکھا جائے گا۔



فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿۳۷﴾ عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۳۸﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿۳۹﴾ بَيضَاءَ لَذَّةٍ  
لِّلشَّرِبِ ﴿۴۰﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿۴۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قُصِرَتُ الطَّرْفُ عَيْنٌ ﴿۴۲﴾  
كَأَنَّهُمْ بَيضٌ مَّكْنُونٌ ﴿۴۳﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۴﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي  
كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿۴۵﴾ يَقُولُ إِنِّي كَلِمَاتُكَ لَمِنَ الْمَصْدَقِينَ ﴿۴۶﴾ إِذَا مِنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ؕ إِنَّا  
لَمَدِينُونَ ﴿۴۷﴾ قَالَ هَلْ أَنتُمْ مُّطْلِعُونَ ﴿۴۸﴾ فَأَطَاعَ فَرَاهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۴۹﴾ قَالَ تَاللَّهِ إِن  
كَدَّتْ لَتُزْدِينَ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۵۱﴾

وہ نعمتوں سے بھرپور باغوں میں مسہریوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ﴿۳۷﴾ اُن پر نفیس شراب کے جام کا دور  
چلایا جائے گا، ﴿۳۸﴾ جو سفید ہوگی اور پینے والوں کو مزیدار معلوم ہوگی، ﴿۳۹﴾ نہ اس میں چکر آئے گی اور اور نہ پینے والے  
اس سے بہکیں گے، ﴿۴۰﴾ ان کے پاس بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ﴿۴۱﴾  
ایسی کہ جیسے چھپائے ہوئے موتی، ﴿۴۲﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو کریں گے، ﴿۴۳﴾ ان میں سے ایک  
کہنے والا کہے گا: میرا ایک ساتھی تھا، ﴿۴۴﴾ وہ کہا کرتا تھا: کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو (قیامت قائم ہونے کا)  
یقین رکھتے ہیں؟ ﴿۴۵﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو ہمیں سزا اور جزا دی جائے گی؟ ﴿۴۶﴾  
وہ کہے گا: کیا تم لوگ جھانک کر دیکھو گے (کہ وہ کہاں ہیں؟) ﴿۴۷﴾ پھر جو جھانکے گا تو دیکھے گا کہ وہ دوزخ کے بچوں  
بیچ ہے، ﴿۴۸﴾ وہ بول پڑے گا: خدا کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا، ﴿۴۹﴾ اگر میرے رب کا کرم نہ ہوتا تو  
میں بھی ان لوگوں میں سے ہوتا، جو (دوزخ میں) جمع کئے گئے ہیں۔ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾

﴿۱﴾ اس کا ترجمہ بیماری اور درد وغیرہ سے بھی کیا گیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۵۳/۱۵) مطلب یہ ہے کہ دنیا کی شرابوں میں جولدت  
ہوتی ہے، جنت میں پی جانے والی شراب اس سے کہیں زیادہ لذیذ ہوگی؛ لیکن دنیا کی شراب میں جو خامیاں ہیں اور جو نقصان کے  
پہلو ہیں، جنت کی شراب اس سے محفوظ رہے گی۔

﴿۲﴾ یعنی اگرچہ کہ جنت بہت وسیع ہوگی اور اسی طرح دوزخ بھی بہت بڑی ہوگی؛ لیکن اس کے باوجود اہل جنت اہل دوزخ کو  
دیکھ سکیں گے اور ان سے گفتگو بھی کر پائیں گے، اس سے جنت میں رہنے والوں کی خوشی کا احساس اور بڑھ جائے گا اور دوزخ میں  
جانے والے کو اور زیادہ رنج و غم کا احساس ہوگا، رہ گئی یہ بات کہ اہل جنت کیسے اہل دوزخ کو دیکھ سکیں گے اور اس بڑے فاصلے  
کے باوجود کیسے ایک دوسرے سے گفتگو کر سکیں گے تو یہ بات کم سے کم اس دور میں قابل تعجب نہیں ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ  
انٹرنیٹ کے ذریعہ ایک شخص ہزاروں میل کے فاصلہ پر موجود انسان سے گفتگو بھی کر سکتا ہے اور باہم ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتا  
ہے، عالم آخرت کا نظام تو دنیا سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہوگا تو اگر وہاں اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان گفتگو ہو اور وہ ایک  
دوسرے کو دیکھیں تو اس میں حیرت اور تامل کی کیا بات ہے؟

أَفَمَا نَحْنُ بِبَيِّنَاتٍ ۖ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۚ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۚ لِيُثَلَّ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعُمَّلُونَ ۖ أَذَلِكَ خَيْرٌ تُزَلُّوا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۚ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۚ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ۚ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ۚ فَإِنَّهُمْ لَا كُفُونَ مِنْهَا فَمَا لُئِلْهُمْ مِنْهَا الْبُطُونَ ۚ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَبِيمٍ ۚ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَآلِئِ الْجَحِيمِ ۚ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِِّينَ ۚ فَهُمْ عَلَىٰ أَثَرِهِمْ يُهْرَعُونَ ۚ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۚ

کیا ایسا نہیں ہے کہ پہلی بار مرنے کے سوا اب ہم پر موت نہیں آئے گی اور نہ ہم پر عذاب ہوگا، ۵۵ ۵۶ یقیناً یہی بڑی کامیابی ہے! ۵۷ ایسی کامیابی کے لئے تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے، ۵۸ یہ مہمان نوازی بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ ۵۹ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے امتحان کا ذریعہ بنادیا، ۶۰ وہ ایک ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے، ۶۱ اس کے خوشے شیطانوں کے سر کی طرح ہوں گے، ۶۲ وہ لوگ اسی میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے، ۶۳ پھر اس (کھانے) کے ساتھ ان کو گرم پانی ملا کر دیا جائے گا، ۶۴ اس کے بعد بھی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہوگا، ۶۵ (۲) ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا؛ ۶۶ چنانچہ ان ہی کے نقش قدم پر دوڑتے رہے، ۶۷ اُن سے پہلے کے بھی اکثر لوگ گمراہ ہی رہے۔ ۶۸

۱) زقوم سے کونسا درخت مراد ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان مختلف رائیں ہیں، ایک رائے ہے کہ دنیا میں بھی یہ درخت پایا جاتا ہے؛ چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ تہامہ کے علاقے میں کڑوے کیلے مزہ کا یہ درخت ہوتا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۵) اُردو ترجمہ کرنے والوں نے بھی اس کے مختلف معانی ذکر کئے ہیں، بعضوں نے تھوہر، بعضوں نے ناگ پھن اور بعضوں نے سیہنڈ؛ لیکن یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک خاص درخت ہے جو جہنم میں ہوگا، جیسے دنیا میں پانی کی ٹھنڈک سے درخت بڑھتے ہیں، اسی طرح وہاں آگ کی لپیٹ سے اس درخت کی نشوونما ہوگی، اسی لئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو امتحان کا ذریعہ بنادیا ہے، قریش مکہ اس بات پر ہنستے تھے کہ آگ تو درخت کو جلا دیتا ہے؛ لیکن محمد ﷺ پر اترنے والی کتاب کہتی ہے کہ آگ سے درخت پیدا ہوگا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۵)

۲) غرض کہ دوزخ میں اہل دوزخ کو حیوانات اور جمادات کے ذریعہ تو تکلیف پہنچائی ہی جائے گی، ساتھ ہی ساتھ وہاں کی مخصوص نباتات کے ذریعہ بھی ان کی تکلیف میں اضافہ کیا جائے گا، بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ زقوم کھلانے اور گرم پانی پلانے کے لئے اہل دوزخ کو آگ کے حصے سے کسی قدر الگ کیا جائے گا اور یہ پھر عذاب کی اصل جگہ پر واپس لے آئے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۵۹/۱۵) یعنی ایسا نہیں ہے کہ تکلیف وہ عذاب کے سخت مرحلہ سے گزرنے کے بعد عذاب کو کچھ ہلکا کر دیا جائے گا؛ بلکہ اس کے بعد بھی ان پر پہلے ہی کی طرح عذاب جاری رہے گا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذِرِينَ ۖ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۚ وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوحَ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ۚ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۚ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۚ سَلَّمَ عَلَى نُوحٍ فِي الْعِلْمِينَ ۚ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۚ ثُمَّ آخَرْنَا الْآخَرِينَ ۚ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَآبْرَاهِيمَ ۚ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۚ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۚ أَفِئْكَ إِلَهَةً دُونَ اللَّهِ تَتْرِكُونَ ۚ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ

حالاں کہ ہم نے ان میں خبردار کرنے والوں کو بھیجا تھا، ﴿۱﴾ تو اب دیکھ لو کہ اُن لوگوں کا انجام کیسا ہوا جن کو باخبر کیا جا چکا تھا (اور انھوں نے پیغمبروں کی دعوت قبول نہیں کی)؟ ﴿۲﴾ سوائے اللہ کے خاص بندوں کے (جو ایمان لے آئے کہ وہ اس عذاب سے محفوظ رہے) ﴿۳﴾ اور نوح نے ہم سے فریاد کی تو ہم کیا ہی خوب فریاد سننے والے ہیں، ﴿۴﴾ ہم نے نوح اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے بچالیا، ﴿۵﴾ اور ہم نے اُسی کی اولاد کو باقی رکھا، ﴿۶﴾ نیز بعد میں آنے والوں میں اس کے ذکر خیر کو بھی باقی رکھا، ﴿۷﴾ سلام ہو نوح پر ساری دنیا والوں میں! ﴿۸﴾ اسی طرح ہم اچھے عمل کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۹﴾ یقیناً نوح ہمارے مومن بندوں میں تھے، ﴿۱۰﴾ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا، ﴿۱۱﴾ اور نوح ہی کے راستے پر چلنے والوں میں ابراہیم بھی تھے، ﴿۱۲﴾ جب وہ پاک دل کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے، ﴿۱۳﴾ جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿۱۴﴾ کیا تم اللہ کے سوا من گھڑت معبودوں کو چاہتے ہو؟ ﴿۱۵﴾ تم نے تمام جہان کے رب کے بارے میں کیا گمان کر رکھا ہے؟ ﴿۱۶﴾

﴿۱﴾ حضرت نوح ؑ کے تذکرہ میں آپ کی اولاد کو باقی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد دنیا میں انسانوں کی جو نسل باقی رہ گئی، وہ سب حضرت نوح ؑ ہی کی نسل ہے، حضرت نوح ؑ کے تین صاحبزادے ہیں: 'سام، حام اور یافث' سام کی نسل سے عرب، اہل ایران، روم اور بنی اسرائیل ہیں، حام کی نسل سے ہندوستان، حبش اور سیاہ فام لوگ ہیں، اور یافث کی نسل سے ترک اور دوسرے لوگ ہیں، ان ہی کی نسل سے یاجوج و ماجوج بھی ہوں گے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جب طوفان نوح ختم ہو جانے کے بعد حضرت نوح ؑ کی کشتی پہاڑ پر آگئی تو سوائے حضرت نوح ؑ کی اولاد اور ان کے گھر کی عورتوں کے سبھوں کا انتقال ہو گیا اور پھر ان ہی سے دوبارہ نسل انسانی کا سلسلہ چلا، (تفسیر قرطبی: ۶۰/۱۵) — حضرت نوح ؑ کے ذکر خیر کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح زمین پر باقی رکھا کہ نہ صرف یہود و نصاریٰ اور مسلمان؛ بلکہ بعض مشرک قومیں بھی حضرت نوح ؑ کو ایک برگزیدہ شخصیت تسلیم کرتے آئے ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بندے اللہ کے یہاں مقبول ہوتے ہیں، اللہ دنیا میں بھی ان کو اچھے لوگوں کے درمیان عزت عطا فرماتے ہیں۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٥٥﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٥٦﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٥٧﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهِتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٥٨﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿٥٩﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٦٠﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ اتَّعَبِدُونِ مَا تَنْحِتُونَ ﴿٦٢﴾

پھر انھوں نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی، ﴿۵۵﴾ اور کہا: میں تو بیمار ہوں، ﴿۵۶﴾ چنانچہ وہ لوگ ان کو چھوڑ کر واپس ہو گئے، ﴿۵۷﴾ اب ابراہیم اُن کے معبودوں (یعنی بتوں) میں گھس گئے اور کہنے لگے: کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ ﴿۵۸﴾ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم بولتے بھی نہیں ہو؟ ﴿۵۹﴾ پھر اُن کو دائیں ہاتھ سے مارنا شروع کر دیا، ﴿۶۰﴾ تو لوگ دوڑتے ہوئے اُن کی طرف آئے، ﴿۶۱﴾ ابراہیم نے کہا: کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود ہی تراشتے ہو؟ ﴿۶۲﴾

﴿۱﴾ یعنی خاص تہوار کے موقع پر لوگوں نے حضرت ابراہیم ؑ کو دعوت دی یا بعض روایات کے مطابق بادشاہ کی طرف سے ان کو دعوت پہنچی کہ وہ کل منعقد ہونے والے تہوار کے میلے میں شریک ہوں، حضرت ابراہیم ؑ نے میلے میں شریک ہونے سے گریز کیا اور اس کے لئے ایک خاص تدبیر اختیار کی؛ تاکہ لوگ ان کے چلنے پر اصرار نہ کریں، اس سلسلے میں قرآن مجید کا یہاں جو بیان ہے، اس میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: ایک یہ کہ حضرت ابراہیم ؑ نے ستارہ پر ایک نظر ڈالی، اس سلسلے میں یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ جب آدمی کسی تفکر میں مبتلا ہوتا ہے تو عام طور پر وہ کسی چیز کو گھور کر اور ٹکٹی لگا کر دیکھتا ہے، خاص کر رات کے اندھیرے میں چمکتے ہوئے ستاروں پر اس کی نظر ٹھہر جاتی ہے، گویا اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ تھوڑی دیر کے لئے فکر مند ہو گئے کہ اس دعوت کو کس طور پر ٹالا جائے؟ آخر ان کو ایک تدبیر سمجھ میں آئی اور وہ یہ کہ آپ نے فرمایا: میں بیمار ہوں، بیماری ظاہر کی بھی ہوتی ہے اور باطن کی بھی، جسم کی بھی ہوتی ہے اور دل کی بھی، پیغمبر جس کی زندگی کا مشن اللہ کی توحید کی طرف بلانا ہوتا ہے، وہ جب مشرکانہ افعال کو اور اس پر لوگوں کے اصرار کو دیکھتا ہے تو اسے بے حد رنج پہنچتا ہے اور اس کا دل دکھی ہو جاتا ہے، اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم ؑ نے فرمایا: میں تو بیمار ہوں، بیمار ہونے سے آپ کی مراد وہ تکلیف تھی، جو مشرکین کے طرز عمل کو دیکھ کر ہو رہی تھی، لوگوں نے اسے جسمانی بیماری خیال کیا اور اس وجہ سے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا، اس کو عربی زبان میں 'توریہ' کہتے ہیں، یعنی کسی بات کے ظاہری مفہوم سے ہٹ کر کوئی اور مفہوم مراد لینا کہ سننے والا اس کا الگ مطلب سمجھے اور کہنے والے کو جھوٹ بولنے کی نوبت نہ آئے — چون کہ یہ بات مخاطب کی سمجھ کے لحاظ سے جھوٹ نظر آتی ہے، اسی لئے حدیث میں حضرت ابراہیم ؑ کی اس بات کو کذب یعنی جھوٹ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، (بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۱۷۹) — اس واقعہ سے دو شرعی مسائل بھی معلوم ہو گئے، ایک یہ کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شریک ہونا جائز نہیں، دوسرے: ظلم سے بچنے کے لئے یا کسی اور جائز مصلحت کے تحت توریہ کیا جاسکتا ہے کہ اس انداز پر کوئی بات کہی جائے کہ سننے والا غلط فہمی میں پڑ جائے اور کہنے والے کو جھوٹ بولنے کی نوبت نہ آئے، یہ تو بہتر طریقہ ہے؛ لیکن ظلم سے بچنے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے خود جھوٹ بولنے کی بھی گنجائش ہے۔ (مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الکذب، حدیث نمبر: ۲۶۰۵)

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿۲۰﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۲۲﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۳﴾ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئِي إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ﴿۲۵﴾ قَالَ يَاقَبْتُ أَفْعَلُ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهِ لِلْجَبِينِ ﴿۲۷﴾ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿۲۸﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۹﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿۳۰﴾ وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ﴿۳۱﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۳۲﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۳۳﴾ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۶﴾

حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور جو کچھ تم بناتے، ہو اس کو پیدا فرمایا ہے، ﴿۱۹﴾ وہ لوگ کہنے لگے: ابراہیم کے لئے ایک عمارت بناؤ (جس میں آگ دھکائی جائے) پھر اس کو دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں ڈال دو ﴿۲۰﴾ غرض کہ اُن لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ چال چلنی چاہی تو ہم نے اُن ہی کو نیچا کر دیا، ﴿۲۱﴾ اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، وہ مجھ کو (ضرور) راستہ دکھائے گا، ﴿۲۲﴾ اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما، ﴿۲۳﴾ چنانچہ ہم نے اس کو ایک برد بار بیٹے کی خوشخبری دی، ﴿۲۴﴾ پھر جب وہ ابراہیم کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: آپ کو جو حکم ہوا ہے، اُسے کر گزریئے، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، ﴿۲۵﴾ چنانچہ جب دونوں نے (حکم الہی کے سامنے) سر جھکا دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا، ﴿۲۶﴾ تو ہم نے اس کو آواز دی: اے ابراہیم! یقیناً تم نے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۲۷﴾ حقیقت میں یہ بڑا امتحان تھا، ﴿۲۸﴾ ہم نے ایک بڑا ذبح کیا ہوا جانور اس کے فدیہ میں دیا، ﴿۲۹﴾ اور ہم نے اُن کا ذکر خیر بعد کو آنے والوں میں باقی رکھا، ﴿۳۰﴾ سلام ہو ابراہیم پر! ﴿۳۱﴾ اسی طرح ہم نیک بندوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۳۲﴾ یقیناً ابراہیم ہمارے مومن بندوں میں سے تھے، ﴿۳۳﴾ نیز ہم نے ان کو اسحاق کی بھی خوشخبری دی، جو نبی ہوگا اور نیک بندوں میں سے ہوگا۔ ﴿۳۶﴾

وَلَبَرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ مَنَّا ۚ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان دونوں کی نسل میں سے بعض نیک لوگ بھی ہیں اور بعض وہ بھی ہیں جو صریحاً اپنا نقصان کر رہے ہیں، ﴿۱۳﴾ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا۔ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ ان آیات سے حضرت ابراہیم ؑ کی زندگی کے ایک اہم واقعہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابراہیم ؑ کو اولاد نہیں تھی، یہاں تک کہ تورات کی روایت کے مطابق جب آپ کی عمر ۸۶ سال کی ہو گئی، تب آپ کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل ؑ پیدا ہوئے، (پیدائش: ۱۶: ۱، ۲، ۱۰، ۱۶) اور جب عمر مبارک ۱۰۰ سال کی ہو گئی تو حضرت اسحاق ؑ پیدا ہوئے، (پیدائش: ۵: ۲۱) چنانچہ جب حضرت اسماعیل ؑ کچھ بڑے ہوئے اور اچھی طرح چلنے پھرنے دوڑنے بھاگنے لگے، جس کو بعض مفسرین نے ۷ سال اور بعض مفسرین نے ۱۳ سال قرار دیا ہے، (التفسیر المنیر: ۲۳/ ۱۱۸) تو اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم ؑ کا ایک بڑا امتحان لینا منظور ہوا اور وہ اس طرح کہ آپ خواب میں تین دنوں تک دیکھتے رہے کہ آپ اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل ؑ کو ذبح کر رہے ہیں، پیغمبر کا خواب بھی اللہ تعالیٰ کی وحی کے حکم میں ہوتا ہے؛ اس لئے آپ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی آزمائش مقصود ہے؛ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس عمل کو کر گزرنے کا پختہ ارادہ کر لیا؛ لیکن آپ نے سوچا کہ چون کہ قربانی کا یہ عمل حضرت اسماعیل ؑ پر ہوگا، اس لئے ان کو بھی اعتماد میں لے لیا جائے، اگر ان کی آمادگی ہوگی تو بظاہر اس تکلیف دہ عمل کو انجام دینا آسان ہو جائے گا؛ اس لئے آپ نے حضرت اسماعیل ؑ کو اپنا یہ خواب سنایا، حضرت اسماعیل ؑ عرض کر سکتے تھے کہ آپ نے محض یہ خواب ہی تو دیکھا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کی تعبیر کچھ اور ہو؛ لیکن آخر وہ بھی حضرت ابراہیم ؑ کے صاحبزادے تھے، انھوں نے بلا تامل اپنے والد سے عرض کر دیا کہ آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اسے کر گزریئے، آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، اب آپ کو حضرت ابراہیم ؑ منیٰ کی طرف لے گئے، اس موقع پر شیطان نے مختلف مرحلوں پر آپ کو بہکانے کی کوشش کی، حج کے دوران جو جرات پر کنکریاں ماری جاتی ہیں، وہ اسی کی یادگار ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم ؑ کو بہکانے کی کوشش کی اور آپ نے اس پر کنکری پھینک کر اپنی بیزاری کا اظہار فرمایا، بالآخر آپ اس مقام پر پہنچ گئے، جہاں آپ اپنے صاحبزادے کی قربانی دینا چاہتے تھے اور جو اس وقت حجاج کی قربان گاہ ہے، یہ منظر کتنا عجیب رہا ہوگا کہ ایک بوڑھا باپ اپنے اکلوتے قریب البلوغ بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کے لئے جارہا ہے، اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیٹے کا چہرہ دیکھ کر باپ پر محبت کا غلبہ ہو جائے، یا چھری دیکھ کر بیٹا گھبرا جائے، اس لئے حضرت اسماعیل ؑ کے مشورہ پر آپ نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور انھیں کروٹ کے بل یا اونڈھے منہ لٹا دیا اور چھری پھیرنے لگے، اللہ تعالیٰ کا مقصود حضرت اسماعیل ؑ کی قربانی نہیں تھی؛ بلکہ دونوں باپ بیٹے کا امتحان تھا اور اس امتحان میں وہ پورے اتر چکے تھے؛ اس لئے ندائے الہی آئی کہ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا؛ چنانچہ حضرت ابراہیم ؑ جو اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک سفید ←

← بڑی سینگوں اور بڑی آنکھوں والا صحت مند اور خوبصورت مینڈھالے کر حضرت جبرئیل ؑ موجود ہیں؛ چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے اس مینڈھے کی قربانی فرمائی اور اس امتحان میں بھی پورے اُترے۔ (خلاصہ از: تفسیر ابن کثیر: ۱۹/۴)

یہودیوں کا مزاج یہ رہا ہے کہ کوئی بھی فضیلت جو بنی اسماعیل یعنی عربوں کے حصہ میں آئی ہو، وہ ان کو بڑی ناگوار ہوتی ہے اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اسے بنی اسرائیل کے کھاتے میں ڈال دیں؛ چنانچہ اس معاملے میں بھی انھوں نے اسی کی کوشش کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے جن صاحبزادے کو ذبح کیا تھا، وہ حضرت اسحاق ؑ ہیں نہ کہ حضرت اسماعیل ؑ، حضرت کعب احبار ؑ جو صحابہ کے عہد میں ایمان لائے اور جو ایک بڑے یہودی عالم تھے، انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں کثرت سے تورات کی روایتیں نقل کی ہیں؛ چنانچہ ان کے ذریعہ تورات کی یہ بات مسلمانوں میں پہنچی کہ حضرت ابراہیم ؑ نے جن صاحبزادے کی قربانی کی، وہ حضرت اسحاق ؑ تھے اور صحابہ اور تابعین میں سے بھی بعض اہل علم نے اس کو قبول کر لیا، مگر یہ غلط ہے اور صحیح یہی ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل ؑ کی کی گئی، قرآن مجید میں بھی اس کا واضح اشارہ موجود ہے، حدیث میں بھی اس کی صراحت ہے اور تورات کی روایت کا ناقدا نہ جائزہ لیا جائے تو اس سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات فرمائی ہے کہ جب حضرت ابراہیم ؑ نے عراق سے ہجرت کی، اسی وقت آپ نے اولاد کی دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری دی جو بردبار ہوگا، پھر اس کے بعد فرمایا گیا کہ جب وہ دوڑنے بھاگنے کی عمر کو پہنچا تو ان کو ذبح کرنے کا حکم ربانی ہوا، ظاہر ہے کہ ہجرت کرنے کے بعد جو آپ کو پہلے صاحبزادے ہوئے یعنی حضرت اسماعیل ؑ، اس سے وہی مراد ہو سکتے ہیں، اور خاص طور پر ان کی صفت حلم و بردباری بیان کی گئی ہے تو اس سے بڑی بردباری کیا ہوگی کہ انھوں نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیا، دوسرے: قربانی کے اس قصے کے مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق ؑ کے بارے میں خوشخبری کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ان پر ہم نے برکتیں دی ہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ جن کی قربانی کی گئی، وہ حضرت اسحاق نہیں تھے؛ بلکہ آپ کے کوئی اور صاحبزادے تھے یعنی حضرت اسماعیل ؑ، تیسرے: اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت اسحاق ؑ کی خوشخبری کا ذکر کیا ہے، وہاں حضرت اسحاق ؑ کے بعد ان کی نسل سے حضرت یعقوب ؑ کا بھی ذکر فرمایا ہے: ”فَبَشِّرْهُنَّهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَآءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ“ (ہود: ۷۱) اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضرت اسحاق ؑ زندہ رہیں گے اور ان سے حضرت یعقوب ؑ کی پیدائش ہوگی تو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری پہلے سے موجود تھی تو حضرت ابراہیم ؑ یہ کیسے سمجھ سکتے تھے کہ حضرت اسحاق ؑ کے ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے؛ کیوں کہ اس عمر میں جب کہ ابھی چلنے پھرنے کے لائق ہی ہوئے ہیں، اگر ان کو ذبح کر دیا جاتا تو وہ حضرت یعقوب ؑ کے والد کیسے بنتے؟ غرض کہ قرآن مجید کے واضح اشارات موجود ہیں، جو بتاتے ہیں کہ اس سے حضرت اسماعیل ؑ ہی مراد ہیں، حدیثیں اس سلسلہ میں اور زیادہ واضح ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اَنَا ابْنُ الذَّبِيحَتَيْنِ“ کہ میں ایسے دو شخص کا بیٹا ہوں، جن کو اللہ کی رضا کے لئے ذبح کیا گیا، ایک: حضرت اسماعیل ؑ جن کی حضرت ابراہیم ؑ نے قربانی کرنے کی کوشش کی، دوسرے: آپ کے والد ماجد عبد اللہ، ان کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر زمزم کا بند پڑا ہوا کنواں کھل جائے تو ہم اپنے ایک بیٹے کی قربانی کریں گے، یا بعض روایتوں کے مطابق اگر مجھے دس بیٹے ہو جائیں تو میں ایک کو اللہ کے نام پر قربان کر دوں گا، جب یہ نذر پوری ہوگئی تو ←

← حضرت عبدالمطلب نے قرعہ ڈالا اور قرعہ میں حضرت عبداللہ کا نام نکلا، پھر جب انھوں نے حضرت عبداللہ کی قربانی کا ارادہ کیا تو لوگوں کے بہت روکنے پر اس سے باز آئے اور سواونٹ کے ذریعہ فدیہ ادا کیا، مستدرک حاکم، کتاب تواریخ المتقدمین، حدیث نمبر: ۴۰۴۸، وکتاب معرفة الصحابة، موجود ہے، (الخصائص الكبرى للسيوطی: ۱/ ۷۷، مستدرک حاکم، کتاب تواریخ المتقدمین، حدیث نمبر: ۴۰۴۸، وکتاب معرفة الصحابة، حدیث نمبر: ۶۰۴۳) اس حدیث میں بالکل واضح ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کے جن صاحبزادے کو ذبح کرنے کی کوشش کی گئی، وہ آپ کے جد امجد حضرت اسماعیل ؑ تھے، پھر حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قربانی کا یہ واقعہ مکہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا؛ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت اسحاق ؑ کبھی مکہ کی طرف آئے ہوں، ان کا قیام ہمیشہ شام میں رہا، تفسیری روایتوں میں یہ بات بھی نقل کی گئی ہے کہ اس مینڈھے کی دونوں سیٹگیں کعبۃ اللہ سے لگی ہوئی تھیں، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے زمانے میں جب حجاج نے حملہ کیا اور کعبۃ اللہ نذر آتش ہو گیا، اس وقت یہ دونوں سیٹگیں بھی جل گئی۔ (تفسیر بغوی: ۳/ ۶۶۶)

تورات میں اگرچہ یہی کہا گیا ہے کہ جن صاحبزادے کی قربانی دی گئی، وہ حضرت اسحاق ؑ تھے؛ لیکن خود اس کی روایت میں ایک ایسا قریہ موجود ہے، جو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے اور حضرت اسحاق ؑ وہ شخصیت نہیں تھے، جن کی قربانی کی گئی؛ اس لئے کہ دو مواقع پر تورات میں قربانی کے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ”اکھوتے بیٹے“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، (پیدائش: ۲۲، ۲۰؛ باب: ۲۲، ۱۵، ۱۶) اور حضرت اسحاق ؑ کبھی اکھوتے بیٹے رہے ہی نہیں؛ کیوں کہ وہ حضرت اسماعیل ؑ کے چھوٹے بھائی تھے؛ البتہ جب حضرت اسماعیل ؑ چودہ سال کے تھے، تب حضرت اسحاق ؑ پیدا ہوئے، اس لئے ظاہر ہے کہ اکھوتے بیٹے سے حضرت اسماعیل ؑ ہی مراد ہیں اور یہودیوں نے تحریف کر کے حضرت اسماعیل ؑ کی جگہ حضرت اسحاق ؑ کا نام لکھ دیا ہے، بائبل میں اس طرح کی تحریفات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

حضرت ابراہیم ؑ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب وحی کا سلسلہ جاری ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض احکام اس طور پر بھی دیئے جاتے تھے کہ اس کا مقصد حکم کی تعمیل نہ ہوتی تھی، امتحان لینا مقصود ہوتا تھا؛ لیکن اب جب کہ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو شریعت میں جتنے احکام ہیں، وہ سب مکمل طور پر عمل آوری کے لئے ہیں، ان کی یہ تاویل نہیں کی جاسکتی کہ یہ حکم کسی اور مقصد کے لئے ہے، عمل کرنا ضروری نہیں ہے، دوسرے: ایک قابل ذکر مسئلہ اولاد کی قربانی کی نذر ماننے کا ہے، قدیم زمانے سے اپنے تصور کے مطابق مختلف قوموں میں انسانی قربانی کا رواج رہا ہے، اب بھی بعض مشرک اور توہم پرست قوموں کے یہاں اس قسم کے واقعات پیش آجاتے ہیں، فقہاء اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اولاد تو اولاد کی قربانی کی نذرمانی ہی نہیں چاہئے کہ یہ گناہ ہے؛ چنانچہ امام شافعی ؒ کی رائے ہے کہ اگر کوئی ایسی نذرمان لے تو اس کو استغفار کرنی چاہئے، (احکام القرآن لابن العربی: ۴/ ۳۳) احناف میں امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک بھی ایسی نذر سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی؛ البتہ امام ابو حنیفہ ؒ اور امام محمد ؒ کے نزدیک اگر اس طرح کی نذرمان لے تو اس پر ایک بکرے کی قربانی واجب ہے، (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۴۶۴) یہی رائے مالکیہ اور اکثر فقہاء کی ہے، (احکام القرآن لابن العربی: ۴/ ۳۳) — اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مینڈھے یا بکرے کی قربانی کرنا بمقابلہ اونٹ یا گائے وغیرہ میں حصہ لینے کے افضل ہے۔ (الحیاط البرہانی: ۶/ ۹۳)

اللہ تعالیٰ نے اخیر میں حضرت اسماعیل ؑ اور حضرت اسحاق ؑ کو اپنی برکتوں سے نوازنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ←



وَنَجِّنُهَا وَقَوْمَهَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿١٩﴾ وَنَصَرْنَهُمْ فَاكُونُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٢٠﴾  
وَأَتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ﴿٢١﴾ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٢٢﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي  
الْآخِرِينَ ﴿٢٣﴾ سَلَّمَ عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ ﴿٢٤﴾ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٥﴾ إِنَّهُمَا مِنْ  
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٧﴾ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾  
أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿٢٩﴾ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٠﴾  
فَكَذَّبُوهُ فَأَنَّهُمْ مُحْضَرُونَ ﴿٣١﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٣٢﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٣٣﴾

ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات عطا کی ﴿۱۹﴾ اور ہم نے ان کی مدد کی؛ چنانچہ یہی غالب ہو کر رہے، ﴿۲۰﴾ نیز ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب عطا فرمائی، ﴿۲۱﴾ ان کو سیدھے راستے کی رہنمائی کی، ﴿۲۲﴾ اور بعد کو آنے والوں میں اُن کا ذکر خیر باقی رکھا، ﴿۲۳﴾ سلامتی ہو موسیٰ اور ہارون پر! ﴿۲۴﴾ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ عطا کرتے ہیں، ﴿۲۵﴾ یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿۲۶﴾ اور بے شک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۲۷﴾ جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۲۸﴾ کیا تم بعل (نامی بت) کو پوجتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑے بیٹھے ہو؟ ﴿۲۹﴾ یعنی اللہ کو، جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ داداؤں کا بھی، ﴿۳۰﴾ تو اُن لوگوں نے اُن کو جھٹلادیا، تو یقیناً وہ لوگ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے، ﴿۳۱﴾ سوائے اللہ کے منتخب بندوں کے، (کہ وہ دوزخ سے محفوظ رہیں گے) ﴿۳۲﴾ اور ہم نے بعد کے لوگوں میں اُن کا ذکر خیر باقی رکھا۔ ﴿۳۳﴾

← ان کی نسل میں نیک لوگ بھی ہیں اور بُرے لوگ بھی، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ صرف پیغمبر یا اللہ کے نیک بندوں کی نسل میں سے ہونے کی وجہ سے کسی شخص کی نجات نہیں ہو جائے گی، جب تک کہ خود اس کا عمل بہتر نہ ہوگا۔

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا واقعہ سورہ اعراف: ۱۰۳-۱۷۱ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ قرآن مجید نے مختلف انبیاء کے تذکرہ کے بعد یہ بات کہی ہے کہ ہم نے بعد میں آنے والوں کے درمیان ان کے ذکر خیر کو باقی رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام ہے کہ کسی شخص کے گزر جانے کے بعد لوگ اس کو بہتر الفاظ میں یاد کریں اور خیر و بھلائی کے ساتھ اس کا ذکر جاری رہے، عام طور پر دین اور علم دین کے خدمت گزاروں کو اللہ کی یہ نعمت حاصل ہوتی ہے، صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء، مفسرین اور مشائخ و صوفیاء کا نام آج بھی کتنی عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے، کتنی ہی کتابیں ہیں جو ان کے حالات اور محاسن پر لکھی گئی ہیں، اور کتنے ادارے ہیں جو ان کے ناموں کی نسبتوں سے قائم کئے گئے ہیں، کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی اللہ کا کوئی انعام ہو سکتا ہے؟

سَلَّمَ عَلَىٰ إِيَّاسِينَ ﴿١٣﴾ إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾  
وَأَنَّ لَوْطًا لِّمَنِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦﴾ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٨﴾ ثُمَّ  
دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٩﴾ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِينَ ﴿٢٠﴾ وَبِالْأَيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٢١﴾  
وَأَنَّ يُونُسَ لِمَنِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٢﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٢٣﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ  
الْمُدْحَضِينَ ﴿٢٤﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٢٥﴾ فَلَوْ لَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿٢٦﴾ لَكَبِتَ  
فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٢٧﴾

سلام ہوا یاس پر! ﴿۱﴾ اسی طرح ہم نیک عمل کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۲﴾ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے، ﴿۳﴾ اور اس میں شک نہیں کہ لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۴﴾ وہ وقت یاد کئے جانے کے لائق ہے، جب ہم نے لوط کو اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات عطا فرمائی، ﴿۵﴾ سوائے ایک بڑھیا کے، جو رہ جانے والوں میں تھی، ﴿۶﴾ پھر دوسروں کو ہم نے ہلاک کر ڈالا، ﴿۷﴾ اور تم تو ان پر صبح کو اور رات کو گزرا کرتے ہو، تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ﴿۸﴾ اور بے شک یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۹﴾ اس وقت کو یاد کرو جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر آئے، ﴿۱۰﴾ پس قرعہ ڈالا تو یونس ہی ملزم ٹھہرے، ﴿۱۱﴾ چنانچہ مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے، ﴿۱۲﴾ تو اگر یونس تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے، ﴿۱۳﴾ تو قیامت کے دن تک مچھلی ہی کے پیٹ میں رہتے۔ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ الیاسین سے مراد حضرت الیاس ؑ ہیں قرآن مجید میں دو مقام پر حضرت الیاس ؑ کا ذکر آیا ہے، ایک یہاں اور ایک سورہ انعام میں (آیت نمبر: ۸۵)، بائبل میں آپ کا تذکرہ 'ایلیاہ' کے نام سے آیا ہے اور ان کا جو نسب ذکر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ہارون ؑ کی نسل سے ہیں، اسرائیل کا ایک بادشاہ 'احاب' (Ahab) کے نام سے گزرا ہے، جس کا زمانہ ۸۵۳ قبل مسیح ہے، اس بادشاہ کی ایک غیر اسرائیلی بیوی جو کسی مشرک قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، اپنے ساتھ بعل نامی بت لے کر آئی اور شاہی محل میں اس کی پوجا ہونے لگی، جب کوئی کام بادشاہ کی طرف سے ہونے لگتا ہے تو وہ عوام میں بھی قبول عام حاصل کر لیتا ہے؛ چنانچہ اسرائیلی قوم میں بھی 'بعل' نامی بت کی پوجا ہونے لگی، تورات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، (قاضیوں: ۲: ۱۳) حضرت الیاس ؑ کے زمانے میں فلسطین کے علاقہ 'سامرہ' میں بعل پرستی اپنے عروج پر تھی، یہیں حضرت الیاس ؑ نے دعوتی کوششیں فرمائیں، قوم نے اسے قبول نہیں کیا، (خلاصہ از: تفسیر ماجدی: ۲۰/۶) آیت میں 'الیاسین' سے یا تو حضرت الیاس ؑ مراد ہے یا یہ لفظ آل یاسین ہے، حضرت الیاس ؑ کے والد کا نام یاسین تھا تو اب معنی ہو گیا کہ یاسین کی اولاد پر سلامتی ہو، اس لحاظ سے اس میں حضرت الیاس ؑ بھی شامل ہیں اور وہ لوگ بھی جو آپ پر ایمان لائے۔ (مفتاح الغیب: ۲۶۱/۱۳)

﴿۲﴾ قوم لوط کا واقعہ سورہ اعراف: ۸۰-۸۴ میں گزر چکا ہے۔

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۖ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّفْعُلِينَ ۖ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ  
أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۖ فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۖ

پھر ہم نے اُن کو ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا، وہ اس وقت بیمار تھے، ﴿۱۵﴾ اور ہم نے ان پر نیل دار درخت بھی اُگا دیا، ﴿۱۶﴾ اور ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا: ﴿۱۷﴾ چنانچہ وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے اُن کو ایک زمانہ تک عیش و آرام کا موقع دیا۔ ﴿۱۸﴾

﴿۲﴾ حضرت یونس ؑ کا واقعہ سورۃ انبیاء، آیت نمبر: ۸۷، ۸۸ کے تحت گزر چکا ہے، یہاں جو بات فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت یونس ؑ نے اپنی قوم کو ایمان کی طرف دعوت دی؛ لیکن قوم نے سن کر نہیں دیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کو عذاب کے آنے کی خبر سنائی، اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آیا تو پیغمبر اور ان کے متبعین کو اس آبادی سے باہر نکال لیا جاتا ہے؛ چنانچہ حضرت یونس ؑ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کا انتظار کئے بغیر گذشتہ انبیاء کے واقعات پر قیاس کر کے باہر نکل پڑے اور چوں کہ یہ قوم دریائے دجلہ سے قریب آباد تھی؛ اس لئے کشتی کا سفر اختیار کیا، ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ سخت طوفان آیا اور کشتی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا، لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہو جاتا ہے، تبھی ایسا واقعہ پیش آتا ہے؛ چنانچہ ملاح نے کہا کہ شاید اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام اس کشتی میں سوار ہے، حضرت یونس ؑ کے دل میں فوراً یہ بات آئی کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں؛ کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے بغیر اپنی قوم کے درمیان سے نکل آیا؛ چنانچہ ان کو سمندر میں ڈال دیا گیا، ادھر طوفان تھم گیا اور ادھر ایک بڑی مچھلی نے حضرت یونس ؑ کو نگل لیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف حضرت یونس کی تنبیہ مقصود تھی؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مچھلی کو حکم ہوا کہ وہ حضرت یونس ؑ کو غذا سمجھ کر کھانہ لے؛ بلکہ ان کو ایک امانت سمجھ کر اپنے پیٹ میں محفوظ رکھے، موجودہ دور میں وہیل اور بعض ایسی مچھلیاں ہیں، جو پورے انسان اور انسان سے بھی بڑے جانوروں کو سالم نگل جاتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ اسی قسم کی کوئی مچھلی ہو، اس حالت میں بھی حضرت یونس ؑ نہ صرف زندہ تھے؛ بلکہ آپ کے ہوش و حواس بھی قائم تھے؛ اسی حال میں آپ نے تسبیح پڑھنا اور اللہ سے دُعا مانگنا شروع کر دیا، اور وہ دُعا تھی: ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ (الانبیاء: ۸۷) چنانچہ اللہ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے حضرت یونس ؑ کو دریا کے کنارے ایک ایسی جگہ اُگل دیا، جو چٹیل میدان تھا، نہ اس میں درخت تھا نہ پودا نہ عمارت، اور خود حضرت یونس ؑ ایسے کمزور تھے جیسے بچہ اپنی پیدائش کے وقت ہوتا ہے، بعض روایتوں کے مطابق اس وقت آپ کا جسم ایک پرندہ کی طرح بے حد نرم تھا اور جسم پر بال تک نہیں تھے، بہت ہی کمزور و نحیف، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آپ پر ایک نیل دار پودا اُگادیا، شاید اس لئے کہ حضرت یونس ؑ کو صحت بخش فطری ہوا حاصل ہو اور کبھی وغیرہ سے بھی آپ کی حفاظت ہو، جب آپ صحت یاب ہوئے تو حکم ہوا کہ آپ اپنی قوم کی طرف واپس جائیں، آپ کی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی، تو رات میں ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی گئی ہے؛ چنانچہ ان حضرات نے آپ کا ←

فَاسْتَفْتِهِمُ الرَّبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿١٤٩﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿١٥٠﴾  
 أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ أَفْكِهْمُ لَيَقُولُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَكَ اللَّهُ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٥٢﴾ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى  
 الْبَنِينَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿١٥٤﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٥﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ﴿١٥٦﴾ فَاتُّوْا  
 بِكِتٰبِكُمْ إِن كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسْبًا ۖ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ  
 إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٥٨﴾

(اے رسول!) آپ ان لوگوں سے پوچھئے: کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے؟ ﴿١٤٩﴾ یا کیا ہم نے فرشتوں کو عورت ذات بنایا اور وہ (اُس وقت) موجود تھے؟ ﴿١٥٠﴾ آگاہ ہو جاؤ، یہ لوگ اپنے گھڑے ہوئے جھوٹ بکتے ہیں، ﴿١٥١﴾ کہ اللہ کو اولاد ہے، اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں، ﴿١٥٢﴾ کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلہ بیٹیوں کا انتخاب کیا ہے؟ ﴿١٥٣﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے حکم لگا رہے ہو؟ ﴿١٥٤﴾ کیا تم غور نہیں کرتے؟ ﴿١٥٥﴾ یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل موجود ہے؟ ﴿١٥٦﴾ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو! ﴿١٥٧﴾ اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری کا دعویٰ کیا ہے؛ حالاں کہ جنات کو معلوم ہے کہ وہ بھی پکڑے جائیں گے۔ ﴿١٥٨﴾

← استقبال کیا اور سب کے سب مسلمان ہو گئے، تورات کے صحیفہ ”لوقا“ میں تفصیل سے حضرت یونسؑ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، (خلاصہ از: بقص القرآن: ۱۹۷/۲، تفسیر ماجدی: ۴۱/۶، التفسیر المنیر: ۱۳۸/۲۳) — اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اخیر میں جو یہ بات کہی گئی ہے کہ ہم نے انہیں ایک عرصہ تک عیش و آرام کا موقع دیا، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ حضرت یونسؑ کی دعوت پر ایمان لے آئے؛ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے پرانے مزاج پر آگئے، شرک و کفر میں مبتلا ہو گئے اور اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیئے گئے، یہی وجہ ہے کہ آج اس قوم کا یہاں تک کہ اس کے مرکزی شہر نینوا کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔

﴿١﴾ قرآن مجید میں اس بات کا بار بار ذکر آیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے یا جنوں کو خدا کا رشتہ دار اور اللہ تعالیٰ کے امور میں شریک خیال کیا کرتے تھے، یہ مرض تقریباً ہر بت پرست قوم میں رہا ہے کہ وہ مختلف نرمادہ مورتیاں بنایا کرتے ہیں اور اس کو دیوی، دیوتا یا کسی دیوتا کی بیوی وغیرہ قرار دیتے ہیں، ہندوستان میں بھی بت پرست قوموں کی یہی صورت حال ہے، اس پر کوئی عقلی دلیل تو ہو ہی نہیں سکتی؛ لیکن جو مذہبی کتابیں دنیا میں موجود ہیں، بہت سی ملاوٹوں کے باوجود ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے، کوئی اور اللہ کے ساتھ شریک نہیں؛ اس لئے فرمایا گیا کہ کسی مستند مذہبی کتاب ہی سے دلیل پیش کر کے دکھاؤ؛ چنانچہ تورات و انجیل ہی نہیں، ہندوؤں کی مذہبی کتابوں جیسے ویدوں وغیرہ میں بھی بہت وضاحت سے عقیدہ توحید کا ذکر آیا ہے اور مخلوق کے خدا ہونے کا انکار کیا گیا ہے۔

سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿١٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿٢٠﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿٢١﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنِينَ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿٢٥﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُنَّ ﴿٢٧﴾ لَوْ أَنَّ عِندَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿٢٩﴾ فَكْفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿٣١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿٣٢﴾ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٣٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٤﴾ وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ﴿٣٥﴾

اللہ کی ذات ان تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، ﴿۱۹﴾ مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (وہ ایسا نہیں کہتے) ﴿۲۰﴾ تو تم اور تمہارے سارے معبود اللہ کے خلاف صرف اسی کو بہکا سکتے ہو، جو جہنم رسید ہونے والا ہے، ﴿۲۱﴾ اور (فرشتے کہتے ہیں:) ہم میں سے ہر ایک کا مقام متعین ہے، ﴿۲۲﴾ ہم (اللہ کی بندگی کے لئے) صف باندھے کھڑے ہوئے ہیں، ﴿۲۳﴾ اور ہم تو اللہ کی پاکی بیان کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ﴿۲۴﴾ اور یہ لوگ تو کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پچھلے لوگوں کی طرح کوئی نصیحت کی کتاب ہوتی ﴿۲۵﴾ تو ہم ضرور اللہ کے خاص بندے ہوتے، ﴿۲۶﴾ پھر (جب کتاب آگئی تو) اس کا انکار کرنے لگے، تو عنقریب وہ (اس کا انجام) جان لیں گے، ﴿۲۷﴾ اور ہمارے بھیجے ہوئے بندوں (یعنی پیغمبروں) کے لئے پہلے ہی ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے، ﴿۲۸﴾ کہ اُن ہی کی مدد کی جائے گی، ﴿۲۹﴾ اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا، ﴿۳۰﴾ اس لئے آپ اُن سے کچھ عرصہ تک منہ پھیر لیجئے، ﴿۳۱﴾ اور انھیں دیکھتے رہئے، کہ عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ ﴿۳۲﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ تو فرشتوں کو خدا اور خدا کی بیٹیاں ٹھہرا رہے ہیں؛ لیکن خود فرشتوں کو اس سے انکار نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔  
 ﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ کے نبی بنائے جانے سے پہلے اہل مکہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی تورات و انجیل کی طرح کوئی کتاب موجود ہوتی تو ہم ضرور اللہ کے خاص بندے ہوتے اور اس پر عمل کرتے؛ لیکن جب آپ ﷺ قرآن مجید لے کر ان کے پاس آگئے تو اب وہ انکار کرنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۰/۴، نیز تفسیر قرطبی: ۹۱/۱۵)

﴿۳﴾ غرض کہ انجام کار اللہ کے پیغمبروں ہی کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوتا ہے، اصل غلبہ تو فکری ہے کہ انبیاء اللہ کی طرف سے جس بات کو پیش کرتے ہیں، بالآخر زمانہ کے اہل علم اسی کو قبول کرتے ہیں اور وہی غالب فکر بن جاتی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی عموماً ان ہی کو غلبہ اور بقا حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ، جو اپنی قوم کے مقابلے میں غالب رہے اور ان کے مخالفین صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٥﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٦﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧﴾ وَأَبْصَرَ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ﴿١٨﴾ سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٩﴾ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٠﴾ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢١﴾

۵  
۹

کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟ ﴿۱۵﴾ تو جب ان کے میدان میں ہمارا عذاب اُترنے لگے گا تو جن لوگوں کو خبردار کیا جا چکا تھا، اُن کی صبح بہت ہی بُری ہوگی، ﴿۱۶﴾ آپ اُن کو تھوڑے عرصہ کے لئے چھوڑ دیں، ﴿۱۷﴾ اور دیکھتے رہیں، جلد ہی وہ خود بھی دیکھ لیں گے، ﴿۱۸﴾ آپ کا رب جو عزت والا ہے، اُن چیزوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں، ﴿۱۹﴾ اور سلامتی ہو اُن پیغمبروں پر! ﴿۲۰﴾ اور ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ اس سورہ میں بار بار توحید کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، شرک کی تردید کی گئی ہے اور متعدد پیغمبروں کا ذکر آیا ہے؛ چنانچہ یہ سورۃ ایسی تین آیتوں پر ختم ہو رہی ہے، جن میں سے پہلی آیت میں اللہ کی پاکی بیان کی گئی ہے کہ اللہ ہر طرح کے عیب سے پاک ہیں اور آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ذکر کی گئی ہے اور عقیدہ توحید کی بنیاد یہی تسبیح و حمد ہے اور درمیانی آیت میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا مقام و مرتبہ ذکر کیا گیا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان پر سلام بھیجتے ہیں، اس طرح یہ نہایت جامع آیت ہے، حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ ہم نے کئی دفعہ رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نماز ختم کرتے ہوئے ان ہی تین آیات کو پڑھا کرتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ، عن ابی سعید خدری، کتاب الصلوٰۃ، باب ماذ یقول الرجل إذا انصرف، حدیث نمبر: ۳۰۹۷) اور حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو چاہتا ہو کہ اس کو قیامت کے دن بھر پورا اجر دیا جائے تو وہ مجلس سے اُٹھنے سے پہلے ان آیات کو پڑھ لے، (تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۲) — اسی لئے اہل علم نے لکھا ہے کہ نماز کے بعد اور مجلس کے ختم پر ان آیات کو پڑھنا مسنون ہے۔ (التفسیر المنیر: ۲۳/۱۶۰)



# سُورَةُ صٰ

«سورہ نمبر : (۳۸)

«رکوع : (۵)

«آیتیں : (۸۸)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز ”ص“ کے حرف سے ہوا ہے، اس لئے اس کا نام ”ص“ ہے، اس سورہ کی بعض آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب حضرت ابوطالب بیمار ہوئے تھے اور ان کی وفات کا وقت قریب آچکا تھا، یعنی نبوت کے دسویں سال، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورہ ۱۰ نبوی اور اس سے کچھ پہلے یا بعد میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ میں توحید، رسالت اور آخرت کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ بعض انبیاء کی قومیں جیسے قوم نوح، قوم عاد، فرعون و ثمود، قوم لوط اور اصحاب الایکہ کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اجمال و اختصار کے ساتھ حضرت ابراہیم ؑ، حضرت اسماعیل ؑ، اسحاق ؑ، الیسع اور ذوالکفل کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور حضرت داؤد ؑ، حضرت سلیمان ؑ اور حضرت ایوب ؑ کے واقعات نسبتاً تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، حضرت آدم ؑ کی پیدائش کس طرح ہوئی، فرشتوں سے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کا کیا مکالمہ ہوا؟ اس کو اس سورہ میں بھی وضاحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، سورہ کے اخیر میں یہ بات واضح فرمادی گئی کہ قرآن مجید ایسا عالمگیر پیغام ہے کہ نہ صرف تمام انسان اس کے مخاطب ہیں؛ بلکہ جنات بھی اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے کے پابند ہیں۔

مشرکین مکہ کے خیالات کا رد کرتے ہوئے ان کے دو خاص اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے، جن میں ایک کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے ہے کہ مکہ و طائف کے کسی بڑے سردار کے بجائے پیغمبری کے لئے آپ ﷺ کا انتخاب کیوں فرمایا گیا؟ دوسرے کا تعلق توحید سے ہے کہ آخر اتنی وسیع و عریض کائنات کا انتظام تنہا ایک خدا کیسے چلا سکتا ہے؟



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۚ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۚ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَا تَجِئْ مَنْصِرٍ ۚ وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفَرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۚ أَجَعَلَ الْإِلَهَةَ الْهَاءَ وَاحِدًا ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۚ وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۚ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۱﴾ صاء، ﴿۱﴾ قرآن کی قسم ہے جو نصیحت سے بھری ہوئی (کتاب) ہے، ﴿۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں، وہ تعصب اور مخالفت میں مبتلا ہیں، ﴿۲﴾ ﴿۱﴾ اُن سے پہلے کی بہت سی اُمتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں؛ چنانچہ (عذاب آنے کے بعد) انھوں نے بہت آہ و واہیلی کی، مگر وہ چھٹکارے کا وقت نہیں تھا، ﴿۳﴾ ﴿۲﴾ اور ان کو اس بات پر حیرت ہے کہ ان کے پاس اُن ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آئے، اور وہ کفر کرنے والے کہنے لگے: ”یہ شخص جادوگر اور جھوٹا ہے، ﴿۴﴾ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا؟ یقیناً یہ تو بڑی عجیب بات ہے، ﴿۴﴾ ﴿۳﴾ اُن میں سے سردار قسم کے لوگ (یہ کہتے ہوئے) چلے گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جیسے رہو، یقیناً اس بات میں کوئی غرض ہے۔ ﴿۵﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یہ حروف مقطعات میں سے ہے، سورہ بقرہ حاشیہ نمبر: ۱ میں اس کی تشریح گزری ہے۔

﴿۲﴾ یعنی جو لوگ قرآن مجید کا انکار کر رہے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اس کا سبب صرف تکبر اور پیغمبر ﷺ سے عداوت ہے۔

﴿۳﴾ یعنی جب کسی قوم پر حجت پوری ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ عذاب کا فیصلہ فرما دیتے ہیں تو اس وقت توبہ و استغفار کام نہیں آتا۔

﴿۴﴾ شرک جن لوگوں کی گھٹی میں پڑا ہو، وہ اپنے آباء و اجداد کے فکر و عقیدہ پر جسے رہتے ہیں اور حقیقت پسندی کے ساتھ غور نہیں کرتے، عرب کی سرزمین میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے تین ساڑھے تین سو سال پہلے سے بُت پرستی کا رواج تھا، اس لئے

ان کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی تھی کہ سارے خداؤں کو ختم کر کے صرف ایک خدا کو مانا جائے تو وہ اتنی وسیع و عریض کائنات کو

کیوں کر سنبھال سکے گا؟ یعنی وہ خدا کے نظام کو بھی انسانی نظام کی طرح سمجھتے تھے کہ جیسے انسان کاموں کی کثرت اور وسعت کے

لحاظ سے بہت سارے افراد کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح جب تک بہت سارے خدا مبیان نہ ہوں، کاروبارِ عالم چل نہیں سکتا، یہ ایسا ہی

ہے کہ جیسے کسی شخص نے سورج نہ دیکھا ہو تو وہ سوچے کہ جب ایک چراغ سے ایک ہی کمرہ روشن کیا جاسکتا ہے تو اس پوری کائنات کو ایک

سورج کیسے روشن کر سکتا ہے؟ — بعض تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ابو جہل نے کہی تھی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۹۹)

﴿۵﴾ یعنی توحید کی طرف دعوت دینے میں محمد ﷺ کی کوئی غرض ہوگی، مثلاً یہ غرض کہ قوم کے سردار بن جائیں اور قیادت کا مقام

حاصل کر لیں۔

مَا سَبَعْنَا بِهَذَا فِي الْإِثْمَةِ إِلَّا هَذَا آيَاتُ اللَّهِ تَنْزِيلًا عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا  
بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذِكْرِي بَلْ لَمَّا يَنْذَرُوكَ عَذَابٍ ۖ أَمْ عَنْدهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ  
الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۙ أَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۙ  
جُنْدًا مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْأَحْزَابِ ۙ

ہم نے پچھلے مذہب میں تو یہ بات سنی تک نہیں، یہ محض من گھڑت بات ہے، (۱) کیا ہم سب میں سے اسی پر اللہ کا کلام نازل کیا گیا؟“ حقیقت یہ ہے کہ یہ کفر پر اڑے ہوئے لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں؛ بلکہ (وہ ایسا اس لئے کہتے ہیں کہ) انہوں نے ابھی تک میرا عذاب چکھا نہیں ہے، (۲) کیا ان کے پاس آپ کے زبردست داتا پروردگار کے خزانے ہیں؟ (۳) یا کیا ان کو آسمانوں کی زمین کی اور ان کے درمیان کی حکومت حاصل ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں، (۴) یہ تو بڑے بڑے گروہوں میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو یہیں شکست کھا جائے گا۔ (۵)

(۱) مطلب یہ ہے کہ ہمارے آباء و اجداد بھی کسی مذہب پر عمل کرتے تھے؛ لیکن انہوں نے کبھی تمام خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف دعوت نہیں دی، اسی طرح جو لوگ آسمانی کتاب کا دعویٰ کرتے ہیں، ان میں آخری مذہب عیسائیوں کا ہے، وہ بھی کم سے کم تین خدا کو مانتے ہیں؛ اس لئے یہ بالکل نئی بات ہے جو محمد ﷺ کہہ رہے ہیں، تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ابو جہل، شبیہ، عتبہ وغیرہ نے کہی تھی، جب وہ حضرت ابوطالب کے مرض وفات میں آئے اور ان سے گزارش کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت ایمان سے باز رکھیں، حضور ﷺ نے قریش کے سرداروں سے فرمایا: اگر آپ لوگ میری ایک بات قبول کر لیں تو آپ پورے عرب کے مالک ہو جائیں گے اور پورا عجم آپ کے سامنے اپنی گردن جھکا دے گا، ابو جہل نے کہا: ایک نہیں، تم ایسی دس باتیں کہو، میں اسے قبول کر لوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: کہو ”لا الہ الا اللہ“ بس یہ سننا تھا کہ وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس چلے گئے۔ (تفسیر قرطبی: ۹۹/۱۵)

(۲) یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر ہے کہ جس کو چاہیں پیغمبر بنادیں اور ان پر اپنی کتاب نازل کر دیں؛ کیوں کہ نبوت بھی ایک نعمت ہے، ایسا نہیں کہ قرآن مجید کی مخالفت کرنے والے ان ایمان سے محروم لوگوں کے ہاتھ میں پروردگار نے اپنا خزانہ رکھ دیا ہو، یا ان کو آسمان و زمین کی حکومت حاصل ہوگئی ہو، اگر آسمان و زمین کی حکومت ان کو حاصل ہے، تو یہ سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وحی لانے والے فرشتہ کو روک دیں۔

(۳) یعنی شرک و بت پرستی میں مبتلا بڑے بڑے گروہ گزر چکے ہیں، جو تعداد، قوت اور وسائل کے اعتبار سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور آخر دعوت حق کے مقابلہ وہ شکست کھا کر رہے، جیسے: قوم فرعون، عاد، ثمود وغیرہ، تو یہ تو چھوٹا سا گروہ ہے، یہ بھی اسی دنیا میں اپنی شکست کا مزہ چکھ لے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰۱/۱۵)

كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۖ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لَيْكَةِ ۚ  
أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝۱۳ إِنَّ كُلًّا إِلَّا كَذَبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابُ ۝۱۴ وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً ۚ  
وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝۱۵ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝۱۶ اصْبِرْ عَلَىٰ  
مَا يَقُولُونَ وَادْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۚ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝۱۷

ان سے پہلے نوح کی قوم عاد اور میخوں والے فرعون نے بھی جھٹلایا تھا، ﴿۱﴾ ﴿۱۲﴾ نیز ثمود، لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے بھی، یہی (پیغمبروں کی مخالفت کرنے والے) بڑے گروہ تھے، ﴿۱۳﴾ (ان) سمجھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب واقع ہو کر رہا، ﴿۲﴾ ﴿۱۴﴾ یہ لوگ محض ایک سخت چیخ کا انتظار کر رہے ہیں، جس کے بیچ میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا، ﴿۳﴾ ﴿۱۵﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں: ہمارے رب! ہم کو حساب کے دن سے پہلے ہی ہمارا حصہ دے دیجئے، ﴿۴﴾ ﴿۱۶﴾ آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو بڑی طاقت والے تھے، یقیناً وہ اللہ سے لو لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۵﴾ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ ”میخوں والے“ سے بلند اور مضبوط عمارتوں والے مراد ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۰۲) کیوں کہ عالیشان عمارتوں کے لئے جیسے موجودہ زمانے میں کنکریٹ کے پیلا استعمال کئے جاتے ہیں، اسی طرح اس زمانے میں مضبوط لکڑیوں کے ستون استعمال کئے جاتے تھے اور انھیں میخوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے مربوط کیا جاتا تھا، مقصد یہ ہے کہ فرعون بظاہر اس قدر شان و شوکت کا مالک تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا گیا۔

﴿۲﴾ قوم ثمود کا ذکر اعراف: ۷۳-۷۹، قوم لوط کا ذکر اعراف: ۸۰-۸۴ اور حضرت شعیب ؑ کی قوم کا ذکر اعراف: ۸۵-۹۳ میں آچکا ہے۔

﴿۳﴾ یہاں چیخ سے صورت کا پھونکا جانا مراد ہے، یعنی محض صورت کی ایک آواز ان سرکش لوگوں کو موت کے نیند سلا دے گی اور پھر جب دوسرا صورت پھونکا جائے گا تو سب کے سب زندہ کر دیئے جائیں گے، دودھ دوہنے کے دوران ایک دفعہ دودھ نچوڑنے کے بعد دوسری بار نچوڑنے کے درمیان جو ہلکا سا وقفہ ہوتا ہے، اس کو ”فواق“ کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ صورت کی آواز مسلسل ہوگی، اس میں کوئی درمیانی وقفہ نہیں ہوگا۔

﴿۴﴾ یعنی آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ جنت کی جو نعمتیں آخرت میں ملنے والی ہیں، ان میں سے میرا حصہ دنیا ہی میں دے دیجئے؛ تاکہ ہماری ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

﴿۵﴾ حضرت داؤد ؑ کے طاقتور ہونے کا ایک مطلب تو بالکل ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت عطا فرمائی تھی اور وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ ہمیشہ غالب رہتے تھے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت کی بھی غیر معمولی طاقت رکھتے تھے، ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن نہیں رکھتے تھے، رات کا آدھا حصہ نماز میں گزار دیتے تھے اور خوب دعائیں کیا کرتے تھے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۰۴) — یہ بات قابل توجہ ہے کہ جہاں حضرت داؤد ؑ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ طاقت والے تھے، —

إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهِ آوَابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ وَفَضَّلَ الْخِطَابَ ۝ وَهَلْ أَتَاكَ نَبُؤُا الْخَضَمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصَصْنَا لَكَ فِي هَذِهِ بَعْضَ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعَجَةً ۖ وَإِي نَعَجَةً ۖ فَقَالَ أَلْغَلْبَنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجَتِكَ إِلَى نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۖ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝

ہم نے پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر دیا تھا، جو ان کے ساتھ صبح و شام تسبیح پڑھا کرتے تھے، ۱۸ اور پرندوں کو بھی جو جمع ہو جاتے تھے، سب کے سب اُن کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے، ۱۹ ہم نے ان کی حکومت کو خوب مستحکم کر دیا تھا اور ان کو حکمت و دانائی اور فیصلہ کن بات (کی صلاحیت) عطا فرمائی تھی، ۲۰ کیا آپ کو اُن جھگڑا کرنے والوں کی خبر پہنچی ہے کہ جب وہ عبادت گاہ کی دیوار پھاند کر ۲۱ داؤد کے پاس گھس آئے تو وہ ان کی طرف سے گھبرا گئے، ان لوگوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں، ہم دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے، نا انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھا راستہ بتا دیجئے، ۲۲ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دُنیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دُنیا ہے، اب یہ کہتا ہے: وہ بھی مجھے دے دو اور بات چیت میں مجھے دبا دیتا ہے، ۲۳ داؤد نے کہا: یہ اپنی دُنویوں کے ساتھ تمہاری دُنیا کا مطالبہ کر کے واقعی تم پر زیادتی کر رہا ہے اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک عمل کیا، اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں، اور داؤد سمجھ گیا کہ ہم نے اُس کو آزمایا ہے؛ چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی کی درخواست کی، سجدہ میں گر پڑا اور توبہ کی۔ ۲۴

← وہیں خاص طور پر اس بات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے بندے تھے، یعنی طاقت و قوت کی بنا پر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے اندر خدائی طاقت رکھتے تھے، بہر حال وہ اپنی تمام تر طاقت و قوت اور آگے جن خصوصیتوں کا ذکر آ رہا ہے، ان خصوصیتوں کے باوجود تھے اللہ کے بندے ہی۔

﴿۱﴾ حضرت داؤد ؑ کے ساتھ پرندے اور پہاڑ بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے، یہ مضمون سورہ سبا: ۱۰-۱۱ میں بھی آچکا ہے، وہاں اس کی تشریح دیکھی جاسکتی ہے۔

فَخَفَرْنَا لَهُ ذُلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ﴿۵۱﴾ يٰدَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَظْلُمُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۵۲﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿۵۳﴾

پھر ہم نے اس سے اس کی یہ غلطی معاف کر دی اور بے شک ہمارے پاس اُس کا بڑا مرتبہ اور اچھا ٹھکانہ ہے، ﴿۵۱﴾ اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر حاکم بنایا ہے، اس لئے آپ لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ یہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے؛ کیوں کہ انھوں نے حساب و کتاب کے دن کو بھلا دیا تھا، ﴿۵۲﴾ اور ہم نے آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو بغیر کسی مقصد کے پیدا نہیں کیا ہے، یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جو ایمان نہیں رکھتے، پس جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کے لئے بڑی بربادی یعنی دوزخ ہے۔ ﴿۵۳﴾

﴿۱﴾ حضرت داؤد ؑ کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بھی بنایا تھا، اس لئے لوگ ان کے پاس اپنے آپسی اختلافات لے کر آتے تھے اور آپ انصاف اور خوش اُسلوبی کے ساتھ ان کے فیصلہ کیا کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت داؤد ؑ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان لیا گیا اور وہ یہ کہ دو شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس پہنچ گئے، غالباً یہ فرشتے تھے جو انسانی شکل میں آئے تھے، بظاہر ان دیواروں کو پھاند کر ان تک پہنچنا آسان نہیں تھا؛ اس لئے حضرت داؤد ؑ کو ان پر حیرت ہوئی؛ لیکن آنے والوں نے انھیں اطمینان دلایا کہ آپ گھبراہٹیں نہیں، ہم کسی اور غرض سے نہیں آئے ہیں، ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ہمارے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے، آپ اس کا فیصلہ فرما دیجئے اور وہ جھگڑا یہ ہے کہ ہمارے اس ساتھی کے پاس ننانوے بکریاں موجود ہیں، میرے پاس صرف ایک ہے، یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بکری بھی زور زبردستی سے لے لے، حضرت داؤد ؑ نے فرمایا یہ تو یقیناً ظلم و زیادتی کی بات ہے، حضرت داؤد ؑ نے فیصلہ تو کر دیا؛ لیکن فوراً ہی آپ کو تنبیہ ہوا کہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا امتحان ہوا ہے، اور وہ امتحان یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں اس بات کی اجازت تھی کہ اگر کسی شخص کو دوسرے کی بیوی پسند ہو تو وہ اس کے شوہر سے یہ معاملہ طے کر لے کہ شوہر اس کو طلاق دیدے اور یہ اس کی بیوی سے نکاح کر لے؛ چنانچہ حضرت داؤد ؑ کی فوج کے ایک سپاہی ”اوریا“ نام کے تھے، حضرت داؤد ؑ نے ان سے یہی معاملہ طے کیا تھا، اور یا نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، حضرت داؤد ؑ ان سے نکاح کر لیا اور اسی نکاح سے حضرت سلیمان ؑ پیدا ہوئے، یہ عمل اگرچہ بنی اسرائیل کی شریعت میں جائز تھا؛ اس لئے حضرت داؤد ؑ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا؛ البتہ پیغمبر ہونے کی حیثیت سے یہ بات آپ کے شایانِ شان نہیں تھی؛ اس لئے ایک امتحان لے کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ فرما دیا — یہی اس آیت کی صحیح تفسیر ہے، جو حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ ←

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِ إِذِ انزَلْنَا إِلَيْكَ مَبْرُوكًا لِّيدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَوَهَبْنَا لِذَاوُدَ سُلَيْمِينَ نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشيِّ الصَّفْصَفُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۖ حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، کیا ہم ان کو ان لوگوں کی طرح کر دیں جو زمین میں فساد مچائے پھرتے ہیں، یا ہم برائی سے بچنے والوں کو بدکاروں کی طرح کر دیں؟ ﴿۲۸﴾ (یہ) ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے آپ کی طرف اس لئے اتارا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور سمجھدار لوگ نصیحت حاصل کریں، ﴿۲۹﴾ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا، وہ کیا ہی اچھا بندہ تھا، وہ اللہ سے خوب لو لگانے والا تھا، ﴿۳۰﴾ جب اس کے سامنے شام کے وقت عمدہ تیز دوڑنے والے گھوڑے پیش کئے گئے، ﴿۳۱﴾ تو وہ کہنے لگے: میں نے اپنے پروردگار کے ذکر کے مقابلہ مال کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا (یعنی ڈوب گیا) ﴿۳۲﴾ (سلیمان نے کہا: ان گھوڑوں کو میرے پاس واپس لاؤ؛ چنانچہ وہ پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ ﴿۳۳﴾)

← جیسے اکابر صحابہ سے منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۱۰/۱۵) اس کے علاوہ جو باتیں نقل کی جاتی ہیں کہ انھوں نے کسی سپاہی کو جنگ کے اگلے محاذ پر بھیج کر مروادیا؛ تاکہ وہ اس کی بیوی سے شادی کر لیں، یہ سب غیر معتبر یہودی روایتیں ہیں۔

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے بعض خاص حالات کے علاوہ ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں، اچھوں اور بُروں کے ساتھ ایک ہی سلوک رکھا ہے، سورج ہر گھر کو روشن کرتا ہے، ہوا ہر شخص کو آکسیجن مہیا کرتی ہے، بادل ہر کھیت کو سیراب کرتا ہے، مصیبتیں اور بیماریاں بھی ہر شخص پر آتی ہیں، نہ نعمتوں کے حاصل ہونے میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق ہے اور نہ مصیبتوں کے آنے میں؛ لیکن آخرت کا نظام یہ نہیں ہوگا کہ اچھوں اور بُروں کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک کیا جائے؛ کیوں کہ ہم نے دنیا کو بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے؛ اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے عمل کا امتحان لیا جائے کہ کون نیکی پر قائم رہتا ہے اور کون برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے؟ تو اگر اس امتحان کے بعد اچھا عمل کرنے والے کو کوئی انعام نہیں دیا جائے اور بُرا کام کرنے والے کو کوئی سزا نہ دی جائے تو پھر اس لمبی چوڑی کائنات کو بنانے اور اس کو انسانوں سے بسانے کا کیا فائدہ ہوا؟

﴿۲﴾ گذشتہ زمانے میں سفر اور بالخصوص جنگ کے لئے سب سے بہتر سواری گھوڑے کی ہوا کرتی تھی؛ اسی لئے حکومتیں خاص طور پر گھوڑوں کی افزائش پر توجہ دیتی تھیں، حضرت سلیمان ؑ جو اپنے عہد کے بڑے فرمانروا بھی تھے، ان کے پاس بھی بڑی تعداد میں گھوڑے تھے، جو جنگ میں کام آتے تھے، ایک بار آپ نے معانہ کے لئے ان گھوڑوں کو طلب کیا، اور ان کا معانہ کرنے لگے، اگرچہ آپ نے دو پہر میں یہ کارروائی شروع کی؛ لیکن گھوڑوں کی کثرت کی وجہ سے اتنا وقت لگ گیا کہ سورج غروب ہو گیا ←

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے سلیمان کو بھی آزمایا اور اس کی کرسی پر ایک دھڑال دیا، پھر سلیمان (میری طرف) رجوع ہوئے، ﴿۳۴﴾ اس نے دعا کی: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دیجئے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرمائے جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو، یقیناً آپ بڑے داتا ہیں۔ ﴿۳۵﴾

← اور عصر کی نماز ادا کرنا بھول گئے، جب حضرت سلیمان ؑ کو اس کا احساس ہوا تو بڑا پچھتاوا ہوا اور انھوں نے اس کی تلافی کے طور پر ان گھوڑوں کی قربانی کر دی، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۲۸) علامہ ابن کثیر ؒ نے لکھا ہے کہ جمہور نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۲) — یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ چوک تو حضرت سلیمان ؑ سے ہوئی، خواہ خواہ گھوڑوں کو تہ تیغ کر دیا گیا اور اس طرح مال کا ضیاع بھی ہوا؛ کیوں کہ اول تو نبی کا ہر عمل حکم الہی کے تابع ہوتا ہے؛ اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ حکم دیا ہوگا اور جو عمل اللہ کے حکم سے کیا جائے، وہ گناہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دوسرے: آپ کا جانور ذبح کرنا قربانی اور صدقہ کے طور پر تھا اور اس کا گوشت صدقہ کیا گیا ہوگا، تو قربانی اور صدقہ بھی تو ایک عبادت ہے؛ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنی اس چوک کی تلافی کے لئے اُن دو عبادتوں کو انجام دیا؛ کیوں کہ اگر شریعت کے احکام پر غور کیا جائے تو یہ دونوں عبادتیں — قربانی اور صدقہ — گناہ کی تلافی اور غلطی کا کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اسی لئے بہت سے گناہوں کے کفارہ کے طور پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لئے حج میں ہونے والی غلطیوں کی تلافی کے لئے بطور جنایت قربانی واجب قرار دی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اس آیت کی یہی تفسیر ہے جو عام طور پر مفسرین نے کی ہے، دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ حضرت داؤد ؑ نے جہاد کے لئے بہت سارے گھوڑے پال رکھے تھے، اور غالباً کبھی کبھی ان کا معائنہ بھی کرتے رہتے تھے؛ چنانچہ ایک جہاد کے موقع پر آپ نے ان گھوڑوں کو پیش کرنے کا حکم دیا، گھوڑے لائے گئے اور آپ کے سامنے ان کی پریڈ کرائی گئی، فطری طور پر عمدہ اور اچھے گھوڑوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر آپ کو مسرت ہوئی، یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ یہ مسرت اسی نوعیت کی ہے، جو ایک شخص کو اپنی دولت اور اسباب دنیا کو دیکھ کر ہوتی ہے، اس خیال کو دور کرنے کے لئے آپ نے فرمایا کہ میری ان مالوں سے محبت، مال کی حرص و لالچ کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی کی وجہ سے ہے، یعنی جہاد کی غرض سے مجھے یہ بھلے لگتے ہیں، جب سارے گھوڑے گزر گئے اور آپ کی نظر سے اوجھل ہو گئے تو فطر شوق میں اور مزید جائزہ لینے کی غرض سے آپ نے دوبارہ انھیں بلایا اور محبت کے ساتھ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو تھپ تھپانے لگے، جیسا کہ عام طور پر جانوروں کے پالنے والے انہماک و شفقت کے لئے اپنے جانوروں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، اس تشریح کی صورت میں آیت نمبر: ۳۲ اور ۳۳ کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ”تو وہ کہنے لگے: میں نے مال سے محبت اپنے رب کی یاد وجہ سے کی، یہاں تک کہ جب یہ گھوڑے نظر سے اوجھل ہو گئے تو کہا: ان کو میرے پاس واپس لاؤ، پھر پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے،“ امام رازی کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی ایسی تشریح ہے کہ جس میں انبیاء کی عظمت کا پورا لحاظ ہے اور جو پہلی تفسیر ذکر کی گئی ہے، اس کے لحاظ سے بہر حال حضرت سلیمان ؑ کی طرف غلطی کی نسبت کرنی پڑتی ہے۔ (خلاصہ از: مفاتیح الغیب: ۲۵/۳۲۷)

﴿﴾ اللہ تعالیٰ انبیاء کا بھی امتحان لیا کرتے تھے اور اب بھی نیک بندوں کی آزمائش کی جاتی ہے؛ چنانچہ یہاں حضرت سلیمان ؑ کی ←

← ایک آزمائش کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کرسی پر ایک دھڑال دیا، اس سے حضرت سلیمان ؑ کو تنبیہ ہوا اور انھوں نے توبہ واستغفار کیا؛ لیکن دھڑالنے سے کیا مراد ہے؟ نہ قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے اور نہ کہیں حدیث میں؛ اس لئے علامہ ابن کثیر ؒ اور بعض دیگر اہل علم نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ جو بات قرآن مجید نے کہی ہے، اس پر یقین رکھا جائے اور اس کی تفسیر و وضاحت میں جانے سے بچا جائے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۴) علماء ہند میں مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی نے بھی قصص القرآن میں یہی نقطہ نظر اختیار کیا ہے، (قصص القرآن: ۱۲/۲) بائبل میں چوں کہ حضرت سلیمان ؑ کو ایک دنیا دار بادشاہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے؛ اس لئے بہت سی ایسی باتیں آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جو ہرگز کسی پیغمبر کے شایان شان نہیں ہیں؛ البتہ علماء اسلام نے اس سلسلہ میں دو نقطہ نظر اختیار کیا ہے، ایک یہ کہ حضرت سلیمان ؑ سخت بیمار ہوئے اور اتنے نحیف و کمزور ہو گئے کہ ایک احساسِ وقت سے محروم جسم کی طرح وہ کرسی پر پڑے رہتے، یہاں تک کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور اس دُعا کے اثر سے پھر ان کی صحت بحال ہو گئی، یہ بات نبی کی شان کے خلاف نظر نہیں آتی، امام رازی ؒ نے اس آیت کا یہی مطلب مراد لیا ہے، (مفتاح الغیب: ۱۲/۳۳۰-۳۳۱) دوسرا مطلب وہ بیان کیا گیا ہے جس کو بعض دیگر مفسرین نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت سلیمان ؑ نے ایک دن ارادہ کیا کہ آج کی شب وہ اپنی ستر بیویوں سے میاں بیوی کا تعلق قائم کریں گے کہ ہر ایک سے ایک مجاہد پیدا ہو، اس موقع پر وہ انشاء اللہ کہنا بھول گئے؛ چنانچہ صرف ایک بیوی کو حمل ٹھہرا اور ان سے بھی ناقص بچہ پیدا ہوا، یہاں تک کی بات تو حدیث میں آئی ہے، (ترمذی، کتاب النذور، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین، حدیث نمبر: ۱۵۳۲) آگے مفسرین نے اپنے اجتہاد سے اس واقعہ کو اس آیت کے ساتھ جوڑا ہے کہ وہ ناقص بچہ حضرت سلیمان ؑ کے تخت شناسی پر لا کر رکھ دیا گیا، اس صورتحال کو دیکھ کر انھیں اپنی لغزش کا احساس ہوا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا، (دیکھئے: البحر المحیط: ۷/۳۹۷) — اُردو کے بعض مفسرین نے اس تفسیر کو اس لئے ناقابل قبول سمجھا ہے کہ ایک مرد کا ایک ہی رات میں ستر عورتوں سے ہم آغوش ہونا ناقابل فہم ہے؛ لیکن یہ بات اس لئے درست نہیں کہ حضرت سلیمان ؑ کے ساتھ یہی ایک تعجب انگیز بات پیش نہیں آئی؛ بلکہ قرآن نے آپ کے جو معجزات ذکر کئے ہیں، وہ سبھی عقل انسانی سے ماوراء ہیں، جیسے: پرندوں کی آواز کا سننا، ہواؤں کا آپ کے حکم سے چلنا وغیرہ، تو اگر اس سلسلہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ عطا کیا گیا ہو تو کیوں کر اس کا انکار کیا جائے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ ؑ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے والے ایک مرد کو سو مردوں کی قوت دی جائے گی؛ اس لئے صرف خلافِ عادت ہونے کی وجہ سے اس کا انکار درست نظر نہیں آتا؛ البتہ اس واقعہ کا اس آیت سے متعلق ہونا نہ قرآن میں مذکور ہے اور نہ حدیث میں، اس لئے اس کو قیاس و اندازہ تو کہا جاسکتا ہے، آیت کی تفسیر نہیں کہا جاسکتا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت سلیمان ؑ سے کوئی لغزش ہوئی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہوئی اور انبیاء کی شان کے مطابق آپ نے فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا، یہ لغزش وہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس کا بائبل میں ذکر آیا ہے کہ آپ نے آئندہ اپنے بیٹے زُجعا کو حکمرانی سونپنی چاہی، جو قطعاً اس کی لیاقت نہیں رکھتا تھا، اس کو کرسی اقتدار پر بٹھانا گویا ایک جسم کو کرسی پر ڈال دینا تھا، پھر جب حضرت سلیمان ؑ کو اس پر متنبہ ہوا تو آپ نے زُجوع کر لیا اور اپنے بیٹے کے حق میں حکمرانی کی وصیت نہیں کی، (تفہیم القرآن: ۳۳۸/۴) لیکن یہ بھی قیاس و اندازہ ہی پر مبنی ہے۔



فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيْطَانُ كُلُّ بَنَائٍ  
وَعَوَاصٍ ۝ وَآخِرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ  
حِسَابٍ ۝ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ وَادْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي  
مَسْنُونٌ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝ أَرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۝ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝  
وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝

چنانچہ ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا کہ وہ سلیمان کے حکم سے — وہ جہاں پہنچنا چاہتے — آہستہ آہستہ چلا  
کرتی، ۱ اور جنات کو بھی تابع کر دیا، سب کے سب عمارت بنانے والوں اور غوطہ خوروں کو ۲ اور دوسرے  
جناتوں کو بھی جو بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے، ۳ (ہم نے ان سے کہا:) یہ ہمارا عطیہ ہے، اب تم (اس کے  
ذریعہ دوسروں پر) احسان کرو یا خود رکھ لو، کوئی حساب و کتاب نہیں، ۴ اور یقیناً سلیمان کا ہمارے یہاں  
بہترین درجہ اور بڑا ٹھکانہ ہے، ۵ اور ہمارے بندے ایوب کو بھی یاد کیجئے، جب اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ  
شیطان نے مجھ کو رنج اور تکلیف پہنچائی ہے، ۶ (میں نے حکم دیا:) اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے  
اور پینے کے لئے بھی، ۷ اور ہم نے اپنی رحمت سے اور سمجھ دار لوگوں کی عبرت کے لئے ان کو ان کے گھر والے  
اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی عطا فرمادیئے۔ ۸

۱) حضرت سلیمان ؑ نے جو یہ دُعا کی کہ ان کو ایسی حکومت دی جائے جو کسی اور کو میسر نہ ہو، وہ اس طرح قبول ہوئی کہ نہ صرف  
دنیا کے ایک بڑے معلوم خطہ پر ان کی حکومت قائم ہوگئی؛ بلکہ شیطان اور جن بھی ان کے سامنے جھک گئے اور ہواؤں کو بھی ان  
کے فرمان کے تابع کر دیا گیا — یہاں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ حضرت سلیمان ؑ کے حکم سے ہوائیں آہستہ آہستہ چلا کرتی تھیں،  
اس کا مطلب یہ ہے کہ نرمی کے ساتھ چلتی تھیں، ہچکولے کھانے کی نوبت نہیں آتی تھی، سورہ انبیاء میں ہے کہ تیز و تند ہوا حضرت  
سلیمان ؑ کے تابع تھی (آیت نمبر: ۸۱) اب ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھئے تو مطلب یہ ہوا کہ ہوا کی رفتار تو تیز ہوتی تھی؛ لیکن  
ایسی کیفیت نہ ہوتی تھی جس میں انسان دائیں بائیں اوپر نیچے ہوتا رہے اور انسان کے لئے تکلیف دہ ہو جائے۔

۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان ؑ کو مال و دولت، سلطنت و حکومت، جنات و ہواؤں پر تو قدرت عطا فرمائی ہی تھی؛ لیکن  
مزید انعام یہ فرمایا گیا کہ آپ کو ان نعمتوں کے بارے میں کسی خاص حکم کا پابند نہیں بنایا گیا تھا؛ بلکہ انھیں پورا اختیار دیا گیا کہ وہ  
اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، جو چاہیں خود لیں اور جو چاہیں دوسروں کو دیں، جن جناتوں کو قید کرنا چاہیں، ان کو قید کریں  
اور جن کو رہا کرنا چاہیں، ان کو رہا کر دیں۔

وَحُذِّبِيكَ ضِعْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنُثْ إِنَّكَ وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نُعَمِّ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۳۸﴾

اور (ہم نے حکم دیا کہ) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لو اور اس سے (اپنی بیوی کو) مار لو اور قسم نہ توڑو، ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا، وہ کیا ہی اچھا بندہ تھا، بے شک وہ بڑا لوگاہنے والا تھا۔ ﴿۳۸﴾

﴿۱﴾ انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک اہم شخصیت حضرت ایوب ؑ کی ہے، بائبل کے بیان کے مطابق وہ ”عوض“ نامی جگہ کے رہنے والے تھے، (ایوب: ۱:۱۰) جو عرب کے حدود سے متصل فلسطین کے مشرقی حصہ پر واقع ہے، (تفسیر ماجدی: ۸۲/۶) جیسے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آزمائش کیا کرتے ہیں، اسی طرح آپ کی بھی آزمائش کی گئی اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ سخت بیماری سے دوچار کئے گئے، جیسا کہ سورہ انبیاء میں حضرت ایوب ؑ کی دُعا نقل کی گئی ہے: ”أُني مَسْنِي الضَّرَّ“ (الانبیاء: ۸۳) یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب ؑ کی فریاد نقل کی ہے کہ شیطان نے مجھ کو رنج و تکلیف پہنچائی ہے، بائبل کے بیان کے مطابق تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے ان کو مبتلا مصیبت کرنے کی اجازت چاہی اور اللہ تعالیٰ ہی کی اجازت سے اس نے یہ حرکت کی، اسی لئے آپ نے شیطان کے تکلیف پہنچانے کا ذکر کیا؛ لیکن آگے کی آیات کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت بیماری میں مبتلا کیا اور سالہا سال وہ اس بیماری سے دوچار رہے، جس کی مدت ۱۳ سال سے ۱۸ سال تک کی ذکر کی گئی ہے، مصیبت کے ان اوقات میں رشتہ داروں میں صرف بیوی نے وفاداری کا حق ادا کیا، جن کا نام ”لیا“ تھا اور وہ حضرت یعقوب ؑ کی بیٹی تھیں، یا ”رحمت“ اور وہ حضرت یوسف ؑ کی پوتی تھیں، حضرت ایوب ؑ کی مصیبت کو دیکھ دیکھ کر بیوی کی زبان سے غالباً کوئی ایسی بات نکل آئی جو اس صبر و قناعت سے میل نہیں کھاتی تھی، حضرت ایوب ؑ جس کا عملی نمونہ تھے، اس سے حضرت ایوب ؑ کو اور رنج پہنچا اور یہ روحانی تکلیف جسمانی تکلیف سے بھی بڑھ گئی، اس صورت حال سے بے چین ہو کر حضرت ایوب ؑ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے رنج و تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے اور آپ ہی اس کا مداوا فرما سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی آزمائش پوری کر لی تھی اور حضرت ایوب ؑ کا جذبہ صبر و استقامت سامنے آچکا تھا؛ چنانچہ امتحان ختم ہوا اور رحمت خداوندی متوجہ ہوئی، حضرت ایوب ؑ کو حکم ہوا کہ آپ فلاں چشمہ میں غسل کریں اور پانی پیئیں، یا تو یہ ایک ہی چشمہ تھا، یا یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل کا حکم دیا گیا تھا اور ایک سے پینے کا، بائبل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو چشمے تھے، غسل کرنے کی وجہ سے جو بیماریاں تھیں، ان سے شفا یاب ہو گئے، پانی کے بعض ایسے چشمے ہوتے ہیں، جن کی تہہ میں گندھک اور معدنیات ہوتی ہیں اور اگر ان کے پانی سے غسل کیا جائے تو چڑے کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں، اب بھی گندھک کے ایسے گرم چشمے ملتے ہیں، جہاں ایسے مریضوں کو غسل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، عجب نہیں کہ اسی قسم کا چشمہ رہا ہو، جس میں آپ کو غسل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، حضرت ایوب ؑ کے اس واقعہ کے ذکر کا مقصد ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی تسلی ہے کہ آپ تکلیف و مصیبت کی جس گھڑی سے گزر رہے ہیں، پچھلے انبیاء بھی اس سے دوچار ہو چکے ہیں؛ اس لئے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے، دوسری طرف مسلمانوں کو تلقین ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور اس امتحان پر اللہ سے شکوہ نہ کریں۔

بائبل میں حضرت ایوب ؑ کے نام سے مستقل ایک صحیفہ ہے، اور اس میں آپ کی علالت کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ←

← گویا آپ بہت ہی قابل نفرت بیماری میں مبتلا تھے اور آپ کے جسم مبارک سے لعن اٹھتا تھا، مگر مفسرین نے عام طور پر ان باتوں کو غلط اور غیر معتبر قرار دیا ہے؛ کیوں کہ انبیاء کی ایسی بیماریوں سے حفاظت کی جاتی ہے؛ اس لئے کہ ان کے پاس لوگوں کی آمد و رفت مطلوب ہوتی ہے؛ البتہ یہ بات ممکن ہے کہ کوئی تکلیف دہ بیماری ہوئی ہو اور بیماری کے سلسلہ کے دراز ہو جانے کی وجہ سے رشتہ داروں اور دوستوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہو، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی تو بچھڑے ہو گئے لوگ بھی واپس آ گئے، آل و اولاد میں بھی اضافہ ہوا، اسی کے متعلق فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو ان کے گھر والے اور ساتھ ساتھ ان کے برابر اور بھی لوگ عطا کر دیئے۔

مصیبت کی ان گھڑیوں میں جب بیوی کی زبان کھلی اور شکایت کی کوئی بات نکل گئی تو حضرت ایوب ؑ نے غصہ میں فرما دیا کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے صحت دیں گے تو میں تم کو سو فحشیاں ماروں گا، اب جب اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی تو ایک طرف وہ بیوی سامنے تھی، جو محبت و وفا کا پیکر اور مشکل وقت کی رفیق و غمگسار تھی، اور دوسری طرف اس کو مارنے کی قسم، تو اللہ تعالیٰ نے خود یہ تدبیر بتائی کہ سو فحشیوں کا ایک مٹھا ہاتھ میں لو اور ایک دفعہ اپنی بیوی کو مار دو، اس طرح ہلکی سی چوٹ لگے گی، وہ تکلیف نہ پہنچے گی، جو سو بار مارنے سے پہنچتی اور قسم بھی پوری ہو جائے گی؛ چنانچہ حضرت ایوب ؑ نے اسی پر عمل کیا — بابل اور تفسیر کی مختلف کتابوں میں اس واقعہ کے بارے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۳۸)

حضرت ایوب ؑ کے اس واقعہ میں عبرت و نصیحت کی کئی باتیں جمع ہیں، اول یہ کہ اللہ کی نعمتوں کو پا کر اللہ کا شکر گزار رہنا نسبتاً آسان ہوتا ہے؛ لیکن مصیبتوں میں رہتے ہوئے زبان پر کوئی حرف شکایت نہ آئے اور صبر کا پیمانہ لہریز نہ ہو جائے، یہ بات بہت دشوار ہوتی ہے، اللہ کے نیک بندوں کی شان یہی ہے کہ وہ اس حال میں بھی اللہ کے فیصلہ پر راضی رہیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، دوسرے: اگر کوئی شخص ایسی مصیبتوں سے پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس کے دُور کرنے کی دُعا کرے تو یہ تقویٰ کے خلاف نہیں اور نہ یہ بے صبری ہے، بے صبری یہ ہے کہ وہ دُعا کرنے کے بجائے اللہ سے شکوہ کرنے لگے، تیسرے: نیک، صالح اور شوہر کی حق شناس بیوی کا کردار یہی ہے کہ وہ آرام کے ساتھ تکلیف میں بھی اور خوشحالی کے ساتھ تنگ دستی میں بھی اپنے شوہر کی وفادار بن کر رہے، چوتھے: ایک مسلمان کو ذاتی رنج کی بنیاد پر تو غصہ نہیں آنا چاہئے اور آئے تو اسے پی جانا چاہئے؛ لیکن دین سے متعلق حکم عدولی پر غصہ آنا چاہئے، جیسا کہ حضرت ایوب ؑ کو اپنی بیوی سے ناراضگی ہوئی، پانچویں: اگر آدمی کسی ایسی بات کی قسم کھالے، جو مناسب نہ ہو، یا جو مصیبت و نافرمانی کی ہو، تو قسم توڑ لینی چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور اگر اس قسم کو پوری کر سکے تو قسم پوری کرنی چاہئے، جیسا کہ حضرت ایوب ؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، چھٹے: اگر حیلہ حرام سے بچنے یا ظلم سے بچنے یا بچانے کے لئے کیا جائے تو یہ جائز ہے؛ چوں کہ حضرت ایوب ؑ کی زوجہ مطہرہ اس سزا کی مستحق نہیں تھیں اور حضرت ایوب ؑ نے محض جوش حق میں قسم کھالی تھی؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا، ہاں اگر حیلہ کا مقصد شریعت کے کسی فریضہ سے بچنا ہو، مثلاً کسی شخص کے پاس زکوٰۃ واجب ہونے کے بقدر مال ہو اور وہ چھ ماہ کے بعد اپنی بیوی کو ہبہ کر دے؛ تاکہ سال گزرنے نہ پائے اور زکوٰۃ واجب نہ ہو تو یہ جائز نہیں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے (ہندیہ: ۲/۳۹۱) — اسی سے ایک مسئلہ یہ متعلق ہے کہ اگر کوئی شخص سود دفعہ مارنے کی قسم کھائے اور وہ ایک دفعہ اس طرح کی سوکڑیاں ہاتھ میں ←

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لِّإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۖ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۖ وَآتَاهُمُ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۖ وَإِذْ كُنَّا نَبِيًّا لِّسَمْعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۖ وَذَا الْكَفْلِ ۖ وَكُلُّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۖ

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو بھی یاد کیجئے، جو قوت اور بصیرت والے تھے، ﴿۱﴾ ہم نے ان کو ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے لئے منتخب فرمایا تھا، ﴿۲﴾ اور یہ سب ہمارے یہاں منتخب اور نیک لوگوں میں تھے، ﴿۳﴾ نیز آپ اسماعیل، یسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے، یہ سب کے سب بھی نیک لوگوں میں تھے۔ ﴿۴﴾

← لے کر اس شخص کو مارے تو کیا قسم پوری ہو جائے گی؟ فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ جن شخص کے بارے میں قسم کھائی تھی، اگر وہ اس درجہ مریض ہے کہ ایسی مار برداشت نہیں کر سکتا تو اس سے قسم پوری ہو جائے گی، (دیکھئے: احکام القرآن للخصاص: ۴/۳۸۲) یہی نقطہ نظر امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت سہل بن حنیفؒ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک شخص پر بطور سزا سو کوڑے لگانے کی نوبت آگئی؛ لیکن وہ ایسے مریض اور کمزور تھے کہ یہ ظاہر وہ اس سزا کو برداشت کرنے کے لائق نہیں تھے تو آپؐ نے فرمایا ایک ایسی ٹہنی لوجس میں سو چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں اور اس سے ایک دفعہ مار دو۔ (ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی إقامة الحد علی المریض، حدیث نمبر: ۴۵۷۵)

﴿۱﴾ اس کا اصل ترجمہ تو ہے: ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے؛ لیکن ہاتھ سے مراد قوت ہے اور آنکھ سے مراد دینی و علمی بصیرت ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۱۷) اور عربی زبان میں یہ الفاظ ان معنوں کے لئے استعمال ہوا کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ اس آیت میں حضرت اسماعیلؑ، حضرت یسعؑ اور حضرت ذوالکفلؑ کا نام آیا ہے، یہ سب اپنے اپنے وقت میں اللہ کے پیغمبر تھے، حضرت اسماعیلؑ وہ عظیم الشان پیغمبر ہیں، جن کی نسل میں رسول اللہؐ پیدا ہوئے، قرآن مجید میں متعدد مواقع پر اس کا ذکر آیا ہے اور بہت ساری حدیثیں بھی ان کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں؛ لیکن حضرت یسعؑ اور حضرت ذوالکفلؑ کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے، اور ان میں بھی صرف ان کا تذکرہ ہی ہے، نہ ان کے حالات کی تفصیل ہے اور نہ ان سے متعلق کوئی واقعہ ہے؛ البتہ بائبل اور تاریخ کی کتابوں میں ان کے تذکرے آئے ہیں، مفسرین کا خیال ہے کہ تورات میں جو یسعیاہ نبی کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد حضرت یسعؑ ہی ہیں، یہ حضرت یوسفؑ کی نسل سے تھے اور یہ بنی اسرائیل کے ایک اور پیغمبر حضرت الیاسؑ کے خلیفہ اور جانشین تھے، ان کے علاوہ کوئی زیادہ تفصیل ان کے حالات کی نہیں ملتی، سورہ انعام آیت نمبر: ۸۵ میں بھی آپ کا ذکر خیر آیا ہے — حضرت ذوالکفلؑ کا ذکر یہاں کے علاوہ سورہ انبیاء آیت نمبر: ۸۵ میں بھی ہے، حضرت ذوالکفلؑ کے حالات و واقعات کی کوئی تفصیل نہیں ملتی؛ بلکہ خود تورات میں بھی اس نام سے کسی پیغمبر کا ذکر نہیں ملتا، علماء ہند میں بعض نے حضرت ذوالکفلؑ کو حضرت ایوبؑ کا صاحبزادہ قرار دیا ہے، بعض کے نزدیک اس سے حضرت حزقیلؑ مراد ہیں اور بعض نے ذوالکفلؑ کو کپل دیو کا ہم معنی قرار دیتے ہوئے گوتم بدھؑ مراد لیا ہے؛ کیوں کہ ان کے دارالسلطنت کا نام کپل تھا، مگر ان باتوں پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بس اتنا یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ کے پیغمبروں اور نیک بندوں میں ایک آپ کی شخصیت بھی تھی۔

هَذَا ذِكْرٌ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٢٨﴾ جَنَّاتٍ عَدْنٍ مُّفْتَحَةً لَهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٢٩﴾ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿٣٠﴾ وَعِنْدَهُمْ قُصِرَتُ الظَّرْفُ أَثْرَابٌ ﴿٣١﴾ هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٣٢﴾ إِنَّ هَذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ ﴿٣٣﴾ هَذَا وَإِنَّ لِلطَّغْيِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٣٤﴾ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْبِهَادُ ﴿٣٥﴾ هَذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَبِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿٣٦﴾ وَآخِرُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٣٧﴾ هَذَا فَوْجٌ مُقْتَحِمٌ مَعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٣٨﴾ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدْ مُتُّوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٣٩﴾ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضَعْفًا فِي النَّارِ ﴿٤٠﴾ وَ قَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ﴿٤١﴾ أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾

یہ ایک نصیحت ہے اور یقیناً نافرمانی سے بچنے والوں کے لئے بہترین ٹھکانہ ہے، ﴿۲۸﴾ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، جن کے دروازے ان کے لئے کھلے رہیں گے، ﴿۲۹﴾ وہ ان باغات میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے، ﴿۳۰﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ہم عمر بیویاں بھی ہوں گی، ﴿۳۱﴾ یہ وہ چیز ہے جس کا روزِ حساب کے لئے تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، ﴿۳۲﴾ یہ ہماری دی ہوئی روزی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی، ﴿۳۳﴾ (ان سے کہا جائے گا: یہ تو (جنت والوں کا) حال ہے اور (دوسری طرف) سرکشی کرنے والوں (یعنی کافروں کے سرداروں) کے لئے برا ٹھکانہ ہے، ﴿۳۴﴾ یعنی دوزخ، جس میں وہ داخل ہوں گے، تو وہ کیا ہی بُری جگہ ہے! ﴿۳۵﴾ (ان سے کہا جائے گا: یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے، تو دوزخ میں داخل ہونے والے اسے چکھیں، ﴿۳۶﴾ اور بھی اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں ہیں، ﴿۳۷﴾ (دوزخ میں موجود سردار لوگ کہیں گے: یہ ایک اور جماعت تمہارے ساتھ داخل ہونے جا رہی ہے، اُن کو بھی خوشی نصیب نہ ہو، یہ بھی دوزخ ہی میں آ رہے ہیں، ﴿۳۸﴾ وہ (آنے والے) کہیں گے: بلکہ تم کو خوشی نصیب نہ ہو، تم ہی تو ہمارے سامنے یہ مصیبت لائے ہو تو یہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے! ﴿۳۹﴾ وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! جو یہ مصیبت ہمارے سامنے لایا ہے، اس کو دوزخ میں دو ہر اعداب دیجئے، ﴿۴۰﴾ اور دوزخی کہیں گے: کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم بُرے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے؟ ﴿۴۱﴾ کیا ہم نے ان کی (یونہی) ہنسی اُڑائی تھی یا نگاہیں اُن سے چوک گئی ہیں، (کہ وہ موجود ہیں مگر ہم انہیں دیکھ نہیں پا رہے ہیں؟)۔ ﴿۴۲﴾

﴿۱﴾ جنت میں ہم عمر بیویوں کی خوشخبری دے کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ شوہر و بیوی کی عمر میں بہت زیادہ فرق نہ ہونا چاہئے اور رشتہ کے انتخاب میں عمر کی مناسبت کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

﴿۲۳﴾ إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۖ قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۚ وَمَا مِن إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۖ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿۲۴﴾ قُلْ هُوَ نَبَوُّا عَظِيمٌ ﴿۲۵﴾ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿۲۶﴾ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِاللَّهِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۲۷﴾ إِنَّ يُوحَىٰ إِلَىٰ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۸﴾ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿۲۹﴾ فَاذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿۳۰﴾

یقیناً یہ بات یعنی دوزخ والوں کا آپس میں جھگڑنا سچی بات ہے، ﴿۲۳﴾ آپ کہہ دیجئے: میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو اکیلا اور زبردست ہے، ﴿۲۴﴾ آسمانوں کا، زمین کا اور ان کے درمیان کی چیزوں کا پروردگار ہے، غالب اور بخشنے والا ہے، ﴿۲۵﴾ آپ کہہ دیجئے: کہ یہ ایک بڑی خبر ہے، ﴿۲۶﴾ جس سے تم لوگ منہ پھیرے ہوئے ہو، ﴿۲۷﴾ مجھ کو تو عالم بالا کی کوئی خبر بھی نہیں تھی، جب کہ وہ آپس میں بحث کر رہے تھے، ﴿۲۸﴾ میرے پاس صرف اس لئے وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں، ﴿۲۹﴾ جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان بنانے والا ہوں، ﴿۳۰﴾ جب میں اس کو پورا بنالوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم لوگ اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾

← ﴿۲﴾ یعنی اہل دوزخ خود جس مصیبت میں مبتلا ہوں گے، وہی کچھ کم نہیں ہوگی، پھر ان دوستوں کے ساتھ بحث و تکرار بھی جاری رہے گی، جن سے دنیا میں محبت کا تعلق تھا، پھر ان کو اور زیادہ کوفت اس بات سے ہوگی کہ وہ دنیا میں جن لوگوں کو حقیر اور کمتر سمجھتے تھے اور جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ تو منہ لگائے جانے کے لائق بھی نہیں ہیں، ان کو وہ دوزخ میں نہیں پائیں گے اور انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ یہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرشتوں سے اور شیطان سے جو گفتگو ہوئی، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، اوپر کی دنیا کے ان واقعات کو کوئی انسان خود نہیں جان سکتا تھا، جب تک خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو اس کی خبر نہ دی جائے، یہی بات آپ کے نبی برحق ہونے اور قرآن مجید کے اللہ کی طرف سے اتارے جانے کی دلیل ہے۔

﴿۲﴾ قرآن مجید میں ایک موقع پر سیدنا حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں کہا گیا ہے: ”وَكَلَّمْنَاهُ الْقَهْمَاءَ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ“ (النساء: ۱۷۱) یعنی حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش کا معاملہ صرف اس قدر ہے کہ ان کا پیدا ہونا فرمان الہی کا نتیجہ ہے، جو فرمان حضرت مریم علیہا السلام کی طرف جاری کیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی ہوئی روح ہیں، عیسائی حضرات اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کے بارے میں فرمایا: ”وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي“ جس کے معنی ہیں کہ اس میں میں نے اپنی طرف سے جان ڈال دی، اگر روح کا ←

فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۱﴾ إِلَّا ابْلِيسَ ۖ اسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۲﴾ قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِي ۖ اسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿۳﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿۴﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۵﴾ وَإِنْ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ﴿۶﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿۷﴾

چنانچہ تمام فرشتے ایک ساتھ سجدہ میں گر پڑے، ﴿۱﴾ سوائے ابلیس کے، کہ اس نے تکبر کیا اور وہ انکار کرنے والوں میں سے ہو گیا، ﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روک دیا؟ کیا تمہارے اندر غرور آگیا یا (واقعی) تو بلند مرتبہ والوں میں ہے؟ ﴿۲﴾ ابلیس نے کہا: میں اُس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے، ﴿۳﴾ اللہ نے فرمایا: اچھا، تو یہاں سے نکل جا، تو پھٹکارا ہوا ہے، ﴿۴﴾ اور تم پر قیامت کے دن تک میری پھٹکار رہے گی، ﴿۵﴾ ابلیس نے کہا: مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دیجئے۔ ﴿۶﴾

← مطلب یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ اللہ کے بیٹے ہیں تو پھر اس آیت کی رو سے حضرت آدم ﷺ کو بھی — نعوذ باللہ — اللہ کا بیٹا ماننا پڑے گا؛ حالاں کہ عیسائی بھی اس کے قائل نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے خیال کے مطابق تو حضرت آدم ﷺ نے ایسی غلطی کا ارتکاب کیا، جو ان کی نسل میں پشت در پشت جاری رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بقول اپنے بیٹے کو بھیجا تا کہ وہ گناہ کا کفارہ بن سکے: ”وَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ“۔

﴿۱﴾ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے کسی حکم پر غفلت اور سستی کی وجہ سے عمل نہ کرے تو یہ اگرچہ گناہ ہے؛ لیکن کفر نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص دین کے کسی حکم کا انکار کر جائے اور اس کا سبب اس حکم کو معمولی سمجھنا ہو تو یہ کفر ہے۔

﴿۲﴾ ہاتھوں سے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عام طور پر انسانوں کی پیدائش میں ماں باپ کا واسطہ رکھا ہے؛ لیکن حضرت آدم ﷺ کی پیدائش میں کوئی واسطہ نہیں رکھا گیا ہے؛ بلکہ براہ راست حکم ربانی کے تحت ان کی پیدائش ہوئی ہے۔

﴿۳﴾ یعنی آگ تو نیچے سے اوپر بلندی کی طرف جاتی ہے اور مٹی اوپر سے نیچے پستی کی طرف آتی ہے؛ اس لئے آگ مٹی سے افضل ہے، پس، میں آدم ﷺ سے افضل ہوں، افسوس کہ شیطان اس بات کو نہ سمجھ سکا کہ ایک تو خود آگ کو مٹی سے افضل کہنا قابل غور ہے، مٹی تو آگ کو بجھا دیتی ہے اور اس نے بڑے بڑے آتش فشانوں کو اپنے سینے میں دبا رکھا ہے، دوسرے: جو چیزوں کا مالک ہو، اس کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو جہاں چاہے، رکھ دے، وہ چاہے تو ایک اینٹ سے مسجد کا منبر بنائے اور دوسری اینٹ سے بیت الخلاء کا فرش؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس کو فضیلت عطا فرمائی، وہی افضل ہے۔

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۵۷﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۵۸﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا أُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۹﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ﴿۶۰﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ﴿۶۱﴾ لَا مَلَكَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿۶۳﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۶۴﴾ وَلِتَعْلَمَنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿۶۵﴾

۵۷  
۶۵

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم کو اُس متعین وقت کے دن تک کی مہلت ہے، ﴿۵۷﴾ شیطان کہنے لگا: آپ کی عزت کی قسم! میں آپ کے خاص بندوں کے سوا ان سب کو ضرور گمراہ کر دوں گا، ﴿۶۰﴾ ارشاد ہوا: یہ سچ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں ﴿۵۹﴾ کہ میں تم سے اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے، ان سب سے دوزخ کو بھر کر رکھ دوں گا، ﴿۶۲﴾ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کسی اُجرت کا طلب گار نہیں ہوں اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں، ﴿۶۳﴾ یہ (قرآن) تمام دنیا والوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے، ﴿۶۴﴾ اور کچھ ہی دنوں بعد تم اس کی حقیقت جان لو گے۔ ﴿۶۵﴾

﴿۱﴾ یعنی یوں تو شیطان کا داؤ پیچ ایسا ہے کہ اچھے اچھے لوگ اس کے فریب میں آ جاتے ہیں؛ لیکن جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر ثابت قدم رہتے ہیں، شیطان کی تدبیریں ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔





# سُورَةُ الزُّمَرِ

«سورہ نمبر : (۳۹)

«رکوع : (۸)

«آیتیں : (۷۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی آیت نمبر: ۷۱، ۷۲ میں زمر (زا پر پیش، میم پر زبر) کا لفظ آیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورہ زمر ہے، اس سورہ میں یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ کی زمین کشادہ ہے: ”أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ“ (آیت نمبر: ۱۰) مفسرین کے بیان اور خود آیت کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آیت ہجرت حبشہ کے وقت نازل ہوئی تھی، حبشہ کی طرف پہلی ہجرت بعثت نبوی کے پانچویں سال میں ہوئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسی دور میں آپ ﷺ پر یہ سورہ نازل ہوئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کی دلیل اور قرآن کی صداقت پر کائنات میں پھیلی ہوئی مختلف نشانیوں کی روشنی میں گفتگو فرمائی ہے، اسی ضمن میں انسانی تخلیق کے مراحل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ جن کا مقصود دنیا ہے، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور جن کا مقصود آخرت ہے، ان کو آخرت میں تو کامیابی حاصل ہوگی ہی، کچھ حصہ دنیا میں بھی مل جائے گا، قیامت کے ہولناک منظر کو پیش کیا گیا ہے، جس میں دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پہلے صور پر پوری کائنات فنا ہو کر رہ جائے گی اور دوسرے صور پر سارے لوگ زندہ ہو اٹھیں گے، جنت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ پڑھ کر جنت کا شوق پیدا ہو جائے، اور دوزخ کے ہولناکی کی ایسی تصویر سامنے لائی گئی ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس سورہ کی فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر شب سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۲۰)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۖ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۚ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَنَهُ ۚ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ یہ اللہ تعالیٰ کی اُتاری ہوئی کتاب ہے جو غالب اور حکمت والے ہیں، ۱) ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے، اس لئے آپ اللہ کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کیجئے، ۲) آگاہ رہو کہ عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے دوست بنائے ہیں، (وہ کہتے ہیں:) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کا مقرب بنادیں، تو جن باتوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں، یقیناً اللہ ان کے درمیان اُن کا فیصلہ کر دیں گے، اللہ ان لوگوں کو ہدایت سے نہیں نوازتے جو جھوٹے اور ناشکرے ہوں، ۳) اگر اللہ بیٹا بنانا ہی چاہتے تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتے منتخب کر لیتے (لیکن حقیقت یہ ہے کہ) وہ تو اس سے پاک ہیں، وہی اللہ ہیں، جو اکیلے اور زبردست ہیں۔ ۴) ۱)

﴿﴾ شرک کرنے والی سب قومیں ایک حد تک اس بات کو مانتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہیں؛ لیکن بہت سی دیویوں دیوتاؤں کی یہ کہہ کر پوجا کرتے ہیں کہ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان شخصیتوں کو اللہ کی نزدیکی حاصل ہے؛ اس لئے ہم ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکیں گے، یہی صورت حال زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب کی بھی تھی، وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، فرشتوں کی بھی یہ کہہ کر عبادت کرتے تھے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں تو ان کے ذریعہ ہم اللہ کی نزدیکی حاصل کر سکتے ہیں؛ چنانچہ اس سورہ کے شروع ہی میں اس مضمون کو واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی اصل دعوت یہی ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی جائے، اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ ہو، اللہ کی عبادت کے لئے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں اور نہ اس کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے کسی کو بیچ میں لانے کی حاجت ہے؛ اسی لئے آیت نمبر: ۲ اور ۳ میں دین سے مراد عبادت اور اطاعت و فرمانبرداری ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۳۳/۱۵) اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کی بنیاد اللہ کو ایک ماننا ہے، مشرکین عرب کی اس نامعقول بات پر کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، رد کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ کی ذات تو اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے؛ لیکن اگر اللہ کو اولاد بنانا ہی ہوتا تو وہ فرشتوں کو اپنی بیٹیاں کیوں بناتا؛ حالاں کہ تم لوگ بیٹیوں کو حقیر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتے۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿٥﴾ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَانزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَلَاثِينَ أَزْوَاجٍ ۖ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآَنَىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٦﴾

اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو قابو میں رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا، یاد رکھو، وہی غالب بھی ہے اور بہت درگزر کرنے والا بھی، ﴿٥﴾ اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا، نیز تمہارے لئے آٹھ قسم کے نر و مادہ جو پائے پیدا کئے، ﴿٦﴾ اللہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریکیوں کے اندر ایک شکل کے بعد دوسری شکل میں بناتے جاتے ہیں، یہی اللہ ہیں، جو تمہارے پروردگار ہیں، اسی کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کدھر بہرہ کائے جا رہے ہو؟ ﴿٣﴾ ﴿٦﴾

﴿١﴾ جو چیز لپیٹی جاتی ہے، وہ لپیٹی جانے والی شے پر چھا جاتی ہے، دن و رات کا نظام بھی یہی ہے کہ جب دن کی روشنی چھا جاتی ہے تو دن نظر آتا ہے اور جب تاریکی چھا جاتی ہے اور روشنی اوجھل ہو جاتی ہے تو رات ہو جاتی ہے، اس ظاہری کیفیت کو لپیٹنے سے تعبیر کیا گیا ہے، اس آیت میں ”يُكَوِّرُ“ کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ اصل میں کسی گول شے کو لپیٹنے کے معنی میں آتا ہے، اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ دنیا اصل میں گول ہے، جیسا کہ سائنسدانوں کو اس کا اعتراف ہے، (دیکھئے: تفسیر المنیر: ۲۳/۲۴۷) — سورج و چاند کے مقررہ وقت تک چلتے رہنے کا مطلب ہے کہ یہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں، ایک خاص وقت یعنی قیامت تک یہ چلتے رہیں گے، پھر یہ فنا کر دیئے جائیں گے۔

﴿٢﴾ آٹھ قسم سے اونٹ، بیل، دنبہ اور بکرے کے نر و مادہ مراد ہیں، جن کا ذکر سورہ انعام: ۱۴۳-۱۴۴ میں آچکا ہے۔

﴿٣﴾ اس میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں، اول یہ کہ اگر کوئی باریک اور پیچیدہ مشین تیار کی جائے تو اس کو تیار کرنے کے لئے گہری روشنی کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن انسان کو دیکھو کہ اس کا وجود کتنی ساری مشینوں کا مجموعہ ہیں اور مشین بھی اتنی پیچیدہ کہ بال سے زیادہ باریک رگوں اور ریشوں پر مشتمل ہے؛ لیکن انسان کی پیدائش کا عمل ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے جو تین تین پردوں میں چھپا ہوا ہے، مفسرین نے عام طور پر ان تین تاریکیوں سے پیٹ، رحم اور وہ جھلی مراد لی ہے، جس میں بچہ لپٹا ہوا ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۳۶) لیکن جدید سائنس نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو تخلیق تین پردوں سے ہوتی ہے :

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۖ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤﴾

اگر تم ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہیں اور اللہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری کو پسند نہیں کرتے اور اگر شکر کرو تو اللہ اس کو تمہارے لئے پسند فرمائیں گے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ﴿۱﴾ پھر تم سب کو اپنے پروردگار ہی کی طرف واپس لوٹنا ہے، تو جو کچھ تم کرتے رہے ہو، اللہ تم کو بتا دیں گے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف ہیں۔ ﴿۴﴾

← (۱) Ecto Derm جس میں جلد اور اس کے متعلقات کی ابتدائی شکلیں اللہ تعالیٰ بناتے ہیں۔

(۲) Meso Derm جس میں اللہ تعالیٰ ہڈیوں اور گوشت کی ابتدائی شکلیں بناتے ہیں۔

(۳) Endo Derm جس میں ہضمی نظام کے اعضاء پیشاب کی تھیلی اور دیگر غدود کی ابتدائی شکلیں بناتے ہیں۔

(قرآن مجید اور عصر حاضر: ۳۳۴، مقالہ: ڈاکٹر سید عبدالرشید)

یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا؛ کیوں کہ سائنسی نظریات بدلتے رہتے ہیں؛ لیکن ممکن ہے کہ یہاں تین تاریکیوں یعنی تین پردوں سے یہی پردے مراد ہوں، دوسری بات فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ماں کے پیٹ میں رفتہ رفتہ ایک شکل کے بعد دوسری شکل دے کر پیدا فرماتے ہیں؛ کیوں کہ بچہ اگر ایک ہی دفعہ اپنی آخری شکل اختیار کر لیتا تو ماں کے لئے اس کے بوجھ کو اٹھانا اور اٹھائے اٹھائے پھر نابڑا دشوار عمل ہوتا؛ اس لئے مختلف مرحلوں میں اس کی تخلیق کا عمل مکمل ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی اگر اہل کلمہ ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں، جس سے بڑھ کر اللہ کی ناشکری نہیں ہو سکتی تو اس کی ذمہ داری پیغمبر ﷺ پر نہیں؛ کیوں کہ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کا خود نیکی پر قائم رہنا کافی ہے، یا اس کا خود گناہ سے بچنا کافی ہے، دوسرے بھائیوں کو نیکی کی دعوت دینا اس کے ذمہ نہیں ہے؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگر تم دوسروں کو نیکیوں کی طرف بلاؤ اور برائیوں سے روکو؛ لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرے تو اس کے بارے میں اللہ کے یہاں تم سے پوچھ نہیں ہوگی۔

اس ارشاد سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک بنیادی بات واضح فرمادی کہ یوں تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو ارادہ و اختیار کی طاقت دی ہے کہ چاہو تو شکر گزار بنو، چاہو تو ناشکر رہو، اللہ نے تم کو کسی ایک پہلو پر مجبور نہیں کر دیا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی پسند یہ ہے کہ تم شکر گزار بندے بنو، یہ جو ارادہ و اختیار کی قوت دی گئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور اللہ جس بات کو پسند فرماتے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو انسان کو چاہئے کہ اس عمل کو اختیار کرے، جس میں اللہ کی رضا و خوشنودی ہو، اس کو اسی کا حکم دیا گیا ہے، اگر وہ اللہ کی ناراضگی والے پہلو کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی بے توفیقی ہے، وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ نے اس کے لئے یہی چاہا تھا۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوًا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ أَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ أُنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ قُلْ لِّعِبَادِ اللَّهِ أُمْنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار سے رُجوع ہو کر اسی کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو جس کام کے لئے اس کو پہلے پکار رہا تھا، اس کو بھول جاتا ہے اور اللہ کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے؛ تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستے سے بہکا دے، آپ کہہ دیجئے: اپنی ناشکری کے ساتھ چند روز نفع اٹھاؤ، کوئی شک نہیں کہ پھر تم دوزخیوں میں سے ہو گے، ۵ بھلا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ و قیام کرتے ہوئے، آخرت سے ڈرتے ہوئے اور اپنے رب کی رحمت سے لو لگائے ہوئے عبادت میں لگا ہوا ہے، وہ (بہتر ہے یا یہ ناشکر گزار شرک کرنے والا شخص؟) آپ دریافت کیجئے: جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے، کیا دونوں برابر ہوتے ہیں؟ یقیناً عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں، ۱۱ آپ کہہ دیجئے: (اللہ فرماتے ہیں:) اے میرے بندو جو ایمان لا چکے ہو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کریں گے، ان کے لئے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے، صبر کرنے والوں کو یقیناً بے حساب اجر عطا کیا جائے گا، ۱۲ آپ فرما دیجئے: مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس طرح اللہ کی عبادت کروں کہ اللہ ہی کے لئے عبادت کو خالص رکھوں۔ ۱۳

۱ یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کو بھی اور کافروں کو بھی جو نعمتیں حاصل ہیں، اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ کی نظر میں یہ دونوں برابر ہیں؛ کیوں کہ بہتر عمل کرنے والے اور برے عمل کرنے والے، عالم اور جاہل دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ — مفسرین نے ایک نکتہ یہ ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک: عمل، دوسرے: علم، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی فضیلت کی بنیادیں یہی دو چیزیں ہیں: عمل صالح اور علم نافع۔

۲ یعنی اگر کسی جگہ تمہارے لئے اللہ کے دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے، ان کو ہجرت کر کے ایسی جگہ چلا جانا چاہئے، جہاں اللہ کے دین پر عمل کر سکیں — آیت کے اس مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے؛ لیکن اس کا نزول ہجرت کے قریب ہوا ہے۔

وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۲﴾ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللَّهُ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ ﴿۱۵﴾ قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾ لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ﴿۱۷﴾ ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَهُ ﴿۱۸﴾ يُعْبَادُ فَاتَّقُونِ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۲۰﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں خود سب سے پہلے مسلمان بنوں ﴿۱۲﴾ کہہ دیجئے: اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بھی بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے، ﴿۱۳﴾ کہہ دیجئے: میں تو اللہ ہی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں، ﴿۱۴﴾ تم اللہ کے سوا جس کو پوجنا چاہو پوج لو، کہہ دیجئے: اصل نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں، جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو نقصان میں ڈال دیا، سُن لو کہ یہی کھلا ہوا نقصان ہے، ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾ ان کے لئے اوپر سے بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کا فرش، یہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں، پس اے میرے بندو! مجھ ہی سے ڈرو، ﴿۱۷﴾ اور جو لوگ بتوں کو پوجنے سے باز رہے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، ان کے لئے خوشخبری ہے تو میرے ان بندوں کو خوشخبری سنادو، ﴿۱۸﴾ جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور اس میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے اور یہی ہیں عقل مند لوگ! ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ ”جس کو پوجنا چاہو پوج لو“ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو کسی عمل پر مجبور نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس کو ارادہ و اختیار کی طاقت دی گئی؛ لیکن اگر انسان شرک کرے گا تو وہ آخرت کا نقصان اٹھائے گا، اصل نقصان تو خود اٹھائے گا؛ لیکن عام طور پر بال بچے اپنے سر پرست کے راستے پر چلتے ہیں اور جو لوگ شرک و کفر کو اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کے متعلقین بھی اسی میں مبتلا ہوئے ہیں؛ اس لئے انہوں نے اپنے ساتھ ساتھ اپنے اہل و عیال کو بھی نقصان میں ڈالا۔

﴿۲﴾ قرآن مجید کی یوں تو ہر بات اچھی ہی ہے؛ لیکن شریعت کے بعض احکام جائز کے درجہ میں ہیں اور بعض مستحب کے درجہ میں، مثلاً سفر کی حالت میں روزہ چھوڑ دینا جائز ہے اور رکھ لینا بہتر ہے، جس قدر کسی نے تکلیف پہنچائی، اسی حد تک بدلہ لے لینا جائز ہے اور معاف کر دینا بہتر ہے، وضوء میں ایک بار اعضاء وضوء کو دھونا جائز ہے اور تین بار دھونا مستحب ہے، توسنی ہوئی باتوں میں سے بہتر بات پر عمل کرنے سے یہی مراد ہے کہ وہ صرف جائز پر عمل نہیں کرتے؛ بلکہ مستحب اور افضل پر عمل کرتے ہیں — —

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرْفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرْفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعَدَ اللَّهُ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهَيِّجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِلنَّفْسِئَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۚ

بھلا جس شخص کے لئے عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہو تو کیا جو شخص دوزخ میں ہے آپ اُسے چھڑا سکتے ہیں؟ (۱۹) ہاں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے، ان کے لئے ایسے بالا خانے ہیں، جن کے اوپر اور بھی بالا خانے بنے ہوئے ہیں، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتے، (۲۰) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر اس کو زمین میں چشموں کی صورت میں جاری فرما دیا، پھر اسی پانی سے کھیتی اُگاتے ہیں جو رنگ برنگ کی ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو کہ زرد پڑ گئی ہے، پھر اللہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے، (۲۱) بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (کیا وہ اور سخت دل ایمان نہ لانے والے برابر ہو سکتے ہیں؟) اُن لوگوں کے لئے تباہی و بربادی ہے، جن کے دل (سخت ہیں کہ) اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے، یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ (۲۲) (۲۳)

← مفسرین نے قرآن مجید کے اس فقرہ کے بعض اور معنی بھی بتائے ہیں؛ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۴۴/۱۵) لیکن یہ ان میں سب سے بہتر تشریح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

﴿۱﴾ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر انسان کو سال بھر کی ضرورت کے لئے مطلوب پانی ایک ساتھ دے دیا جاتا تو سوچئے کہ وہ اس پانی کی حفاظت کا کیا انتظام کر پاتا اور اس پانی کو بدبو، آلودگی اور سڑن سے کیوں کر بچا پاتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پانی کے دو خزانے تیار کر دیئے ہیں، ایک: اس کے اوپر بادلوں کی شکل میں، جو ہزاروں ٹن پانی اُٹھائے اُٹھائے ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر طے کرتا رہتا ہے، دوسرے: زمین کی تہوں میں، جو کنوؤں اور پائپ لائنوں کے ذریعہ اوپر لایا جاتا ہے اور جس کی مقدار بے حد و حساب ہے، اسی پانی سے کھیتی لہلہا اُٹھتی ہے، پھر یہ ہری بھری کھیتی سوکھ کر زرد ہو جاتی ہے اور بعد میں بھوسہ بن جاتی ہے، پھر ایسی قدرت و طاقت والے خدا کے لئے انسان کو موت دینا اور دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟

﴿۲﴾ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کی دو کیفیتیں ذکر فرمائی ہیں، ایک: شرح صدر، دوسرے: قساوت قلبی — شرح صدر ←



اللَّهُ نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانٍ ۖ تَفَشُّعُهُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۖ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں، یعنی ایک ایسی کتاب جس کے مضامین باہم ملتے جلتے ہیں اور بار بار دہرائے جاتے ہیں، ﴿۱﴾ اس سے ان لوگوں کے روئگئے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف (متوجہ ہو جاتے ہیں) ﴿۲﴾ یہی ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت، اللہ اس کے ذریعہ سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں اور جس کو اللہ ہی ہدایت سے محروم کر دیں، اس کو کوئی راستہ نہیں دکھا سکتا۔ ﴿۲۳﴾

← کے معنی ہیں: دل کا کھل جانا، یعنی انسان اللہ تعالیٰ کے احکام پر دل کی آمادگی اور رغبت کے ساتھ عمل کرے، جیسے روشنی کو دیکھ کر انسان اس کی طرف بڑھنے لگتا ہے، اسی طرح حکم الہی انسان کے لئے اللہ کا نور بن جاتا ہے، شرح صدر کی اس کیفیت کے مختلف درجات ہیں؛ لیکن ہر مسلمان کو اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور حاصل ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایمان پر نہ ہوتا؛ اسی لئے مسلمان کتنا بھی برا ہو، اس کو نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر ضرور خوشی ہوتی ہے، یا جب وہ اپنے بچوں کو دیکھتا ہے کہ وہ دین پر ثبات قدم ہیں تو اس سے ایک اطمینان حاصل ہوتا ہے، حضرت اللہ ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ شرح صدر کیسے حاصل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب دل میں نور داخل ہو جائے، ہم لوگوں نے عرض کیا: اس کی علامت کیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: آخرت کی طرف توجہ، دنیا سے بے رغبتی اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری، (قرطبی: ۱۶۱/۱۵) قساوت قلبی سے مراد دل کا سخت ہو جانا ہے، سخت دلی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی ہے، اور بندوں سے بھی، اللہ کے ساتھ سخت دلی یہ ہے کہ اللہ کا ذکر اس کے دل کو نرم نہ کرے، وہ ارشادات خداوندی کو سنے، مگر اس کا دل پگھلے نہیں اور اس میں خوف و خشیت نہ پیدا ہو، اور بندوں کے حق میں سخت دلی یہ ہے کہ دوسروں کی مصیبت اور محتاجی اسے بے چین نہ کرے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی ضرورت کھلے دل کے لوگوں سے مانگو؛ کیوں کہ میں نے ان کے اندر اپنی رحمت رکھ دی ہے، سخت دل لوگوں سے نہ مانگو؛ کیوں کہ میں نے ان کے اندر اپنا غضب رکھ دیا ہے۔ (قرطبی: ۱۶۱/۱۵)

﴿۱﴾ یعنی باوجود اس کے کہ قرآن مجید طویل عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا ہے اور اس کی ضخامت بھی بہت زیادہ ہے، اس کے باوجود مضامین میں کوئی تکرار نہیں؛ بلکہ وہ ایک دوسرے کی تائید و تقویت کا باعث ہیں اور ایک ہی مضمون سمجھانے اور ذہن میں راسخ کرنے کے لئے بار بار ذکر کیا جاتا ہے؛ لیکن اس طور پر کہ پڑھنے والے کو کوئی اکتاہٹ نہیں ہوتی، برخلاف انسانوں کی مرتب کی ہوئی قانون کی کتابوں کے، جن میں ایک مضمون کو ایک ہی مرتبہ نقل کیا جاتا ہے، عام لوگوں کے لئے اس کو ذہن میں محفوظ رکھنا دشوار ہو جاتا ہے، اور انداز بیان بھی ایسا خشک ہوتا ہے کہ جس کو بار بار پڑھنا نہیں جاسکتا۔ ←

أَفَمَنْ يَتَّقِ بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۲۳﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۴﴾ فَاِذَا قَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۷﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيْهِ شُرَكَاءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِيْنَ مَثَلًا ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

بھلا وہ شخص جو قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے گا (جنتی شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: تم جو کچھ کیا کرتے تھے، اُسے چکھو، ﴿۲۳﴾ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آگیا، جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا، ﴿۲۴﴾ تو اللہ نے ان لوگوں کو دنیا کی زندگی ہی میں رسوائی چکھادی اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے، کاش! یہ لوگ جانتے ہوتے، ﴿۲۵﴾ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں؛ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، ﴿۲۶﴾ ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی خامی نہیں؛ تاکہ یہ لوگ ڈریں، ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ ایک ایسا شخص ہے جس میں کئی آدمی شریک ہیں، جن کے درمیان آپس میں رسہ کشی بھی ہے، اور ایک وہ شخص ہے جو مکمل ایک ہی شخص کا غلام ہے، کیا ان دونوں کا حال برابر ہو سکتا ہے؟ الحمد للہ؛ لیکن ان میں سے اکثر سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۲۸﴾

← ﴿۲﴾ اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے، جن کے دلوں کو اللہ نے ہدایت کے لئے کھول دیا ہے کہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کا کلام سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، معلوم ہوا کہ ایمان کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کا کلام اسے متاثر کرے، دوزخ کا ذکر اسے لرزادے اور جنت کا ذکر اس میں شوق کی چنگاری سلگا دے۔

﴿۱﴾ گویا اصل قرآن وہی ہے، جو عربی زبان میں ہے، قرآن کا ترجمہ اس کے مفہوم و مراد کی وضاحت ہے نہ کہ خود قرآن؛ لہذا قرآن کا ترجمہ پڑھنے پر تلاوت قرآن کا ثواب نہیں ملے گا، اور جیسے قرآن مجید کو چھونے کے لئے وضوء ضروری ہے، ترجمہ کو چھونے کے لئے وضوء ضروری نہیں؛ البتہ بہتر ہے کہ بلا عذر اسے بھی بغیر وضوء کے چھونے سے گریز کیا جائے۔

﴿۲﴾ توحید اور شرک کے لئے کیا خوب مثال دی گئی ہے کہ توحید ایک مالک کی غلامی ہے اور ایک مالک کا حکم بجالانا آسان ہے، مشرک کی حیثیت اس شخص کی ہے جس کی گردن میں کئی کئی مالکوں کی غلامی کا طوق ہوا اور پھر ان میں رسہ کشی بھی ہو کہ غلام کے لئے فیصلہ کرنا دشوار ہو جائے کہ وہ کس کا کہا مانے اور کس کا نہ مانے؟

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿۱۱﴾

اس میں شک نہیں کہ آپ کو بھی مرنا ہے اور ان لوگوں پر بھی موت آنے والی ہے، ﴿۱۰﴾ پھر قیامت کے دن تم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے جھگڑا پیش کرو گے، (اور اللہ خود فیصلہ فرمائیں گے)۔ ﴿۱۱﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر بھی موت واقع ہوئی ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ غلبہ جوش میں کہنے لگے کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی، تو حضرت ابو بکرؓ نے اسی آیت سے استدلال کیا، (قرطبی: ۱۶۵/۱۵) غرض کہ موت سے کوئی مستثنیٰ نہیں، اور ہر ایک کو مرنے کے بعد حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ جہاں نیکیوں کا بدلہ اور گناہوں کی سزا دیں گے، وہیں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ معاملات اور جھگڑے بھی پیش کئے جائیں گے، جو دنیا میں مختلف لوگوں کے درمیان ہوئے تھے اور جن کا فیصلہ نہیں ہو پایا تھا؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے دریافت فرمایا: تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: جس کے پاس روپے پیسے نہ ہوں، سامان و اسباب نہ ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اُمت کے مفلس لوگ وہ ہیں، جو قیامت کے روز نماز، روزے، زکوٰۃ لے کر آئیں گے؛ لیکن اپنے گناہ بھی ساتھ لائیں گے، کہ فلاں شخص کو برا بھلا کہا، فلاں پر تہمت لگائی، فلاں کا مال کھا گیا، فلاں کا خون بہایا اور فلاں کو مار پیٹ کی؛ چنانچہ ان گناہوں کے بدلے اس شخص کی نیکیاں اس شخص کو دے دی جائیں گی اور جب ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو صاحب حق کے گناہ اس شخص کے ذمہ کر دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، (مسلم: کتاب البر والصلة، باب تحریم العلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۱) تو اس طرح اللہ تعالیٰ دنیا کے جھگڑوں کو بھی طے فرمائیں گے۔



**فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالْصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۖ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى**

لِلْكَافِرِينَ ﴿۳۹﴾ وَالَّذِي جَاءَ بِالْصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۱﴾ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۴۲﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۴۳﴾ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۴۴﴾

پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اور سچی بات اس کے پاس آجائے، پھر بھی اسے جھٹلا دے، کیا ایمان نہ لانے والوں کا جہنم میں ٹھکانہ نہیں ہے؟ ﴿۳۹﴾ اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مان لیا وہی لوگ پرہیزگار ہیں، ﴿۴۰﴾ ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہے، جو وہ چاہیں گے، یہی ہے نیک لوگوں کا بدلہ؛ ﴿۴۱﴾ تاکہ اللہ اُن سے اُن برائیوں کو دُور کر دیں جو انھوں نے کی تھیں، اور ان کو ان کے نیک کاموں کا اجر عطا فرمادیں، ﴿۴۲﴾ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ یہ لوگ آپ کو اللہ کے ماسوا سے ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ ہدایت سے محروم کر دیں تو کوئی اُسے ہدایت نہیں دے سکتا ﴿۴۳﴾ اور جس کو اللہ نے ہدایت دے دی، اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، کیا اللہ تعالیٰ زبردست اور بدلہ لینے والے نہیں ہیں؟ ﴿۴۴﴾

﴿۱﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ جو قرآن لے کر آئے اور صحابہ جو اس سچی کتاب پر ایمان لائے۔

﴿۲﴾ یعنی ایمان لانے سے پہلے انھوں نے جو گناہ کئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیں گے اور اب جو نیکیاں کریں گے، ان پر بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔

﴿۳﴾ جو قومیں شرک میں مبتلا ہوتی ہیں وہ تو ہم پرست بن جاتی ہیں اور کائنات کی ایک ایک چیز سے ڈرنے لگتی ہیں، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی صورتوں کا بھی خوف ان کے دلوں میں سما جاتا ہے؛ چنانچہ اہل مکہ حضور ﷺ کو ڈراتے تھے کہ اگر آپ ﷺ نے ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہنا نہ چھوڑا تو وہ آپ ﷺ کو دیوانہ بنا دیں گے یا کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں گے، اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت خالد بن الولیدؓ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ جب انھوں نے عُزَی نامی بُت کو اپنی کدال سے توڑنا چاہا تو اس مندر کے پجاری کہنے لگے: میں تم کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ایسا طاقتور دیوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی؛ چنانچہ حضرت خالدؓ نے اس کی ناک پہ وار کیا اور اپنی کدال سے اسے توڑ کر رکھ دیا، (تفسیر قرطبی: ۲۱۸/۱۵) اسی طرح کے واقعات کے پس منظر میں یہ بات فرمائی گئی کہ یہ لوگ جھوٹے معبودوں سے ڈراتے ہیں، کیا اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے لئے اللہ کی ذات کافی نہیں ہے؟ جو قومیں شرک میں مبتلا ہوتی ہیں، وہ اوہام اور اندیشوں کے گھیرے میں رہتی ہیں، کبھی وہ کسی جانور کے گزرنے سے ←

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلْ اَفَرَايْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفٰتُ ضُرِّيْهِ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَا مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۚ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قُلْ لِّیَقُوْمِ اَعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْۤ اِنَّا عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَنْ یَّاتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۲۴﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰۤ اَعْلٰیكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنْ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٌ ﴿۲۵﴾ اللّٰهُ یَتَوَفّٰی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیۡ جُجُنَّهَا فِیۡۤ اَنْفُسِهَا ۚ فَیُیْسِسُكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاٰخَرٰی اِلٰیۤ اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور جواب دیں گے: اللہ، آپ پوچھئے: تمہارا کیا خیال ہے، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہیں تو اللہ کے سوا تم جن چیزوں کی پوجا کرتے ہو، کیا وہ اس تکلیف کو دور کر دیں گے؟ یا اللہ میرے ساتھ رحم و کرم کا ارادہ فرمائیں تو کیا وہ لوگ اللہ کی رحمت کو روک دیں گے؟ آپ فرما دیجئے: میرے لئے اللہ ہی کافی ہیں اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے، ﴿۲۲﴾ کہہ دیجئے: اے میری قوم! تم بھی اپنی جگہ عمل کئے جاؤ اور میں بھی عمل کر رہا ہوں، تم عنقریب جان لو گے، ﴿۲۳﴾ کہ کس پر رُسوا کر دینے والا عذاب آتا اور ہمیشہ رہنے والا عذاب اُترتا ہے؟ ﴿۲۴﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے لوگوں کے لئے آپ پر برحق کتاب اُتاری ہے، تو جو راستہ پر آجائے، وہ اپنے ہی بھلے کے لئے آئے گا، اور جو گمراہ ہوگا، وہ اپنے ہی اوپر گمراہی کا وبال لے گا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں، ﴿۲۵﴾ اللہ تعالیٰ ہی مرنے کے وقت روحیں قبض کر لیتے ہیں اور جن کی موت واقع نہیں ہوتی سوتے وقت ان کی روحیں لے لیتے ہیں، پھر جس پر موت کا حکم فرما دیتے ہیں، ان کی روح کو روک رکھتے ہیں، اور دوسروں (یعنی جن کے لئے ابھی موت کا فیصلہ نہیں ہوا) کے پاس ایک مقررہ وقت کے لئے روحوں کو بھیج دیتے ہیں، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو غور و فکر کیا کرتے ہیں۔ ﴿۲۶﴾

← ڈرتی ہیں، کبھی کسی پرندہ کے آجانے سے، کبھی کسی خاص دن یا وقت سے، یہاں تک کہ گذشتہ زمانہ میں اسی وہم کے باعث اولاد اور بالخصوص بیٹوں کی قربانی دی جاتی تھی، شادی کے لئے برکت اور نخس کا وقت معلوم کیا جاتا، یہ سب کچھ ایمان و یقین سے محرومی کا نتیجہ ہے، افسوس کہ آج کل بعض مسلمان بھی ایسے توہمات میں مبتلا ہیں۔

﴿۱﴾ رُسوا کن عذاب سے دنیا کا عذاب مراد ہے، جو اہل مکہ پر غزوہ بدر کی شکل میں آیا اور جس میں ان کے بڑے بڑے سردار ←

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۖ قُلْ أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۹﴾ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۚ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۴۰﴾ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَنْبِشُونَ ﴿۴۱﴾

یا کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کچھ سفارشی تیار کر رکھے ہیں؟ کہہ دیجئے کہ چاہے یہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں (پھر بھی ان کو سفارشی ٹھہرائیں گے؟) ﴿۳۹﴾ فرما دیجئے کہ سفارش تو تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آسمانوں میں اور زمین میں اسی کی بادشاہت ہے، پھر تم لوگ اسی خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے، ﴿۴۰﴾ اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور جب اللہ کے سوا اوروں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ ﴿۴۱﴾

← اُن لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے، جن کو وہ بڑا حقیر خیال کرتے تھے، اور ہمیشہ رہنے والا عذاب آخرت میں آئے گا۔ ﴿۲﴾ یعنی نیند انسان کے مرنے اور دوبارہ زندہ کئے جانے کی ایک مثال ہے کہ جب آدمی کو نیند آتی ہے تو زندگی کی بہت سی کیفیات اس سے سلب کر لی جاتی ہیں، نہ آنکھ دیکھتی ہے نہ کان سنتا ہے، نہ ناک کو خوشبو و بدبو کا احساس ہوتا ہے، نہ اس کے ارادہ و اختیار سے اس کے جسم میں حرکت ہوتی ہے، دماغ کے بہت سے افعال رُک جاتے ہیں، پھر جیسے ہی بیدار ہوتا ہے، ایک لمحہ میں ساری صلاحیتیں واپس آ جاتی ہیں، اسی طرح جب انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس کو زندہ کرنا وقت طلب اور لمبا چوڑا عمل نہ ہوگا؛ بلکہ جوں ہی اللہ کا حکم ہوگا، ایک لمحہ میں زندگی کی ساری کیفیتیں بحال ہو جائیں گی — روح کو روکے رکھنے اور ایک مقررہ مدت کے بعد بھیج دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیند ہی کی حالت میں موت کا فیصلہ ہوتا ہے تو اس کے بیدار ہونے کی نوبت نہیں آتی۔

﴿۱﴾ عام طور پر جو لوگ شرک کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اصل خدا تو ایک ہی ہے، ہمارے یہ دیوی دیوتا سفارشی کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ اللہ کے حضور میں سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ نے دو طریقوں پر اس کی تردید فرمائی ہے، ایک یہ کہ اللہ کے یہاں وہی سفارش کر سکتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے سفارش کرنے کی اجازت دی ہو، جب ان کو اللہ کی طرف سے اس کا اختیار ہی نہیں دیا گیا ہے تو یہ سفارش کیسے کر سکتے ہیں؟ دوسرے: سفارش کرنے کے لئے بھی کچھ عقل اور صلاحیتوں کی ضرورت ہے، یہ تو نہ بول سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں، یہ کیا خاک سفارش کریں گے!

﴿۲﴾ یعنی شرک کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے خود ساختہ معبودوں کا بھی ذکر کیا جائے تب تو وہ خوش ہوتے ہیں، اور اگر تنہا اللہ کا ذکر کر دیا جائے تو ان کا دل تنگ ہونے لگتا ہے، یعنی اصل اور حقیقی خدا ہی کے بارے میں ان کے دل میں تنگی پائی جاتی ہے۔

قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاُتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا نَاثُرًا ۚ اِذَا حَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَا اُوْتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاُتُ مَا كَسَبُوْا ۚ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاءِ سَيَصِيبُهُمْ سَيِّاُتُ مَا كَسَبُوْا ۚ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۴﴾ اَوْ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵

آپ کہئے: اے اللہ! جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اور ظاہر و باطن کے جاننے والے ہیں، آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان اس بات کا فیصلہ فرمائیں گے، جس میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں، ﴿۳۹﴾ اور اگر ظلم کرنے والوں کو وہ سب کچھ حاصل ہو جائے، جو زمین میں ہے اور اس کے برابر مزید، تو قیامت کے دن سخت عذاب سے رہائی کے لئے وہ ضرور یہ سب دے ڈالیں، اور اللہ کی طرف سے وہ سب چیزیں ان کے سامنے آئیں گی، جن کا اُن کو گمان بھی نہ رہا ہوگا، ﴿۴۰﴾ ان کو ان کے بُرے اعمال نظر آجائیں گے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے (یعنی عذاب)، وہ ان کو گھیر لے گا، ﴿۴۱﴾ پس جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو کہتا ہے: یہ تو مجھ کو (میرے) علم و دانش کی بنیاد پر ملی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک آزمائش ہے؛ لیکن ان کی اکثریت سمجھتی نہیں ہے، ﴿۴۲﴾ یہی بات ان سے پہلے کے لوگ بھی کہہ چکے ہیں تو ان کا عمل ان کے کچھ کام نہ آیا، ﴿۴۳﴾ پھر ان پر ان کے کرتوتوں کا وبال آگیا اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا ہے عنقریب اُن پر بھی اُن کے کاموں کا وبال آجائے گا اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے، ﴿۴۴﴾ کیا انھیں نہیں معلوم ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں، روزی کو کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں تنگ کر دیتے ہیں؟ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۴۵﴾

﴿۱﴾ یعنی دنیا میں دولت و راحت کا حاصل ہونا اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی دلیل نہیں، اسی طرح تنگی و مصیبت سے دوچار ہونا اللہ کے یہاں نامقبول ہونے کی علامت نہیں؛ بلکہ اس میں انسان کی آزمائش ہے کہ کہیں دولت اس کو سرکش تو نہیں بنادیتی اور کہیں وہ مصیبت کی وجہ سے اللہ سے شکوہ تو نہیں کرتا؟

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلُمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۵۵﴾ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّنْ رَبِّكُمْ ۚ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۵۶﴾ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يٰحَسْرَتِي عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ﴿۵۷﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۸﴾ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۹﴾ بَلَىٰ قَدْ جَاءَ ثُكَ أَلَيْتِي فَكَذَّبْتُ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتُ وَكُنْتُ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۶۰﴾

آپ کہہ دیجئے: (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ) اے میرے وہ بندو! جو اپنے آپ پر زیادتی کر گزرے ہیں، اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بے حد معاف کرنے والے اور بڑے ہی مہربان ہیں، ﴿۵۴﴾ اپنے پروردگار کی طرف واپس آ جاؤ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے، اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ، ﴿۵۵﴾ اور اس سے پہلے کہ اچانک تم پر عذاب آ دھمکے اور تم کو خبر بھی نہ ہو، اس نہایت اچھی کتاب کی — جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے — پیروی کرو، ﴿۵۶﴾ کہ کہیں کوئی شخص کہنے لگے: ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی شان میں کی ہے اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہا، ﴿۵۷﴾ یا کہنے لگے: اگر اللہ مجھے ہدایت دیئے ہوتے تو ضرور میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا، ﴿۵۸﴾ یا جب عذاب دیکھے تو کہنے لگے: کاش میرا پھر ایک بار (دنیا میں) لوٹ کر جانا ہوتا تو میں بھی نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں، ﴿۵۹﴾ (اللہ فرمائیں گے: ) ہاں کیوں نہیں، تمہارے پاس میرے احکام پہنچے تھے تو تم نے اس کو جھٹلادیا، تکبر کیا اور کافروں میں شامل رہا۔ ﴿۶۰﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ قریش کے کچھ لوگوں نے جو قتل و زنا کے بہت سارے گناہ کر چکے تھے، حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں، یقیناً وہ بڑی اچھی بات ہے؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم تو بہت سارے گناہ کر چکے ہیں تو اگر ہم اس کو قبول کر لیں تو کیا ہمارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور ہماری توبہ قبول ہوگی؟ اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، (بخاری عن ابن عباس، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الزمر، حدیث نمبر: ۴۵۳۲) — اس طرح کے بعض اور واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں کہ ایمان سے محروم بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ ہم نے تو اتنے گناہ کئے ہیں کہ شاید وہ معاف ہی نہ ہو سکیں، قرآن مجید نے اسی پس منظر میں یہ مژدہ سنایا کہ اللہ اتنے کریم ہیں کہ انسان جب ایمان لے آئے اور توبہ کر لے تو ان سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔



وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ۖ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢١﴾ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٢﴾ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٢٣﴾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٤﴾ قُلْ أَفَعَيِّرُ اللَّهَ تَأْمُرُونِي ۚ أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ ۖ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٦﴾

آپ قیامت کے دین اللہ پر جھوٹ بولنے والوں کو دیکھیں گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں، کیا ان تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟ ﴿۲۱﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاری اختیار کرنے والوں کو ان کے کامیاب ہونے کی وجہ سے نجات عطا کریں گے، نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ﴿۲۲﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں اور وہی ہر چیز کے نگہبان ہیں، ﴿۲۳﴾ اسی کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں ہیں اور جو لوگ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے، وہی نقصان میں رہیں گے، ﴿۲۴﴾ کہہ دیجئے: اے نادانوں! کیا تم اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے کا مشورہ دیتے ہو، ﴿۲۵﴾ اور (اے پیغمبر!) حالاں کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے کے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو ضرور تمہارا کیا کرایا غارت ہو جائے گا اور یقیناً تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے؟ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ دنیا میں اللہ کی ستاری اور پردہ پوشی کا نظام یہ ہے کہ جیسے جسمانی بیماریوں کی علامت انسان کے جسم پر یا چہرہ پر ظاہر ہو جاتی ہے، گناہوں کی علامت ظاہر نہیں ہوتی، اگر ایسا ہوتا تو کوئی انسان دوسرے انسان کو منہ دکھانے کے لائق نہیں ہوتا؛ لیکن آخرت میں دوزخ کے مستحق لوگوں کے ساتھ رسوائی کا ایک معاملہ یہ بھی ہوگا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور یہی سیاہی ان کے گنہگار ہونے کو ظاہر کر دے گی۔

﴿۲﴾ اللہ کے پاس زمین و آسمان کی کنجیاں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اللہ ہی کی ملکیت اور اختیار میں ہیں، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْأَوَّلِ وَالْآخِرِ وَالظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بَيِّنَةُ الْخَيْرِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ کو ”آسمان و زمین کی کنجیاں“ (مقالید السموات والارض) قرار دیا کہ اس کو دس بار صبح میں اور دس بار شام میں پڑھا کرے، گویا جو اس کو پڑھنے کا اہتمام کرے گا، وہ آسمان اور زمین کے خزانے پائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۷۵)

بَلِ اللَّهِ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿۳﴾

بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزار بندوں میں شامل رہو، ﴿۱﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اللہ کی تعظیم کا حق ہے؛ حالاں کہ پوری زمین قیامت کے دن اللہ کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اللہ کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، اللہ کی ذات پاک ہے اور وہ جو کچھ شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ اس سے بلند و برتر ہیں، ﴿۲﴾ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین میں جو بھی ہیں، سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ چاہے (کہ وہ بے ہوش نہ ہوں گے)، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو یکا یک سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ بعض اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ اپنے آباء و اجداد کے دین کو غلط کہتے ہیں اور گویا خود اپنے آباء و اجداد کو گمراہ قرار دیتے ہیں، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۱۷۹) مطلب یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری اور اچھے سلوک کا حکم ضرور دیا ہے؛ لیکن یہ ممکن نہیں کہ توحید اور شرک ایک ساتھ جمع ہو جائیں۔

﴿۲﴾ زمین کے مٹھی میں ہونے اور آسمان کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہونے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، جیسے کہا جاتا ہے: فلاں چیز میری مٹھی میں ہے، یعنی یہ چیز میرے قدرت اور اختیار میں ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ میں ہو؛ لیکن اللہ کا ہاتھ اللہ کی شان کے مطابق ہوگا، انسان اس کا اندازہ نہیں کر سکتا اور مخلوق کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

﴿۳﴾ غرض کہ دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پہلے صور میں سوائے چند فرشتوں کے پوری کائنات فنا ہو جائے گی، اور دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ زندہ ہو جائیں گے، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے جو پہلے صور پر بے ہوش نہیں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریلؑ، حضرت اسرافیلؑ، حضرت میکائیلؑ، اور ملک الموت، اللہ تعالیٰ اپنی شان اور قدرت کے اظہار کے لئے ملک الموت سے دریافت کریں گے کہ میری مخلوق میں سے کون کون لوگ بچ گئے؟ تو ملک الموت چاروں فرشتوں کا ذکر کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اسرافیل اور میکائیل کی بھی جان نکال لو؛ چنانچہ یہ دونوں بھی مرجائیں گے، پھر ملک الموت کو حکم ہوگا کہ تم بھی مرجاؤ، ان پر بھی موت طاری ہو جائے گی، اخیر میں حضرت جبریلؑ کو موت آئے گی۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۷﴾ وَسَيِّقُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۲۸﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ فَبُسْ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۲۹﴾ وَسَيِّقُ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلِّمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿۳۰﴾

اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی، نامہ اعمال رکھا جائے گا، پیغمبروں کو اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا، (۱) لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان کے ساتھ (ذرا بھی) نا انصافی نہیں ہوگی، (۲) اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ جو کچھ کیا کرتے تھے، اللہ ان سے خوب واقف ہیں، (۳) اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا، ان کو گروہ درگروہ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور دوزخ کے داروغہ ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے، جو تم پر تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں کیوں نہیں؛ لیکن ایمان نہ لانے والوں پر عذاب کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہا، (۴) ان سے کہا جائے گا: دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، جس میں ہمیشہ ہمیش رہنا ہے، غرض کہ تکبر کرنے والوں کا کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے! (۵) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے، ان کو گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو اس حال میں کہ اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور ان کو داروغہ جنت کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ لوگ ہو، اب ہمیشہ کے لئے اس میں داخل ہو جاؤ۔ (۶)

(۱) گواہوں سے مراد پیغمبر، فرشتے اور اُمت محمدیہ ہیں، نیز خود انسان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

(۲) غرض کہ قیامت قائم ہونے اور انسان کے حساب و کتاب اور فیصلہ کے سلسلہ میں سات حالتیں پیش آئیں گی، پہلا صورت پھونکا جائے گا تو تمام لوگ مرجائیں گے، دوسرا صورت پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہوا اٹھیں گے، تیسرے: زمین روشن ہو جائے گی، ←

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۲۴﴾ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَاقِّقِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۵﴾

اور وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور ہمیں اس زمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں، غرض کہ (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی بہتر اجر ہے! ﴿۲۴﴾ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں، ﴿۲۵﴾ اور لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں۔ ﴿۲۵﴾

← چوتھے: نامہ اعمال سامنے رکھا جائے گا، پانچویں: پیغمبروں اور گواہوں کو لایا جائے گا، چھٹے: ان کے درمیان فیصلہ ہوگا اور ساتواں مرحلہ یہ ہے کہ ان کو ان کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، جیسا کہ آگے کی آیات میں ذکر ہے کہ اہل جنت گروہ درگروہ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور اہل دوزخ گروہ درگروہ دوزخ میں۔

﴿۱﴾ دنیا میں اگرچہ انسان یہاں وہاں آنا جانا کرتا ہے؛ لیکن ہر جگہ بے روک ٹوک آمد و رفت نہیں کر سکتا، ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لئے ویزے کی ضرورت پڑتی ہے، بعض سرکاری دفاتر کی حدود میں عوام کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی، بعض عوامی مقامات میں بھی ٹکٹ لئے بغیر داخل نہیں ہوا جاسکتا؛ لیکن جنت میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہوگی، اپنے اپنے باغات و محلات تو ہوں گے ہی، اس کے علاوہ بھی انسان جہاں چاہے گا آمد و رفت کر سکے گا۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کی تعریف و تسبیح ہی فرشتوں کا نغمہ ہوگا، وہ اسے شوق سے پڑھیں گے اور لذت حاصل کریں گے، ان کا یہ تسبیح پڑھنا عبادت کے طور پر نہیں ہوگا؛ بلکہ خود اپنی لذت کے لئے ہوگا، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۸۷) — بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جیسے انسانوں کی رہائش جنت میں ہوگی، اسی طرح فرشتوں کا قیام اللہ تعالیٰ کے عرش کے گرد ہوگا اور جیسے انسان کھانے پینے وغیرہ سے لذت اٹھائیں گے، اسی طرح ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہی لذت کا سامان ہوگی، (دیکھئے: مفاتیح الغیب: ۱۳/۴۸۷) دنیا میں بھی ایسے نمونے دیکھنے میں آتے ہیں کہ جو لوگ گانے اور گانے سننے کے رسیا ہوتے ہیں، وہ اس میں اس قدر مست ہو جاتے ہیں کہ کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور وہ بھی فرشتوں کی زبان سے اور اس آواز میں جو آخرت میں ان کو عطا کی جائے، جس میں نہ جانے کتنی نغمگی اور مٹھاس ہوگی، اگر وہ ان کے لئے مزید ارغذا بن جائے تو کیا تعجب؟



## سورة الغافر / المؤمن

«سورہ نمبر : (۴۰)

«رکوع : (۹)

«آیتیں : (۸۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفہیم قرآن مجید

اس سورہ کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت و غضب بیان کی گئی ہیں، اس میں ایک صفت ہے ”غافر الذنب“ (گناہ کے معاف کرنے والے) اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ”غافر“ ہے، اس کے علاوہ اس سورہ کو ”سورہ مؤمن“ بھی کہا گیا ہے؛ کیوں کہ اس سورہ میں قوم فرعون کے ایک بلند ہمت مرد مؤمن کا ذکر آیا ہے، قرآن مجید میں سات سورتیں وہ ہیں، جو ”حمّ“ سے شروع ہوتی ہے، ان میں سے پہلی سورہ یہی ہے ”حمّ“ گروپ کی آخری سورت ”سورہ احقاف“ ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ ساتوں سورتیں یکے بعد دیگر نازل ہوئی ہیں، ان کے درمیان کوئی اور سورہ نازل نہیں ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ہر چیز کا مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز ”حمّ“ کی سورتیں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۸۲/۴)

یہ پوری سورہ بنیادی طور پر ایمانیات، یعنی توحید و رسالت اور آخرت کے مضامین پر مشتمل ہے اور ان غیبی حقیقتوں پر کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں سے استدلال کیا گیا ہے، اس سورہ میں فرعون اور ہامان و قارون کے حضرت موسیٰ رحمہ اللہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا، فرعون کے فرمان کی بنیاد پر بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل عام کا اور بالآخر فرعون کی ہلاکت اور حضرت موسیٰ رحمہ اللہ اور ان کے قوم کی نجات پانے کا تفصیلی ذکر آیا ہے، یوں تو حضرت موسیٰ رحمہ اللہ اور فرعون کا ذکر قرآن میں کئی جگہ آیا ہے؛ لیکن قوم فرعون میں سے ایک شخص کے مسلمان ہونے اور حضرت موسیٰ رحمہ اللہ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہونے، نیز اپنی قوم کو درد مندی کے ساتھ ایمان کی دعوت دینے کا تفصیلی ذکر اسی سورہ میں ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

حَمَّ ۚ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ  
الْعِقَابِ ۚ ذِي الطَّلُولِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ  
كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرُكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ (۱) ۝ (۲) یہ کتاب اس اللہ کی  
طرف سے اتاری گئی ہے، جو زبردست ہیں، ہر چیز کے جاننے والے ہیں، ۝ گناہ کے بخشنے والے، توبہ قبول  
کرنے والے، سخت سزا دینے والے اور فضل و کرم والے ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ان ہی کی  
طرف لوٹ کر جانا ہے، ۝ (۲) ۝ اللہ کی آیتوں کے سلسلہ میں صرف وہی لوگ جھگڑا کرتے ہیں، جو کافر ہیں، تو آپ  
کو شہروں میں ان کا چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ ۝ (۳) ۝

﴿۱﴾ اس کی تشریح سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر: ۱ میں گذر چکی ہے۔

﴿۲﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی چھ صفتوں کو جمع کر دیا گیا ہے، سوائے سورہ حشر کے آخر کے کہیں ایک جگہ اتنی صفات ذکر نہیں کی گئی  
ہیں، ان میں بعض صفات اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید دلاتی ہیں اور بعض اللہ کے عذاب کا خوف، اس طرح یہ آیت اللہ تعالیٰ کے  
بارے میں اسلامی تصور کو واضح کرتی ہے کہ نہ اللہ کا ایسا خوف ہونا چاہئے کہ بندہ اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہو جائے اور نہ اتنا پر اُمید  
اور بے خوف ہو جانا چاہئے کہ گناہ پر جری ہو جائے۔

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑنے سے مراد قرآن مجید پر اعتراض کرنا اور اس کے غلط معنی بیان کر کے دھوکہ دینا ہے،  
(تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۹۲) جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفت 'رحمان' کا بار بار ذکر آیا ہے، اہل مکہ اس کو 'رحمن' میامہ یعنی نبوت کے  
جھوٹا دعوے دار 'مسلمہ کذاب' کا نام قرار دیتے تھے، یا جیسے اللہ تعالیٰ نے خیر کے راستہ میں خرچ کرنے کو اللہ کا قرض دینے سے  
تعبیر کیا ہے، اس کا مقصد خیرات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہے کہ تم کسی اور کو نہیں اللہ کو اپنا مال دے رہے ہو؛ لیکن یہودی کہتے  
تھے کہ نعوذ باللہ تمہارے اللہ بھی محتاج ہو گئے، یہی قرآن میں جھگڑا کرنا ہے، حدیث میں ایسے طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے، آپ ﷺ  
نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جھگڑا نہ کرو؛ کیوں کہ اس میں جھگڑنا کفر ہے، (مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۲۸۸۳، مسند احمد،  
حدیث نمبر: ۷۴۹۹) — اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ یہ جو ایمان نہ لانے والوں کو ابھی غلبہ حاصل  
ہے، یہ بے خوف و خطر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور تجارت وغیرہ کرتے ہیں، اس سے آپ ﷺ یہ نہ سمجھ لیجئے کہ یہی غالب  
رہیں گے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے اور یہ ان کے کامیاب ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ  
وَجَدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۙ وَكَذَلِكَ حَقَّتْ  
كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ  
حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ  
كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۙ  
رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ  
وُذُرِّيَّتِهِمْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۙ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ۖ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ  
فَقَدْ رَجَحْتَهُ ۖ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۙ

ان سے پہلے بھی نوح کی قوم اور قوم نوح کے بعد مختلف گروہوں نے جھٹلایا ہے، ہر اُمت نے اپنے پیغمبر کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے کئے؛ تاکہ اس کے ذریعہ دین حق کو مٹا دیں؛ ﴿۱﴾ چنانچہ میں نے ان کو پکڑ لیا تو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی! ﴿۲﴾ اسی طرح ایمان نہ لانے والوں پر آپ کے پروردگار کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی ہیں، ﴿۳﴾ جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں، وہ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے؛ اس لئے ان لوگوں کو بخش دیجئے، جو توبہ کریں اور جو آپ کے راستے پر چلیں اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے، ﴿۴﴾ اے ہمارے پروردگار! آپ ان کو بھی اور ان کے باپ داداؤں، بیویوں اور اولاد میں سے نیک لوگوں کو بھی ہمیشہ رہنے والی بہشتوں میں داخل فرمائیے، جس کا آپ نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے، بے شک آپ زبردست اور حکمت والے ہیں، ﴿۵﴾ اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھئے اور آپ نے اس دن جس کو عذاب سے بچا لیا تو یقیناً آپ نے اس پر مہربانی فرمائی اور یہی تو ہے بڑی کامیابی! ﴿۶﴾

﴿۱﴾ مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے معنی مٹانے کے ہی بتائے ہیں: ”أُمِّي لِيُذِيلُوا“۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵/۲۹۳)

﴿۲﴾ فرشتوں میں بھی جو اعلیٰ مرتبہ کے فرشتے ہیں، وہ باری تعالیٰ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ویسے تو یہ چار فرشتے ہیں؛ لیکن قیامت کے دن اس خدمت پر آٹھ فرشتوں کو مامور کیا جائے گا، جیسا کہ سورہ حاقہ آیت نمبر: ۱۷ میں ذکر آیا ہے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۷۱) ان فرشتوں کو ”کُزُوبِي“ کہا جاتا ہے، اس کے بعد ان فرشتوں کا درجہ ہے، جن کو عرش کے گرد و پیش جگہ ملی ہے، ان کا کام ہی اللہ کی پاکی بیان کرنا اور اللہ کے نیک بندوں کے لئے دعا کرنا ہے۔



إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿١٥﴾ قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا أَثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْنَا أَثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرَكَ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٧﴾ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۖ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ﴿١٨﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿١٩﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿٢٠﴾

جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کو پکار کر کہا جائے گا کہ تم (آج) اپنے آپ سے جتنا بیزار ہو، اللہ اس سے بڑھ کر (تم سے) اس وقت بیزار تھے، جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے، پھر بھی تم نہیں مانا کرتے تھے، (۱) وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی، (۲) تو اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا اب (اس سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ (۱۱) (ارشاد ہوگا:) یہ اس لئے ہے کہ جب ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے، تو اب اللہ ہی کا فیصلہ ہے، جو بلند و بالا اور بڑا ہے، (۱۲) وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے روزی اُتارتا ہے اور نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں، جو (اللہ کی طرف) رُجوع کرتے ہیں، (۱۳) تو اللہ کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارو، اگرچہ کہ کفر کرنے والوں کو ناگوار ہو، (۱۴) اللہ بلند مرتبہ والے ہیں، عرش کے مالک ہیں، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں، اپنے حکم سے روح (وحی) (۴) اُتار دیتے ہیں؛ تاکہ وہ ملاقات کے دن سے باخبر کر دے۔ (۱۵)

(۱) یعنی قیامت کے دن ایمان نہ لانے والے خود اپنے وجود سے بیزار ہوں گے کہ ان ہی کی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں آنا پڑا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ یاد دلائیں گے کہ تم ایمان نہ لا کر مجھ کو جو غصہ دلایا کرتے تھے، اس کو یاد کرو۔  
(۲) دوبار مردہ حالت میں رکھنے سے مراد تخلیق مکمل ہونے سے پہلے نطفہ اور گوشت کی صورت اور دوسری بار قبر میں رکھنا ہے، اور دوبار کی زندگی سے دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی مراد ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۹۷/۱۵)

(۳) معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت پر عمل کرنے میں کسی کی ناگواری کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

(۴) روح سے مراد وحی اور نبوت ہے؛ کیوں کہ نبی کے ذریعہ جو شریعت آتی ہے، وہ انسان کے لئے گویا زندگی کا سامان ہے، ←

يَوْمَ هُمْ بَرْزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾  
 الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾  
 وَأَنْذَرُهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُطَيْبِينَ ۖ مِمَّا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا  
 شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ  
 وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٢٠﴾ أَوْ لَمْ  
 يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ  
 مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ ۖ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿٢١﴾

جس دن کہ وہ نکل پڑیں گے اور اللہ پر ان کی کوئی چیز چھپی نہیں رہے گی (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے): آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ (پھر خود ہی ارشاد فرمائیں گے): صرف اللہ کی، جو تنہا اور بڑا زبردست ہے! ﴿۱۶﴾ آج ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے دیا جائے گا، آج کوئی نا انصافی نہیں ہوگی، یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں، ﴿۱۷﴾ اور ان کو قریب آنے والے دن (یعنی قیامت) سے ڈرائیے، جب مارے غم کے کلیجے منہ کو آجائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات قبول کی جائے، ﴿۱۸﴾ اللہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتے ہیں، ﴿۱۹﴾ اللہ تو حق کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں اور اللہ کے سوا یہ لوگ جن کو پکارا کرتے ہیں، وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، یقیناً اللہ ہی خوب سننے والے اور دیکھنے والے ہیں، ﴿۲۰﴾ کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے کے لوگوں کا کیسا انجام ہوا؟ وہ تو ان سے بھی زیادہ طاقتور اور زمین میں چھوڑے ہوئے آثار کے اعتبار سے ان سے بھی بڑھ کر تھے، ﴿۲۱﴾ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا اور اللہ کے مقابلہ کوئی ان کو بچانے والا نہیں۔ ﴿۲۱﴾

← اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے اپنا رشتہ جوڑ لیا، گویا اس نے اصل زندگی حاصل کر لی، جب کہ اپنی فطرت اور عقل کے اعتبار سے وہ شخص مردہ کے درجہ میں ہے، جو ایمان سے محروم ہے، جیسے جسمانی روح سے جسم زندہ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی وحی سے دل کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ انسان کے ظاہری اور اندرونی اعضاء میں دو چیزیں ایسی ہیں، جن کے فعل کو قریب سے قریب انسان سے بھی چھپایا جاسکتا ہے، ایک: آنکھ، جو لوگوں سے نظر بچا کر کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے، دوسرے: دل، جس کے ارادے اس کے سوا ہر ایک سے پوشیدہ ہوتے ہیں؛ لیکن ان اعضاء سے کی جانے والی حرکتیں بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے چھپ نہیں سکتیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَاتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدٌ الْعِقَابِ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰى بِاٰيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهٰمٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سِحْرٌ كَذٰبٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا اقْتُلُوْا اَبْنَاءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ مُوسٰى اِنِّىْٓ عٰذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۹﴾

ع  
۸

یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر بھی انھوں نے انکار کیا تو اللہ نے ان کی پکڑ فرمائی، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ بڑی قوت والے اور سخت سزا دینے والے ہیں، ﴿۲۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل لے کر فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا، وہ لوگ کہنے لگے: یہ جادوگر اور جھوٹا ہے، ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ جب ان کے پاس ہماری طرف سے دین حق آچکا تو وہ بولے: ”جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو“ اور ان کافروں کی سازش ناکام ہی رہی، ﴿۲۷﴾ ﴿۲۸﴾ فرعون نے کہا: ”مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہئے کہ اپنے پروردگار کو (اپنی مدد کے لئے) بلا لے، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارے دین کو بدل ڈالے، یا ملک میں فساد پیدا کر دے“ ﴿۲۹﴾ موسیٰ نے کہا: میں ہر مغرور شخص سے — جو روزِ حساب پر یقین نہیں رکھتا — اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ ﴿۳۰﴾

← ﴿۲﴾ یعنی انھوں نے زمین پر ایسی بلند و بالا عمارتیں بنائیں، جو ایک تاریخی یادگار کا درجہ اختیار کر گئیں، پھر بھی وہ اللہ کی پکڑ سے بچ نہ سکے، تو ان صحرائے نشیں عربوں کا کیا شمار جو تہذیب و ترقی کے اعتبار سے ان سے بہت پیچھے ہیں!

﴿۱﴾ یعنی حضرت موسیٰ ؑ کے نبی ہونے کے دعویٰ کو جھوٹ اور آپ ﷺ کے پیش کئے ہوئے معجزات کو جادو قرار دیتے تھے۔  
﴿۲﴾ فرعون کی طرف سے لڑکوں کے قتل کرنے کا واقعہ دوبار پیش آیا، ایک بار حضرت موسیٰ ؑ کی ولادت سے پہلے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے بیٹوں کا قتل، جب نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ایک لڑکا فرعون کے اقتدار کا خاتمہ کر دے گا، دوسری بار حضرت موسیٰ ؑ کے نبی بنائے جانے کے بعد، جب بہت سارے لوگ ایمان لے آئے، ان میں بنی اسرائیل کے علاوہ فرعون کی قوم کے بھی بعض لوگ تھے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۳۰۵/۱۵) — کافروں کی سازش کو ناکام کر دینے سے مراد یہ ہے کہ ایمان لانے والے ثابت قدم رہے اور ان کو حق کے راستے سے ہٹانے کی کوششیں ناکام و نامراد ہو گئیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۚ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ يَقُومُ لَكُمْ الْيَوْمَ الْيَوْمَ ظَهْرَيْنَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يُقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ﴿۲۶﴾ مِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلَمًا لِلْعِبَادِ ﴿۲۷﴾

اور فرعون کے خاندان میں سے ایک مرد مؤمن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، کہا: ”کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے؛ حالاں کہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے، ﴿۱﴾ اگر (بالفرض) یہ جھوٹا ہو تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا، اور اگر یہ سچا ہو تو تم کو جس (عذاب) کا خوف دلا رہا ہے، اس کا کچھ حصہ تو تم پر پڑے گا ہی، بے شک اللہ ایسے شخص کو ہدایت عطا نہیں فرماتے، جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو، ﴿۲﴾ اے میری قوم! آج تو تمہاری حکومت ہے کہ تم زمین میں غالب ہو تو اگر اللہ کا عذاب آجائے تو اس کے مقابلہ میں تمہاری کون مدد کرے گا“ فرعون نے کہا: جو بات میری سمجھ میں آتی ہے، وہ میں تم کو بھی سمجھاتا ہوں اور میں تم کو وہی راستہ بتا رہا ہوں، جس میں بھلائی ہے، ﴿۳﴾ اور جو شخص ایمان لا چکا تھا، اس نے کہا: ”اے میرے لوگو! مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر وہی دن نہ آجائے، جو پہلی اُمتوں پر آچکا ہے، (یعنی عذاب کا دن) ﴿۴﴾ جو حال قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا ہوا اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کوئی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ اس مسلمان شخص کا نام غالباً ”شمعان“ تھا، بعض لوگوں نے کچھ اور نام بتائے ہیں، یہ فرعون کی قوم یعنی قبطی نسل سے تھا، یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ فرعون کے چچا زاد بھائی تھے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ فرعون کی قوم میں سے تین ہی افراد کو ایمان کی توفیق ہوئی، ایک: فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ؓ، دوسرے: وہ شخص جس نے حضرت موسیٰ ؑ کو اطلاع دی کہ آپ کے قتل کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں، (تفسیر ابن کثیر: ۹۲/۴) تیسرے: یہ شخص جس نے فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ ؑ کی دعوت کو قبول کرنے کا مشورہ دیا، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۳۰۶/۱۵) — ٹھیک یہی بات حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اس وقت کفار مکہ سے کہی تھی، جب کعبۃ اللہ کے پاس عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں کپڑا لپیٹ کر آپ ﷺ کا گلا گھونٹ دینے کی کوشش کی تھی۔ (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ المؤمن، حدیث نمبر: ۴۵۳۷)

وَيَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُثْلَوْنَ مُدْبِرِينَ ۚ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَهُم ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

اور اے میری قوم! مجھے تم پر اس دن کا ڈر ہوتا ہے، جب آہ و فغاں مچی ہوگی، ﴿۳۲﴾ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہو گے (مگر) تم کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا، ﴿۳۳﴾ اور جس کو اللہ ہی ہدایت سے محروم کر دے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہو سکتا، ﴿۳۴﴾ تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف بھی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے تو وہ جو کچھ لے کر آئے، اس کے سلسلہ میں بھی تم برابر شک ہی میں رہے، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم کہنے لگے: اللہ ہرگز اس کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجیں گے، اللہ تعالیٰ اسی طرح ان لوگوں کو گمراہی پر باقی رہنے دیتے ہیں جو حد سے گزر جاتا ہو اور شک کرنے والا ہو، ﴿۳۵﴾ جو بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیتوں کے سلسلہ میں جھگڑے کرتے ہیں، ان کا یہ جھگڑنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک بڑا ہی ناپسندیدہ ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش شخص کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ (۳)

﴿۱﴾ ”تناد“ کے معنی ایک دوسرے کو پکارنے کے ہیں، اس سے کن لوگوں کا پکارنا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے اہل دوزخ کا آہ و واویلا اور حسرت و افسوس کا اظہار کرنا مراد ہے: ”لأن الكافر ينادى فيه بالويل والثبور والحسرة“ (تفسیر قرطبی: ۳۱۲/۱۵) اسی لئے ترجمہ کیا گیا ہے ”جب آہ و فغاں مچی ہوگی“۔

﴿۲﴾ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ کسی مصیبت میں گھر جاتا ہے تو بچاؤ کے لئے کوئی معمولی سی صورت بھی نظر آئے تو ایک آخری کوشش کے طور پر اس کو اختیار کرتا ہے، یہی حال قیامت میں دوزخیوں کا ہوگا کہ وہ وہاں بھی بھاگنے کی کوشش کریں گے، مگر وہ فرشتوں کے گھیراؤ سے نکل نہ سکیں گے، اب ان کی یہ کوشش یا تو اس وقت ہوگی، جب دوسرا صور پھونکا جائے گا اور سارے لوگ میدانِ حشر میں جمع کئے جائیں گے، یا اس وقت جب ان کے حق میں دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا اور وہ دوزخ کی طرف ہٹائے جا رہے ہوں گے، مفسرین سے دونوں باتیں منقول ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۳۱۱/۱۵)

﴿۳﴾ یہ ساری باتیں اسی مردِ مومن کی ہیں، جو فرعون کی قوم سے تھا اور جس نے نہ صرف حضرت موسیٰ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا، بلکہ خود دینِ حق کا داعی اور ترجمان بن کر کھڑا ہو گیا، اور رائج قول کے مطابق یوسف سے وہی حضرت یوسف ﷺ مراد ہیں، جو حضرت یعقوب ﷺ کے صاحبزادے تھے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيَهَامُنُ ابْنِ بَنِي صَرَخًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۖ ۱۰۰ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَاتَّطَلَّعَ إِلَى  
 إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَا أَظُنُّهُ كَاذِبًا ۖ ۱۰۱ وَكَذَلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۖ وَمَا  
 كُنْزُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۖ ۱۰۲ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يِقُومُ ۖ اتَّبِعُونَ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۖ ۱۰۳  
 يِقُومُ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۖ ۱۰۴ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا  
 يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِمَّنْ ذَكَرَ ۖ أَوْ أَنْشَأَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ  
 الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ ۱۰۵ وَيَقُومُ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى  
 النَّارِ ۖ ۱۰۶ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ  
 الْعَفَّارِ ۖ ۱۰۷

فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے ایک اونچا محل بناؤ؛ تاکہ میں ان راستوں سے آسمان کے راستوں پر پہنچ جاؤں، پھر میں جھانک کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور (ویسے تو) میں اس کو جھوٹا ہی خیال کرتا ہوں، اسی طرح فرعون کے لئے اس کی بڑی حرکت کو خوشنما بنا دیا گیا، وہ (درست) راستہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی تدبیر بیکار ہی گئی، ۱۰۰ اور جو شخص ایمان لا چکا تھا، اس نے کہا: ”اے میرے لوگو! تم میری پیروی کرو میں تم کو بھلائی کا راستہ دکھاؤں گا، ۱۰۱ اے لوگو! یہ دنیوی زندگی تو محض چند روزہ فائدہ اٹھانا ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ تو آخرت ہے، ۱۰۲ تو جو شخص گناہ کرے گا، اس کو برابر سزا برسر ادا دی جائے گی، اور جو مرد و عورت نیک عمل کریں گے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں تو وہ جنت میں داخل ہوں گے، وہاں ان کو بے حساب رزق ملے گا، ۱۰۳ اور اے میری قوم! کیا بات ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو، ۱۰۴ تم مجھ کو دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کر جاؤں اور ایسی چیز کو اس کا سا جھی ٹھہراؤں جس کا مجھے علم نہیں اور میں تمہیں ایسی ذات کی طرف بلاتا ہوں، جو غالب اور بہت بخشنے والا ہے؟ ۱۰۵

۱۰۰ یہ واقعہ سورہ قصص: ۳۸ میں گزر چکا ہے، تدبیر کے بیکار ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہامان کا بنایا ہوا یہ بلند محل جلد ہی زمین بوس ہو گیا، یا تو اس عمارت کا گرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وجہ سے ہوا ہوگا، جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ عمارت تو خوب اونچی بنادی ہو اور بنیاد اتنی مضبوط نہ رہی ہو، اس طرح کے واقعات آج کل بھی پیش آتے رہتے ہیں، فرعون کا یہ حکم اور اس کے وزیر کی طرف سے اُس کی اس تعمیر کا سبب ان کی بے وقوفی بھی ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ آسمان کی بلندی تک کوئی عمارت نہیں بنائی جاسکتی ہے؛ اس لئے بظاہر ان لوگوں نے یہ حرکت اپنے عوام کو بیوقوف بنانے اور ان کو مرعوب کرنے کے لئے کی ہوگی۔

لَا جَرَمَ أَنْتُمْ تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿۳۳﴾ فَسْتَذَكِّرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۖ وَأَفْوِضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۴﴾ فَوَقَّعَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿۳۵﴾ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۖ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۳۶﴾ وَإِذْ يَتَحَايُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا ۖ إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ﴿۳۷﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو، وہ نہ دنیا میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت میں، یقیناً ہم سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہوگی اور جو لوگ حد سے گزرنے والے ہیں، وہی دوزخی ہوں گے، ﴿۳۳﴾ میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں، عنقریب تم اسے یاد کرو گے، اور (اب) میں اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ بندوں کو دیکھ رہے ہیں، ﴿۳۴﴾ تو اللہ نے اس کو ان لوگوں کی بُری سازشوں سے محفوظ رکھا، ﴿۳۵﴾ اور فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے گھیر لیا، ﴿۳۶﴾ وہ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (تو ہم حکم دیں گے): فرعون کے لوگوں کو سخت سے سخت عذاب میں داخل کر دو! ﴿۳۷﴾ اور جب وہ لوگ دوزخ کے اندر آپس میں جھگڑیں گے تو کم درجہ کے لوگ بڑے بننے والوں سے کہیں گے: ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم آگ کا کوئی حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو؟ ﴿۳۸﴾

﴿۱﴾ مفسرین نے لکھا ہے کہ قوم فرعون کے اس مسلمان شخص کو اس کی قوم کے لوگوں نے مار ڈالنا چاہا؛ لیکن وہ وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، یہاں تک کہ دریا پار کرتے ہوئے وہ بھی حضرت موسیٰ ؑ کے ہم سفر تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی پانی میں غرق ہونے سے بچا لیا، (تفسیر قرطبی: ۳۲۸/۱۵) — ان مسلمان داعی نے جب اپنی قوم کو ہر طرح سے سمجھا لیا اور انھوں نے مان کر نہیں دیا، تو آخر میں اپنی قوم سے فرمایا: میں اپنا معاملہ اللہ ہی کے حوالہ کرتا ہوں: ”افوض امری إلى الله“ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ پہلے تو جہاں تک ممکن ہو، اللہ کے بندے کو دین حق کی طرف بلائے اور محبت و خیر خواہی کے ساتھ سمجھائے، اور جو قوم اس کے باوجود انکار پر ڈٹی رہے تو پھر مزید الجھنے کے بجائے اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کر دے۔

﴿۲﴾ ان دو آیتوں میں فرعون اور اس کی قوم پر ہونے والے تین عذابوں کا ذکر آیا ہے، اول: وہ پانی میں غرق کر دیئے گئے، یہ دنیا کا عذاب ہے، دوسرے: ان کو صبح و شام دوزخ پر پیش کیا جاتا ہے، یہ عالم برزخ کا عذاب ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ فرعون کے ماننے والے اور اسی طرح دوسرے ایمان نہ لانے والوں کی روح ہر دن صبح و شام دوزخ پر پیش کی جاتی ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا اصل ٹھکانہ یہی ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۰۸/۱۵) اس حدیث میں ←

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ۖ قَالُوا أَوْ لَمْ تَأْتِيَكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فادْعُوا وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۖ إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝

جو لوگ بڑے بنتے تھے، وہ کہیں گے: ہم سب کے سب تو اسی میں پڑے ہوئے ہیں، بے شک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکے ہیں، اور دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے: اپنے پروردگار سے دُعا کرو کہ ایک دن ہم سے کچھ تو عذاب ہلکا کر دیں، وہ جواب دیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر واضح نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں، آئے تو تھے، فرشتے کہیں گے: پھر تم خود ہی دُعا کر لو اور کافروں کی دُعا تو (اس دن) بس بیکار رہی رہے گی، (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) اس میں شک نہیں کہ ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان لانے والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی مدد کریں گے، جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱﴾

← آل فرعون اور اہل دوزخ کا خاص طور پر ذکر ہے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی موت ہوتی ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر اہل جنت میں سے ہو تو جنت، اور اہل دوزخ میں سے ہو تو دوزخ، اور اس کو بتایا جاتا ہے کہ یہی تمہارا ٹھکانہ ہے، جب تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے تو تمہیں یہیں آنا ہوگا، (بخاری، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب عرض مقعد الميت من الجنة، حدیث نمبر: ۲۸۶۶، مسلم، کتاب الجنائز، باب الميت يعرض عليه بالغداة والعشي، حدیث نمبر: ۱۳۱۳) — یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ قبر میں عذاب کا ہونا برحق ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، تیسرا عذاب وہ ہے جو آخرت میں ہوگا اور قیامت قائم ہونے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

﴿۱﴾ یعنی دوزخ میں بھی وہ عذاب سے بچنے یا اس کے ہلکے کئے جانے کے لئے کبھی ہاتھ پاؤں ماریں گے، کبھی دار و نہ دوزخ سے کہیں گے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، نہ عذاب ان سے ہٹے گا اور نہ ہلکا کیا جائے گا۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ دین حق پر قائم رہنے والوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی، آخرت کی مدد جنت جیسی خوشگوار جگہ پر ہمیشہ ہمیش رہنے کا موقع دینا ہے، اور دنیا میں مدد کے دو طریقے پر ہے، ایک: معنوی، دوسرے: ظاہری، معنوی مدد یہ ہے کہ علمی اور فکری اعتبار سے ہمیشہ حق کو غلبہ حاصل رہے گا، جیسا کہ ہم موجودہ زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ اگرچہ اسلام دشمن طاقتیں مادی طاقت کے اعتبار سے غالب ہیں؛ لیکن مغرب و مشرق کی بڑی بڑی شخصیتیں اسلام کے دامن میں آرہی ہیں اور ہزار مخالف پروپیگنڈہ کے باوجود جو لوگ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ اس کتاب کے گرویدہ ہو کر رہ جاتے ہیں، ظاہری مدد یہ ہے کہ دین حق پر قائم رہنے ←



يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذَرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ الْكِتَابَ ﴿۲۵﴾ هُدًى وَذِكْرًا لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۲۶﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۲۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ إِنَّ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۖ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۲۸﴾ لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۹﴾

جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی، ان کے لئے پھٹکار ہی ہوگی اور ان کے لئے بدترین گھر ہوگا، ﴿۲۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت سے نوازا تھا اور بنی اسرائیل کو (آسمانی) کتاب کا وارث بنایا تھا، ﴿۲۵﴾ جو عقل مندوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور سراپا نصیحت ہے، ﴿۲۶﴾ لہذا آپ صبر کیجئے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، اپنی بھول چوک کی معافی مانگتے رہئے اور صبح و شام اپنے پروردگار کی تعریف اور پاکی بیان کرتے رہئے، ﴿۲۷﴾ جو لوگ بغیر کسی دلیل کے — جو ان کے پاس آئی ہو — اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑتے رہتے ہیں، ان کے دلوں میں بڑائی کا احساس ہے، جہاں تک وہ پہنچ نہیں سکیں گے، تو اللہ کی پناہ چاہتے رہئے، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ﴿۲۸﴾ یقیناً آسمان و زمین کا پیدا کرنا انسان کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۲۹﴾

← والوں کو بالآخر مادی اعتبار سے بھی غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، اب یہی دیکھئے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کے ساتھ ان کے مخالفین کا رویہ کس درجہ تکلیف دہ تھا اور وہ کسی بے چارگی کی حالت میں دنیا سے اٹھائے گئے؛ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ عیسائیوں کو یہودیوں پر ایسا غلبہ حاصل ہوا کہ عیسائی حاوی ہو گئے اور یہودی مارے مارے پھرتے تھے، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء کو مجبور ہو کر مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا؛ لیکن کچھ ہی عرصہ گذرا کہ مخالفین میں سے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے، یہاں تک کہ بالآخر مکہ بھی فتح ہو گیا؛ البتہ ضروری نہیں کہ یہ ظاہری مدد ہمیشہ مسلمانوں کے حق میں ظاہر ہو جائے؛ کیوں کہ یہ دنیا امتحان کے لئے ہے اور اگر ہمیشہ ایک ہی گروہ کو غلبہ حاصل ہو تو پھر اس کا حق پر ہونا اس طرح ظاہر ہو جائے گا کہ امتحان و آزمائش کی بات باقی نہیں رہ جائے گی۔

﴿۱﴾ غور کیجئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو استغفار کا اور حمد و تسبیح کا حکم دیا جا رہا ہے تو عام امتیوں کے لئے یہ اعمال کس قدر اہمیت کے حامل ہیں؟

﴿۲﴾ یعنی آپ ﷺ کے دشمن چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے بجائے ان کو نبوت مل جائے اور وہ قوم کے سردار اور رہنما بن جائیں، یہی حسد و تکبر کا جذبہ ان کو حق کے قبول کرنے سے روکے ہوا تھا، مگر ان کو نبوت سے نوازا نہیں جائے گا۔

﴿۳﴾ جب اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو پیدا فرما سکتے ہیں تو انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اور قیامت قائم کرنا کیا دشوار ہے؟

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَأَتِيَةٌ ۖ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي ۖ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرِينَ ﴿٢٦﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٧﴾ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآَنِي تُؤْفَكُونَ ﴿٢٨﴾ كَذَلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٢٩﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَصَوَّرَكُمُ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۖ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ ۚ فَتَذَكَّرَكُمُ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٠﴾

اندھے اور دیکھنے والے، ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے اور بدکار برابر نہیں ہو سکتے، تم لوگ بہت کم غور کرتے ہو، ﴿۲۴﴾ یقیناً قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے؛ لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں ہیں، ﴿۲۵﴾ تمہارے پروردگار کا فرمان ہے: مجھ سے دُعا مانگو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت کرنے سے کتراتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے، ﴿۲۶﴾ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات اس غرض سے بنائی ہے کہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو روشن بنایا ہے، یقیناً اللہ کا انسانوں پر بڑا ہی فضل و کرم ہے؛ لیکن اکثر انسان شکر ادا نہیں کرتے، ﴿۲۷﴾ یہی اللہ ہیں، جو تمہارے پروردگار ہیں اور ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ ﴿۲۸﴾ اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے، ﴿۲۹﴾ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنادیا، تمہاری صورت بنائی اور تمہیں اچھی صورت عطا فرمائی، ﴿۳۰﴾ نیز تم کو پاکیزہ رزق سے نوازا، یہ ہے اللہ کی ذات جو تمہارا پروردگار ہے، تو بڑی بابرکت ہے اللہ کی ذات جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۳۱﴾

﴿۱﴾ ”دُعا“ دین کا ایک اہم ترین عمل ہے؛ اسی لئے قرآن مجید میں اللہ کے پیغمبروں کی بہت سی دُعائیں نقل کی گئی ہیں، اگر انسان آداب کی رعایت کرتے ہوئے دُعا کرے تو ضرور قبول کی جاتی ہیں اور قبولیت کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جس چیز کی دُعا کی جائے، وہی مل جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مصیبت جو اس پر آنے والی تھی، ٹل جائے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو اس کا اجر مل جائے، (مستدرک حاکم، کتاب الدعاء والتکبیر، حدیث نمبر: ۱۸۱۲) مخلوق سے کوئی چیز مانگی جائے تو اسے غصہ آتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ —

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٩﴾ قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٠﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ ثُمَّ لِيَكَوُنُوا أَشْيُو خَا ۚ وَمِنْكُمْ مَن يُتَوَفَّى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾

وہی زندہ ہے (جس کو موت نہیں آسکتی)، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اس کو پکارو، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کے رب ہیں، ﴿۶۰﴾ آپ کہہ دیجئے: مجھے اس بات سے منع فرما دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو، میں ان کی عبادت کروں؛ باوجودیکہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے واضح دلیلیں بھی آچکی ہیں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام عالم کے پروردگار ہی کا فرمانبردار بن کر رہوں، ﴿۶۱﴾ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے، وہی پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتا ہے، پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے)؛ تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر (زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے بعضوں کی تو پہلے ہی موت ہو جاتی ہے اور (بعضوں کو اللہ زندہ رکھتے ہیں)؛ تاکہ تم سب مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھو۔ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾

← کی شان کریمی یہ ہے کہ اگر اس سے دُعا نہ کی جائے تب اس کو غصہ آتا ہے: ”مَنْ لَمْ يَدْعِ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ غَضِبَ عَلَيْهِ“ (مسند احمد عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۱۰۱۸۱) — دُعا کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ”جو لوگ میری عبادت سے کتراتے ہیں، وہ دوزخ میں داخل ہوں گے“ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دُعا بجائے خود ایک عبادت ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ الدَّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ“۔ (ابوداؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء، حدیث نمبر: ۴۸)

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت دوسری تمام مخلوقات سے ظاہر کے اعتبار سے بھی اچھی بنائی ہے اور جسم کے مختلف اعضاء کے کام کرنے کے لحاظ سے بھی سب سے بہتر بنائی ہے، دوسرے جانوروں کو دیکھئے، وہ کھڑے نہیں ہو سکتے، ان کو اپنا منہ زمین پر رکھ کر کھانا پڑتا ہے، وہ اپنا ہاتھ اپنے پشت کی طرف نہیں لے جاسکتے، بہت سے جانور گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھ نہیں سکتے، دوسرے جانوروں کو انسان کی طرح زمین یا تخت یا سواری پر بیٹھنا میسر نہیں ہے، ان کی زبانوں سے آواز تو پیدا ہوتی ہے؛ لیکن الفاظ پیدا نہیں ہوتے، انسان کی آواز الفاظ کو شامل ہوتی ہے، دوسرے حیوانات کی آواز نغسگی سے محروم ہوتی ہے اور انسان کی آواز بھی حسن کا جادو جگاتی ہے؛ اس لئے انسان نہ صرف اپنی پُرکشش صورت کی وجہ سے؛ بلکہ اپنی مخصوص بناوٹ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرٌ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٢٠﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ سَوَّاهُ جَدَلُونَهُ فِي آيَةِ اللَّهِ ۚ أَنَّى يُصَرَّفُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآلِ كِتَابٍ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ إِذِ الْأَغْلُلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٢٣﴾ فِي الْحَمِيمِ ۚ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٢٤﴾ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ آيِنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٢٥﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا ۚ بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَلِكَ يَضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾ ذَلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٢٧﴾ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٨﴾

وہی ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، پھر جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے، ﴿۲۰﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، وہ کہاں بھٹکے پھر رہے ہیں؟ ﴿۲۱﴾ جن لوگوں نے کتاب کو اور اس چیز کو جس کو لے کر ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا، جھٹلادیا تو عنقریب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا، ﴿۲۲﴾ جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی، وہ کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے، پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے، ﴿۲۳﴾ پھر ان سے پوچھا جائے گا: وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: وہ سب تو ہم سے غائب ہو گئے، بلکہ ہم تو پہلے کسی کو پوجتے ہی نہیں تھے، اسی طرح اللہ ایمان نہ لانے والوں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے، ﴿۲۴﴾ یہ (عذاب) اس لئے ہے کہ تم زمین میں ناحق اتراتے اور اڑتے پھرتے تھے، ﴿۲۵﴾ (اب) ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہنے کے لئے اس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، تو تکبر کرنے والوں کا یہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے! ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ مخلوق جب کسی چیز کو بناتی ہے تو اس کی بناوٹ میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیلی نہیں آتی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس کی تخلیق میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک بدلاؤ سا آتا جاتا ہے، پہلے خون کا لوتھڑا، پھر ایک نازک و کمزور سا بچہ، پھر جوانی اور آخر میں بوڑھا پاپا، ایک ہی انسان ہے؛ لیکن زندگی کا ہر مرحلہ دوسرے سے مختلف ہے، تخلیق کا مادہ ایک ہی ہے، بظاہر جسم بھی ایک ہی طرح کا ہے؛ لیکن عمریں مختلف ہیں، کوئی بڑھاپے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور کوئی بڑھاپے کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے، یہ سب خالق کائنات کی بے پناہ قدرت اور غیر معمولی حکمت و دانائی کا مظہر ہے۔

﴿۲﴾ حالاں کہ اس کا کوئی امکان نہ ہوگا کہ اہل دوزخ بھاگ جائیں، پھر بھی ان کے گلے میں طوق ہوگا، پاؤں میں زنجیریں ہوں گی اور انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا؛ تاکہ ان کی ذلت و رسوائی میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۲۵﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَكُونُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۶﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿۲۷﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۚ فَكَيْ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ﴿۲۸﴾

تو (اے پیغمبر!) صبر کیجئے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو یا تو ہم آپ کو ان میں سے بعض چیزیں دکھادیں گے، جن کا ہم آپ سے وعدہ کر رہے ہیں، یا ہم آپ کو وفات دے دیں، پھر وہ تو ہماری ہی طرف واپس لائے جائیں گے، ﴿۲۴﴾ ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں، جن میں سے بعض کے حالات تو ہم نے آپ سے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے بیان نہیں کئے ہیں، ﴿۲۵﴾ اور رسول کے بس میں نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے، پھر جب اللہ کا حکم آپ پہنچا تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اس وقت باطل کی پیروی کرنے والے نقصان میں رہ گئے، ﴿۲۶﴾ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے مویٹی پیدا کئے، جن میں کچھ پر تم سواری کرتے ہو اور کچھ کو کھاتے ہو، ﴿۲۷﴾ اور تمہارے لئے اس میں اور بھی فائدے ہیں، ﴿۲۸﴾ اور اس لئے بھی پیدا کئے کہ تم اُن پر سوار ہو کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤ اور تم چوپایوں پر اور کشتیوں پر سوار کئے جاتے ہو، ﴿۲۹﴾ اور اللہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتے رہتے ہیں تو اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟ ﴿۳۰﴾

﴿۱﴾ یعنی ایمان نہ لانے والوں کے لئے اللہ کے عذاب کا جو وعدہ ہے وہ تو پورا ہو کر ہی رہے گا، خواہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہو یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔

﴿۲﴾ غرض کہ ایسا نہیں ہے کہ قرآن میں جن پیغمبروں کا ذکر ہے، صرف وہی پیغمبر تھے، ان کے علاوہ کوئی اور پیغمبر نہیں آئے؛ بلکہ قرآن مجید میں صرف ان پیغمبروں کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، جو عرب اور اس کے گرد و پیش میں آئے تھے اور جن سے قرآن مجید کے اولین مخاطب کچھ نہ کچھ واقف تھے؛ لیکن ان کے علاوہ بھی بہت سے پیغمبر آئے، جن کا قرآن نے ذکر نہیں کیا ہے؛ اس لئے اگر کسی قوم کے پاس ایسی مذہبی کتاب ہو، جس میں توحید و رسالت اور آخرت کا ذکر ہو تو اس بات کا امکان موجود ہے کہ اس مذہب کے داعی اپنے وقت کے پیغمبر رہے ہوں، جب تک قرآن تصدیق نہ کر دے، ہم متعین طریقہ سے تو ان پر ایمان نہیں لاسکتے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان کے بارے میں زبان کی حفاظت کی جائے؛ کیوں کہ عجب نہیں کہ وہ اپنے وقت کے پیغمبر رہے ہوں۔

﴿۳﴾ جیسے ان کے چمڑوں سے جوتے اور موزے بنانا، ان کے بالوں سے اون اور گرم پوشاک کا حاصل ہونا اور ان کے مختلف اجزاء سے دواؤں کی تیاری۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ  
وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا آغْنَى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ  
بِالْبَيِّنَاتِ فَرَحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْا  
بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَّثَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿۲۶﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ  
لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿۲۷﴾

ع  
۱۳

کیا یہ لوگ زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا انجام ہوا، جو (تعداد میں) ان سے زیادہ تھے اور طاقت اور زمین میں چھوڑے گئے آثار کے اعتبار سے ان سے بڑھے ہوئے تھے؟ تو ان کے کارنامے ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے، ﴿۱﴾ پھر جب ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلیلیں لے کر آئے تو یہ اپنے ہی علم پر اترانے لگے، ﴿۲﴾ اور (بالآخر) وہ جس (عذاب) کا مذاق اڑا رہے تھے، اُسی نے اُن کو گھیر لیا، ﴿۳﴾ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم شریک ٹھہرایا کرتے تھے، ﴿۴﴾ پھر جب انھوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو اب ان کا ایمان لانا کچھ بھی فائدہ مند نہ ہوا، یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہا ہے اور اس وقت کفر کرنے والے نقصان میں رہ گئے۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ یعنی کوئی قوم سائنس اور ٹکنالوجی میں کتنی ہی آگے بڑھ جائے، اگر وہ ایمان کی دولت اور اللہ کی معرفت سے محروم ہو تو اس کا آخری انجام ناکامی و ناکامی ہی ہے۔

﴿۲﴾ غرض کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغمبروں کے ذریعہ انسان کے پاس جو علم آیا ہے، وہی صد فیصد درست ہے، جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں، اس کے سوا دنیا نے جتنی بھی علمی ترقی کی ہے، وہ نقص اور غلطی کے امکان سے خالی نہیں، ان پر پورا بھروسہ کر لینا اور اترانا کسی مسلمان بلکہ کسی متفکر انسان کا کام نہیں۔

﴿۳﴾ انسان سے اللہ کے وعدہ پر بن دیکھے ایمان لانا مطلوب ہے، جب غیب کا پردہ ہٹ جائے گا اور انسان سر کی آنکھوں سے اللہ کے عذاب کو دیکھ لے گا تو اب توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس کا تعلق آخرت سے بھی ہے کہ دوزخ میں پہنچنے کے بعد ایمان لانا کچھ کام نہ آئے گا، اور دنیا سے بھی ہے کہ جب موت اس کے آنکھوں کی سامنے آجائے گی تو توبہ قبول نہیں ہوگی؛ چنانچہ فرعون جب ڈوبنے لگا تو بول اٹھا: میں اسی خدا پر ایمان لایا، جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں؛ لیکن اب اس کا یہ اقرار کام نہ آیا اور ارشاد ہوا: تم اب ایمان لاتے ہو، حالانکہ تم تو پہلے نافرمانی کرتے رہے (یونس: ۹۰-۹۱)، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک آدمی پر غرغره کی حالت طاری نہ ہو جائے یعنی انسان کی روح حلق تک نہ پہنچ جائے، اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں۔

(ترمذی، عن ابن عمر، کتاب الدعوات، باب فی فضل التوبۃ والاستغفار، حدیث نمبر: ۳۵۳۷)



## سورة حمّ السجدة / فصلت

«سورة نمبر : (۴۱)

«رکوع : (۶)

«آیتیں : (۵۴)

«نوعیت : مکی

آسان تفہیم قرآن مجید

اس سورہ کی ابتدا بھی 'حَمَّ' سے ہوتی ہے، 'حَمَّ' گروپ کی جو دوسری سورتیں ہیں، ان کے مقابلہ میں اس سورہ کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی آیت نمبر: ۳۸، آیت سجدہ ہے، اس لئے اس سورت کا نام "حَمَّ السَّجْدَةِ" ہے، اسی طرح اس سورہ کے شروع یعنی آیت نمبر: ۳ ہی میں "فصلت" کا لفظ آیا ہے؛ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی آیتوں کو واضح طور پر بیان فرمادیا ہے، اس مناسبت سے اس کا ایک نام "فصلت" بھی ہے۔

جب قریش کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ترغیب و لالچ کے ذریعہ آپ ﷺ کو آپ کی دعوت سے ہٹانے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے جواب میں اسی سورہ کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں، اس کو سن کر قریش مکہ کا ماننا ہوا دانشور اور مقرر عتبہ دم بخود رہ گیا، اس سے اس سورہ کی اثر انگیزی، مضامین کی گہرائی اور اسلوب بیان کی شوکت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، سورہ کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آپ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی، جب اہل مکہ کی مخالفت اپنے شباب پر تھی، مفسرین کا اندازہ ہے کہ یہ سورہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی بے پناہ قدرت پر دلیل پیش کی گئی ہے، دعوت کی اہمیت، دعوت کا طریقہ اور داعی کے اوصاف واضح کئے گئے ہیں، اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، انسانی تخلیق کے مختلف مرحلوں میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں؟ یہ بات بھی واضح کی گئی ہے۔



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمَّ ۱ تَنْزِيلُ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۲ كِتَابُ فُصِّلَتْ آيَتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۳ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۴ فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۵ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِيْ أَذَانِنَا وَقْرٌ ۶ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ فَاْعْمَلْ إِنَّا نَحْنُ ۷ عَلِيمُونَ ۸ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوا ۹ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۱۰ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۱۱

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ ح، میم، ۱) یہ بے حد مہربان اور خوب رحم کرنے والے خدا کی طرف سے اُتارا ہوا کلام ہے، ۲ ایسی کتاب جس کی آیتیں واضح ہیں، یعنی قرآن جو عربی زبان میں ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہے جو سمجھ رکھتے ہوں، ۳ جو (نیک لوگوں کے لئے) خوشخبری دینے والا اور (غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو) خبردار کرنے والا ہے؛ لیکن ان کی اکثریت نے منہ موڑ لیا ہے تو وہ سنتے بھی نہیں ہیں، ۴ اور کہتے ہیں: ”تم ہمیں جس چیز کی طرف بلاتے ہو، اس سے ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ ہے، تو تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں“ ۵ (۳) آپ کہہ دیجئے: میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں؛ (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی خدا ہے، تم سیدھے ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہو اور اسی سے معافی مانگو، اور شرک کرنے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے، ۶ جو زکوٰۃ نہیں دیتے، ۷ اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ۸

۱) قرآن مجید میں کل سات سورتیں ہیں جو ”حَمَّ“ سے شروع ہوتی ہیں، ان سورتوں میں یہ سورہ بھی ہے، یہ حروف مقطعات میں سے ہے، سورہ بقرہ کے شروع میں ایسے حروف کے بارے میں وضاحت آچکی ہے۔

۲) یعنی قرآن مجید کو اس کے اولین مخاطب ’عربوں‘ کی رعایت کرتے ہوئے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے؛ لیکن ہے یہ کل انسانیت کے لئے، اگرچہ اس کی آیتیں واضح ہیں؛ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و فہم سے کام لیں گے، وہی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

۳) اہل مکہ آپ ﷺ کا مذاق اڑانے کے لئے ایسی باتیں کہتے تھے کہ ہمارے دل کھلے ہوئے نہیں ہیں، کانوں میں بوجھ ہے؛ اس لئے ہم آپ ﷺ کی بات سن ہی نہیں سکتے۔

۴) مشرکین مکہ خیر کے کاموں میں اپنے پیسے خرچ کیا کرتے تھے، خاص کر حجاج کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے، ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے؛ لیکن جو شخص مسلمان ہو جاتا، اس پر حسن سلوک کا دروازہ بند کر دیتے؛ اسی لئے خاص طور پر ←

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٨﴾ قُلْ أَيْنَكُمْ لَتَكْفُرُونَ ۚ  
بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾ وَجَعَلَ فِيهَا  
رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۖ سَوَاءً لِّلسَّالِئِلِينَ ﴿١٠﴾  
ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۖ قَالَتَا أَتَيْنَا  
طَائِعِينَ ﴿١١﴾ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ ۖ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۖ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ  
الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ ۖ وَحِفْظًا ۖ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾

اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، ﴿۸﴾ آپ دریافت فرمائیے: کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو، جس نے دونوں میں زمین کو پیدا فرمادیا؟ اور تم لوگ اس کے شریک ٹھہراتے ہو، وہی سارے جہان کے پروردگار ہیں، ﴿۹﴾ اور چار دنوں میں اس نے زمین میں اوپر سے پہاڑ رکھ دیئے، زمین کے اندر برکت رکھ دی اور اس میں سب حاجت مندوں کے لئے اندازہ کر کے ان کی خوراک کا سامان مہیا کر دیا، ﴿۱۰﴾ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں آ جاؤ، خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے، دونوں نے عرض کیا: ہم بخوشی حاضر ہیں! ﴿۱۱﴾ پھر اللہ نے دونوں میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس (کے مناسب کام) کا فرمان جاری کر دیا، نیز آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ اور محفوظ کر دیا، یہ اسی خدا کی منصوبہ بندی ہے، جو زبردست ہے اور تمام باتوں کا علم رکھتا ہے۔ ﴿۱۲﴾

← زکوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ کار خیر میں خرچ کرنے سے بھی اپنے آپ کو روک لیتے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۴۰) — اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ابھی ایمان نہیں لائے ہیں، اگرچہ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ جیسے احکام کے مخاطب نہیں ہیں؛ لیکن یہ دنیا کے احکام کے اعتبار سے ہے، آخرت میں کفر کے عذاب کے ساتھ ساتھ ان پر ان احکام کو چھوڑنے کا بھی عذاب ہوگا۔

﴿۱﴾ ان آیات میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں :

(۱) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کائنات کی تخلیق کا ذکر آیا ہے؛ چنانچہ ایک جگہ یہ بات صراحت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے کہ آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزیں چھ دنوں میں پیدا کی گئی ہیں: ”وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ“ (سورہ ہق: ۳۸) یہاں آیت نمبر: ۹-۱۲ سے بظاہر ایسا خیال ہوتا ہے کہ دو دنوں میں زمین پیدا کی گئی، چار دنوں میں پہاڑ اور اس کے اندر کی چیزیں اور دو دنوں میں آسمان، تو اس طرح آٹھ دن ہوئے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ زمین پر بحیثیت مجموعی چار دن خرچ ہوئے، دو دن اصل زمین کے بنانے میں، اور دو دن زمین کی سطح پر پہاڑوں کے جمانے اور اس کے اندر رکھانے کے لائق اشیاء کو پیدا کرنے میں، تو قرآن نے جو چار دنوں کا لفظ ذکر کیا ہے، وہ پہلے دو دن کو شامل کرتے ہوئے، اور دو دن آسمان کی پیدائش میں، اس طرح دونوں آیتوں میں معنی کے اعتبار سے موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔

← (۲) دوسرے ان آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے زمین پیدا کی گئی ہے، آسمان بعد میں پیدا کئے گئے ہیں؛ لیکن دوسری جگہ صراحت فرمادی گئی ہے کہ آسمان کے بعد زمین بچھائی گئی ہے: ”وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحْيًا“ (النازعات: ۳۰) اس سلسلہ میں اہل علم نے مختلف باتیں لکھی ہیں؛ لیکن بظاہر امام رازی کی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ پہلے دونوں میں زمین پیدا کی گئی، پھر آسمان پیدا کیا گیا، پھر زمین بچھائی گئی اور ظاہر ہے کہ زمین کے بچھانے میں پہاڑ اور زمین کے اندر رکھی جانے والی صلاحیتیں شامل ہیں، (مفتاح الغیب: ۶۰۷/۱۳) واللہ اعلم۔

(۳) یہ جو فرمایا گیا کہ آسمان دھویں کی شکل میں تھا، موجودہ سائنسی تحقیق بھی اس سے قریب ہے، دھویں سے مراد یہ ہے کہ اس وقت یہ متفرق بے نور اجزاء پر مشتمل تھا، جن کے درمیان اتصال نہیں تھا، (مفتاح الغیب: ۶۰۸/۱۳) موجودہ سائنس دانوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کائنات ابتدا میں منتشر اجزاء کی طرح مادی فضا میں پھیلی ہوئی تھی، سائنس کی موجودہ زبان میں اس کو "Nebula" سے تعبیر کرتے ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر ماجدی: ۱۹۷/۶، تفہیم القرآن: ۴/۴۵۵)

(۴) یہ جو فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو طلب فرمایا اور ان سے کہا: تم چاہو یا نہ چاہو، حاضر ہو جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کائنات اس طرح بنانی نہیں پڑی، جیسے ایک معمار گھر کی بنیادیں اور دیواریں بناتا ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اور آسمان و زمین ایک فرمانبردار غلام کی طرح بن کر حاضر ہو گئے، انھوں نے زبان حال سے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے جو ڈیوٹی مقرر ہوئی ہے، ہم اس کو اسی طرح انجام دیتے رہیں گے۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو قوت گویائی عطا فرمادی ہو اور وہ بول پڑے ہوں کہ ہم آپ کے فرمانبردار بندے ہیں اور حاضر ہیں۔ (۵) پھر یہ جو بات فرمائی کہ ہم نے ہر آسمان کے لئے اس کے مناسب حکم جاری کر دیا: ”وَأَوْحَىٰ كُلَّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے زمین میں نظر آنے والی چیزیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے نظام کی پابند ہیں، اسی طرح آسمان میں جو مخلوقات ہیں، ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے اور وہ اس سے باہر نہیں جاتے۔

(۶) ارشاد ہوا کہ آسمان دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور محفوظ بنا دیا ہے۔ تو یہاں آسمان سے دنیا کے اوپر پھیلی ہوئی بلند فضا میں مراد ہیں؛ کیوں کہ سماء ہر اونچی چیز کو کہتے ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے زمین کی فضا میں روشن ستارے رکھ دیئے ہیں، خواہ وہ خود روشن ہوں یا سورج کی روشنی کے عکس سے روشن ہو گئے ہوں۔ محفوظ کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ شیطان اس فضا سے گزر کر آسمان تک نہیں پہنچ سکتے، دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ فضا میں بکھرے ہوئے بے شمار ستاروں کے ٹوٹے پھوٹے اجزاء جو کائنات میں گردش کرتے رہتے ہیں، یا سورج سے نکلنے والی حرارت انگیز لہریں، جن کو زمین برداشت نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ نے فضا میں ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو تحلیل کر دیتی ہے اور زمین پر اس کی اتنی ہی مقدار پہنچ پاتی ہے، جو زمین پر بسنے والی مخلوقات کے لئے قابل برداشت ہو۔

(۷) ارشاد فرمایا گیا کہ ”زمین کے اندر برکت رکھ دی اور اندازہ کر کے سب حاجت مندوں کے لئے ان کی خوراک کا سامان مہیا کر دیا گیا“۔ یہاں قرآن مجید میں ’سائلین‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، سائلین کے اصل معنی مانگنے والوں کے ہیں، ←

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صُفْعَةً مِّثْلَ صُفْعَةٍ عَادٍ وَتَكْوَدُ ﴿۱۶﴾ إِذْ جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۱۷﴾ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۱۸﴾

پھر اگر یہ لوگ بے رُخی برتیں تو آپ کہہ دیجئے: میں تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں جیسے عاد و ثمود پر آیا تھا، ﴿۱۶﴾ جب ان کے پاس ان کے آگے اور پیچھے سے پیغمبر آئے (اور انھوں نے کہا: تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو وہ کہنے لگے: اگر ہمارے پروردگار چاہتے تو فرشتے اتار دیتے، ہم تو اس بات کو نہیں مانتے، جو تمہارے ذریعہ بھیجی گئی ہے، ﴿۱۷﴾ تو عاد تو زمین میں ناحق تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے: کون ہے جو ہم سے زیادہ طاقتور ہے؟ کیا ان کو نظر نہیں آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے، وہ تو ان سے بھی زیادہ طاقتور ہے، اور وہ ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے۔ ﴿۱۸﴾

← اور مانگتا وہی ہے جو ضرورت مند ہو؛ اس لئے اس کا ترجمہ حاجت مندوں سے کیا گیا ہے: ”والمعنى وقدر فيها اقواتها سواء للمحتاجين“ (تفسیر قرطبی: ۳۴۳/۱۵) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر علاقہ کے لوگوں کے لئے ایسی چیزیں رکھ دی ہیں، جن سے ان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں، جیسے کہیں چاول کی پیداوار ہوتی ہے، کہیں گہیوں کی، کہیں سیب کے پھل آتے ہیں کہیں کھجور کے، کہیں کوئلہ اور سونا نکلتا ہے تو کہیں پٹرول اور گیس، جن کو بیچ کر غذائی اشیاء حاصل کی جاتی ہیں اور ایک مقام اور دوسرے مقام کے لوگوں کے درمیان تجارت بھی ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ جب مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت پھیلنے لگی اور قریش نے دیکھا کہ ان کی سختی اور ایذا رسانی کے باوجود لوگ اسلام قبول بھی کر رہے ہیں اور قبول کرنے کے بعد اس پر ثابت قدم بھی ہیں، تو ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اب لالچ کا ہتھیار استعمال کر کے دیکھنا چاہئے، شاید اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اپنی دعوت سے باز آجائیں؛ چنانچہ طے پایا کہ ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے، جو شعر و شاعری، جادو اور جیوتشی کے علم سے واقف ہو، اور وہ آپ ﷺ سے گفتگو کر کے کسی نتیجہ پر پہنچے کہ آپ ﷺ کا مقصد اور لوگوں کو متاثر کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے لئے عتبہ بن ربیعہ کا انتخاب کیا گیا، جو قریش کے اہم سرداروں میں تھے، عتبہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے آباء و اجداد کا نام لے کر کہا کہ آپ بہتر ہیں یا عبد اللہ، عبد المطلب، ہاشم اور قصی بہتر تھے؟ انھوں نے تو دیوی اور دیوتا کا انکار نہیں کیا؛ لیکن آپ ان کو برا بھلا کہتے ہیں اور خود اپنے آباء و اجداد کو گمراہ کہتے ہیں، تو اگر آپ کا مقصد سرداری حاصل کرنا ہو تو ہم سب کو اس پر متفق کر لیتے ہیں کہ آپ جب تک زندہ رہیں، آپ ہی ہمارے سردار رہیں، اور اگر آپ عورت کے خواہش مند ہوں تو قریش کی لڑکیوں میں سے آپ کی پسند کے مطابق دس لڑکیوں کو آپ کے نکاح میں دے دیں گے، ←

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحْسَاتٍ لِّنَذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ﴿٢٥﴾ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَبْيَ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صِعْقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٢٦﴾

آخر ہم نے ان پر چند نحوست بھرے دنوں میں بڑی تیز ہوا چلائی؛ تاکہ انھیں دنیوی زندگی ہی میں ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو اور زیادہ رسوا کرنے والا ہوگا اور ان کو کوئی مدد بھی نہ ملے گی، ﴿۱﴾ ﴿۱۶﴾ اور وہ جو شمود تھے تو ہم نے ان کو راستہ دکھایا، مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھے رہنے ہی کو پسند کیا، تو ان کو بھی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے رسوا کرنے والے سخت عذاب نے آ پکڑا۔ ﴿۱۷﴾

← اگر آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو ہم سب مل کر آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ وہ نہ صرف آپ کے لئے؛ بلکہ آپ کے بعد آپ کے پسماندگان کے لئے بھی کافی ہو جائے گا اور اگر آپ کو آسیب ہو تو ہم لوگ پیسے خرچ کر کے آپ کا علاج کر دیں گے، رسول اللہ ﷺ خاموشی کے ساتھ ان کی بات سنتے رہے، جب وہ اپنی بات کہہ چکے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا آپ کی بات پوری ہوگئی؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا آپ بھی میری بات سنیں گے؟ کہنے لگے: ہاں، میں ضرور سنوں گا، آپ ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی؛ بلکہ سورہ 'حَمَّ' ابتدا سے لے کر آیت نمبر: ۱۳ تک کی تلاوت کی، جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ میں تم کو عاد و شمود کے عذاب سے ڈراتا ہوں تو عتبہ نے آپ ﷺ کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگے: آپ خاموش رہیں، وہ وہاں سے واپس ہو گیا اور بجائے قریش کی طرف جانے کے اپنے گھر چلا گیا، ابو جہل نے عتبہ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا: کیا تم کو ان کا کھانا پسند آ گیا؟ عتبہ کو بڑا غصہ آیا، اس نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ میں قریش کا سب سے دولت مند شخص ہوں؛ لیکن ہوا یہ کہ جب میں نے آپ کے سامنے بات رکھی تو آپ نے کسی شعر یا جادو وغیرہ سے میرا جواب نہیں دیا؛ بلکہ ان آیات کی تلاوت کی اور جب انھوں نے کہا کہ میں تم کو عاد و شمود کے جیسے عذاب سے ڈراتا ہوں تو میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ رُک جائیں؛ کیوں کہ تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ نے آج تک کوئی جھوٹی بات نہیں کہی؛ اس لئے مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر عذاب نہ آ جائے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۸-۳۹) — اس واقعہ سے ان آیات کا زور بیان اور اس کی اثر انگیزی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جس نے دشمن کو بھی لرزاکر رکھ دیا۔

﴿۱﴾ قوم عاد پر آنے والے عذاب کے لئے اللہ تعالیٰ نے 'صَاعِقَةُ' کا لفظ استعمال کیا ہے، صاعقہ کے اصل معنی سخت آواز کے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان پر ہوا کا جو عذاب آیا، اس میں آندھی کے ساتھ ساتھ بھیا نک آواز بھی تھی، قرآن مجید میں سورہ حاقہ (آیت: ۶، ۷) سورہ ذاریات (آیت: ۴۸) اور سورہ احقاف (آیت نمبر: ۲۴، ۲۵) میں بھی اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، نیز مفسرین نے بھی واقعات کی تفصیل لکھی ہے، ان سب کو ملا کر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ قوم عاد تکبر کے مرض میں مبتلا تھی اور اپنے آپ کو سب سے طاقتور اور زور آور سمجھتی تھی، پھر ایسا ہوا کہ تین سال تک بارش نہیں ہوئی؛ چنانچہ جب گھٹا چھائی تو لوگ بہت خوش ہوئے ←

وَنَجِّنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٨﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَنُوعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وُجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوا لِمَ لَجَلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمُ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنْطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَنُوعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

اور جو لوگ ایمان لے آئے تھے، اور (اللہ سے) ڈرتے تھے، ہم نے ان کو بچا لیا، ﴿۱۸﴾ اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے تو وہ (اکٹھا کرنے کے لئے) روک لئے جائیں گے، ﴿۱۹﴾ یہاں تک کہ جب وہ دوزخ پر پہنچ جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے چہرے بھی ان کے خلاف ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، ﴿۲۰﴾ وہ اپنے چہروں (یعنی اعضاء) سے کہیں گے: تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دے رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جس خدا نے ہر چیز کو بولنے کی صلاحیت دی ہے، اسی نے (آج) مجھے بھی بولنے کی صلاحیت عطا کر دی ہے، اسی نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم واپس لائے گئے ہو، ﴿۲۱﴾ اور تم اس (ڈر) سے تو گناہ کرتے وقت (چھپتے نہیں تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی؛ بلکہ تمہارا تو یہ گمان تھا کہ اللہ کو بھی تمہارے بہت سے کاموں کا علم نہیں ہے۔ ﴿۲۲﴾

— اور انھوں نے سوچا کہ اب یہ قسط دور ہو جائے گا؛ لیکن اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا؛ چنانچہ بارش ہونے کے بجائے طوفانی ہوا چلنے لگی، جو مسلسل سات دن اور آٹھ رات تک چلتی رہی اور اس نے پوری آبادی کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۶۶، نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۱۱۵/۴) — یہاں عذاب نازل کئے جانے والے دنوں کو نحوست بھرے دن (ایام نحسات) سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن اس قوم کے حق میں ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے نامبارک اور تکلیف دہ ثابت ہوئے، ورنہ تو اسلام کی نظر میں کوئی بھی دن اور وقت اپنی اصل کے اعتبار سے منحوس نہیں ہے۔

﴿۱﴾ قوم ثمود کا ذکر سورہ اعراف: ۷۳-۷۹ میں آچکا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اہل دوزخ کا حساب ہوتا جائے اور وہ دوزخ کے حوالہ کر دیئے جائیں؛ بلکہ ان کو آگے بڑھانے کے بعد ایک مقام پر روک لیا جائے گا؛ تاکہ تمام اہل دوزخ اکٹھے ہو جائیں، اس کے بعد پھر ان سب کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔  
 ﴿۳﴾ قرآن مجید میں کئی جگہ یہ بات کہی گئی ہے کہ قیامت کے دن انسان کے اعضاء بھی بولنے لگیں گے اور وہ انسان کے خلاف گواہ بن کر اٹھ کھڑے ہوں گے، اور چہروں کا غالباً خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا کہ ہر عضو کی اوپری سطح چہرے کی ہوتی ہے، —

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۱﴾ فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ۚ وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿۲۲﴾ وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿۲۳﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا ۚ لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾

اور تمہاری یہ بدگمانی جو تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کر رکھی تھی، اسی نے تمہارا بیڑہ غرق کر دیا ہے، اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو، ﴿۲۱﴾ تو اگر یہ لوگ صبر کریں، تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے، اور اگر معافی طلب کریں تب بھی تو ان کو معاف نہیں کیا جائے گا، (یعنی ان کو دوزخ ہی میں رہنا ہوگا) ﴿۲۲﴾ اور ہم نے ان کے لئے کچھ ساتھی مقرر کر دیئے تھے، ﴿۲۳﴾ جنہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے اعمال کو ان کی نظر میں خوشنما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں بھی عذاب کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہا، جو ان سے پہلی اُمتوں یعنی جنات و انسان کے لئے ہوا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب نقصان اٹھانے والے ہیں، ﴿۲۴﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ کہتے ہیں: اس قرآن کو سنو ہی مت، اور (جب تلاوت کی جائے تو) شور مچایا کرو، شاید تم غالب آ جاؤ۔ ﴿۲۵﴾

← تو جس طرح دنیا میں زبان کی اوپری سطح گویائی کے عمل کو انجام دیتی ہے، اسی طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعضاء کی کھال میں قوت گویائی پیدا فرمادیں گے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان جس فکر کا حامل ہوتا ہے، اسی کے مطابق اس سے اعمال صادر ہوتے ہیں؛ اس لئے سوچ درست ہونی چاہئے، اگر کسی شخص کی سوچ ہو کہ وہ اپنی حرکتوں کو اللہ سے چھپا سکتا ہے تو پھر کوئی چیز اس کو گناہ سے روک نہیں سکتی۔

﴿۲﴾ یعنی انھوں نے اپنے لئے انسان اور جن میں سے ایسے ساتھی اختیار کر لئے تھے، جو ان کو ان کے گناہوں سے روکنے کے بجائے اور اس پر اُکساتے تھے، یہ ساتھی تو انسان نے خود منتخب کئے تھے؛ لیکن دنیا میں امتحان لینے کے مقصد سے اللہ تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ جو شخص غلط راستہ پر جاتا ہے تو اس کے لئے وہی راستہ کھول دیا جاتا ہے، اس کو اس راستہ کے ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو چلنے کی طاقت دی ہے، اب اگر کوئی شخص اس صلاحیت کو مسجد جانے کے لئے استعمال کرے تو وہ اپنی صلاحیت کو اس اچھے کام میں استعمال کر سکتا ہے اور اگر وہ شراب خانہ کی طرف جائے تب بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے قدم تھام لئے جائیں، یہ جو انسان کے ارادے میں رکاوٹ نہ بننے کا نظام قائم ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساتھی مقرر کرنے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿۳﴾ جس گروہ کے پاس دلیل کی قوت نہیں ہوتی، وہ علمی و فکری طور پر مقابلہ کرنے کی بجائے شور و ہنگامہ، بدتمیزی و بے ادبی منسخر ←

فَلَنَذِقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۵﴾  
 ذَلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ۖ جَزَاءٌ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۲۶﴾  
 وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرَنَا الَّذِينَ أَضَلُّنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ نَجْعَلُهَا تَحْتَ  
 أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿۲۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ  
 عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۲۸﴾ نَحْنُ  
 أَوْلَىٰ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا  
 مَا تَدْعُونَ ﴿۲۹﴾ نَزَّلْنَا مِنَ الْغُفُورِ رَّحِيمٌ ﴿۳۰﴾

ع  
۱۸

تو ہم ضرور ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ان کو ان کے بدترین کاموں کی سزا دیں گے، ﴿۲۵﴾ اللہ کے دشمنوں کی یہی سزا ہے یعنی دوزخ، اسی میں ان کے ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے، وہ جو ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے، یہ اسی کی سزا کے طور پر ہے، ﴿۲۶﴾ اور کفر کرنے والے عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہمیں وہ دونوں شیطان و انسان دکھا دیجئے، جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پیروں کے نیچے روند ڈالیں؛ تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں، ﴿۲۷﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا: اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے، پھر وہ (اسی پر) جبر ہے، ان پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے:) نہ ڈرو اور نہ غم کرو، اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، اس کی خوشخبری سنو، ﴿۲۸﴾ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، تمہارے لئے وہاں وہ سب کچھ ہے، جس چیز کو تمہارا جی چاہے، نیز تمہارے لئے اس میں وہ تمام چیزیں حاضر ہوں گی، جو تم طلب کرو گے، ﴿۲۹﴾ یہ بہت معاف کرنے والے اور نہایت مہربان خدا کی طرف سے مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔ ﴿۳۰﴾

← اور استہزا کے ذریعہ سچی آواز کو دبانا چاہتا ہے، قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ان کے مخالفین کا یہی رویہ تھا، اسی صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کو بھی گزرنا پڑا اور سچ پوچھے تو آج بھی دنیا کے حالات ایسے ہی ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی معقولیت، فطرت سے ہم آہنگی اور انسانی ضرورتوں کی تکمیل کی صلاحیت کے لحاظ سے کوئی اس کو رد نہیں کر سکتا؛ لیکن پروپیگنڈوں کے ذریعہ حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

﴿۱﴾ جولڈر قسم کے لوگ دنیا میں اپنے رعب و دبدبہ کا استعمال کر کے حق کا راستہ روک رہے ہیں اور دوسروں کو اپنا آلہ کار بنا رہے ہیں، آخرت میں ان کی خوب حجامت بنے گی، جو لوگ ان کو اپنے سروں اور آنکھوں پر بیٹھاتے تھے، اس روز وہی ان کو اپنے پاؤں تلے روند کر رکھ دیں گے۔

﴿۲﴾ ایمان لانے کے بعد اس پر ثابت قدم رہنا بہت اہم ہے، ایمان پر ثابت قدمی کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ پھر وہ خدا نخواستہ ←



وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾ وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۷﴾ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿۳۸﴾ وَإِنَّا يَنْزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ ۖ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۹﴾

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرمانبردار بندوں میں سے ہوں، ﴿۳۶﴾ بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی (اس لئے برائی کا) ایسے طریقہ سے جواب دیجئے جو بہت اچھا ہو، تو یکا یک جس شخص کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی جگری دوست، ﴿۳۷﴾ اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو عطا کی جاتی ہے، جو صبر کرتے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے، جو بڑے نصیب والے ہیں، ﴿۳۸﴾ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، یقیناً اللہ خوب سننے والے، خوب جاننے والے ہیں۔ ﴿۳۹﴾

← مرتد نہ ہو، حالات چاہے کتنے ہی ناموافق ہوں، وہ ایمان پر جمار ہے، حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے اس کی یہی تشریح منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۸۱۳) استقامت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ ساتھ ایمان کے تقاضوں پر بھی ثابت قدم رہے؛ چنانچہ بعض صحابہ سے اس کی یہی تشریح منقول ہے، (حوالہ سابق) اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ آپ سے سفیان بن عبد اللہ ثقفی نے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنا نہ پڑے، آپ نے فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر تم اسی بات پر جم جاؤ، (مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام، حدیث نمبر: ۳۸) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس عمل کا آخرت میں جو اجر ہوگا، وہ تو ہوگا ہی؛ لیکن خاص بات یہ ہے کہ فرشتے اسے آکر خوشخبری سنائیں گے: تمہیں کوئی خوف یا غم نہیں ہونا چاہئے کہ ہم لوگ دنیا میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور وہاں تمہاری ساری خواہشات پوری کی جائیں گی — فرشتوں کی طرف سے ان کو یہ خوشخبری تین مواقع پر سنائی جائے گی، ایک تو مرنے کے وقت، دوسرے: قبر میں، اور تیسرے: اس وقت جب قیامت قائم ہوگی اور قبر سے اٹھائے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۵/۳۲۹) اخیر میں اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا کہ جنت میں انسان کو جو نعمتیں دی جائیں گی، وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ نہیں جیسا کہ کسی محتاج اور گداگر کو دی جاتی ہے؛ بلکہ اس طرح کہ جیسے ایک مہمان کی مہمان نوازی کی جاتی ہے۔

﴿۱﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور آپ کے واسطہ سے آپ کی امت کو چار باتوں کی تعلیم دی ہے، اول یہ کہ سب سے بہتر بات وہ ہے، جس میں اللہ کی طرف بلایا جائے، شعر و سخن کے ذریعہ داد حاصل کی جاسکتی ہے، ناول اور افسانہ لکھ کر ایوارڈ مل سکتے ہیں، پرجوش تقریروں کے ذریعہ ووٹ حاصل کئے جاسکتے ہیں اور اپنے پیچھے چلنے والوں کا ایک جتھہ تیار کیا جاسکتا ہے؛ ←

وَمِنْ أَيْنِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۲۲﴾ فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴿۲۱﴾

اور دن و رات نیز سورج اور چاند بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہیں، (اس لئے) نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو، اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اسی کو سجدہ کرو، جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے، ﴿۲۲﴾ پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں (یعنی اللہ کی عبادت نہ کریں تو اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں) کہ جو فرشتے آپ کے پروردگار کے پاس ہیں، وہ دن و رات اس کی پاکی بیان کرتے ہی رہتے ہیں اور (کبھی) اُکتاتے نہیں ہیں۔ ﴿۲۱﴾

← لیکن یہ سارے فائدے دنیا میں رہ جائیں گے، آخرت تک نہیں پہنچ سکیں گے؛ لیکن جو شخص اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف بلائے اور خود بھی اس پر عمل کرے تو زبان و قلم کا یہ سرمایہ آخرت تک اس کے ساتھ جائے گا، دوسرے: برائی کا جواب برائی سے دینے کی بجائے بہتر سے بہتر سلوک سے دیا جائے؛ کانٹے بچھانے والوں پر پھول برسایا جائے اور گالی دینے والوں کو دُعا دی جائے، بظاہر اس طریقہ میں انسان شکست سے دوچار ہوتا ہوا نظر آتا ہے؛ لیکن انجام کے اعتبار سے اسی میں اس کی کامیابی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان دوسرے فریق کے دلوں کو فتح کر لیتا ہے اور دشمن دوست بن جاتا ہے، اسی ہتھیار کے ذریعہ عہد نبوی میں حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ابوسفیانؓ وغیرہ کو اسلام کے دامن میں لایا گیا اور پھر تو ہمیشہ کے لئے انھوں نے اپنے گلے میں پیغمبر اسلامؐ کی غلامی کا طوق ڈال لیا — برائی کا جواب بھلائی سے دینے کا طریقہ کیا ہو؟ یہ تو حالات کے لحاظ سے ہے؛ لیکن اس کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو حضرت ابو بکرؓ سے متعلق نقل کیا جاتا ہے، کہ ایک صاحب نے آپ کو برا بھلا کہا تو آپ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو اللہ مجھے معاف کر دیں، اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں معاف کر دیں، (تفسیر قرطبی: ۳۶۱/۱۵) بعض حضرات نے قرآن مجید کی اس آیت کو جہاد سے منسوخ قرار دیا ہے؛ لیکن بظاہر اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جہاد کا تعلق ایسے حالات سے ہے، جہاں ظلم کو روکنے کے لئے قوت کا استعمال ضروری ہو، اور اس آیت کا تعلق عام انسانی سلوک اور طریقہ دعوت سے ہے، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ ایک کو ناخن اور دوسرے کو منسوخ قرار دیا جائے۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ برائی کا جواب بھلائی سے دے سکے، اس کے لئے صبر و تحمل اور بردباری کی صفت چاہئے، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں ہی کو یہ صفت حاصل ہوتی ہے، چوتھی بات یہ ہے کہ بعض دفعہ بردبار شخص کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو جاتا ہے اور اس پر غصہ و غضب کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو ایسے موقع پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے؛ کیوں کہ یہ حرکت شیطان ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان کسی عبادت کو مسلسل کرنے سے تھک جاتا اور اُکتانے لگتا ہے؛ لیکن فرشتوں کی فطرت میں ذکر و عبادت کا کچھ ایسا جذبہ رکھا گیا ہے کہ وہ دن و رات تسبیح پڑھنے کے باوجود تھکتے نہیں ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْتَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتِ إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفُونَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ارْجِعُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿۲۱﴾

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ خشک اور بخر ہے، ﴿۲۱﴾ جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں، تب وہ لہلہاتی اور ابھر آتی ہے؛ (لہذا) یقیناً جس نے زمین کو زندہ کر دیا، وہی مردہ کو بھی زندہ کر دے گا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۲۲﴾ جو لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھاپن کا رویہ اختیار کر رہے ہیں، وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، بھلا جو شخص آگ میں ڈالا جائے، وہ بہتر ہے، یا جو قیامت کے دن بے خوف ہو کر آئے؟ تم جو چاہو، کرو، اللہ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں، ﴿۲۱﴾ جن لوگوں نے قرآن مجید کا انکار کیا، جب کہ وہ ان کے پاس آچکا ہے، (ان کا حال بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے) اور یقیناً یہ بڑی با وقعت کتاب ہے۔ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ یہاں زمین میں خشوع ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ خشک اور بخر بن جاتی ہے: ”أُی یابسة جدیبة“۔ (تفسیر قطبی: ۱۵/۳۶۵)

﴿۲﴾ قرآن مجید کے انکار کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جس کو آیت نمبر: ۴۰ میں الحاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، الحاد کے معنی ہے کلام کے صحیح مفہوم کو بدل دینا، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۲۴، تفسیر قطبی: ۱۵/۳۶۶)

جیسا کہ قادیانی حضرات کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو حکم قرآنی کے مطابق خاتم النبیین مانتے ہیں؛ لیکن خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے نہیں ہے؛ بلکہ ایسے شخص کے ہیں، جس کی مہر سے آئندہ نبوت کا سلسلہ جاری ہو، اسی طرح قرآن وحدیث میں مطلق سود کو حرام قرار دیا گیا؛ لیکن موجودہ دور میں بعض مغرب زدہ لوگوں کا خیال ہے کہ جس سود کی ممانعت ہے، وہ مہاجنی سود ہے، معاشی اور تجارتی مقاصد کے لئے جو سودی لین دین ہوتا ہے، وہ اس میں شامل نہیں، یا جیسے منکرین حدیث کہتے ہیں کہ قرآن میں جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، وہ آپ ﷺ کی زندگی کے لئے تھا، جیسے امیر و فرمانروا کی اطاعت عوام پر واجب ہوتی ہے، آپ ﷺ کے بعد اب ان احکام پر عمل کرنا واجب نہیں، یہ طرز عمل قرآن کے ساتھ الحاد ہے، اگر قرآن کی کسی عبارت کا ایسا مطلب لیا جائے جو اجماع یا نص قطعی کے خلاف ہو، تو یہ کفر ہے، اسی لئے قادیانیوں کے کافر ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے، اور اگر یہ ہو تو قرآن کے ظاہر کے خلاف؛ لیکن اس کے مقابلہ میں نص قطعی یا اجماع نہ ہو تو ایسا شخص گمراہ ہے، (اس موضوع پر علامہ سید انور شاہ کشمیری ؒ کی تالیف ”اکفار الملاحدین“ بڑی بلند پایہ کتاب ہے، جو قادیانیوں کے دعویٰ اسلام کے پس منظر میں لکھی گئی ہے، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب ؒ نے ”کفر و اسلام“ قرآن کی روشنی میں“ کے نام سے اردو زبان میں اس کا خلاصہ تحریر کیا ہے)۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَنِيدٍ ﴿۲۱﴾ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۖ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۲﴾ وَكَوَّجَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَبِيًّا لَّقَالُوا لَوْ لَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَءَعْجَبِي ۖ وَعَرَبِيٌّ ۖ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۖ أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۲۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۲۵﴾

اس میں نہ آگے سے جھوٹ داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے، ﴿۱﴾ یہ حکمت والے بہت ہی قابل تعریف خدا کی اُتاری ہوئی کتاب ہے، ﴿۲﴾ آپ سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں، جو آپ سے پہلے کے پیغمبروں سے بھی کہی جا چکی ہیں، بے شک آپ کے پروردگار بخشنے والے بھی ہیں اور دردناک سزا دینے والے بھی، ﴿۳﴾ اور اگر ہم اس قرآن کو غیر عربی قرآن رکھتے تو یہ کہتے: اس کی آیتیں کیوں نہ کھول کھول کر بیان کی گئیں، یہ کیا بات ہے کہ (قرآن تو) عجبی اور (رسول) عربی؟ آپ فرمادیجئے: قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے، جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور قرآن ان کے حق میں اندھا پن کا سبب ہے؛ (گویا) ان لوگوں کو بہت دُور سے پکارا جا رہا ہے، ﴿۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عطا فرمائی تھی، پھر اس میں بھی اختلاف کیا گیا، ﴿۳﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ضرور ان کے درمیان فیصلہ کر ہی دیا جاتا اور یقیناً یہ لوگ قرآن کی طرف سے بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں، ﴿۲﴾ جس نے نیک عمل کیا تو اپنے ہی بھلے کے لئے کیا، اور جو شخص برا عمل کرتا ہے تو اسی پر اس کا وبال ہے، اور آپ کے پروردگار بندوں کے ساتھ نا انصافی کرنے والے نہیں ہیں۔ ﴿۲۵﴾

← قرآن کے انکار کی دوسری صورت وہ ہے جس کا ذکر آیت نمبر ۴۱ میں ہے، یعنی کوئی شخص کھل کر قرآن مجید کو اللہ کی کتاب تسلیم نہ کرے اور اس کے حکم الہی ہونے کا انکار کر دے۔

﴿۱﴾ یہ بات کہ ”اس میں نہ آگے سے جھوٹ ڈال داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے“ محاورہ کے طور پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا ایسا انتظام کیا ہے کہ اس میں کسی رد و بدل کا امکان نہیں، نہ الفاظ میں نہ معنی میں، نہ کوئی چیز بڑھائی جاسکے گی نہ کوئی بات گھٹائی جاسکے گی، نہ شیطان اس میں رد و بدل کر سکتا ہے نہ انسان۔

← ﴿۲﴾ غرض کہ قرآن وہی ہے، جو عربی زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، قرآن مجید کا ترجمہ یا تفسیر قرآن کے مطالب ہیں نہ کہ خود قرآن؛ اس لئے قرآن کا جو ترجمہ دوسری زبانوں میں کیا جائے، اس کا حکم بعینہ قرآن کا نہیں ہے، اس کو پاکی کے بغیر چھو یا اور پڑھا جاسکتا ہے، نیز اس کو پڑھنے میں تلاوت قرآن کا اجر حاصل نہیں ہوگا۔

﴿۳﴾ یعنی اے پیغمبر آپ ﷺ کی قوم میں سے جو بعض لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ اس سے رنجیدہ نہ ہوں؛ کیوں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی تو ان کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ نہیں لائے۔

﴿۴﴾ ”شک مریب“ کا معنی بتایا گیا ہے ”شدید الریبة“ (تفسیر قرطبی: ۳۷۰/۱۵) اسی مناسبت سے اس کا ترجمہ ”بڑے شک“ سے کیا گیا ہے۔



إِلَيْهِ يُرْجَى عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْبَامِهَا وَمَا تَحْبِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا

تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِيَ قَالُوا أَدْذُنُكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنَّوْا مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ۚ لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَسْأَلْ فَيُؤَسِّسْ قَنُوطٌ ۚ وَلَئِنْ أَدْقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عِبَدُوا وَلَنَذِيقَنَّاهُمْ مِنْ عَذَابٍ عَلِيظٍ ۚ وَإِذَا أُنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأٰ بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۚ

قیامت کا علم اللہ ہی کے حوالہ ہے، اللہ کے علم کے بغیر نہ کوئی پھل اپنے گاہوں سے نکلتا ہے، نہ کسی مادہ کو حمل ٹھہرتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، (۱) اور جس دن اللہ ان کو پکاریں گے کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ کہیں گے: ہم نے آپ سے عرض کر دیا کہ ہم میں سے کوئی اس کا دعویٰ نہیں کرتا، (۲) اور وہ پہلے جن جن کو پکارا کرتے تھے، وہ سب ان سے غائب ہو چکے ہوں گے اور وہ سمجھ جائیں گے کہ (اب) ان کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، (۳) انسان بھلائی کی دعا کرتے ہوئے تو تھکتا نہیں ہے اور اگر اس کو تکلیف پہنچ جائے تو اس توڑ دیتا ہے اور نا اُمید ہو جاتا ہے، (۴) اور جو تکلیف پہنچتی تھی اگر اس کے بعد ہم اس کو اپنی رحمت کا مزہ چکھادیں تو کہنے لگتا ہے: ”یہ تو میرا حق ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی، اور (بالفرض) اگر میں اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹا بھی دیا جاؤں تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہوگی“ تو ہم ضرور ایمان نہ لانے والوں کو ان کے سارے کروت بتادیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، (۵) اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ (۳) (۵)

(۱) یعنی قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے، جیسے وہ گاہوں سے پھل کے نکلنے اور انسان کے پیدا ہونے کا علم رکھتا ہے، کسی اور کو اس کا یقینی علم نہیں ہے، اسی طرح قیامت کا علم بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔

(۲) غرض کہ جب تک ان کی زبان بند نہ کر دی جائے گی اور دنیا کی چیزیں یہاں تک کہ خود ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی نہ دینے لگیں گے، وہ جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم ان کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

(۳) یعنی انسان کے مزاج میں جلد بازی اور ناشکری ہے، پریشانی میں خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، تکلیف ہو تو نا اُمید ہو جاتا ہے، نعمت سے نوازا جائے تو اس کو اپنا حق سمجھتا ہے اور شئی بگھاڑتا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ أَصْلُ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۵۶﴾  
 سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۖ أَوَلَمْ يَكْفِ  
 بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۵۷﴾ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِئَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ  
 شَيْءٍ مُّحِيطٌ ﴿۵۸﴾

آپ فرما دیجئے: (اے ایمان نہ لانے والو!) بتاؤ تو سہی، اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس کو نہ مانو تو ایسے  
 شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا، جو پرلے درجہ کی مخالفت میں پڑ گیا ہو؟ ﴿۵۶﴾ ہم جلد ہی ان کو دنیا کے اطراف میں  
 اور خود ان کی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن برحق ہے، کیا یہ کافی  
 نہیں کہ تمہارا رب ہر چیز پر گواہ ہے؟ ﴿۵۷﴾ یاد رکھو کہ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کے بارے میں  
 شک میں پڑے ہوئے ہیں، سن لو کہ اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿۵۸﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے، اس کی یکتائی کو جاننے اور اس کی قدرت و طاقت کا ادراک کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ انسان  
 کے گرد اس کائنات میں ڈھیر ساری نشانیاں بکھری ہوئی ہیں؛ بلکہ خود اس کے وجود میں اور اس کے ایک ایک عضو میں ایسی نشانیاں  
 موجود ہیں کہ اگر انسان غور و فکر کی نظر سے دیکھے تو ایمان لائے بغیر نہ رہے۔







# سُورَةُ الشُّورَى

«سورہ نمبر : (۴۲)»

«رکوع : (۵)»

«آیتیں : (۵۳)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

شوری کے معنی مشورہ کے ہیں، اس سورہ کی آیت نمبر: ۳۸ میں یہ بات آئی ہے کہ مسلمانوں کے سارے کام باہمی مشورہ سے ہونے چاہئیں: ”وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ“ اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ”شوری“ ہے۔ اہل مکہ چوں کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور ان کو پہلے مرحلہ میں ایمان کی طرف دعوت دینے کی ضرورت تھی؛ اس لئے دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی عام طور پر توحید و رسالت اور آخرت سے متعلق دلائل ذکر کئے گئے ہیں اور چند بنیادی باتوں پر خصوصیت سے روشنی ڈالی گئی ہے، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ایک ہی ہے، ہر نبی اسی دین کو لے کر آئے تھے، انسانوں کی ملاوٹ کی وجہ سے اس کی صورت مسخ ہوتی گئی، محمد ﷺ اس دین کو اس کی اصل اور ملاوٹ سے پاک شکل میں تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں، دوسرے: اگر آپ نے دنیا حاصل کرنے کے لئے نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوتا تو وہ تم سے اُجرت اور نذرانہ کے طلب گار ہوتے؛ لیکن ان کے سچے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ تم سے کوئی اُجرت نہیں چاہتے، پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب تک آپ نبی نہیں بنائے گئے، کتاب سے بالکل بے خبر تھے، اگر آپ نے خود کتاب لکھی ہوتی تو پہلے سے اس سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہوتی۔

تیسری بات یہ بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں معاشی معیار کے سلسلہ میں مساوات و برابری کا اُصول نہیں رکھا ہے، اس میں یہ مصلحت ہے کہ غریب اپنی ضرورت کے لئے مالداروں کا کام کرتا ہے اور مالدار اپنے کاموں کے لئے غریبوں سے رُجوع ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہوتا اور ایک دوسرے کی ضرورت نہ ہوتی تو دنیا کا نظام معطل ہو جاتا، چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اجتماعی مسائل باہمی مشورہ سے طے کرنے چاہئیں، کوئی شخص کسی ملک کا سربراہ ہو یا جماعت یا ادارہ کا، اس کو ڈکٹیٹر کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے، اسے اپنے ساتھیوں کے مشورہ سے معاملات کو طے کرنا چاہئے، پانچویں: ظلم و زیادتی کے رد عمل کے سلسلہ میں ایک ایسا اُصول مقرر کیا گیا، جس میں میانہ روی ہے اور جو سماج میں امن و امان کا ماحول فراہم کرتا ہے، وہ یہ کہ اگر کسی شخص کے ساتھ زیادتی ہو تو وہ برابری کا بدلہ لے سکتا ہے، یہ بات درست نہیں ہے کہ اسے جو نقصان پہنچا ہے، وہ اس سے بڑھ کر بدلہ لینے کی کوشش کرے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کے لئے بدلہ سے دست بردار ہو جانا اور معاف کر دینا واجب ہو؛ البتہ اگر معاف کر دے اور صلح کے ذریعہ آپس میں معاملہ کو طے کر لے تو اس میں اجر و ثواب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

حَمْدٌ ۱ عَسَقَ ۲ كَذَلِكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۳ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۵ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِیْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۶ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِیقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِیقٌ فِي السَّعِيرِ ۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ حمد (حائیم)، ۲ عَسَقَ (عین، سین، قاف)، ۳ ۴ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو غالب اور حکمت والے ہیں، آپ کی طرف اور آپ سے پہلے کے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجتے رہے ہیں، ۵ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب ان ہی کا ہے، وہ بلند رتبہ ہیں اور عظمتوں والے ہیں، ۶ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑے، ۷ فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف و پاکی بیان کرتے اور زمین میں رہنے والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی معاف کرنے والے اور مہربان ہیں، ۸ اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، اللہ ان کی نگرانی کر رہے ہیں اور آپ ان پر داروغہ تو ہیں نہیں، ۹ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن بھیجا ہے؛ تاکہ آپ شہروں کے مرکز (مکہ) اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں اور جمع ہونے (یعنی قیامت) کے دن سے ڈرائیں، جس (کے واقع ہونے) میں کوئی شک نہیں، تو (اس وقت) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔ ۱۰ (۳)

۱) یہ حروف مقطعات ہیں، سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر ۱۱ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے رعب و جلال، (روح المعانی: ۱۱/۲۵) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرانے کی وجہ سے، (مفتاح الغیب: ۶۶۴/۱۳) قرآن مجید کی یہ تعبیر اُردو محاورہ سے بھی قریب ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ تم نے ایسی حرکت کی ہے کہ جس سے آسمان پھٹ پڑے یا زمین پھٹ پڑے، مقصود یہ ہے کہ اللہ کے رعب و جلال سے آسمان بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اگر اس پر آسمان پھٹ پڑتا تب بھی باعث تعجب نہ تھا۔

۳) مکہ کو اُم القریٰ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ پوری دنیا کا مرکز ہے، اولاً زمین کا یہی حصہ بنایا گیا، پھر یہیں سے مشرق و مغرب ←

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٩﴾ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿١١﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتے؛ ﴿۹﴾ لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں، اپنی رحمت میں داخل فرماتے ہیں اور ظالموں کے لئے (اس دن) نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار، ﴿۱۰﴾ کیا انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں؟ تو کارساز تو اللہ ہی کی ذات ہے، وہی مُردوں کو زندہ کریں گے اور وہی ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۱۱﴾ اور جس کسی چیز میں تم اختلاف کرتے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالے ہے، وہی اللہ میرا پروردگار ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی سے میں لو لگاتا ہوں۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۱﴾

← اور شمال و جنوب میں زمین بچھائی گئی، (مفردات القرآن: ۲۹) ”انعام: ۹۲“ میں اس کی تشریح گزر چکی ہے — مکہ کے آس پاس سے مراد پوری دنیا ہے؛ کیوں کہ مکہ کے دنیا کے وسط میں ہونے کے لحاظ سے پوری دنیا اس کے ارد گرد میں شامل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۳۰، تفسیر قرطبی: ۶/۱۶)

﴿۱﴾ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس بات میں ہے کہ تمام لوگ اسلام پر آجائیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام اختلافِ مذہب پر رکھا ہے؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تمام اہل مکہ ایمان نہیں لائیں تو اس سے رنجیدہ نہ ہوں، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آخرت کی نجات و کامیابی تو ایمان لانے ہی میں ہے؛ لیکن دنیا میں مسلمانوں کا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ دوسرے مذاہب کے وجود کو بھی تسلیم کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ پُر امن طریقہ پر دنیا میں باقی رہنے کا طریقہ اختیار کریں، جیسے ایک سفید فام شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ سیاہ فام لوگوں کے لئے زندہ رہنے کے حق کو تسلیم نہ کرے، یا جیسے عربی زبان بولنے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ چاہے کہ دنیا میں کسی اور زبان کے بولنے والے نہ رہیں، اسی طرح اک مذہب کے ماننے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ چاہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے لوگوں سے دنیا بالکل خالی ہو کر رہ جائے، پس آخرت میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سے دُور رہنے والوں کی سخت پکڑ ہو کر رہے گی؛ لیکن دنیا میں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک، خوش اخلاقی، جائز امور میں رواداری اور انسانی رشتہ کے لحاظ سے ایک دوسرے کی رعایت ضروری ہے۔

﴿۲﴾ ”اختلاف والی باتوں میں فیصلہ کو اللہ کے سپرد کرنے“ میں دو باتیں شامل ہیں، ایک یہ کہ ہدایت سے محروم لوگوں سے بحث و مباحثہ کا اگر فائدہ نہ ہو تو اُلجھنے کی بجائے کہہ دیا جائے کہ میں اس معاملہ کو اللہ ہی کے حوالہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا فیصلہ فرمادیں گے، دوسرے: اگر کسی بات کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کے ←

فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۚ يَذَرُوكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴿۱۳﴾

وہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمہارے لئے تم میں سے نیز چوپایوں میں سے بھی جوڑے پیدا کر دیئے ہیں، ﴿۱﴾ اسی طریقے سے تم کو پھیلاتے جاتے ہیں (یعنی تمہاری نسل چلاتے جاتے ہیں)، کوئی بھی چیز اس جیسی نہیں، اور وہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ﴿۱۱﴾ اسی کے پاس آسمان وزمین کی کنجیاں ہیں، جس کے لئے چاہتے ہیں روزی بڑھا دیتے ہیں اور جس کی چاہیں کم کر دیتے ہیں، یقیناً وہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱۲﴾ (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور (اے رسول!) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعہ بھیجا ہے، نیز جس کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو، ﴿۲﴾ جس دین کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں، وہ شرک کرنے والوں پر ناگوار گزرتا ہے، اللہ جس کو چاہتے ہیں، اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اپنی طرف آنے کا راستہ اسی شخص کو دکھاتے ہیں، جو اس کی طرف رجوع کرے۔ ﴿۱۳﴾

← فیصلہ پر عمل کرے، چاہے عقیدہ و عبادت کا مسئلہ ہو یا معاشرت و مالی معاملات کا، یا سیاسی و اجتماعی زندگی کا، ہر جگہ مسلمان کی نظر اس بات پر ہونی چاہئے کہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کیا ہے؟

﴿۱﴾ یعنی انسان کا جوڑا مرد یا عورت کی شکل میں انسان ہی میں سے پیدا فرمایا؛ تاکہ وہ ایک دوسرے کی رغبت کا باعث بنیں اور باہم انس محسوس کریں، اگر انسان کا جوڑا کسی اور مخلوق کی شکل میں ہوتا تو یقیناً اس کو اس سے وہ دلچسپی پیدا نہیں ہوتی، جو ایک شوہر کو بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے ہوتی ہے، اسی طرح چوپایہ میں نر و مادہ کا جوڑا پیدا کیا، جن سے الگ الگ کام لئے جاسکتے ہیں اور جوان چوپایوں میں افزائش نسل کا ذریعہ بنتے ہیں۔

﴿۲﴾ اس آیت میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: ایک یہ کہ اسلام وحدت دین کا قائل ہے نہ کہ وحدت ادیان کا، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مقبول دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، حضرت نوح ﷺ، حضرت ابراہیم ﷺ، حضرت موسیٰ ﷺ، حضرت عیسیٰ ﷺ اور گزشتہ تمام پیغمبر ←

← اسی دین کو لے کر آئے تھے، آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام مذاہب برحق ہیں، راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہی ہے، یہ درست نہیں ہے، دوسرے: دین سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے وہ احکام ہیں، جو تمام پیغمبروں کی مشترکہ تعلیمات ہیں، جن کو مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، (تفسیر قرطبی: ۱۰/۱۶) اس میں عقائد اور اخلاق تو شامل ہیں ہی، ان کے علاوہ عملی زندگی کے وہ تمام احکام شامل ہیں جن کا ہر آسمانی شریعت میں حکم دیا گیا ہے، جیسے: ماں باپ، بیٹا، بیٹی سے نکاح کا حرام ہونا، سود، رشوت، زنا، چوری، قتل وغیرہ کی ممانعت، ان کے مقابلہ میں کچھ احکام وہ ہیں، جن کو شریعت کہا جاتا ہے، خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے اس میں فرق رکھا ہے اور ہر اُمت کے لئے اس کے مناسب احکام شریعت مقرر کئے ہیں: ”لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا“ (المائدہ: ۴۸) چنانچہ بہت سے عملی مسائل میں مختلف اُمتوں کے لئے الگ الگ احکام دیئے گئے ہیں، جیسے حضرت آدم ؑ کی شریعت میں بھائی بہن کے درمیان نکاح کی اجازت تھی؛ کیوں کہ اس کے بغیر نسل انسانی کی افزائش ہو ہی نہیں سکتی تھی، حضرت موسیٰ ؑ کی شریعت میں ہفتہ کے دن کسب معاش کی ممانعت تھی اور اونٹ کا گوشت حرام کر دیا گیا تھا، حضرت یوسف ؑ کے زمانہ میں ازراہ تعظیم اپنے بزرگ کو سجدہ کرنے کی گنجائش تھی، حضرت سلیمان ؑ کے دور میں جاندار کے مجسمے بنانے کی ممانعت نہیں تھی، شریعت موسوی میں مالِ غنیمت کو نذر آتش کر دینے کا حکم تھا، بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ وہ مسجد میں ہی نماز ادا کریں، اس طرح کے متعدد احکام میں مختلف انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف پایا جاتا تھا؛ لیکن عقیدہ و اخلاق اور زندگی کے بنیادی قوانین ہمیشہ یکساں رہے، تیسری: قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس میں صرف دین کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا ہے، دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، دین کی پیروی کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے اور دین کے قائم کرنے کا تعلق اپنے آپ سے بھی ہوتا ہے اور دوسروں سے بھی، اپنے آپ پر دین قائم کرنے کا مطلب خود اس پر عمل کرنا ہے، اور دوسروں پر دین قائم کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت اسلامی حکومت اور حکمرانوں کے لئے ہے کہ وہ قانون کی طاقت سے دین کو نافذ کریں، دوسرا طریقہ دعوتِ دین کا ہے، جو علماء اور عوام کے لئے ہے کہ وہ لوگوں کو ترغیب و ترہیب کے ذریعہ دینی زندگی پر آمادہ کریں اور اس مقصد کے لئے اخلاقی طاقت کا استعمال کریں۔

دین قائم کرنے کے ساتھ ساتھ متفرق ہونے اور فرقہ بندی اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا، اس تفرق کا تعلق دین سے ہے، یعنی وہ بنیادی تعلیمات جو ہر شریعت میں تسلیم کی جاتی رہی ہیں، جیسے: عقائد، اخلاق، حرام و حلال کے بنیادی قوانین، ان پر متفق ہونا چاہئے، ان میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں، جیسے کوئی شخص غیر اللہ سے مرادیں مانگنے کو جائز قرار دے، پیغمبر کے احکام کو ضروری نہ سمجھے، سود و شراب کو حلال سمجھے، تو یہ ایسا اختلاف ہے، جو ناقابل قبول ہے؛ البتہ اگر کسی معتبر دلیل کی بنیاد پر فروعی احکام میں اختلاف ہو، جیسے کوئی شخص امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو ضروری سمجھتا ہو اور کوئی ضروری نہیں سمجھتا ہو، کوئی زور سے آمین پڑھنے کو بہتر سمجھتا ہو اور کوئی آہستہ، تو یہ فرقہ بندی نہیں ہے، یہ اختلاف رائے ہے، اور ایسے مسائل میں کسی ایک ہی رائے کو حق سمجھنا، دوسری رائے کو بالکل غلط سمجھنا اور اپنی رائے کی طرف لوگوں کو دعوت دینا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ دعوتِ دین کی ہے نہ کہ مسلک کی، غرض کہ فقہاء کے درمیان جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے، وہ فرقہ بندی کے دائرہ میں نہیں آتا۔

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ ۖ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّفُضِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١٦﴾ فَلِذَلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٧﴾

اس کے باوجود کہ ان کے پاس علم آچکا تھا، محض آپس کی ضد کی وجہ سے لوگ الگ الگ ہو گئے، اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی ایک مقررہ وقت تک مہلت (دینے کا) فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور جن لوگوں کو ان (گذشتہ اُمتوں) کے بعد کتاب دی گئی ہے، وہ اس کتاب کی طرف سے گہرے شک میں پڑے ہوئے ہیں، ﴿۱۶﴾ تو آپ اسی دین کی طرف بلاتے رہئے اور آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسی پر قائم رہئے، ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو بھی کتاب اتاری ہے، میں اس پر ایمان لایا، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال کی ذمہ داری تم پر ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث و تکرار نہیں، اللہ ہم سب کو (قیامت کے دن) اکٹھا کر دیں گے اور اسی کی طرف تو لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ یعنی اہل مکہ کا قرآن مجید کو ماننے سے انکار کرنا کسی دلیل کی وجہ سے نہیں ہے، محض ضد کی وجہ سے ہے، اور ان کی حرکتیں تو ایسی ہیں کہ ان پر اللہ کا عذاب آجائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ ابھی انہیں مزید مہلت دی جائے؛ اس لئے وہ بچے ہوئے ہیں، اور محرومی کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب الہی سے محروم تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب سے نوازا؛ لیکن یہ خواہ مخواہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

﴿۲﴾ یہ پوری سورہ مکی ہے؛ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ آیت بھی آپ ﷺ پر مکہ مکرمہ میں اتاری گئی ہے، اس وقت مسلمان ایک ایسے سماج میں تھے، جہاں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی، اور مسلمانوں کو سیاسی بالادستی بھی حاصل نہیں تھی، وہ ایک چھوٹی سی اقلیت تھے، اس آیت میں ان مسلمانوں کے لئے بہترین نصیحت کی گئی ہے، جو اکثر غیر مسلم اکثریت کے درمیان رہتے ہیں، یا جو مختلف مذاہب کے ملے جلے سماج میں رہ رہے ہیں، ان کے لئے پہلی نصیحت یہ فرمائی گئی کہ انہیں اسلام کی دعوت و تبلیغ پر پوری توجہ دینی چاہئے اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا چاہئے، دوسرے: اپنے دین پر ثابت قدم رہنا چاہئے، خواہ کسی ہی آزمائش آجائے، ان کا قدم لرزنا نہیں چاہئے، تیسرے: ان کو غیر اسلامی نظریات اور غیر مسلم تہذیب و ثقافت کو ہرگز قبول نہ کرنا چاہئے: ”وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ“ (المائدہ: ۴۸) ←

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٥﴾ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَاتِ ۖ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿١٦﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا ۖ وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۚ أَأَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿١٧﴾ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿١٨﴾

جولوگ اللہ کے بارے میں (مسلمانوں سے) بحثیں کرتے ہیں جب کہ وہ اللہ کو مان چکے ہیں، ان کی حجت بازی ان کے پروردگار کے نزدیک بالکل غلط ہے، ان پر (اللہ کا) غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے، ﴿۱۵﴾ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور (عدل و انصاف کے لئے) ترازو اتاری ہے اور تمہیں کیا خبر کہ شاید قیامت قریب ہی ہو؟ ﴿۱۶﴾ جولوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، وہی اس کے لئے جلد بازی کرتے ہیں، اور جو ایمان رکھتے ہیں، وہ تو اس سے سہمے رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قیامت (کا آنا) برحق ہے، یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں، وہ انتہائی درجہ کی گمراہی کا شکار ہیں، ﴿۱۷﴾ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہیں، جس کو چاہتے ہیں، روزی دیتے ہیں اور بڑے طاقتور اور زبردست ہیں۔ ﴿۱۸﴾

← چوتھے: انھیں اپنے سماج میں عدل و انصاف کا نمونہ بننا چاہئے اور ہر حال میں انصاف کا دامن نہ چھوڑنا چاہئے، پانچویں: جو لوگ دامن ایمان میں نہ آئیں، ان کے خلاف جبر یا شدت کا رویہ نہیں اختیار کرنا چاہئے؛ بلکہ ہمیں اپنے طریقہ پر قائم رہنا چاہئے اور اگر وہ اپنے مذہب پر عمل کرنا چاہیں تو اس میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئے: ”لَنَّا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ“ (الشوری: ۱۵) چھٹے: سنجیدہ طریقہ پر اسلام کی دعوت ضرور پیش کرنی چاہئے؛ لیکن جولوگ کٹ جتی سے کام لیں اور جانتے بوجھتے حق کو قبول نہ کریں تو ان سے بحث میں الجھنا نہیں چاہئے؛ کیوں کہ اس سے فائدہ نہیں ہوتا؛ بلکہ اُلٹے نفرت پیدا ہو جاتی ہے: ”لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ“ (الشوری: ۱۵) — غور کیجئے تو یہ مسلمان اقلیتوں اور غیر مسلم معاشرہ میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے زندگی گزارنے کے بہترین اصول ہیں۔

﴿۱﴾ ’میزان‘ یعنی ترازو سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مختلف باتیں نقل کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے شریعت مراد ہے، جس کے ذریعہ لوگوں کے حقوق طے کئے جاتے ہیں، (روح المعانی: ۲۶/۲۵، نیز دیکھئے: تفسیر مظہری: ۱۵/۱۰، اُردو ترجمہ) یہی رائے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ لوگوں کے حقوق معلوم کرنے کی ترازو شریعت ہی ہے، گویا اللہ کے حقوق کو جاننے کے لئے کتاب اور لوگوں کے حقوق کی تعیین کے لئے شریعت ہے۔



مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَزْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَزْثِهِ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَزْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ﴿۱﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاؤُا شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲﴾ تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُمْ وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَتِ الْجَنَّةِ ۚ لَهُمْ مِمَّا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳﴾ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْبَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۚ وَمَنْ يَفْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۴﴾

جو شخص آخرت کی بھتی کا طلب گار ہوتا ہے تو ہم اس کے لئے اس کی بھتی بڑھادیتے ہیں اور جو دنیا کی بھتی چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا ہی میں سے کچھ دے دیتے ہیں، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، ﴿۱﴾ کیا ان کے لئے (خدا کے) کچھ شریک ہیں، جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی ہے، ﴿۲﴾ اور اگر (مہلت دینے کا) فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا تو ان کا تو فیصلہ ہی ہو چکا ہوتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ظالموں کے لئے دردناک انجام ہے، ﴿۳﴾ آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ یہ اپنے کرتوتوں (کے وبال سے) ڈر رہے ہوں گے، لیکن وہ ان پر پڑ کر ہی رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے، ان کو اپنے پروردگار کے پاس وہ سب چیزیں ملیں گی، جن کی وہ خواہش کریں گے، یہی تو بڑا فضل و کرم ہے، ﴿۴﴾ یہی ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور اچھے عمل کرنے والوں کو دیتے ہیں، آپ فرما دیجئے: میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، ہاں رشتہ کی محبت (چاہتا ہوں) ﴿۳﴾ اور جو شخص نیکی کرے گا، ہم اس کے حق میں اس کا ثواب اور بڑھادیں گے، یقیناً اللہ خوب بخشنے والے اور بڑے قدر دان ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یعنی جس شخص کا عمل دنیا کے لئے ہوگا، اس کو اس عمل پر آخرت میں کوئی اجر حاصل نہیں ہوگا، اور جو آخرت کے لئے عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو استحقاق سے زیادہ اجر دیتے ہیں، اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آخرت میں تو دیتے ہی ہیں اور کچھ دنیا میں بھی عطا فرمادیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱۳۵/۲، تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۶)

﴿۲﴾ یعنی دین اور دینی احکام کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ انسانوں کا، تو اللہ کے سوا کیسے کوئی دین مقرر کر سکتا ہے؟

﴿۳﴾ یعنی دعوت دینے والے کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ جن لوگوں کو دعوت دے رہا ہو، ان سے کسی صلہ کا طلب گار ہو؛ کیوں کہ دعوت حق ایک عبادت ہے نہ کہ تجارت، دینی خدمت گزاروں کا تنخواہ لینا اس کے خلاف نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ عمل کی اجرت نہیں لیتے، وقت کی اجرت لیتے ہیں اور وہ اپنے مدعو سے معاوضہ طلب نہیں کرتے؛ بلکہ مسلم سماج سے اپنی ضروریات زندگی کے لئے بہ قدر

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ يَشِئِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ ۖ وَيَسْخُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۖ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا ہے؟ تو اگر اللہ چاہیں تو آپ کے دل پر مہر لگا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے ارشادات سے جھوٹ کو مٹا دیتے ہیں اور سچ کو ثابت کر دیتے ہیں، یقیناً اللہ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں، ﴿۱﴾ وہی خدا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے، غلطیوں سے درگزر کرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے، ﴿۲﴾ ان لوگوں کی عبادت قبول فرماتا ہے، ﴿۳﴾ جو ایمان لائے، جنہوں نے اچھے عمل کئے اور ان کو اپنے کرم سے اور زیادہ عطا فرماتے ہیں، اور جو ایمان نہیں لائے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے، ﴿۴﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتے ہیں تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ اندازے سے جس قدر چاہتے ہیں، روزی اُتارتے ہیں، یقیناً وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر اور خوب دیکھنے والے ہیں۔ ﴿۳﴾

← ضرورت مدد حاصل کرتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جاتی تھیں — رشتہ کی محبت کا حوالہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کے پیغمبر ہونے کی رعایت نہیں کرتے تو کم سے کم رشتہ کا لحاظ کرتے ہوئے تو میری بات سنو اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

﴿۴﴾ یعنی گناہ کی سزا میں تو اللہ تعالیٰ برابر برابر کا معاملہ رکھتے ہیں؛ لیکن اچھے کاموں کا اجر دینے میں خصوصی فضل و کرم کا معاملہ فرماتے اور بڑھا کر دیتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر دس اجر عطا فرماتے ہیں۔

(بخاری، کتاب التَّوْحِيد، حدیث نمبر: ۷۰۶۲)

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر اپنی طرف سے کوئی بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اگر آپ اللہ پر کوئی جھوٹی بات کہتے تو اس کو بھلا دیتے اور اس کو اپنے کلام میں باقی رہنے نہ دیتے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ غلط بات کو مٹا دینے اور درست بات کو باقی رکھنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۲۵/۱۶، نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۱۳۶/۴)

﴿۲﴾ یہاں قبول کرنے سے عبادت کا قبول کرنا مراد ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۶/۱۶) بعض لوگوں نے دُعا قبول کرنے سے ترجمہ کیا ہے؛ لیکن شاید یہ درست نہیں؛ کیوں کہ دُعا تو اللہ تعالیٰ دنیا کی حد تک کافروں کی بھی قبول فرما لیتے ہیں، جیسے شیطان کی اور اضطرار کی حالت سے دوچار کافروں کی دُعا قبول کرنے کی صراحت خود قرآن مجید میں آئی ہے۔ (الزمر: ۴۸، ۴۹)

﴿۳﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر ایک کو خوب رزق عطا کر دیتے تو لوگوں میں تکبر اور خود سری پیدا ہو جاتی، کوئی ایک دوسرے کے ←

وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۖ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۵﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۖ وَهُوَ عَلَى جُنُوعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۲۶﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴿۲۷﴾

ج

وہی ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہونے کے بعد بارش برساتا اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، ﴿۱﴾ اور وہی کارساز اور بڑا قابل تعریف ہے، ﴿۲۵﴾ اور اللہ کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور ان جانداروں کا پیدا کرنا بھی ہے، جن کو اس نے آسمان وزمین میں پھیلا دیا ہے اور اللہ جب چاہیں، ان کو اکٹھا کر لینے پر قادر ہیں، ﴿۲۶﴾ اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہے اور بہت سی (غلطیوں) سے اللہ درگزر فرمادیتے ہیں۔ ﴿۲۷﴾

← کام نہ آتا اور زمین میں ایک طرح کا فساد پھیل جاتا؛ بلکہ دنیا کا پورا نظام معطل ہو کر رہ جاتا، یہ جو اللہ تعالیٰ کبھی روزی کشادہ فرماتے ہیں، کبھی تنگ، آج کسی کو دولت حاصل ہوتی ہے اور کل کسی اور کو، اسی تقسیم کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے کام کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی بارش آبادیوں پر پھیل کر ہوتی ہے، جس سے تمام لوگوں کو کسی خرچ کے بغیر پانی حاصل ہو جاتا ہے، اللہ نے اسے چشمے اور تالابوں کی طرح سمیٹ کر نہیں رکھا ہے کہ اس کا فائدہ ایک ہی جگہ ہو۔

﴿۲﴾ دنیا میں جانداروں کا پیدا ہونا تو بالکل واضح ہے، ہو سکتا ہے کہ آسمانوں میں بھی جاندار ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے فرشتے مراد ہوں۔

﴿۳﴾ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی مصیبت کا سبب دوسروں میں تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے، انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہوتا تھا کہ اگر کوئی آزمائش و مصیبت آ جاتی تو اس کو پیغمبروں کی نحوست قرار دیتے، قرآن مجید نے انسان کی اس سوچ کو بد لے کی دعوت دی ہے کہ انسان کو مصیبت و آزمائش کا سبب خود اپنے آپ میں تلاش کرنا چاہئے، کہ گناہ کی وجہ سے تو اس کی پکڑ نہیں ہو رہی ہے؛ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری کوئی رگ پھڑک جائے، لکڑی سے خراش لگ جائے اور پتھر سے چوٹ لگ جائے تو یہ بھی گناہ ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، (کنز العمال، حدیث نمبر: ۸۶۷۰) اور اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ تمہارے بہت سارے گناہ تو وہ ہیں، جن کو اللہ معاف فرمادیتے ہیں، یعنی اللہ کی طرف سے عفو و درگزر کے باوجود یہ حالت ہے، اگر اللہ کی طرف سے عفو و درگزر کا معاملہ نہ ہوتا تو انسان تو ایک لقمہ کھانے اور ایک گھونٹ پانی پینے کا بھی حقدار نہیں — البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ دنیا میں آنے والی ہر مصیبت گناہ کا نتیجہ نہیں ہوتی، بعض دفعہ انسان کے صبر و شکر کو آزمانے کے لئے بھی مصیبت آتی ہے، جیسا کہ رسولوں اور پیغمبروں پر مصیبتیں آئی ہیں؛ اس لئے اگر کسی شخص کو مصیبت میں مبتلا دیکھا جائے تو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ لازمی طور پر یہ گناہ ہی کی سزا ہے۔

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۲۲﴾  
 أَلَيْتَهُ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۲۳﴾ إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ  
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۲۴﴾ أَوْ يُوقِفْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ﴿۲۵﴾  
 وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ﴿۲۶﴾ فَمَا أُوْتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ  
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲۷﴾  
 وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِينَ  
 اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۲۹﴾

اور تم زمین میں (کہیں بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے، اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا کام بنانے والا ہے اور نہ کوئی مددگار، ﴿۲۲﴾ اور اللہ کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والے پہاڑ جیسے جہاز ہیں، ﴿۲۳﴾ اگر اللہ چاہیں تو ہوا کو ٹھہرا دیں، پھر جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار بندے کے لئے نشانی ہے، ﴿۲۴﴾ یا اُن جہازوں کو ان لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے تباہ ہی کر دیں اور (اگر چاہیں تو) بہتوں کو معاف کر دیں، ﴿۲۵﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں، وہ جان لیں کہ ان کے لئے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، ﴿۲۶﴾ تو جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے، یہ تو دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں کے لئے زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے، ﴿۲۷﴾ اور ان لوگوں کے لئے جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو درگزر سے کام لیتے ہیں، ﴿۲۸﴾ اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا ہے، جو نماز قائم کرتے ہیں، جن کا کام آپسی مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ موجودہ دور میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان اور انسان کے منتقل کرنے کے بہت سے ذرائع وجود میں آ گئے ہیں، موٹریں ہیں، ٹرینیں ہیں، ہوائی جہاز ہیں؛ لیکن گذشتہ زمانہ میں دُور دراز کے علاقوں تک اور کثیر مقدار میں تجارتی سامان اور مسافروں کے پہنچانے کا ذریعہ بڑی بڑی کشتیاں تھیں، جو آہستہ آہستہ بھاپ سے چلنے والے جہازوں کی شکل اختیار کر گئے؛ بلکہ آج بھی حمل و نقل کا سب سے بڑا ذریعہ سمندر ہی ہے، جب تک بھاپ کے انجن نہیں ایجاد ہوئے تھے تو کشتیوں میں اونچے اونچے بادبان لگادیئے جاتے تھے، جب ہوا چلتی تھی تو ان بادبانوں کی وجہ سے کشتیاں ہوا کے رُخ پر تیزی سے چلنے لگتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی نعمت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو حرکت میں نہیں رکھتے تو یہ کشتیاں سطح سمندر پر کھڑی کی کھڑی رہ جاتیں، اور کہیں جانہ سکتیں، تمہاری تجارت ٹھپ ہو کر رہ جاتی، اتنا ہی نہیں کہ اللہ تمہارے سفر کو روک سکتے ہیں؛ بلکہ اگر چاہیں تو ایک طوفان کو بھیج کر تباہ و تاراج بھی کر سکتے ہیں۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۵۰﴾ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۵۱﴾ وَلَكِنْ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَاعْلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۵۲﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۵۳﴾ وَلَكِنْ صَبَرُوا ۖ وَعَفَىٰ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۵۴﴾

اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے، تبھی وہ (برابر کا) بدلہ لیتے ہیں، ﴿۵۰﴾ اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، ﴿۵۱﴾ اور جس پر ظلم ہو اور وہ اس کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ان پر کوئی الزام نہیں، الزام ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد مچاتے ہیں، ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہے؛ ﴿۵۲﴾ البتہ جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑے حوصلے کی بات ہے، ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر: ۳۶ میں مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ دنیاوی زندگی کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے، اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، جو اس سے کہیں بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی، پھر آیت نمبر: ۳۶ سے لے کر آیت نمبر: ۴۳ تک ان لوگوں کی آٹھ صفیں بیان کی گئیں ہیں، جن کو آخرت کی کامیاب زندگی حاصل ہوگی، پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، دنیا کے اسباب پر ان کا یقین نہیں ہے؛ بلکہ وہ اسباب کے پیدا کرنے والے سے لو لگاتے ہیں، دوسرے: بڑے بڑے گناہوں سے دور رہتے ہیں، خاص کر ایسی باتوں سے جو بے حیائی اور بے شرمی کی ہو، بچتے ہیں، تیسرے: ان کو جب غصہ آتا ہے اور غصہ کی حالت میں اکثر انسان بے قابو ہو جاتا ہے؛ لیکن اس وقت بھی وہ اپنے آپ پر قابو رکھتے ہیں اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں، چوتھے: وہ اپنے پروردگار کا حکم مانا کرتے ہیں، چاہے یہ حکم ان کے مفاد اور جذبات کے خلاف ہو یا موافق؛ لیکن وہ اللہ کے حکم کو غالب رکھتے ہیں، پانچویں: اللہ کے حکم کو ماننے ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ پابندی اور اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، چھٹے: اہم کاموں میں مشورہ کرتے ہیں، مشورہ میں دو باتیں شامل ہیں، ایک یہ کہ جس کام کا مشورہ کرنا ہو، اس کام سے باخبر اور آگاہ لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے اور ہر چھوٹی چھوٹی بات میں مشورہ کرنا ضروری نہیں، مشورہ اہم کاموں میں ہے، امر کے معنی ہی اہم کام کے ہیں، ساتویں صفت یہ ہے کہ ان میں مغل اور تنگی نہیں ہے؛ بلکہ اللہ نے جو کچھ دیا ہے، اس میں سے خرچ کرنے کا مزاج رکھتے ہیں، آٹھویں: وہ کسی پر زیادتی نہیں کرتے؛ بلکہ جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو زیادہ سے زیادہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں، جس کی اجازت ہے، اور معاف کر دینا اور صلح کر لینا اس سے بھی بہتر ہے؛ البتہ ظلم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، غور کیا جائے تو یہ آٹھ صفات ایسی ہیں جو انسان کے لئے آخرت ہی میں نہیں دنیا میں بھی خوشگوار زندگی کی ضامن ہیں۔

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِنْ بَعْدِهِ ۖ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ ۗ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشَعَيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۗ اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ ۝ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلْغُ ۖ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ۝ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُخْلِقُ مَا يَشَاءُ ۖ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنِثَاءً ۖ وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذَّكَوْرَ ۝

اور اللہ جس کو ہدایت سے محروم کر دیں تو اس کے بعد اس کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا، اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب عذاب ان کی نظروں کے سامنے آئے گا تو کہیں گے: کیا (دنیا کی طرف) واپس جانے کا کوئی راستہ ہے؟ ۲۵ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس طرح دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے کہ مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے اور نکلیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ﴿ایمان والے کہیں گے: یقیناً نقصان اٹھانے والے لوگ وہی ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں مبتلا کر دیا، یاد رکھو کہ ظالم لوگ ہمیشہ ہمیش کے عذاب میں رہیں گے، ۲۶ اور ان کے لئے کوئی مددگار بھی نہ ہوگا، جو اللہ کے مقابلہ ان کی مدد کرے اور جس کو اللہ ہی ہدایت سے محروم کر دیں تو اس کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے، ۲۷ اس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جو ٹلے گا نہیں، نہ اس دن تمہارے لئے کوئی ٹھکانہ ہوگا اور نہ تم سے انکار ہی بن پڑے گا، اپنے پروردگار کے حکم کو مان لو، ۲۸ پھر بھی اگر وہ بے رُخی اختیار کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور ہم جب انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے، اور اگر ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے، ۲۹ اللہ ہی کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ ۳۰﴾

﴿یعنی مارے شرم اور خوف کے آنکھ اٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہوگی۔﴾

أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۱۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ﴿۱۱﴾ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نُّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۲﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ تَصِیُّرُ الْأُمُورِ ﴿۱۳﴾

یادونوں قسمیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والے اور خوب قدرت والے ہیں، ﴿۱۰﴾ کسی آدمی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ اس سے (براہ راست) گفتگو فرمائیں، سوائے اس کے کہ وحی کے ذریعہ ہو، یا پردہ کے پیچھے سے ہو، یا کسی فرشتہ کو بھیج کر ہو، جو اللہ کے حکم سے جو اس کو منظور ہو، وہ پیغام پہنچا دے، یقیناً اللہ بلند مرتبہ والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۱۱﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک فرشتہ بھیجا، آپ کو معلوم نہیں تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے؛ لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک روشنی بنا دیا، جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، راستہ دکھا دیتے ہیں اور یقیناً آپ ایک سیدھے (درست) راستہ کی رہنمائی کر رہے ہیں، ﴿۱۲﴾ یعنی اس خدا کے راستہ کی جو آسمان و زمین کی تمام چیزوں کے مالک ہیں، یاد رکھو! اللہ ہی کی طرف تمام کام پہنچیں گے۔ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر بات پر قدرت بھی ہے اور ہر چیز کی مصلحت کا علم بھی، اللہ اپنے علم کے ذریعہ فیصلہ کرتے ہیں اور قدرت کے ذریعہ اس کو نافذ کرتے ہیں؛ چنانچہ کسی کو بیٹا دیتے ہیں، کسی کو بیٹی، کسی کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں، اور کسی کو کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ عام انسانوں ہی کے ساتھ نہیں، اپنے پیغمبروں کے ساتھ بھی رہا ہے کہ جن کو چاہا دیا اور جو چاہا دیا اور جن کو چاہا محروم کر دیا، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس میں ایک بزرگ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا فرمانے میں پہلے لڑکی کا ذکر کیا ہے، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ لڑکے سے پہلے لڑکی کا پیدا ہونا عورت کے لئے برکت کی بات ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۳۸)

﴿۲﴾ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا دیدار کیا، آپ بھی کیوں نہیں اسی طرح اللہ سے بات کرتے اور اللہ کو دیکھتے ہیں، اگر ایسا ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی انسان اللہ کو دیکھ نہیں سکتا، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ صرف یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کو دیکھ نہیں سکتا؛ بلکہ انسان اللہ تعالیٰ سے براہ راست گفتگو بھی نہیں کر سکتا، انسان تک اللہ کے کلام کے پہنچنے کی تین ہی صورتیں ہیں: پہلی صورت وحی کی ہے، اور یہاں وحی کے لفظ سے وحی کا ایک خاص طریقہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے دل میں کسی بات کا ←

← إلقاء فرمادیں، جس کو حدیث میں ”نفث فی الروح“ سے تعبیر کیا گیا ہے، (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد، حدیث نمبر: ۳۴۳۳۲) دوسرے: پردے کے پیچھے سے، جیسا کہ کوہ طور پر حضرت موسیٰ ﷺ سے گفتگو کی، یہ گفتگو پردے کے ساتھ تھی، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ ﷺ نے خواہش کی کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام بھیجتے ہیں، جیسا کہ حضرت جبرئیل ﷺ حضور ﷺ کے پاس اللہ کا کلام لے کر آتے تھے، اخیر میں آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ اسی تیسرے طریقہ سے یعنی فرشتہ کے ذریعہ ہم آپ ﷺ پر اپنا کلام اتار رہے ہیں، ورنہ آپ ﷺ کو پہلے سے یہ معلوم نہیں تھا کہ قرآن مجید کیا ہے اور اس میں کیا احکام دیئے گئے ہیں؟





# سُورَةُ الْخُحْرِ

« سورہ نمبر : (۴۳) »

« رکوع : (۷) »

« آیتیں : (۸۹) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی آیت نمبر: ۳۵ میں 'زخرف' کا لفظ آیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام زخرف ہے، یہ سورہ اُن سات سورتوں میں سے ایک ہے، جن کی ابتدا 'ح' سے ہوتی ہے۔

اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ان سورتوں میں ہے، جو آپ پر مکی زندگی کے اخیر میں نازل کی گئی ہیں، دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت اور آخرت کو مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے، اہل مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر اللہ کو پیغمبر بنانا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار کو بنایا جاتا، آپ نہ تو کسی بڑی دولت و ثروت کے مالک ہیں، اور نہ آپ کو اپنی قوم میں سرداری کا مقام حاصل ہے، ایسی صورت میں نبوت کا اعزاز آپ کو کیسے عطا کیا جاسکتا ہے؟ قرآن نے اس کا جواب دیا کہ جیسے اللہ تم میں سے کسی کو دولت مند اور کسی کو غریب بنا دیتے ہیں، اسی طرح ان کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو نبی بنا دیں اور دوسرے لوگوں کو ان کی اتباع اور پیروی کا حکم دے دیں، پھر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کرنے کے لئے فرمایا کہ جو بات تم کہہ رہے ہو، اسی قسم کی باتیں فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتا تھا کہ یہ تو بہت معمولی آدمی ہیں، یہ کیسے اللہ کے پیغمبر ہو سکتے ہیں؟ اس کی وجہ سے فرعون کا جو حشر ہوا، وہ معلوم ہے، اس سے تم کو سبق حاصل کرنا چاہئے، اہل مکہ چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے تو اس لئے ان کی دعوت توحید بھی نقل کی گئی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش کا تذکرہ کرتے ہوئے اس اہم بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزاتی طور پر ہوئی، ان کو معجزاتی طور سے آسمان پر اٹھایا گیا، ایسے ہی معجزاتی طور پر وہ قیامت کے قریب زمین پر اتارے جائیں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
 حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ  
 الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلٌّ حَكِيمٌ ۝ أَفَتَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا  
 مُسْرِفِينَ ۝ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ  
 يَسْتَهْزِءُونَ ۝ فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ  
 خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ حَمْدٌ (۱) (۱) اس واضح  
 کتاب کی قسم ہے، ۝ جس کو ہم نے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے؛ تاکہ تم سمجھ سکو، ۝ اور یقیناً یہ ہمارے پاس لوح  
 محفوظ میں موجود ہے، جو بلند درجہ والی اور حکمت سے بھری ہوئی (کتاب) ہے، ۝ (۲) (۲) بھلا کیا ہم تم سے نصیحت کی  
 اس کتاب کو ناراض ہو کر روک لیں گے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو؟ ۝ ہم نے گزشتہ لوگوں میں بھی  
 بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں، ۝ جب بھی ان کے پاس کوئی نبی آتا تھا، وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے ۝ تو ہم نے  
 اُن لوگوں کو جو ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھے، ہلاک کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی داستان گزر چکی ہے، ۝ (۳) (۳) اور اگر  
 آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس (اللہ) نے  
 پیدا کیا ہے، جو بہت زبردست اور بہت جاننے والا ہے۔ ۝

(۱) یہ حروف مقطعات میں سے ہے، جس کی وضاحت سورہ بقرہ کے شروع میں ہو چکی ہے۔  
 (۲) ان تین آیتوں میں قرآن مجید کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ یہ کتاب واضح ہے، عام سے عام آدمی بھی اس کے  
 مقصد و مراد کو سمجھ سکتا ہے، دوسرے: چوں کہ اس کتاب کے پہلے مخاطب عرب ہیں؛ اس لئے اس کی زبان عربی رکھی گئی ہے،  
 تیسرے: اس کتاب کی شان اتنی بلند ہے کہ اس کو لوح محفوظ میں بھی رکھا گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام چیزوں کا  
 ریکارڈ رکھا ہے، چوتھے: اس کے مضامین بہت ہی حکمت و دانائی پر مبنی ہیں، پھر اگلی آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ تمہاری  
 سرکشی کی وجہ سے تم کو اس کتاب سے محروم کر دیا جاتا تو بے جا نہ ہوتا، مگر اپنی مخلوق سے محبت اور بے پناہ شفقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم  
 تم سے ناراض ہو کر اس کتاب کو روک نہیں لیں، اسی لئے یہ کتاب اتاری جا رہی ہے، جیسے ایک بچہ نہ کھانے کے لئے ضد کرتا ہے، اس  
 کے باوجود ماں کی ممتا اس سے کھانا روک نہیں لیتی، اسی طرح اللہ کی محبت تو ستر ماؤں سے بڑھ کر ہے، وہ اس غذائے روحانی سے  
 انسانیت کو کیسے محروم رکھ سکتا ہے؟

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مہلت اور ڈھیل دی جاتی رہی ہے، اس سے مشرکین عرب کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے؛  
 کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے ان سے کہیں طاقتور قوموں کا نام و نشان مٹا دیا ہے، یہ کس گنتی میں ہیں؟

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتًا كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾ لَتَسْتَبْشِرُوا عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٣﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿١٤﴾

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا، نیز اس میں تمہارے لئے راستے بنا دیئے؛ تاکہ تم اپنا راستہ پاسکو، ﴿۱۰﴾ اور جس نے ایک اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ مردہ (یعنی خشک) شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح تم بھی (زندہ کر کے زمین سے) نکالے جاؤ گے، ﴿۱۱﴾ اور وہی ہے جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا، نیز تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے، جن پر تم سواری کرتے ہو؛ ﴿۱۲﴾ تاکہ اس کی پشت پر بیٹھ جاؤ پھر بیٹھنے کے بعد اپنے رب کے احسان کو یاد کرو اور کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو اس کو قابو میں نہیں لاسکتے تھے، ﴿۱۳﴾ اور ہم کو اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۹ سے ۱۴ تک اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کے ذریعہ انسان خدا کو پہچان سکتا ہے اور اس کے ایک اور یکتا ہونے کو سمجھ سکتا ہے کہ اللہ ہی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے، زمین کو انسان کے رہائش کے لائق بنایا ہے، اس کو ایسا بے نشان بھی نہ بنایا کہ چلنے والے کو راستہ سمجھ میں نہ آئے، سمندر کی طرح ایسی یکسانیت ہو کہ خارجی وسائل سے مدد لئے بغیر رہ گزر کو سمجھ نہ پائے، بارش بھی برساتے ہیں تو اتنی کم نہیں کہ ناکافی ہو جائے اور اتنی زیادہ نہیں کہ ساری چیزیں ڈوب کر رہ جائیں، انسان کے لئے جو چیزیں بنائیں، ان کو جوڑے جوڑے بنایا؛ تاکہ اس میں افزائش اور بڑھوتری کا سلسلہ جاری رہے، کشتیوں کے لئے لکڑیاں پیدا کیں اور انسان کو عقل و فہم عطا کی، جس کا نتیجہ ہے کہ سخت تلاطم میں بھی کشتیاں چلتی رہتی ہیں، چوپائے بنائے؛ تاکہ انسان کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور اپنے اسباب کا لے جانا آسان ہو جائے، ان سب کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرے نہ کہ ناشکری، مگر افسوس کہ انسان قدم قدم پر اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور پھر بھی اپنے محسن کی ناشکری سے باز نہیں آتا، اسی ضمن میں یہ ہدایت بھی آگئی کہ انسان کو سواری پر بیٹھنے کے بعد کیا دعا پڑھنی چاہئے؟ یعنی ”سبحان الذی سخر لنا هذا وما كنا له مقرنین“ — حدیث میں اس دعا میں یہ اضافہ بھی منقول ہے :

اللهم أنت الصاحب في السفر ، والخليفة في الأهل والمال ، اللهم إني أعوذ بك من وعشاء السفر ، وكآبة المنقلب ، والحدور بعد الكور ، وسوء المنظر في الأهل والمال - (مسلم، کتاب الحج، باب ما يقول إذا ركب إلى سفراج، حدیث نمبر: ۱۳۴۲)

اے اللہ! آپ ہی اس سفر کے ساتھی ہیں اور اہل و عیال اور مال و اسباب میں ہمارے ←

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۱۱ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ۱۲ أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ ۱۳ وَأَصْفَكُمْ بِالْبَنِينَ ۱۴ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا ۱۵ وَهُوَ كَظِيمٌ ۱۶

اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جزء (یعنی اولاد) ٹھہرا لیا، ﴿۱۱﴾ یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکر ہے، ﴿۱۲﴾ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے خود بیٹیاں لے لیں اور تم کو چن کر بیٹے دے دیئے؟ ﴿۱۳﴾ اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے، جس کی انھوں نے خدائے رحمان کی طرف نسبت کی ہے (یعنی بیٹی) تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ ﴿۱۴﴾

← نائب ہیں، اے اللہ! میں سفر کی دشواریوں اور واپسی کے مقام کے تکلیف دہ ہونے، حالات کے سنورنے کے بعد بگڑنے اور مال و اولاد میں بُرے منظر کے دیکھنے سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

یہ تو سواری کی اصل دُعا ہے؛ لیکن سفر کے سلسلہ میں حضرت علیؓ سے آپؐ کی مکمل سنت اس طرح منقول ہے کہ جب رکاب میں اپنا پاؤں رکھے تو بسم اللہ کہے اور جب سواری پر چڑھ جائے تو الحمد للہ کہے، پھر اس کے بعد وہ دُعا پڑھے، جس کا اوپر ذکر آیا، پھر تین بار الحمد للہ واللہ اکبر پڑھے، اخیر میں یہ دُعا پڑھے :

اللهم لا إله إلا أنت ظلمت نفسي فأغفر لي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت۔ (مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استجاب خفض الصوت بالذكر، حدیث نمبر: ۲۷۰۵)  
اے اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، آپ مجھے معاف کر دیجئے کہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔

یہ دُعا نیک تو خشکی پر سفر کرنے سے متعلق ہیں، اگر دریائی سفر کرنا ہو تو وہ دُعا پڑھی جائے جو حضرت نوحؑ نے پڑھی تھی :

بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَ مُرْسَهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (ہود: ۴۱)  
اللہ ہی کے نام سے کشتی چل رہی ہے اور اسی کے نام سے رکی ہوئی ہے، بے شک میرے پروردگار بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں۔

کار، ٹرین، بس اور جہاز کے سفر میں یہ ہو سکتا ہے کہ سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے بسم اللہ اندر داخل ہونے کے بعد الحمد للہ اور جب سواری چلنے لگے تو ”سبحان الذی سخر لنا هذا وما کننا له مقرنین“ پڑھے، اور ہوائی جہاز میں یہ بات بہتر معلوم ہوتی ہے کہ خشکی والی دُعا پڑھی جائے اور جب اُڑان بھرے تو دریائی سفر والی دُعا پڑھے؛ کیوں کہ دریا میں کشتی کے تیرنے اور فضا میں جہاز کے تیرنے کے درمیان کافی یکسانیت پائی جاتی ہے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان کو یا فرشتوں کو اللہ کی اولاد قرار دیا۔

أَوْ مَنْ يُنَشِّئُوا فِي الْحُلِيِّهِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبْدُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا أَشْهَدُوا خَلْقَهُمْ ۖ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْ أَتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُهُتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾

ج  
۸

بھلا جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات بھی نہ کر سکے (یعنی بیٹیاں)، وہ اللہ کی اولاد ہیں؟ ﴿۱۸﴾ اور انھوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمان کے بندے ہیں، عورت ذات قرار دے رکھا ہے، کیا یہ ان کے پیدائش کے وقت موجود تھے؟ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے (اس کے بارے میں) باز پرس ہوگی، ﴿۱۹﴾ اور یہ کہتے ہیں: اگر خدائے رحمان چاہتا تو ہم ان کی پوجا نہیں کرتے، ان کو کچھ تحقیق تو ہے نہیں، یہ صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں، ﴿۲۰﴾ کیا ہم نے ان کو قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے، جس کو یہ تھامے ہوئے ہیں؟ ﴿۲۱﴾ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ﴿۲۲﴾ اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی شہر میں جب بھی کسی خبردار کرنے والے کو بھیجا تو وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم بھی ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ﴿۲۳﴾ پیغمبر نے کہا: اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ صحیح راستہ بتانے والا دین لے کر آیا ہوں، جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا (پھر بھی باپ دادا ہی کے طریقہ پر قائم رہو گے؟) ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس دین کو ماننے والے نہیں ہیں، جس کو لے کر تم بھیجے گئے ہو، ﴿۲۴﴾ چنانچہ ہم نے ان سے بدلہ لیا تو دیکھ لیجئے کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ زیور میں پرورش پانے کا مطلب یہ ہے کہ جس میں تگ و دو اور جدوجہد کی صلاحیت اور اس کا حوصلہ نہ ہو؛ کیوں کہ جیسے بلند ہمت مردوں کو اپنے ہتھیاروں سے محبت ہوتی ہے، اسی طرح عورت کو زیورات سے، وہ بمقابلہ مرد کے کمزور ہوتی ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عورتوں کے لئے زیورات کا استعمال جائز ہے اور مردوں کے لئے زیورات پہننا جائز نہیں۔

﴿۲﴾ یعنی اکثر قوموں کی گمراہی کا بنیادی سبب یہی بنا ہے کہ انھوں نے اپنے گمراہ باپ دادا کے طریقہ پر اصرار کیا اور جو غور راستہ سے بھٹکا ہوا ہو، وہ دوسروں کو کیسے راستہ پر لے جاسکتا ہے؟

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۵۳﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿۵۴﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۵﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوا لَوْ لَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْفَرِيقَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۵۸﴾ أَهُمُ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۖ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم لِبَعْضٍ سُلْخًا ۖ وَرَحِمْتَ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۵۹﴾

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیم نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ جن چیزوں کو پوجتے ہو، میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ﴿۵۳﴾ مگر ہاں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی مجھ کو راستہ بھی دکھائے گا، ﴿۵۴﴾ اور ابراہیم نے اس (عقیدہ توحید) کو ایسی بات بنادیا، جو اس کی نسل میں بھی باقی رہی؛ تاکہ یہ لوگ (شرک سے) باز رہیں، ﴿۵۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو سامان و اسباب عطا کئے، یہاں تک کہ ان کے پاس دین حق اور صاف صاف بتلانے والے پیغمبر بھی آگئے، ﴿۵۶﴾ اور جب ان کے پاس دین حق آگیا تو (اب) وہ کہنے لگے: یہ تو جادو ہے اور ہم تو اس کو نہیں مانتے، ﴿۵۷﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا؟ ﴿۵۸﴾ کیا آپ کے پروردگار کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیوی زندگی کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ایک کو دوسرے پر کئی درجہ فوقیت عطا کی ہے؛ تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمت لیتے رہیں اور آپ کے پروردگار کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے، جو یہ سمیٹتے پھر رہے ہیں۔ ﴿۵۹﴾

﴿۱﴾ یعنی حضرت ابراہیم ؑ نے اس بات پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ خود عقیدہ توحید پر قائم رہے؛ بلکہ انھوں نے اپنی آئندہ نسل کو بھی اس پر باقی رکھنے کی کوشش فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کا خود دین پر قائم رہنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نسلوں میں دین کے باقی رہنے کی تدبیر کرے۔

﴿۲﴾ اہل مکہ کا ایک نامعقول مطالبہ یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو نبی بنانا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے کسی بڑے سردار پر قرآن کیوں نہیں اتارا گیا؟ بعض مفسرین نے مکہ اور طائف کے بعض سرداروں کے نام بھی ذکر کئے ہیں کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر نبی ہونا ہی تھا تو ان کو ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ نبوت و رسالت تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اللہ اس کے مالک ہیں؛ لیکن یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی تقسیم اپنی مرضی سے نہ کریں، ان لوگوں کی مرضی سے کریں، کوئی بھی سمجھ دار شخص اس بات کو قبول نہیں کر سکتا کہ کوئی چیز ہو تو آپ کی ملکیت؛ لیکن اس کو تقسیم کرنے لگیں دوسرے لوگ، یہ ایسے ہی ہے ←

وَلَوْ لَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقْفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿٢٥﴾ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُورًا عَلَيْهَا يُتَكَيَّئُونَ ﴿٢٦﴾ وَزُخْرَفًا ط  
وَأِنْ كُلُّ ذَلِكٍ لَّمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾ وَمَنْ يَعِشْ عَنِ ۲  
ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٢٨﴾ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ  
وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿٢٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ  
فَبِئْسَ الْقَرِينٌ ﴿٣٠﴾

اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی دین کے ہو جائیں گے تو جو لوگ خدائے رحمان کا انکار کر رہے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتوں، گھروں پر چڑھنے کے زینوں اور گھروں کے دروازوں کو اور وہ تخت جن پر یہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں، سونے چاندی کے بنادیتے اور (حقیقت میں) یہ سب کچھ نہیں ہے، صرف دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہے اور آپ کے پروردگار کے یہاں (ملنے والی) آخرت تو اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے لئے ہے، ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ اور جو شخص بے حد مہربان خدا کے ذکر سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، جو اس کے ساتھ رہتا ہے، ﴿۵﴾ وہ ان کو (درست) راستہ سے روکتے رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ درست راستہ پر ہیں، ﴿۶﴾ یہاں تک کہ جب یہ شخص ہمارے پاس آئے گا تو (ان سے) کہے گا: کاش! میرے اور تمہارے درمیان پورب و بچھم کا فاصلہ ہوتا، تو کیا ہی برا ساتھی ہے! ﴿۷﴾ ﴿۸﴾

← جیسے تم مال و دولت کو دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زیادہ دے دیتے ہیں اور کس کو کم، یہ اللہ کی مرضی ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اگر سارے کے سارے لوگ دولت و ثروت کے لحاظ سے برابر ہو جائیں تو کوئی دوسرے کی خدمت کرنے والا اور ایک دوسرے کا کام کرنے والا نہ رہے اور زندگی کا پورا نظام معطل ہو کر رہ جائے، اخیر میں فرمایا گیا کہ ان کو مال و دولت پر ناز ہے اور یہ اسی کو بڑا سمجھتے ہیں، جس کے پاس مال و اسباب ہوں، مگر نبوت و ہدایت اللہ کی ایسی نعمت ہے، جو ان نعمتوں سے کہیں بڑھ کر ہے!

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا اتنی حقیر اور بے وقعت ہے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ ظاہری چمک دمک اور وقتی عیش و عشرت کو دیکھ کر تمام لوگ کفر ہی کا راستہ اختیار کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کے ہاں سونے چاندی اور عیش و آرام کی چیزوں کا ڈھیر لگا دیتے؛ اس لئے مسلمانوں کو ہرگز ایمان نہ لانے والوں کی عارضی ٹیپ ٹاپ کو دیکھ کر متاثر نہیں ہونا چاہئے، مال و دولت کی بہتات نہ کامیابی کی دلیل ہے اور نہ عزت و وقار کا سبب۔

﴿۲﴾ غرض کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ارادہ و اختیار کی قوت کا غلط استعمال کرتا ہے تو شیطانی قوتیں بھی اس کو اسی راستہ پر آگے بڑھاتی جاتی ہیں اور اس کو اس وقت ہوش آئے گا، جب وہ آخرت کی دنیا میں پہنچ چکا ہوگا اور وہاں افسوس کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔



وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْكُمُ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۸﴾ أَفَأَنْتَ تُسَبِّحُ الضُّمَّةَ  
 أَوْ تَهْدِي الْعُمْى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۹﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ﴿۴۰﴾  
 أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ﴿۴۱﴾ فَاسْتَسْكِنِ بِالَّذِي أَوْحَىٰ إِلَيْكَ  
 إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿۴۳﴾ وَسَأَلْنَا مَنْ  
 أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مَنْ رُسِلْنَا أَجْعَلُنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا  
 مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۵﴾

اور جب تم ظالم قرار پا چکے تو یہ بات کہ تم سب عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ ہو، آج تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی، ﴿۳۸﴾ (اے پیغمبر!) تو کیا آپ بہروں کو سنا سکے ہیں، یا اندھوں کو یا ان لوگوں کو جو کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، راستہ دکھا سکتے ہیں؟ ﴿۳۹﴾ تو اگر ہم آپ کو اٹھا بھی لیں، تب بھی ہم ان سے ضرور ہی بدلہ لیں گے، ﴿۴۰﴾ یا (یہ بھی ممکن ہے کہ) ہم نے (جس عذاب کا) وعدہ کیا ہے، وہ آپ کو دکھا دیں؛ کیوں کہ ہم کو ان پر ہر طرح کا قابو حاصل ہے، ﴿۴۱﴾ تو جو بات آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے، آپ اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سیدھے راستہ پر ہیں، ﴿۴۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بھی بڑے شرف کی چیز ہے، ﴿۴۳﴾ اور عنقریب تم سب سے پوچھ ہوگی، ﴿۴۴﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے ہیں، آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا کچھ اور معبود بھی مقرر کئے تھے، جن کی عبادت کی جائے، ﴿۴۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، موسیٰ نے کہا: میں تمام عالم کے پروردگار کا پیغمبر ہوں۔ ﴿۴۶﴾

﴿۱﴾ انسان کی ایک فطرت یہ ہے کہ جب وہ تکلیف میں تنہا ہوتا ہے تو تکلیف کا احساس زیادہ ہوتا ہے، اور اگر اس کے ساتھ بہت سے لوگ اسی تکلیف میں ہوں تو رنج کا احساس کم ہوتا ہے؛ لیکن دوزخ میں ایسا نہیں ہوگا، بے شمار لوگ عذاب کی بھٹی میں تپ رہے ہوں گے؛ لیکن عذاب میں لوگوں کا شامل ہونا ان کے رنج و غم میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔

﴿۲﴾ زیادہ تر اہل علم نے یہاں ذکر سے 'ذکر خیر' مراد لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۹۳/۱۶، تفسیر رازی: ۱۰۴/۱۴) نیز علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی نیک نامی کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ یہ دولت مال و اسباب کی دولت سے بڑھ کر ہے۔ بعض اہل علم نے ذکر کا ترجمہ 'نصیحت' سے بھی کیا ہے، ایسی صورت میں معنی ہوگا کہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے نصیحت ہے، (دیکھئے: تفسیر میرٹھی: ۵۶۱) بعض دوسرے اہل علم سے بھی اس آیت کا یہی مفہوم نقل کیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۹۳/۱۶)

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿۵۷﴾ وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهُ السَّحَرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَمِدَ عِنْدَكَ إِنَّا لَمُهْتَدُونَ ﴿۵۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۶۰﴾ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَاقَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۶۱﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿۶۲﴾ فَلَوْلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ آسُورَةٌ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿۶۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿۶۴﴾

پھر جب ان کے پاس ہماری نشانیاں آگئیں تو وہ ان کا مذاق اڑانے لگے، ﴿۵۷﴾ ہم ان کو ایک سے بڑھ کر ایک نشانی دکھاتے گئے، ﴿۵۸﴾ اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا؛ تاکہ وہ باز آجائیں، ﴿۵۹﴾ وہ کہا کرتے: اے جادوگر (یعنی موسیٰ!) آپ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے: جس کا اس نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے، ہم ضرور درست راستہ پر آجائیں گے، ﴿۶۰﴾ پھر جب ہم ان سے عذاب کو ہٹا دیتے تو وہ عہد توڑ دیتے تھے، ﴿۶۱﴾ فرعون نے اپنی قوم کو لالکارا: اے میری قوم! کیا مصر کی بادشاہت اور یہ نہریں جو میرے (محل کے) نیچے بہتی ہیں، میری نہیں ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ﴿۶۲﴾ بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں، جو ایک معمولی آدمی ہے اور جو صاف بول بھی نہیں سکتا، ﴿۶۳﴾ (اگر اس کا دعویٰ صحیح ہے) تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اُتارے گئے، ﴿۶۴﴾ یا فرشتے اس کے ساتھ صف بنا کر کیوں نہ آگئے؟ ﴿۶۵﴾ اس طرح فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنادیا اور قوم نے بھی اس کی بات مان لی، یقیناً یہ تھے ہی نافرمان لوگ۔ ﴿۶۶﴾

﴿۱﴾ یعنی ان کی شامت اعمال کی وجہ سے ان پر جو عذاب آتا تھا، فرعون اور اس کے لوگ حضرت موسیٰ ﷺ سے درخواست کرتے کہ یہ عذاب ہٹ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے؛ لیکن عذاب ہٹ جاتا تو پھر اپنے اسی طریقہ پر قائم رہتے، ان نشانیوں کا ذکر ”سورہ اعراف، آیت نمبر: ۱۳۳“ کے حاشیہ میں آچکا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت موسیٰ ﷺ کی زبان میں لکنت کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ نہ تو حکومت رکھتے ہیں نہ دولت، یہاں تک کہ اس طرح بول بھی نہیں سکتے کہ لوگوں کو متاثر کر سکیں۔

﴿۳﴾ جیسے آج کل فوج کے اعلیٰ عہدیداروں کو ستاروں کے پلے دیئے جاتے ہیں، کسی کو ایک کا، کسی کو دو کا، کسی کو تین کا، کسی کو اس سے زیادہ، اسی طرح فرعون کے زمانے میں رواج تھا کہ جو بڑے رتبہ و مقام کے لوگ ہوتے، وہ سونے کا کنگن پہنا کرتے؛ اسی لئے فرعون نے حضرت موسیٰ ﷺ کو طعن دیا کہ ان کے پاس تو وہ علامتی کنگن بھی نہیں ہے۔

فَلَمَّا أَسْفَوْا اِنتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿۵۶﴾  
وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوا ءِالِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۖ مَا  
صَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ  
مَثَلًا لِّلْبَنِيِّ إِسْرَآءِيلَ ﴿۵۹﴾

پھر جب انھوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبودیا، ﴿۵۵﴾ چنانچہ ہم نے ان کو بعد کے  
لوگوں کے لئے گئی گزری قوم اور سامانِ عبرت بنا کر رکھ دیا، ﴿۵۶﴾ اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی  
تو آپ کی قوم کے لوگ ایک دم سے اس بات پر تالیاں بجانے لگے، ﴿۱﴾ اور کہنے لگے: ہمارے معبود زیادہ بہتر  
ہیں یا عیسیٰ؟ ان لوگوں نے جو یہ مثال آپ سے بیان کی ہے، وہ صرف جھگڑے کے لئے؛ بلکہ یہ لوگ ہیں ہی  
جھگڑالو، ﴿۵۷﴾ عیسیٰ محض ایک بندہ ہیں، جن پر ہم نے کرم فرمایا ہے اور جن کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے (اپنی  
قدرت کا) نمونہ بنا دیا تھا۔ ﴿۲﴾ ﴿۵۸﴾

﴿۱﴾ ”یصدون“ کے اصل معنی خوشی سے شور و غل مچانے کے ہیں: ”أی یصیحون“ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۰۳) اس غیر معمولی  
خوشی کے اظہار کو بعض اُردو مترجمین نے چلانے سے تعبیر کیا ہے، جیسے: شیخ الہندؒ اور مولانا تھانویؒ، بعضوں نے اچھل پڑنے  
سے، جیسے: مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ، اور بعضوں نے تالیاں بجانے سے جیسے مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ، یہاں اسی تعبیر کو لیا  
گیا ہے۔

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۵۶ تا ۵۹ کس پس منظر میں نازل کی گئی ہے؟ اس سلسلہ میں مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے تین باتیں نقل کی ہیں،  
جن میں سے دو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہیں اور تیسری بات بعض اور مفسرین سے، پہلی روایت جو حضرت عبداللہ بن  
عباسؓ سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ جب آپؐ نے سورہ انبیاء کی آیت نمبر: ۵۸ کی تلاوت کی، جس کا ترجمہ یوں ہے: ”یقیناً  
تم لوگ اور اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو، وہ سب دوزخ کا ایندھن ہیں“ تو عبداللہ بن الزبعریؓ نے کہا کہ عیسائی حضرت  
مسیحؑ کی اور یہودی حضرت عزیرؑ کی عبادت کیا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی دوزخ میں داخل کئے جائیں  
گے؛ حالانکہ آپ ان کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، اسی سلسلہ میں فرمایا گیا کہ مکہ کے کافروں نے اس اعتراض کو اتنا اہم سمجھا کہ  
وہ خوشی میں تالیاں بجانے لگے؛ تاہم اگر غور کیا جائے تو عربی زبان کے گرامر کے لحاظ سے خود اس آیت میں اس کا جواب موجود  
ہے؛ کیوں کہ قرآن کے الفاظ ہیں: ”ما تعبدون“ (تم جس چیز کی عبادت کرتے ہو) عربی میں ”ما“ کا لفظ ایسی چیزوں کے لئے  
بولا جاتا ہے جو عقل نہیں رکھتیں، جیسے: مورتیاں، جانور، دریا، پہاڑ وغیرہ، اس لفظ میں شخصیتیں شامل نہیں ہیں، شخصیتوں کے لئے عربی  
زبان میں ”من“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اگر ”من تعبدون“ کا لفظ ہوتا تو اس کے معنی ہوتے ”تم جن لوگوں کی عبادت  
کرتے ہو“ ایسی صورت میں اس اعتراض کی گنجائش ہو سکتی تھی — دوسرا واقعہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا: —

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ ﴿٢٥﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلْسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٢٦﴾

اور اگر ہم چاہیں تو تم ہی سے فرشتے پیدا کر دیں، جو تمہاری جگہ زمین میں آباد ہو جائیں، ﴿۱﴾ اور یقیناً عیسیٰ قیامت کی ایک علامت ہیں، تو تم قیامت کے بارے میں شبہ نہ کرو اور میرا کہا مانو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۲﴾

← اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے، اس میں خیر نہیں: ”لا خیر فی احد یعبد من دون اللہ“ اس پر قریش نے اعتراض کیا کہ آپ تو حضرت عیسیٰ ﷺ کو اللہ کے نیک بندے اور رسول قرار دیتے ہیں؛ حالانکہ ان کی بھی عبادت کی جاتی ہے، یہ اعتراض بھی غلط فہمی کا نتیجہ ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ اللہ کے ماسوا کی عبادت کرنے میں خیر نہیں ہے، نہ کہ اس شخصیت میں خیر نہیں ہے، جس کو لوگ اپنے طور پر پوجنے لگے ہیں — تیسرا واقعہ جو قنادہ اور مجاہد وغیرہ سے منقول ہے، یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ ﷺ کے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں تو قریش کہنے لگے: محمد ﷺ اس کو صرف اس لئے نقل کر رہے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو خدا بنالیا ہے، اسی طرح ہم لوگ ان کو خدا مان لیں، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۰۲) قرآن نے یہاں ان ہی باتوں کی تردید کی ہے کہ قرآن کی تعلیمات تو بالکل واضح ہیں اور یہ صرف جھگڑے کی باتیں ہیں، جو یہ کہہ رہے ہیں، حضرت عیسیٰ ﷺ بھی دوسرے انسانوں کی طرح اللہ کے بندے ہیں؛ البتہ وہ نبی و رسول ہیں، نہ عبادت کے لائق ہیں اور نہ دوزخ میں داخل کئے جانے کے مستحق۔

﴿۱﴾ یعنی یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ ﷺ کی پیدائش کیسے ہو سکتی ہے؟ دنیا کے معمول اور عادت کے لحاظ سے ایک مخلوق سے دوسری مخلوق پیدا نہیں ہوتی؛ لیکن اللہ کی قدرت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اگر اللہ چاہیں تو ایک مخلوق سے دوسری مخلوق پیدا کر دیں، جیسے انسان ہی سے فرشتے پیدا کر دیں اور ان ہی سے دنیا آباد کر دیں۔

﴿۲﴾ حضرت عیسیٰ ﷺ کے قیامت کی علامت ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ باپ کے بغیر حضرت عیسیٰ ﷺ کی پیدائش ایک ایسی بات ہے جو عام عادت کے خلاف ہے، اسی طرح جو انسان مر گیا ہو، اس کا دوبارہ زندہ ہونا بھی خلاف عادت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پہلے کام کو انجام دیا ہے، اسی طرح دوسرے کام کو بھی انجام دیں گے؛ اس لئے حضرت عیسیٰ ﷺ کی ذات گویا قیامت قائم ہونے کے لئے ایک دلیل اور علامت ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ قیامت کے قریب آسمان سے اُتارے جائیں گے، بہت سی صحیح و معتبر حدیثیں اس سلسلہ میں منقول ہیں، علامہ سید انور شاہ کشمیری ﷺ نے ”التصريح بماتواتر في نزول المسيح“ کے نام سے ایسی تمام حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، حضرت عیسیٰ ﷺ کا آسمان سے زمین پر نازل ہونا قیامت کے قریب ہوگا، اسی وقت امام مہدی بھی ظاہر ہوں گے، دجال بھی ظاہر ہوگا اور حضرت عیسیٰ ﷺ دجال کو قتل فرمائیں گے، یہی دوسری تفسیر زیادہ تر اہل علم سے منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۰۵) اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے مسیح ہونے کا دعویٰ بالکل جھوٹ اور دھوکہ ہے، مرزا صاحب قادیان میں چراغ نبی کے ←

وَلَا يَصُدُّكُمْ الشَّيْطَانُ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٢٧﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ إِلِيمٍ ﴿٢٨﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٩﴾ أَلَا خِلَافٌ يَوْمَئِذٍ لِبَعْضٍ عَدُوٍّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ يُعْبَادُ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٣١﴾

اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے، یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، ﴿۲۶﴾ اور جب عیسیٰ معجزے لے کر آئے تو انھوں نے کہا: میں تمہارے پاس حکمت کی بات لے کر آیا ہوں اور بعض باتیں، جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، میں ان کو تم پر واضح کر دوں گا، لہذا اللہ ہی سے ڈرتے رہو اور میرا کہا مانو، ﴿۲۷﴾ یقیناً اللہ ہی میرے بھی پروردگار ہیں اور تمہارے بھی؛ اس لئے اللہ ہی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے، ﴿۲۸﴾ پھر ان ہی میں سے مختلف فرقے ہو گئے تو جن لوگوں نے ظلم کیا، ان کے لئے دردناک دن کے عذاب (کی وجہ) سے ہلاکت و بربادی ہے، ﴿۲۹﴾ یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان پر اچانک آپڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو، ﴿۳۰﴾ اس دن خدا سے ڈرنے والوں کے علاوہ جتنے دوست ہیں، سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، ﴿۳۱﴾ اے میرے بندو! (۳) تم لوگوں پر آج نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم ٹمگین ہو گے۔ ﴿۳۱﴾

← بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت مسیح ﷺ آسمان سے اُتارے جائیں گے اور وہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ قادیانیت کے فتنہ سے اس اُمت کی حفاظت فرمائے۔

﴿۱﴾ حضرت موسیٰ ﷺ کے بعد تورات کے بعض احکام کے سلسلہ میں بنی اسرائیل کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا، ان ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ ﷺ نے فرمایا کہ اس اختلاف میں کوئی رائے درست ہے اور کوئی نادرست؟ ہم اس کو واضح کر دیں گے۔

﴿۲﴾ یعنی حضرت عیسیٰ ﷺ کو اُٹھائے جانے کے بعد عیسائیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور اس اختلاف کی بنا پر وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے، کسی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ اللہ کے بیٹے ہیں، کسی نے کہا کہ خود حضرت عیسیٰ ﷺ ہی اللہ ہیں، کسی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ تین خداؤں کے مجموعہ میں سے ایک ہیں، تین ماننے والوں میں سے بھی بعض کے نزدیک باپ، بیٹے اور روح القدس ہیں اور بعضوں کے یہاں تیسری شخصیت حضرت مریم علیہا السلام کی ہے، ان کے مقابلہ میں ایک چھوٹا سا گروہ ان لوگوں کا ہوا، جنھوں نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو اللہ کا بندہ اور رسول مانا اور عیسائیوں کی اکثریت نے ان کو کافر قرار دے دیا، تو وہ تمام لوگ جنھوں نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو خدا یا خدائی میں شریک مانا ظلم کرنے والے لوگ ہیں، جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

﴿۳﴾ یہ خطاب قیامت کے دن اللہ کے نیک بندوں سے ہوگا۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿١﴾ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٢﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٦﴾ لَا يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٨﴾ وَنَادُوا يَبْنَكَ لِيُقْضَ عَلَيْكَ رَبِّكَ ۖ قَالَ إِنَّا لَنَكُونُ ﴿٩﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿١٠﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿١١﴾

جولوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے، ﴿۱﴾ (ان سے کہا جائے گا: تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ؛ کہ تمہارا اعزاز کیا جائے گا، ﴿۱﴾) ان پر سونے کی پلیٹوں اور پیالوں کا دور چلے گا اور جنت میں وہ سب چیزیں ہوں گی، جن کی لوگ خواہش کریں گے اور جو آنکھوں کو بھائیں گی اور تم ہمیشہ یہیں رہو گے، ﴿۲﴾ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے مالک بنادیئے گئے ہو، ﴿۳﴾ تمہارے لئے اس میں بہت سارے میوے ہیں، جن میں سے تم کھا رہے ہو، ﴿۴﴾ البتہ نافرمانی کرنے والے ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے، ﴿۵﴾ ان سے عذاب ہلکا بھی نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں نا اُمید پڑے رہیں گے، ﴿۶﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے؛ لیکن وہ خود ہی (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے، ﴿۷﴾ وہ پکاریں گے: اے (داروغہ دوزخ) مالک! (ہمارے لئے درخواست کرو کہ) تمہارے پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دیں، مالک کہے گا: تم کو تو اسی حال میں رہنا ہے، ﴿۸﴾ (اے ایمان نہ لانے والو!) یقیناً ہم نے تم کو سچا دین پہنچا دیا؛ لیکن تمہاری اکثریت سچی بات کو ناپسند کرتی ہے، ﴿۹﴾ کیا انھوں نے کوئی بات ٹھان رکھی ہے تو ہم نے بھی ایک فیصلہ کر لیا ہے۔ ﴿۱۰﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے 'تُحْبَرُونَ' کا معنی بتایا ہے 'تُکْرَمُونَ'، یعنی: تمہارا اعزاز کیا جائے گا، تمہیں عزت دی جائے گی، بعض اہل علم نے اس کا ترجمہ خوش ہونے سے کیا ہے تو ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش جنت میں داخل ہو جاؤ۔

﴿۲﴾ دنیا میں حلال و حرام کے جو قوانین ہیں، اہل جنت سے وہ سب اٹھائے جائیں گے؛ چنانچہ دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، (بخاری، کتاب الاشریۃ، باب الشرب فی اُنیۃ الذهب، حدیث نمبر: ۵۳۰۹) لیکن آخرت کا معاملہ اس سے مختلف ہوگا، وہاں اہل جنت کا ایسے برتنوں سے اعزاز کیا جائے گا۔

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿۱﴾ قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَكَدُّ ۖ فَآَنَّا أَوَّلُ الْعَبِيدِينَ ﴿۲﴾ سُبْحَنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۳﴾ فَذَرَهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۴﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ ۖ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۵﴾ وَتَبَرَّكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۶﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷﴾

کیا ان کا خیال ہے کہ ہم ان کی آہستہ باتوں کو اور کاناپھوسی کو نہیں سنتے ہیں، ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی ہیں، جو لکھتے بھی جاتے ہیں، ﴿۱﴾ آپ فرما دیجئے: اگر (بالفرض) خدائے رحمان کا کوئی بیٹا ہو تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کروں، ﴿۲﴾ آسمان وزمین کے پروردگار اور عرش کے مالک کی ذات ان باتوں سے پاک ہے، جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، ﴿۳﴾ تو ان کو بک بک کرنے اور کھیل تماشہ کرنے دیں، یہاں تک کہ جس دن کا وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ اپنے اس دن کو دیکھ لیں، ﴿۴﴾ وہی آسمان میں بھی بندگی کے لائق ہیں اور زمین میں بھی، اور وہ بڑی حکمت والے اور بڑے جاننے والے ہیں، ﴿۵﴾ وہ ذات کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں اسی کی بادشاہت ہیں، بڑی بابرکت ہے، اسی کو قیامت کی خبر ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے، ﴿۶﴾ اور اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں، ان کو تو سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں، مگر ہاں، جن لوگوں نے دین حق کا اقرار کیا اور وہ (اس کا) یقین رکھتے تھے (تو اللہ کی اجازت سے ان کو سفارش کا حق مل سکتا ہے)۔ ﴿۷﴾

﴿۱﴾ اہل مکہ کے اس مشورہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں انھوں نے طے کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کر دیا جائے اور اس مہم میں ہر قبیلہ کا ایک نمائندہ شامل ہو؛ تاکہ بنی ہاشم ان سے بدلہ لینے کی سوچ نہ سکیں؛ چنانچہ اہل مکہ نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس طرح باہر آ گئے کہ ان کی آنکھیں آپ کو دیکھنے سے قاصر رہ گئیں، سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے، ان کے ٹھان لینے سے مراد رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش ہے اور اسی سازشی مشورہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ تو ان کی سرگوشیوں کو بھی سنتے ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے بھی ان کی باتوں کو لکھتے جاتے ہیں، اور یہ جو ارشاد ہوا کہ ہم نے بھی فیصلہ کر لیا ہے، اس سے مراد ہے غزوہ بدر میں ان تمام سرداروں کا قتل کیا جانا جو اس مشورہ میں شامل تھے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱۸/۱۶)

﴿۲﴾ یعنی اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہی نہیں کہ جس کا دعویٰ کر کے عیسائی حضرت عیسیٰ ﷺ کی، یہودی حضرت عزیر ﷺ کی اور مشرکین عرب فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، اگر واقعی خدا کا بیٹا ہوتا تو تم سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۷۸﴾ وَقِيلَ لَهُ يَرْبِّ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۷۹﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾

ع ۲۲  
۱۴

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، پھر وہ کہاں بھٹکے چلے جاتے ہیں؟ ﴿۷۸﴾ اور (ان کو خبر بھی ہے) رسول کے یہ کہنے کی کہ اے میرے پروردگار! یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے، ﴿۷۹﴾ تو (اے رسول!) آپ ان سے منہ پھیر لیجئے اور کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں، غنقریب ان کو (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ ﴿۸۰﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۸۸ اور ۸۹ میں اہل مکہ کو گویا آخری وارننگ دی گئی ہے کہ ان کی بد نصیبی کا یہ عالم ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے شفیق و مہربان پیغمبر بھی اللہ کی بارگاہ میں ان کی شکایت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ یہ ایمان نہیں لاتے تو یہ ان کے عذاب کے حقدار ہونے کی گویا آخری شہادت ہے، پھر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ ان سے رُخ پھیر لیجئے اور بھلی بات کہہ کر اُلجھے بغیر اپنی بات ختم کر دیجئے؛ تاکہ آپ کے دل کو صدمہ نہ پہنچے، سلام کرنے سے مراد وہ سلام نہیں ہے، جو ایک دوسرے کو کیا جاتا ہے؛ بلکہ ان سے بے تعلق ہو جانے کی خبر دینا مقصود ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۲۵)





# سُورَةُ الدُّخَانِ

« سورة نمبر : (۴۴) »

« رکوع : (۳) »

« آیتیں : (۵۹) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی آیت نمبر: ۱۰ میں دخان کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی 'دھوئیں' کے ہیں، اب یا تو یہ لفظ بطور محاورہ کے استعمال ہوا ہے کہ مکہ میں ایسا قحط پڑے گا کہ لوگوں کو آسمان دھواں دھواں نظر آئے گا، یا اس سے قیامت کے قریب ظاہر ہونے والی علامت مراد ہے، جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک دھوئیں کا بادل چھا جائے گا، اس لفظ کی مراد جو بھی ہو؛ لیکن اسی لفظ کی نسبت سے اس سورہ کا نام 'دُخان' ہے، اس سورہ کی فضیلت میں مختلف روایتیں منقول ہیں؛ لیکن محدثین کے نزدیک وہ ضعیف و نامعتبر ہیں۔

مکی سورتوں میں نیز حمّٰ سے شروع ہونے والی دوسری سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی زیادہ تر ایمانیات یعنی توحید و رسالت اور آخرت کے مضامین ذکر کئے گئے ہیں، بہت اثر انگیز انداز پر قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، ضمنی طور پر اختصار کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم پر عذاب الہی اور بنی اسرائیل کو نجات دیئے جانے کا ذکر بھی آ گیا ہے، نیز سورہ کے آغاز ہی میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید ایک بابرکت رات یعنی شب قدر میں نازل کیا گیا ہے، اور یہ ایسی اہم رات ہے، جس میں قسمتوں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۳ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۴ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۵ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۶ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۷ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۸ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۹ إِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ۱۰ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۱۱ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۱۲ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۱۳ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۱۴ يَغْشَى النَّاسَ ۱۵ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۱۶ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُّؤْمِنُونَ ۱۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ حَمْدٌ (حائِم، میم)، ۱ اس واضح کتاب کی قسم، ۲ کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اُتارا ہے؛ (کیوں کہ) ہم خبردار کرنے والے ہیں، ۳ اس رات میں ہمارے ہی حکم سے ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے، یقیناً ہم ہی (آپ کو) پیغمبر بنانے والے ہیں، ۴ جو آپ کے پروردگار کی رحمت ہے، یقیناً اللہ بہت سننے والے اور بہت جاننے والے ہیں، ۵ وہی آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کے مالک ہیں، اگر تم لوگ واقعی یقین رکھنے والے ہو، ۶ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے؛ ۷ لیکن یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل کود میں مصروف ہیں، ۸ تو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان پر ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہوگا، ۹ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ایک دردناک عذاب ہوگا، ۱۰ (کفر کرنے والے بھی بول اٹھیں گے:) اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو ہٹا دیجئے، ہم ایمان لے آئیں گے۔ ۱۷

۱) یہ حروفِ مقطعات ہیں، سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر: ۱ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

۲) برکت والی رات سے 'شب قدر' مراد ہے، جو ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور بہت سے مفسرین نے اس سے شب قدر ہی مراد لیا ہے، (روح المعانی: ۲۵/۱۱۰) اگرچہ بعض اہل علم نے اس سے ۱۵ شعبان کی رات بھی مراد لی ہے؛ لیکن اہل علم کے نزدیک یہ رائے قابل قبول نہیں ہے، (دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۲۳، تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۲۷) یہ جو بات مشہور ہے کہ شبِ براءت میں قسمتوں کے فیصلے لکھے جاتے ہیں تو علامہ قرطبی ؒ نے قاضی ابوبکر ابن عربی ؒ اور جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی معتبر روایت موجود نہیں ہے — اس رات میں حکیمانہ فیصلہ کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ حیات، موت، رزق، کامیابی، ناکامی، اسی دن لوحِ محفوظ سے لکھی جاتی ہے؛ تاکہ فرشتے اس کو نافذ کریں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۲۷)

أَنِّي لَهُمُ الدِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۖ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۖ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۗ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ۖ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۖ

(مگر) ان کو نصیحت حاصل کرنا کہاں نصیب ہوگا؛ حالاں کہ ان کے پاس تو کھول کھول کر بیان کر دینے والے پیغمبر بھی آچکے، ﴿۱۳﴾ پھر بھی انھوں نے پیغمبر کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے: یہ تو سکھایا پڑھایا دیوانہ شخص ہے، ﴿۱۴﴾ ہم تھوڑے دنوں عذاب کو دور کر دیں گے، تم پھر اسی حالت پر آ جاؤ گے، ﴿۱۵﴾ جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے تو یقیناً ہم بدلہ لے کر ہی رہیں گے، ﴿۱۶﴾ اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو بھی آزما چکے ہیں، ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۰ میں آسمان پر نظر آنے والے دھویں کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ قرآن نے اس کو واضح نہیں کیا ہے، مفسرین نے اپنے اجتہاد اور بعض احادیث کی روشنی میں اس کے دو معنی بتائے ہیں، ایک یہ کہ اس سے واقعی آسمان پر دھویں کا چھا جانا مراد ہے، جو قیامت کے قریب پیش آئے گا، اور یہ قیامت کی ان غیر معمولی علامتوں میں سے ایک ہے، جن کا آپ ﷺ نے تذکرہ فرمایا ہے، یہ دھواں انسان کے لئے بیمار پڑنے کا سبب بنے گا؛ لیکن ایمان والوں پر اس کا اثر صرف نزلہ زکام کی حد تک ہوگا، اور جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، ان کے جسم میں دھواں اس طرح داخل ہوگا کہ آنکھ، کان، ناک غرض کہ جسم کے تمام راستوں سے باہر نکلے گا، ان کو سانس لینے میں تنگی ہوگی اور ان پر ایسی مدہوشی طاری ہوگی، جو نشہ کی حالت میں ہوتی ہے، چالیس دن و رات مشرق سے لے کر مغرب تک یہ دھواں چھایا ہی رہے گا، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۲۳) — دوسری رائے کے مطابق اس سے مراد وہ زبردست قحط ہے، جو حضور ﷺ کی بددعا کی وجہ سے اہل مکہ پر مسلط ہوا اور صورت حال یہ ہوگئی کہ لوگ مردار، ہڈی اور چمڑے تک کھانے پر مجبور ہو گئے، اس قحط کی مصیبت اس بات سے اور بڑھ گئی کہ مکہ میں غذائی اشیاء یمامہ سے آیا کرتی تھی، یمامہ کے سردار حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے اہل مکہ سے کہہ دیا کہ حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے ایک دانہ بھی نہیں آسکتا، جب آدمی سخت بھوک کی حالت میں ہوتا ہے تو ضعف کی وجہ سے انسان کو دھواں دھواں نظر آنے لگتا ہے، اسی کیفیت کو یہاں دھویں کے چھا جانے سے تعبیر فرمایا گیا ہے، علامہ ابن جریر طبری رضی اللہ عنہ اور بہت سے اہل علم نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے، (تفسیر طبری: ۲۲/۱۳) آخر ابوسفیان بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ کو اپنے رشتہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دُعا کریں، اگر یہ مصیبت دُور ہو جائے تو میں ایمان لے آؤں گا، (روح المعانی: ۲۵/۱۱۹) بلکہ سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابوسفیان نے کہا کہ آپ ﷺ نے باپوں کو تلوار سے بدر میں قتل کر دیا اور یتیموں کو بھوک سے قتل کر رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا، آپ ﷺ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مکہ کو جانے والا غلہ نہ روکا جائے، (سیرت ابن ہشام: ۴/۴۵۲) بلکہ آپ ﷺ نے مزید شفقت بھی فرمائی کہ مکہ کے قحط زدہ لوگوں کی مدد کے لئے اپنی طرف سے پانچ سو دینار یعنی سونے کے سکے بھی —

أَنْ أَدُّوا إِلَىٰ عِبَادَةِ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٩﴾ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۚ إِنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطَنِ مُّبِينٍ ﴿٢٠﴾ وَإِنِّي عَذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ﴿٢١﴾ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا بِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢٢﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنْ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٣﴾ فَأَسْرَ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿٢٤﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۚ إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٥﴾ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جِثَّتِ وَعُيُونٍ ﴿٢٦﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٧﴾ وَنَعْمَةً كَانُوا فِيهَا فَكِهِينَ ﴿٢٨﴾ كَذَلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٩﴾

(انھوں نے فرعون سے کہا:) اِن اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کر دو، میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں اور امانت دار ہوں، ﴿۱۹﴾ اور تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں، ﴿۲۰﴾ اور اس بات سے کہ تم مجھ کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دو، اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں، ﴿۲۱﴾ اور اگر تم مجھ پر یقین نہیں کرتے تو مجھ سے کنارہ ہو جاؤ، ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ پھر موسیٰ نے اپنے پروردگار سے فریاد کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں، ﴿۲۲﴾ (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا:) تو اب تم میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ، یقیناً طور پر تمہارا پیچھا بھی کیا جائے گا، ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ اور تم دریا کو ٹھہری ہوئی حالت میں چھوڑ دینا، ان لوگوں کا لشکر غرق کر دیا جائے گا، ﴿۳﴾ یہ لوگ کتنے ہی باغات، چشمے، کھیتیاں، عمدہ مکانات اور سامانِ راحت جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے، چھوڑ گئے، ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ ﴿۵﴾ ایسا ہی ہوا اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان کا مالک بنادیا، ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

← روانہ فرمائے؛ تاکہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے، (المبہوط للسرخی: ۱۰/۱۰۱) مگر اس کے باوجود اس وقت تک اہل مکہ کو ایمان کی توفیق نہیں ملی، جب تک مکہ فتح نہیں ہو گیا، آیت نمبر: ۱۲ تا ۱۴ میں اسی کا تذکرہ ہے — ان آیات کے نازل ہونے کا جو پس منظر ہے، ان سے معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ سورہ مکی ہے؛ لیکن یہ آیات مدنی ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی نہ ایمان لاؤ اور نہ دعوت میں کوئی رکاوٹ پیدا کرو اور نہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے جانے سے روکو، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر مسلمان غیر مسلم سماج میں زندگی گزار رہے ہوں تو ان کو اپنے غیر مسلم اہل وطن سے یہی مطالبہ کرنا چاہئے کہ ہم ایک دوسرے کے معاملہ میں دخل نہ دیں اور کم سے کم یہ تو ہو کہ ہر گروہ کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی رہے۔

﴿۲﴾ بندوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں کہ ان کو لے کر راتوں رات نکل جائیں اور پہلے سے خبردار کر دیا گیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا؛ تاکہ عین وقت پر گھبراہٹ نہ ہو۔

﴿۳﴾ یعنی قوم فرعون کی چھوڑی ہوئی ان تمام چیزوں کا مالک اُس دوسری قوم کو بنادیا، جو فرعون کے بعد مصر میں آباد ہوئی۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿١﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٢﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣﴾ وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَلِيِّينَ ﴿٤﴾ وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ﴿٥﴾ إِنَّ هَؤُلَاءَ لَيَقُولُونَ ﴿٦﴾ إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ﴿٧﴾ فَأْتُوا بِآيَاتِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٨﴾ أَهْمُ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٩﴾

نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین، اور نہ ان کو مہلت دی گئی، ﴿۱﴾ ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجات عطا کی، ﴿۲﴾ یعنی فرعون سے، جو بڑا سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھا، ﴿۳﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمجھ بوجھ کر تمام دنیا والوں کے مقابلہ منتخب کیا تھا، ﴿۴﴾ اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں، جن میں صریح آزمائش تھی، ﴿۵﴾ یہ لوگ کہتے ہیں: ﴿۶﴾ ہمیں صرف پہلی دفعہ مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، ﴿۷﴾ (اے محمد!) اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر کے) تولے آؤ، ﴿۸﴾ کیا یہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے، ہم نے ان کو بھی ہلاک کر ڈالا؛ کیوں کہ وہ نافرمانی کرنے والے تھے۔ ﴿۹﴾

﴿۱﴾ ’آسمان اور زمین کے نہ رونے‘ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ظلم و جور کی وجہ سے اتنے ناپسندیدہ تھے کہ ان کے بتلائے عذاب ہونے پر کسی کو رونا نہ آیا۔

﴿۲﴾ منتخب کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اپنے پیغمبروں کو بھیجا اور آسمانی کتاب اُتاری اور جو قوم آسمانی کتاب کی حامل ہوتی ہے، وہی اس زمانہ کی منتخب قوم ہوتی ہے؛ گویا بنی اسرائیل خاص اُس زمانہ کی منتخب قوم تھی نہ یہ کہ وہ ہمیشہ کے لئے منتخب قوم ہے۔

﴿۳﴾ آزمائش سے مراد ظاہری آزمائش بھی ہو سکتی ہے کہ انھیں اللہ کی نعمت دے کر مصیبت میں مبتلا کر کے آزمائے، اور معجزات بھی مراد ہو سکتے ہیں، جیسا کہ من و سلویٰ اُتارے جانے اور سمندر کے درمیان راستہ کے پیدا ہوجانے وغیرہ کے واقعات پیش آئے، بہر حال یہاں بنی اسرائیل کو آزمایا جانا مراد ہے — حضرت موسیٰ ﷺ اور قوم بنی اسرائیل کے واقعات متعدد جگہ پر آچکے ہیں۔

﴿۴﴾ یہ ابوجہل وغیرہ کا قول ہے، جو حضور ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ اگر مردوں کو زندہ کیا جائے گا تو ہمارے باپ دادا میں سے قسی بن کلاب اور کسی اور ایک خاندانی بزرگ کو زندہ کر کے دکھا دو۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۴۴)

﴿۵﴾ جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر ایران کے بادشاہ کو کسریٰ یا چین کے بادشاہ کو خاقان کہا جاتا تھا، اسی طرح یمن کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تقریباً سات آٹھ سو سال پہلے ایک خاندان نے تقریباً ڈھائی سو سال تک یمن کے وسیع علاقہ پر حکومت کی، جس کی سرحدیں اس وقت افریقہ تک پہنچتی تھیں، یہ حکمران ’تابعہ‘ کہلاتے ہیں، جو تبع کی جمع ہے، ان میں سے ←

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ﴿۵۸﴾ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْعَلِينَ ﴿۶۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۶۱﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۶۲﴾ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿۶۳﴾ طَعَامُ الْآثِمِينَ ﴿۶۴﴾ كَأَلْهَلٍ يُغْلَى فِي الْبُطُونِ ﴿۶۵﴾ كَغَلْيِ الْحَبِيمِ ﴿۶۶﴾

ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے مقصد پیدا نہیں کیا، ﴿۵۸﴾ ہم نے ان کو منصوبہ ﴿۱﴾ کے تحت پیدا کیا ہے؛ لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ سمجھتے نہیں ہیں، ﴿۵۹﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سب کے (اٹھائے جانے) کا وقت فیصلہ کا دن ہے، ﴿۶۰﴾ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، ﴿۶۱﴾ سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں، بے شک اللہ بڑے زبردست اور بہت مہربان ہیں، ﴿۶۲﴾ بلاشبہ زقوم کا درخت، ﴿۶۳﴾ گنہگار کا کھانا ہوگا، ﴿۶۴﴾ وہ پگھلائے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا، جو پیٹوں میں اس طرح کھولے گا، ﴿۶۵﴾ جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے۔ ﴿۶۶﴾

← ایک بادشاہ جس کا نام ابوکرب یا زید بن یمان تھا، مشرف بہ ایمان ہوا، نقل کیا جاتا ہے کہ اس نے کعبۃ اللہ پر غلاف بھی چڑھایا اور مدینہ سے بھی اس کا گزر ہوا، بعض تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی علماء کے ذریعہ اس کو رسول اللہ ﷺ کے مستقبل قریب میں معبوث ہونے کا علم ہوا اور اس نے آپ ﷺ کے نام ایک خط چھوڑا، جس میں ایمان کا اقرار اور شفاعت کی درخواست تھی، نسل در نسل یہ خط منتقل ہوتے ہوئے میزبان رسول حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچا اور آپ نے اس کو پڑھوا کر سنا؛ لیکن یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہیں، بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں میں ایک بادشاہ نیک اور صالح تھا؛ لیکن اس کے بعد اس کی قوم گمراہ ہو گئی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۳۳، ۱۳۵، تفسیر ماجدی: ۶/۳۲۶) حجاز کا علاقہ چوں کہ یمن سے قریب تھا؛ اس لئے ان بادشاہوں کی شان و شوکت، فوجی طاقت، سلطنت کی وسعت اور مال و دولت کی کثرت کا ذکر عربوں کے یہاں عام و خاص کی زبان پر تھا؛ اس لئے قرآن نے متنبہ کیا کہ تبع کی طاقت و قوت کے تم خود معترف ہو؛ لیکن جب انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا، اس سے عبرت حاصل کرو۔

﴿۱﴾ اُردو مترجمین نے ’بالحق‘ کا ترجمہ یہاں حکمت، تدبیر وغیرہ سے کیا ہے، سب کا حاصل یہی ہے کہ ان کی پیدائش بے وجہ نہیں ہوئی؛ اسی لئے اس حقیر نے ترجمہ کیا ہے ”ہم نے ان کو منصوبہ کے تحت پیدا کیا ہے“۔

﴿۲﴾ زقوم دوزخ میں اُگنے والا ایک درخت ہے؟ سورہ صافات: ۶۲ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۖ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَبِيمِ ۖ ذُقْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۖ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۖ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ۖ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۖ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ۖ كَذَلِكَ ۖ وَرَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۖ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ۖ لَا يَذُقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَّعْنَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۖ فَضَلًّا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۖ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۖ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُونَ ۖ

(اللہ فرشتوں سے فرمائیں گے:) اس کو پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ، ۲۴ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی اُنڈیل دو، ۲۵ (اس سے کہا جائے گا: اب) مزہ چکھ، کہ تو تو بڑا معزز سردار ہے، ۲۶ یہی تو وہ چیز ہے جس کے بارے میں تم شک و شبہ کیا کرتے تھے، ۲۷ یقیناً خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہوں گے، ۲۸ یعنی باغوں اور چشموں میں ۲۹ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنیں گے اور آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ۳۰ اسی طرح ہوگا اور ہم ان کو بڑی بڑی آنکھوں والی گوری گوری عورتوں سے بیاہ دیں گے، ۳۱ وہ اس میں اطمینان کے ساتھ ہر قسم کے میوے منگایا کریں گے، ۳۲ پہلی موت کے سوا وہ وہاں (اب کسی اور) موت کا مزہ نہیں چکھیں گے، اور اللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیں گے، ۳۳ یہ آپ کے پروردگار کا فضل و کرم ہے، یہی تو بڑی کامیابی ہے، ۳۴ ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے؛ تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں، ۳۵ پس آپ بھی انتظار کیجئے، یہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ ۳۶





## سُورَةُ الْجَاثِيَةِ

«سورہ نمبر : (۴۵)

«رکوع : (۴)

«آیتیں : (۳۷)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

’جاشیہ‘ کے معنی ایسے شخص کے ہیں، جو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہو، اس سورہ کی آیت نمبر: ۲۸ میں یہ مضمون آیا ہے کہ قیامت کے دن جب لوگوں کو اپنا اپنا نامہ اعمال دیکھنے کو دیا جائے گا تو خوف و دہشت اور گھبراہٹ کی وجہ سے لوگوں کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام جاشیہ ہے۔

یہ ان سات سورتوں میں سے ایک ہے، جن کا آغاز حم سے ہوتا ہے اور جس کی ابتدا قرآن مجید کی صداقت اور عظمت کے بیان سے ہوتی ہے، یہ سورہ بنیادی طور پر رکھی ہے؛ لیکن اس کی آیت نمبر: ۱۴ کا جو واقعاتی پس منظر نقل کیا گیا ہے، اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے؛ لیکن زیادہ تر اہل علم کے نزدیک یہ آیت بھی مکہ ہی میں نازل ہوئی ہے؛ البتہ جس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت اتاری گئی، اسی طرح کا واقعہ مدینہ میں بھی پیش آیا تو حضور ﷺ نے اُس وقت بھی اس آیت کی تلاوت فرمائی، اس سے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت، نبوت محمدی اور آخرت کے مضامین کو کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے، عام طور پر مشرکین دیویوں اور دیوتاؤں پر یقین رکھتے تھے؛ لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی تھا، جو سرے سے خدا کا انکار کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ’زمانہ‘ کے تحت اپنے آپ یہ کائنات چل رہی ہے، اس سورہ کی آیت نمبر: ۲۴ میں اس گروہ پر رد کیا گیا ہے، غور کیا جائے تو ان لوگوں کے افکار موجودہ دور کے دہریوں سے خاصے ملتے جلتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

حَمْدٌ ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۲ إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۳ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۴ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۵ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ قُبَّابِي حَدِيثٌ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَتُهُ يُؤْمِنُونَ ۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ حمد (حائیم)، ۲ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری ہوئی ہے، جو زبردست ہیں اور بڑی حکمت والے ہیں، ۳ یقیناً آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں، ۴ نیز تمہارے پیدا کرنے میں اور ان جانوروں میں جن کو اللہ پھیلا دیتے ہیں، ان لوگوں کے لئے ڈھیر سارے دلائل ہیں، جو یقین کرتے ہیں، ۵ رات اور دن کی تبدیلی میں، اس رزق میں جو اللہ نے آسمان سے اُتاری ہے، پھر اس سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا اور ہواؤں کے رد و بدل میں بھی ان لوگوں کے لئے بہت ساری نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں، ۶ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں، جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنایا کرتے ہیں، تو پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ ۷ ہر جھوٹے، گنہگار کے لئے ہلاکت ہے۔ ۸

۱﴾ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید نے عام طور پر کائنات میں پھیلی ہوئی نشانوں کو پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں جانوروں کی پیدائش اور رات و دن کے نظام کا متعدد جگہ ذکر فرمایا گیا ہے، اگر خدا ایک نہ ہوتا کئی خداؤں کی حکمرانی میں کائنات کا یہ نظام چلتا تو چیزوں کی پیدائش اور اوقات کی الٹ پھیر میں جو تسلسل ہے، وہ قائم نہ رہ پاتا، کسی خدا کی رائے ہوتی کہ ہمیں بکروں سے زیادہ شیر پیدا کرنا چاہئے، کسی کی سوچ ہوتی کہ یہ سارے جانور چار پاؤں کے کیوں ہیں، ان کو دو پاؤں کا ہونا چاہئے، کسی کو خیال ہوتا کہ موسم گرما میں رات چھوٹی اور دن بڑا کیوں ہو، اس کے برعکس کیوں نہ ہو، کوئی بارش کو لانا چاہتا اور کوئی روک کر رکھنا چاہتا، کوئی کسی مقام پر پانی برسانا چاہتا اور کوئی کسی اور مقام پر، غرض کہ قدم قدم پر اختلاف رونما ہوتا، پھر اپنی رائے پر اصرار کرتے ہوئے کمزور انسانوں کے درمیان ایسی بھیانک جنگیں ہوتی ہیں، تو طاقتور خداؤں کے درمیان کیسی تباہ کن جنگیں ہوتیں؛ لیکن کائنات میں کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک ہی خدا کی فرمانبرداری میں یہ پوری کائنات اپنا سفر طے کر رہی ہے۔

يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَانُ لَمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ مَنْ وَرَّاهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ هَٰذَا هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٌ ۝ اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِي الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

جو اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے، جو اُس پر پڑھی جاتی ہیں، پھر بھی تکبر کرتا ہوا (ایمان نہ لانے پر) اس طرح اڑا رہتا ہے کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں، تو اس کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، ۵ اور جب اس کو ہماری کچھ آیتوں کا علم ہوتا ہے تو وہ ان کی ہنسی اڑاتا ہے، ان ہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے، ۶ ان کے آگے دوزخ ہے، انھوں نے جو کچھ کمایا تھا، نہ وہ ان کے کچھ کام آئے گا اور نہ وہ کام آئیں گے جن کو ان لوگوں نے اللہ کے سوا کا رسا بنا رکھا ہے، اور ان کے لئے سخت عذاب ہے، ۷ یہ قرآن سراپا ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے، ۸ اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا ہے؛ تاکہ اس میں اللہ کے حکم سے جہاز چلا کریں، تم اس کی (عطا کی ہوئی) روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو، ۹ آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں، ۱۰ آپ مسلمانوں سے فرمادیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں، جو اللہ کے (ثواب و عذاب کے مقرر کئے ہوئے) دنوں کا یقین نہیں رکھتے؛ تاکہ اللہ ان لوگوں کو ان کے کرتوتوں کی سزا دیں، ۱۱

﴿۱﴾ دنیا کا عام دستور یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے سے کمزور چیز کو اپنے کنٹرول میں رکھتی ہے نہ کہ اپنے سے طاقتور چیز کو، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بکری نے شیر کو اپنے قابو میں رکھا ہو، یا ہرن نے ہاتھی کو اپنی گرفت میں لے لیا ہو، انسان بھی جسم و جان کے اعتبار سے اس کائنات کا ایک کمزور فرد ہے؛ لیکن اللہ کی قدرت ہے کہ وہ سمندر کی سرکش موجوں کے درمیان بڑے بڑے جہازوں کو چلا رہا ہے، فضا کی تند و تیز ہواؤں میں اس کی سواری سفر طے کر رہی ہے، سورج اور چاند جیسی عظیم مخلوقات شب و روز اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی بالاتر طاقت موجود ہے، جو پوری کائنات کو انسان کے قابو میں کئے ہوئی ہے، وہی خدا کی ذات ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَزَكَّيْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾

جو شخص نیک کام کرتا ہے، وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے، اور جو برا عمل کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے، پھر تم کو اپنے پروردگار ہی کی طرف واپس لایا جائے گا، ﴿۱۵﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت سے نوازا تھا، ہم نے ان کو کھانے کی پاکیزہ چیزیں بھی عطا کی تھیں، ان کو دنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت دی تھی، ﴿۱۶﴾ اور ہم نے ان کو دین کے واضح احکام دیئے تھے، تو علم کے آجانے کے باوجود محض آپس کی ضد کی وجہ سے انھوں نے اختلاف کیا، یقیناً آپ کے پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کر دیں گے، جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے، ﴿۱۷﴾ پھر ہم نے آپ کو دین (حق) کی ایک خاص شریعت پر رکھ دیا ہے تو آپ اسی کی پیروی کرتے رہئے اور ان جاہلوں کی خواہش پر نہ چلا کیجئے۔ ﴿۱۸﴾ (۳)

﴿۱﴾ یعنی اگر کسی گروہ پر دعوت کا حق ادا کر دیا جائے، پھر بھی وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کے ساتھ الجھنے سے بچا جائے اور درگزر سے کام لیتے ہوئے ان کے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کر دیا جائے۔

یہ آیت کس پس منظر میں نازل ہوئی؟ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے کہ غزوہ بنو مصطلق میں ایک کنویں پر جس کا نام ”مربیع“ تھا، رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ نے پڑاؤ ڈالا، قافلہ میں منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بھی شامل تھا، اس نے اپنے غلام کو پانی لانے کے لئے بھیجا، غلام کی واپسی میں دیر ہوئی، عبداللہ بن ابی نے سبب پوچھا، غلام نے بتایا کہ کنویں کے منہ پر حضرت عمر ؓ کا غلام بیٹھ گیا تھا، اس نے پہلے رسول اللہ ﷺ کا پانی بھرا، پھر حضرت ابوبکر ؓ کا، پھر حضرت عمر ؓ کا، اس کے بعد ہی وہ وہاں سے ہٹا، اس لئے تاخیر ہو گئی، عبداللہ بن ابی نے کہا کہ عربوں میں جو کہاوت ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کرو؛ تاکہ وہ تمہیں کھا جائے، یہ وہی بات ہوئی، جب حضرت عمر ؓ کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے چاہا کہ عبداللہ بن ابی کا کام تمام کر دیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان سے درگزر کا معاملہ کرنا ہی بہتر ہے، یہ روایت حضرت عباس ؓ سے ان کے شاگرد حضرت عطاء ؓ نے روایت کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۶۱)

﴿۲﴾ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر انبیاء پیدا فرمائے اور ہر دور میں وہی قوم فضیلت و برتری کی حامل ہوتی ہے جس کو تعلیمات نبوی سے نوازا گیا ہو، جیسے اس دور میں اُمت محمدیہ۔

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام عقائد اور اخلاق سے متعلق ذکر کئے ہیں، یہ احکام تمام پیغمبروں کو اور ان کے واسطے سے ان کی ←

إِنَّهُمْ لَن يَغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ سَوَاءٌ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ اللہ کے مقابلہ آپ کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے، نافرمانی کرنے والے لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تقویٰ والوں کے دوست اللہ ہیں، ﴿۱۹﴾ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں، ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے، ﴿۲۰﴾ جن لوگوں نے برائیاں کی ہیں، کیا ان کا خیال ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے، جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے کہ ان کا جینا اور مرنا ایک طرح کا ہو جائے گا؟ کیا ہی غلط دعوے ہیں، جو یہ لوگ کرتے ہیں، ﴿۲۱﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسے ہونے چاہئیں، ویسے ہی بنائے ہیں؛ تاکہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۲۲﴾

← اُمتوں کو یکساں طور پر دیئے گئے ہیں، کچھ احکام فروعی اور عملی ہیں، ان میں لوگوں کی قوتوں اور صلاحیتوں میں آنے والی تبدیلیوں اور تمدنی ترقیوں کے اعتبار سے الگ الگ احکام دیئے گئے ہیں، جیسے عبادتوں کے طریقے، نکاح و طلاق اور میراث کے قوانین، جرائم اور ان کی سزائیں وغیرہ، ان کو شریعت کہا جاتا ہے، تو کچھ انبیاء تو وہ تھے جن کوئی شریعت عطا کی گئی تھی، ان ہی میں حضرت موسیٰ ؑ ہیں، اور کچھ انبیاء وہ تھے، جن کوئی شریعت عطا نہیں کی گئی تھی، جیسے حضرت موسیٰ ؑ کے بعد آنے والے انبیاء بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ ؑ اور حضرت یحییٰ ؑ وغیرہ، تو اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ ہم نے آپ کو صاحب شریعت نبی بنایا ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ گذشتہ شریعتیں اس اُمت کے لئے حجت نہیں ہیں، ہاں اگر گذشتہ شریعت کا کوئی حکم نقل کیا گیا اور اس اُمت کے لئے یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی، جیسے قصاص سے متعلق آیت، یا اس اُمت کے لئے اس حکم کے باقی رہنے کی صراحت کر دی گئی، جیسے روزہ سے متعلق حکم، تو اس صورت میں گذشتہ شریعت کا حکم اس شریعت میں باقی سمجھا جائے گا، تو رات و انجیل کے جن احکام کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہو، اس اُمت کے لئے ان کا اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ گذشتہ کتابوں کے جن احکام کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں آیا ہے، ان کے ذکر نہ کئے جانے کا وہی سبب ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ وہ انسانی ملاوٹ کا نتیجہ ہو، دوسرے یہ کہ وہ حکم اُسی اُمت کے لئے رہا ہو، اُمت محمدیہ کے لئے باقی نہیں رہا ہو۔

﴿۱﴾ بعض مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر دوبارہ زندہ کیا ہی گیا، تو وہاں بھی ہماری حالت ان مسلمانوں سے اچھی ہی رہے گی، یہ اور اس طرح کے دعوے جو سامنے آتے تھے، اسی کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ←

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٦﴾

بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے سمجھ بوجھ کے باوجود اس کو ہدایت سے محروم کر دیا، اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ رکھ دیا، تو اب اللہ کے سوا کون اس کو ہدایت پر لاسکتا ہے؟ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ ﴿۲۵﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیوی زندگی کے سوا کوئی اور زندگی نہیں ہے، (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو مارتا دیتا ہے؛ حالاں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہ صرف اُلکلیں لگا رہے ہیں۔ ﴿۲۶﴾

← ﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو مناسب طریقہ پر پیدا فرمایا ہے — آگے واضح فرمادیا گیا کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے اور اس میں انسانوں کے بسانے کا مقصد یہ ہے کہ ان کا امتحان ہو اور آخرت میں ان کو جزاء و سزا دی جائے۔

﴿۱﴾ خواہش کو معبود بنانے سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام پر اپنی خواہشات کو غالب رکھنا، دنیا میں زیادہ تر گناہ خواہشات ہی کی پیروی کا نتیجہ ہوتے ہیں، زنا ہو یا چوری، جھوٹ ہو یا غیبت، سود ہو یا رشوت، ظلم و زیادتی ہو یا حق تلفی، اللہ کی عبادت سے غفلت ہو یا شرک و بت پرستی، ان سب کے پیچھے انسان کی خواہشات کا فرما ہیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کی خواہش ہمارے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے، (کنز العمال، حدیث نمبر: ۱۰۸۴) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں انسان کو ہلاک کر دینے والی اور تین چیزیں بچانے والی ہیں تو ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں: بخل جس کی اطاعت کی جائے، خواہش جس کی پیروی کی جائے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اور بچانے والی چیزیں ہیں: تنہائی میں اور لوگوں کے درمیان اللہ کی خشیت، دولت و محتاجی دونوں حالتوں میں اعتدال، غصہ اور خوشی دونوں حالتوں میں عدل، (کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۳۵۹۴، نیز دیکھئے: المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۵۳۵۲) — اس سلسلے میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں: جب انسان صبح کرتا ہے تو اس سے متعلق تین چیزیں (علم، عمل، خواہش) جمع ہوتی ہیں، اگر عمل خواہش کے تابع ہو جائے تو اس کا دن بدترین دن ہوتا ہے اور اگر اس کا عمل علم کے تابع ہو جائے تو وہ اس کا بہترین دن ہوتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۶۸)

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے وقت عرب میں جو مشرکین تھے، وہ سب ایک ہی خیال کے نہیں تھے، بعض خدا کو مانتے تھے، لیکن قیامت کا انکار کرتے تھے، بعض بالکل انکار تو نہ کرتے تھے، لیکن اس کو مشکوک قرار دیتے تھے، بعض کہتے تھے کہ ←

وَإِذَا تَنَلَّى عَلَيْهِمْ أَيْتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّنُوا بِأَبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾

اور جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کی صرف یہی کٹ جتنی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر کے) لے آؤ، ﴿۲۵﴾ آپ فرما دیجئے: خدا ہی تم کو زندہ رکھتے ہیں، پھر تم کو موت دیں گے، پھر قیامت کے دن جس میں کوئی شبہ نہیں، تم کو اکٹھا کریں گے (نہ کہ پیغمبر)؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں، ﴿۲۶﴾

← کائنات میں جو واقعات پیش آتے ہیں، کسی پیدا کرنے والے اور کائنات کے چلانے والے کی طاقت اس کے پیچھے کارفرما نہیں ہے؛ بلکہ یہ زمانہ کی کرشمہ سازی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں، یہ ٹھیک وہی خیال ہے جو ہمارے زمانے کے مادہ پرست دہریوں کا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ قانون فطرت کے تحت ہو رہا ہے، یہ کسی خدا کی کاریگری نہیں ہے، افسوس کہ وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ آخر قانون فطرت کو بھی تو کسی ہستی نے وجود بخشا ہوگا، وہی ہستی اس کائنات کی خدا ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس نے کائنات کے نظام کو فطرت کی مشین کے حوالہ کر دیا ہو اور خود اس سے بے تعلق ہو گیا ہو، اگر بالفرض ایسا ہوتا تو نظام قدرت میں فرق و اختلاف اور تنوع و رنگارنگی نہیں ہوتی، ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بچہ آٹھ ماہ ماں کے پیٹ میں رہے اور کوئی نو ماہ، کوئی شخص جوانی میں مرجائے اور کوئی بوڑھا پاپے کی انتہا تک پہنچے، کسی سال درخت میں پھل آئے اور کسی سال نہ آئے، کبھی دن بڑا ہو جائے اور کبھی چھوٹا، اگر ایک لگے بندھے قانون فطرت کے تحت کائنات کا نظام چلتا تو اس میں مکمل یکسانیت ہوتی، جیسے ایک سانچے سے بننے والی چیزوں میں اور ایک مشین سے ڈھلنے والی اشیاء میں ہوتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں چوں کہ نفع و نقصان اور راحت و مشقت کو ”زمانہ“ کا عمل قرار دیا جاتا تھا؛ اس لئے لوگ زمانہ کو برا بھلا کہا کرتے تھے، بد قسمتی سے خود اردو زبان میں بھی بعض ایسے محاورات موجود ہیں، جیسے کہا جاتا ہے، بُرا ہوزمانہ کا کہ یوں ہو گیا، یا یہ کہ گردش زمانہ سے ایسا ہو گیا وغیرہ، رسول اللہ ﷺ نے زمانہ کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اللہ ہی زمانہ ہیں: ”فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الدَّهْرُ“ (مسلم، باب النبی عن سب الدہر، حدیث نمبر: ۲۲۴۶) مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی زمانہ کو پیدا کرنے والے ہیں، پس اگر کسی نے زمانہ کو برا بھلا کہا تو گویا اس نے اس کے خالق و مالک کو برا بھلا کہا — مفسر قرطبی نے اس موقع پر خوب بات لکھی ہے کہ یہ تو غیر مسلم تھے، جو خدا کا اور قیامت کا انکار کرتے تھے؛ لیکن اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو مسلمانوں سے ڈرتے ہوئے کھل کر تو ان چیزوں کا انکار نہیں کرتے؛ لیکن ایسی تاویل کرتے ہیں، جو انکار ہی کے درجہ میں ہے، جیسے کہتے ہیں کہ قیامت قائم ہونے سے مراد جسم کا مرجانا ہے اور عذاب و ثواب سے مراد حقیقی عذاب و ثواب نہیں ہے؛ لیکن کچھ خیالات و احساسات ہیں جو روح میں پیدا ہوتے ہیں، ان ہی خیالات کو جنت و دوزخ سے تعبیر کر دیا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ ان کا شر کافروں کے شر سے بھی بڑھا ہوا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۷۲) غور کیجئے کہ اس زمانہ کے بعض نام نہاد مسلمان دانشور جو کچھ کہتے ہیں، وہ اس سے ذرا بھی مختلف ہے؟



وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِدُ الْغٰثِرُ الْمُبِطُۙ ۚ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جٰثِيَةً ۙ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ۚ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۙ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطٰقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۙ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۙ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰتٰىتْهُنَّ عَلٰىكُمْ فَاَسْتَكْبَرْتُمْ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۙ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۙ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۙ

اور آسمان وزمین میں اللہ ہی کی بادشاہت ہے، جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن اہل باطل نقصان میں پڑ جائیں گے، اور آپ ہر اُمت کو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا دیکھیں گے، ہر گروہ کو ان کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، (ان سے کہا جائے گا: آج تم کو تمہارے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، یہ ہمارا (تیار کرایا ہوا) ریکارڈ ہے، جو تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گا، تم جو کچھ کرتے تھے، ہم اس کو لکھواتے جاتے تھے، پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے تو ان کو ان کے پروردگار اپنی رحمت میں داخل فرمائیں گے، یہی تو کھلی ہوئی کامیابی ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لائے (ہم ان سے کہیں گے: کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں، پھر تم نے تکبر کیا اور تم تھے ہی نافرمان لوگ، اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت (کے واقع ہونے) میں کوئی شبہ نہیں تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے؟ بس ایک خیال سا ہم کو بھی ہوتا ہے (لیکن) ہمیں یقین نہیں۔

۱) ہندوستان میں بعض آریہ سماجی مبلغین اعتراض کرتے تھے کہ ایسا نامہ اعمال جس میں زندگی کے سارے اعمال لکھے گئے ہوں، یقیناً غیر معمولی ضخامت کا ہوگا، کیوں کر ممکن ہوگا کہ اسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور وہ اس کا مطالعہ کریں، اُس عہد کے علماء نے ان کے اس اعتراض کا جواب بھی دیا تھا؛ لیکن موجودہ دور میں کمپیوٹر کی ترقی نے اس کو سمجھنا بالکل آسان کر دیا ہے، کمپیوٹر کے اندر جو ایک چھوٹی سی چپ ہوتی ہے، وہ کتنے ہزار ہا ہزار صفحات کا مواد اور واقعات کا ریکارڈ اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے، آج ہر شخص کے پاس موبائل ہے اور ایک چھوٹے سے موبائل میں کتابوں کی سینکڑوں جلدیں محفوظ کر دی جاتی ہیں، اس سے نامہ اعمال کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے فائدہ اُٹھا کر انسان یہ سب کچھ کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک مختصر کتاب میں انسان کی پوری زندگی کا ریکارڈ محفوظ کر دینا کیا دشوار ہے؟

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۳﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنُفِّسُكُم كَمَا نَفَّسْنَا لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿۳۴﴾ ذَلِكُمْ بِأَنكُم اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرِجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۳۵﴾ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۷﴾

۳۷

اور ان پر ان کی بد اعمالیاں ظاہر ہو جائیں گی اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ ان کو گھیر لے گا، ﴿۳۳﴾ اور ان سے کہا جائے گا: جیسے تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا، اسی طرح آج ہم بھی تم کو بھلاتے ہیں، تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں، ﴿۳۴﴾ یہ اس لئے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیوی زندگی نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا تھا، تو آج نہ یہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی، ﴿۳۵﴾ پس ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو آسمان و زمین کا اور تمام جہانوں کا رب ہے، ﴿۳۶﴾ آسمانوں اور زمین میں اسی کی بڑائی ہے اور وہی غالب اور حکمت والے ہیں۔ ﴿۳۷﴾



# سُورَةُ الْحَقِّافِ

«سورہ نمبر : (۴۶)»

«رکوع : (۴)»

«آیتیں : (۳۵)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

احقاف، حَقَف (حاء پر زیر) کی جمع ہے، جو ریت کے بل کھاتے ہوئے ٹیلے کو کہتے ہیں، ریت اور اس کے ٹیلوں کی مناسبت سے یہ یمن کی ایک وادی کا نام ہے، جس میں قوم عاد آباد تھی، حضرت ہود علیہ السلام کو اس قوم کو توحید کی طرف دعوت دینے کے لئے بھیجا گیا تھا اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس پوری قوم کو بے نام و نشان کر دیا گیا، سورہ کی آیت: ۲۱ میں اس کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے سورہ کا نام سورہ احقاف ہے۔

اس سورہ میں جنات کے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کے اسلام لانے کا ذکر آیا ہے، یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ اہل مکہ کی طرف سے نا اُمید ہو کر طائف تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، مگر وہ ایمان تو کیا لاتے ان کا رویہ اہل مکہ سے بھی زیادہ خراب رہا، جب آپ وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے، تو جنات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی دل داری تھی کہ اگر کچھ انسانوں نے آپ کی دعوت کو رد کر دیا ہے تو آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں، کہ جنات جیسی مخلوق آپ کی دعوت کے سامنے سر جھکا رہی ہے، سیرت کا یہ واقعہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال کے اخیر یا گیارہویں سال کے شروع میں پیش آیا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورہ مکی زندگی کے اخیر میں نازل ہوئی، اس سورہ کے مضامین سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں دشمنوں کی طرف سے آپ کی مخالفت اور اذیت رسانی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

سورہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید، بُت پرستی کی تردید اور آخرت کے واقع ہونے کو ثابت کیا گیا ہے، نیز وحی، نبوت اور قرآن پر جو شبہات ان کی طرف سے کئے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی، لائق اور نالائق اولاد کے طرز عمل کا نقشہ کھینچا گیا ہے، حضرت ہود علیہ السلام کے واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، جنات کے ایمان لانے کا ذکر فرمایا گیا ہے اور سورہ کے اخیر میں اس وقت آپ ﷺ جن حالات سے دوچار تھے، ان کے پس منظر میں صبر کی تلقین کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ گذشتہ عالی مقام پیغمبروں کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الجزء ۲۶

حَمَّ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۝ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَعٰیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۝ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثَرٌ ۝ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ لَهُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ حَمَّ (حا، میم)، ۝ یہ اللہ کی طرف سے اُتاری ہوئی کتاب ہے، جو غالب اور بڑے حکیم و دانائیں، ۝ ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو حکمت و مصلحت کے ساتھ اور ایک مقررہ وقت تک کے لئے پیدا کیا ہے، اور ایمان نہ لانے والوں کو جس بات کی نصیحت کی جاتی ہے، وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، ۝ آپ کہہ دیجئے: بتاؤ تو سہی کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو مجھ کو دکھاؤ کہ انھوں نے زمین میں کونسی چیز پیدا کی ہے یا کیا آسمان میں ان کی کچھ سا جھے داری ہے؟ اگر تم سچے ہو تو میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی (آسمانی) کتاب یا علم و دانش سے متعلق کوئی نقل ہوتی ہوئی بات لے آؤ، ۝ (۱) اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے، جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارے، جو قیامت تک اس کو جواب تک نہ دے سکے اور ان کو لوگوں کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو؟ ۝

۱) عام طور پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر دلیلیں پیش کی گئی ہیں؛ لیکن بعض مواقع پر خود مشرکین سے دلیل طلب کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ جن چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں، ان کے شریک ہونے پر دلیل پیش کریں، یہاں یہی لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے، دلیل یا تو انسان کی عقل ہے یا معتبر کتابوں یا شخصیتوں سے منقول کلام؛ چنانچہ پہلے فرمایا گیا کہ خدا تو وہی ہو سکتا ہے، جو چیزوں کو وجود میں لانے والا ہو، تو تم جن کو شریک ٹھہراتے ہو، بتاؤ کہ انھوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ یہ تو عقلی پہلو سے دلیل کا مطالبہ ہوا، دوسری شکل یہ ہو سکتی تھی کہ کسی آسمانی کتاب میں ان کے خدا ہونے کا ذکر آیا ہو، تو آسمانی کتابیں جیسے تورات و انجیل تو کجا، جو دوسری مذہبی کتابیں ہیں، جیسے ہندوؤں کے یہاں ویدیں اور پُران وغیرہ، ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے اور مخلوق کی عبادت کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تیسری شکل یہ تھی کہ علم و فضل والے جیسے اللہ کے پیغمبروں اور ان کے برگزیدہ متبعین نے شرک کی تعلیم دی ہو؛ لیکن ایسا بھی نہیں ہے تو پھر تم کیسے کائنات کی مختلف چیزوں کو یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی صورتوں کو پوجتے ہو؟ قرآن مجید کے اس ارشاد سے دعوت کا اُسلوب معلوم ہوا کہ داعی کو کبھی اسلام کی حقانیت پر دلیلیں پیش کرنی چاہئیں اور کبھی کفر کا راستہ اختیار کرنے والوں سے ان کے کفر کی دلیل بھی طلب کرنی چاہئے۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفَرِينَ ﴿٦﴾ وَإِذَا ثُنِيَ عَلَيْهِمْ  
 أَلَيْنَا بَيْنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾ أَمْ يَقُولُونَ  
 افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ  
 كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٨﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ  
 وَمَا أَدْرِىٰ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنِ اتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾

اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو یہ (من گھڑت) معبودان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر  
 بیٹھیں گے، ﴿۶﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ انکار کرنے والے لوگ اس حق بات  
 کے متعلق جو ان تک پہنچ چکی ہے، کہتے ہیں: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، ﴿۷﴾ یا کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے، آپ  
 کہہ دیجئے: اگر میں نے اس کو (اللہ پر) گھڑ لیا ہو تو اللہ کے مقابلہ تم مجھے ذرا بھی کام نہ آسکو گے، ﴿۸﴾ تم قرآن کے  
 بارے میں جو کچھ کہتے ہو، اللہ اس سے خوب واقف ہیں، میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے وہی  
 کافی ہیں اور وہ بہت بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ﴿۹﴾ آپ فرما دیجئے: میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور خود  
 میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ میں تو صرف اسی بات پر چلتا ہوں، جو میری طرف وحی کی  
 جاتی ہے اور میں تو محض صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں۔ ﴿۲﴾ ﴿۹﴾

﴿۱﴾ اگر انسان پر کوئی تہمت باندھی جائے تو انسان کو سخت غصہ آتا ہے اور اگر وہ جھوٹی تہمت باندھنے والوں کو کوئی سزا دے سکتا  
 ہو تو سزا بھی دیتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اللہ پر جھوٹ باندھے اور اللہ اس کو یوں ہی چھوڑ دیں؛ چنانچہ اس کی مثال مرزا  
 غلام احمد قادیانی ہے کہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو اس کی زبان و قلم سے ایسی بے ہودہ اور ناشائستہ باتیں نکلیں، غیر اخلاقی  
 افعال صادر ہوئے اور اس کی پیشین گوئیوں کا جھوٹ ظاہر ہو گیا کہ اس کا جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا راز نہ رہا، اللہ نے دنیا میں بھی  
 اس کو سوا کر دیا اور آخرت کی رسوائی اس کے علاوہ ہے۔

﴿۲﴾ کس قدر سامانِ عبرت ہے قرآن مجید کی یہ آیت کہ اللہ کے پیغمبر کہہ رہے ہیں کہ اس کے باوجود کہ میں نبی اور رسول ہوں،  
 اللہ کا میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا، میرے دو ہی کام ہیں: اللہ کے احکام پر خود چلنا، اللہ کے احکام  
 لوگوں تک پہنچانا، اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود عجز و بندگی کا یہ اعتراف اللہ کے پیغمبروں یا ان کے سچے پیروکاروں ہی کے یہاں  
 مل سکتا ہے، اس ارشاد میں دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت  
 ہے، پیغمبر کو اگرچہ غیب کی بہت ساری باتیں بتائی جاتی ہیں؛ بلکہ دکھائی بھی جاتی ہیں؛ لیکن وہ بھی غیب کی تمام باتوں سے واقف  
 نہیں ہوتے، دوسرے: کوئی انسان کتنا ہی دین دار اور نیک ہو؛ لیکن یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ جنتی ہے، ہاں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ میرا ←

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَٰهِدٌ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهِ فَاَمَنْ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَبِیْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَیْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَبِقُوْا هٰذَا اِفْکٌ قَدِیْمٌ ﴿۲﴾

آپ کہہ دیجئے: اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کو نہیں مانا، اور بنی اسرائیل میں سے کوئی اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی کرتے رہ جاؤ (تو تمہارا کیا انجام ہوگا؟) یقیناً اللہ انصافی کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے، ﴿۱﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ مسلمانوں کے بارے میں کہتے ہیں: ”اگر (دین اسلام) بہتر ہوتا تو یہ لوگ ہمارے مقابلہ میں اس کی طرف سبقت نہیں کرتے“ اور جب ان لوگوں کو قرآن کے ذریعہ ہدایت نصیب نہ ہو سکی تو اب وہ کہیں گے: یہ پرانا جھوٹ ہے۔ ﴿۲﴾

← گمان ہے کہ اللہ اس کو جنت میں جگہ دیں گے، حضرت عثمان بن مظعون ؓ کی وفات ہوئی، ایک صحابی نے ان کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اللہ نے تمہارے ساتھ عزت و اکرام کا معاملہ فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے ان صاحب کوٹو کا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کے ساتھ انعام و اکرام کا معاملہ کیا؟ صحابی نے عرض کیا: آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اگر ان کو یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کن کو حاصل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم اس کے بارے میں خیر ہی کی امید رکھتے ہیں، خدا کی قسم! مجھے اُمید ہے کہ اس کو جنت عطا کی جائے گی؛ لیکن پیغمبر ہونے کے باوجود مجھے بھی نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، (بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت: ۱۱۸۶) اس سے معلوم ہوا کہ کسی گزرنے والے مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے؛ لیکن یقین کے ساتھ یہ نہ کہنا چاہئے کہ فلاں شخص جنتی ہے، افسوس کہ آج کل جہاں بادشاہوں اور حکمرانوں کے لئے جنت مکان اور بہشت پناہ کی تعبیر اختیار کی جاتی ہے، وہیں لوگ عقیدت میں غلو کرتے ہوئے اپنے مشائخ کے بارے میں بھی ایسی باتیں کہتے اور لکھتے ہیں کہ گویا ان کے لئے جنت طے کر دی گئی ہے؛ اس لئے ایسی باتوں کو کہنے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہئے۔

﴿۱﴾ یعنی: اے مکہ والو! ہم اور تم حضرت اسماعیل ؑ کی اولاد میں سے ہیں، اگر تم نے کچھ اس قرابت مندی اور رشتہ داری کا احترام نہ کیا اور ایمان نہ لائے اور آئندہ بنو اسرائیل میں سے کوئی ایمان لے آئے تو اللہ تم سے کس قدر ناراض ہوں گے کہ تم کو ہمارا اولین مخاطب بنایا گیا؛ لیکن تم نے نہ اس شرف و اعزاز کا خیال کیا اور نہ رشتہ و قرابت کا، اور دوسرے لوگ ایمان لے آئے، یہاں بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے اسلام لانے کا تذکرہ ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ اور دوسرے اہل علم کے نزدیک ان سے مراد حضرت عبد اللہ بن سلام ؓ ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۸۹) یہ آیت اگرچہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے؛ لیکن اس سے مراد مستقبل میں بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کا اسلام قبول کرنا ہے۔

﴿۲﴾ ہر زمانہ میں جن لوگوں کو سماج پر اقتدار اور غلبہ حاصل رہا ہے، ان کو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارے نوکر چاکر، خادم مزدور ←

وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ وَهَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِّسَانٍ عَرَبِيٍّ لِّيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۖ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٩﴾

قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (لوگوں کے لئے) رہنما اور باعثِ رحمت تھی اور یہ کتاب عربی زبان میں (موسیٰ ہی کی کتاب کی) تصدیق کرنے والی ہے؛ تاکہ ان لوگوں کو خبردار کر دے جو ظلم کر رہے ہیں اور اچھے عمل کرنے والوں کو خوشخبری سنائے، ﴿۱۶﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے کہا: ”ہمارے پروردگار اللہ ہیں“ پھر اسی پر جم گئے تو نہ ان کو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ﴿۱۷﴾ یہی جنتی لوگ ہیں جو اپنے نیک اعمال کے بدلہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، ﴿۱۸﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا ہے اور تکلیف ہی کے ساتھ اس کو پیدا کیا ہے، اس کو پیٹ میں رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو دُعا کرتا ہے: ”اے میرے پروردگار! مجھے اس بات کی توفیق دیجئے کہ جو نعمتیں آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں، ان کا شکر ادا کروں اور ایسے نیک عمل کرتا رہوں، جن سے آپ راضی ہوں اور میرے لئے میری اولاد کو بھی صالح بنا دیجئے، میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ ﴿۱۹﴾

← اور سماج کے کمزور طبقہ کے لئے ذلت اور پستی ہی مقدر ہے، اس لئے جب اہل مکہ نے دیکھا کہ ان کے غلام اسلام قبول کر رہے ہیں تو کہنے لگے: یہ بات خود اس دین کے غلط ہونے کی دلیل ہے؛ کیوں کہ اگر یہ دین برحق ہوتا تو ہمیں پہلے اس کی توفیق ہوتی، وہ اس بات کو نہیں سمجھ پاتے تھے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، یہاں کسی انسان کا راحت و آرام کے ساتھ رہنا اس کے مقبول ہونے کی دلیل نہیں اور کسی شخص کا مادی اعتبار سے پیچھے رہ جانا اللہ کی بارگاہ میں اس کے محروم ہونے کی علامت نہیں۔

﴿۱﴾ یعنی جیسے حضرت موسیٰ ؑ کی کتاب ان کے زمانے میں انسان کی رہنمائی کا ذریعہ تھی، وہی مقام اب قرآن مجید کو حاصل ہے، جس کو عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے؛ تاکہ عرب جو طویل عرصہ سے کتاب الہی سے محروم ہیں، وہ اس کو آسانی سے سمجھ لیں۔

﴿۲﴾ یہ بظاہر ایک مختصر سی بات ہے کہ اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جم جائے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں پورا دین شامل ہے، ←



أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعَدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدُنِيَّ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي ۚ وَهُمَا يَسْتَعْجِلَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَيقُولُ مَا هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٧﴾

یہی لوگ ہیں جن کے بہتر کاموں کو ہم قبول کرتے ہیں اور ان کے گناہوں سے درگزر کرتے ہیں، (یہ) جنت والوں میں سے ہوں گے، یہ سچا وعدہ ہے، جو ان سے کیا جاتا تھا، ﴿۵۶﴾ اور جس نے اپنے والدین سے کہا: نف ہے تم دونوں پر، کیا تم مجھ سے اس بات کا وعدہ کر رہے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا؛ حالاں کہ مجھ سے پہلے بھی بہت سی اُمّتیں گزر چکی ہیں؛ باوجودیکہ وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اور بیٹے سے کہتے ہیں:) ہائے تیری بدنصیبی! تو ایمان لے آ، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو یہ کہتا ہے: یہ تو صرف پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ﴿۵۷﴾

← غرض کہ انسان کی کامیابی کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، ایک: ایمان، دوسرے: ایمان پر استقامت، یعنی ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجالانا — اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ انسان کے لئے ایمان اسی وقت نجات کا باعث بنے گا، جب کہ آخری سانس تک اس پر قائم رہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر ثابت قدم رکھیں۔

﴿۳﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کئی احکام دیئے ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے ”وَصَيِّتْنَا“ کے معنی ہیں کہ ہم نے ماں باپ کے ساتھ بہت اچھے سلوک کا حکم دیا، دوسرے: ماں کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا کہ اولاد کے وجود کے آنے میں ماں بڑی مشقتوں کو انہیں کرتی اور تکلیفوں کو سہتی ہے؛ اس لئے اس کا حق باپ سے بھی بڑھا ہوا ہے، تیسرے: دودھ پلانے اور پیٹ میں رکھنے کی مجموعی مدت ڈھائی سال ہے، اس میں چھ ماہ تو کم سے کم مدت حمل ہے اور دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، جیسا کہ اکثر فقہاء کی رائے ہے، اسی لئے اگر نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب اس مرد سے ثابت ہو جائے گا، چوتھے: انسان کی زندگی میں دو مرحلے آتے ہیں ایک وہ مرحلہ جب آدمی بالغ ہو جائے اور اس میں اچھی طرح عقل و شعور آجائے، دوسرا مرحلہ جب وہ ادھیڑ عمر کا ہو جائے جو چالیس سال کی عمر ہوتی ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ بوڑھا پنے کی طرف قدم بڑھانے لگتا ہے تو ان مرحلوں میں اسے خاص طور پر اللہ سے اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے دُعا کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ہمیں شکر ادا کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیے، علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اس جانب اشارہ ہے کہ جب آدمی چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو خاص طور پر توبہ و استغفار کا اہتمام کرنا چاہئے، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۲۷) اس آیت کا مضمون اگرچہ عام ہے اور ہر مسلمان کے لئے یہ حکم کے درجہ میں ہے؛ لیکن حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اس آیت کے اولین مصداق حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں، جنہوں نے ابتدائے بلوغ سے لے کر اخیر تک یعنی نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی وفاداری کا حق ادا فرمایا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۹۳)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أَمِّ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ<sup>ط</sup> إِنَّهُمْ كَانُوا خُسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ ۖ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ وَاذْكُرُوا أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ<sup>ج</sup> وَقَدْ خَلَتْ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ ۖ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾

یہی لوگ ہیں کہ جن پر جنات و انسان میں سے گزشتہ قوموں کی طرح (عذاب کا) وعدہ پورا ہو کر رہا، یقیناً یہ نقصان اٹھانے والے لوگ ہیں، ﴿۱۸﴾ اور لوگوں نے جیسا عمل کیا ہوگا، اسی کے مطابق ان کا درجہ ہوگا اور ایسا اس لئے ہے کہ ہر ایک کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے اور ان کے ساتھ نا انصافی نہ ہو، ﴿۱۹﴾ اور جس دن ایمان نہ لانے والے دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا: تم دنیوی زندگی میں اپنے مزے لے چکے اور اس سے فائدہ اٹھا چکے، تو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا؛ کیوں کہ تم زمین میں ناحق تکبر اور نافرمانی کیا کرتے تھے ﴿۲۰﴾ اور آپ عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کیجئے، جب انھوں نے سرزمین احقاف میں اپنی قوم کو خبردار کیا — اور ان سے پہلے اور بعد میں بھی بہت سے ڈرانے والے گزر چکے ہیں — کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کہ میں تم پر بڑے دن (یعنی قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ ایک شخص جو اپنے مسلمان والدین کا نافرمان تھا اور باوجود والدین کی مخلصانہ دعوت کے وہ ایمان نہیں لایا، وہی شخص اس سے مراد ہے؛ البتہ اس شخص کا نام نہ قرآن میں ذکر کیا گیا ہے نہ حدیث میں آیا ہے، بعض لوگوں نے اس کا مصداق حضرت ابوبکر ؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن ؓ کو قرار دیا ہے کہ ان کے والد اور والدہ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت ام رومان نے ان سے یہ بات فرمائی تھی؛ لیکن آگے جو آیت آرہی ہے، اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن ؓ کو اس کا مصداق قرار دینا غلط ہے؛ کیوں کہ اس شخص کے بارے میں آیت نمبر ۱۸ میں یہ بات آئی ہے کہ والدین کی بات نہ ماننے والے اس بیٹے پر پچھلی قوموں کی طرح اللہ کا عذاب نازل ہو کر رہا؛ حالاں کہ حضرت عبدالرحمن ؓ کو ایمان کی توفیق ملی اور ان کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوا؛ چنانچہ حضرت عائشہ ؓ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن ؓ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، حافظ ابن حجر ؒ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کے انکار والی روایت زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے، (التفسیر المنیر: ۲۶/۴۳) اور ابن کثیر ؒ نے بھی حضرت عبدالرحمن ؓ کی طرف اس واقعہ کی نسبت کو ضعیف و نامعتبر قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱۵۸/۷)

﴿۲﴾ کیوں کہ انسان کو اس کی نیکی کا پورا پورا بدلہ اور اس کے گناہ کی پوری پوری سزا دنیا میں نہیں مل سکتی، آخرت میں ملے گی۔ ←

قَالُوا اَجِئْتَنَا لِنَاْفِكُنَا عَنْ اِلٰهَتِنَا ۚ قَاتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّمَا اِلْعَلُّمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاَبْلِغْكُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلَكِنِّي اَرٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاُوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُّبِطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا ۚ فَاصْبِرْهُوَ اِلَّا یَّرٰی اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ کَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنَّهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنُّهُمْ فِیْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَبْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفِدَّةً ۚ فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ سَعُهُمْ وَلَا اَبْصَارُهُمْ وَلَا اَفِئْدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ اِذْ کَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾

۴

وہ کہنے لگے: ”کیا تو ہمارے پاس اسی لئے آیا ہے کہ ہمارے معبودوں سے دُور کر دے، تو اگر تو سچا ہے تو جس چیز کا ہم سے وعدہ کر رہا ہے اس کو لے ہی آ“ ﴿۲۶﴾ پیغمبر نے کہا: ”(اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے، میں تو تم کو وہ پیغام پہنچائے دیتا ہوں، جس کو لے کر مجھے بھیجا گیا ہے؛ لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو“ ﴿۲۷﴾ پھر جب ان لوگوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا، نہیں نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی (عذاب) ہے، جس کے لئے تم لوگ جلدی کر رہے تھے، ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے، ﴿۲۸﴾ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تھس تھس کر دے گی؛ چنانچہ ان کی حالت یہ ہو گئی کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا، ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں، ﴿۲۹﴾ اور ہم نے ان کو ایسے ایسے کاموں کی قدرت دی تھی، جن کی تم کو نہیں دی، اور ہم نے ان کو کان، آنکھ اور دل بھی دیئے، مگر ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے دل کچھ بھی کام نہ آئے؛ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور ان کو اسی عذاب نے گھیر لیا، جس کی وہ ہنسی اڑا یا کرتے تھے۔ ﴿۳۰﴾

← ﴿۳﴾ ”احقاف“ حقف کی جمع ہے، یہ ریت کے ٹل کھاتے ہوئے ٹیلوں کو کہتے ہیں، یہ اس طویل علاقہ کا نام ہے جو مشرق و مغرب میں عمان سے یمن تک اور شمال و جنوب میں عدن سے حضرموت تک چلا گیا ہے اور جس کا رقبہ تین لاکھ مربع میل ہے، آج کل یہ علاقہ رُبع خالی کہلاتا ہے، جس میں نہ کہیں کوئی درخت اور گھاس ہے نہ کوئی انسان آبادی اور نہ جانوروں کی نقل و حرکت، اس بڑے صحرا میں جا بجا ریت کے ایسے دلدل پائے جاتے ہیں، جن میں کوئی بھی چیز گرے تو چند لمحات میں اندر چلی جاتی ہے، ریگستانوں میں سفر کے ماہر مذکور دنیا کے بڑے بڑے مہم جو سیاح کو بھی یہاں جانے کی ہمت نہیں ہوتی، یہی ویران اور بے آب و گیاہ خطہ ہے جو کسی زمانے میں قوم عاد کا مسکن تھا، اس کی سرسبزی و شادابی کے دُور دُور تک چرچے تھے، جب حضرت ہود ؑ کی دعوت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو یہ شہر صفحہ ہستی سے مٹ گیا اور آج یہ ویرانہ عبرت کی شکل میں موجود ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَاَنصِتُوا لِمَا نُنَزِّلُ اِنَّكُمْ لَعِندَنَا سَمِيعٌ مُّنتَقِمٌ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا اَنْصَتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَوْ اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا يَقُوْمُنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۹﴾ يَقُوْمُنَا اٰجِبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِزْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۰﴾ وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءٌ ۗ اُولٰٓئِكَ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۱﴾

ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو بھی غارت کر دیا اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں ظاہر کر دی تھیں؛ تاکہ وہ کفر سے باز آجائیں، ﴿۲۶﴾ تو اللہ کے سوا جن کو انھوں نے نزدیکی حاصل کرنے کے لئے معبود بنالیا تھا، انھوں نے کیوں نہ ان کی مدد کی؛ بلکہ وہ سب تو ان سے غائب ہو گئے، یہ محض ان کا جھوٹ تھا اور ان کی گھڑی ہوئی بات تھی، ﴿۲۷﴾ اور اس وقت کو یاد کیجئے: جب ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا، جو قرآن سننے لگے، پھر جب وہ پیغمبر کے پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: خاموش رہو، پھر جب (پڑھنا) تمام ہوا تو وہ اپنی قوم کو خبر دینے کے لئے ان کی طرف واپس ہو گئے، ﴿۲۸﴾ وہ کہنے لگے: ”اے ہماری قوم! ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے، جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کو سچا قرار دیتی ہے اور سچے دین اور سیدھے راستے کی رہنمائی کرتی ہے، ﴿۲۹﴾ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھیں گے، ﴿۳۰﴾ اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو نہیں مانے گا تو (سمجھ لے) کہ وہ زمین میں (بھاگ کر) خدا کو عاجز نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اللہ کے سوا اس کا مددگار ہوگا، یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں“۔ ﴿۳۱﴾

← ﴿۱﴾ یعنی قوم عاد پر بادل کی گھٹا چھائی، پہلے تو وہ بہت خوش ہوئے کہ بارش کی آمد آمد ہے؛ لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ عذاب ہے، جو آندھی کی شکل میں آیا ہے۔

﴿۲﴾ اہل مکہ کی آس پاس کی بستیوں سے مراد وہ قومیں ہیں، جو یمن، عراق، شام اور فلسطین وغیرہ میں آباد تھیں، جیسے: قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط وغیرہ اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے شکار ہوئے اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ ←

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْزِ بِخَلْقِهِنَّ بِقَدْرِ عَلٰى اَنْ يُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلٰى النَّارِ اَلْاَكْسَرُ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۲۷﴾

کیا وہ نہیں سمجھتے کہ جس خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں نہیں تھکا، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے، ہاں ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے، ﴿۲۶﴾ اور جس دن ایمان نہ لانے والے دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا: کیا یہ حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: ضرور، ہمارے پروردگار کی قسم! اللہ فرمائیں گے: تم جو کفر کیا کرتے تھے، اس کا عذاب چکھو۔ ﴿۲۷﴾

← ﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ جیسے انسانوں کے نبی تھے، اسی طرح جنوں کی طرف بھی نبی بنا کر بھیجے گئے تھے؛ چنانچہ بارگاہ نبوی میں ہجرت سے پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی جنوں کے وفد حاضر ہوتے اور ایمان لاتے رہے، ان ہی واقعات میں سے ایک وہ ہے، جس کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے، جب حضرت ابوطالب کی وفات ہو گئی اور آپ ﷺ کو مکہ میں جو ظاہری پناہ حاصل تھی، وہ ختم ہو گئی تو آپ نے طائف کا سفر فرمایا اور وہاں کے سرداروں کو ایمان کی دعوت دی؛ کیوں کہ جاز میں مکہ کے بعد سب سے اہم شہر طائف ہی تھا، اگر یہاں کے لوگ ایمان لے آئیں تو ہو سکتا ہے کہ پورا عرب ایمان کی طرف متوجہ ہو جائے؛ لیکن افسوس کہ اہل طائف کا رویہ اہل مکہ سے بھی بُرا رہا، آپ صدمہ ورنج کے ساتھ طائف سے واپس ہوئے تو راستہ میں وادی نخْلہ میں اُترے، یہاں آپ نے فجر کی یا تہجد کی نماز میں قرآن مجید کی تلاوت فرمائی، وہاں سے جنوں کا ایک قافلہ گزر رہا تھا، قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے تھا اور حضرت موسیٰ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا تھا، قرآن کی اثر انگیزی، پھر زبان رسول اللہ ﷺ کی، ٹوٹے اور چوٹ کھائے ہوئے دل کی آواز، جنوں کا وفد متاثر ہوئے بغیر نہ رہا، وہ نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے؛ بلکہ انھوں نے اپنی قوم میں دعوتِ اسلام کا کام بھی شروع کر دیا، اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۱۶) یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی دلداری اور تسلی کا انتظام تھا کہ آپ مکہ اور طائف کے سرکشوں کے ایمان نہ لانے سے متاثر نہ ہوں کہ جنوں جیسی مخلوق آپ کی دعوت پر لبیک کہہ رہی ہے — آیت نمبر: ۳۱ میں اپنی قوم کو دعوت دینے والا جن کہہ رہا ہے کہ ایمان لے آؤ، اللہ تم کو دوزخ سے نجات دے دیں گے؛ اس لئے اس پر تو اتفاق ہے کہ ایمان انسانوں کی طرح جنوں کے لئے بھی باعث نجات ہوگا اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو ایمان سے محروم رہیں گے، وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے؛ لیکن کیا ایمان لانے والے جنات میں بھی جائیں گے، اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک قول تو یہ منقول ہے کہ انھیں مٹی بنا دیا جائے گا، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۱۶) اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے توقف اختیار فرمایا ہے، جب کہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام محمد رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ انھیں ان کی نیکیوں پر انسانوں ہی کی طرح جنت ملے گی۔

(روح المعانی: ۲۶/۳۳، مدارک التنزیل: ۱۱۳۱، تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۱۸)

فَاَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعِزِّ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَانَتْهُمْ يُزْمَرُ بِرَوْنِ مَا يُوعَدُونَ ۚ لَمْ يَلْبَثُوا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلَّغْ ۚ فَهَلْ يُهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمَ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۵﴾

پس (اے پیغمبر!) جیسے بلند ہمت پیغمبروں نے صبر کیا تھا، آپ بھی صبر کیجئے، ﴿۱﴾ اور ان لوگوں کے بارے میں جلدی نہ کیجئے، جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو (ان کو ایسا لگے گا کہ) گویا یہ (دنیا میں) ایک گھڑی ہی رہے ہیں، یہ تو پیغام کا پہنچا دینا ہے، اب وہی لوگ ہلاک کئے جائیں گے، جو نافرمانی کرنے والے ہیں۔ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ کیوں کہ تمام ہی پیغمبر بلند ہمت، صابر اور ثابت قدم رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو مثال دی جا رہی ہے کہ گذشتہ پیغمبروں نے صبر کے ساتھ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا تھا، آپ بھی اسی طرح کرتے رہیں۔



# سُورَةُ مُحَمَّدٍ

«سورہ نمبر : (۴۷)»

«رکوع : (۴)»

«آیتیں : (۳۸)»

«نوعیت : مدنی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی آیت: ۲ میں رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی ”محمد“ ذکر کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام سورہ محمد ہے، قرآن مجید میں اس کے علاوہ تین اور مواقع پر آپ ﷺ کا نام آیا ہے، (آل عمران: ۱۴۴، احزاب: ۴۰، فتح: ۲۹) — اس سورہ کی آیت نمبر: ۴ میں جہاد کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے اور جہاد سے متعلق بعض احکام کی رہنمائی فرمائی گئی ہے؛ اس لئے اس کا ایک نام ”سورۃ القتال“ بھی ہے۔

اس سورہ میں بنیادی طور پر جہاد کا حکم دیا گیا ہے، جو دشمن مدینہ میں بسنے والی اس چھوٹی سی نوآباد مسلم بستی کو اُجاڑ دینا چاہتے تھے، حکم دیا گیا کہ ان سے مقابلہ کرنے میں ذرا بھی بزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی کوشش کی جائے، نیز جہاد میں ظاہری وسائل پر نظر نہ رکھی جائے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھا جائے، جنگ کے قیدیوں کے احکام بھی ذکر کئے گئے ہیں، مسلمانوں کی صفوں میں منافقین کا گروہ بھی چھپا ہوا تھا، جو ظاہر تو کرتا تھا اپنے آپ کو مسلمان؛ لیکن وہ اندر سے مسلمان نہیں تھا اور ایک طرف یہودیوں سے اور دوسری طرف اہل مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا، جہاد میں ان کا کیا رویہ سامنے آئے گا؟ اس کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

سورہ کے ان مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز میں اس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، (طبرانی فی الاوسط، حدیث نمبر: ۱۷۴۲) — اس سے اس سورہ کی خصوصی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ۝ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جو لوگ ایمان نہیں لائے اور (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا، ﴿۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کیا اور ان سب چیزوں پر ایمان لائے، جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہیں — اور وہی ان کے پروردگار کی طرف سے (بھیجا ہوا) سچا طریقہ ہے — تو اللہ ان سے، ان کے گناہوں کو دُور کر دیں گے اور ان کی حالت سنوار دیں گے، ﴿۲﴾ یہ اس وجہ سے کہ جو لوگ ایمان نہیں لائے، انھوں نے جھوٹی بات کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے، انھوں نے سچے دین کی پیروی کی، جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں سے ان کے حالات بیان فرماتے ہیں۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، وہ بھی انسانی بھلائی کے بہت سے کام کرتے رہتے ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی اصل فطرت میں یہ بات شامل رکھی ہے کہ وہ اچھے کاموں کو پسند کرے اور ان کو انجام دے کر خوش ہو، جیسے غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کی مدد، والدین کا اور بڑوں کا احترام، چھوٹوں کے ساتھ شفقت و پیار، ہمسایوں کا خیال، لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا احترام وغیرہ، ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے یہ نیکیاں آخرت میں کام نہیں آئیں گی، دنیا ہی میں ان کو اس کا بدلہ مل جائے گا، خواہ آرام و آسائش کی شکل میں ہو، یا اس طور پر ہو کہ اس شخص کو ایمان کی توفیق میسر آجائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ”أَسْلَمْتُ عَلَى مَا أَسْلَفْتُ مِنْ خَيْرٍ“۔

(بخاری، کتاب الزکاۃ، باب من تصدق فی الشرک ثم أسلم، حدیث نمبر: ۱۳۶۹)

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے اس حقیقت کو پوری طرح واضح فرما دیا کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد جب تک کوئی شخص قرآن پر، رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اور آپ کی دی ہوئی تعلیمات پر ایمان نہ لائے اور شریعت محمدی کی پیروی کو ضروری نہ سمجھے، اس کو آخرت کی نجات حاصل نہیں ہو سکتی، یہ سمجھنا غلط ہے کہ خدا اور آخرت پر ایمان لانا اور اچھے عمل کرنا نجات کے لئے کافی ہے، چاہے وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا ہو اور اسی سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صرف وہی شخص دائرۃ ایمان سے باہر نہیں ہوگا، جو پورے دین کا انکار کر جائے؛ بلکہ شریعت کے جو احکام یقینی طور پر ثابت ہوں، ان میں سے ایک بات کا انکار بھی انسان کو ایمان کے ←

فَإِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَتَاقَ ۖ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ ۖ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرْنَا مِنْهُمْ ۖ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ ۖ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۖ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۖ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَهُمْ ۖ

تو جب تمہارا مقابلہ ایمان نہ لانے والوں سے ہو جائے (یعنی وہ تمہارے مقابلہ پر آجائیں) تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو پھر مضبوطی کے ساتھ قید کرلو، اب اس کے بعد یا تو احسان کرو (یعنی بلا معاوضہ چھوڑ دو) یا معاوضہ لے کر رہا کر دو، جب تک لڑنے والے ہتھیار نہ ڈال دیں، یہ حکم بجالو، اگر اللہ چاہتے تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتے؛ لیکن (چاہتے ہیں) کہ تم کو ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائیں اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں مارے گئے، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کریں گے، اللہ ان کو مقصود تک پہنچائیں گے اور ان کی حالت سنوار دیں گے، اور ان کو اسی جنت میں داخل کریں گے، جس سے اللہ ان کو واقف کرا چکے ہیں۔ ﴿۱﴾

← دائرہ سے باہر کر دے گا، مثلاً ایک شخص سارے احکام کو مانتا ہو؛ لیکن زکوٰۃ کو فرض اور سود کو حرام نہ سمجھتا ہو تو وہ شخص مسلمان باقی نہیں رہے گا۔

﴿۳﴾ غرض کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں جو دین معتبر ہے، وہ صرف اسلام ہے، جس کی مکمل، آخری اور ملاوٹ سے محفوظ شکل رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانیت تک پہنچ چکی ہے، اس کے علاوہ دنیا میں جو مذاہب ہیں، وہ معتبر بھی نہیں ہیں اور انسانی ملاوٹوں کے شامل ہو جانے کی وجہ سے جھوٹ سے محفوظ بھی نہیں ہیں؛ اس لئے جو لوگ وحدت ادیان کی باتیں کرتے ہیں کہ راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہے، ان کا خیال درست نہیں ہے۔

﴿۱﴾ قرآن مجید کی یہ آیات کب نازل ہوئیں؟ اس سلسلہ میں دورائیں ہیں، ایک یہ کہ یہ ہجرت کے فوراً بعد غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اس سے پہلے جہاد کے فرض ہونے کا حکم آچکا تھا اور صورت حال واضح کر رہی تھی کہ مسلمانوں کا سکون و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہنا اہل مکہ کو گوارہ نہیں اور وہ مسلمانوں پر ہلہ بولنے کی کوشش کریں گے؛ اس لئے ان آیات میں قانون جنگ کو واضح کیا گیا کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو تو جنگ کے دوران تمہارا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ اور جو لوگ قید ہوئے ہیں، ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا طرز عمل اپنانا چاہئے؟ دوسری بات وہ ہے جو مشہور مفسر امام قتادہ سے منقول ہے کہ یہ آیت غزوہ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی ہے، عین اس وقت جب بہت سے مسلمان زخموں سے چور تھے، مکہ کے مشرکین، ہبل نامی بُت کی بڑائی کا نعرہ لگا رہے تھے اور مسلمان اللہ کی کبریائی کا، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۳۰) اس پس منظر میں اس آیت کا مقصد صحابہ کو متوجہ کرنا ہوگا کہ تم نے ←

← غزوہ بدر میں بجائے اس کے کہ پوری طرح دشمنوں کی کمر توڑ دیتے، ان کی بڑی تعداد کو قیدی بنایا اور پھر رہا کر دیا، ان ہی قیدیوں میں سے بہت سے لوگوں نے مکہ پہنچ کر نفرت اور دشمنی کی آگ سلگائی اور اس وقت تمہیں کے نتیجہ میں بڑا جانی نقصان پہنچا؛ اس لئے جو دشمن تم سے آمادہ جنگ ہوں، ان کے ساتھ تمہارا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ پہلے اچھی طرح ان کی طاقت کو توڑ دو، پھر اس کے بعد فوجیوں کو قیدی بنالو اور مصلحت کے اعتبار سے ان کے ساتھ معاملہ کرو۔

قیدیوں کے سلسلہ میں اسلام نے بنیادی طور پر پانچ باتوں کی گنجائش رکھی ہے، یہاں ان میں سے دو کا ذکر فرمایا گیا ہے، ان میں پہلی صورت احسان و حسن سلوک کی ذکر کی گئی ہے؛ چنانچہ مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو فدیہ دیئے بغیر رہا فرمادیا، جیسے خود غزوہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا تھا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان قیدیوں کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتے تو میں ان کو چھوڑ دیتا، (بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۳۷۹۹) صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے ۸۰ مشرکین رات کے آخری حصہ میں تنہیم کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور سب کے سب گرفتار کر لئے گئے، آپ نے موقع کی نزاکت اور مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے ان سب کو رہا فرمادیا، (مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۴۷۸۲) قبیلہ بنو ہوازن کا واقعہ معروف ہے؛ حالانکہ انھیں غلام و باندی بنالیا گیا تھا اور صحابہ میں تقسیم کر دیا گیا تھا؛ لیکن جب بنو ہوازن کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے قیدیوں کے رہائی کی درخواست کی تو آپ کی خواہش پر یہ سارے قیدی آزاد کر دیئے گئے، جن کی تعداد چھ ہزار بتائی گئی ہے، (البدایہ والنہایہ: ۳/۳۵۲) ان کے علاوہ بھی مختلف جنگوں میں انفرادی طور پر بعض قیدیوں کو آپ نے ان کے خصوصی حالات کی بنیاد پر بلا معاوضہ رہا فرمایا ہے۔

قیدیوں کے ساتھ روارکھی جانے والے دوسرے جس عمل کا اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے، وہ ہے فدیہ لے کر رہا کر دینا، جیسا کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ نے معاملہ فرمایا، یہ فدیہ مال کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے، حضور ﷺ نے اس موقع پر قیدیوں کی معاشی حالت کے اعتبار سے ایک ہزار درہم سے لے کر چار ہزار درہم تک فدیہ مقرر فرمایا، (الدر المنثور: ۱۰۹/۴) اور فدیہ عمل اور محنت کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے؛ چنانچہ بدر کے قیدیوں میں جن لوگوں کو لکھنا اور لکھی ہوئی چیزوں کو پڑھنا آتا تھا، آپ ﷺ نے ان کا فدیہ یہی مقرر فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں، (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۲/۲۲) البتہ حضور ﷺ کے اس عمل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر پیسوں کے بجائے محنت کو فدیہ بنایا جائے تو اس کو متعین اور محدود ہونا چاہئے نہ کہ غیر محدود، جیسا کہ یورپ کی استعماری طاقتوں نے ایشیائی و افریقی ملکوں کے ساتھ سلوک کیا کہ ان سے غیر متعین مدت کے لئے بیگار لینا شروع کر دیا اور ان پر بڑے مظالم ڈھائے گئے، پھر اس بات کی بھی ہدایت کی گئی کہ جب تک قیدیوں کو قید میں رکھا جائے، ان کو بنیادی ضرورتوں سے محروم نہ کیا جائے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے قیدیوں کو لوگوں پر تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کرو؛ چنانچہ صحابہ اپنے سے بہتر کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور جب ان قیدیوں کو رہا کرنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ان کو نئے جوڑے پہنا کر رخصت کیا۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/۶۴۴)

تیسری صورت قیدیوں کے تبادلہ کی ہے کہ اگر کچھ مسلمان دشمنوں کے پاس قید ہیں تو ان قیدیوں کو دے کر ان کو حاصل کر لیا جائے؛ چنانچہ بنو عقیل کے ایک شخص مسلمانوں کے پاس گرفتار ہو کر آئے، یہ بنو ثقیف کے حریف تھے، جو طائف میں آباد تھے، آپ ﷺ نے ان کو طائف بھیج کر دو مسلمانوں کو رہا کر لیا، جو اہل طائف کی قید میں تھے۔ (مسلم، عن عمران بن حصین، حدیث نمبر: ۱۶۴۱) ←

← چوتھی صورت یہ ہے کہ ان قیدیوں کو غلام اور باندی بنالیا جائے اور وہ سماج کا ایک حصہ بن جائیں، غلام اور باندی بنانے کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کی اجازت ہو اور جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جائے، جیسا کہ اہل مغرب کی تاریخ رہی ہے کہ وہ غلاموں کو آپس میں لڑاتے اور ان کے قتل کا تماشا دیکھتے، درندے جانوروں سے ان کا مقابلہ کراتے اور اس درندگی پر تالیاں بجاتے، ان کو تیروں کا نشانہ بنایا جاتا، ان پر ہتھیاروں کی آزمائش کی جاتی، ان کو بے لباس رکھا جاتا، معمولی غلطی پر دردناک سزائیں دی جاتیں اور بھوکا رکھا جاتا؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا کہ وہ تمہارے بھائی ہیں، (بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۷۰۳) غلاموں اور باندیوں کو تقریباً وہی حقوق دیئے گئے جو آزاد لوگوں کو حاصل ہیں، غلاموں کو آزاد کرنے کی فضیلت بیان کی گئی؛ اس لئے صحابہ نے بڑی تعداد میں غلاموں کو آزاد کیا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی دور میں غلام اور آزاد کردہ غلام اپنے وقت کے بڑے علماء شمار کئے گئے، انھیں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز کیا گیا، نیز رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ایسی فضیلت بیان کی اور مختلف گناہوں کے لئے غلام کی آزادی کو کفارہ بنایا کہ غلامی کا جو رواج نامعلوم تاریخ سے دنیا کی تمام قوموں میں موجود تھا، آپ کی تعلیمات کی برکت سے آہستہ آہستہ مکمل طور پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

پانچویں صورت قیدی کو قتل کر دینے کی ہے، یہ جنگ کے عمومی طریقہ کے خلاف ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک جنگ جاری رہے، دشمن کو قتل کرنا چاہئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جنگ ختم ہو جائے تو اب اصل طریقہ یہ نہیں ہے کہ قیدی کو قتل کیا جائے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے ایک قیدی ان کے حوالہ کیا کہ وہ اسے قتل کر دیں تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انکار کیا اور فرمایا: جب کسی کو قید کر لیا جائے تو پھر اسے قتل کرنا درست نہیں، (تفسیر طبری: ۵۵/۱۳) لیکن خصوصی حالات میں جنگی مصلحت کے پیش نظر قیدیوں کو قتل کرنے کی بھی گنجائش ہے، جیسا کہ غزوہ بدر کے قیدی میں سے عقبہ بن ابی معیط، نضر ابن حارث اور غزوہ احد میں شاعر ابوعبیدہ اور فتح خیبر کے موقع سے ابن ابی حنیفہ کے قتل کا حکم جاری کیا، اسی طرح فتح مکہ کے موقع سے آپ ﷺ نے ہلال ابن خطل، مقلس بن صبابہ یا حبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور چند اور لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ غلاف کعبہ سے بھی لٹک جائیں، تب بھی ان کو قتل کر دو، (احکام القرآن للجصاص: ۳۹/۱۳) ان کے قتل کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ وہ مسلمان نہیں تھے اور اس لئے بھی نہیں دیا گیا تھا کہ یہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے آئے تھے؛ بلکہ اس لئے کہ یہ نہایت شریر، بدعہد اور عام انسانی تقاضوں کو بھی پامال کرنے والے لوگ تھے اور انھوں نے ایسی حرکتیں کی تھیں کہ اگر ایک انسان کو کوئی بار قتل کیا جانا ممکن ہوتا تو وہ واقعی اس کے مستحق تھے۔

جن لوگوں پر فتح حاصل کر لی جائے، ان کے ساتھ یہ صورت بھی اختیار کرنے کی گنجائش ہے کہ نہ ان کو غلام بنایا جائے، نہ ان سے فدیہ لیا جائے؛ بلکہ ان کو ملک کا شہری بنالیا جائے، اور جیسے مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی ہے، ویسے ہی ان سے جزیہ لیا جائے، نیز جیسے مسلمانوں سے زرعی پیداوار میں عشر لیا جاتا ہے ان سے خراج لیا جائے، اور ان کو سارے شہری حقوق حاصل ہوں — زکوٰۃ و عشر کے بجائے جزیہ و خراج اس لئے لیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ و عشر ایک عبادت اور مذہبی عمل ہے اور غیر مسلموں کو اسلام نے جو مذہبی آزادی دی ہے، یہ بات اس کے مغائر ہے کہ ان کو مسلمانوں کے کسی مذہبی حکم کا پابند بنایا جائے، مگر ظاہر ہے کہ حکومت کی ضروریات کے لئے آمدنی بھی ضروری ہے؛ اس لئے ان پر ایک خصوصی ٹیکس جزیہ اور خراج کی صورت میں عائد کیا گیا۔ ←

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿١﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنزِلَ اللَّهُ فَاحْبَطُوا أَعْمَالَهُمْ ﴿٣﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿٤﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ﴿٥﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے قدم جمادیں گے، ﴿۱﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے لئے ہلاکت و بربادی ہے، اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے، ﴿۲﴾ یہ اس لئے کہ خدا نے جو کتاب نازل فرمائی، انہوں نے اس کو ناپسند کیا تو اللہ نے بھی ان کے اعمال کو ضائع کر دیا، ﴿۳﴾ کیا یزین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا انجام ہوا؟ اللہ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان ایمان نہ لانے والوں کے بھی ایسے ہی حالات ہونے والے ہیں، ﴿۴﴾ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کام بنانے والے ہیں اور ایمان نہ لانے والوں کا کوئی کام بنانے والا نہیں۔ ﴿۵﴾

← اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں جو اچھی طرح دشمن کی طاقت کو ختم کرنے اور فوجیوں کو نشانہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے، یہ عام حالات میں نہیں ہے، یہ اس وقت ہے جب کہ کسی گروہ سے مسلمانوں کی جنگ ہو؛ اس لئے فرمایا گیا: ”فَإِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا“ (سورہ محمد: ۴) اور پھر یہ جنگ بھی صرف کفر کی بنیاد پر نہیں ہے؛ بلکہ شر و فساد اور ظلم و عناد کی بنیاد پر ہے؛ کیوں کہ اس آیت میں بنیادی طور پر اہل مکہ سے متوقع جنگ کی طرف اشارہ ہے، اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنے یہاں تک کہ ان کو بے وطن کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی — نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عین حالت جنگ میں آپ نے عورتوں پر، بچوں پر، بوڑھوں پر، غلاموں پر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا، (ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دُعاءِ المشرکین، حدیث نمبر: ۲۶۱۶) یہاں تک کہ صحابہ نے ان مذہبی پیشواؤں کو بھی جو مقابلہ پر نہ آئے ہوں، قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب السیر، حدیث نمبر: ۱۷۹۳۳)

﴿۱﴾ اللہ کی مدد کرنے سے مراد ہے: اللہ کے دین کی مدد کرنا، اور دین کی مدد ہے، خود دین پر عمل کرنا، دین کی دعوت دینا اور دین کی حفاظت کے لئے جیسی قربانی مطلوب ہو، وہ پیش کرنا۔

﴿۲﴾ ناپسند کرنے کا تعلق انسان کے دل سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو صرف زبان سے مان لینا یا جبراً قبول کر لینا کافی نہیں ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ دل کی آمادگی کے ساتھ اس کو قبول کیا جائے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ﴿١٦﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ  
قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتِكَ أَهْلُكُنْهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٧﴾ أَفَمَنْ كَانَ  
عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوهُ أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٨﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ  
الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ  
خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ  
مِّنْ رَبِّهِمْ ۚ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٩﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ چند دنوں کے لئے مزے لوٹ رہے ہیں اور جیسے جانور کھاتے ہیں ایسے ہی کھا رہے ہیں؛ لیکن ان کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے، ﴿۱۶﴾ بہت سی ایسی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے آپ کی بستی والوں — جنھوں نے آپ کو جلاوطن کر دیا — سے زیادہ طاقتور تھے، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، پھر ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوا، ﴿۱۷﴾ بھلا وہ شخص جو اپنے پروردگار کے (مقرر کئے ہوئے) روشن طریقہ پر ہو، ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جس کو اس کے برے کام خوشنما کر کے دکھادیئے گئے ہوں اور وہ اپنی خواہشات پر چلتے ہوں؟ ﴿۱۸﴾ اس جنت کی کیفیت جس کا اللہ سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی ایسی نہریں ہیں، جس میں بد بو نہیں ہوگی، دودھ کی ایسی نہریں ہیں، جس کے مزہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، شراب کی ایسی نہریں ہیں، جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور صاف و شفاف شہد کی نہریں بھی ہوں گی، ان کو وہاں ہر طرح کے پھل میسر ہوں گے اور ان کو اپنے پروردگار کی طرف سے بخشش حاصل ہے، (بھلا یہ لوگ) ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں، جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ غذا کی ضرورت انسانوں کی طرح جانوروں کو بھی ہے، تو اگر انسان صرف کھانے سے تعلق رکھے، کھانے دینے والے سے تعلق نہ رکھے، نعمت سے محبت نہ رکھے اور جس نے نعمت عطا فرمائی ہے، اس سے کوئی محبت نہ رکھے تو اس میں اور جانور میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔

﴿۲﴾ یعنی جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ان میں سے زیادہ تر اہل مکہ سے کہیں طاقتور اور مالدار لوگ تھے؛ لیکن یہ طاقت و دولت اللہ کے عذاب کے مقابلہ ان کو کچھ کام نہ آئی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِيعُ إِلَيْكَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿۱۷﴾

ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں، جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جن کو علم بخشا گیا ہے، کہتے ہیں: بھلا انھوں نے ابھی کیا کہا؟ یہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی نفسانی خواہشات پر چلا کرتے ہیں۔ ﴿۱۷﴾

← ﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں میں سے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، اول پانی کی نہریں؛ لیکن یہ پانی عام پانی کی طرح نہیں ہوگا، جو ٹھہرے رہنے کی وجہ سے بدبودار ہو جاتا ہے اور اس میں سڑن پیدا ہو جاتی ہے؛ بلکہ ہمیشہ صاف و شفاف رہے گا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ یہ نہریں مشک کے پہاڑ سے رواں ہوں گی: ”نہار الجنة تغفر من جبل المسك“ (کنز العمال: ۷۲۱/۱۳، حدیث نمبر: ۳۹۷۷۲) دوسرے: دودھ کی نہریں، اور وہ بھی ایسی کہ جن وقت گزرنے کی وجہ سے باسی پن پیدا نہ ہوگا نہ اس کے مزے میں تبدیلی ہوگی، آپ ﷺ سے مروی ہے کہ یہ جانوروں کے تھن سے نکلنے والا دودھ نہ ہوگا: ”لم يخرج من ضروع الماشية“ (کنز العمال: ۷۲۴/۱۳، حدیث نمبر: ۳۹۷۸۱) تیسرے: شراب کی نہریں، اور شراب بھی ایسی کہ پینے والوں کے لئے سراپالذت، نہ بدبو ہوگی نہ کڑواہٹ، نہ اس کی وجہ سے آدمی بدمست ہوگا، (صافات: ۷۷) اور نہ اس کو پنی کر سر میں درد اور چکر کی شکایت ہوگی، (واقعہ: ۱۹) دیکھنے میں بھی بالکل سفید اور صاف و شفاف ہوگی، (صافات: ۴۶) چوتھی نہر شہد کی ہوگی اور شہد بھی ایسا جو انتہائی صاف و شفاف، نہ بدبو نہ میل کچیل، نہ کھینوں کے جسم کے ٹوٹے ہوئے اجزاء، نہ اس کے موم کے ٹکڑے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شہد کھینوں کے پیٹ سے نکلا ہوا نہ ہوگا: ”لم يخرج من بطون النحل“ (کنز العمال: ۷۲۴/۱۳، حدیث نمبر: ۳۹۷۸۱) یہ تو مشروبات ہوئے اور کھانے کی بات یہ ہے کہ ہر طرح کا پھل میسر ہوگا، مختلف رنگوں کے، مختلف ذائقوں کے، موسم کی بھی قید نہ ہوگی، ہر زمانہ میں ہر پھل دستیاب ہوگا — اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ کھانے میں پھل اجناس اور گوشت سے زیادہ بہتر ہیں، جو براہ راست قدرت کے ہاتھوں پیدا ہوتے ہیں اور ان پھلوں میں تر اور خشک دونوں میوے شامل ہیں، اگرچہ جنت میں انسان کی خواہش کے مطابق تمام غذائیں انسان کو ملیں گی؛ لیکن انسان کو وہاں بھوک نہیں لگے گی، اس لئے یہ غذائیں ضرورت پوری کرنے کے لئے نہیں دی جائیں گی، لذت اور ذائقہ کے لئے دی جائیں گی، لذت اور ذائقہ کے اعتبار سے پھل دوسری غذاؤں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور خاص کر میٹھا پھل، غالباً اسی لئے قرآن مجید میں اہل جنت کے لئے پھلوں کا اور میٹھے پھلوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو مسلمانوں کے ساتھ ان کی صفوں میں گھسے ہوئے منافقین بھی ہوتے تھے، آپ کے خطبہ میں نفاق کا طریقہ اختیار کرنے والوں کی مذمت بھی آجایا کرتی تھی، تو جب منافقین مجلس سے باہر آتے تو صحابہ میں سے اصحاب علم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے مذاق اڑانے کے طور پر دریافت کرتے کہ محمد (ﷺ) نے ←

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرُهُمْ ﴿۱۸﴾ فَأَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ ۖ

اور جو لوگ ہدایت پر ہیں، اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت سے نوازتے ہیں اور ان کو پرہیزگاری کی توفیق سے نوازتے ہیں، ﴿۱۷﴾ تو کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آجائے؟ اس کی نشانیاں تو آ ہی چکی ہیں، پھر جب خود قیامت ان پر آ پہنچے گی تو اس وقت انھیں نصیحت قبول کرنا کیا کام آئے گا؟ ﴿۱۸﴾ پس (اے پیغمبر!) آپ یقین رکھئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اپنی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی غلطیوں کی معافی مانگتے رہئے اور اللہ آپ کے چلنے پھرنے اور رہنے کی جگہ کی خبر رکھتے ہیں، ﴿۱۹﴾ اور ایمان والے کہتے ہیں کہ (جہاد کے حکم کے بارے میں) کوئی سورہ کیوں نہیں اُتار دی جاتی؟ پھر جب کوئی واضح سورہ اُتار دی جائے گی اور اس میں جہاد کا ذکر ہوگا تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس طرح آپ کی طرف تکتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہوگئی ہو تو ان کے لئے خرابی ہے! ﴿۲۰﴾

← ابھی کیا کہا؟ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ آپ کی بات کوئی ایسی بات نہیں ہوتی کہ اس پر دھیان دیا جائے؛ اس لئے میں نے بے توجہی سے ان کی بات سنی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۳۸) ان کی اسی حرکت کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿۱﴾ قیامت کی نشانیوں سے مراد ہیں: آخری نبی یعنی رسول اللہ ﷺ کا تشریف لانا، اور اُن اخلاقی برائیوں کا ظاہر ہونا، جن کو قیامت کی نشانیوں میں سے قرار دیا گیا ہے، احادیث میں تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر آیا ہے اور محدثین نے ”کتاب الاشارات“ کے تحت ان کو نقل کیا ہے۔

﴿۲﴾ ”ذنب“ کا لفظ ہر طرح کی غلطی کے لئے بولا جاتا ہے، چاہے وہ گناہ کے درجہ کی ہو یا معمولی لغزش اور بھول چوک ہو، اس آیت میں اسی عام معنی میں فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی اور مسلمانوں کی غلطیوں کی معافی مانگا کیجئے، انبیاء سے ایسی غلطی نہیں ہو سکتی، جو گناہ کے درجہ کی ہو؛ البتہ بھول چوک ہو سکتی ہے، یہاں آپ ﷺ کے حق میں بھول چوک مراد ہے اور اُمت کے حق میں ہر طرح کے بڑے چھوٹے گناہ۔

﴿۳﴾ ”جن کے دلوں میں بیماری ہے“ سے مراد منافقین ہیں کہ جہاد کے حکم سے مسلمانوں کو خوشی ہوتی تھی اور منافقین کو یہ حکم ←



طَاعَةً وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۖ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ۖ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ حَيْرًا لَهُمْ ۖ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۚ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۚ الْقُرْآنَ أَمْرٌ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۚ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ ۖ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ ۖ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ۚ

فرمانبرداری اور اچھی بات ہی ان کے حق میں بہتر ہے، (۱) پھر جب جہاد کا حکم پہنچتا ہو گیا تو اب اگر یہ لوگ اللہ کے ساتھ سچے رہیں تو ان ہی کے حق میں بہتر ہوگا، (۲) تو کچھ بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے، (۳) تو زمین میں فساد کرنے لگو اور رشتوں ناطوں کو کاٹ ڈالو، (۴) یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ نے ان کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے، (۵) کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟ (۶) بے شک جن لوگوں نے ہدایت کے واضح ہو جانے کے باوجود پیٹھ پھیر لیا ہے، شیطان ہی نے ان کو یہ بات سُجھائی ہے اور انھیں جھوٹی اُمیدیں دلائی ہیں (کہ اگر تم جہاد میں گئے تو مارے جاؤ گے نہیں گئے تو زیادہ دنوں تک زندہ رہو گے) (۷) یہ اس لئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں، ان لوگوں نے ان سے کہا کہ ہم بعض باتوں میں تمہارا کہا مان لیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشورہ کرنے سے بھی واقف ہیں۔ (۳) (۲)

← بہت ہی ناگوار ہوتا تھا؛ کیوں کہ مسلمانوں کو شہادت پر آخرت کے اجر کا یقین تھا اور یہ اس یقین سے محروم تھے۔

(۱) عربی زبان میں بہت سی جگہ بعض الفاظ ذکر نہیں کئے جاتے اور آگے پیچھے کی گفتگو سے ان کی مراد متعین کی جاتی ہے، یہاں پر بھی یہی صورت ہے؛ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”تقدیرہ خیر لہم“۔ (مفتاح الغیب: ۲۷۷/۲۸۱)

(۲) ”تولیتہم“ کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تم کو حکومت حاصل ہو جائے، اسی کے مطابق یہاں ترجمہ کیا گیا ہے، اُردو ترجمہ کرنے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ اور مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ وغیرہ نے یہی ترجمہ کیا ہے، ”تولیتہم“ کے دوسرے معنی کنارے ہو جاؤ اور منہ پھیر لو وغیرہ کے بھی ہو سکتے ہیں، اُردو ترجمہ کرنے والوں میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالمجید دریابادی رحمہ اللہ نے اس دوسرے معنی کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے اور دونوں ہی معنی کی گنجائش ہے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۳۸)

(۳) ان آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے اور احکام کو ناپسند کرنے والوں سے مراد مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود ہیں، مطلب یہ ہے کہ منافقین مشرکین مکہ اور یہودیوں سے کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی کلام وغیرہ نازل نہیں ہوا ہے؛ اس لئے ہم تمہارے مشوروں کو مانیں گے اور کچھ باتوں میں تمہاری اطاعت کریں گے، جیسے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت، آپ کے احکام کی مخالفت، جہاد میں ←

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿۵۴﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا  
 أَصْحَبَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۵۵﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ  
 أَن لَّنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿۵۶﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسَبِيلِهِمْ  
 وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿۵۷﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ  
 الْمُجْهَدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۖ وَنَبْلُوَنَّكُمْ ۖ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن  
 سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ ۖ لَنُيْضِرُّوا اللَّهَ شَيْئًا  
 وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿۵۸﴾

پھر جب فرشتے ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہوئے ان کی جان نکالیں گے، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ ﴿۵۴﴾ یہ اس لئے کہ  
 ان لوگوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور جس میں اللہ کی خوشنودی ہے، اس کو  
 انھوں نے پسند نہیں کیا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے، ﴿۵۵﴾ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری  
 ہے، کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ (سینوں میں چھپے ہوئے) ان کے کینے ظاہر نہیں کریں گے؟ ﴿۵۶﴾ اگر ہم چاہیں تو  
 آپ کو ان لوگوں کو دکھا دیں، تو آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیں اور (بلکہ) آپ تو ان کو ان کے انداز گفتگو  
 ہی سے پہچان لیں گے اور اللہ تم سبھوں کے اعمال سے واقف ہیں، ﴿۵۷﴾ اور ہم تم لوگوں کو ضرور آزمائیں گے؛  
 تاکہ تم میں سے جو لوگ جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، ان کو ہم دیکھ لیں اور تمہارے حالات کو  
 جانچ لیں، ﴿۵۸﴾ بے شک جو لوگ ایمان نہیں لائے، انھوں نے اللہ کے راستے سے روکا اور اس کے باوجود کہ ان پر  
 ہدایت کا راستہ واضح ہو چکا تھا، انھوں نے پیغمبر کی مخالفت کی، وہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور اللہ ان کے سب  
 کئے کرائے کو غارت کر دیں گے۔ ﴿۵۸﴾

← شریک نہ ہونا وغیرہ، منہ پر مارنے میں ایک تو ذلیل کرنے کا پہلو ہے، دوسرے: چہرے پر جواعضاء ہیں، وہ زیادہ نازک ہیں؛  
 اس لئے اس میں مارنے کی تکلیف بھی زیادہ ہوگی، پیٹھ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جسم کے دوسرے حصوں کے مقابلہ پیٹھ پر چوٹ کا  
 زیادہ احساس ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اگرچہ منافقین کے چھپائے ہوئے کفر پر پردہ ڈال رکھا ہے؛ لیکن قیامت میں یہ ساری چیزیں ظاہر  
 ہو جائیں گی اور اللہ چاہیں تو دنیا ہی میں آپ کو ان کی پہچان کرا دیں، پھر فرمایا گیا کہ اگرچہ تمام منافقین کے بارے میں آپ کو  
 صراحتاً نہیں بتایا گیا ہے؛ لیکن اللہ نے آپ کو ایسی ایمانی فراست عطا فرمائی ہے کہ آپ ان کی بات چیت اور چال ڈھال سے ہی  
 ان کے نفاق کا پتہ لگا لیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٢٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٢٧﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۖ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۗ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتْرُكَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٢٨﴾ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ ۖ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ وَلَا يَسْأَلَكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٢٩﴾ إِنَّ يَسْأَلَكُمْ هَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخُلُوا وَيُخْرِجَ أَصْغَانَكُمْ ﴿٣٠﴾

اے مسلمانو! اللہ کی اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عمل کو ضائع نہ کرو، ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ یقیناً جو لوگ ایمان نہیں لائے اور انھوں نے اللہ کے راستہ سے روکا، پھر وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے تو اللہ ہر گز ان کو معاف نہیں کریں گے، ﴿۳﴾ لہذا تم لوگ ہمت نہ ہارو اور (کمزوری کے ساتھ) صلح کی طرف مت بلاؤ، تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہیں، اللہ ہر گز تمہارے اعمال کو کم نہیں کریں گے، ﴿۴﴾ ﴿۵﴾ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل تماشا ہے، اگر تم ایمان رکھو اور پرہیزگار بنے رہو تو اللہ تم کو تمہارا اجر عطا فرمائیں گے اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کریں گے، ﴿۶﴾ اگر اللہ تم لوگوں سے مال طلب کریں پھر تم سے زیادہ سے زیادہ کا مطالبہ فرمائیں تو تم بخل کرنے لگو گے اور یہ بخل تمہاری اندرونی ناگواری کو ظاہر کر دے گا۔ ﴿۷﴾ ﴿۸﴾

﴿۱﴾ عمل کو ضائع کرنے والی باتیں مختلف ہیں، جیسے گناہوں کا ارتکاب کہ اس سے نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، ریا اور دکھاوا، احسان جتنا، یہاں تک کہ بعض منافقین وہ تھے، جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے اور رسول اللہ ﷺ پر احسان جتاتے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے، غرض کہ اس آیت میں عمل کے ضائع کرنے سے عمل کا اجر و ثواب ضائع کرنا مراد ہے، فقہاء حنفیہ و مالکیہ نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ جب کوئی نفل عبادت شروع کر لی جائے تو پھر اب اس کو پورا کرنا واجب ہے، شروع کرنے کے بعد توڑ دینا جائز نہیں اور توڑ دے تو قضاء واجب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نفل اعمال شروع کرنے کے بعد بھی واجب نہیں ہوتے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۵۵، البحر الرائق: ۱/۲۶۲)

﴿۲﴾ یعنی دشمنوں کی تعداد کی کثرت اور جنگی وسائل کی بہتات سے خوف نہ کھاؤ، تمہاری کامیابی اللہ کی مدد سے ہے نہ کہ مادی وسائل سے، اور صلح کرنا تو اچھی بات ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے دشمن صلح کرنے پر آجائیں تو تم بھی صلح کر لو، (انفال: ۶۱) لیکن کم ہمتی کی وجہ سے دے کر صلح نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھو۔

﴿۳﴾ عام طور پر مفسرین نے اس کا یہی مطلب بتایا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۵۷) حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ”یخرج“ (ظاہر کر دے گا) کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری کو ظاہر کر دے گا۔

هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ عَنِ نَفْسِهِ ۗ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

ج  
۸

ہاں، تم ایسے لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے، وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے (یعنی اسی پر بخل کرنے کا وبال ہوگا) اور اللہ تو کسی کے محتاج نہیں ہیں، تم محتاج ہو، اگر تم سرکشی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو پیدا کر دیں گے، پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوگی۔ ﴿۳۸﴾

﴿۱﴾ یعنی وہ تم سے زیادہ اللہ کی فرمانبرداری، اسلام کے لئے جدوجہد کرنے والی اور شریعت پر ثابت قدم قوم ہوگی، بعض صحابہ سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی ران پر مارتے ہوئے فرمایا: یہ اور اس کے ساتھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم، اگر ایمان ثریا پر چلا جائے، تب بھی فارس کے کچھ لوگ اسے پالیں گے، (کنز العمال: ۱۰۶۸/۱۱، حدیث نمبر: ۳۳۳۴۲) چنانچہ عہد صحابہ کے بعد مختلف میدانوں میں اسلام کی عظیم الشان خدمت کا سہرا اہل ایران ہی کے سر رہا، امام ابوحنیفہؒ جیسے فقیہ، امام بخاریؒ جیسے محدث، حسن بصریؒ جیسے تصوف و احسان کے امام اور نہ معلوم علم و عمل کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب اسی سرزمین سے اُٹھے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے صرف اہل ایران ہی مراد ہیں؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُمت محمدیہؐ کبھی بانجھ نہیں ہوگی؛ بلکہ ہر دور میں ایک تازہ دم قوم اسلام کا جھنڈا لے کر آگے بڑھتی رہے گی۔



# سُورَةُ الْفَتْحِ

« سورة نمبر : (۴۸)

« رکوع : (۴)

« آیتیں : (۲۹)

« نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز ہی فتح مبین یعنی کھلی ہوئی واضح فتح کی خوشخبری سے ہوئی؛ اسی لئے اس کا نام فتح ہے، ہجرت کے چھٹے سال آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا ہے، نبی کا خواب بھی حکم الہی کے درجہ میں ہوتا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ سب لوگ عمرہ کے لئے روانہ ہوں؛ چنانچہ یکم ذی قعدہ ۶ ہجری میں مسافران شوق کا یہ قافلہ مکہ کی سمت روانہ ہوا، اہل مکہ کو اطلاع ہو چکی تھی، اور وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے کے روادار نہیں تھے، جب کہ آپ ﷺ جنگ سے بچنا چاہتے تھے؛ اس لئے آپ ﷺ معروف راستہ سے ہٹ کر حدیبیہ پہنچ گئے، جو بالکل حرم کی سرحد پر واقع ہے اور اہل مکہ کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا کہ وہ جنگ و جدال کے لئے نہیں؛ بلکہ صرف عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں، بالآخر گفتگو شروع ہوئی اور وہ مشہور صلح طے پا گئی، جس کو سیرت کی کتابوں میں 'صلح حدیبیہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس میں بعض ایسی شرطیں تھیں جو بہ ظاہر مسلمانوں کی شکست پر مبنی محسوس ہوتی تھیں؛ اس لئے اگرچہ صحابہ ان شرطوں کو حکم نبوی کی تعمیل میں قبول کر لیا؛ لیکن وہ اس سے بہت رنجیدہ اور افسردہ تھے؛ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے مدینہ واپس ہوتے ہوئے یہ پوری سورہ نازل ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی کہ اس ظاہری شکست کے اندر ایک عظیم فتح چھپی ہوئی ہے اور وہ ہے فتح مکہ جو ۸ ہجری میں ہوئی، اس سورہ میں واقعہ حدیبیہ ہی کے تحت ایک تو ان صحابہ کی تعریف کی گئی ہے جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے، دوسرے ان منافقین کی مذمت کی گئی ہے، جو مدینہ کے گرد و پیش دیہاتوں میں آباد تھے اور جو بہانہ بنا کر اس سفر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

اس سورہ کے اخیر میں دو بڑی اہم باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں: ایک یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اللہ اس دین کو غالب رکھے گا (آیت: ۲۸)، دوسرے: صحابہ کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ آپس میں رحم دل اور دوسروں کے مقابلہ میں سخت ہیں (آیت: ۲۹)، یہ ملت اسلامیہ کے لئے ایک بنیادی اصول ہے، جس پر ان کو قیامت تک قائم رہنا چاہئے کہ :

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منے اس سورہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ

پسند ہے۔ (الدر المنثور: ۷/۵۰۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۚ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ  
 نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۖ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا ﴿۱﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۱﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی ہے؛ ﴿۱﴾ تاکہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی بھول چوک کو معاف کر دیں، آپ پر اپنی نعمت پوری فرمادیں اور آپ کو سیدھے راستے پر چلاتے رہیں، ﴿۲﴾ اور اللہ آپ کی بھرپور زبردست مدد فرمائیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کو جب نبوت سے سرفراز کیا گیا، اس وقت آپ اپنے وطن مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، آپ ﷺ تیرہ سال تک لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے اور شب و روز اسی میں لگے رہے؛ لیکن اہل مکہ اور اہل طائف نے شدید مخالفت کی، یہاں تک کہ نبوت کے تیرہویں سال آپ ﷺ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی، مدینہ آنے کے بعد بھی مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو چین و سکون کے ساتھ رہنے نہیں دیا اور مدینہ پر حملہ کرتے رہے، ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر ہوئی، تیسرے سال غزوہ اُحد اور پانچویں سال غزوہ خندق، جس میں یہودیوں کے بشمول تمام اسلام دشمن طاقتیں اکٹھا ہو گئیں، اللہ تعالیٰ نے ان تمام سازشوں کو ناکام و نامراد کر دیا، کئی ایسے اسباب جمع ہو گئے، جن کی بنا پر رسول اللہ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ مکہ مکرّمہ جانا چاہتے تھے، ایک تو بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کا اشتیاق، دوسرے: آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اہل مکہ سے تعلقات بہتر ہو جائیں اور باہمی آمد و رفت شروع ہو جائے؛ تاکہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے اور پُر امن ماحول میں اسلام کی دعوت پیش کی جائے، تیسرے: یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز خیبر شہر تھا، غزوہ خندق میں ایک یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی سرکوبی کی وجہ سے اس میں مسلمانوں کے خلاف دشمنی کے جذبات اُبل رہے تھے اور اہل مکہ کے ساتھ ان کا اس طرح کا معاہدہ ہو گیا تھا کہ اگر مسلمان مکہ کی طرف بڑھیں تو خیبر کے یہودی مدینہ پر چڑھ جائیں اور اگر انھوں نے خیبر کی طرف پیش قدمی کی تو اہل مکہ مدینہ پر حملہ کر دیں؛ اس لئے آپ ﷺ کی مصلحت یہ تھی کہ دو دشمنوں میں سے ایک کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جائے؛ تاکہ دوسرے دشمن کی سرکوبی آسان ہو جائے، (شرح سیر کبیر للسرخی: ۲۰۱/۱) چنانچہ آپ ﷺ نے خواب میں اپنے آپ کو عمرہ کرتے ہوئے دیکھا اور مدینہ اور قرب و جوار کے مسلمانوں میں اعلان کر دیا کہ سب لوگ عمرے کے لئے چلیں؛ چنانچہ آپ ﷺ صحیح تر روایت کے مطابق چودہ سو رفقاء کے ساتھ رجب ۶ ہجری میں احرام کا لباس پہن کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے، حالت احرام میں جنگ تو کیا کسی شکار کو مارنا بھی جائز نہیں؛ تاکہ اہل مکہ کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ مسلمان کسی جنگی منصوبہ کے تحت آئے ہیں؛ لیکن اہل مکہ کو اس طرح پُر امن طریقے پر بھی مسلمانوں کا مکہ آنا گوارا نہ ہوا اور انھوں نے طے کیا کہ آپ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دینا ہے، مکہ کے قریب جہاں سے حرم کی حدود شروع ہوتی ہیں، مدّیبیہ نامی ایک مقام ہے، یہ مقام جد اور مکہ کے قدیم راستے پر ہے، اور جدہ و مکہ کے نئے راستے پر حدیبیہ ہی کے مقابل ’معیسیٰ‘ واقع ہے، آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کے ساتھ وہیں قیام فرمایا اور اپنا نمائندہ بنا کر حضرت عثمان غنیؓ کو اہل مکہ کے پاس بھیجا؛ چوں کہ ←

← حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو اُمیہ میں سے تھے، اس وقت مکہ پر اسی خاندان کا اقتدار تھا اور مشرکین مکہ کے سب سے بڑے قائد ابوسفیان اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے؛ اس لئے آپ نے ازراہ مصلحت ان کو بھیجا، ان کی واپسی میں تاخیر ہوئی اور مشہور ہو گیا کہ آپ شہید کر دیئے گئے، اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے بیعت لی کہ ہم عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لے کر ہی واپس ہوں گے، بعد کو یہ خبر غلط ثابت ہوئی؛ لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اہل مکہ پر مسلمان کا رُعب بیٹھ گیا، پھر اہل مکہ کی طرف سے یکے بعد دیگرے کئی نمائندے آئے اور اخیر میں یہ معاہدہ طے پایا کہ دس سال تک نہ اہل مکہ مسلمانوں پر حملہ کریں گے نہ مسلمان اہل مکہ پر، دوسرے: اس سال مسلمان واپس ہو جائیں گے، آئندہ سال وہ عمرہ کے لئے آئیں گے؛ لیکن سوائے تلوار کے کوئی ہتھیار ساتھ نہ رکھیں گے، اور تین دنوں سے زیادہ مسلمانوں کو مکہ میں قیام کی اجازت نہیں ہوگی، تیسرے: اگر مکہ کا کوئی شخص بھاگ کر مدینہ جائے تو مسلمان اس کو واپس کر دیں گے اور مدینہ کا کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ آجائے تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے، چوتھے: عرب کے دوسرے قبائل کو بھی حق ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے یا اہل مکہ کے حلیف بن جائے اور ان پر بھی اسی معاہدہ کا اطلاق ہوگا، یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف اور اہل مکہ کے حق میں محسوس ہوتی تھیں، خاص کر یہ بات کہ مسلمان اس سال واپس ہو جائیں، آئندہ سال آئیں اور اس وقت بھی تین دنوں سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں، اور یہ بات کہ کوئی مسلمان مدینہ جائے تو مسلمان اسے واپس کر دیں، اور کوئی مسلمان مرتد ہو کر اہل مکہ کے پاس آجائے تو اسے واپس نہ کیا جائے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دعوت دین کی مصلحت تھی کہ اس طرح صلح و امن کے ماحول میں اہل مکہ کو اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے گا اور اسلام کی کشش ان کے دلوں کو فتح کر لے گی؛ چنانچہ یہی ہوا، بقول ابن شہاب زہری رحمہ اللہ صلح حدیبیہ سب سے بڑی فتح تھی؛ کیوں کہ اس موقع سے چودہ سو صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور صرف دو سال بعد ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع سے جب مسلمان مکہ آئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۶۸) اس صلح کے نتیجے میں ایک طرف مسلمانوں کے لئے خیبر پر فوج کشی آسان ہو گئی اور خیبر فتح کر لیا گیا اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب سے باہر علاقہ میں اسلام کی دعوت دینے کا اور خود عرب کے مختلف قبائل میں اسلام کی اشاعت کا موقع ملا۔

اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی اور اس میں صلح حدیبیہ کو کھلی ہوئی عظیم فتح قرار دیا گیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض پر جوش مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کی شرطوں کی وجہ سے یہ احساس ہوا کہ گویا ان کی ہار ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہی فتح ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ فتح ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۶۱) بلکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صلح ”عظم الفتوح“، یعنی تمام فتوحات میں سب سے بڑی فتح ہے؛ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۶۰) چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو واقعات ایسے ہیں، جو بظاہر شکست معلوم ہوتے ہیں؛ لیکن وہی آئندہ کی تمام کامیابیوں کے لئے بنیاد و اساس ثابت ہوئے، ایک: ہجرت، دوسرے: صلح حدیبیہ۔

اللہ تعالیٰ نے اس فتح کی اطلاع دینے کے بعد آگے چار باتوں کا ذکر فرمایا ہے، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا، یہاں بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے؛ لیکن اصل مراد صحابہ کرام ہیں کہ حدیبیہ تک پہنچنے میں صحابہ نے جس ہمت اور جان فروشی سے کام لیا تھا، وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، گویا وہ اپنا سر ہتھیلی پر لے کر آئے تھے، نیز اتنی مشقت اٹھا کر حدیبیہ پہنچے اور یہاں ایسی شرطوں پر صلح کرنی پڑی، جو ان کی غیرت اور جذبہ جہاد کے خلاف تھی، پھر بھی انھوں نے صبر سے کام لیا، ←



هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ ۖ وَاللَّهُ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۖ لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۖ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ ۖ وَالْمُنَافِقَاتِ ۖ وَالْمُشْرِكِينَ ۖ وَالْمُشْرِكَاتِ ۖ الظَّالِمِينَ ۖ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۖ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٦٠﴾

وہی خدا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا ہے؛ تاکہ ان کو پہلے سے جو ایمان حاصل ہے، اس میں مزید اضافہ ہو، اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کے سارے لشکر ہیں اور اللہ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۱﴾ تاکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ رہیں گے، نیز اللہ ان سے اُن کے گناہ دور کر دیں گے اور یہی اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے، ﴿۵﴾ اور تاکہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو اللہ کے ساتھ براگمان رکھتے ہیں، عذاب دیں، ان ہی پر برا وقت آئے گا، ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور پھٹکار ہوگی، اللہ نے ان کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ﴿۶۰﴾

← یہ ایسا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اور آپ کے رفقاء کے اگلے پچھلے قصوروں کو معاف فرمادیا، دوسرے: فرمایا گیا کہ آپ ﷺ پر اپنی نعمت پوری فرمادی، اس سے غالباً فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہی صلح مستقبل میں فتح مکہ کا ذریعہ بنی، تیسرے: یہ بات کہ آپ ﷺ کو سیدھے راستہ پر چلاتا رہے، سے مراد یہ ہے کہ آئندہ مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی اور مسلمان اللہ کی ہدایت کے مطابق آزادی کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہیں گے، (مفتاح الغیب: ۳۰۶/۱۴) چوتھے: اللہ کے بھرپور مدد فرمانے سے مراد یہ ہے کہ اب آئندہ تمام اسلام دشمنوں کی طاقت ٹوٹ کر رہ جائے گی، خواہ وہ اہل مکہ ہوں یا اہل طائف، یہود ہوں یا منافقین۔

﴿۱﴾ مسلمانوں کا کم تعداد میں ایک حد تک غیر مسلح اور جنگی تیاری سے خالی ہونے کے باوجود اپنے دشمنوں کی سرحد پر موجود ہونا ایسی بات تھی کہ جو اچھے سے اچھے دل گردہ والوں کو بھی لرزا کر رکھ دے؛ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو ایسا سکون عطا کیا کہ وہ نہ صرف جے رہے؛ بلکہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کا عہد بھی کیا، غالباً اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو خوف کھانے اور گھبرانے سے محفوظ رکھا اور جب انھوں نے دیکھا کہ اس بے سروسامانی میں ان کے دشمن مرعوب ہو کر رہ گئے تو ان کے ایمان و یقین میں مزید اضافہ ہوا۔

وَاللَّهُ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لَتَتُومِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۖ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۖ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ ۚ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

ج

آسمان وزمین کے سارے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ زبردست اور حکمت والے ہیں، ﴿۱﴾ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، ﴿۲﴾ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، ﴿۳﴾ تاکہ اے مسلمانو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، پیغمبر کی مدد کرو، ان کی تعظیم کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کیا کرو، ﴿۴﴾ یقیناً جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے، پھر جو شخص عہد توڑے گا تو عہد توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا تو اللہ اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ ﴿۳﴾ ﴿۱﴾

﴿۱﴾ جب اہل مکہ سے صلح ہو گئی اور جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی طاقت کا سکہ بیٹھ گیا تو بعض منافقین کہنے لگے: کیا محمد ﷺ سمجھتے ہیں کہ اب ان کا دشمن باقی نہیں رہا، آخر ابھی روم و ایران کی سو پر طاقتیں بھی تو موجود ہیں؟ غالباً اسی پس منظر میں فرمایا گیا کہ آسمان وزمین کی ساری طاقتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جب جس کو چاہیں غالب کر دیں اور جس کو چاہیں مغلوب کر دیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۶۵)

﴿۲﴾ یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کے سامنے دین حق کی گواہی دینے والا بنایا گیا ہے۔

﴿۳﴾ یہ اسی بیعت کا ذکر ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہونے کے بعد صحابہ سے لی تھی، اس بیعت کو 'بیعت رضوان' کہا جاتا ہے، یہ معمولی واقعہ نہیں تھا، بظاہر اگر اس وقت مسلمان اور مشرکین مکہ کے درمیان جنگ ہوتی تو تعداد اور اسباب و وسائل کے اعتبار سے شاید ایک شخص بھی مدینہ واپس نہ ہو پاتا؛ لیکن اس کے باوجود صحابہ نے پوری جرأت کے ساتھ حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آخر دم تک لڑنے کا وعدہ کیا، آپ ﷺ نے حضرت عثمان کی طرف سے خود اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر بیعت کی؛ گویا اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام بنایا اور بعض صحابہ سے منقول ہے کہ انھوں نے گویا موت پر یہ بیعت کی تھی، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۷۶) اسی لئے اس بیعت میں شریک ہونے والے صحابہ بڑے عالی مرتبہ مسلمان شمار کئے گئے، ان کی عظمت و مقام کے اظہار کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے بیعت کی، تو ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا — یہ جو بات فرمائی گئی کہ جن لوگوں نے بیعت کی شکل میں عہد کیا ہے، انھیں اس عہد کو پورا کرنا چاہئے، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ بیعت چاہے جس قسم کی ہو، امیر کی اطاعت کی ہو یا جہاد کی، یا عمل صالح پر قائم رہنے اور گناہوں سے توبہ کرنے کی، بیعت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد کو پورا کرے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزَيَّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَّتُمْ ظَنَّ السَّوءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿١٢﴾ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿١٣﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٤﴾

اب پیچھے رہ جانے والے دیہات کے لوگ آپ سے کہیں گے: ہم کو تو ہمارے مال و اسباب اور بال بچوں نے مشغول کر دیا، آپ ہمارے لئے دُعا مغفرت فرما دیجئے، وہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، آپ فرما دیجئے: اگر اللہ تم کو نقصان یا نفع پہنچانا چاہیں تو اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لئے کوئی اختیار رکھتا ہے؟ بلکہ اللہ تو ان تمام کاموں سے واقف ہیں جو تم کر رہے ہو، ﴿۱۱﴾ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے سمجھ رکھا تھا کہ رسول اور مسلمان اپنے بال بچوں کی طرف کبھی واپس نہ آسکیں گے، یہی بات تمہارے دلوں کو اچھی لگی اور تم نے برے برے خیال قائم کر لئے اور تم ہی لوگ ہلاکت و بربادی میں پڑ گئے، ﴿۱۲﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے گا تو (یاد رکھے) کہ ہم نے ایمان نہ لانے والوں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، ﴿۱۳﴾ اور اللہ ہی کے لئے تمام آسمان و زمین کی بادشاہت ہے، اللہ جس کو چاہیں معاف کر دیں، اور جس کو چاہیں سزا دیں، اور اللہ بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں۔ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ جب عمرہ کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور آپ ﷺ نے مدینہ کے علاوہ مدینہ کے گرد و پیش کے لوگوں کو بھی اس سفر میں ساتھ چلنے کی ہدایت دی تو دیہاتوں کے قبائل جن کے نام غفار، مزینہ، جہیمہ، أشجع اور دیل وغیرہ تھے، وہ سفر میں ساتھ نہیں ہوئے اور اپنے کام کاج میں لگے رہے، جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو اب لگے معافی مانگنے اور بہانہ کرنے، کہ ہم اپنے بال بچوں اور کاموں کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھ نہ جاسکے؛ اس لئے ہمیں معاف کر دیجئے، قرآن نے یہاں اسی غلط بیانی سے پردہ اٹھایا ہے کہ درحقیقت انھیں کوئی کام وغیرہ نہیں تھا، یہ صرف خوف کے مارے سفر پر آمادہ نہیں ہوئے، اور یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان تو واپس ہی نہیں آسکیں گے، اگر ان کا یقین اللہ پر ہوتا تو وہ ایسا نہیں سوچتے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۶۸، ۲۶۹) — اس آیت کا مضمون صاف طور پر بتاتا ہے کہ یہ جھوٹا عذر کرنے والے مسلمان نہیں تھے؛ بلکہ یہ منافقین تھے، جو ہمیشہ دیوار کی پٹی بن کر رہتے تھے اور جدھر کچھ وقتی فائدہ دیکھا، اُدھر ٹوٹ پڑتے تھے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِمٍ لِنَأْخُذُهَا ذُرُوءًا نَتَّبِعُكُمْ يَرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُوْنَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعُونَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۚ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾

عنقریب جب تم مال غنیمت لینے کو چلو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے، وہ کہیں گے: ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں، یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں، آپ فرما دیجئے: تم لوگ ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فرما دیا ہے تو اب وہ کہیں گے: بلکہ تم لوگ تو ہم سے حسد کرتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں، ﴿۱۵﴾ آپ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے: جلد ہی تم کو ایک سخت جنگجو قوم کے مقابلہ میں بلایا جائے گا کہ تم ان سے جنگ کرتے رہو گے، یا وہ فرمانبرداری قبول کر لیں، پس اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تم کو بہتر اجر عطا فرمائیں گے اور اگر تم اسی طرح منہ پھیر لو گے جیسے پہلے منہ پھیر لیا تھا تو اللہ تم کو دردناک سزا دیں گے۔ ﴿۲﴾ ﴿۱۶﴾

﴿۱﴾ اس آیت میں غزوہ خیبر کی طرف اشارہ ہے، رجب ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی اور محرم ۷ھ میں یہودیوں کی طرف سے ہونے والی مختلف سازشوں کی وجہ سے آپ نے غزوہ خیبر کا ارادہ فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ کے سفر میں ساتھ تھے، صرف ان ہی کو غزوہ خیبر میں شرکت کی اجازت ہوگی، خیبر چوں کہ بہت ہی دولت مند علاقہ تھا؛ اس لئے جو منافقین حدیبیہ کے سفر میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ بھی خواہش مند تھے کہ انھیں غزوہ خیبر میں شرکت کا موقع دیا جائے؛ کیوں کہ یہاں کامیابی کی کافی توقع تھی اور ڈھیر سا مال ملنے کی بھی اُمید تھی، پھر جب ان کو اس قافلہ میں شریک نہیں کیا گیا تو وہ کہنے لگے: مسلمان ہم سے حسد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مال غنیمت میں ہم شریک نہ ہو جائیں، اس آیت میں اسی پر تبصرہ کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ نادم ہوں اور اپنے غلطی کو محسوس کریں، یہ ان کی کم فہمی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وفادار اور جانباز ساتھیوں پر تہمت ڈالتے ہیں — یہ جو بات فرمائی گئی کہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ ”جو لوگ حدیبیہ کے سفر میں شریک نہیں تھے، غزوہ خیبر میں ان کو شامل نہ کیا جائے“، غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو قرآن کے علاوہ بھی بعض احکام دیئے جاتے تھے، جس کو ”وحی غیر متلو“ کہتے ہیں اور جو حدیث نبوی کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے؛ لہذا حدیث بھی حجت اور دلیل شرعی ہے اور اس کا انکار کرنا بھی سخت قسم کی گمراہی ہے۔

﴿۲﴾ اس آیت میں گذشتہ جنگوں کے مقابلہ ایک زبردست جنگ کی پیشین گوئی کی گئی ہے، جس میں دشمن زیادہ طاقتور ←

لَيْسَ عَلَى الْأَعْلَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ  
وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يَعْذِبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾  
لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ  
السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾ وَمَعَائِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ  
عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَعَائِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ  
النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾ وَأُخْرَى لَمْ  
تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢١﴾

اندھے، لنگڑے اور بیمار پر (جہاد میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول  
کی فرمانبرداری کرے گا، اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے، جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو  
روگردانی کرے گا، اللہ اس کو دردناک عذاب دیں گے، ﴿۱۷﴾ مسلمان جب درخت کے نیچے آپ سے بیعت  
کر رہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوئے اور ان کے دلوں میں جو (جذبات) ہیں، اللہ نے انھیں جان لیا، پھر ان کو  
اطمینان قلب عطا فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح کے انعام سے نوازا، ﴿۱۸﴾ اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں جن کو یہ حاصل  
کریں گے اور اللہ بہت غالب اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۱۹﴾ اللہ نے تم سے ڈھیر سا مال غنیمت جو تم حاصل  
کرو گے، کا وعدہ فرمایا ہے تو تم کو جلد ہی یہ عطا فرمادیں گے اور تم سے لوگوں کے ہاتھ روک دیں گے؛ تاکہ یہ  
مسلمانوں کے لئے قدرت کا ایک نمونہ ہو اور اللہ تم کو سیدھے راستے پر چلاتے رہیں، ﴿۲۰﴾ اور ایک اور فتح بھی  
حاصل ہوگی، جس پر تم ابھی قادر نہیں ہو (لیکن) اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۲۱﴾

← اور جنگی وسائل سے مالا مال ہوگا اور یہ جنگ طویل ہوگی، یہ بالآخر مسلمان کی فتح پر ختم ہوگی، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حسن  
بصری ؓ اور بہت سے مفسرین نے اس سے ایران و روم سے مسلمانوں کی جنگ مراد لی ہے، جو حضرت عمر ؓ کے دور میں ہوئی،  
یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۷۲)

﴿۱﴾ یعنی جو شخص واقعی کسی عذر کی بنا پر جہاد میں شریک ہونے سے قاصر ہو، اس کے شریک نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لہذا  
اوپر جو حدیبیہ کے سفر میں ساتھ نہ جانے والوں کی مذمت کی گئی ہے، اس میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں، جو معذور ہیں۔  
﴿۲﴾ جن لوگوں نے صلح حدیبیہ کے موقع سے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، ان کی خوش نصیبی اور بارگاہِ خداوندی میں  
مقبولیت کے کیا کہنے کہ اللہ تعالیٰ خود ان سے راضی ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں؛ اسی لئے اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے، یہ  
بیعت بیری کے ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی، بعد میں لوگ کثرت سے اس درخت کی زیارت کو جانے لگے، حضرت عمر ؓ نے ←

وَلَوْ قَتَلْتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۲۶﴾ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۲۸﴾ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحَلَّهُ ۚ وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوُّهُمْ فَتَصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۹﴾

اور اگر تم سے ایمان نہ لانے والے لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر نہ ان کو کوئی دوست ملتا نہ کوئی مددگار، ﴿۲۶﴾ اللہ کا یہی دستور ہے جو پہلے سے ہوتا آیا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی رد و بدل نہیں پائیں گے، ﴿۲۷﴾ وہی خدا ہے جس نے کافروں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ کافروں سے مکہ کی سرحد پر اس کے باوجود روک رکھا کہ اللہ نے تم کو ان پر غالب کر دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں، ﴿۲۸﴾ یہ وہی تو ہیں جنہوں نے کفر کیا، تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو جوڑ کے رہ گئے، اپنی جگہ پر پہنچنے سے روک دیا، اگر کچھ ایسے مسلمان مرد و عورت نہ ہوتے، جن کو تم جانتے بھی نہیں ہو (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم ان کو روند ڈالو گے، جس کے نتیجے میں خود تم کو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (تو اسی وقت فیصلہ کن جنگ ہو جاتی؛ لیکن اس لئے دیر کی گئی) تاکہ اللہ جس کو چاہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائیں، اگر مسلمان وہاں سے نکل گئے ہوتے تو ان میں سے جو کفر پر جیسے ہوئے ہیں ہم انہیں دردناک سزا دیتے۔ ﴿۲۹﴾

← محسوس کیا کہ یہ بتدریج غلو اور بدعت کے پھیلنے کا ذریعہ بن جائے گا؛ اس لئے آپ نے اس کو کٹوا دیا، (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلاة، باب فی الصلاة عند قراۃ النبی، حدیث نمبر: ۷۵۴۵) چنانچہ بیعت رضوان کا ذکر کرنے کے بعد آیت نمبر: ۱۸-۲۱ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے چار باتیں فرمائی ہیں: اول یہ کہ جلد ہی تم کو ایک بڑی فتح سے نوازا جائے گا، اس سے مراد فتح مکہ ہے، جس کا واقعہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد پیش آیا، دوسرے یہ کہ تم کو ڈھیر سا مال غنیمت عطا کیا جائے گا، اس سے غزوہ خیبر مراد ہے، جس سے مسلمانوں کو بڑی مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا، تیسرے یہ کہ لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے جائیں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ اب اہل مکہ کو یا یہودیوں کو تم پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوگی؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، چوتھے ایک اور فتح کی خوشخبری دی گئی اور بتا دیا گیا کہ تم ابھی اس پر قارن نہیں ہو، اس سے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے بقول روم و ایران اور بعد کی فتوحات مراد ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۷۹) — چنانچہ بہت کم عرصہ میں مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ایشیاء و افریقہ اور یورپ کا ایک بڑا خطہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گیا۔ ←

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ الْحَبِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

ج ۲۶

جس وقت ایمان نہ لانے والوں نے اپنے دلوں میں جاہلیت والی ضد بٹھالی تو اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر اطمینان نازل فرمایا اور ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ تھے ہی اس کے لائق اور اس کے اہل، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ یعنی اگر اہل مکہ حدیبیہ میں تم سے جنگ پرتل جاتے تب بھی انھیں شکست ہوتی اور تم ہی غالب ہوتے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہی یہی ہے کہ اپنے نیک بندوں کو کچھ آزمانے کے بعد پھر ان کو غلبہ اور کامیابی عطا فرماتے ہیں۔

﴿۲﴾ گفتگو صلح حدیبیہ ہی کے سلسلہ میں چل رہی ہے کہ بظاہر حالات ایسے تھے کہ اس موقع سے تمہارے اور اہل مکہ کے درمیان جنگ ہو جاتی؛ کیوں کہ تمہارے حوصلہ بلند تھے اور مسجد حرام کے طواف سے روک دیا گیا تھا، یہاں تک کہ قربانی کے جانور بھی تمہارے ساتھ تھے، ان کو بھی حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا گیا، صورت حال یہ پیش آئی کہ اہل مکہ میں سے اسی (۸۰) لوگ تنعم کی طرف سے مسلح ہو کر رات کے آخری حصہ میں جو غفلت کا وقت ہوتا ہے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے، اور مسلمانوں نے ان کو کسی جنگ کے بغیر گرفتار کر لیا، اگر مسلمان ان قیدیوں کو قتل کر دیتے یا قیدی بنا لیتے تو یہی ایک واقعہ جنگ چھڑنے کے لئے کافی ہو جاتا؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یہ قیدی رہا کر دیئے گئے، اس طرح جنگ کی نوبت نہیں آئی اور اس کی ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ بہت سے دبے کچلے مسلمان مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، جو مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر پائے تھے اور انھوں نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا، ایسے وقت میں اگر جنگ کی نوبت آ جاتی تو یہ بے قصور مسلمان بھی اس کی زد میں آ جاتے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس وقت جنگ کو روک دیا، اگر یہ مسلمان وہاں پھنسے ہوئے نہ ہوتے تو اہل مکہ پر اللہ کا عذاب آچکا ہوتا — اس سے معلوم ہوا کہ اگر کہیں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ملی جلی آبادی ہو تو اگرچہ غیر مسلموں کی طرف سے زیادتی ہو اور ان پر حملہ کرنے کا جواز ہو تب بھی احتیاط اور ضرورت و مصلحت کے لحاظ سے درگزر اور تحمل سے کام لینا چاہئے۔ (تفسیر قرطبی: ۸۶/۱۶)

﴿۱﴾ یعنی اہل مکہ کی طرف سے ایسی ضد اور ہٹ دھرمی سامنے آرہی تھی کہ اگر مسلمان صلح کے ارادے پر جے نہ رہتے تو صلح طے نہ ہو پاتی، مثلاً جب آپ ﷺ نے صلح نامہ میں 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' لکھانا چاہا تو وفد قریش کے نمائندہ سہیل ابن عمرو نے انکار کیا اور کہا کہ: 'باسمک اللہم' لکھا جائے اور جب معاہدہ کے ایک فریق کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کا نام محمد رسول اللہ لکھا گیا تو سہیل ابن عمرو نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ لکھا جائے، یہ باتیں ایسی اشتعال انگیز تھیں کہ صلح کا ٹوٹ جانا بالکل یقین نہیں تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے صلح فرمائی، یہ صبر اس وقت اللہ ہی کی طرف سے عطا فرمایا گیا تھا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّعْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمِينِينَ ۖ  
 مُخَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۚ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ  
 ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿٢٦﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ  
 كُلِّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٢٧﴾ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ  
 بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۚ سِيِّئَاتُهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ  
 مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْطَهُ  
 فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيُغَيِّظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۖ وَعَدَ اللَّهُ  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٨﴾

ع  
۱۴

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا اور واقعہ کے مطابق خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم ضرور امن و اطمینان کے ساتھ  
 مسجد حرام میں داخل ہو گے، بے خوف و خطر تم میں سے کچھ سروں کے بال منڈائیں گے اور کچھ کتروائیں گے، پس جو  
 باتیں تم کو معلوم نہ تھیں، اللہ کو ان کا علم تھا، تو اللہ نے اس (بڑی فتح) سے پہلے ہی ایک قریبی فتح عطا فرمائی، ﴿۲۶﴾ وہی  
 خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے؛ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے  
 اور اللہ کی گواہی کافی ہے، ﴿۲۷﴾ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ ایمان نہ لانے  
 والوں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل، آپ ان کو دیکھئے کہ وہ رُکوع کر رہے ہیں، سجدہ کر رہے ہیں  
 اور اللہ کے فضل و کرم اور خوشنودی کے طلب گار ہیں، ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ان کا نشان نمایاں ہے،  
 ان کے یہی اوصاف تو رات میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی، گویا ایک کھیتی ہے، جس نے اپنی کوئیل نکالی، پھر اس کو  
 مضبوط کیا تو وہ موٹی ہو گئی، پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی جو کسانوں کو بھلی لگتی ہے؛ تاکہ ان کے سبب  
 کافروں کا دل جلانے، جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اللہ نے ان سے مغفرت کا اور بڑے اجر کا وعدہ  
 فرمایا ہے۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ ﷺ عمرہ فرما رہے ہیں، نبی کا خواب بھی اللہ کی طرف سے ایک وحی ہے، اسی  
 بنیاد پر آپ ﷺ نے صحابہ کو عمرہ کا احرام باندھنے اور مکہ کے سفر پر چلنے کی ہدایت فرمائی، جب مسلمان صلح حدیبیہ کے بعد واپس  
 آ گئے اور مکہ میں داخل نہ ہو پائے تو بعض منافقین کہنے لگے کہ مسلمان مکہ میں داخل نہیں ہوئے اور یہ خواب خواب ہی رہ جائے گا؛  
 چنانچہ ان آیات میں ان کے اس خیال کی تردید کی گئی، اور فرمایا گیا کہ عنقریب تم لوگ امن اور اطمینان کے ساتھ مسجد حرام میں ←



→ داخل ہوں گے؛ چنانچہ آئندہ ہی سال ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے مطابق مسلمانوں نے عمرہ کیا، یہ یقیناً ایک بڑی فتح تھی اور اس سے پہلے قریبی وقت میں ایک اور فتح خیبر کی شکل میں مسلمانوں کو حاصل ہو چکی تھی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۹۱)

﴿۲﴾ غلبہ سے مراد حجت اور دلیل کے اعتبار سے غلبہ ہے، مسلمان چاہے مغلوب ہو جائیں؛ لیکن اسلام اپنی استدلالی قوت کے اعتبار سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا؛ چنانچہ آج پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم و جور کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں؛ لیکن اسلام کی استدلالی قوت اور فکری بلندی کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے زروز میں پرقبضہ کرنے والے اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھینے والے اسلام کے ہاتھوں شکست کھا جاتے ہیں؛ چنانچہ آج یورپ اور امریکہ میں اور خود ہندوستان میں بڑی تعداد میں لوگ دامن اسلام میں آ رہے ہیں۔

﴿۳﴾ یہ قرآن مجید کی طویل آیتوں میں سے ایک ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعریف کی ہے اور ان سب کے لئے مغفرت اور اجر کا وعدہ فرمایا ہے، اس میں صحابہ کے پانچ بنیادی اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں، جو یقیناً پوری اُمت کے لئے اُسوہ ہیں، اول یہ کہ وہ ایمان نہ لانے والوں کے معاملہ میں سخت ہیں، دوسرے: آپس میں رحمدل اور باہمی اختلافات میں درگزر کرنے والے ہیں، تیسرے: کثرت سے نماز پڑھنے والے ہیں، جس میں رُکوع و سجدہ کیا جاتا ہے، چوتھے: وہ اپنے ہر کام میں اللہ کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہوتے ہیں اور دنیا طلبی سے دور رہتے ہیں، پانچویں: اعمال کی کثرت کی وجہ سے ان اعمال کا نور ان کے جسم سے ظاہر ہوتا ہے؛ چنانچہ ان کے چہروں پر کثرت نماز اور کثرت سجدہ کی علامت نمایاں ہے، اس سے صحابہ کی عظمت واضح ہو رہی ہے، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ تمام صحابہ عادل، اللہ کے ولی اور انبیاء کے بعد تمام مخلوقات سے افضل ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۹۹) اسی لئے صحابہ کی شان میں گستاخی محرومی کے سوا کچھ اور نہیں؛ کیوں کہ قرآن نے یہاں کافروں کے بارے میں کہا ہے کہ صحابہ سے ان کو بغض ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے بقول جو صحابہ سے بغض رکھتا ہو تو وہ اس آیت میں اپنی جگہ دیکھ لے، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۲۹۷) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ میں سے کسی کے ایک یا آدھا مُد، خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوگا۔ (بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر: ۳۴۷۰)

آیت کے اخیر میں دعوت حق کے پھیلنے اور پروان چڑھنے کو مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ جیسے پودا ایک دم سے درخت نہیں بن جاتا؛ بلکہ ایک کو نپل نکلتی ہے، پھر وہ مضبوط اور موٹی ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایسے ہرے بھرے سرسبز و شاداب کھیت کی شکل میں لہلہا اُٹھتی ہے، جس سے کسانوں کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے، اسی طرح جب بھی کسی خطہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوتی ہے تو وہ آہستہ آہستہ پروان چڑھتی ہے۔ اگر اس سے دعوت حق کی اشاعت میں درجہ بدرجہ ترقی کی طرف اشارہ ہو تو اب بھی تورات و انجیل میں باوجود بہت سی تحریفات کے ان اوصاف کا تذکرہ موجود ہے۔ (دیکھئے: تفسیر ماجدی: ۶/۴۳۲، ۴۳۳)





# سُورَةُ الْحَجَرَاتِ

«سورة نمبر : (۴۹)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۱۸)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’حجرات‘ حجرہ کی جمع ہے، حجرہ کے معنی کمرہ کے ہیں، اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کا ادب بتایا گیا ہے کہ اگر حضور ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو تو مناسب وقت میں اور ادب کے ساتھ حاضر ہوا کرو، ایسا نہ ہو کہ آپ کی ازواج مطہرات کے کمروں (حجرات) کے باہر ہی سے زور زور سے آپ کو پکارنا شروع کر دو، کہ یہ ادب کے خلاف ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’حجرات‘ ہے۔

اگرچہ کہ یہ سورہ مختصر ہے اور صرف اٹھارہ آیت پر مشتمل ہے؛ لیکن اس میں اخلاق اور سماجی زندگی کے آداب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، جو خوشگوار تعلقات اور شائستہ زندگی کے لئے بہترین اصول کا درجہ رکھتے ہیں؛ چنانچہ اس میں حضور ﷺ کو کس طرح مخاطب کیا جائے؟ اس کا ادب سکھایا گیا، نصیحت کی گئی ہے کہ بلا تحقیق کسی خبر پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، مسلمانوں کو ہدایت دی گئی کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اسلامی اخوت کے رشتہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، پوری قوت سے یہ بات فرمائی گئی ہے کہ خاندانوں کا اختلاف تعارف اور پہچان کے لئے ہے، خاندانی نسبتوں کی وجہ سے نہ کوئی نیچا ہوتا ہے اور نہ کوئی اونچا، انسان کے بہتر ہونے کا معیار تقویٰ ہی ہے، جو اللہ سے جتنا زیادہ ڈرنے والا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اسی قدر لائق اکرام ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِرُوا بِبَيْنِ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَبِيرٌ  
عَلِيمٌ ①

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ① اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر پہل نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔ ①(۱)

① یہ اور اس کے بعد والی آیت میں رسول اللہ ﷺ کا ادب سکھایا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب کوئی بات فرمائیں تو آپ کی پیروی اور اتباع کرو، آپ کے حکم کے مقابلہ کوئی مشورہ پیش کرنے سے بچو، نیز اگر کوئی معاملہ پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے طور پر کوئی حکم لگانے اور فیصلہ کرنے سے بچو؛ چنانچہ حضرت ابن ابی ملیکہ ؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ بنو تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے، یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ پر کسی کو امیر مقرر کیا جائے؟ آپ ﷺ کے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہی حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا: اس پر قعقاع بن معبد کو امیر بنادیا جائے، حضرت عمر ؓ نے گزارش کی کہ ان کی بجائے اقرع بن حابس کو امیر بنانا بہتر ہوگا، حضرت ابوبکر ؓ نے اس بات پر ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا: تمہارا مقصد میری رائے کی مخالفت کرنا ہے، حضرت عمر ؓ نے کہا: میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے؛ چنانچہ بات تیز ہو گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں، اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الحجرات، حدیث نمبر: ۴۵۶۶) مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو انتظار کرنا چاہئے تھا کہ خود اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ اگر رسول اللہ ﷺ مشورہ طلب کرتے تو رائے دی جاتی، تاہم حضرت ابوبکر و عمر ؓ نے جو رائے دی، وہ غلطی کے دائرہ میں نہیں آتی؛ کیوں کہ انھوں نے اخلاص کے ساتھ اُس بات کا مشورہ دیا جس کو وہ بہتر سمجھ رہے تھے، ان حضرات کا مقصد آپ ﷺ کی بات کو کاٹنا نہیں تھا، اسی طرح ان کا آپسی اختلاف کسی دنیوی غرض یا طر فدار ی کے پہلو سے نہیں تھا؛ بلکہ جس نے جس رائے کو مسلمانوں کے مفاد میں سمجھا، اس کے مطابق رائے پیش کی، مفسرین نے اس کے علاوہ اس آیت کے پس منظر کے سلسلہ میں بعض اور واقعات بھی نقل کئے ہیں؛ لیکن اس میں کوئی تعارض نہیں، ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی اور موقع پر بھی اس طرح کی صورت حال پیش آئی ہو، آپ ﷺ نے ان کو متنبہ کرنے کے لئے یہ آیت تلاوت فرمائی ہو اور سننے والوں نے سمجھ لیا ہو کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہو رہی ہے۔

یہاں جو رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہے، اس کا تعلق صرف رائے دینے اور فیصلہ کرنے میں ہی آگے بڑھنا نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی ہے کہ چل رہے ہوں تو حضور ﷺ کے پیچھے چلیں، کھارہے ہوں تو آپ ﷺ کے کھانے کے بعد کھانا شروع کریں، سواری پر چل رہے ہوں تو آپ ﷺ کی سواری سے اپنی سواری پیچھے رکھیں، اسی میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ یہی سلوک انسان کا اپنے بڑوں جیسے ماں باپ، اساتذہ، ذمہ دار وغیرہ کے ساتھ بھی ہونا چاہئے کہ اپنے آپ کو ان سے پیچھے رکھا جائے، ایک باپ بیٹے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیٹا باپ سے آگے چل رہا تھا، آپ ﷺ نے منع کیا اور بیٹے کو باپ کے پیچھے پیچھے چلنے کی ہدایت فرمائی، (الدر المنثور: ۵/۲۵۸) — اس آیت سے شرعی دلیلوں کے مراتب پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، کہ پہلا درجہ قرآن مجید کا ہے، دوسرا حدیث نبوی کا، تیسرا اجتہاد و قیاس کا، قیاس و اجتہاد کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ  
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ  
أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ  
وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ  
أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

مسلمانو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے زور سے بات کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، ﴿۱﴾ جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی ہوئی آواز میں بولا کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے آزمایا ہے، ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے، ﴿۱﴾ بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگ کو عقل نہیں ہے، ﴿۲﴾ اگر وہ صبر سے کام لیتے؛ یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس باہر نکل آئیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ ان دونوں آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کا ایک اور ادب بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسی بلند آواز سے بات نہیں کرنی چاہئے، جیسی آپس کی گفتگو میں کی جاتی ہے؛ بلکہ ادب کے ساتھ پست آواز میں بات کرنی چاہئے، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر ؓ — جن کی آواز فطری طور پر بلند تھی — اتنا آہستہ گفتگو کرنے لگے کہ حضور ﷺ کو ان سے دوبارہ دریافت کرنا پڑتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۳۰۸/۱۶) البتہ اگر رسول اللہ ﷺ کی راحت اور آپ کو تکلیف سے بچانے کے لئے کوئی شخص بلند آواز میں بات کرے تو یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ غزوہ حنین کے موقع سے حضرت عباس ؓ نے لوگوں کو بلند آواز میں واپس آنے کو کہا — اہل علم نے لکھا ہے کہ جیسے زندگی میں آپ ﷺ کا احترام واجب تھا اور آپ ﷺ کے سامنے زور سے کہنے کی اجازت نہیں تھی، اسی طرح آپ ﷺ کے بعد بھی آپ ﷺ کے روضہ اطہر پر اونچی آواز میں درود و سلام نہ پیش کرنا چاہئے، اسی طرح جیسے آپ کی گفتگو سنتے ہوئے آپ ﷺ کی آواز سے بلند آواز میں جواب دینے کی ممانعت تھی، آپ ﷺ کے بعد اگر آپ ﷺ کے ارشادات سنائے جائیں تو توجہ سے سننا اور بلند آواز میں گفتگو کرنے سے بچنا چاہئے۔ (احکام القرآن لابن العربی: ۴/۱۷۰۳)

﴿۲﴾ یہاں رسول اللہ ﷺ کا تیسرا ادب سکھایا جا رہا ہے کہ جب آپ ﷺ اندر آرام فرما رہے ہوں تو باہر سے آواز لگانا اور نام لے کر پکارنے کی بجائے پیغمبر کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنا چاہئے؛ چنانچہ بنو تمیم جو دیہات کے رہنے والے لوگ تھے اور جن کی تعداد ستر یا بعض لوگوں کی روایت کے مطابق انیس تھی، نے عین اس وقت حجرہ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر اے محمد! اے محمد! کہہ کر پکارنا شروع کیا، جب آپ ﷺ دولت خانہ میں قیلولہ کے لئے سو گئے تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ بیدار ہوئے اور باہر تشریف لائے، ←

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿١٠﴾

اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی غیر معتبر شخص کوئی خبر لائے تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم کسی گروہ کو ناواقفیت میں نقصان پہنچا دو، پھر تم کو اپنی حرکت پر پچھتنا پڑے۔ ﴿۱۰﴾

← اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۳۰۹، ۳۱۰) کہ پیغمبر کا ادب یہ ہے کہ ان کے آرام میں خلل پیدا کرنے کی بجائے ان کے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے۔ عام حالات میں بھی یہ بڑی اہم نصیحت ہے کہ جب آدمی کسی کے پاس جائے تو آنے کا وقت اپنی سہولت سے نہ رکھے؛ بلکہ جس کے یہاں جا رہا ہے، اس کی سہولت، راحت اور مشغولیت کا لحاظ رکھتے ہوئے وقت کا انتخاب کرے۔

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے عقیبہ بن ابی معیط کے بیٹے ولید کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے قبیلہ بنی مصطلق میں بھیجا، قبیلہ کے لوگ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے، انھیں خوف ہوا کہ شاید وہ ان کے قتل کے ارادہ سے آرہے ہیں؛ چنانچہ یہ واپس آگئے اور حضور کو اطلاع دی کہ بنو مصطلق تو میرے قتل پر آمادہ تھے اور انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا، اتنے میں ان کا وفد آپہنچا، وفد نے عرض کیا: ہم نے آپ ﷺ کے قاصد کے بارے میں سنا، ان کے اعزاز و اکرام کے لئے باہر نکلے اور اس لئے بھی کہ ہم نے جو زکوٰۃ دینا قبول کیا ہے، وہ ان کے حوالہ کر دیں، مگر وہ واپس لوٹ آئے اور ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے سمجھا کہ ہم ان سے لڑائی کے لئے نکل رہے تھے؛ حالانکہ ہمارا یہ مقصد نہیں تھا، اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے اس معاملہ کی تحقیق بھی کرائی، (تفسیر قرطبی: ۱۶/۳۱۱) اس سے سماجی زندگی کا ایک اہم حکم معلوم ہوا کہ کسی بات پر بلا تحقیق یقین نہ کر لینا چاہئے کہ بعض اوقات یہ جلد بازی انسان کو باہمی جنگ و جدال تک پہنچا دیتی ہے۔

آیت میں چند باتیں قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ ایک شخص کی خبر اس وقت قبول کی جائے گی، جب وہ دین دار اور معتبر ہو اور شریعت کی اصطلاح میں وہ عادل ہو، فاسق شخص کی خبر قبول نہیں کی جائے گی اور جب خبر کے لئے یہ حکم ہے تو گواہی کے لئے بھی یہی حکم ہوگا کہ فاسق شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور اگر قاضی فاسق گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر بھی دے تو وہ گنہگار ہوگا، (احکام القرآن للجصاص: ۳/۵۸) اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس شخص کا نہ عادل ہونا معلوم ہو نہ فاسق ہونا، تو اس کی خبر و گواہی قبول کی جائے گی، یہی حنفیہ کا نقطہ نظر ہے، (حوالہ سابق) دوسرے: ولید بن عقیبہ صحابی تھے اور ان کو اس آیت میں فاسق کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ سے بھی گناہ اور فسق کا ارتکاب ہو سکتا ہے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مختلف گناہوں پر شرعی سزائیں جاری ہوئیں؛ البتہ صحابہ اس گناہ پر قائم نہ رہتے تھے؛ بلکہ اس سے توبہ کر لیتے تھے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رضا اور خوشنودی کا مقام عطا فرمایا تھا، ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۖ فَضَلَّأَ مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَجَاثِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

۱۳

اور جان لو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر (موجود) ہیں، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے؛ لیکن اللہ نے تمہارے اندر ایمان کی محبت پیدا کر دی ہے، اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تمہارے اندر نفرت پیدا کر دی ہے، یہی لوگ اللہ کے فضل و کرم سے درست راستہ پر ہیں، اور اللہ خوب واقف اور بڑی حکمت والے ہیں، اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والوں سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ پر آجائیں، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں؛ اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

﴿۱﴾ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تمہارا جوش جہاد ایک اچھے جذبہ کے تحت تھا کہ فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا جائے؛ لیکن اگر رسول تمہاری بات مان لیتے تو تمہارے لئے یہ مشقت و تکلیف کا سبب بنتا کہ ایک تو بے فائدہ جنگ کرنی ہوتی اور دوسرے جب تمہیں معلوم ہوتا کہ جو لوگ مارے گئے ہیں، وہ بھی مسلمان ہی ہیں، تو اس سے اور بھی رنج ہوتا؛ لیکن یہ اللہ کی توفیق ہے کہ اللہ کے رسول کی طرف سے جب جب کوئی فیصلہ آجاتا ہے، تم اس کے آگے سر جھکا دیتے ہو۔

﴿۲﴾ صحابہ بھی بہر حال انسان تھے اور بشری تقاضوں کے تحت جو باتیں پیش آتی ہیں، وہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا کرتی تھیں، ایسی ہی بشری عادتوں میں سے ایک کسی وجہ سے باہمی اختلاف کا پیدا ہو جانا ہے، اور یہ ہونا بھی ضروری تھا؛ کیوں کہ اُمت کے لئے ہر طرح کی صورت حال میں نمونہ مطلوب ہے، تو جن باتوں کا پیش آنا رسول اللہ ﷺ کے شایان شان نہیں تھا، اللہ کی مشیت کے مطابق وہ باتیں صحابہ کو پیش آئیں، اور اُمت کے لئے ایسے ناخوشگوار واقعات میں رہنمائی مہیا ہوگئی؛ چنانچہ مفسرین نے اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں صحابہ کے اختلافات و نزاعات کے مختلف واقعات نقل کئے ہیں، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۳۱۵/۱۶) — یہاں بنیادی طور پر چار باتوں کا حکم دیا گیا ہے، اول یہ کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کی نوبت آجائے تو ان کے



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ۚ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

اے مسلمانو! (مردوں کا) ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑا کر یں، ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری عورتیں ان سے بہتر ہوں، نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان لانے کے باوجود برا نام (رکھنا) گناہ ہے، اور جو توبہ نہ کرے، وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں، ﴿۱۱﴾ اے ایمان والو! بہت سارے گمانوں سے بچو، کیوں کہ بعض گمان (یعنی بدگمانی) گناہ ہوتے ہیں اور ٹوہ میں نہ پڑا کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو، کیا تم میں سے کسی کو یہ بات اچھی لگے گی کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تم نفرت کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں، ﴿۱۲﴾

← درمیان صلح کرادو، یہاں دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا؛ بلکہ صلح کرانے کا حکم دیا گیا، فیصلہ میں تو بے کم و کاست ہر فریق اپنا حق حاصل کرتا ہے اور صلح میں کمی بیشی اور کسی قدر ایثار کے ذریعہ معاملہ حل کر لیا جاتا ہے، فیصلہ سے معاملہ حل ہو جاتا ہے؛ لیکن دلوں کی دوریاں ختم نہیں ہوتیں، اور صلح سے نفرت محبت میں اور دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جاتی ہے؛ اسی لئے صلح کرانے کا حکم دیا گیا، دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اگر ایک فریق صریحاً زیادتی پر تلا ہوا ہو اور اس کی وجہ سے معاملہ طے نہ ہو پاتا ہو تو جو مظلوم ہے، ظالم کے مقابلہ میں اس کی مدد کی جائے؛ تاکہ زیادتی کرنے والا بھی اللہ کا حکم ماننے پر مجبور ہو جائے، تیسرا حکم یہ ہے کہ اگر بعد ہی میں سہی، وہ صحیح طریقہ پر معاملہ طے کرنے پر آمادہ ہو جائے تو پھر لڑائی پر اصرار نہ کیا جائے؛ بلکہ صلح کرادی جائے، چوتھے: جو کچھ بھی ہو، انصاف کا دامن چھوٹنے نہ پائے، ایسی صلح نہ ہو جو کھلی ہوئی نافرمانی یا شریعت کی حکم عدولی پر مبنی ہو، پانچویں بات یہ فرمادی گئی کہ چاہے دو مسلمانوں کے درمیان کسی قدر اختلاف ہو؛ لیکن ان کے درمیان اسلامی اخوت اور دینی بھائی چارہ کا رشتہ باقی رہے — آیت نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ مسلمان اگر ایک دوسرے سے سرسری پکار ہوں تو اگرچہ یہ ایک کافرانہ فعل ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح اسلامی حکومت کے خلاف کوئی گروہ باغی ہو جائے تو اس کے خلاف جہاد کرنا چاہئے؛ لیکن اگر وہ مسلمان ہو تو بغاوت کی وجہ سے ان کو کافر نہیں کہا جاسکتا؛ چنانچہ جن لوگوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کی اور حضرت علیؑ سے پوچھا گیا کہ یہ کافر و منافق ہیں، تو آپؑ نے فرمایا: نہیں، ہمارے ہی بھائی ہیں؛ لیکن انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجمل، حدیث نمبر: ۷۳۷۷۷)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور مختلف خاندان اور کنبے بنادیئے ہیں؛ تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو، یقیناً اللہ بہت جاننے والے اور بہت باخبر ہیں، ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۱ تا ۱۳ میں مختلف اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں، پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، نہ ایک مرد کو دوسرے مرد کا مذاق اڑانے کی اجازت ہے نہ ایک عورت کو دوسری عورت کا، دوسرے: کسی کو طعنہ نہ دو، طعنہ سے مراد ہے کسی کو اس کا عیب ذکر کر کے شرمندہ کرنا، خواہ یہ عیب جسمانی ہو یا اخلاقی، یا کسی کے خاندان یا پیشہ کو حقیر سمجھا جاتا ہو اور اس کا ذکر کیا جائے، تیسرے: کسی کو غلط نام سے نہ پکارا کرو، جیسے کسی شخص کے پاؤں میں لنگ ہو اور اس کو لنگڑا کہہ کر پکارا جائے، کسی کی آنکھیں نہ ہوں اور اس کو اندھا کہہ کر پکارا جائے، کوئی نو مسلم ہو اور اس کو کافر کا بیٹا کہا جائے وغیرہ؛ بلکہ اُس کا جو بہتر سے بہتر نام ہو، اس سے پکارنا چاہئے؛ البتہ اگر کسی کی شہرت عیب ظاہر کرنے والے نام سے ہی ہو اور وہ اس کو برا نہ مانتا ہو تو اس نام کے لینے میں حرج نہیں، جیسے تیمور لنگ وغیرہ، چوتھے: کسی کے بارے میں بدگمانی رکھنے اور غلط سوچنے سے بچو؛ کیوں کہ اکثر و بیشتر بدگمانی ہی سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور جھگڑے لڑائی تک نوبت پہنچتی ہے، پانچویں: کسی کی ٹوہ نہ کرنی چاہئے، یعنی کسی کی کمزوریاں نہ تلاش کی جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی مسلمان کی کمزوریوں کو تلاش کرتا ہے، اللہ اس کی کمزوریوں کو تلاش کرتے ہیں اور اس کو اسی کے گھر میں رسوا کر دیتے ہیں، چھٹے: غیبت نہ کی جائے، غیبت سے مراد یہ ہے کہ جس شخص میں کوئی جسمانی یا اخلاقی عیب اور ایسی بات ہو جس کا ظاہر ہونا اسے پسند نہ ہو، اس کا دوسروں سے ذکر کیا جائے، یہ بھی حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں ہے، اس کی شاعت اور برائی اس مثال سے واضح ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ یہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی طرح ہے کہ جیسے مردہ کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ کون اس کا گوشت کھا رہا ہے؟ اسی طرح جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے، اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے؛ البتہ کسی شخص کو ظلم سے بچانے اور ضرر سے بچانے کے لئے غیبت کرنا یا ظالم کے ظلم کے خلاف فریاد کرنا جائز ہے، اسی طرح جو شخص علی الاعلان کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہو اور اس کو اس پر کوئی ندامت اور شرمندگی نہ ہو تو اس کی اس کمزوری کو بیان کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، ساتویں: ان ہی ہدایات کے پس منظر میں یہ بات کہی گئی کہ خاندان اور قبیلہ کی تقسیم اونچ نیچ کی بنیاد نہیں ہے، کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیداؤں کی طور پر معزز اور دوسرے کو حقیر سمجھے؛ کیوں کہ معزز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق انسان کے عمل اور تقویٰ سے ہے نہ کہ خاندان سے، یہ بات اس لئے فرمادی گئی کہ عربوں میں خصوصاً اور دنیا کی دوسری مختلف قوموں میں عموماً خاندانی اونچ نیچ کا تصور رہا ہے اور اوپر جن برائیوں سے منع کیا گیا ہے، جیسے مذاق اڑانا، طعنہ دینا، ناشائستہ نام سے پکارنا وغیرہ، ان میں اس احساس کا بڑا اثر ہوتا ہے — یہاں خاندان کے لئے شعوب اور قبائل دو الفاظ استعمال کئے گئے، شعوب اوپر کی شاخ سے بنتا ہے اور اس لئے اس کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، اور قبیلہ نیچے کی قریبی شاخ ہوتی ہے؛ اس لئے اس کا دائرہ نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۳﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۴﴾ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِدِينِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۵﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

۲  
۱۳

گاؤں والے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرمادیجئے: تم ایمان نہیں لائے؛ لیکن یہ کہو کہ ہم نے سر جھکا دیا ہے اور (لیکن) ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے، اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہیں کریں گے، یقیناً اللہ بڑے بخشنے والے اور بڑے مہربان ہیں، ﴿۱۳﴾ پورے مؤمن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر کسی شک و شبہ میں نہیں پڑے اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ جہاد کیا، یہی ہیں سچے لوگ! ﴿۱۴﴾ آپ فرمادیجئے: کیا تم اللہ پر اپنی دین داری جتاتے ہو؟ حالاں کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، اللہ کو ان سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱۵﴾ وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے؟ آپ کہہ دیجئے: تم مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ جتاؤ، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر احسان فرما رہے ہیں کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھایا، اگر تم سچے ہو، ﴿۱۶﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتے ہیں اور تم جو کچھ بھی کر رہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ ایک سال قحط سالی کے موقع پر بنو اسد بن خزیمہ کے دیہاتی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، کلمہ پڑھا، اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور رسول اللہ ﷺ پر احسان جتانے لگے کہ ہم مسلمان ہو گئے اور فلاں فلاں قبیلے کی طرح ہم نے آپ سے جنگ نہیں کی؛ اس لئے آپ ہمیں صدقہ عطا فرمائیے، (تفسیر قرطبی: ۳۴۸/۱۶) جب کہ یہ حقیقت میں مسلمان نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ منافق تھے، اسی لئے فرمایا گیا کہ تمہارا دعویٰ ایمان صحیح نہیں ہے، ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم مطیع و فرمانبردار ہو گئے ہیں، غرض کہ مومن کا کردار یہ ہے کہ وہ نیکی کرے اور بھول جائے، دین کی کوئی نصرت اور مدد اس کے ہاتھوں سے ہو جائے تو وہ اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بنے نہ کہ اپنے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائے اور اپنی نیکی کا بہ طور احسان ذکر کرتا پھرے۔





## سُورَةُ قَات

«سورہ نمبر : (۵۰)

«رکوع : (۳)

«آیتیں : (۴۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

یہ سورہ بالاتفاق مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اس سورہ کی ابتدا حروف مقطعات میں سے ایک حرف ”ق“ سے ہوتی ہے؛ اسی لئے اس کا نام ”ق“ ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی بڑی فضیلت ہے، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں ”ق وَالْقُرْآنَ الْمَجِيدَ“ پڑھا کرتے تھے: ”كَانَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ الْقُرْآنَ الْمَجِيدَ“ (مسلم، کتاب الصلاة، باب القراءة فی الصبح، حدیث نمبر: ۴۵۸) اور ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا ہے کہ ہر جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر اس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے: ”يَقْرَأُهَا كُلَّ يَوْمٍ جُمُعَةٍ عَلَى الْمَنْبَرِ“ (مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حدیث نمبر: ۸۷۳) نیز ابو داؤد لیشی روایت کرتے ہیں کہ نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ میں آپ کا معمول سورہ ق اور سورہ قمر کی تلاوت کا تھا، (مسلم، کتاب صلاة العیدین، حدیث نمبر: ۸۹۱) — اس کی جو مصلحت سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ جمعہ اور عیدین کا موقع مسرت اور خوشی و انبساط کا ہوتا ہے اور سورہ ق میں قیامت اور حشر و نشر کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، تو مقصد یہ ہے کہ آدمی خوشی اور مسرت کے اس موقع پر آخرت کو بھول نہ جائے۔

دوسری کئی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت، آخرت، شرک کی تردید کے مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، نیز اجمالی طور پر ان گذشتہ اقوام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، جن پر دین حق کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

ق وَالْقُرْآنِ الْحَمِيدِ ۝ بَلْ عَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكُفْرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِیْظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِیْجٍ ۝ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَلْبَنَّا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِیْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَذِكْرًا لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِیبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبْرَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بُسِقَتْ لَهَا طَلْعٌ نَضِیْدٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ق (قاف)، قرآن مجید کی قسم ہے (کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں)؛ ۱) لیکن ان کو اس بات پر تعجب ہے کہ ان کے پاس اُن ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آگیا؛ اس لئے انکار کرنے والے لوگ کہنے لگے: یہ تو عجیب بات ہے! ۲) کیا جب ہم مرجائیں گے، مٹی ہو جائیں گے (تو پھر ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟) یہ دوبارہ زندہ ہونا (تو عقل سے) بعید ہے، ۳) اُن سے بتا دیجئے: زمین (کھا کھا کر) اُن (کے جسموں) میں سے جتنا کم کرتی جاتی ہے، وہ بھی ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس تحریری یادداشت بھی ہے، ۴) حقیقت یہ ہے کہ جب ان کے پاس سچی بات پہنچتی ہے تو وہ اس کو جھٹلا دیتے ہیں، غرض کہ وہ ایک الجھی ہوئی بات میں پڑے ہوئے ہیں، ۵) کیا انھوں نے آسمان پر نگاہ نہیں کی، جو ان کے اوپر ہے؛ کہ ہم نے اس کو کس طرح بنایا اور سنوارا ہے؟ اور اس میں کہیں کوئی شگاف تک نہیں، ۶) اور زمین کو ہم نے پھیلا یا اور اس میں پہاڑوں کو ڈال دیا، نیز اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائیں، ۷) جو اللہ سے لو لگانے والے ہر بندہ کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ ہے، ۸) نیز ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا، پھر اس سے باغات اور کھیتی کے اناج اُگائے، ۹) اور لمبے لمبے کھجور کے درخت بھی، جن کے گچھے تہہ بہ تہہ ہیں۔ ۱۰)

۱) یہ حروف مقطعات میں سے ہے، سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر: ۱ میں حروف مقطعات کی وضاحت آچکی ہے۔

۲) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قسم کھائی ہے؛ لیکن کس بات کی قسم کھائی جا رہی ہے؟ صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ہے؛ تاہم آگے جو بات ذکر کی جا رہی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے پیغمبر برحق ہونے کی قسم کھانا مقصود ہے۔

رَزَقًا لِلْعِبَادِ ۚ وَاحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتًا ۖ كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ  
وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادُ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَأَصْحَابُ الْآيَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ  
كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

تاکہ بندوں کو رزق فراہم کریں، اسی پانی کے ذریعہ ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اسی طرح (قیامت کے دن  
مردوں کا) زمین سے نکلنا ہوگا، ﴿۱۱﴾ اُن سے پہلے نوح کی قوم، کنویں والے اور ثمود، ﴿۱۲﴾ عاد، فرعون، لوط کی  
برادری، ﴿۱۳﴾ بن کے رہنے والے اور تُبَّع کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے، سمجھو انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا پھر (ان پر) میرا  
عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ ﴿۱۴﴾

﴿۱﴾ یعنی یہ دونوں باتیں مشرکین کو بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں، ایک تو انسان ہی میں سے اللہ کا پیغمبر بنایا جانا، دوسرے: انسانوں  
کے مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کیا جانا؛ تاکہ انھیں حساب و کتاب اور جزا و سزا کے مرحلہ سے گزرا جائے؛ حالاں کہ انسان  
کے جسم کو دوبارہ وجود میں لانے کے لئے ایک تو علم کی ضرورت ہے کہ انسان کا کون کونسا جز کہاں کہاں ہے؟ اس کی واقفیت ہو  
اور پھر ان سب کو جوڑ کر پہلی حالت پر لایا جائے، تو اللہ کے علم کا حال یہ ہے کہ کیڑے کھا کھا کر انسان کے مردہ جسم میں جو کمی کرتے  
جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بھی واقف ہیں، اور ان سب کا تحریری ریکارڈ بھی اللہ کے پاس موجود ہے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ  
کی طاقت و قدرت کا حال یہ ہے کہ اس نے نہ صرف انسان کو پیدا کیا ہے؛ بلکہ اس سے کہیں بڑی مخلوقات آسمان، زمین، پہاڑ،  
دریا، بارش، زمین سے پیداوار کا حاصل ہونے والا نظام، یہ سب اس کی قدرت کے کھلے ہوئے مظاہر ہیں، ان پر غور کرنے کے  
بعد کسی شخص کو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ پیدا فرما سکتے ہیں۔

﴿۲﴾ حضرت نوح ؑ کی قوم، حضرت صالح ؑ کی قوم ثمود، حضرت ہود ؑ کی قوم عاد، فرعون نیز حضرت لوط ؑ کی قوم  
اور حضرت شعیب ؑ کی قوم اصحاب ایکہ کا ذکر بار بار آچکا ہے اور سورہ دخان میں قوم تبع کا ذکر بھی آچکا؛ البتہ کنویں والے  
(اصحاب الرس) کا تذکرہ یہاں کے علاوہ صرف سورہ فرقان میں آیا ہے، قرآن مجید میں اس قوم سے متعلق زیادہ تفصیل نہیں آئی ہے  
اور نہ حدیث میں ان کا ذکر ہے، ممکن ہے کہ اہل مکہ ان کے بارے میں واقف رہے ہوں؛ اس لئے زیادہ تفصیل کی ضرورت محسوس  
نہیں کی گئی، مفسرین کے یہاں بھی اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعضوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کی قوم کو  
مراد لیا ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ وہی اصحاب الاخذہ ہیں جن کا تذکرہ سورہ بروج میں آئے گا، (مفاتیح الغیب: ۴۳۲/۱۴)  
بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ حضرت صالح ؑ کی قوم ہے، حضرت صالح ؑ کے ہاتھوں پر تقریباً چار ہزار افراد ایمان لائے  
تھے، جب آپ کی قوم پر عذاب آیا تو یہ لوگ بچا لئے گئے اور یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ جب عذاب آتا ہے تو پیغمبر پر ایمان  
لانے والے حضرات اللہ کی طرف سے بچا لئے جاتے ہیں، حضرت صالح ؑ ان ایمان لانے والوں کے ساتھ یمن کی طرف  
ہجرت کر گئے، یہاں ان حضرات نے ایک ایسے مقام کو آباد ہونے کے لئے منتخب کیا، جہاں ایک کنواں واقع تھا ”رس“۔



أَفَعَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ<sup>۱</sup> وَنَعَلَمُ مَا تُوَسَّوَسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝

تو کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ پھر سے پیدا کئے جانے کے بارے میں محض (بے جا) شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، ۱۵ یقیناً ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات گزرتے ہیں، ہم اس سے بھی واقف ہیں اور ہم تو اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں، ۱۶ اور (جب انسان کوئی کام کرتا ہے) تو دو لکھنے والے جو دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ہیں، لکھتے جاتے ہیں، ۱۷ وہ کوئی بھی بات زبان سے نکالتا ہے تو اس کے پاس ایک نگران تیار رہتا ہے۔ ۱۸ (۲)

← چکی دیواروں کے کنویں کو کہتے ہیں، یہیں پر وہ اپنے موشیوں کے ساتھ مقیم تھے؛ اسی لئے 'اصحاب الرس' کہلائے، رفتہ رفتہ یہ قوم بھی شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو گئی اور ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، نہ کنواں باقی رہا نہ پُر شوکت عمارتیں رہیں، پوری آبادی تہس نہس ہو گئی۔ (البحر المحیط: ۴۵)

۱ یعنی انسان ہر وقت ہماری قدرت اور ہمارے علم کے احاطہ میں ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس کے بارے میں کوئی بات معلوم کرنے کے لئے یا اس کی پکڑ کرنے کے لئے ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت ہو اور ہمیں اپنی کارروائی انجام دینے میں دیر لگے۔

۲ اللہ تعالیٰ یوں تو براہ راست انسان کے لمحہ لمحہ، اس کے ایک ایک بول اور اس کے ایک ایک عمل سے واقف ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ریکارڈ بھی مرتب کراتے جا رہے ہیں اور اس کے لئے دو فرشتے مقرر ہیں، ایک: دائیں طرف، دوسرا: بائیں طرف، دائیں طرف کے فرشتے نیکیوں کو لکھتے جاتے ہیں اور بائیں طرف کے برائیوں کو؛ چنانچہ حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نیکیوں کے لکھنے والے فرشتے انسان کے دائیں جانب ہیں اور گناہوں کو لکھنے والے بائیں جانب، جب کوئی شخص نیکی کا کام کرتا ہے تو نیکیوں کو درج کرنے والے فرشتے ایک کے بدلہ دس نیکیاں لکھتے ہیں اور جب انسان برائی کرتا ہے تو نیکیوں کو لکھنے والے فرشتے اپنے ساتھی فرشتہ سے کہتے ہیں کہ سات لمحات رُک جاؤ، شاید وہ اللہ کی تسبیح کرے یا استغفار کرے، (الدر المنثور: ۷/۵۹۵) یہاں فرشتوں کے بیٹھے ہوئے ہونے سے مراد فرشتوں کا موجود ہونا ہے، ضروری نہیں کہ وہ دائیں اور بائیں کاندھے ہی پر بیٹھے ہوئے ہوں — دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ انسان اپنی زبان سے جو کچھ بولتا ہے، اس کا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہوتا جاتا ہے، قول و فعل کا یہی ریکارڈ انسان کا نامہ اعمال ہے، جو قیامت میں انسان کے سامنے پیش کیا جائے گا، پہلے زمانہ میں جب کہ چیزوں کا ریکارڈ کرنے کے تیز رفتار وسائل ایجاد نہیں ہوئے تھے تو نامہ اعمال کو سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی؛ لیکن موجودہ دور کی الیکٹرانک ترقی اور نہایت چھوٹی سی شے میں وسیع تر تحریر، آواز اور تصویر کا ریکارڈ محفوظ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت کے بعد اب اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذُلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذُلِكَ يَوْمُ  
الْوَعْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا  
فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾  
أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا  
آخَرَ فَأَلْقِيهِ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾

اور موت کی بے ہوشی یقیناً آ کر رہے گی، یہی تو وہ چیز ہے جس سے تو بدکا کرتا تھا، ﴿۱۹﴾ اور صور پھونکا جائے گا، یہ عذاب کے وعدہ کا دن ہوگا، ﴿۲۰﴾ اور ہر شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانکنے والا اور ایک (فرشتہ) گواہی دینے والا ہوگا، ﴿۲۱﴾ (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:) تو اس دن کی طرف سے غفلت میں تھا، اب ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا تو آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے، ﴿۲۲﴾ اور اس کا ساتھی (فرشتہ) عرض کرے گا کہ یہ جو (اس کا نامہ اعمال) میرے پاس تھا، وہ حاضر ہے، ﴿۲۳﴾ ہم فرشتوں کو حکم دیں گے: تم دونوں ہر کافر و سرکش، بھلائی سے روکنے والے، حد سے گذر جانے والے اور شبہ پیدا کرنے والے کو دوزخ میں ڈال دو، ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بھی بنا رکھا ہے تو ایسے ہر شخص کو سخت عذاب میں جھونک دو۔ ﴿۲۶﴾

﴿۱﴾ عموماً انسان کے مرنے کے قریب اس پر غشی طاری ہوتی ہے، جس میں تکلیف کی شدت بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات انسان کے ظاہری ہوش و حواس ختم ہو جاتے ہیں، اس آیت میں اسی کا تذکرہ ہے کہ تم جس موت سے بدکتے اور بھاگتے ہو، وہ اپنی اس کیفیت کے ساتھ ضرور ہی تم کو دبوچ لے گی، خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنی وفات کے وقت اس سے گذار گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کے سامنے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ پانی میں ہاتھ ڈالتے اور ہاتھوں سے اپنے چہرہ کو پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے: لا اِلهَ اِلاَّ اللہ، یقیناً موت کے ساتھ بڑی سختیاں ہیں، پھر آپ ﷺ نے دست مبارک اٹھایا اور رفیق اعلیٰ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے، اور آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ نیچے آ گئے۔ (بخاری، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۶۱۴۵)

﴿۲﴾ یعنی دنیا میں تو تم جن چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے، جیسے: فرشتے اور عالم آخرت کی چیزیں، آج ان کو بھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

﴿۳﴾ یعنی دنیا میں جو فرشتے انسان کے اعمال لکھنے پر رکھے گئے تھے، قیامت کے دن ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کر دی جائیں گی، ایک کو کہا جائے کہ وہ اہل دوزخ کو ہنکا کر لے چلے اور ایک کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ نامہ اعمال ساتھ ساتھ لے کر چلے، آیت نمبر: ۲۱ میں ان کا ذکر آیا ہے، پھر جس فرشتے کے پاس نامہ اعمال ہے، وہ بارگاہ الہی میں عرض کرے گا کہ یہ تو وہ مجرم ہے جس کو ہنکا کر لایا گیا ہے، اور یہ ہے اس کا نامہ اعمال جو حاضر خدمت ہے، آیت نمبر: ۲۳ میں اس کا ذکر ہے، پھر اللہ تعالیٰ دونوں کو حکم فرمائیں گے کہ انھیں جہنم میں جھونک دو، اس کا ذکر آیت نمبر: ۲۴، ۲۵ میں ہے۔

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٦﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ﴿٢٧﴾ مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿٢٨﴾ يَوْمَ نَقُولُ لِحَبَّهِنَّ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ﴿٢٩﴾ وَأُزِلْفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿٣٠﴾ هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿٣١﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ﴿٣٢﴾

اس کا ساتھی (یعنی شیطان) کہے گا: اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا؛ بلکہ یہ خود ہی پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا، ﴿۲۶﴾ ارشاد ہوگا: میرے پاس جھگڑے نہ کرو، میں تو پہلے ہی تم کو عذاب کی دھمکی دے چکا تھا، ﴿۲۷﴾ میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں، ﴿۲۸﴾ جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے: کیا تو بھر چکی ہے؟ اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہیں؟ ﴿۲۹﴾ اور جب جنت تقویٰ والوں کے قریب کر دی جائے گی، یہاں تک کہ ذرا بھی دُور نہ رہے گی، ﴿۳۰﴾ ہم فرمائیں گے: تم سے اللہ کی طرف رُجوع کرنے اور یاد رکھنے والے ہر شخص کے لئے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا تھا، وہ یہی ہے، ﴿۳۱﴾ یعنی جو بغیر دیکھے ہوئے خدائے رحمن سے ڈرا اور خدا سے لو لگانے والا دل لے کر حاضر ہوا۔ ﴿۳۲﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ جیسے فرشتے رکھے ہیں، اسی طرح ایک شیطان بھی رکھا ہے، جو انسان کو گناہوں پر اُکساتا ہے، تو جب اللہ کے دربار میں مشرکین حاضر کئے جائیں گے اور وہاں شیطان بھی ہوگا تو وہ کہیں گے: ہم نے اسی بد بخت کے بہکانے میں غلط راستہ اختیار کیا تھا؛ لیکن شیطان اس دن اپنا دامن جھٹک دے گا اور کہے گا کہ گمراہ تو یہ خود ہی تھے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اب یہاں لڑائی جھگڑے کا کوئی موقع نہیں، تم کو ہمارے ثواب و عذاب کا پورا قانون بتا دیا گیا تھا اور میرا قانون بدلتا نہیں ہے، اور میرا فیصلہ کیوں بدلے کہ میں جو حکم دے رہا ہوں، یہ ظلم نہیں ہے؛ بلکہ یہ تمہارے اعمال ہی کا نتیجہ ہے، جن کے بارے میں پہلے ہی وارننگ دے دی گئی تھی۔

﴿۲﴾ یعنی دوزخ اتنی بڑی ہوگی کہ ڈھیر سارے لوگوں کے داخل کئے جانے کے باوجود بھی جیسے ایک بھوکے شخص کو خوب سے خوب تر کھانے کی طلب رہتی ہے، اسی طرح جہنم کا غیظ و غضب اس طرح بھڑکا ہوا ہوگا کہ وہ آسودہ نہیں ہوگی اور چاہے گی کہ اور زیادہ اس کو اس کی غذا فراہم کی جائے، حدیث میں ہے کہ اس کا پیٹ اس وقت بھرے گا، جب اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک اس پر رکھ دیں گے، (بخاری، کتاب الفقر، باب تفسیر سورۃ ق، حدیث نمبر: ۴۵۶۹) دوزخ کے بات کرنے کی یہ شکل ہو سکتی ہے کہ اس روز اس کو بولنے کی قوت دے دی جائے، یا جیسے بجلی کی کڑک بارش کا پتہ دیتی ہے، جہنم خوفناک آواز کے ذریعہ اظہار کرے گی کہ ہمیں مزید دوزخی چاہئیں، اور رہ گیا اللہ تعالیٰ کا قدم ڈالنا تو اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے، ہم مخلوق کے قدم اور قدم ڈالنے پر اللہ رب العزت کی ذات کو قیاس نہیں کر سکتے۔

إِذْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۚ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۵۰﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ۖ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿۵۱﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوبٍ ﴿۵۳﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿۵۴﴾

تم لوگ اس (بہشت) میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ابدی زندگی کا دن ہے، ﴿۵۰﴾ ان لوگوں کو وہاں، جو کچھ چاہیں گے، ملے گا اور ہمارے پاس اور زیادہ بھی ہے، ﴿۵۱﴾ ہم ان سے پہلے بہت سی ایسی اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، جو ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں (پھر جب ہمارا عذاب آیا) تو وہ شہروں میں مارے مارے پھرتے تھے کہ کیا کوئی بھاگنے کی جگہ بھی ہے؟ ﴿۵۲﴾ یقیناً اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو صاحب دل ہو، یا جو کان لگا کر متوجہ ہو کر سنتا ہو، ﴿۵۳﴾ ہم نے آسمانوں کو، زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور ہم کو ذرا بھی ٹکان نہیں ہوئی، ﴿۵۴﴾ تو ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور سورج کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف بیان کیجئے۔ ﴿۵۴﴾

﴿۱﴾ یعنی ان کے علاوہ ایسی نعمتیں بھی ہیں جن کو تم نے کبھی سوچا نہیں اور ان زائد نعمتوں میں اہم نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے، جو اہل جنت کو حاصل ہوا کرے گا، حضرت انس ؓ اور حضرت جابر ؓ نے ”لَدینا مَزید“ (ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے) کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۱/۱۷)

﴿۲﴾ آسمان و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے؛ لیکن یہاں اس بات کی صراحت کر دی گئی کہ اللہ کو اس سے ٹکان نہ ہوئی اور آرام کی ضرورت نہ پڑی، یہ بات اس لئے صراحت و وضاحت سے فرمائی گئی کہ تورات میں متعدد جگہ یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں آسمان و زمین اور ساری چیزوں کو پیدا فرمایا اور ساتویں دن آرام کیا، (خروج: ۳۱: ۱۷، ۳۱: ۱۷، ۳۱: ۱۷) اور آرام کی ضرورت اسی وقت پڑتی ہے، جب ٹکان ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قادر مطلق ذات بھی کسی کام کو انجام دینے میں تھک جائے، یقیناً یہ تورات میں کی جانے والی تحریف اور ملاوٹ ہے، اس لئے قرآن نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی ٹکان نہیں ہوئی اور نہ آرام کی ضرورت پڑی — حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں اس وضاحت کا تذکرہ اس کتاب کے اللہ کی طرف سے نازل کئے جانے کی واضح دلیل ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نہ تورات کی زبان سے واقف تھے، نہ آپ ﷺ نے اس کا مطالعہ کیا تھا، نہ تورات کے کسی عالم سے آپ کا تعلیم و تعلم کا تعلق رہا۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۖ وَاسْتَبِغْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۳۱﴾  
يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۳۲﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ ۖ وَاللَّيْلُ  
الْمَصِيئُ ﴿۳۳﴾

اور رات کے کچھ حصوں میں بھی اور نمازوں کے بعد بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے، ﴿۳۱﴾ اور سن لو کہ جس دن ایک پکارنے والا نزدیک ہی کی جگہ سے پکارے گا، ﴿۳۲﴾ جس روز اس تیز آواز کو یقیناً سب لوگ سن لیں گے، تو وہی (قبروں سے) نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا، ﴿۳۳﴾ یقیناً ہم ہی زندگی بخشتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ ﴿۳۳﴾

﴿۱﴾ حمد و تسبیح کے معنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت ہے نماز کا ادا کرنا؛ کیوں کہ نماز میں کثرت سے حمد و تسبیح بیان کی جاتی ہے، تکبیر، ثناء، سورۃ فاتحہ، رکوع و سجدہ کی تسبیحات اور تشہد، غور کیجئے کہ ان تمام اذکار میں یا تو اللہ تعالیٰ کی حمد ہے یا تسبیح یا دونوں، اس لحاظ سے آیت نمبر: ۱۳۹ اور ۴۰ کا خلاصہ یہ ہوا کہ آفتاب کے نکلنے سے پہلے بھی نماز پڑھئے یعنی نماز فجر، اور آفتاب کے ڈوبنے سے پہلے بھی یعنی نماز عصر، اور چوں کہ نماز ظہر آفتاب کے ڈھلنے کے بعد اور ڈوبنے سے پہلے ادا کی جاتی ہے؛ اس لئے اس کو بھی اس میں شامل سمجھا جاسکتا ہے، تیسرے: رات میں نماز ادا کیجئے یعنی نماز عشاء، اور چوں کہ رات ہی کے ابتدائی حصہ میں نماز مغرب ادا کی جاتی ہے تو وہ بھی اس میں آگئی، اور ”أدبار السجود“ میں ”سجود“ سے فرض نماز مراد لی گئی ہے؛ کیوں کہ سجدہ نماز کا ایک اہم ترین رکن ہے اور قرآن مجید میں بعض دوسرے مواقع پر بھی سجدہ بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے، تو ایسی صورت میں ”أدبار السجود“ سے وہ نفل نمازیں مراد ہوں گی، جن کا فرض نماز کے بعد پڑھا جانا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو، بعض مفسرین نے رات کی نماز سے نماز تہجد بھی مراد لی ہے — تسبیح و تہجد کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ نماز سے باہر سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ تعالیٰ کی پاکی کے دوسرے کلمات پڑھے جائیں، تو اس کا مطلب ہوگا کہ یوں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن خاص کر صبح و شام اور رات میں تسبیحات پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور ”أدبار السجود“ کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اوقات کے علاوہ فرض نمازوں کے بعد بھی تسبیحات پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

(خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۲۵، ۲۴، ۱۷، احکام القرآن للبخاری: ۲۱۰، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹،

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۳۳﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ  
وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۳۴﴾

اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی، وہ تیز تیز دوڑ رہے ہوں گے، ﴿۱﴾ یہ اکٹھا کر لینا ہمارے لئے بہت ہی آسان ہے، ﴿۳۳﴾ وہ جو کچھ کہتے ہیں: ہم اس سے خوب واقف ہیں اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے تو ہیں نہیں؛ لہذا جو میری تنبیہ سے ڈرتا ہے، اس کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہئے۔ ﴿۳۴﴾

﴿۱﴾ یعنی سارے لوگ میدانِ حشر کی طرف دوڑ رہے ہوں گے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میدان حشر شام کی طرف قائم ہوگا۔ (تفسیر قرطبی: ۲/۱۷۷، بحوالہ سنن ترمذی، عن معاویہ بن حیدر)



# سُورَةُ الذَّارِيَّاتِ

«سورہ نمبر : (۵۱)»

«رکوع : (۳)»

«آیتیں : (۶۰)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے شروع ہی میں 'ذاریات' یعنی ان ہواؤں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، جو غبار کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں، اسی لفظ سے اس سورہ کا نام رکھا گیا ہے، اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ پوری سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ کا خصوصی مضمون قیامت کا قائم ہونا، حساب و کتاب کیا جانا اور انسان کا جنت یا دوزخ میں داخل ہونا ہے، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی مختلف نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے اور حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کے ساتھ جو یہ ناروا برتاؤ کرتے ہیں، یہاں تک کہ جادوگر اور دیوانہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے، یہی سلوک آپ کے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے، اس سورہ میں بھی مختصر طور پر ان مختلف قوموں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَالذَّرِيتِ ذُرْوًا ۝۱ فَالْحَمِلَتِ وَقْرًا ۝۲ فَالْجُرَيْتِ يُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسَّسِ أَمْرًا ۝۴ إِنَّمَا  
تُوْعَدُونَ لَصَادِقٍ ۝۵ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝۱ ان ہواؤں کی قسم! جو غبار اڑا کر بکھیر دیتی ہیں، ۝۲ پھر بوجھل بادلوں کو اٹھاتی ہیں، ۝۳ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہیں، ۝۴ پھر ایک اہم چیز (یعنی پانی) تقسیم کرتی ہیں، ۝۵ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ بالکل سچ ہے، ۝۶ اور جزا و سزا ضرور ہی واقع ہونے والی ہے، ۝۷ جالی دار آسمان کی قسم۔ (۲) ۝

۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کی قسم کھائی ہے اور پھر ان کی چار صفتیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ وہ غبار اڑاتی ہیں اور فضا میں بکھیرتی رہتی ہیں، دوسرے: وہ خود ہلکی ہوتی ہیں؛ لیکن بوجھل بادلوں کو لئے لئے پھرتی ہیں، تیسرے: غبار اڑاتے وقت ان کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے؛ لیکن جب بادلوں کو اٹھا کر چلتی ہیں تو آہستہ آہستہ سبک خرامی کے ساتھ چلتی ہیں، چوتھے: وہ بادلوں کو اس طرح ٹکڑوں میں بکھیر دیتی ہیں کہ ساری بارش ایک ہی جگہ نہ ہو جائے؛ بلکہ قدرتی طور پر مختلف علاقوں میں پانی تقسیم ہو جائے، اسی تشریح کے مطابق یہاں ترجمہ کیا گیا ہے؛ لیکن بعض اہل علم نے ان کو ہوا کی صفت نہیں مانا ہے؛ بلکہ کہا ہے کہ ان چار آیتوں میں چار الگ چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، پہلی آیت میں ہوا کی، دوسری آیت میں بادل کی، تیسری آیت میں کشتیوں کی، جو آہستہ آہستہ دریاؤں پر بہتی رہتی ہیں، اور چوتھی آیت میں فرشتوں کی، جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بارش کو مختلف علاقوں میں تقسیم کر دیتے ہیں — دونوں ہی معنوں کی گنجائش ہے۔

۲) آسمان سے مراد فضا بھی ہو سکتی ہے اور ”حبک“ کے معنی راستوں کے ہو سکتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ فضا میں سیاروں کی گردش کے راستے بنائے گئے ہیں، ان کی قسم کھائی جا رہی ہے اور آسمان سے حقیقی آسمان بھی مراد ہو سکتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جیسے زمین میں یہاں کی مخلوقات کے چلنے کے راستے ہیں، اسی طرح وہاں فرشتوں کے چلنے کے راستے ہیں — ”حبک“ کے ایک معنی جالیوں اور اس طرح کی دھاریوں کے بھی ہیں جو کپڑوں پر بنی ہوتی ہے اور ان لہروں کے بھی جو ہوا کی وجہ سے ریگستانوں میں بن جاتی ہیں، ایسی صورت میں ”جالیوں والے آسمان“ کے معنی ہوں گے، یہ عجیب بات ہے کہ موجودہ دور میں سائنس دانوں نے جو اتھاہ اور نہ ختم ہونے والی فضاؤں کی تصویر لی ہے، تو وہ فضا میں مختلف سیاروں کی گردش کی وجہ سے بالکل ایسی ہی نظر آتی ہیں، جیسے خوبصورت جالیاں بنی ہوئی ہوں، عجب نہیں کہ قرآن نے اسی کائناتی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہو، قرآن اس ذات کا کلام ہے جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے تو اگر اس کے الفاظ ایسی حقیقتوں کی طرف اشارہ کریں جسے انسان پہلے نہیں جانتا تھا تو یہ باعث حیرت نہیں۔

إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۖ يُؤَفِّكُ عَنْهُ مَنَ أُولَئِكَ ۖ قَتَلَ الْخَافِضُونَ ۖ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۖ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ۖ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۖ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۖ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۖ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۖ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ۖ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الْبَلِ مَا يَهْجَعُونَ ۖ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۖ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۖ

بے شک تم لوگ متضاد باتیں کرتے ہو، ﴿۱﴾ اس سے وہی پھر جاتا ہے جو (بھلائی سے) پھیر دیا گیا ہو، ﴿۲﴾ انکل سے بات کرنے والے ہلاک ہو جائیں، ﴿۳﴾ جو غفلت میں پڑ کر بھولے ہوئے ہیں، ﴿۴﴾ وہ پوچھتے ہیں: بدلہ کا دن کب واقع ہوگا؟ ﴿۵﴾ اس دن کہ جب وہ آگ پر بھونے جائیں گے، ﴿۶﴾ ہم کہیں گے: اپنی شرارت کا مزہ چکھو، یہی وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کیا کرتے تھے، ﴿۷﴾ بے شک اللہ سے ڈرنے والے لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے، ﴿۸﴾ ان کو ان کے پروردگار نے جو عطا فرمایا ہوگا، وہ اسے لے رہے ہوں گے؛ (کیوں کہ) وہ اس سے پہلے نیک عمل کیا کرتے تھے، ﴿۹﴾ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے، ﴿۱۰﴾ اور رات کے آخری حصہ میں مغفرت کی دُعا کیا کرتے تھے، ﴿۱۱﴾ اور ان کے مال میں مانگنے والے اور (نہ مانگنے والے) تنگ دست شخص کا حصہ ہوتا تھا۔ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ یعنی تم کبھی رسول اللہ ﷺ کو جادوگر کہتے ہو، کبھی کہتے ہو کہ خود ان پر جادو کر دیا گیا ہے، کبھی دیوانہ کہتے ہو، کبھی شاعر، اسی طرح قرآن مجید کے بارے میں کبھی کہتے ہو کہ یہ کانہوں کا قول ہے، کبھی کہتے ہو کہ شاعری ہے، کبھی اس کو پہلوں کی کہانیاں اور داستانیں قرار دیتے ہو، کبھی کہتے ہو کہ آپ ﷺ نے اہل کتاب سے سیکھ لیا ہے اور کبھی آپ کی تصنیف قرار دیتے ہو۔ ﴿۲﴾ آیت نمبر: ۱۹ تا ۱۷ میں اہل جنت کے تین خصوصی اوصاف ذکر کئے گئے ہیں، اول یہ کہ وہ رات میں بہت کم سوتے ہیں، یعنی رات کا بڑا حصہ عبادت میں گذرتا ہے اور وہ تہجد کا اہتمام کرتے ہیں، دوسرے: رات کے آخری حصہ میں دُعاء و استغفار کیا کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ دُعا کی قبولیت کا وقت ہے؛ کیوں کہ اس وقت انسان تنہا اور یکسو ہوتا ہے، اللہ کی طرف توجہ میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ انہیں کیفیات کے ساتھ کی گئی دُعاؤں کو قبول فرماتے ہیں، غور کیا جائے تو یہ دونوں عمل اللہ کے ساتھ انسان کے تعلق کی علامت ہیں، جو لوگ دین سے دور اور خشیتِ الہی سے عاری ہوتے ہیں، ان کی رات کا ابتدائی حصہ شراب نوشی اور بے حیائی کے کاموں میں گذرتا ہے اور رات کا آخری حصہ سونے میں، تیسری صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ اپنے مال میں دوسروں کا حق محسوس کرتے ہیں، ان لوگوں کا بھی جو ان کے سامنے اپنی ضرورت رکھیں اور ان لوگوں کا بھی جو اگرچہ دستِ سوال نہ پھیلائیں؛ لیکن ضرورت مند ہوں، یعنی وہ ضرورت مند کے زبان کھولنے اور ہاتھ پھیلانے کا بھی انتظار نہیں کرتے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ﴿٦٠﴾ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٦١﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٦٢﴾ فَوَرَبَّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقُّ مِثْلٍ مَّا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ﴿٦٣﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٦٤﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۚ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٦٥﴾ فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَبِينٍ ﴿٦٦﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٦٧﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٦٨﴾

اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بھی بہت سی نشانیاں (موجود) ہیں، ﴿۶۰﴾ اور خود تمہاری ذات میں بھی، کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا ہے؟ ﴿۶۱﴾ اور تمہاری روزی اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ آسمان میں ہے، ﴿۶۲﴾ تو آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ (قرآن) اسی طرح یقینی ہے جیسے تمہارا باتیں کرنا، ﴿۶۳﴾ کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کے واقعہ کی خبر پہنچی ہے؟ ﴿۶۴﴾ جب (فرشتے) ان کے پاس آئے تو ان کو سلام کیا، ابراہیم نے بھی سلام کیا (اور دل ہی دل میں کہا: یہ تو کچھ انجانے لوگ ہیں، ﴿۶۵﴾ پھر اپنے گھر والوں کی طرف گیا اور ایک موٹا تازہ (بھنا ہوا) بچھڑا لے آیا، ﴿۶۶﴾ پھر اس کو ان کے سامنے پیش کیا، ابراہیم نے کہا: آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں؟ ﴿۶۷﴾ جب اس کے باوجود مہمانوں نے نہیں کھایا (تو ابراہیم دل ہی دل میں ان سے خوف کھانے لگے، مہمانوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں، (ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں) انھوں نے ابراہیم کو ایک دانش مند لڑکے کی خوشخبری سنائی۔ ﴿۶۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں کائنات میں بھی پھیلی ہوئی ہیں اور خود انسان کے وجود میں بھی، جن کو دیکھ کر اور جن میں غور کر کے انسان اپنے خدا کو پا سکتا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی تمہاری روزی اور جو چیزیں تمہیں دنیا و آخرت میں پیش آنے والی ہیں، کا فیصلہ زمین پر نہیں آسمان پر ہوتا ہے، یعنی جو کچھ آرام و تکلیف پہنچتا ہے، سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے؛ اسی لئے اس کی ایک تفسیر کی گئی ہے کہ یہ ساری چیزیں لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۴۱/۱۷)

﴿۳﴾ انسان سب سے زیادہ یقینی طور پر اس چیز کو جانتا ہے، جس کو وہ اپنے جسمانی اعضاء کے ذریعہ محسوس کرتا ہے، جیسے: دیکھنا، سننا، چکھنا، بولنا؛ لیکن بولنے کے علاوہ احساس بخشنے والے جو دوسرے افعال ہیں، وہ بھی بعض دفعہ مشتبہ ہو جاتے ہیں، جیسے دوری یا بینائی کی کمی کی وجہ سے دیکھنے میں فرق ہو جاتا ہے، کان کے بوجھل ہو جانے کی وجہ سے سننے میں غلطی ہو جاتی ہے، بیماری کی وجہ سے زبان کے چکھنے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے؛ لیکن انسان خود جو بولتا ہے، چاہے سننے والا اس کو اچھی طرح سمجھ نہ سکے؛ لیکن وہ خود اپنی بولی ہوئی بات اچھی طرح سمجھتا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بولنے کی مثال دی کہ جیسے تم کو اپنے ادا کئے ہوئے الفاظ اور کہی ہوئی بات کا یقین ہوتا ہے، قرآن مجید کا برحق ہونا اسی قدر یقینی ہے۔

فَأَقْبَلَ تِ امْرَأَتَهُ فِي صِرَٰةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿۵۹﴾ قَالُوا كَذَلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۶۰﴾

تو ابراہیم کی بیوی چلاتی ہوئی آئی اور اپنا منہ پیٹتے ہوئے کہنے لگی: ایک بانجھ بڑھیا (کو اولاد ہوگی؟) ﴿۵۹﴾ فرشتوں نے کہا: (ہاں) تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے، یقیناً اللہ بڑی حکمت والے اور خوب جاننے والے ہیں۔ ﴿۶۰﴾



قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۲۷﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۲۸﴾ لِنُرْسِلَ

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ﴿۲۹﴾ مَسْوَمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿۳۰﴾ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۲﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۳۳﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۴﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۳۵﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۳۶﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۳۷﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلْنَاهُ كَالرَّمِيمِ ﴿۳۸﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۳۹﴾

ابراہیم نے کہا: اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا مقصد کیا ہے؟ ﴿۲۷﴾ فرشتوں نے جواب دیا: ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں؛ ﴿۲۸﴾ تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں، ﴿۲۹﴾ جس پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نشان بھی لگے ہوئے ہیں، ﴿۳۰﴾ (یہ) حد سے گزر جانے والوں کے لئے ہیں، ﴿۳۱﴾ تو وہاں جو مسلمان تھے، ہم نے ان کو نکال لیا، ﴿۳۲﴾ تو ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا، ﴿۳۳﴾ اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں، ہم نے ان کے لئے اس بستی میں نشان (عبرت) چھوڑ دیا، ﴿۳۴﴾ اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے، ہم نے اس کو روشن دلیل دے کر فرعون کی طرف بھیجا، ﴿۳۵﴾ تو وہ اپنی قوت کے بل پر اُکڑ گیا اور کہنے لگا: یہ (موسیٰ) یا تو جادوگر ہے یا دیوانہ، ﴿۳۶﴾ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور وہ کام ہی ملامت کے لائق کیا کرتا تھا، ﴿۳۷﴾ اور عاد کے قصہ میں بھی نشانی ہے، جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی ہوا بھیج دی، ﴿۳۸﴾ وہ جس چیز پر بھی گزرتی، اس کو ریزہ ریزہ کر ڈالتی، ﴿۳۹﴾ اور ثمود میں بھی نشانی ہے، جب ان سے کہا گیا کہ تھوڑے دنوں میں عیش کر لو۔ ﴿۴۰﴾

﴿۱﴾ یہ حضرت ابراہیم ؑ کے پاس ان فرشتوں کے آنے کا ذکر ہے، جو حضرت لوط ؑ کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے تھے، اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آیت نمبر: ۳۴ میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ ان پر بطور عذاب جن کنکروں کی بارش ہوئی، ان پر ایک خاص طرح کا نشان موجود تھا، یہ عام سے کنکر نہیں تھے، یہ نشان کس قسم کا تھا؟ قرآن یا حدیث میں اس کا ذکر نہیں آیا ہے — یہ واقعہ سورۃ اعراف: ۸۰-۸۴ میں گزر چکا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی معجزہ دے کر۔

﴿۳﴾ حضرت موسیٰ ؑ اور فرعون کا ذکر سورۃ اعراف: ۱۰۴ اور اس کے بعد کی آیات میں گزر چکا ہے۔

﴿۴﴾ قوم عاد اور ان کی طرف بھیجے گئے پیغمبر حضرت ہود ؑ کا ذکر سورۃ اعراف: ۶۵-۷۲ میں آچکا ہے۔

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۳۷﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۳۹﴾ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُبْسِعُونَ ﴿۴۰﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمِهْدُونَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۲﴾ فَفِرُّوْا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۴۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۴۴﴾ كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ ﴿۴۵﴾ أَتَوَاصَوْا بِهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۴۶﴾

پھر وہ اپنے رب کے حکم کے مقابلہ سرکشی کرنے لگے تو ان کو ایک کڑک نے آ پکڑا اور وہ دیکھتے رہ گئے؛ ﴿۳۷﴾ چنانچہ تو وہ اٹھ سکے اور نہ بدلہ لے سکے، ﴿۳۸﴾ اور اس سے پہلے ہم نوح کی قوم کو بھی (ہلاک کر چکے)، وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے، ﴿۳۹﴾ اور ہم نے آسمانوں کو اپنی قدرت سے بنایا ہے، ﴿۴۰﴾ اور کوئی شک نہیں کہ ہم کو ساری قدرت حاصل ہے، ﴿۴۱﴾ اور زمین کو بھی ہم نے ہی بچھایا، تو ہم کیا ہی اچھے بچھانے والے ہیں، ﴿۴۲﴾ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کئے؛ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، ﴿۴۳﴾ تو اللہ ہی کی طرف دوڑو، میں تو اللہ کی طرف سے تم کو صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں، ﴿۴۴﴾ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بناؤ، یقیناً میں تم کو اللہ کی طرف سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں، ﴿۴۵﴾ اسی طرح ان سے پہلے کے لوگوں کے پاس بھی جو پیغمبر آئے تو انھوں نے یہی کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے، ﴿۴۶﴾ کیا یہ ایک دوسرے کو اسی کی وصیت کرتے آئے ہیں؟ ﴿۴۷﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب سرکش لوگ ہیں۔ ﴿۴۸﴾

﴿۱﴾ حضرت صالح ؑ اور ان کی قوم ثمود کا واقعہ سورہ اعراف: ۷۳-۷۹ میں آچکا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت نوح ؑ کا واقعہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: اعراف: ۵۹، ہود: ۲۶-۴۹۔

﴿۳﴾ اصل ترجمہ تو ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے؛ لیکن تقریباً ہر زبان میں ہاتھ کا استعمال طاقت و قوت کے معنی میں بھی ہوتا ہے، خاص کر عربی زبان میں یہ استعمال بہت عام ہے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے طاقت و قدرت کے معنی مراد لئے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۵۲/۱) اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

﴿۴﴾ یعنی دنیا کی ہر چیز اس طرح بنائی گئی ہے کہ ایک چیز کے مقابل دوسری چیز ہے، جیسے مرد و عورت، آسمان زمین، دن رات، روشنی تاریکی، صبح شام، (تفسیر قرطبی: ۵۳/۱) اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ جب ہر چیز جوڑا پیدا کی گئی تو دنیا کا بھی کوئی جوڑا ہونا چاہئے اور وہ ہے آخرت۔

﴿۵﴾ حقیقت میں ایسا نہیں ہے کہ ایک نسل نے دوسری نسل کو نبیوں کے انکار کی وصیت کی ہو؛ لیکن ان کا طرز عمل ایسا ہی ہے کہ گویا ایک نسل کے لوگوں نے مرتے وقت بعد کی نسل والوں کو انبیاء کی مخالفت پر جے رہنے کی نصیحت کی ہو۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ ﴿۵۷﴾ وَذَكَرْ فَإِنَّ الدِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۸﴾ وَمَا خَلَقْتُ  
الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۹﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونَ ﴿۶۰﴾ إِنَّ اللَّهَ  
هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۶۱﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا  
يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۶۲﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۶۳﴾

تو آپ ان سے منہ پھیر لیجئے، آپ پر کوئی الزام نہیں، ﴿۵۷﴾ اور سمجھاتے رہئے؛ کیوں کہ سمجھانا ایمان والوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، ﴿۵۸﴾ ہم نے جنات اور انسان کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، ﴿۵۹﴾ میں ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ کہ مجھے کھانا کھلائیں، ﴿۶۰﴾ یقیناً اللہ ہی روزی دینے والے، قوت والے اور زبردست ہیں، ﴿۶۱﴾ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ ان ظالموں کی بھی اسی طرح باری آنے والی ہے، جیسے ان کے ساتھیوں کی آپچی ہے؛ اس لئے وہ مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کریں، ﴿۶۲﴾ غرض کہ جس دن ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے، اس دن ان لوگوں کے لئے بڑی خرابی و بربادی ہے۔ ﴿۶۳﴾

﴿۱﴾ انسان سے اگرچہ اور بھی بہت سے کام متعلق کئے گئے ہیں؛ لیکن اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے، اب اصل عبادت تو وہ ہے جس سے اللہ کے سامنے عاجزی اور خضوع کا اظہار ہوتا ہو، جیسے: نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ و قربانی، اور دوسرے درجہ میں وہ تمام اعمال عبادت میں داخل ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی غرض سے اور اس کی رضا و خوشنودی کی نیت سے کئے جاتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ نے ماں باپ کو محبت کی نظر سے دیکھنے، (کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۳۳۹۴، نیز دیکھئے: الدر المنثور: ۲۵۸/۵) بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنے، (بخاری، کتاب النفقة، باب فضل النفقة علی الأهل، حدیث نمبر: ۵۰۳۹) یہاں تک کہ پودے لگانے جس سے جانور اپنی غذا حاصل کر لیں، (مسلم، کتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، حدیث نمبر: ۱۵۵۲) کو بھی صدقہ قرار دیا ہے، بعض اہل علم نے یہاں عبادت سے توحید کا معنی مراد لیا ہے، یعنی ہم نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری خدائی کو تسلیم کریں، (تفسیر قرطبی: ۵۵/۱۷) لیکن غور کیا جائے تو عقیدہ توحید پر ایمان اللہ کے سامنے تذلل اور عاجزی کا حصہ ہے؛ اس لئے اس میں تمام عبادتیں شامل ہیں اور ان میں اول درجہ توحید کا عقیدہ اور اس کا اقرار کرنا ہے۔







# سُورَةُ الطُّورِ

«سورہ نمبر : (۵۲)»

«رکوع : (۲)»

«آیتیں : (۴۹)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

’طور‘ اس پہاڑ کا نام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی، اس سورہ کے شروع ہی میں اس پہاڑ کی قسم کھائی گئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام طور ہے، اس سورہ کا آغاز قیامت کے ذکر سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ توحید، آخرت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت، آپ پر کئے جانے والے اعتراضات کا رد، اہل جنت پر انعامات اور اہل دوزخ پر عذاب وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور اخیر میں رسول اللہ ﷺ کو ذکر تسبیح کی تلقین کی گئی ہے۔

یہ ان سورتوں میں سے ہے جن کی رسول اللہ ﷺ نمازوں میں تلاوت کیا کرتے تھے، اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے بیت اللہ شریف کے بازو میں آپ ﷺ کو نماز پڑھنے کے دوران سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الطور، حدیث نمبر: ۴۵۷۲) نیز حضرت جُحیم بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں کچھ قیدیوں کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت فجر کی نماز ادا کر رہے تھے اور سورہ طور کی تلاوت میں مشغول تھے، جب آپ ﷺ آیت نمبر: ۷، ۸ پر پہنچے تو عذاب نازل ہونے کے خوف سے میں نے اسلام قبول کر لیا اور جب آپ ﷺ نے اس سورہ کی آیت نمبر: ۳۵، ۳۶ پڑھی تو ایسا لگا کہ میرا کلیجہ اڑ جائے گا۔ (الکشاف عن حقائق التنزیل: ۴/۱۱۲)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالطُّورِ ۝ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ۝ فِي رَقٍّ مَّنْشُورٍ ۝ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۝ وَالسَّعْفِ الْمَرْفُوعِ ۝  
وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ۝ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ  
مَوْرًا ۝ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ فَوَيْلٌ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ  
يَلْعَبُونَ ۝ يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَى نَارٍ جَهَنَّمَ دَعَاً ۝ هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝  
أَفَسِحْرُ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے طور (نامی پہاڑ) کی، (۱) اس کتاب کی جو کھلے ہوئے ورق میں لکھی ہوئی ہے، (۲) اور بیت المعمور کی، (۳) بلند چھت کی، (۴) اُلتے ہوئے دریا کی، (۵) کہ آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا، (۶) اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا، (۷) جس دن آسمان لرزے لگیں گے، (۸) اور پہاڑ چلنے لگیں گے، (۹) تو اس دن (دین حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے، (۱۰) جو بے ہودہ باتوں میں کھیل رہے ہیں، (۱۱) اس دن ان کو دھکے دے دے کر دوزخ کی آگ کی طرف لایا جائے گا، (۱۲) (اور ان سے کہا جائے گا:) یہی وہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، (۱۳) اب بھلا کیا یہ جادو ہے یا تم کو سوچتا نہیں ہے؟ (۱۴)

(۱) طور ایسے پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر پودے اُگا کرتے ہیں، یہ اس خاص پہاڑ کا نام بھی ہے جو مصر کے علاقہ سیناء میں واقع ہے، اسی پہاڑ پر حضرت موسیٰ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی تھی، اس خصوصی شرف کی وجہ سے اس پہاڑ کی قسم کھائی گئی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۵۸/۱۷)

(۲) ”رق“ ہرن وغیرہ کی جھلی کو کہتے ہیں، جس پر قدیم زمانہ میں لکھا جاتا تھا، یہاں ”رق“ میں لکھی ہوئی کوئی کتاب مراد ہے؟ اس سلسلہ میں تین باتوں کا امکان ہے، اول: خود قرآن مجید، گویا یہاں قرآن کی قسم کھائی جا رہی ہے، دوسرے: اس سے گذشتہ آسمانی کتابیں، جیسے تورات و انجیل وغیرہ، تیسرے: نامہ اعمال، جس میں شب و روز ہر انسان کا عمل لکھا جا رہا ہے، تینوں ہی معنی کی گنجائش ہے اور مفسرین سے تینوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۵۹/۱۷)

(۳) ”معمور“ کے معنی آباد کے ہیں، جیسے زمین میں کعبۃ اللہ ہے، اسی طرح آسمان پر گویا یہ فرشتوں کا کعبہ ہے، ہر دن ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے واقعہ معراج کی جو تفصیل منقول ہے، اس میں بھی اس کا ذکر آیا ہے کہ جب آپ ﷺ ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے اپنی پشت لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر: ۲۸۸/۴)

(۴) بلند چھت سے مراد آسمان ہے؛ چنانچہ خود قرآن مجید میں دوسری جگہ آسمان کو صراحتاً چھت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ”وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْفًا مَّحْفُوظًا“۔ (الانبیاء: ۳۲)

إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦﴾ إِنَّ  
الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿٧﴾ فُكِهَيْنَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۖ وَوَقَّاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ  
الْجَحِيمِ ﴿٨﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩﴾ مُتَّكِينَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ  
وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿١٠﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ  
ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلْتَنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾

اس میں داخل ہو جاؤ پھر صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے حق میں برابر ہے، ﴿۱﴾ تم جو کیا کرتے تھے تم کو اسی کا تو بدلہ مل رہا ہے، ﴿۶﴾ جو لوگ اللہ سے ڈرتے تھے، وہ بلاشبہ جنتوں اور نعمتوں میں رہیں گے، ﴿۷﴾ ان کو ان کے پروردگار نے جو نعمتیں دی ہیں، وہ اس پر خوش خوش ہوں گے اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، ﴿۸﴾ اپنے ان (نیک) کاموں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے، مزے سے کھاؤ پیو، ﴿۹﴾ وہ تختوں پر جو برابر میں بچھائے ہوئے ہیں، تکیے لگائے ہوں گے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کی شادی کر دیں گے، ﴿۱۰﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلتی رہی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ کر دیں گے، اور ہم ان کے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہیں کریں گے، ہر آدمی اپنے کئے ہوئے عمل کے بدلے گروں ہے۔ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ یعنی اگر صبر کرو گے تو ایسا نہ ہوگا کہ صبر کی وجہ سے کوئی حمد لی کی جائے اور چیخ پکار کرو گے تو ایسا نہیں ہوگا کہ اس سے متاثر ہو کے تم کو معاف کر دیا جائے۔

﴿۲﴾ انسان کو اس بات سے بھی خوشی ہوتی ہے کہ اس کے بچے اور اس کے خاندان کے لوگ اس کے ساتھ رہیں؛ لیکن جنت میں داخل ہونے کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری ہے؛ اس لئے مسلمانوں کے غیر مسلم رشتہ داروں کو تو جنت میں جگہ نہیں ملے گی؛ مگر جو مسلمان رشتہ دار ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے ساتھ کر دیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کے عمل کچھ کم بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ عدل کا معاملہ کرنے کے بجائے فضل کا معاملہ کرتے ہوئے انہیں جنت میں داخل کر دیں گے، اور ایسا بھی نہ ہوگا کہ ان کے اعمال کی کمی ان نیک لوگوں کے عمل سے پوری کی جائے، جن کے ساتھ ان کے رہنے کا انتظام کیا جائے گا؛ بلکہ ان کے عمل میں کمی کئے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں اونچا مقام عطا فرمادیں گے؛ البتہ ایمان نہ لانے والے لوگ جنت میں اس لئے داخل نہ کئے جاسکیں گے کہ اس معاملہ میں ہر شخص کے ساتھ اسی کے عمل کے لحاظ سے معاملہ کیا جائے گا، ایک کا ایمان دوسرے کے کام میں نہیں آئے گا، اس مضمون کی وضاحت حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت میں مومنوں کے خاندان کو درجہ کی ترقی دے کر ان کے ساتھ پہنچا دیں گے، چاہے خود ان کا عمل اس لائق نہ ہو؛ تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں: ”إِنَّ اللَّهَ لِيَرْفَعَ ذُرِّيَّةَ الْمُؤْمِنِ مَعَهُ فِي دَرَجَتِهِ فِي الْجَنَّةِ“۔ (مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الطور: ۴۴-۴۵)

وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٦﴾ يَتَنَّازَعُونَ فِيهَا كَأَنَّا لَا لَفُوفٌ فِيهَا وَلَا تَأْتِيهِمْ ﴿٢٧﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَكْنُونٌ ﴿٢٨﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٩﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَدْنَا عَذَابَ السُّمُومِ ﴿٣١﴾ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٣٢﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٣٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُّ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ﴿٣٤﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَرِبِينَ ﴿٣٥﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَخْلَا مُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٦﴾

اور ہم ان کی خواہش کے مطابق پھل اور گوشت عطا کرتے رہیں گے، ﴿۲۶﴾ وہ (تفریح کے طور پر) ایک دوسرے کے ہاتھ سے جھپٹ جھپٹ کر شراب کا جام حاصل کریں گے، نہ اس میں کوئی بے ہودہ بکواس ہوگی نہ کوئی گناہ کی بات، ﴿۲۷﴾ اور ان کے پاس ایسے کم عمر لڑکے آنا جانا کریں گے کہ گویا وہ غلاف میں رکھے ہوئے موتی ہیں، ﴿۲۸﴾ وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت بھی کریں گے، ﴿۲۹﴾ وہ کہیں گے: ”اس سے پہلے تو ہم اپنے گھر والوں میں (اللہ کے عذاب سے) ڈرتے رہتے تھے، ﴿۳۰﴾ تو اللہ نے ہم پر بڑا ہی احسان فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی گرم ہوا کے عذاب سے بچالیا، ﴿۳۱﴾ ہم پہلے اللہ سے دُعائیں کرتے رہتے تھے، یقیناً اللہ بڑے محسن اور مہربان ہیں، ﴿۳۲﴾ تو (اے پیغمبر) آپ سمجھاتے رہئے کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانے، ﴿۳۳﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں جن کے لئے ہم زمانہ کی گردش (یعنی حادثات) کا انتظار کر رہے ہیں؟ ﴿۳۴﴾ آپ فرما دیجئے: تم انتظار کرتے رہو، تمہارے ساتھ ساتھ میں بھی انتظار کر رہا ہوں، ﴿۳۵﴾ کیا ان کی عقلیں ان کو یہ بات سکھا رہی ہیں یا یہ ہیں ہی شریروگ؟ ﴿۳۶﴾

﴿۱﴾ عام طور پر جو لڑکے کم عمر ہوتے ہیں، ان کو دیکھ کر انسان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں؛ اسی لئے چھوٹے بچوں سے انسان کھیلتا اور تفریح کرتا ہے؛ چنانچہ اہل جنت کی خدمت اور میوے، کھانے، مشروبات لانے لے جانے کے لئے خوش شکل اور کم عمر لڑکوں کو وجود بخشا جائے گا، جو ہمیشہ اسی شکل و صورت کے ساتھ رہیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۶۹/۱۷)

﴿۲﴾ یعنی ہم دنیا میں غفلت اور لاپرواہی کی زندگی نہیں گزارتے تھے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر رہتے تھے۔

﴿۳﴾ کاہن کے معنی جیوتشی اور غیب کی خبر بتانے والے کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ آپ ﷺ دیوانہ بھی نہیں ہیں، اس اعتراض کا جواب دے دیا، جو آج بھی خدا کی معرفت سے محروم اور اسلام دشمنی سے معمور اہل مغرب نزول وحی کی کیفیت کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ یہ ایک دماغی عارضہ تھا، جس کا آپ ﷺ پر دورہ پڑا کرتا تھا، غور کیجئے کہ کوئی شخص مرگی اور جنون کے دورہ کی حالت میں اتنا بامعنی اور زبان و بیان کے اعتبار سے اتنا خوبصورت کلام پیش کر سکتا ہے!

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۸﴾ فَلْيَاثُورًا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۳۹﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخُلُقُونَ ﴿۴۰﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿۴۱﴾ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُضْطَرُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَبْعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَبْعُهُمْ بِسُلْطَنٍ مُبِينٍ ﴿۴۳﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبُنُونَ ﴿۴۴﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۴۵﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۴۶﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۷﴾

یا وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خود قرآن کو بنالیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ (اللہ پر) ایمان ہی نہیں رکھتے، ﴿۳۸﴾ تو اگر یہ سچے ہیں تو ان کو اسی طرح کا کوئی کلام پیش کرنا چاہئے، ﴿۳۹﴾ کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر اپنے آپ پیدا ہو گئے ہیں یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں، ﴿۴۰﴾ یا انھوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے، ﴿۴۱﴾ کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ لوگ داروغہ ہیں؟ ﴿۴۲﴾ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (آسمان کی باتیں) سن آیا کرتے ہیں، تو جو سننے والا شخص ہے، اس کو واضح دلیل پیش کرنی چاہئے، ﴿۴۳﴾ کیا اللہ کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے؟ ﴿۴۴﴾ کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟ ﴿۴۵﴾ یا ان کو غیب کا علم حاصل ہے، جسے وہ لکھ لیتے ہیں؟ ﴿۴۶﴾ یا یہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ تو یہ کافر خود ہی چال بازی (کے وبال میں) گرفتار ہو جائیں گے۔ ﴿۴۷﴾

﴿۱﴾ قرآن کا یہ چیلنج آج بھی ان لوگوں کے لئے باقی ہے، جو قرآن کو انسانی تصنیف سمجھتے ہیں اور اللہ کا کلام باور نہیں کرتے، مگر نہ اُس زمانہ میں کسی کو ہمت ہوئی کہ اس چیلنج کو قبول کرے، نہ آج کسی کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ قرآن کے مقابلہ کوئی کتاب پیش کرے۔ ﴿۲﴾ یعنی کائنات میں بہت سی چیزوں کا پیدا ہونا دلیل ہے کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہی پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

﴿۳﴾ اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کی طرف اشارہ تھا، اور آیت نمبر: ۳۷، ۳۸ میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے خزانہ کے مالک ہیں اور جیسے مادی اسباب اس کے خزانہ کا حصہ ہیں، اسی طرح نبوت کی صورت میں نعمت روحانی بھی اللہ تعالیٰ ہی کے خزانہ کا حصہ ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے خزانہ سے عطا کی جاتی ہے، اور اللہ جسے چاہیں اپنی نعمت سے نواز دیں، تو کیا اس خزانہ کے مالک یا اس کے نگران و ذمہ دار یہ ایمان نہ لانے والے حضرات ہیں کہ وہ جس کو چاہیں نبوت دیں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں، یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس سے عالم بالا تک پہنچ کر انھوں نے معلوم کر لیا ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

أَمْرٌ لَهُمُ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ تُسَبِّحُونَ ۝ وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ۝ فَذَرْهُمْ حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝

یا اللہ کے سوا ان کے کچھ اور معبود ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے شریک ٹھہرانے سے پاک ہے، ﴿۳۷﴾ اور اگر یہ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تب بھی کہیں گے کہ یہ تو تہہ بہ تہہ جما ہوا بادل ہے، ﴿۳۸﴾ تو آپ ان کو چھوڑ دیجئے، یہاں تک کہ وہ دن ان کے سامنے آجائے، جس میں یہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے، ﴿۳۹﴾ اس دن ان کی چالبازی ان کو کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ ان کو مدد ملے گی، ﴿۴۰﴾ اور ان ظالموں کے لئے اس عذاب سے پہلے ایک اور عذاب بھی ہے؛ لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے، ﴿۴۱﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر پر قائم رہئے، آپ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، ﴿۴۲﴾ نیز اُٹھتے وقت اپنے رب کی تعریف اور پاکی بیان کیجئے، ﴿۴۳﴾ اور رات کے کچھ حصہ میں نیز ستاروں کے ڈوب جانے کے بعد بھی اللہ کی تسبیح کیا کیجئے۔ ﴿۴۴﴾

﴿۱﴾ جب کسی انسان کے اندر ضد پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دشمنی و عناد کی وجہ سے سچائی کا انکار کرنے لگتا ہے تو پھر بڑی سے بڑی نشانی اس کو راستہ دکھانے سے قاصر رہ جاتی ہے؛ چنانچہ ان مشرکین کا حال یہ ہے کہ اگر آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی بطور معجزہ کے نیچے گرنے لگے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو محض تہہ بہ تہہ جما ہوا بادل ہے — ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے؟ اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ آپ ان کو نظر انداز کرتے رہئے اور کوشش کیجئے کہ ان سے الجھنے کی نوبت نہ آئے۔

﴿۲﴾ یعنی آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی وہ مختلف عذاب سے دوچار کئے جائیں گے، جو قحط، جنگ میں شکست اور قدرتی آفات کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔

﴿۳﴾ اس میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی و دل داری ہے کہ آپ ﷺ ان کی حرکتوں سے پریشان اور فکر مند نہ ہوں، آپ ﷺ پوری طرح ہماری حفاظت اور امان میں ہیں۔

﴿۴﴾ آیت نمبر: ۴۷، ۴۸ میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے اور خاص طور پر تین مواقع کا ذکر فرمایا گیا ہے، اول: اُٹھتے وقت، دوسرے: رات کے کچھ حصے میں، تیسرے: ستاروں کے ڈوب جانے کے بعد، — آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجلس سے اُٹھتے وقت ”سبحانک اللہم وبحمدک، أشهد أن لا إله إلا أنت، استغفرک وأتوب إلیک“ (اے اللہ! تیری ذات پاک اور قابل تعریف ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں آپ سے مغفرت چاہتا ہوں اور آپ ہی کی ←

← تو طرف توبہ کرتا ہوں) پڑھے گا اس مجلس میں جو بھی غلط بات کی ہو، اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے، (ترمذی، کتاب الدعوات باب ما یقول إذا قام من المجلس، حدیث نمبر: ۳۴۳۳) دوسرا معنی نماز کے لئے اُٹھنے کا ہو سکتا ہے کہ جب آدمی نماز کے لئے اُٹھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان کرے؛ چنانچہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ نماز کے لئے اُٹھتے وقت یہ کلمات پڑھے: ”اللہ اکبر کبیراً والحمد لله کثیراً، وسبحان الله بكرة وأصيلاً“ (اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے لئے بہت ساری تعریفیں ہیں، میں صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں) (تفسیر قرطبی: ۷۹/۱۷) تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب آدمی نیند سے بیدار ہو، اس وقت تسبیح پڑھے، حضرت عبادہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس موقع کے لئے یہ دُعا نقل کی ہے:

لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، والحمد لله وسبحان الله، والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله۔  
ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لئے تعریفیں ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ کی ذات پاک ہے، اللہ سب سے بڑے ہیں، طاقت اور سہارا اللہ ہی سے ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد مغفرت کی یا کسی اور بات کی دُعا کی جائے تو وہ قبول ہوگی، پھر اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو نماز بھی قبول ہو جائے گی، (بخاری، ابواب التہجد، حدیث نمبر: ۱۱۰۳) — رات میں تسبیح پڑھنے سے مراد یا تو ذکر و تسبیح ہی ہے یا نماز تہجد؛ کیوں کہ نفل نماز کو بھی تسبیح سے تعبیر کیا جاتا ہے — ستاروں کے ڈوبنے کے بعد تسبیح پڑھنے سے مراد فجر کی فرض نماز سے پہلے فجر کی دو رکعت سنت ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إدبار النجوم“ (ستاروں کے ڈوبنے کے بعد) سے مراد فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الطور، حدیث نمبر: ۳۷۷۵)





## سُورَةُ الْجَنَّةِ

«سورہ نمبر : (۵۳)

«رکوع : (۳)

«آیتیں : (۶۲)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کا آغاز ”ستارہ“ کی قسم کھانے سے ہوتا ہے اور ایسے ستارہ کی قسم کھائی گئی ہے، جو ڈوبنے کے قریب ہو؛ کیوں کہ ایسے ہی ستارہ سے سمت معلوم کی جاسکتی ہے اور اس کے ذریعہ سمندری اور ریگستانی سفر میں لوگ اپنا راستہ متعین کرتے ہیں، جب ستارہ بیچ آسمان میں ہوتا ہے، اس سے چلنے والوں کو سمت سفر کا علم نہیں ہوتا۔ اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ”والنجم“ ہے۔

اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ثابت کیا گیا ہے، بعض بتوں کے بارے میں نام لے لے کر بتایا گیا ہے کہ یہ معبود نہیں ہو سکتے، ستارہ کی اور فرشتہ کی بندگی کرنے سے منع کیا گیا ہے، سورہ کے شروع میں رسول اللہ ﷺ کے واقعہ معراج کا، عالم بالا کی غیبی حقیقتوں کے دیکھنے کا اور فرشتہ کا اس کی اصلی صورت میں دیدار کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ یہ پہلی سورہ ہے، جس کی آپ ﷺ نے حرم شریف میں اعلانیہ تلاوت فرمائی، (تفسیر قرطبی: ۸۱/۱۷) نیز یہ پہلی سورہ ہے، جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، جب آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا تو آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ مشرکین نے بھی سجدہ کیا؛ البتہ اُمیہ بن خلف اور بعض روایتوں کے مطابق ابولہب نے ایک مٹھی اٹھا کر اس کو اپنی پیشانی سے لگالیا اور کہنے لگا کہ یہی کافی ہے؛ چنانچہ بعد میں اُمیہ بن خلف کفر کی حالت میں مارا گیا۔ (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ والنجم: ۵۸۲/۴)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَّا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا  
وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے ستارے کی جب کہ ڈوبنے لگے! ۝ تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) نہ بھٹک گئے ہیں اور نہ بہک گئے ہیں، ۝ نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات کرتے ہیں، ۝ یہ (قرآن) تو وحی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے۔ ۝

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ فرمایا کرتے تھے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوا کرتا تھا، آپ ﷺ کی کبھی ہوئی باتوں میں سے بعض تو وہ ہیں، جن کے بارے میں آپ ﷺ نے صراحت فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ان کو حدیث قدسیٰ کہا جاتا ہے، یا جن کی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بات کا حکم دیا ہے، فلاں کام کو حلال یا حرام قرار دیا ہے اور فلاں عمل کو پسند یا ناپسند فرمایا ہے تو ایسی باتوں کا اللہ کی طرف سے ہونا بالکل واضح ہے، دوسرے: وہ باتیں ہیں جن کی آپ ﷺ نے صراحتاً اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کی ہے؛ لیکن ان کو انسان اپنی عقل اور فکر و اجتہاد کے ذریعہ نہیں سمجھ سکتا، جیسے: عبادات اور حلال و حرام کے احکام، آپ ﷺ کے زیادہ تر ارشادات اسی نوعیت کے ہیں، ان کا بھی اللہ کی طرف سے ہونا ظاہر ہے؛ کیوں کہ جب ان کو عقل کے ذریعہ نہیں سمجھا جاسکتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آپ ﷺ کو اس کا علم عطا کیا گیا ہوگا، تیسری قسم کی باتیں وہ ہیں جن کو آپ ﷺ نے اجتہاد کی بناء پر ارشاد فرمایا؛ لیکن اگر آپ ﷺ سے اجتہاد میں خطا ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرمادیتے، جیسا کہ بعض امور میں تنبیہ کی گئی، خود قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر نکیر نہ کیا جانا اس بات کی علامت ہے کہ وہی منشاء الہی ہے، چوتھی قسم کی بات وہ ہے جسے آپ ﷺ زبان حال سے فرمایا کرتے تھے، یعنی زبان سے تو آپ ﷺ نے کچھ نہیں کہا؛ لیکن آپ ﷺ نے عمل فرمایا، جیسے ایک صاحب نے نماز کا طریقہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو، (بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمساfragen، حدیث نمبر: ۶۰۵) یا آپ ﷺ کے سامنے کوئی بات کہی گئی اور آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی، یا آپ ﷺ کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، یہ خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے اس بات کو درست قرار دیا، تو یہ احکام بھی جو زبان حال سے دیئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں، گو یا رسول اللہ ﷺ نے دینی امور میں جو بھی احکام دیئے ہیں، وہ سب اللہ کی طرف سے القاء کی جانے والی تعلیمات پر مبنی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور کسی قول و فعل پر آپ ﷺ کی خاموشی جس کو حدیث و سنت کہتے ہیں، بھی شرعاً حجت ہے اور دین و شریعت کے احکام کا بڑا حصہ اسی دلیل شرعی پر مبنی ہے۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ ذُو مِرَّةٍ ۖ فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۚ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۚ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۚ أَفَتُمَدُّونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۚ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۚ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۚ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۚ إِذْ يَخْشَى الْبَسْطَةَ مَا يَخْشَى ۚ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۚ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۚ

اس کو بڑے طاقتور (فرشتے) نے تعلیم دی ہے، ﴿۱﴾ ﴿۵﴾ جو بڑا زبردست ہے، پھر وہ اپنی اصل صورت میں آکھڑا ہوا، ﴿۶﴾ حالت یہ تھی کہ وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا، ﴿۷﴾ پھر وہ نزدیک ہوا، پھر اور نزدیک آگیا، ﴿۸﴾ تو دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا، ﴿۹﴾ پھر اللہ کو جو کچھ نازل فرمانا تھا، اپنے بندے پر نازل فرمایا، ﴿۱۰﴾ پیغمبر نے جو کچھ دیکھا، ان کے دل نے اس میں کوئی جھوٹ نہیں ملایا، ﴿۱۱﴾ تو کیا تم پیغمبر سے ان کی دیکھی ہوئی چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ ﴿۱۲﴾ ﴿۲﴾ اور اس نے فرشتہ کو ایک اور دفعہ سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا تھا، ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ جس کے قریب ہی جنت المأویٰ ہے، ﴿۱۵﴾ اس وقت سدرۃ المنتہی پر جو چیز چھا رہی تھی، وہ چھا رہی تھی، ﴿۱۶﴾ پیغمبر کی نظر نہ ہٹی اور نہ حد سے آگے بڑھی، ﴿۱۷﴾ اس نے اپنے پروردگار کی بری بڑی نشانیاں دیکھیں۔ ﴿۱۸﴾ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ یعنی پیغمبر ﷺ پر اللہ کے کلام کو حضرت جبریل ﷺ جیسے طاقتور فرشتہ نے پہنچایا؛ اس لئے اس میں شیطان کی دخل اندازی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۶۰ سے ۱۲ تک حضرت جبریل ﷺ اور ان کے ذریعہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے کلام کے اُترنے کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عموماً حضرت جبریل ﷺ اُن دیکھی شکل میں یا کسی انسانی صورت میں وحی لے کر آیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب وہ انسانی شکل میں آتے ہیں تو زیادہ تر حضرت وحی کی صورت میں آتے ہیں؛ لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ اپنی اصل شکل میں آپ ﷺ کے سامنے آئے اور ایسا کم سے کم دو مرتبہ ہوا، پہلی بار کا واقعہ معراج سے پہلے کا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کی خواہش پر حضرت جبریل ﷺ آپ ﷺ کے سامنے اپنی اصل شکل میں ظاہر ہوئے، حضرت جبریل ﷺ آسمان کے کنارہ پر تھے، پھر زمین سے قریب ہوتے گئے اور رسول اللہ ﷺ سے اتنے قریب ہو گئے کہ آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان دو مکان کے برابر فاصلہ بھی باقی نہیں رہا، اس وقت اللہ تعالیٰ کو حضرت جبریل ﷺ کے ذریعہ آپ ﷺ پر جو آیات نازل کرنی مقصود تھیں، وہ آپ ﷺ پر نازل کی گئیں، رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کو اچھی طرح محفوظ کیا اور اس میں کوئی غلطی نہیں کی، پھر اہل مکہ سے فرمایا گیا کہ جو چیز پیغمبر نے اپنے سر کے آنکھوں سے دیکھی ہے کیا تم اس کا انکار کرتے ہو اور اس کو جھوٹ قرار دیتے ہو؟

﴿۳﴾ آیت نمبر: ۱۳ سے ۱۸ تک دوسری بار حضرت جبریل ﷺ کے دیکھنے کا ذکر کیا گیا، جو معراج کے موقع سے پیش آیا، ←

← اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت جبریل ﷺ کا یہ دیدار سدرۃ المنتہیٰ پر ہوا ہے، ”سدرۃ“ کے معنی بیری کے ہیں، اور ”منتہیٰ“ وہ مقام ہے جہاں کسی چیز کی انتہا ہو، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹے یا ساتویں آسمان پر ”سدرۃ المنتہیٰ“ واقع ہے، جو بیری کے درخت کی طرح ہے، فرشتوں کے لئے یہ آخری منزل ہے، یہیں اللہ کی طرف سے احکام اُترتے ہیں اور فرشتے اسے لے کر واپس آتے ہیں اور یہیں فرشتے انسان کے اعمال کو لے کر جاتے ہیں اور وہاں سے اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں، (مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ: ۱۷۳) بیری کے درخت کی طرح ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیا کے درختوں کی طرح ہے، بلکہ وہ عالم بالا کی شان کے مطابق ہے، سایہ اتنا گھنا ہے کہ سوار اس میں سو سال تک چلتا رہے اور پتنگے جو اس درخت پر گرتے ہیں، وہ سونے کے بنے ہوئے ہیں اور پھل مکھوں کے برابر ہیں، (ترمذی عن اسماء بنت ابی بکر، کتاب صفۃ الجنة: ۲۵۴۱) پھر سدرۃ المنتہیٰ کا محل وقوع بیان کیا گیا کہ وہیں پر جنت المآویٰ واقع ہے، مآویٰ کے معنی ٹھکانہ کے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ جنت عرش باری تعالیٰ کے دائیں جانب ہے، جنت المآویٰ سے کونسی جنت مراد ہے؟ قرآن اور حدیث میں اس کی وضاحت نہیں آئی ہے، مفسرین نے مختلف رائیں قائم کی ہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ وہی جنت ہے جو حضرت آدم ﷺ کا ٹھکانہ بنا تھا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ خاص جنت ہے، جس میں ایمان والوں کی روحیں رکھی جاتی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ یہاں شہداء کی روحوں کا قیام رہتا ہے، ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہی وہ جنت ہے کہ جس میں آخرت میں اہل جنت داخل کئے جائیں گے، بہر حال یہ ساری رائیں اندازہ پر مبنی ہیں، قرآن مجید سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ایک جنت ہے جس کا نام ”جنت المآویٰ“ ہے۔

آیت نمبر ۱۶: میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر جو چیز چھا رہی تھی، بس وہ چھا رہی تھی، مطلب یہ ہے کہ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر ایک ایسی خوشگوار چیز چھائی جا رہی تھی، جس کے حسن و جمال کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اللہ کا نور اسے ڈھانپنے جا رہا تھا، وہ ایسا تھا کہ کوئی شخص اسے دیکھ نہ سکتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۹۶/۱۷) — پھر فرما دیا گیا کہ پیغمبر کی نظر نہ دائیں بائیں ہوئی اور نہ مقررہ حد سے آگے بڑھی، یعنی جس چیز کے دیکھنے کی اجازت دی گئی، ان کو دیکھا اور آنکھ بھر کے دیکھا، اور جن کو دیکھنے کا حکم نہیں ہوا، وہاں نظر بھی نہیں ڈالی، پوری طرح اللہ کے حکم کے تابع بن کر رہے، اور اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیوں کا دیدار فرمایا، جیسے: انبیاء اور اچھے اور بُرے لوگوں کی روحیں، جنت اور دوزخ، رف رف کی سواری جو آپ ﷺ کو عرش کے قریب تک لے گئی۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہے کہ واقعہ معراج کے موقع سے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا؛ بلکہ آپ نے دو موقعوں پر حضرت جبریل ﷺ کو ان کی شکل میں دیکھا ہے، ان میں سے ایک موقع معراج کا تھا، (احکام القرآن للجد: ۴۱۲/۳) اور اس سورہ میں حضرت جبریل ﷺ ہی کے دیدار کا ذکر ہے، جمہور کا نقطہ نظر بھی یہی ہے؛ البتہ اس بات پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ اگرچہ دنیا میں انسان کو جو آنکھیں عطا کی گئی ہیں، وہ اس لائق نہیں ہیں کہ اللہ کا دیدار کر سکیں؛ لیکن آخرت میں اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا اور جب وہ اللہ کا دیدار کریں گے تو محسوس کریں گے کہ اب تک انھوں نے جو نعمتیں پائی تھیں، وہ سب اس کے مقابلہ میں بچ ہیں۔

اَفَرءَیْتُمُ اللّٰهَ وَالْعِزِّیَّ ﴿۱﴾ وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةِ الْاُخْرٰی ﴿۲﴾ اَلْکُمْ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی ﴿۳﴾ تِلْکَ اِذَا قِسْمَةُ ضِیْزِیَّ ﴿۴﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَبَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَّبِّهِمْ الْهُدٰی ﴿۵﴾ اَمْرٌ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمْنٰی ﴿۶﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُولٰٓئِ ﴿۷﴾

۱  
۵

بھلا تم نے لات، عزلی اور تیسرے کم وقعت منات کو دیکھا ہے؟ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے بیٹی؟ ﴿۴﴾ یہ تو بڑی نامنصفانہ تقسیم ہے، ﴿۲﴾ یہ تو محض کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے اس کی کوئی دلیل نہیں اُتاری، یہ صرف اٹکل اور اپنے نفس کی خواہشات پر چل رہے ہیں؛ حالاں کہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے، ﴿۵﴾ کیا انسان کی ہر تمنا پوری ہو جاتی ہے؟ ﴿۳﴾ ﴿۶﴾ آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ﴿۷﴾

﴿۱﴾ لات، منات اور عزلی یہ عرب کے تین بڑے بُت تھے، لات کا بُت قبیلہ بنو ثقیف میں تھا، جب بنو ثقیف نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے اس بُت کو منہدم کرنے کے لئے مکہ کے دو نو مسلم حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیجا، اہل طائف کی خواہش تھی کہ اس بُت کو ابھی برقرار رہنے دیا جائے اور اس کو منہدم کرنے کے لئے تین سال کی مہلت دی جائے، حضور ﷺ نے یہ شرط قبول نہیں کی، وہ لوگ گھٹاتے گھٹاتے اس مدت کو ایک مہینہ تک لے آئے، مگر آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول نہیں فرمایا اور آخر اس بُت کو توڑ دیا گیا، عزلی قریش اور بنو کنانہ کی دیوی سمجھی جاتی تھی، قریش اس بُت کا بڑا احترام کرتے تھے، یہ لات کے بعد بنائے گئے تھے، اس کے بنانے والے کا نام تھا ”ظالم بن اسعد“ اسلام کے بدترین دشمن ابولہب کا اصل نام ”عبدالعزی“ ہی تھا، یہ ذات عرق سے اوپر وادی نخله میں واقع تھا، اس مورقی کا استھان اس نے ایک مکان کی شکل میں بنایا تھا، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا کہ اس کو منہدم کر دیں، انھوں نے بُت خانے کو توڑ دیا اور بُت کو ریزہ ریزہ کر دیا، تیسرا بُت منات تھا، یہ عربوں کے گمان کے مطابق تقدیر کی دیوی تھی، یہ بُت مکہ اور مدینہ کے درمیان نصب تھا اور مشرکین مکہ کی نظر میں اس کا مرتبہ لات اور عزلی کے بعد تھا، فضیل، حُجاء اور بنو ہلال کے قبائل خاص طور پر اس کی پوجا کیا کرتے تھے، فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت علیؓ نے مسمار کر دیا۔

(خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۹۹/۱۷، تفسیر المنیر: ۱۰۹/۲۷، تفسیر ماجدی: ۷۵/۷، ۷۷)

﴿۲﴾ یعنی خود بیٹے چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں فرض کئے ہوئے ہو، یہ تو بڑی نامنصفانہ تقسیم ہے!

﴿۳﴾ لہذا اے مشرکین مکہ! تم جو یہ اُمید لگائے ہوئے ہو کہ یہ بُت دنیا یا آخرت میں تمہارے کچھ کام آجائیں گے، یہ غلط ہے، یہ تمہاری ایسی تمنا میں ہیں جو کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔

وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِّنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةً اِلٰنٰثٰى ﴿٢٨﴾ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٩﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلٰى ۚ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٠﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَن اهْتَدٰى ﴿٣١﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿٣٢﴾ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبِيْرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ اِلَّا اللَّيْمَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعٌ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجْنَثٌ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ۚ هُوَ اَعْلَمُ بِمَن اٰتٰى ﴿٣٣﴾

۲۷

آسمان میں بہت سے فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش بھی کچھ کام نہیں آسکتی، مگر اس کے بعد ہی کہ اللہ جس کے لئے چاہیں (سفارش کرنے کی) اجازت دے دیں اور اس پر راضی ہوں، ﴿۲۷﴾ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہ عورتوں کے نام سے فرشتوں کے نام رکھتے ہیں، ﴿۲۸﴾ ان کو اس کا کوئی علم نہیں، وہ محض بے بنیاد گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ایسا وہم و گمان حق کے معاملہ میں کچھ کام نہیں آتا، ﴿۲۹﴾ لہذا جو ہماری یاد سے روگردانی کرتا ہے اور صرف دنیوی زندگی کا طلب گار ہے، آپ بھی اس سے توجہ ہٹا لیجئے، ﴿۳۰﴾ ان کے علم کی یہی انتہا ہے، ﴿۳۱﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص سے خوب واقف ہیں، جو اللہ کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور اس کو بھی خوب جانتے ہیں جو درست راستے پر ہیں، ﴿۳۲﴾ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، وہ اللہ ہی کا ہے؛ تاکہ برے عمل کرنے والوں کو ان کے عمل کی سزا دے اور نیک عمل کرنے والوں کو بہتر اجر عطا فرمائے، ﴿۳۳﴾ جو لوگ ہلکے پھلکے گناہوں کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں (تو اللہ ان کو معاف کر دیتے ہیں) ﴿۳۴﴾ یقیناً اللہ خوب معاف کرنے والے ہیں، اللہ تم کو خوب جانتے ہیں، جب تم کو زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے؛ اس لئے اپنی پاکیزگی نہ جتاؤ، ﴿۳۵﴾ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ ہی اس سے بخوبی واقف ہیں۔ ﴿۳۶﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش اسی وقت قبول ہوگی کہ اللہ نے جس کو سفارش کرنے کی اجازت دی ہو، وہ سفارش کرے، اور اللہ تعالیٰ اس کے حق میں سفارش کرنے پر راضی بھی ہوں دنیا میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی بات پر راضی نہیں ہوتا؛ لیکن مصلحت یا دباؤ کے تحت اس کو قبول کر لیتا ہے، ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ قادر مطلق ہے۔

﴿۲﴾ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی مادی چیزوں کا علم کتنا بھی بڑھ جائے، اس سے انسان آخرت کی کامیابی کا نسخہ ←

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۖ وَاعْطَى قَلِيلًا ۖ وَأَكْذَى ۖ لَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَى ۖ أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ۖ وَابْرَاهِيمَ ۖ الَّذِي وَفَّى ۖ أَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۖ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۖ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا؟ ﴿۳۳﴾ تھوڑا سا دیا اور ہاتھ روک لیا، ﴿۳۴﴾ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے؟ ﴿۳۵﴾ کیا اُس کو ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ ﴿۳۶﴾ اور ابراہیم — جو پوری طرح اللہ کے احکام بجالائے — کے صحیفوں میں ہیں، ﴿۳۷﴾ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا؟ ﴿۳۸﴾ اور یہ بات کہ ہر انسان کو وہی ملے گا، جو اس نے کیا ہے۔ ﴿۳۹﴾

← نہیں جان سکتا؛ کیوں کہ اس علم کی انتہاء صرف مادی نفع و نقصان ہے، آخرت کے نفع و نقصان کے لئے وہ علم ضروری ہے، جو انبیاء کے ذریعہ انسانیت تک پہنچا ہے۔

﴿۳﴾ بڑے گناہوں سے مراد ایسے گناہ ہیں، جن کے لئے شرعی سزائیں مقرر ہوں یا جن کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت یا دوزخ کی وعید کی گئی ہو، اور ”لعمد“ سے دو طرح کے گناہ مراد ہیں، ایک: کبیرہ گناہوں کے مقابلہ نسبتاً کم درجہ کے گناہ، دوسرے: وہ گناہ جو اتفاقی طور پر کبھی کبھار ہو جائیں، انسان اس گناہ کا عادی نہ ہو۔ (تفسیر قرطبی: ۸/۱۷، ۱۰۷)

﴿۴﴾ زمین سے پیدا کرنے سے مراد انسان اول حضرت آدم ﷺ کی تخلیق ہے، جو مٹی کے ذریعہ ہوئی، یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کے وجود میں جو اجزاء پائے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر زمین ہی سے نکلنے والے ہیں، جیسے: مٹی، چونا، نمک، لوہا، پتھر اور پانی وغیرہ، پھر ہر انسان کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ سے ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ بہت ہی معمولی اجزاء سے تمہاری تخلیق ہوتی ہے؛ اس لئے تم سے کچھ نیکیاں ہو جائیں تو غرور میں مبتلا نہ ہو اور اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھ لگو کہ جو کچھ اچھا عمل کر لیتے ہو، وہ بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

﴿۱﴾ ولید ابن مغیرہ نے جب قرآن مجید کی آیتیں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سنے تو اسلام قبول کرنے کی طرف اس کا جھکاؤ ہوا، اس پر بعض مشرکین نے عار دلائی کہ تم اپنے باپ دادا کا دین کیوں چھوڑے جا رہے ہو؟ ولید نے کہا: مجھے اللہ کے عذاب سے خوف ہوتا ہے، مشرکین نے کہا: اگر تم کچھ مال ہمیں دے دو تو ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ اللہ کے عذاب کو ہم اٹھالیں گے اور تم اپنے مشرکانہ مذہب کی طرف واپس آ جاؤ؛ چنانچہ ولید نے اسی معاہدہ پر اپنا کچھ مال دے دیا، اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے تھوڑا سا دیا، یعنی ابھی تو پورا مسلمان بھی نہیں ہوا تھا، صرف دین حق کی طرف جھکاؤ پیدا ہوا تھا ”اور ہاتھ روک لیا“ سے مراد یہ ہے کہ ہدایت کی طرف بڑھنے کے بجائے شرک کی طرف واپس ہو گیا، پھر ارشاد ہوا کہ کیا اس کو غیب کا علم ہے کہ آخرت میں کوئی اور شخص اس کے عذاب کا بوجھ اٹھالے گا؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۷)



← ﴿۲﴾ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا ایمان دوسرے شخص کے کام نہیں آئے گا، ایسا نہیں ہے کہ ماں باپ کے ایمان لانے کی وجہ سے کافر اولاد کی اور اولاد کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کافر والدین کی مغفرت ہو جائے؛ البتہ اگر کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب کسی مسلمان کو پہنچایا جائے تو اس کو وہ ثواب پہنچے گا؛ چنانچہ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر گزرے ہوئے شخص کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اس کا ثواب پہنچے گا؛ چنانچہ حضرت سعد ابن عبادہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا میری والدہ کا انتقال ہو گیا، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، حضرت سعد نے پوچھا: کونسا صدقہ بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا: پانی کا انتظام، (نسائی، کتاب الوصایا: ۳۶۶۴) اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر انسان کوئی ایسا اچھا کام کر کے جائے، جس کا نفع بعد میں بھی لوگوں کو پہنچتا رہے، جیسے: مسجد بنادے، کنواں کھودوادے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں تو اس کا ثواب بھی اس کو پہنچتا رہے گا، اسی طرح کوئی شخص کوئی علمی خدمت چھوڑ کر جائے، جیسے اس نے شاگردوں کو پڑھایا ہو، کتابیں تصنیف کی ہوں، تعلیم و تصنیف کے ادارے قائم کئے ہوں اور بعد میں اس سے علمی نفع کا سلسلہ جاری رہے تو اس کا بھی ثواب اس کو ملتا رہے گا، حدیث میں صراحتاً اس کا ذکر موجود ہے، (مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ: ۱۶۳۱) اسی طرح دُعا بھی ایک عمل ہے، زندہ لوگوں کی دُعا مردوں کے کام آئے گی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا، جس کا نفع انسان کو موت کے بعد بھی ملتا رہے گا، ان میں دو چیزوں کا ذکر تو اوپر آچکا ہے، صدقہ جاریہ اور علم نافع اور تیسری چیز وہ صالح اولاد ہے، جو اپنے ماں باپ کے لئے دُعا کرے: ”وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَكَ“ (مسلم، کتاب الوصیۃ: ۱۶۳۱) اسی لئے قرآن مجید نے والدین کے لئے دُعا سکھائی ہے: ”رَبِّ اَرْحَمُهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا“ (الاسراء: ۲۴) اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی دُعاے مغفرت کی ترغیب دی گئی ہے: ”رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ“ (الحشر: ۱۰) بدنی عبادات میں سے حج کے بارے میں بھی قریب قریب اتفاق ہے کہ مردوں کے طرف سے کیا جاسکتا ہے، (المغنی: ۳/۲۴۴) مالکیہ حلالاں کہ بدنی عبادتوں سے ایصالِ ثواب کے قائل نہیں ہیں؛ لیکن ایصالِ ثواب کے لئے حج نفل کو وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۱۴) احناف اور جمہور کے نزدیک بدنی عبادتوں سے بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے؛ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ نے تفسیر مظہری میں متعدد احادیث و آثار نقل کئے ہیں، جن سے بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصالِ ثواب کا درست ہونا معلوم ہوتا ہے، (تفسیر مظہری: ۹/۱۲۶-۱۳۰) تلاوتِ قرآن کے علاوہ دوسری بدنی عبادتوں کا حکم بھی یہی ہوگا؛ چنانچہ حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی عبدالرحمن ابن ابی بکر ؓ کے لئے اعتکاف فرمایا، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۱۴) بعض احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ گزرے ہوئے شخص کی طرف سے نماز پڑھی جاسکتی ہے، روزہ رکھا جاسکتا ہے، (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز: ۸۴/۱۲۰) اس کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے لئے نماز، روزہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب کر سکتا ہے، (البحر الرائق: ۳/۱۰۵) اکثر مفسرین نے ربیع ابن انس ؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا تعلق ایمان نہ لانے والوں سے ہے، رہ گئے ایمان والے تو ان کو دوسرے کا عمل بھی کام آ سکتا ہے: ”وَأَمَّا الْبُؤْسُ فَلَهُ مَا سَعَى وَمَا سَعَى لَهُ غَيْرُهُ“ (قرطبی: ۱۷/۱۱۴) باوجودیکہ امام مالک ؒ وشافعی ؒ کے نزدیک اصولی طور پر بدنی عبادتوں کا ایصال نہیں ہو سکتا، پھر بھی علامہ قرطبی ؒ نے جو مالکی ہیں اور علامہ آلوسی ؒ نے جو شافعی ہیں، جمہور کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۱۴، روح المعانی: ۷۲/۶)

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۖ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۚ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ۚ وَأَنَّهُ خَلَقَ الذُّجَيْنَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۚ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۚ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشَاطَ الْأُخْرَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشُّعْرَىٰ ۚ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۚ وَثَمُودًا فَمَا أَبْقَىٰ ۚ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ۚ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ۚ فَغَشَّيْهَا مَا غَشَّىٰ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ۚ هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذْرِ الْأُولَىٰ ۚ أَزِفَتِ الْأَرْفَةُ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۚ

اور جلد ہی اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور یہ کہ (تمام انسانوں کو) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے، وہی ہنساتا اور رلاتا ہے، مارتا اور زندگی عطا کرتا ہے، وہی دونوں قسمیں نر اور مادہ کو نطفے سے بناتا ہے، جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے، اور یہ بات کہ اسی کے ذمہ دوبارہ پیدا کرنا ہے، اور یہ کہ وہی دولت مند بناتا اور مفلس بناتا ہے، اور یہ کہ وہی شعریٰ نامی ستارے کا بھی پروردگار ہے، اور یہ کہ اسی نے قدیم قوم عاد کو ہلاک کیا، اور ثمود کو بھی کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا، اور اس سے پہلے قوم نوح کو بھی، جو سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے، اور اُلٹی ہوئی بستیوں کو تھنڈا، پھر اس پر چھایا جو چھایا، تو (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرتا رہے گا؟ یہ (محمد ﷺ) پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں، قیامت قریب آپکی ہے، اللہ کے سوا کوئی اسے ہٹا نہیں سکتا۔

﴿۱﴾ شعریٰ آسمان کا بہت روشن ستارہ ہے، عرب اس کی پوجا کیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس کی پوجا کا آغاز ابن ابی کبشہ جو نانیہال کی طرف سے آپ ﷺ کے خاندانی بزرگوں میں تھے سے ہوا، خاص طور پر قبیلہ خزاعہ اور حمیر کے لوگ اس کے پرستاروں میں تھے، (تفسیر قرطبی: ۱۱۶/۱۷) چون کہ ستارہ بلندی پر ہوتا ہے اور اس کی بڑھی ہوئی روشنی اور زیادہ متاثر کرتی ہے؛ اسی لئے خاص طور پر فرمایا گیا کہ اس ستارہ کی روشنی اور اس کی فضا میں بلندی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ تمہارا معبود ہے؛ بلکہ اس کے پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

﴿۲﴾ عاد ابن ارم کی اولاد کی طرف حضرت ہود ﷺ بھیجے گئے، پھر اس عاد کی اگلی نسل سے قوم ثمود کا تعلق ہے، جس کی طرف حضرت صالح ﷺ بھیجے گئے؛ اسی لئے قوم عاد کو عاد اولیٰ اور قوم ثمود کو عاد ثانی کہا جاتا ہے۔

﴿۳﴾ اس سے قوم لوط کی آبادی مراد ہے، جس کو اُلٹ دیا گیا اور پھر اس پر پتھر کی ایسی بارش ہوئی، جو گویا اس بستی پر چھا گئی، — آیت نمبر: ۳۸ سے ۷۴ تک ان باتوں کا بیان ہے، جو حضرت ابراہیم ﷺ اور حضرت موسیٰ ﷺ کے صحیفوں میں ذکر کی گئی ہیں۔

ج ۲

أَفَيْنَ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنْتُمْ سَيِّدُونَ ﴿٦١﴾  
فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

سجدة ۱۲

(اے ایمان نہ لانے والو! کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو؟ ﴿۵۹﴾ ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ ﴿۶۰﴾ اور تم کھیل کود میں پڑے ہوئے ہو، ﴿۶۱﴾ اب تو اللہ کے سامنے جھک جاؤ اور عبادت کرو۔ ﴿۶۲﴾)





## سُورَةُ الْقَمَرِ

«سورہ نمبر : (۵۴)

«رکوع : (۳)

«آیتیں : (۵۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

’قمر‘ کے معنی چاند کے ہیں، اس سورہ کے شروع ہی میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا ذکر آیا ہے، جو آپ کے معجزہ کے طور پر تھا؛ اسی لئے اس سورہ کا نام سورہ قمر ہے، یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے زمانہ حج میں منیٰ کے میدان میں ظاہر ہوا، بظاہر یہ سورہ بھی ان ہی دنوں میں نازل ہوئی ہوگی، اس سورہ میں قیامت کے قریب ہونے کا، معجزہ شق القمر کا اور اس سلسلہ میں مشرکین کے بے جا انکار اور تکرار کا ذکر کیا گیا ہے۔

قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم فرعون کے انکار اور ان پر اللہ کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے ہر واقعہ کے اخیر میں فرمایا گیا ہے کہ تم نے دیکھ لیا کہ میرا عذاب اور ڈرانا کس طرح واقع ہوا ہے اور ہم نے تو قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ”فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ، وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ“ (القمر: ۲۱، ۲۲) آخری آیات میں اس کا سناتی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو توازن اور ایک قانون کے تحت پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے احکام کو نافذ کرنے میں لمبے چوڑے وقت کی ضرورت نہیں پڑتی؛ بلکہ پلک جھپکتے ہی منشاء ربانی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ (آیت نمبر: ۴۹، ۵۰)

حضرت ابو واقد لیشی ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید اور بقر عید میں سورہ قح اور اس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے — اس سے ان مضامین کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں ذکر فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب ما یقر بہ فی صلاۃ العیدین، حدیث نمبر: ۸۹۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۝ وَانْشَقَّ الْقَبْرُ ۝ وَانْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَبِرٌّ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قیامت قریب آن پہنچی اور چاند شق ہو گیا، ۝ یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو جادو ہے، جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ ۝ (۱) ﴿۲﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ ہجرت فرمانے سے پانچ سال پہلے حج کے موقع پر منیٰ میں قریش نے آپ ﷺ سے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا، یہ چودہویں شب تھی، جس میں چاند پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہوتا ہے اور مکمل ہوتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا حراء پہاڑ کی ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف نظر آنے لگا، لوگوں نے اسے اچھی طرح دیکھا اور پھر فوراً ہی دونوں حصے آپس میں مل گئے، امام ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دس صحابہ سے یہ روایت منقول ہے اور یہ تو اتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے، کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا، (احکام القرآن للجصاص: ۳/۴۱۴) مشہور مفسر علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور میرے نزدیک بھی درست بات یہی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ معجزہ تو اتر سے ثابت ہے، (روح المعانی: ۷/۲۷۷) اور احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض اتفاقی واقعہ نہیں تھا؛ بلکہ معجزہ تھا؛ کیوں کہ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ سے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا، جب کہ یہ دونوں ٹکڑے حراء کی دونوں جانب تھے، (بخاری، کتاب المناقب، باب سوال المشرکین الخ: ۳۴۳۸) قرآن مجید نے خود بھی اس واقعہ کو آیت نمبر: ۲ میں نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور قرآن مجید میں عام طور پر آیات سے احکام، کائنات اور انسان کے وجود میں پھیلی ہوئی قدرت کی نشانیاں اور معجزات مراد لئے جاتے ہیں۔

ویسے تو جو باتیں اللہ کے حکم سے واقع ہوتی ہیں، عقلی اعتبار سے ان کے ممکن اور ناممکن ہونے کی بحث بے محل معلوم ہوتی ہے، انسان کے عاجز وجود کے لئے ممکن اور ناممکن کی تقسیم درست ہے؛ لیکن جس کے پاس تمام قدرتوں کا خزانہ ہے، اس کے لئے ممکن اور ناممکن کیا ہے؟ یہ تو ذرہ کو آفتاب پر اور قطرہ کو سمندر پر قیاس کرنے کے مترادف ہے؛ البتہ بعض اہل علم نے عقلی اعتبار سے بھی اس کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس طرح کہ ممکن ہے کہ چاند کے اندر زمین کی طرح آتش فشانی مادہ موجود ہو اور چاند کے وسط میں پایا جانے والا یہ مادہ اس قوت کے ساتھ پھٹ پڑا ہو کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں اور پھر ان دونوں ٹکڑوں میں جو قوت کشش ہے، اس نے ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچا ہو اور اس طرح وہ دوبارہ مل گئے ہوں۔ (خلاصہ از: تفہیم القرآن: ۵/۲۳۰)

یہاں پر معجزہ شق القمر کا ذکر کر کے دو حقیقتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا، ایک تو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کہ یہ ایک واضح معجزہ تھا، جو آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا، دوسرے: مشرکین کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ کائنات کا یہ نظام جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے، اس میں تبدیلی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے، یہ کیسے ہوگا کہ سورج اور چاند لپیٹ دیئے جائیں، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں، پوری دنیا کی زمین ایک ہموار اور چٹیل زمین بن جائے اور قیامت قائم ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے چاند کے ٹکڑے کر کے مشرکین کو دکھا دیا کہ کائنات کی ←

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقَرٌّ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۖ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۖ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ يُدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نُّكْرٍ ۖ خُشْعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُنتَشِرٌ ۖ مَهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمُ عَسِيرٍ ۙ كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدَجَرَ ۙ فَدَعَا رَبُّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۙ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَرٍ ۖ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۖ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوَاحِ وَدُسِّرَ ۖ

انہوں نے جھٹلایا، اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام (وقت مقررہ تک کے لئے) ٹھہرا ہوا ہے، (۱) اور ان کو (گزشتہ لوگوں کے) ایسے حالات پہنچ چکے ہیں جن میں عبرت، (۲) اور (انتہائی عقل و حکمت کی بات ہے، پھر بھی یہ متنبہ کرنے والی چیزیں ان کے لئے مفید نہ ہو سکیں، (۳) تو آپ بھی ان کی پرواہ نہ کیجئے، جس دن پکارنے والا (فرشتہ) ان کو ایک ناخوشگوار چیز کی طرف بلائے گا، (۴) تو ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اس طرح قبروں سے نکلیں گے جیسے بکھری ہوئی ٹڈیاں، (۵) بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جارہے ہوں گے، ایمان سے محروم لوگ کہیں گے کہ یہ تو بڑا کٹھن دن ہے، (۶) ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے؛ چنانچہ اس نے ہمارے بندے (نوح) کو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور ان کو دھمکی دی گئی، (۷) پس، نوح نے اپنے رب سے دُعا کی کہ میں (ان کے مقابلہ میں) کمزور ہوں؛ اس لئے آپ ہی ان سے بدلہ لے لیجئے، (۸) چنانچہ ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دہانے کھول دیئے، (۹) اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے، پھر اس کام (یعنی عذاب) کے لئے پانی جمع ہو گیا، جو (پہلے سے) طے تھا، (۱۰) اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی کشتی پر سوار کر دیا۔ (۱۱)

← ان بڑی بڑی چیزوں میں اللہ کے حکم سے کسی تبدیلی کا پیدا ہونا چنداں دشوار نہیں — اس معجزہ پر بجائے اس کے کہ اہل مکہ ایمان لے آتے، کہنے لگے: یہ بھی ایک جادوگری ہے اور جادوگری تو ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں — ”مستمر“ کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ ایک جادو ہے جو ختم ہو جائے گا، اس کا اثر زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہے گا، مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے اسی معنی کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے۔

﴿۱﴾ یعنی یہ مشرکین جھٹلا کر یہ نہ سمجھیں کہ ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی، پکڑ ضروری ہوگی؛ البتہ وقت کا انتظار ہے؛ کیوں کہ ہر کام اللہ کے مقرر کئے ہوئے وقت پر ہی ہوتا ہے۔



تَجْرِبِي بِأَعْيُنِنَا ۚ جَزَاءُ لِمَنْ كَانَ كُفِرًا ۝ وَلَقَدْ تَرَكُنَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ ۚ كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ۝

جو ہماری آنکھوں کے سامنے تیر رہی تھی، ﴿۱﴾ نوح کے ساتھ جو نافرمانی کی گئی، یہ اسی کا بدلہ تھا، ﴿۲﴾ اور ہم نے اس کو ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ﴿۳﴾ تو (غور کرو) کہ کیسا ہوا میرا عذاب اور کیسی رہیں میری تنبیہات؟ ﴿۴﴾ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ﴿۵﴾ عادی نے بھی (اپنے پیغمبر کو) جھٹلایا تو (عبرت حاصل کرو کہ) میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا؟ ﴿۶﴾ ہم نے ان پر نہ ختم ہونے والی نحوست بھرے دن میں تیز آندھی چلائی، ﴿۷﴾ جو لوگوں کو جڑوں سے اُکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنوں کی طرح اُکھاڑ پھینک رہی تھی۔ ﴿۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھی۔

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں اس کا ریکارڈ محفوظ کر دیا؛ تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کشتی نوح کے کچھ آثار باقی تھے جس کو اُمت محمدیہ کے ابتدائی دور میں دیکھا گیا، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۳۳) — حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی تفصیل سورہ ہود: ۲۶-۴۹ میں گزر چکی ہے۔

﴿۳﴾ ذکر کے ایک معنی تو نصیحت کے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے کہ ایک طرف اپنے زمانہ کے بڑے بڑے اہل علم و دانش اس کی معنویت پر حیرت زدہ ہیں اور اسے ایک ایسا سمندر پاتے ہیں کہ جب بھی کوئی علم و تحقیق کا غوطہ زن اس میں اُترتا ہے تو وہ اس میں سے لعل و گہر لے کر ہی واپس ہوتا ہے، اور دوسری طرف قرآن مجید کا پیغام اتنا واضح ہے کہ عامی سے عامی، کم تعلیم یافتہ بلکہ غیر تعلیم یافتہ شخص بھی اس کے مضامین کو سن لے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ میرے مالک کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے؛ اسی سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن مجید آسان ہے؛ لیکن یہ آسانی نصیحت حاصل کرنے کے اعتبار سے ہے؛ قرآن مجید کی تفسیر اور اس سے اخذ و استنباط کرنے کا کام آسان نہیں، اس کے لئے قرآن و حدیث سے گہری واقفیت، سلف صالحین کے علوم سے آگہی اور عربی زبان و ادب کی رمز شناسی بھی ضروری ہے — ذکر کا ایک اور معنی حفظ سے کیا گیا ہے، ایسی صورت میں اس کے معنی ہوں گے کہ ہم نے قرآن کو زبانی یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۳۴) اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آج دنیا میں کسی شہر اور قصبہ میں پہنچ جائیں، اگر وہاں مسلمانوں کی آبادی ہو تو کچھ نہ کچھ حفاظ قرآن مل جائیں گے، اگر پوری دنیا کا حساب کیا جائے تو حفاظ کرام کی تعداد لاکھوں میں ہوگی، دنیا کی کسی مذہبی اور غیر مذہبی کتاب کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے کہ کوئی اس پوری کتاب کا حافظ ہو، یہاں تک کہ اس کو ایسے لوگوں نے بھی حفظ کر لیا ہے، جو عربی زبان کے ایک لفظ سے بھی واقف نہیں ہیں۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ﴿١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿٢﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٣﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِثَّنَا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ إِنَّا إِذَا لَفِئَ صُلْبٍ ﴿٤﴾ وَسُعُرٍ ﴿٥﴾ ءَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٦﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَنِ الْكَذَّابُ الْآشِرُ ﴿٧﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٨﴾ وَنَبِّئُهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُحْتَضَرٌ ﴿٩﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ﴿١٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿١١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿١٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿١٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ﴿١٤﴾

تو غور کرو کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ ﴿۱﴾ اور ﴿۲﴾ پھر خبردار کیا جاتا ہے کہ ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے، تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۳﴾ ثمود نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلایا، ﴿۴﴾ وہ کہنے لگے: بھلا ہم اپنے ہی میں سے ایک آدمی کی پیروی کرنے لگیں؟ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ ایک بڑی غلطی اور دیوانگی ہوگی، ﴿۵﴾ کیا ہم میں سے اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؛ بلکہ یہ سخت جھوٹا اور شیخی بگھاڑنے والا شخص ہے، ﴿۶﴾ عنقریب کل انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا؟ ﴿۷﴾ اللہ نے فرمایا: (اے صالح!) ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی کو نکالنے والے ہیں تو آپ ان کو دیکھتے رہئے (کہ وہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟) اور صبر سے کام لیجئے، ﴿۸﴾ نیز ان کو خبردار کر دیجئے کہ ان کے درمیان پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے تو ہر ایک (باری والے) کو باری پر ہی آنا چاہئے، ﴿۹﴾ تو ان لوگوں نے اپنے ساتھی کو بلایا، اس نے دست درازی کی اور (اونٹنی کو) مار ڈالا، ﴿۱۰﴾ تو (غور کرو کہ) کیسا رہا میرا عذاب اور کیسی ہوئیں میری تنبیہات؟ ﴿۱۱﴾ پھر ہم نے ان پر ایک ہی زبردست چیخ بھیجی، تو وہ کانٹوں کی روندی ہوئی باڑ کی طرح ہو گئے، ﴿۱۲﴾ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟ ﴿۱۳﴾ لوط کی قوم نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا تھا، ﴿۱۴﴾ اور ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسا دیا، سوائے لوط کے گھر والوں کے کہ ہم نے ان کو خیر رات میں بچا لیا۔ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ قوم عاد پر عذاب کا ذکر سورہ اعراف: ۶۵-۷۲ میں آچکا ہے — نحوست بھرے دن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی وقت

منخوس ہوتا ہے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ دن ان کے گناہوں کا منخوس اثر لے کر آیا۔

﴿۲﴾ حضرت صالح ؑ اور قوم ثمود کے تذکرہ کے لئے دیکھئے: اعراف: ۷۳-۷۹۔

نِعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ﴿٥٤﴾ وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِي ﴿٥٦﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقَرٌّ ﴿٥٧﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِي ﴿٥٨﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَكِّرٍ ﴿٥٩﴾ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٦٠﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٦١﴾ أَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَِّكُمْ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٦٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرُونَ ﴿٦٣﴾

یہ ہماری مہربانی تھی، ہم شکر ادا کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿٥٤﴾ اور لوط ان کو ہماری پکڑ سے باخبر کر چکے تھے تو وہ خبر دینے والوں ہی سے جھگڑنے لگے، ﴿٥٥﴾ اور وہ لوگ لوط کو ان کے مہمان کے بارے میں پھنسلانے لگے تو ہم نے ان کی آنکھیں چوٹ کر دیں، ﴿٥٦﴾ (اور کہا کہ) اب میرے عذاب کا اور ڈرانے کا مزہ چکھو، ﴿٥٧﴾ اور صبح سویران پر نہ ٹلنے والا عذاب آپہنچا، ﴿٥٨﴾ تو (ہم نے کہا:) اب میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھ ہی لو، ﴿٥٩﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی ہے سمجھنے والا؟ ﴿٦٠﴾ اور فرعون کے لوگوں کے پاس باخبر کرنے والے آئے، ﴿٦١﴾ انھوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلادیا؛ اس لئے ہم نے ان کو اس طرح پکڑا جیسے ایک زبردست اور طاقت والا شخص پکڑتا ہے، ﴿٦٢﴾ (اے مشرکین مکہ!) کیا تمہارے ایمان نہ لانے والے تمہارے اُن ساتھیوں (یعنی گزشتہ کافروں) سے (طاقت میں) بہتر ہیں یا تمہارے لئے پہلی کتابوں میں معافی کا حکم لکھ دیا گیا ہے؟ ﴿٦٣﴾ یا یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت غالب ہی رہے گی؟ ﴿٦٤﴾

﴿٥٤﴾ یعنی جب قوم لوط نے مہمانوں کی شکل میں آنے والے فرشتوں کو اپنا نشانہ بنانا چاہا تو ان کی آنکھوں کو اس طرح مٹا دیا گیا کہ وہ چہرہ کے برابر ہو گئیں، یا یہ صورت ہوئی کہ وہ اندھے بنادیئے گئے، یا ایسا ہوا کہ وہ حضرت لوط ؑ کے گھر میں داخل ہوئے؛ لیکن انسانی شکل میں آنے والے فرشتے ان کو نظر نہیں آئے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۴۴) بہر حال قرآن کے الفاظ کے لحاظ سے ان میں سے پہلی صورت زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

﴿٥٥﴾ حضرت لوط ؑ اور ان کے واقعہ کے لئے دیکھئے: اعراف: ۸۰-۸۴۔

﴿٥٦﴾ حضرت موسیٰ ؑ اور قوم فرعون کا واقعہ کئی جگہ آچکا ہے۔

﴿٥٧﴾ یعنی گزشتہ قومیں جو اللہ کے عذاب سے دوچار ہو چکی ہیں، وہ تم سے زیادہ طاقتور تھیں؛ لیکن انھیں کوئی چیز نہیں بچا سکی، تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی طاقت کے بل پر اللہ کی پکڑ سے بچ جاؤ گے؟

سَيَهْرَمُ الْجَنُوعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ﴿٥٤﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذًى وَأَمْرٌ ﴿٥٥﴾ إِنَّ  
الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٥٦﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُقُوا مَسَّ  
سَقَرٍ ﴿٥٧﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٥٨﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٩﴾ وَلَقَدْ  
أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿٦٠﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٦١﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ  
مُسْتَظَرٌّ ﴿٦٢﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿٦٣﴾ فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٦٤﴾

۲۷

عنقریب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے، ﴿۱﴾ لیکن ان کے وعدہ کا  
(اصل) وقت قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور نہایت کڑوی ہے، ﴿۲﴾ یقیناً مجرم لوگ بڑی غلطی اور بے عقلی  
میں مبتلا ہیں، ﴿۳﴾ اس دن کو یاد کیجئے، جس دن یہ اوندھے منہ دوزخ میں گھیٹے جائیں گے، (ان سے کہا جائے گا):  
اب آگ میں جلنے کا مزہ چکھو، ﴿۴﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے، ﴿۵﴾ اور ہمارا کام تو بس  
پلک جھپکتے پورا ہو جاتا ہے، ﴿۶﴾ اور ہم تو تمہارے ہم مذہبوں کو ہلاک کر چکے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ ﴿۷﴾  
یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں، سب نامہ اعمال میں ہے، ﴿۸﴾ اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے، ﴿۹﴾ جو لوگ اللہ سے  
ڈرنے والے ہیں، وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے، ﴿۱۰﴾ یعنی عزت والی جگہ میں، جو ایسے بادشاہ کے پاس ہوگی،  
جو بے حد قدرت و طاقت والا ہے، (یعنی اللہ تعالیٰ)۔ ﴿۱۱﴾

﴿۱﴾ اس آیت میں غزوہ بدر کی طرف اشارہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اہل مکہ تعداد کے زیادہ ہونے  
کے باوجود شکست سے دوچار ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت آپ ﷺ پر بدر کے واقعہ سے سات  
سال پہلے نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۴۶/۱۷) پس یہ آیت ایک پیشین گوئی ہے، جو اس کے نازل ہونے کے وقت ناقابل یقین تھی؛  
لیکن چند ہی سال کے عرصہ میں حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

﴿۲﴾ یعنی ان کو ان کے جرم کی اصل سزا آخرت میں ملے گی۔



# سُورَةُ الرَّحْمَنِ

«سورہ نمبر : (۵۵)

«رکوع : (۳)

«آیتیں : (۷۸)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’رحمن‘ کے معنی بے حد مہربان کے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مبارک صفت ہے، اس سورہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی اسی صفاتی نام سے ہوتا ہے، اسی لئے اس کا نام سورہ الرحمن ہے۔

اگرچہ بعض اہل علم نے اس سورہ کو مدنی قرار دیا ہے؛ لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور اس سلسلہ میں دو حدیثیں بہت واضح ہیں :

اول یہ کہ صحابہ نے آپس میں گفتگو کی کہ قریش مکہ نے آج تک قرآن کو زور سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا ہے تو کون شخص ہے جو ان کو قرآن سنائے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ میں سناؤں گا، صحابہ نے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ تمہارے ساتھ زیادتی کریں، ہماری مراد ہے کہ وہ شخص قرآن سنائے، جس کا خاندان یہاں موجود ہو؛ تاکہ وہ ان کی حفاظت کرے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اصلاً مکہ کے متوطن نہیں تھے، مگر حضرت ابن مسعودؓ اپنی رائے پر قائم رہے، اور مقام ابراہیم میں کھڑے ہو کر باواز بلند سورہ الرحمن کی تلاوت شروع کر دی، قریش نے پہلے تو غور کیا، پھر آپس میں پوچھا کہ یہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ پھر ان ہی میں سے بعض نے جواب دیا کہ یہ وہی کلام پڑھ رہے ہیں، جن کے بارے میں محمد ﷺ کا خیال ہے کہ یہ ان پر اتارا گیا ہے؛ چنانچہ سب نے مل کر اتنی مار پیٹ کی کہ ان کے چہرے پر زخم کے نشانات پڑ گئے، (قرطبی: ۱۵۱/۱۷) دوسرے: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رفقاء پر سورہ الرحمن کی شروع سے آخر تک تلاوت کی، انھوں نے خاموشی کے ساتھ سنا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے جنات والے واقعہ کی رات میں جنوں پر پڑھا تو انھوں نے تم سے بہتر طور پر اس کا جواب دیا، میں جب بھی پڑھتا تھا: ”فبای آلاء ربکما تکن ذلین“ تو وہ بول پڑتے تھے: ”اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، یقیناً ساری تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں“۔ (ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب: من سورۃ الرحمن، حدیث نمبر: ۳۲۹۱)

یہ دونوں حدیثیں واضح کرتی ہیں کہ یہ سورہ کی زندگی میں نازل ہوئی ہے؛ کیوں کہ جنوں والا واقعہ طائف سے لوٹتے ہوئے کی زندگی ہی میں پیش آیا تھا۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے اور اس کو واضح کرنے کے لئے اس کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں اور ان میں قدرت الہی کی جلوہ فرمایوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور پھر اخیر میں جنت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ہر انسان کو جنت کا شوق پیدا ہو جائے، اور دوزخ کی ایسی تصویر کھینچی گئی ہے کہ ہر انسان لرز اٹھے — عام طور پر قرآن میں اصل خطاب انسانوں سے کیا گیا ہے، ان کے ضمن میں جنات بھی مخاطب ہیں؛ لیکن اس سورہ میں انسان اور جنات کو احکام الہی کی مکلف دو مستقل مخلوق کی حیثیت سے مخاطب بنایا گیا ہے۔

اس سورہ میں زبان و بیان کی ایسی رعنائی سمودی گئی ہے اور اتنا خوبصورت صوتی آہنگ پایا جاتا ہے کہ جس شخص کو عربی زبان کا ایک حرف بھی نہ آتا ہو، وہ بھی اس کو پڑھ کر متاثر اور لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، غالباً اسی لئے آپ نے اس سورہ کو قرآن مجید کی دہن (عروس القرآن) قرار دیا ہے: ”لکل شئ عروس وعروس القرآن سورة الرحمن“۔

(شعب الایمان للہبھی، عن علی، فصل فی فضائل السور والآیات الخ، حدیث نمبر: ۲۲۶۵)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ بے حد مہربان خدا نے، ۝ قرآن کی تعلیم دی، ۝ اسی نے انسان کو پیدا کیا، ۝ (۱) اور اس کو بولنا سکھایا، ۝ (۲) سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں، ۝ (۳) تارے اور درخت دونوں (اسی کے سامنے) سجدہ ریز ہیں، ۝ (۴) اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ ۝

﴿۱﴾ بظاہر پہلے انسان کی پیدائش کا ذکر ہونا چاہئے تھا، پھر قرآن مجید کی تعلیم کا؛ کیوں کہ پہلے انسان پیدا ہوتا ہے، پھر ایک عمر کو پہنچنے کے بعد وہ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے یا دینے کے لائق ہوتا ہے؛ لیکن اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ انسان کو سب سے بڑی اور سب سے قابل قدر نعمت جو دی گئی ہے، وہ قرآن مجید ہے، پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا گیا، پھر انسان کی پیدائش کا۔  
﴿۲﴾ 'بیان' سے مراد ایسی گویائی ہے، جس کے ذریعہ انسان اپنے دل کی بات کو زبان پر لاسکے اور اپنے مقصد و منشاء کو ظاہر کر سکے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس سے تمام جانداروں میں سے صرف انسان کو نوازا گیا ہے، دوسری جاندار مخلوقات کو صرف آواز یا اشارہ کی صلاحیت دی گئی ہے، کوئی چرند اپنی آواز سے اس خواہش کا اظہار نہیں کر سکتا کہ مجھے آم کے پتوں کی بجائے امرود کے پتے چاہئیں، یا کوئی درندہ جانور اپنی آواز کے ذریعہ اس تمنا کا اظہار نہیں کر سکتا کہ اس کو بکرے کے گوشت کی بجائے بیل کا گوشت چاہئے؛ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خواہش کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال سکتا ہے اور دوسرے کو سمجھا سکتا ہے۔

﴿۳﴾ یعنی سورج اور چاند کو اس طرح رکھا گیا ہے اور ان کی گردش کے دائرے متعین کئے گئے ہیں کہ وہ ایک ہی نظام الاوقات کے پابند ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دن مسلسل ۴۸ گھنٹے کا ہو جائے اور ایک ہی خطہ کے لوگوں کو رات کی تاریکی کے ساتھ تیس گھنٹہ چاند نظر آتا رہے، ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی کی کارگیری ہے۔

﴿۴﴾ 'نجم' کے معنی تو تاروں کے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے؛ چنانچہ بعض مفسرین نے اس کا یہی معنی مراد لیا ہے؛ لیکن نجم کے ایک اور معنی ایسے پودوں کے ہیں جن کے تنے نہ ہوں، بیللیں ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے یہاں اس سے یہی معنی مراد لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۵۳) — دونوں ہی معنی مراد لینے کی گنجائش ہے، تاروں کی مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے سورج اور چاند کا ذکر آیا، اور بیلوں کی مناسبت یہ ہے کہ اس کے بعد درخت کا ذکر آیا ہے، درختوں اور بیلوں کے سجدہ ریز ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کا پابند رہنا ہے، یعنی جیسے فضا میں تیرتے ہوئے سورج اور چاند جیسے عظیم سیارے حکم الہی کے تابع ہیں، اسی طرح زمین سے نکلنے والے پودے بھی احکام خداوندی ہی کے پابند ہیں۔

أَلَّا تَنْظَعُوا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ وَالْأَرْضَ  
وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ فِيهَا فَاكِهَةٌ ۝ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ  
وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝  
وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝

تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو، ۸ انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور تول میں کمی نہ کرو، ۹ اور اسی نے مخلوق کے لئے زمین بچھا دی، ۱۰ جس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں، جن کے خوشوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہوتے ہیں، ۱۱ اور جس میں بھوسے والا اناج اور خوشبودار پھول ہوتا ہے، ۱۲ تو (اے انسان و جنات!) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ۱۳ اس نے انسان کو ٹھیکری جیسی کھنکھاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے، ۱۴ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا فرمایا ہے۔ ۱۵

۱) میزان کا ترجمہ عام طور پر اُردو میں ترازو سے کیا جاتا ہے، جو عدل و انصاف قائم کرنے کا اہم ذریعہ ہے؛ اس لئے یہاں اس کا ترجمہ ترازو سے کیا گیا ہے، لیکن عام طور پر مفسرین نے اس کے مفہوم کو عام رکھا ہے اور اس سے مراد لیا ہے: عدل، (تفسیر قرطبی: ۱۵۳/۱۷) مطلب یہ ہے کہ اور چیزیں تو تکنوینی اور قدرتی طور پر احکام الہی کی پابند ہیں؛ لیکن انسان کے اختیاری طور پر احکام الہی پر عمل کرنے اور ان احکام کے جاننے کا ذریعہ قرآن مجید ہے اور ان احکام کا خلاصہ عدل کو قائم کرنا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو انصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بھی عدل و توازن قائم رکھا ہے، اسی توازن کا اثر ہے کہ چاند، ستارے اور کتنے ہی سیارے ہیں جو فضا میں ایک ساتھ گردش کرتے ہیں؛ لیکن ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں ہیں، درخت جب اُگتے ہیں تو تنے پر اُٹھتے ہیں، زمین پر پھلتے نہیں، اور بیلےں جو نکلتی ہیں، وہ زمین میں پھیلتی ہیں، تنوں کے ساتھ اونچی نہیں اُٹھتیں، عدل اور توازن کے اس نظام کو دنیا میں قائم رکھنے کی جو ذمہ داری انسانوں کو دی گئی، اس کا ایک اہم ذریعہ ترازو اور پیمائش کے آلات ہیں اور انسان کا فریضہ ہے کہ کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح وہ اپنے آپ کو بھی انصاف کے معیار پر قائم رکھے۔

۲) یعنی اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ جن پھلوں پر کیڑے لگنے اور کھیلوں کے بیٹھنے وغیرہ کا اندیشہ تھا، ان پر قدرتی غلاف چڑھا دیئے گئے، کھجور کے شیرہ بھرے گودے کے اوپر ایک باریک پرت موجود ہے، جس کی وجہ سے اس پر کھیاں نہیں لگتیں، اسی طرح گیہوں اور جو پر ایسے غلاف چڑھا دیئے گئے ہیں، جو ان کو کیڑوں کی خوراک بننے سے بچاتے ہیں اور بعد میں بھوسوں کی شکل میں انسان کی دوسری ضرورتوں میں کام آتے ہیں، انسان کو ایک معمولی سا عطریار کرنے کے لئے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھولوں کے اندر خوشبو رچا بسا دی ہے، جو بغیر کسی محنت کے حاصل ہو جاتی ہے۔

۳) یعنی حضرت آدم ﷺ کو مٹی اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے۔



فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ﴿٢٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۶﴾ وہی دونوں مشرقوں کا اور دونوں مغربوں کا رب ہے، ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ پھر اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۹﴾ اسی نے دو ایسے سمندر جاری کئے، جو آپس میں ملتے ہیں، ﴿۲۰﴾ (لیکن) ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے، ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۳﴾ ان دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں، ﴿۲۴﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۵﴾ اور سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے جہاز بھی اسی کے ہیں، ﴿۲۶﴾ تو اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۷﴾ جو کچھ بھی زمین پر ہے، سب فنا ہونے والا ہے، ﴿۲۸﴾ اور آپ کے رب کی بزرگی و عظمت والی ذات ہی باقی رہ جائے گی۔ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ دو مشرقوں سے مراد ہے ایک پورب کے اُفق کا وہ حصہ جہاں سے موسم گرما میں سورج طلوع ہوتا ہے، اور دوسرے وہ حصہ جہاں سے موسم سرما میں سورج نکلتا ہے، اسی طرح دو مغربوں سے مراد پچھم کی طرف گرمی اور ٹھنڈک کے موسم میں سورج کے ڈوبنے کی الگ الگ جگہیں ہیں، غرض کہ ایک سمت کے دو کناروں سے سورج کا نکلنا اور ڈوبنا ایک اتفاقی بات نہیں ہے؛ بلکہ یہ رب کائنات کے قائم کئے ہوئے نظام کا ایک حصہ ہے۔

﴿۲﴾ دنیا میں بہت سے مقامات پر کھارے اور میٹھے پانی کے دریا ملتے ہیں، بظاہر ان دونوں پانیوں کو ایک دوسرے سے مل جانا چاہئے؛ لیکن ایسا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ دُور دُور تک ایک ساتھ چلنے کے باوجود ان کی لہریں الگ الگ بہتی رہتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ سمندر کے اندر کہیں میٹھے پانی کا دریا بہہ رہا ہوتا ہے اور اتنے سارے کھارے پانی کے درمیان رہنے کے باوجود اس کی مٹھاس قائم رہتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اس کرشمہ کو بتاتے ہوئے اس کا سبب بیان فرمایا ہے کہ پانی پر ایک ایسی پَرِث موجود ہوتی ہے، جو دریا کے تیز بہاؤ اور سمندر کے تلاطم کے باوجود قائم رہتی ہے، جو ایک کو دوسرے کے ساتھ ملنے نہیں دیتی، سائنس کی دنیا آج اس حقیقت پر پہنچی ہے، اسی کو برزخ یعنی آڑ اور پرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿۳﴾ کہا جاتا ہے کہ موتی اور مونگے صرف کھارے پانی سے نکلتے ہیں نہ کہ میٹھے پانی سے؛ اس لئے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ جو میٹھے اور کھارے پانی کی لہریں ایک ساتھ چلتی ہیں یا اوپر نیچے چلتی ہیں، ان کے مجموعہ سے موتی اور مونگے نکالے جاتے ہیں اور خالص کھارے پانی سے جو موتی اور مونگے نکالے جاتے ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٨﴾ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٥٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٠﴾ سَنَفُخُ لَكُمْ الْثَّقْلِينَ ﴿٦١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٢﴾ لِيَمْعَشَرَ الْجَنِّ وَالْإِنْسُ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ ﴿٦٣﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٤﴾ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِلَ مِّنْ تَارٍ ۖ وَوُحَاشٍ فَلَا تَنْتَصِرُونَ ﴿٦٥﴾

تو پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ﴿۵۸﴾ آسمان وزمین میں جو لوگ بھی ہیں، وہ سب اسی سے مانگتے ہیں، ﴿۵۹﴾ ہر روز اس کی ایک شان ہے، ﴿۶۰﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۱﴾ اے جنات و انسان! عنقریب ہم تمہارے (حساب و کتاب کے) لئے فارغ ہو جائیں گے، ﴿۶۲﴾ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۳﴾ اے جنات و انسان کے گروہ! اگر تم آسمان وزمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل بھاگو، مگر تم بغیر زبردست قوت کے نہیں نکل سکتے (جو تم کو میسر نہیں) ﴿۶۴﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۵﴾ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ ﴿۵۸﴾

← ﴿۶۲﴾ یہاں تک کہ آخر میں ملک الموت اور فرشتوں پر بھی موت طاری ہوگی اور کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جو فنا سے محفوظ رہ جائے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ کائنات میں مادہ ہو یا روح، ہر چیز فنا ہو جائے گی، بعض فلاسفہ کا یہ کہنا کہ کوئی مادہ ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، یا بعض مذاہب کا یہ تصور کہ روح فنا نہیں ہوتی ہے، وہ باقی رہتی ہے اور مختلف جسموں کا لباس بدلتی رہتی ہے، جس کو آواگون یا پُر جنم کہتے ہیں، درست نہیں ہے۔

- ﴿۱﴾ یعنی انسان ہو یا جنات یا فرشتے، سب اپنی ضرورتوں کے لئے اسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔
- ﴿۲﴾ یہاں ہر روز سے مراد یہ ہے کہ دن و رات کے ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کائنات کی تدبیر میں لگے رہتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ خدا نے کائنات بنا کر چھوڑ دی ہو اور خود اس سے بے تعلق ہو گئے ہوں؛ بلکہ وہ کائنات کے امور کو انجام دیتے ہیں، کسی کو پیدا کرتے ہیں، کسی کو موت دیتے ہیں، کسی کی روزی بڑھاتے ہیں، کسی کی گھٹاتے ہیں۔
- ﴿۳﴾ یعنی جب بھی قیامت قائم ہوگی، کائنات فنا کر دی جائے گی اور اس دنیا میں تدبیر و انتظام کے جن امور کو ہم انجام دیتے تھے، ان کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، پھر ہم پوری طرح تمہارے حساب و کتاب کی طرف متوجہ رہیں گے۔
- ﴿۴﴾ یعنی کوئی شخص حساب سے فرار کا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔

﴿۵﴾ یہ دوزخ میں ہونے والے عذاب کا ذکر ہے اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اس لئے شمار کیا گیا ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والی مصیبت سے قبل از وقت آگاہ کر دیا گیا؛ تاکہ انسان نجات اور بچاؤ کی تدبیر اختیار کر لے، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۱﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۲﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۵﴾ يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسَبِيلِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۶﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۷﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۸﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَبِيبٍ أُنِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۹﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ﴿۱۰﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۱۱﴾

تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱﴾ پھر جب آسمان پھٹ جائے گا اور تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا، ﴿۲﴾ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳﴾ اس دن (واقفیت کے لئے) کسی انسان اور جنات سے اس کے جرم کے متعلق پوچھا نہیں جائے گا، ﴿۴﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵﴾ (اس دن) گنہگار اپنے چہرے سے پہچان لئے جائیں گے، پھر وہ پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لئے جائیں گے (تا کہ ان کو گھسیٹا جائے) ﴿۶﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷﴾ یہی وہ دوزخ ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے، ﴿۸﴾ وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے، ﴿۹﴾ تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۰﴾ اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا، اس کے لئے دوباغ ہوں گے، ﴿۱۱﴾ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ عربی گرامر کے لحاظ سے ”دھان“ ذہن کی جمع ہے جس کے معنی تیل کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب تیل کڑکایا جاتا ہے اور اس کا تلچھٹ جلتے جلتے سُرخ ہو جاتا ہے، اسی طرح آسمان سُرخ ہو جائے گا؛ چنانچہ اُردو مترجمین میں مولانا عاشق الہی میرٹھی نے یہی معنی مراد لیا ہے — ’دھان‘ کے ایک اور معنی خالص سُرخ چمڑے کے بھی ہیں، جیسا کہ بعض اہل لغت نے ذکر کیا ہے؛ اس لئے بعض حضرات نے ترجمہ کیا ہے کہ آسمان چمڑے کی طرح سُرخ ہو جائے گا، اُردو کے زیادہ تر مترجمین نے یہی معنی لیا ہے — حاصل یہ ہے کہ آج جو نیلگوں آسمان نظر آتا ہے، وہ اس دن سُرخ ہو جائے گا اور یہ سُرخ شدت حرارت کی وجہ سے ہوگی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۷۳)

﴿۲﴾ مطلب یہ ہے کہ انسان کی نیکیاں اور اس کی بد اعمالیاں پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور پھر تحریری طور پر ان کے نامہ اعمال میں بھی محفوظ ہیں؛ اس لئے ان کو جاننے کے لئے کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں ہوگی؛ البتہ ان پر حجت پوری کرنے اور شرمندگی اور رسوائی کو بڑھانے کے لئے ان کا حساب و کتاب ہوگا اور سوال و جواب بھی کیا جائے گا۔

﴿۳﴾ یعنی دوزخ میں جب پیاس کی شدت ہوگی تو وہ پانی کے حوض کی طرف دوڑے گا؛ لیکن وہاں بھی گرم کھولتا ہوا پانی ہوگا، جس سے ان کی پیاس کا کوئی علاج نہ ہو سکے گا تو پھر دوزخ کی طرف واپس آئے گا، اسی کیفیت میں ان کا وقت گزرے گا۔

ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۷۷﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَنِ ﴿۷۸﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۷۹﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٌ ﴿۸۰﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۸۱﴾ مُتَكَبِّرِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۖ وَجْنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۸۲﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۸۳﴾ فِيهِنَّ قَصْرَاتُ الظَّرَفِ ۚ لَمْ يَطْبُخْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۸۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۸۵﴾ كَانَتْهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۸۶﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۸۷﴾ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿۸۸﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۸۹﴾

دونوں باغ بہت سی ٹہنیوں والے ہوں گے، ﴿۷۶﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۷﴾ دونوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے، ﴿۷۸﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۹﴾ ان باغوں میں ہر میوے دو دو قسموں کے ہوں گے، ﴿۸۰﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۸۱﴾ (جنتی لوگ) ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے میوے قریب ہی (جھکے ہوئے) ہوں گے، ﴿۸۲﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۸۳﴾ ان میں نیچی نظر رکھنے والی حوریں ہوں گی، جن کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ کسی جن نے، ﴿۸۴﴾ تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ﴿۸۵﴾ وہ حوریں (ایسی ہوں گی) کہ گویا قوت اور مَرُ جان ہیں، ﴿۸۶﴾ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۸۷﴾ بھلا احسان (یعنی نیک عمل) کا بدلہ احسان (یعنی بہتر اجر) کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ ﴿۸۸﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۸۹﴾

﴿۱﴾ دوزخ کے تذکرے کے بعد آیت نمبر: ۴۶ سے اہل جنت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ جیسے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر جنتی کو دو دو باغ عطا فرمائیں گے، پھر ہر باغ میں ایسے درخت ہوں گے، جس میں بہت ساری ٹہنیاں ہوں گی اور جب ٹہنیاں زیادہ ہوں گی تو پھل بھی زیادہ ہوگا، نیز انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور تفریح کے لئے ہر باغ میں دو دو اُلتے ہوئے چشمے ہوں گے اور باغات میں جو پھل ہوں گے، اس میں بھی ہر طرح کے پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی؛ کیوں کہ جنت میں کھانا پینا اور رہنا سہنا ضرورت کے تئیں نہیں ہوگا؛ بلکہ فرحت و راحت اور دل و نگاہ کی شاد کامی کے لئے ہوگا اور انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ چیزوں کی کثرت اس کے لئے خوشی اور فرحت کا باعث بنتی ہے۔

﴿۲﴾ نگاہیں نیچی رکھنا، ان کی عفت و پاکدامنی اور اپنے آپ کو اپنے شوہر کے لئے مخصوص رکھنے کو بھی واضح کرتا ہے اور شرم و حیا کو بھی، اور شرم و حیا کی کیفیت عورت کے حسن میں اضافہ کرتی ہے، گویا حوریں صرف اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے ہی حسین نہیں ہوں گی؛ بلکہ اپنی نسوانی صفات کے لحاظ سے بھی حسن و جمال کا پیکر ہوں گی۔

اور ان دو باغوں کے علاوہ دو اور باغ بھی ہوں گے، ﴿۳۲﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۳﴾ جو دونوں گہرے سبز رنگ کے ہوں گے، ﴿۳۴﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۵﴾ ان دونوں باغوں میں دو اُبلتے ہوئے چشمے بھی ہوں گے، ﴿۳۶﴾ تو اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۷﴾ ان میں میوے، کھجور اور انار ہوں گے، ﴿۳۸﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۹﴾ ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں بھی ہوں گی، ﴿۴۰﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۱﴾ خیموں میں محفوظ گوری گوری رنگت والی حوریں بھی ہوں گی، ﴿۴۲﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۳﴾ ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ان کو ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ کسی جن نے، ﴿۴۴﴾ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۵﴾ (اہل جنت) سبز قالینوں اور نفیس و نادر فرشوں پر تکتہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ﴿۴۶﴾

﴿۱﴾ ”مَنْ دُونَهُمَا جَنَّاتٍ“ میں عربی زبان کے لحاظ سے ”دُون“ کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ بن نسبت دوسری چیز کے وہ سطح کے اعتبار سے نیچے واقع ہو، گویا دو باغات اونچی سطح پر ہوں گے اور دو نیچے کی سطح پر، دوسرا معنی یہ ہے کہ درجہ و مرتبہ کے اعتبار سے نسبتاً کم درجے کا ہوگا، گویا ہر جنتی کو چار چار باغات عطا کئے جائیں گے، دو اعلیٰ ترین درجہ کے، دو ان سے کسی قدر کم درجہ کے — ایک اور مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان دو باغات والے خصوصی اہل جنت کے علاوہ دوسرے اہل جنت کو بھی دو اور باغات حاصل ہوں گے، جو درجہ و مقام کے اعتبار سے پہلے سے کمتر ہوں گے؛ لیکن اس میں بھی چشمہ، میوے، پھل، خوبصورت حوریں، اعلیٰ قسم کے فرش موجود ہوں گے، جیسا کہ اگلی آیتوں میں ذکر آ رہا ہے، اس معنی کے لحاظ سے پہلے جن دو باغات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اعلیٰ درجے کے لوگوں کے لئے ہوں گے، اور دوسرے جو باغات ہیں، وہ ان سے کم درجہ کے جنتیوں کے لئے ہوں گے، اگرچہ دونوں معنی مراد لینے کی گنجائش ہے اور مفسرین نے مراد بھی لئے ہیں؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے یہ دوسرا معنی مراد لیا ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں ایک دوسرے موقع پر اہل جنت کے دو درجے کئے ہیں، ایک: مقررین، دوسرے: اصحاب الیمین، (الواقعہ: ۸-۱۲) تو پہلے دو باغات مقررین کے لئے ہوں گے اور بعد کے دو باغات اصحاب الیمین کے لئے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٧﴾ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٨﴾

تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۷﴾ آپ کے پروردگار، جو بڑے جلال و عظمت والے ہیں، کا نام بڑا ہی بابرکت ہے! ﴿۲۸﴾



## سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

« سورة نمبر : (۵۶) »

« رکوع : (۳) »

« آیتیں : (۹۶) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

واقعہ کے معنی ہیں: واقع ہونے والی بات؛ چوں کہ قیامت کا واقع ہونا یقینی ہے؛ اس لئے قیامت کا ایک نام 'واقعہ' بھی ہے، اس سورہ کے پہلی ہی آیت میں قیامت کا یہ نام ذکر فرمایا گیا ہے، اس لئے اس سورہ کا نام واقعہ ہے۔ اس سورہ میں قیامت میں پیش آنے والی کیفیتیں تفصیل سے ذکر کی گئی ہیں، انجام کے اعتبار سے تین گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے: اصحابُ الیمین، اصحابُ الشمال، سابقین، اور آخرت میں ان کے انجام کو واضح کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت اور آخرت کے ممکن ہونے پر انسان کی، پودوں کی، پانی اور آگ کی تخلیق اور کائنات کی نشانیوں سے دلیل پیش کی گئی ہے، نیز قرآن مجید کی صداقت اور حفاظت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس سورہ کی متعدد فضیلتیں حدیثوں میں منقول ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ کی تلاوت کرے، وہ کبھی فاقہ سے دوچار نہیں ہوگا: ”لن تصبه فاقۃ ابداً“ (شعب الایمان، فصل فی فضائل السورۃ، تخصیص سور منھا بالذکر: ۱۱۹/۴، حدیث نمبر: ۲۲۶۹) بعض احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورہ غنی ہے، (الفردوس للعلیمی: ۱۰/۳، حدیث نمبر: ۴۵۰۰) یعنی یہ سورہ محتاجی کو دور کرنے والی ہے، نماز فجر میں جن سورتوں کے پڑھنے کا معمول تھا، ان میں ایک سورہ واقعہ بھی ہے، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۰۹۹۵) اس طرح کی اور بھی روایتیں اس سورہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۖ لَيْسَ لِوُقْعَتِهَا كَذِبَةٌ ۖ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۖ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۖ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۖ فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا ۖ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۖ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۖ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۖ وَالسَّبِقُونَ السَّبِقُونَ ۖ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۖ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۖ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۖ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اس وقت کو یاد کرو، جب قیامت واقع ہو جائے گی، ۱ جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں، ۲ (کسی کو) نیچا کرے گی اور (کسی کو) اونچا، ۳ (کسی کو) نیچا کرے گی اور (کسی کو) اونچا، ۴ جب زمین بھونچال سے لرزادی جائے گی، ۵ اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ۶ پھر وہ بکھرے ہوئے غبار (کی طرح) ہو جائیں گے، ۷ اور تم لوگوں کی تین قسمیں ہو جائیں گی: ۸ (ایک) تو داہنی طرف والے، داہنی طرف والے کیسے (بہتر حال میں) ہوں گے! ۹ اور (دوسرے): بائیں طرف والے، بائیں طرف والے کیسے (برے حال میں) ہوں گے! ۱۰ اور (تیسرے): آگے بڑھ جانے والے، (ان کا کیا کہنا کہ) وہ تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں، ۱۱ یہی ہیں جن کو اللہ سے خصوصی نزدیکی حاصل ہوگی، ۱۲ وہ نعمتوں والے باغوں میں ہوں گے، ۱۳ ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا، ۱۴ اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ ۱۵ (۳) ۱۶

۱ یعنی قیامت کا واقع ہونا بالکل یقینی ہے، اس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں ہے، دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/۱۹۵)

۲ دنیا میں جو لوگ ظاہری غربت و افلاس کی وجہ سے پست سمجھے جاتے تھے، آخرت میں اپنے اعمال کی وجہ سے ان کو سر بلندی حاصل ہوگی، اور دنیا میں جو لوگ مادی اعتبار سے بڑھے ہوئے تھے اور ان کو ظاہری عزت و سر بلندی حاصل تھی، آخرت میں اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ذلت و رسوائی اور پستی سے دوچار ہوں گے۔

۳ آیت نمبر: ۵ سے ۱۴ تک اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے تین گروہوں کا ذکر فرمایا ہے، پہلا گروہ: اصحاب الیمین یعنی دائیں طرف والے، دوسرا گروہ: اصحاب الشمال یعنی بائیں طرف والے، اصحاب الیمین کو دائیں طرف والا اس لئے کہا گیا کہ ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور دوسرے گروہ کو ان کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یا اس لئے کہ عالم ارواح میں پہلے گروہ کی روحیں حضرت آدم ﷺ کی دائیں جانب ہیں، اور دوسرے گروہ کی روحیں بائیں جانب ہیں، جیسا کہ واقعہ معراج میں آیا ہے، بعض اور اقوال بھی اس سلسلہ میں نقل کئے گئے ہیں؛ لیکن ان دونوں میں سے پہلی وجہ کو قرآن کی اور دوسری ←

عَلَى سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝ مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِينَ ۝ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝  
بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۝ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْفَضُونَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا  
يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَحُورٌ عِينٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝  
جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝  
وَاصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝

وہ لوگ سونے کے تاروں سے بٹنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے، (۱۵) (۱۶)  
ان کی خدمت میں ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آب خورے، آفتابے، صاف و شفاف شراب کے جام  
جس سے نہ سر میں درد ہو اور نہ عقل میں خلل، نیز ان کی پسند کے میوے اور ان کو مرغوب پرندوں کے گوشت لئے  
پھریں گے، (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) اور (ان کے لئے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی ایسی عورتیں ہوں گی، (۲۱) جیسے  
چھپا کر رکھے ہوئے موتی، (۲۲) یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا، (۲۳) وہ نہ اس میں بے کار باتیں سنیں گے اور نہ کوئی  
بے ہودہ گفتگو، (۲۴) صرف سلام ہی سلام کی آواز آئے گی، (۲۵) اور (رہ گئے) داہنی طرف والے، تو داہنی طرف  
والے بھی کیا ہی (اچھے) حال میں ہوں گے! (۲۶)

← وجہ کو حدیث کی تائید حاصل ہے، تیسرا گروہ: سابقین کا ہے، سابقین کے معنی ہیں سبقت حاصل کرنے والے، اس سے اُمت  
میں سے وہ لوگ مراد ہیں، جو ایمان و عمل میں سبقت حاصل کرنے والے ہیں؛ چنانچہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول  
اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سایہ الہی کی طرف سبقت کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو حق دیا گیا تو انھوں نے اس کو  
قبول کر لیا اور جب ان سے کسی چیز کا مطالبہ کیا گیا تو انھوں نے اس کو خرچ کیا اور لوگوں کے لئے اسی طرح فیصلہ کیا، جیسے خود اپنے لئے  
فیصلہ کرتے ہیں، (مسند احمد، عن عائشہ، حدیث نمبر: ۲۴۴۲۴) — آیت نمبر: ۱۳، ۱۴ میں فرمایا گیا کہ سابقین کی بڑی تعداد پہلے  
لوگوں میں سے ہوگی اور تھوڑی تعداد آخرین یعنی بعد کے لوگوں میں سے ہوگی، اس میں اولین سے حضرت آدم ؑ سے لے کر  
رسول اللہ ﷺ تک آنے والے انبیاء اور دعوت کو قبول کرنے والی اُمتیں مراد ہیں، اور آخرین سے مراد قیامت تک آنے والی اُمت  
محمدیہ ہے، سابقہ اُمتوں میں اولین میں چوں کہ بڑی تعداد ہوگی؛ اس لئے ان کو کثیر قرار دیا گیا، صحابہ کو یہ سن کر گراں گزرا کہ جنت  
میں اُمت محمدیہ کی تعداد گویا دوسروں کے مقابلہ کم ہو جائے گی، تو پھر اسی سورہ کی آیت نمبر: ۳۹، ۴۰ نازل ہوئی کہ اولین میں سے  
بھی بہت سے لوگ ہوں گے اور آخرین میں سے بھی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ سابقین میں نصف یا دو تہائی  
اس اُمت کے ہوں گے، (تفسیر قرطبی: ۲۰۱/۱۷) — بظاہر اولین میں تعداد کی کثرت مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ہے؛ کیوں کہ اس  
میں انبیاء کی بڑی تعداد شامل ہوگی اور آخرین میں عددی کثرت کے اعتبار سے؛ کیوں کہ اُمت محمدیہ اپنی تعداد میں ساری اُمتوں سے  
بڑھی ہوئی ہے۔

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۖ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ۖ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۖ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۖ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۖ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۖ وَفُرْشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۖ إِنَّا أَنْشَأْنَهُمْ إِنْشَاءً ۖ فَجَعَلْنَاهُمْ أَبْكَارًا ۖ عُرْبًا أَتْرَابًا ۖ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۖ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۖ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۖ وَظِلٍّ مِّنْ يَحْمُومٍ ۖ لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۖ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۖ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۖ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا كَبُوعُونَ ۖ أَوْ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۖ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۖ لَمَجْمُوعُونَ ۖ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيْهَا الضَّالُّونَ الْمُكْذِبُونَ ۖ

وہ ان باغوں میں ہوں گے، جہاں بغیر کانٹے کی بیریں ہوں گی، ۱۸ تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے، ۱۹ لمبی چھاؤں ہوں گی، ۲۰ بہتا ہوا پانی ہوگا، ۲۱ بہت سارے میوے ہوں گے، ۲۲ جونہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا، ۲۳ اونچے اونچے فرش ہوں گے، ۲۴ ہم نے (ان کے لئے) حوریں بنائی ہیں، ۲۵ جن کو کنواری ۲۶ پیاری پیاری اور ہم عمر بنایا ہے، ۲۷ جو داہنی طرف والوں کے لئے ہیں، ۲۸ ان کی ایک بڑی جماعت اگلے لوگوں میں سے ہے، ۲۹ اور ایک بڑی جماعت پچھلے لوگوں میں سے، ۳۰ اور (رہ گئے) بائیں طرف والے تو بائیں طرف والوں کا کیا (بڑا) حال ہوگا! ۳۱ وہ آگ کی لپٹ، گھولتے ہوئے پانی، ۳۲ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے، ۳۳ جونہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش، ۳۴ یہ لوگ تو اس سے پہلے بڑے ناز میں پلے ہوئے تھے، ۳۵ اور بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک) پر بضد رہتے تھے، ۳۶ اور کہا کرتے تھے: جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ ۳۷ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟ ۳۸ آپ فرما دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب کے سب ۳۹ ایک مقررہ دن پر ضرور اکٹھے کئے جائیں گے، ۴۰ پھر اے گمراہو اور جھٹلانے والو! یقیناً تم۔ ۴۱

۱ حوریں بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کسی عورت کے پیٹ سے ولادت نہ ہوگی؛ بلکہ ولادت کے عام نظام سے ہٹ کر انھیں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لئے بنائیں گے، نیز جو مسلمان عورتیں جنت میں داخل ہوں گی، ان کو ایک نئی شکل و صورت دی جائے گی، وہ سب جوان اور خوبصورت ہوں گی، ایک روایت میں آپ ﷺ نے ان کے کنواری ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی خصوصیت یہ ہوگی کہ میاں بیوی کے تعلق کے بعد ان کا کنوار پن واپس آجائے گا اور ہر بار جب ان کی باہمی ملاقات ہوگی تو وہ کنواری ہی رہیں گی۔ (تفسیر قرطبی: ۲۱۱/۱۷)

لَا كُلُّوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُوْمٍ ﴿۵۶﴾ فَمَا لَئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۷﴾ فَشَرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۸﴾ فَشَرِبُوْنَ شُرْبَ الْهَيْمِ ﴿۵۹﴾ هٰذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۶۰﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ ﴿۶۲﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۴﴾ عَلٰی اَنْ تُبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ النِّشَاةَ الْاُولٰٓئِ فَلَوْ لَا تَذْكُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۷﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ ﴿۶۸﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰہٗ حُطَامًا فَظَلَمْتُمْ تَفْکٰہُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۷۱﴾

زقوم کے درخت کھاؤ گے، (۱) اور اسی سے پیٹ بھرو گے (۲) پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے، (۳) اور پیو گے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح، (۴) قیامت کے دن یہی ان کی مہمان نوازی ہوگی، (۵) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے تو پھر تم (دوبارہ زندہ کئے جانے کو) سچ کیوں نہیں مانتے؟ (۶) بھلا دیکھو تو سہی، جو مٹی تم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو (۷) اس کو تم انسان بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟ (۸) ہم نے ہی تمہارے لئے مرنا طے کر دیا ہے، (کہ ہر شخص پر موت آتی ہے) اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں، (۹) کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے کسی اور کو لے آئیں اور تمہاری ایسی صورت بنادیں، جس کا تم کو کوئی علم بھی نہیں، (۱۰) اور تم تو پہلی پیدائش سے واقف ہی ہو، تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ (۱۱) دیکھو تو سہی کہ تم جو کچھ بوتے ہو (۱۲) اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟ (۱۳) اگر ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر ڈالیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ (۱۴) (تم کہنے لگو: ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا) (۱۵) بلکہ ہم تو بالکل ہی خالی ہاتھ رہ گئے۔ (۱۶)

(۱) زقوم دوزخ میں اُگنے والا ایک درخت ہوگا، جو دیکھنے میں بھی خوفناک ہوگا، اور کھانے میں بھی بہت ہی بد مزہ ہوگا، سورہ صافات، آیت نمبر: ۶۲ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

(۲) اونٹ کی ایک بیماری ایسی ہوتی ہے، جس میں اسے بے حد پیاس لگتی ہے اور کتنا بھی پانی پیئے پیاس بجھتی نہیں ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۱۵/۱۷) اہل دوزخ کی پیاس کی یہی کیفیت ہوگی کہ پانی ایسا کھولتا ہوا ہوگا کہ جس سے ذرا بھی سکون حاصل نہیں ہوگا، مگر پھر بھی وہ اسے پیتے ہی چلے جائیں گے۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ اگر ابھی چاہیں تو تمہاری صورتیں مسخ کر دیں اور تم کو بندر یا سور وغیرہ کی شکل دے دیں، حضرت حسن بصری ؒ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۱۷/۱۷)

(۴) یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خرچ زیادہ ہو جائے اور آمدنی کم ہو یا آمدنی کچھ بھی حاصل نہ ہو۔

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٦٩﴾  
لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنْتُمْ  
أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾  
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ فَلَا أَقْسِمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾

﴿٧٦﴾

﴿٧٧﴾

پھر بتاؤ تو سہی کہ تم جس پانی کو پیتے ہو ﴿۶۸﴾ اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟ ﴿۶۹﴾ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھار کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۷۰﴾ پھر دیکھو تو سہی جو آگ تم سلگاتے ہو، ﴿۷۱﴾ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے؟ ﴿۷۲﴾ ہم نے اس کو یاد دہانی کرنے والا اور مسافروں کے لئے نفع بخش بنایا ہے، ﴿۷۳﴾ تو آپ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی پاکی بیان کیجئے، ﴿۷۴﴾ چنانچہ میں ستاروں کی منزلوں کی قسم کھاتا ہوں۔ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۷۱، ۷۲ میں جس درخت کا ذکر آیا ہے، اس سے یا تو ہر درخت مراد ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کو اس لائق نہیں بنایا کہ آدمی اس کو سلگ سکے اور اس سے اپنی ضرورتیں پوری کر سکے، صرف نباتات میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ آسانی سے سلگ جاتا ہے اور اس سے انسان الاؤ اور دوسری ضرورتیں پوری کرتا ہے، یا اس سے دو خاص درخت مراد ہیں، جن کو ”مَرْخ اور عَفَّاء“ کہا جاتا ہے، ان کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر ان کی ٹہنیوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا جائے تو اس سے آگ سلگ اُٹھتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۲۱/۱۷) جس دور میں ماچس اور لائٹریج ايجاد نہ ہوا ہوگا، اس دور میں اس درخت کی یقیناً بڑی اہمیت رہی ہوگی، جب کہ نہ بجلی تھی اور نہ گیس کی سہولت، پھر آیت نمبر: ۷۳ میں آگ کے دو فائدے بیان کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ یہ آگ یاد دلانے والی ہے، یعنی دنیا کی یہ آگ انسان کو آخرت کی آگ کی طرف متوجہ کرتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۲۱/۱۷) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جو آگ استعمال کی جاتی ہے، وہ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، (ترمذی، کتاب صفۃ جہنم: ۲۵۸۹) دوسرا فائدہ یہ بتایا گیا کہ یہ مسافروں کے لئے منفعت بخش ہے، مسافروں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان کو اس کی ضرورت خاص کر زیادہ پیش آتی تھی، وہ آگ نہ صرف کھانا پکانے کے لئے استعمال کرتے تھے؛ بلکہ گرمی حاصل کرنے کے لئے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے بھی کیا کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۲۲/۱۷)

﴿۲﴾ ستاروں کی منزلوں سے ان کے مدار مراد ہیں، ستارے اپنی گردش کے درمیان مقررہ جگہوں ہی سے گزرتے ہیں اور اس سے باہر نہیں جاتے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار ہیں، اگر یہ اپنے مقررہ مراکز سے ہٹ جائیں تو نظام کائنات بکھر کر رہ جائے؛ لیکن یہ ایک مستحکم نظام کے ساتھ موجود ہیں؛ بلکہ مسلسل گردش کر رہے ہیں، نہ آپس میں ٹکراتے ہیں، نہ اپنی قوت کشش کو کھو کر دوسرے سے جاملتے ہیں اور نہ دوسرے کی قوت کشش کو توڑ کر انہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں — ان کی قسم کھانے کی یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ جیسے کھکشاں کا یہ نظام استحکام پر قائم ہے اور ہر طرح کے خلل سے محفوظ ہے، اسی طرح کلام ربانی ایک محکم کلام ہے —

وَأَنَّهُ لَقَدْ كُنتُمْ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمًا ۚ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۚ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۚ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۚ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٥﴾ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ﴿٥٦﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٥٧﴾ فَلَوْ لَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ﴿٥٨﴾ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ﴿٥٩﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿٦٠﴾ فَلَوْ لَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿٦١﴾

اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے، ﴿۵۵﴾ کہ یہ بڑا ہی قابل احترام قرآن ہے، ﴿۵۶﴾ جو ایک محفوظ کتاب میں (درج) ہے، ﴿۵۷﴾ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگاتا، ﴿۵۸﴾ یہ تمام عالم کے پروردگار کی طرف سے اتارا ہوا ہے، ﴿۵۹﴾ کیا تم اس کلام کا انکار کرتے ہو؟ ﴿۶۰﴾ اور اپنا حصہ یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلا رہے ہو؟ ﴿۶۱﴾ تو جب جان گلے تک آپہنچتی ہے ﴿۶۲﴾ اور تم اس وقت (مرنے والے کو) تک رہے ہوتے ہو ﴿۶۳﴾ اور ہم تمہارے مقابلے اس شخص سے زیادہ قریب ہوتے ہیں؛ لیکن تم دیکھ نہیں سکتے ﴿۶۴﴾ تو اگر تم کسی اور کے قابو میں نہیں ہو۔ ﴿۶۵﴾

← اور اس میں غلل واقع ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے — ’مواقع النجوم‘ سے ستاروں کی منزلوں کا معنی مشہور محدث اور فقیہ عطاء ابن ابی رباح ؒ نے مراد لی ہے، جب کہ بعض حضرات نے اس سے ستاروں کے ڈوبنے کی جگہ بھی مراد لیا ہے، نیز بعض اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۲۳/۱۷)

﴿۱﴾ محفوظ کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے، اور پاک لوگوں سے فرشتے مراد ہیں، یعنی ایک طرف تو یہ کتاب لوح محفوظ میں بھی درج کر دی گئی ہے؛ اس لئے اس میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں، پھر جو اس لوح محفوظ کو ہاتھ لگاتے اور زمین پر لے کر آتے ہیں، وہ بھی ایسے لوگ ہیں، جو جھوٹ، دھوکہ اور گناہوں سے پاک ہیں؛ اس لئے ان کی طرف سے کسی کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں — اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ قرآن کو پاکی کی حالت میں ہی چھونا چاہئے، بے وضوء یا بے غسل اسے ہاتھ نہیں لگانا چاہئے؛ البتہ اگر قرآن مجید ایسے غلاف میں ہو، جس کو توڑے بغیر الگ کرنا ممکن ہو تو اس غلاف کے اوپر سے چھوا جاسکتا ہے، (الہندیہ، کتاب الطہارۃ، الفصل الثالث فی الاستحاضۃ: ۴۳/۱، بیروت، لبنان) نیز اگر موبائل کی اسکرین پر قرآن مجید کھلا ہوا ہو تو اس کو بھی بے وضوء ہاتھ لگانا درست نہیں، اگر موبائل کے اندر قرآن مجید محفوظ ہو؛ لیکن وہ اسکرین پر نہ ہو تو وہ قرآن کے حکم میں نہیں ہے، اسے وضوء کے بغیر چھونے کی گنجائش ہے۔

﴿۲﴾ یعنی یہ تمہاری کس قدر محرومی و بد نصیبی ہے کہ تم کو اللہ نے اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے اور بجائے اس کے تم اس پر ایمان لاتے اور اسے اپنی آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بناتے تم اس کو جھٹلا کر آخرت کی محرومی کا سودا کر رہے ہو!

تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵۸﴾ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۵۹﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ  
وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿۶۰﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۶۱﴾ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۶۲﴾  
وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ﴿۶۳﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَبِيمٍ ﴿۶۴﴾ وَتَصْلِيَةٌ جَهِيمٍ ﴿۶۵﴾ إِنَّ  
هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿۶۶﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۶۷﴾

تو اس جان کو کیوں نہیں واپس لے آتے اگر تم سچے ہو؟ ﴿۵۸﴾ تو اگر (مرنے والا) خدا کے مقرب بندوں میں سے ہے، ﴿۵۹﴾ تو (اس کے لئے) آرام ہی آرام، خوشبو ہی خوشبو اور نعمت بھری جنت ہے، ﴿۶۰﴾ اور اگر وہ داہنی طرف والوں میں سے ہے ﴿۶۱﴾ تو (اس سے کہا جائے گا): تیرے لئے سلامتی ہے کہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے، ﴿۶۲﴾ اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے تھا ﴿۶۳﴾ تو کھو لے ہوئے پانی سے میزبانی ہوگی ﴿۶۴﴾ اور (اسے) دوزخ میں داخل ہونا ہوگا، ﴿۶۵﴾ بے شک یہ یقینی بات ہے، ﴿۶۶﴾ تو آپ اپنے عظمتوں والے پروردگار کے نام کی پاکی بیان کیجئے۔ ﴿۶۷﴾

﴿۱﴾ یعنی ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا عزیز اسی دنیا میں باقی رہے، وہ اس سے محروم نہ ہو، اور جان بچانے کی آخری حد تک جتن کرتا ہے؛ لیکن جب موت آتی ہے تو ساری تدبیریں ناکام ہو کر رہ جاتی ہیں، تو اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں نہیں ہے، تمہارے اختیار میں ہے تو مرنے والوں کو بچا کیوں نہیں لیتے؛ لیکن تمہارا یہ عاجز ہونا ظاہر کرتا ہے کہ تمہاری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے؛ لہذا اللہ نے جیسے تمہیں پہلی بار وجود بخشا ہے، دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔

﴿۲﴾ حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رُکوع میں یہ تسبیح پڑھو، اور جب ”سبحان ربی الاعلیٰ“ نازل ہوئی تو ارشاد فرمایا: اسے سجدہ میں پڑھو، (ابوداؤد، کتاب الصلاة، باب ما یقول الرجل فی رکوعہ و سجودہ: ۸۶۹) اسی لئے رُکوع میں ”سبحان ربی العظیم“ اور سجدہ میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھی جاتی ہے۔







# سُورَةُ الْحَدِيدِ

«سورہ نمبر : (۵۷)»

«رکوع : (۴)»

«آیتیں : (۲۹)»

«نوعیت : مدنی»

آسان تفہیم قرآن مجید

’حید‘ کے معنی لوہے کے ہیں، اس سورہ کی آیت نمبر: ۲۵ میں لوہے کے فوائد پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورہ حید ہے، مشہور مفسر علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس سورہ کے مدنی ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔

اس سورہ میں ایمان، جہاد، اللہ تعالیٰ کے راستے میں انفاق، آسمان وزمین کی تخلیق، اہل ایمان اور منافقین کے بنیادی اوصاف، دنیا و آخرت کی حقیقت وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اور سورہ کے اخیر میں دواہم باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ایک یہ کہ کتاب الہی کو نازل کرنے کا بنیادی مقصد دنیا میں انصاف کرنا اور اسی کے ضمن میں لوہے کے فوائد کا ذکر آیا ہے، شاید اس لئے کہ بہت سی دفعہ انصاف قائم کرنے کے لئے لوہے کی طاقت کا استعمال کرنا پڑتا ہے، دوسرے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ بنیادی طور پر تمام انبیاء ایک ہی دین کو لے کر آئے تھے، وہی دین اسلام ہے، جو شروع سے ہے اور آخر تک رہے گا۔

نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے ان سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے، جن کی ابتدا ”سبح لله“ سے ہوتی تھی اور جن کو ”مسجات“ کہا جاتا ہے اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیت سے بڑھ کر ہے اور پھر آپ ﷺ اس سورہ کے آیت نمبر: ۳ کا ذکر کرتے تھے: ”هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم“۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۱ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُخَيِّ وَيُبَيِّتُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۲ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ۳ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ۴ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْاُمُورُ ۝ ۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، وہی غالب اور حکمت والے ہیں، ۝ آسمان وزمین کی بادشاہت اسی کی ہے، وہی زندگی عطا کرتا ہے، موت سے دوچار کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ۝ وہ سب سے پہلے بھی ہے اور آخر بھی (یعنی شروع سے ہے، جس کی کوئی ابتداء نہیں، اور ہمیشہ رہے گا، جس کی کوئی انتہاء نہیں)، وہ (یعنی اس کا وجود دلائل کے اعتبار سے) ظاہر ہے اور (ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ بھی ہے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے، ۝ (۱) وہی ہے جس نے چھ دنوں میں آسمان وزمین کو پیدا کیا، پھر عرش پر قیام فرمایا، ۝ (۲) زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے اور جو اس سے باہر نکلتی ہے، آسمان سے جو چیز اُترتی ہے اور جو چیز اس کی طرف چڑھتی ہے، اللہ کو وہ سب معلوم ہیں، تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے، اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں، ۝ (۳) زمین و آسمان کی حکومت اسی کی ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ ۝

۱) یعنی اس کی ذات کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

۲) اللہ تعالیٰ کا عرش پر قائم ہونا اس کی شان کے اعتبار سے ہے، جس کی کوئی کیفیت متعین نہیں کی جاسکتی۔

۳) یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے دائرہ سے باہر نہیں ہے، اگر اناج کا ایک دانہ اور زمین پر ریگنے والا ایک کیڑا بھی زمین کے اندر داخل ہو، اور چھوٹا سے چھوٹا پودا، یا پتھر کی چٹان، یا پانی کا چشمہ زمین سے باہر نکلے، یا اوپر سے ہونے والی بارش ہو، یا نیچے سے چڑھنے والے بخارات اور فضائی ذرات ہوں، نیز انسان جہاں کہیں بھی ہو، کھلے میدان میں یا بند کمرے کی تاریکی میں، کوئی چیز نہیں جو اس کی اطلاع سے باہر ہو — اوپر چڑھنے والی چیز سے انسان کے اعمال بھی مراد ہو سکتے ہیں، جن کو لے کر فرشتے اوپر چڑھتے ہیں۔

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٦﴾ آمِنُوا بِاللَّهِ  
وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ  
أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿٧﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ  
أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ  
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٩﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَن أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٌ  
أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلُوا ۚ وَكَلَّا وَعَدَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ  
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٠﴾

وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے راز سے بھی واقف ہے، ﴿۶﴾ اللہ پر، اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور جس مال کا اللہ نے دوسروں کے بعد تم کو مالک بنادیا ہے، اس میں سے خرچ کرو، ﴿۷﴾ تو تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور خرچ کرتے رہے، ان کے لئے بڑا اجر ہے، ﴿۸﴾ اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہو؛ حالانکہ پیغمبر تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ اور اللہ تم سے اس کا عہد لے چکے ہیں، اگر تم واقعی ماننے والے ہو، ﴿۹﴾ وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے؛ تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور یقیناً اللہ تم پر بڑے شفیق اور مہربان ہیں، ﴿۱۰﴾ کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے؛ حالانکہ سب آسمان وزمین آخر میں اللہ ہی کے لئے رہ جائیں گے، تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ (دوسرے مسلمانوں کے) برابر نہیں، ان کا درجہ بعد میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والوں سے بڑھا ہوا ہے، اور (البتہ) اللہ نے سبھوں سے بہتر (انجام) کا وعدہ فرمایا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ کو اس کی پوری پوری خبر ہے۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انسان کو کس قدر لرزادینے والا ہے کہ اپنی دولت کے بارے میں یہ مت سمجھو کہ یہ تمہاری موردی چیز ہے، اور ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی اور خرچ کرنے کی وجہ سے تم اس سے محروم ہو جاؤ گے؛ بلکہ یاد رکھو کہ یہ دوسرے کے پاس تھی، تمہارے پاس آئی ہے اور پھر کسی اور کے پاس چلی جائے گی؛ اس لئے خرچ کرنے میں بخل نہیں ہونا چاہئے۔

﴿۲﴾ ’عہد‘ سے وہ عہد مراد ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی پیدائش کے بعد عالم ارواح میں ان سے لیا تھا، جس کو ’عہد اَلْسَتْ‘ کہا جاتا ہے، یہ عہد تو انسان کو یاد نہیں؛ لیکن اس عہد کا اثر یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خدا کا اقرار اور اس کی محبت موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک خدا کا اقرار کرنے والوں کے مقابلہ میں خدا کا انکار کرنے والا آٹے میں نمک کے برابر ہے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ←

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٢﴾

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہتر طور پر (یعنی اخلاص کے ساتھ) قرض دے، پھر اللہ اس کے اس قرض کو بڑھاتے چلے جائیں اور اس کے لئے باعزت اجر ہے، ﴿۱﴾ جس دن آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا، ﴿۲﴾ (ان سے کہا جائے گا: آج تمہارے لئے ایسے باغوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، یہی تو بڑی کامیابی ہے! ﴿۱۲﴾

← لوگوں نے فطرت کی اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے خدا کی ذات و صفات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، ورنہ وہ انبیاء کی تعلیمات تک پہنچ جاتے اور ضرور دین حق کی روشنی کو پالیتے۔

﴿۳﴾ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن صحابہ نے فتح مکہ سے پہلے جہاد کیا، اللہ کے راستہ میں خرچ کیا اور جان و مال کی قربانی دی، ان کا درجہ بڑھا ہوا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ میں سب سے زیادہ دین کے لئے خود سپردگی حضرت ابوبکر ؓ نے فرمائی ہے؛ اسی لئے بعض حضرات نے اس سے حضرت ابوبکر ؓ کی ذات مراد لی ہے؛ لیکن یہ آیت عام ہے اور بظاہر صرف حضرت ابوبکر ؓ کو اس کا مصداق قرار دینا صحیح نظر نہیں آتا، اور اس سے ان کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا؛ کیوں کہ کس مسلمان کو اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے بعد پوری انسانیت میں سب سے افضل شخصیت حضرت ابوبکر ؓ ہیں، دوسری بات اس سے علامہ قرطبی ؒ نے یہ اخذ کی ہے کہ جیسے آخرت میں پہلے اور بعد کے اعتبار سے اونچا اور نیچا درجہ متعین ہوگا، اسی طرح دنیا میں بھی علم و عمل یا سن و سال کے اعتبار سے جو بڑا ہو، اس کو آگے رکھنا چاہئے؛ اسی لئے حضور ؐ نے فرمایا: جو سب سے بہتر قرآن پڑھتا ہو، وہ لوگوں کی امامت کرے، (مسلم، کتاب المساجد، باب من اتم بالامامة، حدیث نمبر: ۶۷۳) اور ایک موقع پر یہ بھی فرمایا: تم لوگوں میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے، (متدرک حاکم، کتاب الامامة الخ، حدیث نمبر: ۸۸۶) چنانچہ فقہاء نے اس دوسری روایت کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں سب برابر ہوں تو جن کی عمر زیادہ ہو، ان کو امام بنانا چاہئے، (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة: ۲/۲۹۵، بیروت) تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ بہتر اجر کا وعدہ سبھوں سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے، اگرچہ ان کا درجہ پہلے مسلمان ہونے والوں کے مقابلہ کم ہے؛ مگر وہ بھی انشاء اللہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

﴿۱﴾ اللہ کو قرض دینے سے مراد اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسے لازماً قرض واپس کیا جاتا ہے، اسی طرح ان کو ضرور ان کے اس عمل کا اجر حاصل ہوگا۔

﴿۲﴾ دنیا میں روشنی تیل، گیس اور الیکٹرک وغیرہ کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہے، آخرت میں ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ روشنی پیدا ہوگی، جب انسان پُل صراط پر چلے گا تو یہی روشنی اس کے کام آئے گی، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ کسی کی روشنی ←

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۖ فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۚ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوُكُمْ النَّارُ ۚ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

اس دن منافق مرد و عورت مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، تو جواب دیا جائے گا: تم پیچھے کی طرف واپس لوٹ جاؤ، پھر کوئی روشنی تلاش کر لو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب، ﴿۱۵﴾ یہ منافق مسلمانوں کو آواز دیں گے: کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ وہ کہیں گے: ہاں تھے تو سہی؛ لیکن تم نے اپنے آپ کو خود ہی گمراہی میں پھنسا رکھا تھا، اور تم (ہمارے لئے مصیبتوں کے) انتظار میں رہتے تھے، نیز شک میں پڑے ہوئے تھے اور تم کو (تمہاری جھوٹی) اُمیدوں اور آرزوؤں نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا اور اللہ کے بارے میں دھوکہ باز (شیطان) تم کو دھوکہ دیتا رہا، ﴿۱۶﴾ تو آج تم سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جو (کھلے طور پر) کافر رہے، تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے، وہی تمہارا ساتھی ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ ﴿۱۷﴾

← کھجور کے درخت کے برابر ہوگی، کسی کی قد آدم ہوگی، کسی کی بہت کم اس کے پاؤں کے انگوٹھے کے برابر، جو کبھی جلے گی اور کبھی بجھے گی، (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۴۴) اگر دنیا میں تیل اور گیس کے ذریعہ روشنی ہو اور اللہ کی دی ہوئی عقل سے فائدہ اٹھا کر انسان بجلی پیدا کرے اور روشنی حاصل کرے تو اس میں کیا تعجب کہ اس روز اللہ تعالیٰ ان وسائل کے بغیر اہل ایمان کے لئے اعمال کے چراغ کو روشن کر دیں۔

﴿۱﴾ یعنی پل صراط کی یہ روشنی اہل جنت کو حاصل ہوگی تو ان کے پیچھے پیچھے چلنے والے ایمان سے محروم لوگ کہیں گے کہ ذرا اپنی روشنی سے ہمیں بھی فائدہ اٹھانے کا موقع دو؛ لیکن اس دن ایمان سے محروم لوگوں کے لئے کوئی رعایت نہیں ہوگی، چنانچہ مسلمانوں کے اور ان کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی، جس کے ایک طرف جنت ہوگی، جس میں رحمت ہی رحمت ہوگی، اس میں مسلمان رہیں گے، اور دیوار کی دوسری جانب دوزخ ہوگی اور وہ منافقین کا ٹھکانہ ہوگا۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿١٦﴾ إَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّ الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضْعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾

۲۹  
۱۸

کیا مسلمانوں کے لئے ابھی تک اس بات کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر سے اور جو حق (اللہ کی طرف سے) نازل ہوا ہے، اس سے اُن کے دل پگھل جائیں، اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر جب ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں، ﴿۱۶﴾ جان لو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرماتے ہیں، ہم نے نشانیوں کو اسی لئے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے کہ تم سمجھ لو، ﴿۱۷﴾ یقیناً خیرات کرنے والے مردوں اور عورتوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کو بہتر طور پر (یعنی اخلاص کے ساتھ) قرض دیا، بڑھا کر ادا کیا جائے گا، اور ان کے لئے بڑا ہی باعزت بدلہ ہے، ﴿۱۸﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے، وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق و شہید ہیں، ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا، وہی ہیں دوزخی! ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ غور کیجئے اور ذہن میں لائیے صحابہ کی عبادت و اطاعت، زہد و تقویٰ اور ایثار و قربانی، اس کے باوجود انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی جارہی ہے تو عام لوگوں کا کیا شمار؟ یہ ایسی لرزادینے والی آیت ہے کہ امام عبد اللہ بن مبارک ؒ اور شیخ فضیل بن عیاض ؒ جیسے عارفین جن کی ابتدائی زندگی غفلت کی تھی، اس آیت کو سن کر کانپ گئے اور وہی ان کے نائب ہونے کا سبب بنی، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۵۱/۱۷) — اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ایک علامت ہے کہ قرآن مجید سن کر انسان کا دل نرم ہو اور اس پر اللہ کی خشیت کے آثار ظاہر ہوں۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے خیرات کرنے والے مردوں اور عورتوں کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے مردوں کو اپنی املاک میں سے خرچ کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے دولت کو خرچ کرنے کا اختیار ہے؛ البتہ غلط راستے میں خرچ کرنا نہ کسی مرد کے لئے درست ہے اور نہ کسی عورت کے لئے۔

﴿۳﴾ صدیق سے وہ لوگ مراد ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ کی باتوں پر بھرپور یقین ہو: ”الْبَالِغُونَ فِي التَّصَدِيقِ“ (جلالین: ۷۲۲) ←

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهْبِجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿٢٧﴾ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٨﴾ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٩﴾

جان لو کہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشہ، ظاہری ٹیپ ٹاپ، ایک دوسرے پر فخر اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش ہے، (اس کی مثال ایسی ہی ہے) جیسے بارش؛ کہ اس سے اُگنے والی کھیتی کاشتکاروں کو بھلی لگتی ہے، پھر وہ سوکھ جاتی ہے، پھر تم اس کو دیکھتے ہو کہ زرد ہو گئی، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے، ﴿۱﴾ اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکہ کا سامان ہے، ﴿۲﴾ دوڑ واپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف، جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، یہ اللہ کا کرم ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں، عطا فرماتے ہیں اور اللہ بڑے کرم والے ہیں، ﴿۳﴾ کوئی بھی آفت جو زمین میں یا خود تم پر آتی ہے، وہ اس کے پیدا ہونے کے پہلے سے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے، یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے۔ ﴿۴﴾

← شہداء سے بعض حضرات نے ان لوگوں کو مراد لیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں؛ لیکن زیادہ تر لوگوں نے یہاں شہداء سے مخلص مسلمان مراد لئے ہیں، (معالم التنزیل: ۳۱/۵) صدیقین اور شہداء کے علاوہ قرآن مجید میں ایک اور موقع پر صالحین کا ذکر آیا ہے، (سورہ نساء: ۶۹) اس سے معلوم ہوا کہ سب سے اونچا درجہ انبیاء کا ہے، پھر صدیقین کا، پھر شہداء کا، پھر صالحین کا، (تفسیر قرطبی: ۲۵۳/۱۷) غرض کہ اہل ایمان میں بھی سب ایک درجہ کے نہیں ہیں؛ چوں کہ قرآن مجید میں صدیقین، شہداء اور صالحین کی صفات مومنوں کے لئے بیان کی گئی ہیں؛ اس لئے قیامت تک مسلمانوں میں ان تینوں درجات کے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے؛ البتہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا، رسول اللہ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

﴿﴾ یعنی جیسے ہری بھری کھیتی کو سوکھنے اور بھوسا بن جانے میں زیادہ وقت نہیں لگتا، دنیا کی مثال ایسی ہی ہے، اس کی رونقیں فانی اور بے اعتبار ہیں، اور آنکھ بند ہوتے ہی یہ عارضی نعمت و راحت رخصت ہو جائے گی۔



لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٧﴾  
 الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾  
 لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ  
 وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ  
 بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٩﴾

(اور ہم نے یہ بات اس لئے بتادی ہے) کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، تم اس پر رنج نہ کرو اور جو کچھ اللہ تم کو عطا فرمائیں، اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی متکبر شئی بگھارنے والے کو پسند نہیں کرتے، ﴿۱﴾ جو خود بھی بخل کرتے ہوں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کی ترغیب دیتے ہوں اور جو شخص منہ پھیر لے تو اللہ بے نیاز اور بڑی خوبیوں والے ہیں، ﴿۲﴾ ہم نے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ (آسمانی) کتاب اور ترازو بھی اتارا؛ تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، ﴿۳﴾ اور ہم نے لوہا بھی پیدا کیا، جس میں بڑی طاقت اور لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں، ﴿۴﴾ اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں، اللہ ان کو دیکھ لیں، یقیناً اللہ ہی طاقتور اور غالب ہیں۔ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ یعنی جب نعمتوں کا لینا اور دینا اللہ کی طرف سے ہے، تمہارا اس پر کوئی اختیار نہیں، تو جب نعمتیں چھن جائیں، تو غم نہ ہو کہ جو مالک تھا، اس نے اپنی چیز واپس لے لی، اور جب نعمتیں حاصل ہوں تو تکبر پیدا نہ ہو؛ کیوں کہ تکبر تو اپنی چیز پر ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کی دی ہوئی چیز پر۔

﴿۲﴾ انصاف سے مراد ہے حقوق کو متعین کرنے کا پیمانہ، مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک اہم فریضہ دنیا میں انصاف قائم کرنا ہے اور انصاف قائم کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک: صحیح طور پر حقوق کا متعین کرنا، دوسرے: جو حقوق متعین ہیں، ان کو ادا کرنا، تو حقوق کو جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اُتاری اور اس کی صحیح ادائیگی کے لئے پیمانے مقرر فرمائے، یہ پیمانہ مختلف اشیاء کے لئے ان کے لحاظ سے ہوگا، کہیں لوہے کی ترازو ہوگی، کہیں ایسے الیکٹرانک میٹر ہوں گے، جن کے ذریعہ مقدار جانی جاسکے، کہیں مسافت پیمانہ ہوگی کہ جتنی دور کا سفر ہو، اتنا کرایہ ادا کیا جائے، کہیں وقت پیمانہ ہوگا کہ جتنا وقت مقرر ہو، وہ پورا پورا وقت دیا جائے۔

﴿۳﴾ یعنی لوہا اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت آدم ؑ جنت سے اُتارے گئے تو انھیں دنیا میں بسنے کے لئے جو چیزیں ساتھ دی گئیں، ان میں ایک لوہا بھی تھا، جس کے کئی اوزار ان کو دیئے گئے، (تفسیر قرطبی: ۲۶۱/۱۷) لوہے کی جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں، آج ایک سوئی سے لے کر ٹرین اور ہوائی جہاز، ایک خنجر سے لے کر تباہ کن بحری اور فضائی بیڑہ اور معمولی فرنیچر سے لے کر آسمان کو چھوتی ہوئی عمارتیں تک ہر جگہ لوہا بنیادی کردار ادا کرتا ہے، ←

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۖ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٩﴾

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھی پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو جاری رکھا تو ان میں سے بعض تو ہدایت پر آگئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہی رہے، ﴿۲۸﴾ پھر ان کے پیچھے ہم اپنے پیغمبروں کو بھیجتے رہے، ان کے بعد مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا، ان کو انجیل عطا فرمائی اور ان کی پیروی کرنے والوں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم دلی پیدا کر دی، اور (البتہ) دنیا سے کنارہ کشی کو انھوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خود ایجاد کر لیا، جس کو ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، پھر جیسا اس کو نباہنا چاہئے تھا، نباہ بھی نہ سکے، تو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے، ان کو ہم نے ان کا اجر عطا کر دیا اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہی ہیں۔ ﴿۲۹﴾

← اللہ کی قدرت ہے کہ یہ سب سے مضبوط چیز ہے، جس سے بڑے بڑے پہاڑ توڑ دیئے جائیں؛ لیکن دوسری طرف اس کو موم کی طرح پگھلایا اور ہر طرح سانچے میں ڈھالا بھی جاسکتا ہے۔

﴿۱﴾ اس میں حضرت عیسیٰ ﷺ کی اُمت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو نرم بنایا ہے، ایک نبی کی اُمت کا سلسلہ اسی وقت تک قائم رہتا ہے، جب تک اگلا نبی نہ آجائے؛ اس لئے اس سے حضرت عیسیٰ ﷺ کے وہ متبعین مراد ہیں، جو آپ ﷺ کی نبوت سے پہلے حضرت عیسیٰ ﷺ کی لائی ہوئی حقیقی تعلیمات پر عمل کرتے رہے، اگر آج مغرب سے لے کر مشرق تک ہر جگہ عیسائی طاقتوں نے ظلم و بربریت کا بازار قائم کر رکھا ہے اور لاکھوں انسانوں کا خون بہانے کے باوجود بھی ان کی پیاس بجھ نہیں پاتی ہے، تو وہ اس میں شامل نہیں ہیں؛ کیوں کہ وہ حقیقی عیسائی ہیں ہی نہیں، عیسائیوں کا ایک دور رہبانیت اور دنیا سے کنارہ کشی کا گزرا ہے، جس میں نہ وہ نکاح کرتے تھے، نہ لذیذ غذا استعمال کرتے تھے، نہ میاں بیوی کا تعلق رکھتے تھے، یہاں تک کہ نہاتے اور دھوتے بھی نہیں تھے، پروفیسر لیکلی نے ”تاریخ اخلاق یورپ“ میں تفصیل سے اُن کے ان حالات کا ذکر کیا ہے، قرآن نے ان کے اسی عمل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا یہ طریقہ خود ساختہ تھا، اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی نہیں تھا، پھر جب انھوں نے یہ غیر فطری طرز زندگی اختیار کیا اور اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا تو اس کو نباہ بھی نہ سکے — اس ارشاد باری سے معلوم ہوا کہ اجر و ثواب کی نیت سے اپنے اوپر حلال کو حرام کر لینا دین داری نہیں ہے؛ بلکہ یہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے؛ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے کسی خاص چیز سے اجتناب کیا جائے، جیسے ڈاکٹر کے مشورے سے پرہیز کیا جائے، یا رغبت نہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لَيْلًا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو اللہ تم کو اپنی رحمت سے دوہرا حصہ عطا کریں گے، (۱) تم کو ایک ایسا نور عطا کریں گے کہ تم اس کو لئے ہوئے چلو گے (۲) اور تم کو معاف فرما دیں گے، اور اللہ بہت معاف کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں، (۳) (یہ بات اس لئے واضح کی گئی ہے) کہ گذشتہ کتاب والے اس سے ناواقف نہ رہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ان کو کوئی قدرت حاصل نہیں ہے، اور یہ کہ سارا فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہتے ہیں، عطا فرماتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں۔ (۳) ﴿۲۹﴾

← استعمال نہ کرے تو یہ صورتیں اس میں شامل نہیں ہیں — اللہ تعالیٰ نے یہ جو بات فرمائی کہ وہ اس کو نباہ نہ سکے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز واجب تو نہ ہو؛ لیکن اس کا کرنا پسندیدہ ہو، جیسے: نفل نماز، نفل روزے، اور اس کی نذر مان لی جائے تو نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اسی طرح احتاف اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک اگر کوئی نفل عبادت شروع کر دی جائے تو وہ بھی نذر ماننے کے درجے میں ہو جاتی ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۵/۲)

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت میں ”ایمان والوں“ سے ان لوگوں کو خطاب فرمایا گیا ہے، جو اہل کتاب تھے اور انبیاء بنی اسرائیل پر ایمان رکھتے تھے کہ اگر وہ ایمان لائیں گے تو ان کو دوہرا اجر عطا فرمایا جائے گا، ایک اجر انبیاء بنی اسرائیل پر ایمان کا، اور دوسرا اجر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا، (تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۸۵) یہ مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔ (بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأهله، حدیث نمبر: ۹۷۰)

﴿۲﴾ یہاں نور سے قرآن اور ہدایت کا نور مراد ہے، جو دنیا سے لے کر آخرت تک اور خاص کر پُل صراط پر کام آئے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۶۷)

﴿۳﴾ یعنی اہل کتاب کو جو بغض ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کی بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کیوں آگئی اور محمد ﷺ نبی کیوں بنا دیئے گئے؟ ان کا یہ سمجھنا زیادتی ہے؛ کیوں کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنی نعمت سے جسے چاہیں نواز دیں۔





## سُورَةُ الْمَجَادِلَةِ

«سورة نمبر : (۵۸)

«رکوع : (۳)

«آیتیں : (۲۲)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’مجادلہ‘ کے معنی ہیں بحث و تکرار کرنے والی، رسول اللہ ﷺ کی ایک صحابیہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ ان کے شوہر نے ان سے ظہار کر لیا تھا، ظہار کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، اسلام سے پہلے اس کو طلاق کی ایک صورت سمجھا جاتا تھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے قدیم طریقہ کے مطابق اس کو طلاق قرار دیا، انھوں نے اپنے اور اپنے شوہر کے بوڑھاپے کا حوالہ دیتے ہوئے اصرار کیا کہ ان کے لئے کوئی راستہ نکالا جائے، اس لئے قرآن مجید نے ان کا ذکر مجادلہ یعنی بحث کرنے والی خاتون سے کیا ہے، اور اسی نام پر اس سورہ کا نام ہے، یہ پوری سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے؛ البتہ بعض اہل علم نے اس کی بعض آیات کو کمی قرار دیا ہے، اس کے مضامین کو سامنے رکھتے ہوئے بعض اہل علم کا اندازہ ہے کہ یہ سورہ غزوہٴ احزاب (شوال ۵، ہجری) کے بعد نازل ہوئی۔

اس سورہ میں مدنی سورتوں کے عام مزاج کے مطابق بہت سے احکام کا ذکر آیا ہے، جیسے: ظہار کا حکم اور اس کا کفارہ، آپسی سرگوشی کا حکم، مجلسوں کے آداب، رسول اللہ ﷺ سے تنہائی میں بات کرنی ہو تو پہلے صدقہ کرنے کا حکم (جو بعد میں منسوخ ہو گیا) وغیرہ، اسی کے ساتھ ساتھ منافقین کی سازشوں، یہودیوں کے ساتھ ان کا تعلق اور اللہ اور رسول کے ساتھ ان کی عداوت وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الجزء ۲۸

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْكُمْ مَنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ ۖ إِنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الْأُنثَى وَلَدْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحَرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ۖ ذَلِكَ تُوَعِّظُونَ بِهِ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْبَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ۖ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۖ ذَلِكَ لِنُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اللہ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کرتی تھی، اللہ آپ دونوں کی گفتگو کو سن رہے تھے، یقیناً اللہ خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں، ۱ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں تو (اس کی وجہ سے) وہ ان کی مائیں نہیں ہو جائیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں، جنہوں نے ان کو جنا ہے، اور یقیناً وہ ایک نامعقول اور جھوٹی بات اپنی زبان سے نکال رہے ہیں اور بے شک اللہ خوب خوب معاف کرنے والے ہیں، ۲ اور جو لوگ اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھیں، پھر اپنی بات سے رجوع کر لیں تو ان کے ذمہ ایک دوسرے سے ہم بستری کرنے سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، تم کو اس کی ہدایت دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہیں، ۳ پھر جس کو غلام میسر نہ ہو، اس کو ہم بستری سے پہلے مسلسل دو مہینوں کے روزے رکھنے چاہئیں، جو شخص یہ بھی نہ کر سکے تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ۴

۱ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جن خاتون کا ذکر فرمایا ہے، وہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ۳ ہیں، وہ حضرت اوس ابن صامت ۴ کے نکاح میں تھیں، اکابر صحابہ کی نظر میں ان کی کیا قدر و منزلت تھی؟ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار حضرت عمر ۵ اپنے عہد خلافت میں گدھے پر سوار ہو کر گزر رہے تھے، کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ تھے کہ حضرت خولہ ۳ نے ان کو روکا اور کسی رُورعیت کے بغیر دیر تک بات کرتی رہیں، کہنے لگیں: اے عمر! ایک زمانہ تھا کہ لوگ تم کو عمر کہا کرتے تھے، عمر کے معنی چھوٹے عمر کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں تھا، پھر لوگ تم کو عمر کہنے لگے، اب وقت آیا کہ تم کو امیر المومنین کہا جاتا ہے ←

← تو اے عمر! اللہ سے ڈرو، جس کو موت کا یقین ہوتا ہے، وہ ڈرتا رہتا ہے کہ کوئی ضروری کام رہ نہ جائے، اور جس کو حساب و کتاب کا یقین ہوتا ہے، وہ عذاب سے ڈرتا رہتا ہے، حضرت عمرؓ برابر ٹھہرے ان کی بات سنتے رہے، لوگوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا: اس بڑھیا کے لئے آپ اتنی دیر ٹھہرے رہتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر یہ مجھے صبح سے شام تک بھی روکے رکھتیں تو میں سوائے فرض نماز کے یہاں سے نہیں ہٹتا، تم جانتے ہو، یہ بوڑھی خاتون کون ہیں؟ یہ خولہ بنت ثعلبہؓ ہیں، جن کی فریاد اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سنی ہے، کیا رب العالمین تو ان کی بات سنیں اور عمر نہ سنے؟

اسلام سے پہلے طلاق دینے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ شوہر بیوی کو اپنی ماں سے اور اکثر اپنی ماں کی پیٹھ سے تشبیہ دیتا تھا، کہتا تھا کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح ہو، اس کے بعد سمجھا جاتا تھا کہ وہ عورت اس کے لئے ماں کے درجہ میں آگئی، آیت نمبر: ۲ میں اس کا اشارہ موجود ہے اور گمان کیا جاتا تھا کہ نہ صرف یہ کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؛ بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے ماں کی طرح حرام ہوگئی، حضرت اوس ابن صامتؓ اور حضرت خولہؓ دونوں خاصے بوڑھے ہو چکے تھے، کسی بات پر حضرت اوسؓ کو غصہ آگیا اور انھوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا: تم مجھ پر میرے ماں کی پشت کی طرح ہو، پھر فوراً ہی رُجوع کرنا چاہا تو حضرت خولہؓ نے کہا: جب تک حضورؐ سے مسئلہ معلوم نہ کر لیا جائے تم میرے قریب بھی نہ آؤ، پھر وہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں: میرا شوہر میری جوانی کو کھلا چکا، میرے پیٹ کو چوڑا چکا، اب جب میں بوڑھی ہو رہی ہوں تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا ہے، آپؐ نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی، وہ اصرار کرتی رہیں کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق کے الفاظ نہیں کہے ہیں، آپؐ یہی فرماتے رہے، اور یہ بھی فرمایا کہ میرے اوپر اس سلسلہ میں کوئی حکم نہیں اُترا، حضرت خولہؓ نے عرض کیا: ہر مسئلہ میں آپؐ پر وحی آتی رہتی ہے، اس معاملہ میں نہیں آئی ہے، آپؐ نے فرمایا: ہاں، بات یہی ہے جو تم کہہ رہی ہو، حضرت خولہؓ نے کہا: اب میں اللہ کے رسولؐ سے نہیں اللہ ہی سے شکایت کرتی ہوں، اپنے فاقہ کی، اپنی تنہائی اور وحشت کی، اور شوہر سے جدائی کی، اتنے میں آپؐ پر یہ ابتدائی آیات نازل ہوئیں، آپؐ نے ان کے شوہر سے فرمایا: ایک غلام آزاد کر دو، وہ اپنی گردن پکڑ کر عرض کرنے لگے: میں اس کے یعنی اپنے آپ کے سوا کسی کا مالک نہیں ہوں، آپؐ نے فرمایا: پھر دو ماہ مسلسل روزے رکھ لو، حضرت اوسؓ نے عرض کیا: میں دن میں تین بار نہ کھاؤں تو میری تو بصارت ہی متاثر ہو جائے، ارشاد ہوا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو، کہنے لگے: پھر آپ ہی اس سلسلہ میں مدد فرمائیے، یہ بھی میرے بس میں نہیں ہے، آپؐ نے عنایت فرمایا اور اس طرح انھوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کیا۔

ظہار کے شرعی حکم سے پہلے ذرا رک کر ان واقعات پر غور کیجئے، اس سے ایک سبق تو یہ ملا کہ عہد نبویؐ میں خواتین کھل کر اپنا مدعا پیش کرتی تھیں اور پوری جرات کے ساتھ اپنے مسائل کو رکھتی تھیں، عام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں عورت کو بہت دبا کر رکھا جاتا ہے اور ان کو زبان کھولنے کی بھی اجازت نہیں ملتی ہے، یہ غلط ہے، پھر رسول اللہؐ نے ان کی جرات مندانہ گفتگو کا کوئی برائ نہیں مانا؛ بلکہ کمال شفقت کا معاملہ فرمایا اور کفارہ کی ادائیگی میں حضرت اوسؓ کی مدد فرمائی، اسی طرح حضرت عمرؓ کا تواضع دیکھئے کہ امیر المومنین ہونے کے باوجود حضرت خولہؓ کی ایسی بات کو جس میں زجر و تنبیہ کا پہلو بھی تھا، کس قدر صبر کے ساتھ سنا، یہ کیفیت کسی انسان میں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی خشیت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔



إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ يَوْمَ يَنْعَثُهُمُ اللَّهُ جَنِيحًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۖ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے، جیسے ان سے پہلے کے لوگ ہوئے، اور ہم تو صاف صاف احکام نازل کر چکے ہیں، تو جو نہیں مانے، اسی کے لئے رسوا کن عذاب ہے، ۵۸ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے تو ان سب کا کیا ہوا ان کو بتا دیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں۔ ۵۹

← آیت نمبر: ۲۰ سے ۴ تک تین احکام ذکر کئے گئے ہیں، اول یہ کہ بیوی کو ماں کہنا یا ماں کی طرح کہنا گناہ کی بات ہے، یہ جھوٹ بھی ہے واقعہ کے خلاف بھی ہے اور بیوی کی ایذا رسانی بھی ہے؛ اس لئے اگر کوئی ایسا کر گزرے تو اس گناہ کی معافی کے لئے توبہ کرنی چاہئے کہ اللہ خوب معاف کرنے والے ہیں، دوسرا حکم یہ بتایا گیا کہ اگر کوئی شخص ایسا کر گزرے تو اس کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ البتہ جب تک وہ کفارہ ادا نہ کر دے، اس کی بیوی سے اس کے لئے ہم بستری جائز نہیں ہوگی، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ظہار کا کفارہ ترتیب کے ساتھ اس طرح ہے: اگر غلام آزاد کر سکتا ہو تو غلام آزاد کرے، اگر غلام آزاد نہیں کر سکتا تو ساٹھ روزے رکھے، روزے بھی نہیں رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، ان صریح احکام کے علاوہ اشارۃً ان ہی آیات سے کچھ اور احکام بھی واضح ہوتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ ہم بستری ہونے سے پہلے کفارہ ادا کر دینا چاہئے، کفارہ کی ادائے گی سے پہلے یا ادائے گی کے درمیان ہم بستری ہونا جائز نہیں، دوسرے: روزے رکھنے کا جو حکم ہے، اس میں تسلسل ضروری ہے کہ مسلسل دو ماہ روزے رکھے جائیں، تیسرے: ظہار مرد کی طرف سے معتبر ہے نہ کہ عورت کی طرف سے، یعنی اگر عورت شوہر سے کہے میں تم پر تمہاری ماں کی طرح ہوں یا تم مجھ پر میرے باپ کی طرح ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔

فقہاء نے ظہار سے متعلق بعض اور احکام کی احادیث اور قیاس و اجتہاد کی روشنی میں وضاحت کی ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ ظہار اپنی بیوی کو کسی محرم رشتہ دار سے یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینے کا نام ہے، جس کو دیکھنا حرام ہے، اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح یا میری ماں کی ران کی طرح ہو تو یہ صریحاً ظہار ہے، اور اگر کوئی کہتا ہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح ہو تو اس میں دو معنوں کا احتمال ہے، ایک یہ کہ وہ کہنا چاہتا ہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہو تو اس صورت میں یہ ظہار ہوگا، اور اگر وہ اس نیت کا اظہار کرے کہ تم شکل و صورت میں میری ماں کی طرح ہو، یا میری نظر میں ماں کی طرح محبوب و محترم ہو تو یہ ظہار نہیں ہوگا، یہ صورت کنایہ کی ہے، دوسرا قابل ذکر مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا؛ لیکن نہ کفارہ ادا کرتا ہے اور نہ بیوی کا صنفی حق ادا کرتا ہے تو اسے قاضی مجبور کرے گا کہ یا تو وہ کفارہ ادا کر کے بیوی کا حق ادا کرے، یا پھر اسے طلاق دیدے۔ (ملخص از: تفسیر قرطبی: ۱۷/۲۸۸۳۲۶۹، ہندیہ، باب التاسع فی الظہار: ۱/۵۰۷)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آذَنُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۵۸﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِاللَّيْلِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحْيِكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُكُمْ جَهَنَّمُ يَصْلُونَهَا فَبُئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۹﴾

آپ نے دیکھا نہیں کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کو معلوم ہے، کہیں تین آدمیوں میں کانا پھوسی نہیں ہوتی، مگر ان میں کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور پانچ آدمیوں میں کانا پھوسی نہیں ہوتی، مگر ان میں چھٹی اللہ کی ذات ہوتی ہے، اور نہ اس سے کم یا زیادہ ہوں؛ مگر اللہ ان کے ساتھ ہوتے ہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہوں، پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کئے ہوئے کام بتا دیں گے، یقیناً اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کانا پھوسی کرنے سے منع کر دیا گیا تھا؟ پھر بھی وہ لوگ وہی کام کرتے ہیں، جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا اور گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے لئے کانا پھوسی کرتے ہیں، ﴿۲﴾ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے الفاظ میں سلام کرتے ہیں، جن الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ (اگر آپ سچے رسول ہیں تو) اللہ ہم کو ہماری اس بات کی وجہ سے عذاب کیوں نہیں دیتے؟ (اے پیغمبر!) ان کے لئے تو دوزخ ہی کافی ہے، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ کتنی بری جگہ ہے! ﴿۳﴾

﴿۱﴾ اگلی آیات میں سرگوشی اور کانا پھوسی سے متعلق بعض احکام آئے ہیں؛ اس لئے اس سے پہلے بنیادی بات فرمادی گئی کہ چھپ چھپا کر کانا پھوسی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ جیسے وہ انسانوں سے اپنی بات چھپا رہے ہیں، اسی طرح اللہ سے بھی اپنی بات چھپانے میں کامیاب ہو جائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری ایک ایک بات سن رہے ہیں، چاہے تم تین ہو، یا چار، یا پانچ ہو، یا چھ، یا اس سے زیادہ یا اس سے کم، یہ نہ سمجھو کہ تمہاری آپس میں باتیں اللہ تعالیٰ کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔

﴿۲﴾ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت یہودیوں اور منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، صورت حال یہ تھی کہ وہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے؛ لیکن جب مسلمانوں کو دیکھتے تو رازدارانہ گفتگو کرنے لگتے اور مسلمانوں کو دیکھ کر باہم ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے، اس سے مسلمانوں کو غلط فہمی پیدا ہوتی، صحابہ نے آپ ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اس حرکت سے منع فرمایا؛ لیکن منع کرنے کے باوجود وہ اس سے باز نہیں آئے، (تفسیر قرطبی: ۲۹۱/۱۷) — معلوم ہوا کہ جہاں چند لوگ ہوں، وہاں ایک دو آدمی کو آپس میں رازدارانہ انداز سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے کہ جس سے دوسروں کو بدگمانی و غلط فہمی پیدا ہو، یا ان کو یہ احساس ہو کہ ہمیں قابل بھروسہ مند نہیں سمجھا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْأَلْسِنِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبَيِّنَاتِ وَالتَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩﴾ إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَرِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾

اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کے کان میں بات کرو تو گناہ، ظلم و زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی بات نہ کیا کرو، ہاں، نیکی اور پرہیزگاری کی بات کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے، ﴿۹﴾ کا نا پھوسی کرنا تو شیطانی حرکت ہے؛ تاکہ مسلمانوں کو رنج پہنچائیں اور وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، سوائے اس کے کہ اللہ کو یہی منظور ہو اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۰﴾

﴿۳﴾ یہودیوں کا عجب مزاج یہ تھا کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچا کر خوشی ہوتی تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ وہ تو انبیاء بنی اسرائیل اور خود حضرت موسیٰ ﷺ کو بھی تکلیف پہنچا چکے تھے؛ چنانچہ کچھ یہودی خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ”السام علیک“ سام کے معنی موت کے ہیں، ”السام علیک“ کے معنی ہوئے: تم پر موت آئے، گویا اس طرح سلام کیا کہ رسول اللہ ﷺ تو اس کو سلام سمجھیں اور حقیقت میں یہ دُعا کے بجائے بددعا سیہ فقرہ ہو جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، ان سے برداشت نہ ہو سکا، انھوں نے پلٹ کر یہی فقرہ ان یہودیوں سے کہا اور کچھ اور بھی بددعائیں دیں، آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو روکا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ بدکلامی کو پسند نہیں فرماتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ ﷺ نے سمجھا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ارشاد ہوا: تم نے میرا جواب نہیں سنا کہ میں نے کہا ”وعلیکم“ (بخاری، کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۶۰۳۸) اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ آپ ﷺ کی مجلس میں آکر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سلام کے بجائے بے ادبی کی باتیں کرتے، پھر اس کے ساتھ ایک غلط بات دل میں یہ ہوتی کہ اگر آپ ﷺ واقعی سچے دین کی دعوت دے رہے ہیں، تو ہماری ان حرکتوں کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا؛ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر فوراً عذاب نہ آئے تو وہ خوشی نہ منائیں؛ کیوں کہ ان کی سزا کے لئے دوزخ ہی کافی ہے۔

﴿۱﴾ رازداری کے ساتھ جو بات کی جاتی ہے وہ اس شخص پر اثر انداز ہوتی ہے، جس سے بات کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاً تو کا نا پھوسی سے بچو؛ کیوں کہ کا نا پھوسی زیادہ تر دوسروں کو نقصان پہنچانے اور شکوہ و شکایت کے لئے کی جاتی ہے؛ لیکن اگر کبھی اس کی ضرورت پڑ جائے تو اچھے مقصد کے لئے کرو، مثلاً کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو علی الاعلان ٹوکنے کے بجائے آہستگی سے رازداری کے ساتھ اس کی غلطی پر متنبہ کر دو اور اصلاح کی بات کرو تو یہ بہتر عمل ہوگا؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تین آدمی ہوں تو ایک آدمی کو الگ کر کے آپس میں کا نا پھوسی نہ کی جائے؛ کیوں کہ اس سے تیسرے شخص کو تکلیف پہنچتی ہے، (بخاری، کتاب الاستئذان، باب لاتناجی اثنان دون الثالث، حدیث نمبر: ۵۹۳) — اس میں تین کی تعداد بطور مثال کے ہے، اگر اس سے زیادہ لوگ ہوں اور ایک دو افراد کو چھوڑ کر بات کی جائے تب بھی یہی حکم ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَظْهَرُ ۚ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں گنجائش پیدا کرو تو گنجائش پیدا کیا کرو، اللہ بھی تمہارے لئے کشادگی پیدا فرمادیں گے اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کر کھڑے ہو جایا کرو، تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا، اللہ ان کے درجے بلند کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ اے ایمان والو! جب تم پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ خیرات کیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ طریقہ ہے اور اگر تم کو (خیرات کرنے کے لئے کوئی چیز) میسر نہ ہو تو اللہ خوب معاف کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ صفہ میں تشریف فرما تھے، جمعہ کے دن کی وجہ سے جگہ تنگ ہو گئی، معمول مبارک یہ تھا کہ آپ ﷺ حاضرین میں سے غزوہ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین و انصار کا خصوصی اکرام فرمایا کرتے تھے، آج ایسا ہوا کہ جگہ پُر ہو گئی، پھر کچھ بدری صحابہ جن میں حضرت ثابت بن قیسؓ بھی تھے، تشریف لائے اور حضور ﷺ کے سامنے کھڑے رہے کہ شاید ان کے لئے لوگ جگہ نکالیں؛ لیکن لوگوں کو اس طرف توجہ نہ ہو سکی، یہ بات آپ ﷺ کو گراں گزری اور آپ نے کچھ حضرات سے فرمایا کہ تم کھڑے ہو جاؤ، وہ تعمیل حکم میں کھڑے تو ہو گئے؛ لیکن حضور ﷺ کی قربت سے محرومی ان پر گراں گزری اور آپ ﷺ نے ان کے چہروں کے تاثر سے محسوس کر لیا، منافقین ایسے مواقع کی تاک میں لگے رہتے تھے، وہ ایک دوسرے کو آنکھ مارنے اور بڑبڑانے لگے کہ ان بے چاروں کے ساتھ انصاف نہیں ہوا، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۲۹۷) جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی مصلحت کی وجہ سے اٹھ جانے کا حکم دیا جائے تو اٹھ جایا کرو، اگر کچھ لوگ عمر اور درجہ و مقام میں تم سے بڑھے ہوئے ہوں اور ان کے احترام میں تم کو کھڑا ہونا پڑے تو یہ نہ سمجھو کہ اس میں تمہارا درجہ کم ہو گیا؛ بلکہ جو لوگ ایمان رکھتے ہوں اور اہل علم بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے درجہ کو بلند فرمائیں گے — مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حکم ہر ایسی مجلس کے لئے ہے جس میں مسلمانوں کا اجتماع ہو، چاہے مشورے کی ہو، ذکر کی ہو، جمعہ کے دن کی نسبت سے ہو، ایسی مجلسوں میں جو اہم شخصیتیں بعد میں آئیں، اپنی بیٹھک میں گنجائش پیدا کر کے ان کو بھی جگہ دینی چاہئے؛ البتہ یہ حکم خاص حالات میں ہیں، ورنہ عمومی حکم یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہیں بیٹھا ہوا ہو تو دوسرے شخص کے لئے درست نہیں کہ اس کو اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، (ترمذی، کتاب الادب، باب کراہیۃ ان یقام الرجل من مجلسہ ثم یجلس فیہ: ۲۷۹۰) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے گنجائش پیدا کرنے کا حکم فرمایا نہ کہ اٹھ جانے کا، ←

ءَاشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ ۖ فَاذْكُم ۖ تَفْعَلُوا ۚ وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْبِئُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَاللَّهُ حَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ أَلَمْ تَرَ ۚ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۚ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۹﴾

کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ (رسول کے ساتھ) سرگوشی کرنے سے پہلے خیرات دیا کرو؟ پھر بھی جب تم یہ نہیں کر سکتے اور اللہ نے تم سے درگزر فرمایا تو اب نماز کے پابند رہو، زکوٰۃ دیا کرو، اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ کو اس کی پوری خبر ہے، ﴿۱۶﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں، جن پر اللہ کا غضب ہے، یہ لوگ نہ تمہارے ہیں اور نہ ان کے، اور وہ جانتے بوجھتے جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں، ﴿۱۷﴾ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، یہ جو کچھ کرتے ہیں وہ یقیناً برا ہے، ﴿۱۸﴾ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں تو ان کے لئے ذلت بھرنا عذاب ہے۔ ﴿۱۹﴾

← آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص بیٹھ گیا ہو اور کسی وجہ سے وہ وہاں سے اُٹھے اور پھر واپس آئے تو وہی شخص اس جگہ بیٹھے کا زیادہ مستحق ہے: ”مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلَسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ“۔ (مسلم، کتاب السلام: ۲۱۷۹)

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ سے لوگ کثرت سے سوالات کرتے تھے اور دیر تک بات کرنے کی کوشش کرتے تھے؛ اس لئے حکم دیا گیا کہ پیغمبر ﷺ سے اگر تنہائی میں گفتگو کرنی ہو تو پہلے صدقہ کیا کرو، اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو تب بھی ضروری گفتگو کر سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی یہی تشریح فرمائی ہے اور اس میں ایمان والوں کو خطاب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مسلمانوں کے لئے بھی تھا، منافقین آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے لئے تنہائی میں طویل اور بے ضرورت گفتگو کیا کرتے تھے، ان کا دیکھا دیکھی سادہ لوحی میں بعض مسلمان بھی ایسا کرنے لگے؛ البتہ یہ بات غریب صحابہ کو گراں گزری کہ ایک تو ہم زیادہ صدقہ کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے، دوسرے: اگر ہم اپنی غربت کی وجہ سے رخصت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے صدقہ کئے بغیر آپ ﷺ سے تنہائی میں بات کریں تو پتہ نہیں اللہ کے نزدیک ہم اس رخصت کے مستحق بھی ہیں کہ نہیں؟ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت نمبر: ۱۲ کے نازل ہونے کے بعد دن کا کچھ ہی حصہ گزرا تھا کہ آیت نمبر: ۱۳ نازل ہوئی اور صدقہ کا یہ حکم ختم کر دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۹۳)

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۱۴، ۱۵ میں منافقین کا ذکر ہے اور جن پر اللہ کا غضب ہے سے مراد یہود ہیں، یعنی یہ منافقین ظاہر تو کرتے ہیں کہ ←

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵۸﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۵۹﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۶۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿۶۱﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَبَنَ آدَمُ وَهُوَ عَلَىٰ إِيَّائِي غَٰلِبٌ ﴿۶۲﴾

اللہ کے مقابلہ میں ان کے مال و اولاد ان کے ذرا بھی کام نہ آئیں گے، یہی دوزخی لوگ ہیں، ہمیشہ وہیں رہیں گے، ﴿۵۸﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ کریں گے تو یہ اللہ کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے، جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں، اور خیال کریں گے کہ انھیں بھی کوئی سہارا حاصل ہے، خوب سن لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں، ﴿۵۹﴾ شیطان نے ان پر قابو پا لیا ہے، اس نے ان کو خدا فراموشی میں مبتلا کر دیا ہے، یہی ہے شیطان کا گروہ، یقیناً شیطانی گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے، ﴿۶۰﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، بے شک وہی سب سے ذلیل لوگ ہیں، ﴿۶۱﴾ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب ہوں گے، یقیناً اللہ طاقتور اور غالب ہیں۔ ﴿۶۲﴾

← ہم مسلمان ہیں؛ لیکن ان کی دوستی ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں سے عناد رکھنے والے ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک ایسا شخص داخل ہوگا، جس کا دل تبر سے بھرا ہوا ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اتنے میں عبداللہ ابن نبیل داخل ہوا، حضور ﷺ نے اس سے پوچھا: تم اور تمہارے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟ وہ قسم کھانے لگا کہ میں نے برا بھلا نہیں کہا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایسا کیا ہے، پھر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا اور ان لوگوں نے بھی قسم کھائی کہ انھوں نے آپ ﷺ کو برا بھلا نہیں کہا، حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ اور مختلف حضرات سے اس آیت کا یہی پس منظر منقول ہے، (الدر المنثور: ۸/۸۵) — اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جو غیر مسلم مسلمانوں سے عناد رکھتے ہیں اور ان کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں، مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان سے دوستی رکھیں؛ البتہ حسن سلوک تو ہر انسان کے ساتھ ہونا چاہئے۔

﴿۱﴾ بعض صحابہ نے کہا کہ اگر اللہ نے ہمیں مکہ اور طائف میں فتح عطا فرمائی تو ایک وقت آئے گا کہ ہم روم اور فارس پر بھی غلبہ حاصل کر لیں گے، بعض منافقین کہنے لگے کہ تم نے جو چند گاؤں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے تو روم اور فارس کے بارے میں یہی گمان رکھتے ہو، ان کی بہت بڑی تعداد ہے اور وہ تمہارے گمان سے بھی بڑھ کر طاقتور ہیں، اسی سلسلہ میں ارشاد ہوا کہ اصل طاقت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ نے طے کر دیا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۳۰۶/۱۷)

ع

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۖ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾

آپ اب نہیں پائیں گے کہ جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی کریں، چاہے وہ ان کے باپ بیٹے، بھائی یا خاندان کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے اور اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، اللہ ان سے راضی رہیں گے اور وہ اللہ سے، یہی ہے اللہ تعالیٰ کا گروہ، سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔ ﴿۱۰﴾

﴿۱﴾ اس آیت میں صحابہ کی تعریف ہے کہ یا تو منافقین ہیں، جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے مخالفین سے دوستی کاٹھے ہوئے ہیں، یا آپ ﷺ کے صحابہ ہیں، جو رشتہ ایمان کے مقابلہ میں خونی رشتہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے؛ چنانچہ صحابہ کے کئی ایسے واقعات پیش آئے، جن میں بیٹے کے مقابلے میں باپ اور باپ کے مقابلے میں بیٹے شمشیر بکف ہو گئے؛ کیوں کہ انھوں نے اپنے ان قریب ترین رشتہ دار کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سرگرم پایا، اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن ابی منافق کے مخلص صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے واقعات مفسرین نے نقل کئے ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۳۰۷/۱۷)







## سُورَةُ الْحَشْرِ

«سورة نمبر : (۵۹)

«رکوع : (۳)

«آیتیں : (۲۴)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’حشر‘ کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اس میں یہودیوں کے جمع کئے جانے اور ان کے نکالے جانے کا ذکر ہے، جو سورہ کی آیت نمبر: ۲ میں آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورہ حشر ہے؛ چوں کہ اس میں یہودیوں کے جس قبیلہ کے نکالنے کا ذکر آیا ہے، وہ بنو نضیر ہے؛ اس لئے اس سورہ کا ایک نام بنو نضیر بھی ہے، نیز یہ سورہ بنیادی طور پر بنو نضیر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر خازن: ۲۶۶/۴)

اس سورہ میں بنی نضیر کی جلاوطنی، دشمن سے صلح کے ذریعہ حاصل ہونے والے مالِ فنی اور جنگ کے ذریعہ حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے احکام ذکر کئے گئے ہیں، منافقین اور یہود کے باہمی تعلقات جن کا مقصد مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا تھا، ان کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید کی عظمت پر روشنی ڈالی گئی ہے، آیت نمبر: ۲۲ تا ۲۳ میں ایک ہی جگہ اللہ تعالیٰ کے اتنے اسماءِ حسنیٰ جمع کر دیئے گئے ہیں، جن کا اکٹھا ذکر کہیں اور نہیں آیا ہے۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۱ هُوَ الَّذِي اَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنْهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمْ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۚ وَقَذَفَ فِي قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيهِمْ وَاَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِ الْاَبْصٰرِ ۝۲ وَلَوْ لَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۚ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنْهُمْ شَاَقُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ فَانَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝۱ آسمان وزمین میں جو چیزیں ہیں، سب اللہ کی پاکی بیان کرنے میں لگی ہوئی ہیں، اللہ ہی غالب اور حکمت والے ہیں، ۝۱ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ایمان نہ لانے والوں کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال باہر کیا، تمہیں گمان بھی نہ تھا کہ یہ سب نکلیں گے اور خود انھوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ ان کو ان کے قلعے اللہ سے بچالیں گے تو ان پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ سے آپہنچا، جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو اجاڑ رہے تھے، تو اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت حاصل کرو، ۝۲ اور اگر اللہ نے ان کی قسمت میں جلا وطن ہونا نہ لکھ دیا ہوتا تو اللہ ان کو دنیا ہی میں عذاب دے دیتے اور آخرت میں بھی ان کے لئے آگ کا عذاب ہے، ۝۳ یہ اس لئے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو (اس کو جان لینا چاہئے کہ) یقیناً اللہ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ۝۴

۱) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ سورہ حشر قبیلہ بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے؛ اسی لئے اسے سورہ بنو نضیر بھی کہا جاتا ہے، (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورہ حشر، حدیث نمبر: ۴۶۱۰) رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے تین قبائل آباد تھے: بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قریظہ، ان سے معاہدہ ہوا تھا کہ مسلمان اور وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، بنو نضیر کا سردار کعب بن اشرف تھا، جب غزوہ اُحد میں بظاہر مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کا کافی نقصان ہوا تو یہودیوں کے مختلف قبائل کے حوصلے بڑھنے لگے؛ چنانچہ کعب بن اشرف چالیس افراد کے وفد کے ساتھ مکہ گیا اور اس نے قریش کے ساتھ کعبہ کے پاس عہد کیا کہ ہم دونوں مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، رسول اللہ ﷺ کو اس منصوبہ کی اطلاع مل گئی تھی؛ چوں کہ اس پوری سازش کا دماغ کعب بن اشرف تھا، اور وہ ویسے بھی وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا؛ ←

← اس لئے آپ ﷺ نے حفاظتی نقطہ نظر سے اس کے خفیہ قتل کا حکم جاری کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے ایک جاں نثار صحابی محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وہ مارا گیا، پھر ۴ ہجری میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے، آپ سے درخواست کی کہ صحابہ کی ایک جماعت ہمارے یہاں بھیجی جائے، جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دے اور جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، انہیں دینی تعلیم دے، رسول اللہ ﷺ نے ستر صحابہ کی ایک جماعت ان کے یہاں بھیجی، مگر وہ لوگ دھوکہ باز نکلے اور انھوں نے ان مسلمانوں کو شہید کر دیا، سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ ’بزمعوضہ‘ کے نام سے آیا ہے، اس واقعہ میں صرف ایک صحابی عمرو بن أمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کسی طرح بچ کر آ سکے، وہ جب مدینہ تشریف لارہے تھے تو ان کو دو غیر مسلموں کا سامنا ہوا، حضرت عمرو بن أمیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ایمانی بھائیوں کی لاشوں کو خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھا تھا؛ اس لئے وہ جوش انتقام میں بھرے ہوئے تھے؛ چنانچہ ان دونوں کو قتل کر دیا، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ قبیلہ بنو عامر کے لوگ تھے، جن سے مسلمانوں کا معاہدہ صلح تھا، اس بنیاد پر آپ ﷺ نے دونوں مقتولوں کا خون بہا ادا کرنے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں سے اس سلسلہ میں تعاون لیا، ساتھ ساتھ قبیلہ بنو ضمیر میں بھی اسی مقصد سے تشریف لے گئے؛ تاکہ وہ بھی باہمی معاہدہ کے تحت اس میں شریک ہوں، وہ بظاہر بہت اچھی طرح پیش آئے، آپ کو ایک دیوار سے متصل بیٹھا یا اور کہنے لگے: ہم ابھی رقم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں؛ لیکن ایک دوسری سازش میں لگ گئے کہ فضیل کے اوپر سے پتھر کی ایسی چٹان گرا دی جائے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کا کام تمام ہو جائے، آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس کا علم ہو گیا، اور آپ ﷺ وہاں سے نکل کر مدینہ تشریف لے آئے، ان کی یہ سازش اس بات کے لئے کافی تھی کہ ان پر حملہ کر دیا جائے؛ لیکن آپ ﷺ نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے ان کو دس دنوں کی مہلت دی کہ وہ اپنے سامان و اسباب لے کر کسی اور جگہ منتقل ہو جائیں؛ لیکن منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء نے ان کو اُکسایا کہ وہ اس کو قبول نہ کریں اور مقابلہ کریں، ہم بھی تمہارا ساتھ دیں گے، مگر جب مسلمانوں نے فوج کشی کی تو منافقین کو باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہوئی، اکیس دنوں تک محاصرہ جاری رہا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب پیدا کر دیا کہ وہ جلا وطن ہونے کے لئے تیار ہو گئے، آپ ﷺ کی طرف سے اجازت تھی کہ وہ ہتھیار کے علاوہ جو چیز بھی اپنے ساتھ لے جاسکتے ہوں لے جائیں؛ چنانچہ وہ اس طرح نکلے کہ گھر کے دروازے تک توڑ کر ساتھ لے گئے، ان کی بڑی تعداد تو خیر چلی گئی، جہاں پہلے ہی سے یہودی آباد تھے، ان کے بڑے بڑے سردار حیی بن اخطب، سلام ابن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع وغیرہ نے اپنے لئے خیبر کا ہی انتخاب کیا اور کچھ لوگ شام کی طرف چلے گئے، وہاں بھی پہلے سے یہودیوں کی آبادی تھی، سورہ حشر میں ان ہی واقعات کا ذکر ہے، یہ واقعہ ربیع الاول ۴ ہجری میں پیش آیا اور بنو ضمیر کی جلا وطنی اس لئے ضروری ہو گئی تھی کہ ان کا قلعہ مدینہ منورہ سے صرف دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱/۱۸، تفسیر ابن کثیر: ۳/۹۷) سیرت کی کتابوں میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے۔

ان آیات میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں: اول یہ کہ یہاں ’اول الحشر‘ یعنی پہلی بار اکٹھا کر کے نکالنے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوسری بار بھی اکٹھے کر کے نکالے جائیں گے، تو اس پر تو اتفاق ہے کہ پہلی بار سے یہی واقعہ بنو ضمیر مراد ہے؛ لیکن دوسری بار کے نکالنے سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے، بعضوں نے کہا کہ قیامت میں جمع کیا جانا مراد ہے، ←

مَا قَطَعْتُمْ مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ﴿٥٩﴾  
وَمَا آفَاءُ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِن خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ  
رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦٠﴾

تم نے کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے یا اس کو اس کی جڑوں پر رہنے دیا تو یہ اللہ ہی کے حکم سے تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو رسوا کرے، ﴿۵۹﴾ اور اللہ نے اپنے رسول کو ان (یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر) سے جو کچھ دلایا (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں)؛ کیوں کہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ؛ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتے ہیں، غالب کر دیتے ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ﴿۶۰﴾

← بعض حضرات کے نزدیک اس سے قرب قیامت کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ مقصود ہے؛ لیکن زیادہ تر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ دوسری بار سے واقعہ خیبر کی طرف اشارہ ہے، جب حضرت عمر ؓ نے یہودیوں کو وہاں سے جلا وطن کیا تھا اور اس کے بعد یہودیوں نے شام میں بودوباش اختیار کر لی تھی۔ (مفتاح الغیب: ۲۹/۲۳۳)

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ آیت نمبر ۲۰ میں فرمایا گیا ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے بھی گھروں کو اجاڑ رہے تھے اور مسلمان بھی اجاڑ رہے تھے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان تو قلعہ کے باہر سے عمارت کو نقصان پہنچا رہے تھے؛ تاکہ وہ قلعہ چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں اور جب یہ بات طے پا گئی کہ وہ قلعہ سے نکل جائیں گے تو پھر خود انھوں نے بھی اپنے مکانات کی توڑ پھوڑ شروع کی، اور اس کے دو مقاصد تھے، ایک یہ کہ وہ زیادہ سے زیادہ سامان اپنے ساتھ نکال کر لے جائیں، یہاں تک کہ کمروں کی چوکھٹیں اور دروازے بھی نکال لے گئے، دوسرا مقصد یہ تھا کہ ان کے مکانات بہت آراستہ اور سب سے سجائے تھے، انھوں نے ان کو کچھ اس طرح تباہ و ویران کر دیا کہ مسلمان اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۴) — یہ بات بھی فرمادی گئی کہ جلا وطنی کا معاملہ پھر بھی ان کے ساتھ ایک رعایت والا معاملہ ہوا؛ ورنہ ان پر دنیا ہی میں اللہ کا عذاب نازل ہو سکتا تھا؛ کیوں کہ رسول کی مخالفت کسی قوم کو اس نہیں آتی۔

﴿۱﴾ قبیلہ بنو نضیر کے کھجور کے بہت سے باغات تھے، جب محاصرہ طویل ہونے لگا تو بعض مسلمانوں نے کھجور کے کچھ درخت کاٹ دیئے اور جلا دیئے، یہودیوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ آپ کا تو گمان ہے کہ آپ نبی ہیں اور اصلاح کرتے ہیں تو کیا درختوں کا کاٹنا یا جلانا اصلاح میں شامل ہے اور کیا آپ کے دین میں فساد کی اجازت ہے؟ آپ ﷺ کو یہ بات گراں گذری اور مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے، ایک نے کہا: ہمیں درختوں کو کاٹنا چاہئے؛ تاکہ دشمن کا غیظ و غضب بڑھے اور وہ اپنی مجبوری کو دیکھ کر ہتھیار ڈالیں، دوسرے گروہ کی رائے تھی کہ درختوں کو نہ کاٹا جائے؛ تاکہ یہ باغ بھی مسلمانوں کے کام آئیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی رائے کو درست قرار دیا؛ کیوں کہ ان دونوں کی نیت درست تھی، ویسے شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ جنگ کے

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۖ

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصَرُّونَ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّدِيقُونَ ۖ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شَحْنَنَفسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۙ

اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے جو مال دلوا یا ہے، تو وہ اللہ، رسول، (رسول کے) قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے؛ تاکہ تم میں سے مال داروں ہی کے درمیان (دولت) گردش نہ کرتی رہے اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں، اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں، ﴿۴﴾ (یہ مال) ان ضرورت مند مہاجرین کا حق ہے، جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے بے دخل کر دیئے گئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کیا کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں، ﴿۵﴾ نیز یہ ان لوگوں کا حق ہے، جو ہجرت کرنے والوں (کی آمد) کے پہلے سے اس جگہ (یعنی مدینہ) میں آباد ہوئے ہیں، ایمان لائے ہیں اور وہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے، اس سے اپنے دل میں کوئی غلش نہیں رکھتے اور اگرچہ خود فاقہ سے دوچار ہوں، اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنی طبیعت کی حرص سے محفوظ رکھا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۶﴾

← دورانِ بلا وجہ درختوں اور کھیتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اور عام حالات میں بھی بلا وجہ درختوں کو کاٹنا بہتر نہیں، امام ابو بکر جصاص رازی ؒ نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ اجتہادی ہو اور دو فریقوں کا اجتہاد الگ الگ نتیجہ پر پہنچے تو دونوں کے اجتہاد کو صواب اور درست سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ بعض صحابہ کا درختوں کو کاٹنا اور بعض کا نہ کاٹنا دونوں کی بنیاد اجتہادی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کے عمل کو درست ٹھہرایا۔ (احکام القرآن للجصاص: ۳/۴۲۹)

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾

ج

نیز یہ اُن لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے اور جو دُعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دیجئے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں کوئی کینہ نہ رہنے دیجئے، یقیناً آپ ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ ﴿۱۰﴾

﴿۱﴾ غیر مسلموں سے جو مال حاصل ہوتا ہے، وہ دو قسم کا ہے، ایک وہ جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہو، اس کو مالِ غنیمت کہتے ہیں، سورہ انفال میں اس کا حکم آچکا ہے، دوسرے: وہ جو صلح کے ذریعہ بغیر جنگ کے حاصل ہو، یہ مالِ فئی ہے، مالِ غنیمت بنیادی طور پر مجاہدین کا حق ہے اور مالِ فئی بیت المال کی ملکیت ہے، تو آیت نمبر ۶۰ میں یہ بات واضح فرمادی گئی کہ بنو نضیر سے جو مال مسلمانوں کو ملا ہے، وہ مالِ غنیمت نہیں ہے، مالِ فئی ہے؛ اس لئے اصولی طور پر یہ اس مہم میں شریک رہنے والوں کا حق نہیں ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ جیسے چاہیں، اس کی تقسیم فرمائیں، اللہ کی طرف سے آپ کو اختیار ہے؛ چنانچہ آیت نمبر ۷ کے شروع ہی میں فرمایا گیا کہ چون کہ تم کو ان سے نہ باضابطہ جنگ کرنی پڑی، نہ گھوڑے اور اونٹ دوڑانے پڑے؛ بلکہ پیدل گئے اور اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب پیدا کر دیا کہ وہ خود جلا وطنی پر مجبور ہو گئے؛ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کی براہ راست ملکیت ہے، اس وضاحت کے بعد دو باتیں بتائی گئی ہیں، ایک یہ کہ اس مال کے مصرف کون کون لوگ ہیں؟ دوسرے: کس قسم کے لوگوں میں سے ان مصارف کا انتخاب کیا جائے گا؟ — تو مصارف پانچ بتائے گئے: اللہ کے رسول ﷺ؛ تاکہ آپ کی خانگی ضروریات پوری ہوں، دوسرے: آپ کے قرابت دار؛ کیوں کہ وہ آپ کی نصرت و اعانت میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور آزمائش کے وقت بھی آپ کے ساتھ کھڑے رہے، نیز ان کے لئے زکوٰۃ بھی حرام کر دی گئی تھی، تیسرے: یتیموں کی مدد کی جائے، ایک تو اس وقت مسلمانوں پر جو حملہ کئے جا رہے تھے، اس کی وجہ سے یتیم بچوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی، دوسرے خیال ہو سکتا تھا کہ جب بچے ملک کے دفاع میں شریک نہیں ہو سکتے تو ان کو ان میں سے حصہ بھی نہیں ملنا چاہئے؛ اس لئے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا، چوتھے: مسکین، اور پانچویں: مسافر، ان کو محتاج اور ضرورت مند ہونے کی وجہ سے شامل کیا گیا، یہ تو مالِ فئی کے مصارف ہوئے، اب آگے اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا، جن پر ان مصارف میں سے خرچ کرنے کی گنجائش ہے، اول: مہاجرین جو ہجرت کر کے مدینہ گئے اور جن کو ان کے گھر بار تک سے بے دخل کر دیا گیا، ان کا تذکرہ آیت نمبر ۸ میں ہے، دوسرے: وہ انصار جو مدینہ منورہ میں پہلے سے آباد ہیں، جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے لئے پیش کر دیا اور جن کے ایثار و قربانی کا حال یہ ہے کہ چاہے خود فاقہ سے دوچار ہوں؛ لیکن اپنے مہاجر بھائیوں کی مدد سے ان کا دل خوش ہوتا ہے، ان کا ذکر آیت نمبر ۹ میں ہے، تیسرے: وہ لوگ جو مکہ سے آنے والے مہاجرین اور مدینہ میں آ کر بسنے والے انصار کے بعد مدینہ آ گئے، ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلوں کے قدر داں اور مرتبہ شناس ہیں، ان کا ذکر آیت نمبر ۱۰ میں ہے؛ چنانچہ جب بنو نضیر کا مال آیا، جو اس وقت تک مسلمانوں کے پاس آنے والی سب سے بڑی دولت تھی، تو آپ ﷺ نے انصار کو جمع کیا اور پہلے تو ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں رکھا —

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَیْسَ اُخْرٰجُكُمْ لَنُخْرِجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نَطْبِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۚ وَ اِنْ قُوْلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ط  
وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۱

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو نفاق میں مبتلا ہیں، وہ اپنے ان بھائیوں کو جو ایمان نہیں لائے اور وہ اہل کتاب میں سے ہیں، کہتے ہیں: ”اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، تمہارے بارے میں کبھی بھی کسی کی بات نہ مائیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے“ اور اللہ گواہ ہیں کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ ۱۱

← اور اپنے مال و اسباب میں شریک رکھا، پھر ان کے سامنے یہ مشورہ رکھا کہ اگر تم چاہو تو بنو نضیر سے ملنے والے مال کو میں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دوں اور جیسے ابھی تمہارے ساتھ مہاجرین کی رہائش ہے، اسی طرح وہ آئندہ بھی رہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ میں یہ مال مہاجرین کو دے دوں اور وہ تمہارے گھروں سے نکل کر اپنی دنیا آپ بسائیں، انصار کے قائدین حضرت سعد بن عبادہ ؓ اور حضرت سعد بن معاذ ؓ نے عرض کیا: جو کچھ مال حاصل ہوا ہے، سب مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کی رہائش بھی پہلے ہی کی طرح ہمارے گھروں میں باقی رہے، یہ سننا تھا کہ انصار چیخ پڑے، ہم اس فیصلہ پر راضی ہیں اور ہمیں یہ پسند ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس ایثار سے متاثر ہو کر خصوصی طور پر دعا فرمائی کہ اے اللہ! انصار پر اور ان کی اولاد پر رحم فرما؛ چنانچہ آپ ﷺ نے سارا مال مہاجرین میں تقسیم فرمادیا، انصار میں سے صرف تین صحابہ کو ان کی محتاجی کی وجہ سے اس تقسیم میں شامل فرمایا، ایک: ابو جہانہ سماک بن خرشہ ؓ، دوسرے: سہیل بن حنیف ؓ، تیسرے: حارث بن صمہ ؓ، (تفسیر قرطبی: ۲۳/۱۸) — حقیقت یہ ہے کہ انصار کی قربانی اور خود سپردگی کی ایسی مثال آسمان کے آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے مالِ فی کے احکام بیان کرتے ہوئے آیت نمبر: میں دو اصولی باتوں کی طرف اشارہ فرمادیا: ایک یہ کہ اسلام ایسے معاشی نظام کو پسند نہیں کرتا، جس میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے، جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام ہے، اسلام سے پہلے عربوں میں میراث صرف خاندان کے بالغ مردوں کو ملا کرتی تھی، عورتوں اور بچوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، اس طرح چند ہاتھوں میں پورا ترکہ آجاتا تھا اور بقیہ لوگ محروم رہ جاتے تھے، شریعت اسلامی نے ایسا قانون میراث دیا، جس میں زیادہ سے زیادہ ترکہ کی تقسیم ہو اور اس کے حقداروں میں عورتوں اور بچوں کو بھی شامل رکھا، اسی طرح جنگ میں حاصل ہونے والا مال صرف لڑنے والوں کی یا ان کے سرداروں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی، اسلام نے اس سے بھی عوام کا حق متعلق کر دیا، اسی طرح سود اور جوا کو حرام کر دیا گیا، جس کے ذریعہ بہت سے لوگوں کی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آ جاتی تھی؛ تاکہ دولت اور اس کے وسائل کا زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ ہو اور سماج کے لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔ ←



لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُوهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُؤْلِنَ الْأَذْبَارَ ۚ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ﴿١٦﴾ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٧﴾ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرَى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٨﴾

اگر وہ وہ جلا وطن کئے جائیں گے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اگر ان سے لڑائی ہوگی تو یہ ان کی مدد بھی نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد بھی کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی، ﴿۱۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے مقابلہ تمہارا ڈر زیادہ ہے، یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے، ﴿۱۷﴾ تم سے وہ سب مل کر بھی لڑ نہیں سکتے؛ سوائے اس کے کہ قلعہ بند بستیوں میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں، ان کی آپسی لڑائی ہی بڑی تیز ہے، تم ان کے بارے میں گمان کرتے ہو کہ وہ متحد ہیں؛ حالاں کہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں، ایسا اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔ ﴿۱۸﴾

← دوسرا اصولی حکم یہ دیا گیا کہ جو کچھ رسول دے دیں، اُسے لے لیں، اور جس سے منع کریں، اس سے رُک جائیں، اس ارشاد کا تعلق صرف غزوہ بنو نضیر میں حاصل ہونے والے مال ہی سے نہیں ہے؛ بلکہ آپ سے ملنے والے تمام احکام و ہدایات کا ہے، کہ حضور ﷺ جن باتوں کا حکم کریں، ان پر عمل کرو اور جن باتوں سے منع کریں، ان سے رُک جاؤ، معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث حجت ہیں اور احکام الہی کا جاننے کا بہت اہم ذریعہ ہیں۔

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۱ سے ۱۳ تک منافقین کا ذکر ہے، جو خاندان کے اعتبار سے انصار میں سے تھے؛ لیکن انصار کی طرح وہ اخلاص کے ساتھ ایمان نہیں لائے؛ بلکہ اپنے دل میں کفر کی بیماری چھپائے رہے اور مسلمانوں کے خوف سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہے، ان کی زیادہ دوستی بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں سے تھی اور انھوں نے ان کو یقین دلایا تھا کہ ہم تمہارے مقابلہ میں محمد ﷺ کی بات نہیں مانیں گے، اگر جنگ ہوئی تو تمہارے ساتھ ساتھ لڑیں گے اور نکالے گئے تو تمہارے ساتھ نکل پڑیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب وقت آئے گا تو وہ اس وعدہ کو پورا نہیں کر پائیں گے؛ چنانچہ یہی ہوا کہ بنو نضیر نکالے گئے؛ لیکن منافقین اپنے گھروں میں چھپے رہے، اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف نہیں ہے، ورنہ وہ دل سے مسلمان ہو جاتے اور ظاہری طور پر مسلمان ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ ان کے دلوں میں تمہارا خوف بھرا ہوا ہے۔

كَمْثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاتُوا وِبَالَ أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾ كَمْثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَذَلِكَ جَزَاُ الظَّالِمِينَ ﴿١٧﴾ يَٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾

(ان کی مثال) ان لوگوں کی سی ہے، جو ان سے تھوڑی ہی مدت پہلے اپنے کئے کی سزا بھگت چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ﴿۱۵﴾ ان کی مثال شیطان کی ہے، جو انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہتا ہے: میرا تم سے کوئی تعلق نہیں، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، ﴿۱۶﴾ پھر ان دونوں کا انجام یہی ہے کہ دونوں دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ وہیں رہیں گے، ظالموں کی سزا یہی ہے، ﴿۱۷﴾ اے مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل (یعنی قیامت کے دن) کے لئے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ ہی سے ڈرتے رہو، تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ اس سے باخبر ہیں، ﴿۱۸﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو جھٹلادیا تو اللہ نے ان کو ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے، ﴿۱۹﴾ یہی ہیں نافرمان لوگ! ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۴، ۱۵ میں یہودیوں کا ذکر ہے کہ ان کے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ کھل کر تمہارے مقابلہ پر آجائیں، زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے کہ قلعوں اور مکانوں میں بند ہو جائیں، پھر بالآخر بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودیوں کا بھی وہی حشر ہوگا، جو حشر اس سے پہلے بنو قریظہ کے یہودیوں کا ہو چکا ہے، جنہیں ان کے قلعہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ اگرچہ مسلمانوں کی عداوت نے انہیں متحد کر رکھا ہے؛ لیکن خود ان کے اندر بھی خاصا اختلاف ہے اور ان کے دل ایک دوسرے سے ٹوٹے ہوئے ہیں؛ چنانچہ بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قریظہ کے درمیان بڑی چپقلش تھی، صرف اسلام دشمنی نے ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا، آج بھی عیسائی دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ بڑی عداوتیں ہیں، یہاں تک کہ ان کے درمیان دو عظیم جنگیں ہو چکی ہیں، اسی طرح عیسائی یہودی سے اور یہودی عیسائی سے سخت نفرت کرتے ہیں، مشرق و مغرب کے درمیان سرد جنگیں چل رہی ہیں؛ لیکن صرف اسلام دشمنی نے ان کو ایک دوسرے سے قریب کر رکھا ہے اور کیوں نہ ہو کہ تاریکی کا سبب کچھ بھی ہو، وہ چاہتی ہے کہ روشنی نہ پھیلے!

﴿۲﴾ یعنی دنیا میں لوگوں کو کفر پر اُکساتا ہے اور آخرت میں پہنچ کر شیطان اپنا پیچھا چھڑالے گا اور کہے گا کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں۔

﴿۳﴾ اپنے آپ کو بھولنے سے مراد یہ ہے کہ وہ نہ اپنے نفع کو سمجھتے ہیں اور نہ نقصان کو۔

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٩﴾ لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٠﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٦١﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ ۚ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٢﴾ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٣﴾

دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے، جنتی تو کامیاب ہیں، ﴿۵۹﴾ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تم اس کو بھی دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے پست ہو جاتا اور پھٹ پھٹ پڑتا، یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں؛ تاکہ وہ غور کریں، ﴿۶۰﴾ وہی اللہ ہیں، جن کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے ہیں، وہ بڑے مہربان اور بے حد رحم کرنے والے ہیں، ﴿۶۱﴾ وہی اللہ ہیں، جن کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہیں، (ہر عیب سے) پاک ہیں، سلامتی عطا کرنے والے اور امن بخشنے والے ہیں، نگہبان ہیں، غالب ہیں، خود مختار اور بڑی عظمتوں والے ہیں، اللہ کی ذات ان لوگوں کے شریک ٹھہرانے سے پاک ہے، ﴿۶۲﴾ وہی اللہ پیدا کرنے والے ہیں، ایجاد کرنے والے اور صورتیں بنانے والے ہیں، ان کے اچھے اچھے نام ہیں، ﴿۶۳﴾ آسمان و زمین میں جو چیزیں ہیں، سب ان کی پاکی بیان کرتی ہیں اور وہی ہیں غالب اور بڑی حکمت والے! ﴿۶۳﴾

﴿۱﴾ یعنی پہاڑ تو پتھر کے ہوتے ہیں، جو سب سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اگر ان کو کچھ سمجھ دے دی جاتی اور ان پر اللہ کا کلام اتار دیا جاتا تو وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے؛ کیوں کہ کسی فرد یا گروہ پر اللہ کا کلام اتارے جانے سے دو بنیادی ذمہ داریاں متعلق ہیں، ایک: خود اس پر عمل کرنا، دوسرے: اوروں کو عمل کی دعوت دینا، ان دونوں ذمہ داریوں کو نباہنا آسان نہیں، اس کے علاوہ خود کلام الہی کے اُترنے کا بوجھ کچھ ایسا ہے کہ اس کو برداشت کرنا معمولی کام نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ پر وحی کے نازل ہونے کے وقت جو کیفیت ہوتی تھی، حدیثوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ (بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر: ۲)

﴿۲﴾ اسماء حسنیٰ کا ذکر سورہ اعراف: ۱۸۰ میں آچکا ہے، حدیثوں میں ان کی تعداد ننانوے آئی ہے، قرآن مجید میں ایک ہی جگہ اللہ تعالیٰ کے جتنے اسماء حسنیٰ ان دو آیتوں میں جمع ہیں، قرآن میں کہیں ایک جگہ اتنے سارے ناموں کا ذکر نہیں آیا ہے۔





## سُورَةُ الْمُتَحَنِّنَاتِ

«سورہ نمبر : (۶۰)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۱۳)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی آیت نمبر: ۱۰ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب کوئی خاتون مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ آجائے تو اس کو غیر مسلموں کی طرف سے واپس نہ کیا جائے؛ البتہ اس کا امتحان لیا جائے کہ کیا وہ واقعی مسلمان ہے؟ اسی لحاظ سے اس سورہ کا نام 'ممتحنہ' ہے، یعنی وہ عورت جس کا امتحان لیا جائے۔

یہ سورہ مدنی ہے اور دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس میں بھی اہم احکام ذکر کئے گئے ہیں اور خاص طور پر مسلم اور غیر مسلم تعلقات کے بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ جو غیر مسلم اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر کمر بستہ ہیں، ان سے مسلمانوں کو دُور رہنا چاہئے، ان سے دوستی نہیں کرنی چاہئے، جن مسلمان مردوں کی بیویاں مکہ میں رہ گئی تھیں، اور جو مسلمان عورتیں غیر مسلموں کے نکاح میں تھیں اور وہ مدینہ آگئیں، ان کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے؟ اس پر روشنی ڈالی گئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُسوہ پیش کیا گیا کہ انھوں نے ایمان کی خاطر اپنی اس قوم سے بے تعلقی کا اظہار فرما دیا، جو مسلمان نہیں ہوئی تھی، غیر مسلموں سے تعلقات کے سلسلہ میں یہ بنیادی اصول بھی واضح کر دیا گیا کہ غیر مسلموں کے جس گروہ کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ مناسب ہو، عداوت اور جنگ و جدال کا نہ ہو، ان کے ساتھ دوستی رکھنے اور حسن سلوک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواتین کے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے اور ان مضامین کا بھی جن پر بیعت لی جانی چاہئے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ ۖ إِنَّ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ إِنَّ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَالسِّنَنُ لَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۖ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان لوگوں کو دوستی کا پیغام بھیجو، جنہوں نے تمہارے پاس آنے والے دین برحق کا انکار کر دیا اور جو رسول کو اور تم لوگوں کو اس بنیاد پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اللہ پر — جو تمہارا پروردگار ہے — ایمان رکھتے ہو، اگر تم میرے راستہ میں جہاد کے لئے اور میری خوشنودی کو تلاش کرنے کے لئے نکلے ہو (تو کیا بات ہے) کہ تم ان کی طرف چپکے چپکے دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، اور تم جو کچھ چھپاتے ہو، میں اس سے بھی واقف ہوں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اس سے بھی، اور تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا، وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا، ۱ اگر وہ تم کو پالیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں چلائیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ، ۲ قیامت کے دن ہرگز نہ تمہارے رشتے ناتے کام آئیں گے نہ تمہاری اولاد، اللہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اور تم جو کچھ بھی کر رہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ ۱۱۱

۱ رسول اللہ ﷺ کے ایک مخلص صحابی حضرت حاطب ابن بلتعہ ؓ تھے، جو غزوہ بدر میں شرکت کرنے والوں میں سے تھے، وہ اصل میں یمن کے رہنے والے تھے، مکہ میں ان کا اپنا خاندان بھی تھا؛ لیکن حضرت زبیر بن عوام ؓ کے حلیف تھے اور ان کے خاندان بنو اسد بن عبد العزیٰ کی پناہ میں تھے، آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے کے بعد ایمان لائے اور مدینہ ہجرت فرمائی، ہجرت کے آٹھویں سال جب اہل مکہ نے حدیبیہ میں ہونے والی صلح کو توڑ دیا تو آپ ﷺ اہل مکہ کے خلاف فوجی کارروائی کی تیاری کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ مکہ والوں کو اس کی خبر نہ ہو؛ تاکہ آپ اچانک مکہ پہنچیں، مناسب جنگی تیاری نہ ہونے کی بنا پر اہل مکہ ہتھیار ڈال دیں اور حرم شریف میں خون خرابہ کی نوبت نہ آئے، اسی زمانے میں سارہ نامی ایک خاتون مکہ سے مدینہ پہنچیں، جو اصل میں گانا بجانا کیا کرتی تھیں اور اپنی غربت و محتاجی کے وجہ سے آپ ﷺ سے مدد کی طلب گار ہوئیں؛ حالاں کہ وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں اور نہ ہجرت کی ←

← نیت سے آئی تھیں، پھر بھی آپ ﷺ کی رحم دل طبیعت نے دشمنوں کی طرف سے آئی ہوئی ایک خاتون کے ساتھ بے مروتی کی اجازت نہیں دی اور آپ ﷺ نے اپنے لوگوں سے ان کی مدد کرائی، مکہ کے بیشتر مہاجرین کے کچھ نہ کچھ رشتہ دار مکہ میں موجود تھے اور انھیں اپنے اپنے خاندان کی حفاظت حاصل تھی؛ لیکن حضرت حاطب ؓ چوں کہ اصل میں مکہ کے رہنے والے نہیں تھے؛ اس لئے بظاہر آپ کے کنبہ کے لوگوں کو وہاں کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا، انھیں خیال پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ جب مسلمان مکہ پر حملہ کریں تو اہل مکہ انتقامی کارروائی کے طور پر ان لوگوں کو نشانہ بنائیں، جن کے رشتہ دار مسلمان ہو چکے تھے تو اور لوگ تو شاید بچ جائیں؛ لیکن میرے خاندان کو تو کسی طرف سے کوئی تحفظ ہی حاصل نہیں ہو پائے گا؛ اس لئے انھوں نے سارے کودس دینار والی چادر دی اور اس کے ساتھ ایک خط دیا کہ یہ اہل مکہ کو پہنچا دو اور خط میں لکھا کہ ”رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس ایک ایسی فوج کے ساتھ آرہے ہیں، جو گویا ایک رات کی طرح ہے، یعنی بہت بڑی فوج، جو پانی کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی ہے اور میں تمہیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ تنہا بھی مکہ آجائیں، تب بھی اللہ آپ ﷺ کو تم لوگوں کے مقابلہ میں فتح عطا فرمائیں گے اور تم پر فتح پانے کا وعدہ پورا کر دیں گے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے دوست اور مددگار ہیں“ بعض روایتوں میں یہ اضافہ ہے کہ: ”لہذا تم اپنے بچاؤ کا انتظام کرلو“۔

رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اطلاع کر دی گئی اور مقام بھی بتا دیا گیا کہ ”روضہ خاخ“ نامی مقام پر وہ خاتون اس خط کو لے کر پہنچ چکی ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ، حضرت زبیر ؓ، اور حضرت مقداد ؓ کو اس کے تعاقب میں بھیجا، ان کو ٹھیک اسی مقام پر وہ خاتون ملی، ان حضرات نے اس سے خط کا مطالبہ کیا، پہلے تو اس نے انکار کیا، اس کے سامان کی تلاشی لی گئی، مگر خط نہیں ملا، حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بات فرمائی ہے، وہ جھوٹی نہیں ہو سکتی؛ اس لئے خط نکالو، ورنہ ہم تمہارے کپڑے نکلوا دیں گے، جب اس نے دیکھا کہ اب خط نکالنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، تب اس نے اپنے بال کے جوڑے یا اپنی تہ بند کی بندش کے پاس سے خط نکالا اور یہ حضرات واپس آئے، جب رسول اللہ کے پاس پہنچے اور خط کھولا گیا تو حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر قلم کر دوں، حضور ﷺ نے حضرت حاطب ؓ کو بلا بھیجا اور ان سے دریافت کیا، انھوں نے عرض کیا: میں جیسے پہلے مسلمان تھا، اب بھی مسلمان ہوں، میں نہ کافر تھا اور نہ مرتد ہوا ہوں، مسلمان ہونے کے بعد کفر پر راضی ہونے کا سوال ہی نہیں؛ البتہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کا تعلق خود مکہ سے ہے اور مہاجرین کے کنبہ کے لوگ ہاں موجود ہیں، اگر ان کے قرابت داروں پر کوئی آفت آئی تو وہ ان کو بچالیں گے؛ لیکن میرے کچھ قرابت دار وہاں ہیں، ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا تو ہم نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جس فتح کا وعدہ فرمایا ہے، وہ تو بہر حال آپ کو حاصل ہو کر رہے گی؛ لیکن میرے اس عمل کی وجہ سے میرے کنبہ کے لوگوں کو تحفظ حاصل ہو جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حاطب نے سچ کہا، اور حضرت عمر ؓ سے فرمایا: ”حاطب بدر میں شریک رہے ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا: اب تم جو بھی چاہو عمل کرو، میں نے تم لوگوں کو معاف کر دیا“۔

(خلاصہ از: صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل اہل بدر الخ: ۲۴۹۴، تفسیر قرطبی: ۵۰۵۱/۱۸)

اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ جو لوگ اسلام کے دشمن ہیں، ان سے تمہاری ایسی دوستی نہ ہونی چاہئے کہ وہ تمہارے راز کی باتوں سے بھی واقف ہو جائیں؛ حالاں کہ پہلے انھوں نے ہی تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، ←



قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُوْا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدًّا إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبْنَيْهِ لَا اسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ رَبَّنَا عَلَيْنِكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنْتَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفُ رُبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے رفقاء (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور اللہ کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، ان سب سے بیزار ہیں، ہم تمہارا (یعنی تمہارے معبودوں کا) انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور نفرت پیدا ہو گئی ہے، یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ، ہاں، ابراہیم کی اپنے والد سے یہ بات ضرور ہوئی تھی کہ میں آپ کے لئے مغفرت کی دعا کروں گا اور (لیکن) میں آپ کے لئے اللہ کے مقابلہ کوئی اختیار نہیں رکھتا، ابراہیم نے دعا کی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا آپ ہی پر بھروسہ ہے اور ہم آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف واپس لوٹ کر جانا ہے، ۵ اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا دیجئے اور ہم کو معاف کر دیجئے، اے ہمارے پروردگار! یقیناً آپ غالب اور حکمت والے ہیں، ۵ بے شک تمہارے لئے ان لوگوں میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے، یعنی ان لوگوں کے لئے جو اللہ کا اور آخرت کے دن کا یقین رکھتے ہوں، اور جو شخص منہ پھیر لے گا تو یقیناً اللہ بے نیاز اور بڑی خوبیوں والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

← اور اب بھی ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم کو پالیں تو کوئی رعایت نہ کریں؛ اس لئے دین کے مقابلہ میں قرابت داری اور شہ مندی کا لحاظ نہ کرو۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام نے مطلقاً کافروں کی دوستی کو منع نہیں کیا ہے؛ بلکہ ان لوگوں کی دوستی کو منع کیا ہے، جو مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور جنہوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے، جیسا کہ اس آیت میں اہل مکہ کی صورتحال بیان کی گئی ہے، دوسرے: ایسا نہیں ہے کہ اسلام نے ہر غیر مسلم کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے؛ بلکہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے، جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں اور ان کو نقصان پہنچانے کی تاک میں رہتے ہیں، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کی جاسوسی کرے تو اگرچہ یہ سخت گناہ ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم لگایا نہیں جاسکتا، ہاں، حکومت کو حق ہوگا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس کو سزا دے۔ (تفسیر قرطبی: ۵۳/۱۸)

عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً ۖ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۷۰﴾ لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۷۱﴾ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۷۲﴾

عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان — جن سے تمہاری دشمنی ہے — دوستی پیدا کر دیں اور اللہ بڑی قدرت والے ہیں اور وہ خوب معاف کرنے والے، بڑے مہربان ہیں، ﴿۷۰﴾ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتے، جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، ﴿۷۱﴾ اللہ صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتے ہیں جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں لڑائی کی ہے، تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا ہے اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہے اور جو ان سے دوستی کرے، وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ ﴿۷۲﴾

﴿۷۱﴾ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ تم کو حضرت ابراہیم ؑ کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلہ میں خاندانی رشتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور ان سے بے تعلقی کا اظہار فرمایا؛ البتہ حضرت ابراہیم ؑ کے اس عمل سے روک دیا گیا کہ شروع میں انہوں نے اپنے مشرک والد کے لئے استغفار کیا تھا؛ لیکن تمہارے لئے اس کی اجازت نہیں ہے، اور حضرت ابراہیم ؑ نے بھی اپنے والد کے لئے اسی وقت تک دُعا کی، جب تک کہ ان کو امید تھی کہ شاید یہ ایمان لے آئیں گے اور جب تک ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُعا کرنے سے منع نہیں کر دیا گیا؛ چنانچہ سورہ توبہ، آیت نمبر: ۱۱۳ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

﴿۷۲﴾ آیت نمبر: ۷۱ تا ۹۲، مسلم غیر مسلم تعلقات کے بارے میں ایک اہم اصول کو واضح کرتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور ان سے دوستی رکھنے کی مطلقاً ممانعت ہے؛ بلکہ یہ ممانعت ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مسلمانوں سے آمادہ جنگ ہیں اور جنہوں نے مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کر دیا ہے، ورنہ جن لوگوں کا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کا نہیں ہے، ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو نقصان سے بچاتے ہوئے دوستی رکھنی چاہئے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا اس قدر لحاظ فرمایا کہ جب اہل مکہ قحط سے دوچار ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے مدد کے طور پر پانچ سو دینار بھیجے، (سیر کبیر: ۱/۹۶) مشرکین مکہ کے قائد ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت اُم حبیبہ ؓ سے خود نکاح فرمایا، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اس مغنیہ عورت کی مدد فرمائی، جو مدد کے لئے آپ ﷺ کے پاس آئی تھی؛ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہی حسن سلوک آئندہ ان کے مسلمانوں سے قریب ہونے اور دوست بن جانے کا ذریعہ ثابت ہو؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے اہل مکہ جو اس وقت مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے، وہ بعد میں اسلام کے جاں نثار سپاہی بن کر کھڑے ہوئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۚ فَإِنْ عَلَيَتْهُنَّ مُؤْمِنَاتٌ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۚ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۚ وَاتُّوهُنَّ مِمَّا أَنْفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفَرِ ۚ وَسْئَلُوا مِمَّا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ مِمَّا أَنْفَقُوا ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان (کے ایمان لانے) کی جانچ کرلو، ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتے ہیں، پھر اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو، نہ یہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر مرد) ان عورتوں کے لئے، اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو، وہ دے دو، اور تم ان کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لو تو تم پر کچھ حرج نہیں ہے، اور تم بھی کافر عورتوں کی عصمت پر قبضہ نہ جماؤ (یعنی اگر غیر مسلم عورت نکاح میں ہو تو اس سے تعلق باقی نہ رکھو) اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے، مانگ لو اور ان کافروں کو بھی چاہئے کہ جو کچھ انھوں نے خرچ کیا ہے، وہ مانگ لیں، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، وہی تمہارے درمیان فیصلہ فرماتے ہیں اور اللہ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۵۰﴾ اور اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کی طرف چلی جائے (اور کافروں کی طرف سے مہر وصول نہ ہو) پھر تم کو بدلہ لینے کا موقع مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں، انھوں نے جتنا خرچ کیا تھا، وہ ان کو ادا کر دو اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان لائے ہو۔ ﴿۵۱﴾

﴿۱﴾ سنہ ۶ ہجری میں جب حدیبیہ میں مشرکین مکہ کے ساتھ صلح ہوئی، تو صلح میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر مکہ سے کوئی شخص مدینہ آجائے تو مسلمان اسے واپس کر دیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدہ پر پورا پورا عمل فرمایا اور جو مرد مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ آئے، آپ نے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کو واپس کر دیا اور ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ فرما دیا، پھر اس کے بعد کچھ خواتین بھی مسلمان ہوئیں اور مکہ سے بھاگ کر مدینہ آ گئیں، جیسے سبیعہ بنت حارث السلمیہ، اُم کلثوم بنت عقبہ ابن معیط، اُمیمہ بنت بشر، سعیدہ زوجہ صفی بن راہب، اسی سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں، (التفسیر المنیر: ۲۸/۱۳۰) کہ صلح حدیبیہ میں مکہ سے آنے والوں کو واپس کرنے والی بات مردوں سے متعلق ہے نہ کہ عورتوں سے؛ اس لئے ان کو ان کے کافر شوہروں کی طرف واپس نہیں کریں، اگرچہ معاہدہ میں ←

← مرد و عورت کے تفریق کے بغیر مطلق تحریر لکھی گئی تھی؛ لیکن یہ بات پہلے سے رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں تھی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ابھی حدیبیہ ہی میں تھے کہ حضرت سبیحہ بنت حارث السلمیہ مکہ سے آئیں، پیچھے سے ان کے شوہر بھی آگئے اور مطالبہ کیا کہ ابھی تو معاہدہ کی روشنائی خشک بھی نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے آپ ان کو واپس کر دیں، اسی موقع پر قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ان کو واپس نہیں کیا گیا، (اسباب النزول للواحدی: ۲۴۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کا اس معاہدہ سے باہر ہونا معاہدہ کا جزء ہو گیا اور پھر دونوں کے ساتھ برابر کا معاملہ کیا گیا، اگر اہل مکہ میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر مدینہ آ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے اور اگر کوئی عورت مرتد ہو کر مکہ چلی جائے تو مسلمان بھی اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں؛ چنانچہ اس طرح کا صرف ایک واقعہ پیش آیا کہ اُم حکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ چلی گئیں۔

ان آیات میں سات احکام دیئے گئے، اول: یہ کہ اگر کوئی مسلمان عورت مسلمانوں کی طرف ہجرت کر کے آ جائے اور اپنے کافر خاندان کی طرف نہ جانا چاہے تو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کو واپس کر دیں، دوسرے: مسلمان عورت کسی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، نہ اب نکاح کر سکتی ہے اور نہ پہلے کا نکاح باقی رہ سکتا ہے، آج کل بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر بیوی مسلمان ہو جائے اور شوہر غیر مسلم ہو تو نکاح ختم نہیں ہوگا، چاہے کتنی ہی مدت گزر جائے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے، تیسرا حکم یہ معلوم ہوا کہ اگر مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کا مہر ان کے غیر مسلم شوہروں نے ادا کر دیا تھا تو ان غیر مسلم مردوں کو ان کی رقم واپس کر دی جائے؛ تاکہ کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہو، چوتھے: جب وہ عورتیں مسلمانوں کے پاس آ گئیں تو اب مسلمان مرد کے لئے ان سے نکاح کرنا جائز ہے؛ البتہ نکاح مہر کے ساتھ ہوگا اور ان کا مہر ادا کرنا واجب ہوگا، پانچواں حکم یہ ہے کہ اگر کچھ غیر مسلم عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں ہوں تو ان کو چھوڑ دینا چاہئے، اس وقت تک چوں کہ غیر مسلم اور مسلمان کے درمیان نکاح کی ممانعت نہیں ہوئی تھی؛ اس لئے کئی صحابہ کی بیویاں مکہ میں مقیم تھیں اور وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں قریبہ بنت ابی اُمیہ اور اُم کلثوم بنت عمرو خزاعیہ؛ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو طلاق دے دی، قریبہ سے حضرت معاویہ نے نکاح کر لیا اور اُم کلثوم سے ابو جحیم ابن حذافہ نے، (تفسیر قرطبی: ۶۵/۱۸) چھٹا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی غیر مسلم عورتیں کافروں کے پاس ہوں تو ان کے مسلمان شوہروں کو حق ہے کہ وہ جو مہر ادا کر چکے ہیں، وہ ان کے موجودہ شوہر سے وصول کر لیں، ساتواں حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شادی شدہ خاتون اس کی مرضی کے بغیر یا مرتد ہو کر کافروں کی طرف چلی جائے تو ایسی صورت میں ان کے غیر مسلم شوہر کو چاہئے تھا کہ وہ ان کے سابق مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر واپس لوٹا دیتے؛ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا تو اب مسلمانوں کے لئے گنجائش ہے کہ وہ ان سے اس طرح اس کا بدلہ لے لیں کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئی ہیں، وہ بھی غیر مسلم شوہروں کو ان کے مہر واپس نہ کریں اور وہی رقم ان مسلمان مردوں کو دے دیں، جن کی دی ہوئی مہر کی رقم غیر مسلموں نے واپس نہیں لوٹائی ہے، اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم کو بدلہ لینے کا اس طور پر موقع مل جائے کہ تم کو مالِ غنیمت ہاتھ لگ جائے تو تم اس میں سے مہر کے بہ قدر رقم ان مردوں کو جن کو مہر کی رقم واپس نہیں ملی، ادا کر دو۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِمُهْتَنٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۶﴾

اے پیغمبر! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں آئیں تو آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں: ”وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور نہ کوئی بہتان باندھیں گی، جس کو اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان گھڑ لیں، اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی“ تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دُعا بھی فرمائیے، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والے اور بے حد مہربان ہیں۔ ﴿۱۶﴾

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ کے موقع سے مکہ تشریف لائے تو مکہ کی خواتین نے آپ ﷺ سے بیعت کی، اسی طرح مدینہ میں مسلمان خواتین اور بالخصوص وہ خواتین جو کہیں سے ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں، آپ سے بیعت کرتی تھیں، آپ ﷺ ان سے ان ہی امور پر بیعت لیا کرتے تھے کہ وہ شرک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو مار ڈالیں گی، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا اور نہ بدکاری کے ذریعہ حاصل ہونے والی اولاد کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کریں گی اور نہ آپ ﷺ کی نافرمانی کریں گی، چونکہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کی خواتین ان برائیوں میں مبتلا تھیں، اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان باتوں کا عہد لیا گیا، اس سلسلہ میں چند باتیں قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ تین طرح کی بیعت لیا کرتے تھے، ایک: بیعت امارت، یہ سربراہ حکومت کی حیثیت سے لی جانے والی بیعت تھی، جس میں اطاعت و فرماں برداری کی بیعت لی جاتی تھی، دوسرے: بیعت جہاد، جیسا کہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع سے لیا تھا، یہ جہاد میں ثابت قدمی کی بیعت ہوتی تھی، تیسرے: عمل صالح کی بیعت، جیسا کہ خواتین سے لی جانے والی یہ بیعت ہے، اس مضمون کی بیعت مردوں سے بھی لی جاتی تھی، حضرت عبادہ ابن صامت ؓ سے اس کی صراحت منقول ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۷۹) اس کو بیعت توبہ کہتے ہیں، احسان و سلوک کی راہ میں جو بیعت لی جاتی ہے، وہ یہی بیعت ہے، نیز اس آیت سے اور متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ مردوں سے ہاتھ سے بیعت لینے کا معمول تھا؛ لیکن عورتوں سے آپ ﷺ نے کبھی ہاتھ پر بیعت نہیں لی، حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی اجنبی عورت کا ہاتھ نہیں چھو یا؛ (مسلم، باب کیفیۃ بیعة النساء: ۱۸۶۶) البتہ اس کی گنجائش ہے کہ بیعت لینے والا کپڑا یا ڈوری کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ میں لے اور عورتیں اس کے دوسرے حصہ کو تھام لیں؛ کیوں کہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لینے کے لئے پانی کا ایک بڑا برتن منگایا، اس میں اپنا دست مبارک رکھ دیا اور عورتوں سے فرمایا کہ وہ بھی اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈالیں، (الدر المنثور: ۸/۱۳۳) دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ بیعت لیتے ہوئے آپ ﷺ نے نیکیوں کو بجالانے کی بجائے گناہوں سے بچنے کا عہد لیا، معلوم ہوا کہ گناہوں سے بچنا طاعات کے بجالانے سے زیادہ اہم ہے، اسی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم ←

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسُ  
الْكَافِرُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿١٠﴾

اے مسلمانو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو، جن پر اللہ کا غضب ہے، جس طرح کافروں کو مُردوں کے جی اٹھنے کی  
اُمید نہیں، اسی طرح ان کو بھی آخرت کی اُمید نہیں۔ ﴿۱۰﴾

← دیا گیا ہے، وہ تو محدود وقت میں کی جاتی ہیں اور جن باتوں سے منع فرمایا گیا ان سے بچنے کا حکم دائی ہے — تیسرے فرمایا گیا کہ  
عورتیں آپ ﷺ سے معروف یعنی بھلائی کے حکم میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی، یعنی اطاعت کا حکم ان چیزوں میں ہے جو  
جائز ہیں، جب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے میں یہ شرط قائم رکھی گئی، جس کا مقصد تاکید ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ تو ہمیشہ بھلائی ہی  
کا حکم دیں گے تو عام لوگوں کا کیا شمار؟ ان کی تو بدرجہ اولیٰ جائز کاموں ہی میں اطاعت کی جائے گی نہ کہ ناجائز کاموں میں۔

﴿۱﴾ مدینہ کے بعض مسلمانوں کی یہودیوں سے دوستی تھی اور اس طرح بعض اوقات ان تک مسلمانوں کی خبریں پہنچ جاتی تھیں،  
پہلے تو اہل مکہ سے دوستی کو منع کیا جا چکا ہے، جس کے نتیجے میں حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا، اب یہودیوں کی دوستی  
سے منع کیا جا رہا ہے کہ مشرکین کا تو آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے؛ اس لئے وہ آخرت کی اُمید نہیں رکھتے؛ لیکن یہودیوں کا حال یہ  
ہے کہ وہ آخرت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ لیکن تعصب، ہٹ دھرمی  
اور عناد کی وجہ سے آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے؛ اس لئے وہ آخرت کے بہتر انجام سے اسی قدر نا اُمید ہیں، جتنا آخرت پر ایمان نہ  
رکھنے والے اس بات سے کہ قبر میں دفن کئے ہوئے لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ (خلاصہ از: قرطبی: ۷۱۸/۷۱۸)



# سُورَةُ الصَّافَّاتِ

«سورہ نمبر : (۶۱)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۱۳)

«نوعیت : مدنی

آسان تفہیم قرآن مجید

اس سورہ کی آیت نمبر: ۴ میں 'صف' کا لفظ آیا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے، جو صف باندھ کر اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام سورہ صف ہے، یہ مدینہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے، اس سورہ کا بنیادی موضوع جہاد، اللہ کے راستہ میں قربانی کی فضیلت وغیرہ کا بیان ہے، جہاد کا ادب بتایا گیا ہے کہ صف باندھ کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جہاد کرنا چاہئے، بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو تکلیف پہنچاتے تھے، اس کا ذکر ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو خوشخبری سنائی تھی، وضاحت کے ساتھ اس کا تذکرہ ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو غالب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؛ اس لئے یہ غالب ہو کر رہے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایمان رکھنے والوں کو ان کا انکار کرنے والوں پر غالب رکھیں گے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ کچھ صحابہ بیٹھ کر مذاکرہ کر رہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے تو ہم خاص طور پر اس عمل کا اہتمام کرتے، اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے ہم لوگوں پر اس کی تلاوت فرمائی۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۰۹)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لِمَ تَقُولُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ اَنْ تَقُولُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا كَانْتَهُم بُنْيَانٌ مَّرصُوصٌ ﴿۴﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۱﴾ جو کچھ آسمان و زمین میں ہیں، سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہی غالب اور حکمت والے ہیں، ﴿۲﴾ اے ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ ﴿۳﴾ اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں، ﴿۴﴾ بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو اللہ کے راستہ میں صف بستہ ہو کر اس طرح لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ صحابہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے اثر سے نیکیوں کو انجام دینے کا جذبہ ہر وقت موجزن رہتا تھا؛ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت ایک بار صحابہ نے آپس میں گفتگو کی تو کہنے لگے: اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم لوگ اس پر خوب اچھی طرح عمل کرتے، اسی موقع پر سورہ صف نازل ہوئی، (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۹۷) لیکن جب جہاد کا حکم آیا تو جہاد کی مشقت کے تحت بہت سے لوگوں کو خیال ہوا کہ مکہ میں تو تیرہ سال ابتلاء و آزمائش میں گزارے، اب مدینہ آ کر تھوڑی سی سہولت حاصل ہوئی ہے تو ابھی اگر حکم جہاد نہ آیا ہوتا تو اچھا ہوتا، اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال میں سے اس وقت سب سے زیادہ محبوب جہاد کرنا ہے، تو پہلے سے تو تم دعویٰ کرتے تھے کہ جو عمل اللہ کو محبوب ہوگا، ہم اسے کریں گے؛ لیکن اب اس سے بچنا چاہتے ہو، یہاں تک کہ غزوہ اُحد میں تم بھاگ کھڑے ہوئے؛ اس لئے جو کام نہیں کرتے ہو، یا جس کے کر پانے کا یقین نہ ہو، اس کا دعویٰ نہ کیا کرو۔ اس میں ایک تنبیہ تو یہ ہے کہ کرنے کا ارادہ نہ ہو اور خواہ مخواہ لمبے چوڑے دعوے کئے جائیں، یہ درست نہیں، جیسا کہ عموماً ہم جیسے کوتاہ عمل لوگوں سے ہوتا رہتا ہے، ظاہر ہے کہ صحابہ کی یہ صورت حال نہیں تھی، وہ جو کچھ کہتے تھے، اس کے پیچھے پختہ ارادہ کار فرما ہوتا تھا، دوسری تنبیہ یہ ہے کہ کرنے کا ارادہ ہونے کی دعویٰ کرنے سے بچو؛ کیوں کہ کسی کام کو کرنے کے لئے صرف تمہارا ارادہ کافی نہیں، اسباب و وسائل کا فراہم ہونا بھی ضروری ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ تمہارے دل کی وہی کیفیت برقرار رہے، جو اس وقت ہے، ہو سکتا ہے کہ تمہارے ارادے میں تبدیلی آجائے، اس مفہوم کے اعتبار سے صحابہ بھی اس کے مخاطب تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی خود جس کام پر عمل نہ کر رہا ہو، دوسروں کو اس کی دعوت بھی نہ دے؛ کیوں کہ عمل مستقل فریضہ ہے اور دعوت عمل مستقل فریضہ، یہاں دوسروں کو دعوت دینے کی ممانعت نہیں ہے؛ بلکہ خود دعویٰ کرنے کی ممانعت ہے کہ جس بات کو پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہو یا ارادہ ہو؛ لیکن ضروری نہیں کہ تم اس کو پورا بھی کر سکو، اس کا دعویٰ مت کیا کرو۔

فقہاء نے اس سے دو فقہی احکام بھی مستنبط کئے ہیں، ایک یہ کہ انسان جس بات کی نذر مان لے، اس کو پورا کرنا واجب ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۷۹) دوسرے: اگر کسی شخص سے کسی بات کا وعدہ کر لے تو اس وعدہ کو وفاء کرنا ضروری ہے، یہ اخلاقی ←

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ لِمَ تُوذُّونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۵۰﴾ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنَىٰ إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۱﴾

اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے لوگو! تم مجھ کو کیوں ستاتے ہو؛ حالاں کہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں؟ پھر جب ان لوگوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا تو اللہ نے بھی اُن کے دلوں کو ٹیڑھا بنا دیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے، ﴿۵۰﴾ (اور اس وقت کو بھی یاد کیجئے) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں، جو مجھ سے پہلے (نازل ہوئی) ہے اور ایک ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں، جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام ”احمد“ ہوگا، تو جب وہ رسول ان کے پاس معجزات لے کر آگئے تو وہ کہنے لگے: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۵۱﴾

← اعتبار سے تو واجب ہے ہی؛ لیکن امام مالک کے نزدیک اگر وہ وعدہ کسی خاص سبب سے مربوط ہو تو اس سبب کے پائے جانے کے وقت اس کو پورا کرنا قانوناً بھی واجب ہے، (حوالہ سابق: ۱۸/۸۰) جیسے کسی شخص سے وعدہ کیا کہ اگر تم اپنا مکان گرا لو گے تو نئے مکان کی تعمیر کے لئے ہم تمہیں اتنی رقم قرض دیں گے اور اس نے اپنا مکان منہدم کر دیا، تو اب وعدہ کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ اس کو قرض دے، آج کل اسلامی مالیاتی اداروں میں اسی پر عمل ہے۔

﴿۱﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ﷺ کی تین باتیں نقل کی ہیں، اول یہ کہ میں تمہاری طرف بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، اس سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی، جو حضرت عیسیٰ ﷺ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لئے اچھے سے اچھے بندے کا انتخاب کرتے ہیں، نہ کہ ایسے شخص کا جس کا نسب ہی درست نہیں تو اس طرح یہودیوں کا بھی رد ہو گیا، جو حضرت عیسیٰ ﷺ کو نعوذ باللہ ”ولد الزنا“ قرار دیتے تھے، دوسری بات فرمائی کہ میں تورات کی تصدیق کر رہا ہوں، یہ اس بات کا اعلان ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ صاحب شریعت نبی نہیں تھے؛ بلکہ آپ تورات ہی کی شریعت کے پابند تھے، تیسرے: یہ خوشخبری دی کہ میرے بعد ”احمد“ نام کے ایک نبی آنے والے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس کا مصداق کون ہیں؟ غور کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نام کے اعتبار سے بھی احمد ہیں اور وصف کے اعتبار سے بھی، نام اس لئے کہ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: میرے کئی نام ہیں، میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی: ”إِن لِي أَسْمَاءَ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ“ (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الصف: ۴۶۱۳) وصف کے اعتبار سے یوں کہ احمد کے معنی ہیں اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، تو یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی

← حمد کو اپنی اُمت کے اعمال کا جزء بنا دیا ہے، اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی، عبادتوں میں تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح رکھی ہی ہے، نماز کا ہر عمل اللہ اکبر سے شروع ہوتا ہے، ہر نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، حج میں تلبیہ اور عید الاضحیٰ میں تکبیرات تشریق پڑھی جاتی ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی حمد ہی کے کلمات ہیں، یہاں تک کہ جو افعال عادیہ انجام دیئے جاتے ہیں، جیسے: کھانا پینا، سونا اور نیند سے بیدار ہونا، یہاں تک کہ استنجاء سے فارغ ہونا، ہر موقع کے لئے آپ ﷺ نے ایسا ذکر مقرر فرمایا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے؛ اس لئے کوئی شبہ نہیں کہ پوری انسانی تاریخ کو آپ ﷺ نے جس طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا سکھایا، اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی؛ اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ”احمد“ سے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہی مراد ہے، قادیانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی ہیں، یہ نہ صرف دیدہ دلیری ہے؛ بلکہ یہ جہالت اور بے وقوفی بھی ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی شخص کا نام ”عبداللہ“ ہو اور وہ کہنے لگے: میں اللہ ہوں، ایسی باتیں وہی کہہ سکتا ہے جس کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ انجیلوں میں نبوت محمدی ﷺ کی بشارت موجود ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سی تحریف و تبدیلی کے باوجود اب بھی اس کا ذکر موجود ہے، کسی میں نام کی صراحت کے ساتھ ہے، کسی میں نام کا ترجمہ ہے اور کسی میں آپ ﷺ کی صفات کا ذکر ہے، حضرت عیسیٰ ﷺ کے ایک حواری ”برناباس“ نامی بزرگ تھے، وہ حضرت عیسیٰ ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے تھے، ان کی انجیل ۳۲۵ء تک معتبر تسلیم کی جاتی تھی، ۳۲۵ء میں عیسائی عالموں کی نقیہ کانفرنس ہوئی، جس میں جمہور کی رائے کے برخلاف توحید کی بجائے تثلیث عیسائی مذہب قرار پایا اور چوں کہ انجیل کے کئی نسخے عبرانی زبان میں تھے، جس میں حضرت عیسیٰ ﷺ کو خدا کا رسول مانا گیا تھا نہ کہ خدا کا بیٹا؛ اس لئے حکومت کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں ہیں، ان سب کو ضائع کر دیا جائے اور جس کے پاس یہ انجیل ملے، اس کی گردن اُڑادی جائے، اس کی زد میں برناباس کی انجیل بھی آئی؛ لیکن اس انجیل کے بعض نسخے بچ گئے، جو بعض ذاتی لائبریریوں میں رہ گئے تھے، اولاً اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا، پھر ۱۹۰۷ء میں اس کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا، اب اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے؛ چوں کہ اس میں عیسائیت کے موجودہ عقائد کی واضح طور پر نفی کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت ”احمد“ اور ”محمد“ کے نام سے ہے؛ اسی لئے موجودہ عیسائیوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ برناباس کی کتاب نہیں ہے؛ بلکہ کسی ایسے شخص کی تصنیف ہے، جو عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوا اور یہ کتاب لکھ کر برناباس کی طرف منسوب کر دیا، انجیل برناباس میں یوں تو کثرت سے ایسی بشارتیں موجود ہیں، جن میں صفات بیان کرتے ہوئے بعثت محمدی ﷺ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؛ لیکن کم سے کم دو ایسی عبارتیں ہیں، جن میں واضح طور پر آپ ﷺ کے نام سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے :

(۱) ”مسیحا کا نام قابل تعریف“ ہے، اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا

اور آسمان آب و تاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا، الہ نے فرمایا: ”اے محمد! انتظار کرو میں

نے تمہاری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے، ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا

ہے، جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا، تیری بات

سچی ہوگی، آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں؛ لیکن تیرا دین فنا نہیں ہو سکتا“ آپ نے کہا کہ محمد

اس کا بابرکت نام ہے۔ (باب: ۹۷)

←

← (۲) طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے؛ لیکن جب محمد تشریف لائیں گے، جو خدا کے مقدس رسول ہیں، تب میری بدنامی اختتام پذیر ہوگی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا؛ کیوں کہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، وہ مجھے یہ انعام دے گا، لوگ مجھے زندہ جانے لگیں گے اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ (باب: ۱۱۳)

دوسری انجیلیں جن کو عیسائی معتبر مانتے ہیں، انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا، یہ چاروں انجیلیں بائبل کے عہد جدید کا حصہ ہیں، صورت حال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کی اصل زبان سریانی تھی، کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کے ۷۰ سال بعد سریانی زبان میں حضرت عیسیٰ ﷺ کی انجیل مرتب ہوئی؛ لیکن اول: تو انجیل کی کوئی سند موجود نہیں ہے، دوسرے: مرتب کرنے والوں کی طرف سے کوئی ریکارڈ بھی موجود نہیں ہے کہ ان کی تحقیق اور تصدیق کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا گیا تھا؟ تیسرے: جیسی کچھ بھی مرتب ہوئی ہو، آج دنیا میں کہیں اس اصل نسخہ کا بھی نام و نشان نہیں ہے؛ بلکہ جو سب سے قدیم نسخہ ہے، وہ یونانی زبان کا ترجمہ ہے اور وہ بھی حضرت عیسیٰ ﷺ کے ۳۰۰ سال بعد کا ہے، اس کے باوجود انجیلوں خاص کر انجیل یوحنا، میں متعدد ایسی عبارتیں موجود ہیں، جن میں واضح طور پر رسول اللہ ﷺ کی آمد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، جن میں ’مددگار‘ کے لفظ سے آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی ہے اور بائبل کے حاشیہ پر مددگار کے معنی وکیل یا شفیع کے لکھے گئے ہیں؛ چنانچہ انجیل یوحنا کی چند عبارتیں پیش کی جاتی ہیں :

- (۱) اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (انجیل یوحنا: ۱۴: ۱۶، ۱۷)
- (۲) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا؛ کیوں کہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا: ۱۴: ۳۱)
- (۳) لیکن جب وہ مددگار آئے گا، جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی ’سچائی کا روح‘ جو باپ سے صادر ہوتا ہے، تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو؛ کیوں کہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (یوحنا: ۱۵: ۲۶، ۲۷)
- (۴) لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے؛ کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا؛ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا: ۱۶: ۸، ۹)

(۵) مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے؛ مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے؛ لیکن جب وہ یعنی ’سچائی کا روح‘ آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا؛ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا؛ لیکن جو کچھ سنے گا، وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔ (یوحنا: ۱۶: ۱۳، ۱۴) ←

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨﴾ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٩﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿١٠﴾ يَٰ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿١١﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا، جو اللہ پر جھوٹ باندھے، حالاں کہ اس کو اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو؟ اور اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے، ﴿۸﴾ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کی روشنی کو بجھا دیں اور اللہ تو اپنی روشنی کو پوری کر کے ہی رہیں گے، چاہے کافروں کو ناگوار گزرے، ﴿۹﴾ وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے؛ تاکہ اس کو تمام مذاہب پر غالب کر دے، اگرچہ کہ شرک کرنے والوں کو برا لگے، ﴿۱۰﴾ اے مسلمانو! کیا میں تم کو ایسی تجارت نہ بتاؤں، جو تم کو ایک دردناک عذاب سے محفوظ رکھے! ﴿۱۱﴾

← ان عبارتوں میں جو مددگار کا لفظ آیا ہے، یہ اصل میں یونانی لفظ "Periclytos" ہے، جس کو سیرت ابن ہشام میں "برقلیطس" کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے، (سیرت ابن ہشام: ۲۵۱/۱) اس کا معنی ہے: وہ شخص جس کی تعریف کی گئی، گویا یہ بالکل "محمد" کا ہم معنی ہے، اسی کے قریب ایک لفظ "Paracletus" ہے، دونوں کے تلفظ میں بڑی قربت ہے، اس دوسرے لفظ کے معنی مددگار کے ہیں، افسوس کہ بائبل کے مترجمین نے رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی پر پردہ رکھنے کے لئے حقیقی لفظ کے بجائے اس سے قریبی دوسرے لفظ کو لیتے ہوئے اس کا ترجمہ مددگار سے کر دیا، (اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ کی مشہور کتاب "اظہار الحق" کا مطالعہ کرنا چاہئے، جس کا اردو ترجمہ مولانا اکبر علی صاحب ؒ نے کیا ہے اور مولانا محمد تقی عثمانی کے حواشی نے اس کی افادیت میں اور اضافہ کر دیا ہے، نیز اس موضوع پر مختصر اور جامع مطالعہ کے لئے تفہیم القرآن ۵: ۴۶۱ تا ۴۷۵ سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے)۔

﴿۱﴾ بعض مفسرین نے اس سے مادی غلبہ مراد لیا ہے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے؛ چنانچہ بہت کم عرصہ میں اسلام جزیرۃ العرب کو پار کر کے ایشیاء و افریقہ اور یورپ میں دور دور تک پہنچ گیا اور پھر قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰ ؑ تشریف لائیں گے، اس وقت بھی پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا؛ لیکن ایک غلبہ وہ ہے جو دین حق کو ہمیشہ حاصل رہا ہے اور آئندہ بھی حاصل رہے گا، اور وہ ہے استدلالی غلبہ، یعنی وہ دلیل کی طاقت اور اپنی معقولیت کی وجہ سے تمام مذاہب کے مقابلہ غالب ہو جائے گا، یہ غلبہ اسلام کو کل بھی حاصل تھا، آج بھی حاصل ہے اور قیامت تک حاصل رہے گا، علامہ قرطبی ؒ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۸۶/۱۸)

﴿۲﴾ یعنی اور تجارتیں تو وہ ہیں، جن میں کبھی نفع ہوتا ہے، کبھی نقصان اور کبھی انسان بالکل ہی ڈوب جاتا ہے؛ لیکن اللہ اور اس کے

تَوَمِّنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكِ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۖ وَبَشِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيّٰهُم مِّنْ أَنْصَارِيّٰ إِلَى اللّٰهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ فَأَمَنْتَ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَكَفَرْتَ طَائِفَةٌ ۚ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿۱۴﴾

کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، اگر تم سمجھدار ہو تو یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے، ﴿۱۱﴾ اللہ تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف کر دیں گے، تم کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ایسے عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں واقع ہیں، یہی ہے بڑی کامیابی! ﴿۱۲﴾ اور دوسری چیز بھی عطا فرمائیں گے جس کو تم پسند کرتے ہو، یعنی: اللہ کی مدد اور جلد ہی حاصل ہونے والی فتح، اور مسلمانوں کو خوشخبری سنا دیجئے، ﴿۱۳﴾ اے مسلمانو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ، جیسا کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے حواریوں سے کہا تھا: کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار بنیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر ہی رہا؛ چنانچہ ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ مدد کی، آخر کار وہ غالب ہو گئے۔ ﴿۱۴﴾

← رسول کا ایمان لانا اور اس کے لئے جان و مال کی قربانی دینا ایسی تجارت ہے، جس میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اور جس میں ایسا نفع ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نفع نہیں۔

﴿۱﴾ اس آیت میں خوشخبری دی گئی ہے کہ آخرت میں جو نعمتیں حاصل ہوں گی، وہ تو ہوں گی ہی؛ لیکن دنیا میں بھی جلد ہی تمہارے لئے فتوحات کا دروازہ کھل جائے گا، سرزمین عرب کا مرکز مکہ فتح ہوگا اور روم و ایران کی بادشاہتیں تمہارے قدموں میں آجائیں گی۔

﴿۲﴾ حضرت عیسیٰ ﷺ کے صحابہ کو 'حواری' کہا گیا ہے، 'حو' سفیدی کو کہتے ہیں اور حواری دھوبی کو؛ کیوں کہ دھوبی میلے کپڑوں کو صاف کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ ﷺ پر جو لوگ ایمان لائے اور اخیر تک ان کے وفادار بنے رہے، وہ پیشے کے اعتبار سے دھوبی تھے؛ اسی لئے وہ حواری کہلائے؛ چنانچہ حضرت عیسیٰ ﷺ نے آسمان پر اُٹھائے جانے سے پہلے پوچھا کہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی راستہ میں میری مدد کریں گے؟ تو بارہ حضرات تیار ہوئے، ان ہی کو آپ نے مختلف علاقوں میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ وہ وہاں جا کر ←

← دین حق کی تبلیغ کریں، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۹۰) اس وقت حضرت عیسیٰ ﷺ پر ایمان لانے والے بہت کم حضرات تھے اور ان کا انکار کرنے والے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان لانے والے کم تعداد لوگوں کو یہودیوں پر غلبہ عطا فرمایا، یہاں تک کہ جب یونانیوں نے عیسائیت قبول کر لی تو یہودی سمٹ کر رہ گئے اور عیسائیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، آج حضرت عیسیٰ ﷺ پر ایمان رکھنے والی قومیں دو ہیں، ایک: مسلمان، دوسرے: موجودہ عیسائی، جو حضرت عیسیٰ ﷺ کو مانتے تو ہیں؛ لیکن غلو کے ساتھ، ان دونوں قوموں کا اگر یہودیوں سے مقابلہ کیا جائے تو تعداد کے اعتبار سے رائی اور پہاڑ کا فرق معلوم ہوتا ہے۔







# سُورَةُ الْجُثَّةِ

«سورہ نمبر : (۶۲)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۱۱)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

جمعہ کا دن، جمعہ کی نماز اور جمعہ کی اذان کا اس سورہ میں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے، اسی لئے اس کا نام سورہ جمعہ ہے۔

یہ سورہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے اور یہود مدینہ میں تھے نہ کہ مکہ میں۔

اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کا منصب اور آپ ﷺ کی ذمہ داریاں بتائی گئی ہیں کہ تلاوت آیات، تزکیہ نفوس اور کتاب و سنت کی تعلیم آپ کا فریضہ منصبی ہے، یہودیوں کی بعض خباثتوں کا ذکر ہے کہ وہ تورات پر عمل تو کرتے نہیں ہیں؛ لیکن اپنے بارے میں سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ سے بہت قریب ہیں، اس پر انھیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو ذرا موت کی تمنائو کر کے دیکھو۔

سورہ کے دوسرے رکوع میں جمعہ کی نماز کی اہمیت اور خطبہ کے آداب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے کہ پہلے پوری توجہ کے ساتھ نماز ادا کرو، پھر حلال روزی کی تلاش میں پھیل جاؤ، اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ما یقرآن فی صلاۃ الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۷۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ هُوَ الَّذِي  
بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَأَنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی  
پاکی بیان کرتی ہیں، جو بادشاہ ہیں، (تمام عیسویوں سے) پاک ہیں، غالب اور حکمت والے ہیں، ۝ وہی خدا ہیں،  
جنہوں نے اُن پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، ۱ جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں،  
ان کو (عقیدہ و عمل کی گندگیوں سے) پاک صاف کرتے ہیں، ۲ اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں؛  
حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ ۳

﴿۱﴾ ”اُم“ کے معنی ماں کے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک عورت ہی انسان کی ماں بن سکتی ہے، عربوں کا مزاج یہ تھا کہ عورتوں کو لکھنا  
نہیں سکھاتے تھے، اسی سے ’اُمی‘ کا لفظ ماخوذ ہے، یعنی ایسا شخص جس کو لکھنا اور لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا نہ آتا ہو، اسلام سے پہلے  
عربوں میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہیں تھا، اگرچہ وہ لکھنے کے فن سے بالکل نا بلد بھی نہیں تھے، قرآن مجید میں خود ایک  
واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے حالت سفر میں موت کے وقت اپنے تمام سامان کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں ڈال دی تھی،  
(المائدہ: ۱۰۶) اسی طرح مکہ کے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف بائیکاٹ کا معاملہ لکھا کر اُسے غلافِ کعبہ سے لٹکا  
دیا تھا، (زاد المعاد: ۳۰/۳) اس لئے ایسا بھی نہیں تھا کہ عرب بالکل لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں؛ لیکن لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت  
کم تھی، بعض سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ جب آپ ﷺ نبی بنائے گئے، تو مکہ میں صرف تیرہ لوگ ایسے تھے جن کو لکھنا آتا تھا،  
(فتوح البلدان: ۲۴۹/۱) اور انھیں اپنے اُمی ہونے پر فخر بھی تھا، قدرت کی طرف سے ان کو تحریر اور کتابت کا بدل یہ ملا تھا کہ ان کا  
حافظہ بہت قوی ہوتا تھا، سینکڑوں اشعار نوک زبان ہوتے تھے؛ اس لئے انھیں اُمی ہونے پر پچھتاوا نہیں تھا، اسی پس منظر میں  
قرآن نے عربوں کو اُمیوں کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد دلائی گئی ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک نبی  
بھیجا، رسول اللہ ﷺ کا اُمی ہونا آپ ﷺ کے نبی ہونے کی دلیل اور بعض غلط فہمیوں کے دُور ہونے کا ذریعہ ہے، اگر آپ کو لکھنا آتا  
ہوتا تو لوگوں کے لئے یہ شبہ کرنے کی گنجائش ہوتی کہ شاید آپ نے پچھلی کتابوں سے نقل کر کے لکھ لیا ہے؛ لیکن چوں کہ حضور کو لکھنا  
اور لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا نہیں آتا تھا؛ اس لئے اس اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

﴿۲﴾ پاک صاف کرنے کا تعلق عقیدہ سے بھی ہے، عمل سے بھی اور اخلاق سے بھی، یعنی: آپ لوگوں کے دماغ کو کفر و شرک سے ان  
کی عملی زندگی کو گناہوں سے اور ان کی عادتوں کو بُرے اخلاق سے پاک کر دیں۔

وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۵﴾ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۶﴾ مَثَلُ الَّذِينَ حَبَلُوا النَّوْازَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۖ بُئِْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۷﴾ قُلْ يَٰ أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۸﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْت أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹﴾ قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

اور ان دوسرے لوگوں کی طرف بھی بھیجا جو ابھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں ملے (لیکن آئندہ وہ ایمان لائیں گے) ﴿۱﴾ اور اللہ ہی غالب اور حکمت والے ہیں، ﴿۲﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور اللہ بڑے کرم والے ہیں، ﴿۳﴾ جن لوگوں کو تورات دی گئی، پھر انھوں نے اس کو نہیں اٹھایا (یعنی عمل نہیں کیا) ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے، جو بہت سی کتابیں لادے ہوا ہو، کتنی بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے، ﴿۴﴾ آپ کہہ دیجئے: اے یہودیو! اگر تمہارا گمان ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا تو کرو، ﴿۵﴾ اور وہ اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے جو پہلے کر چکے ہیں، کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ان ظالموں سے خوب واقف ہیں، ﴿۶﴾ آپ کہہ دیجئے: جس موت سے تم بھاگتے ہو، وہ ضرور ہی تم پر آ کر رہے گی، پھر تم اس خدا کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے، جو پوشیدہ کو بھی جانتا ہے اور ظاہر کو بھی، پھر وہ تم کو تمہارے کیے ہوئے کام بتا دے گا۔ ﴿۷﴾ ﴿۸﴾ ﴿۹﴾

﴿۱﴾ ’اممیین‘ سے مراد تو عرب ہو گئے، اور ’آخرین‘ یعنی جو بعد میں آئیں گے، سے قیامت تک مسلمان ہونے والے تمام لوگ مراد ہیں، ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تشریح دریافت کی، اتفاق سے اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے، آپ نے ان کے اوپر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو ان میں سے یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ اسے پالیں گے، غرض کہ آپ ﷺ نے اس جانب اشارہ فرمایا کہ وہ عجم جو بعد میں ایمان لائیں گے، اس میں شامل ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۹۳)

﴿۲﴾ یہود کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، ابھی بھی یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو خدا کے یہاں خصوصی درجہ حاصل ہے، ان سے فرمایا گیا کہ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو تم کو تو موت کا آرزو مند ہونا چاہئے؛ تاکہ جلد سے جلد اپنی محبوب چیز کو پاسکو؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ وہی سب سے زیادہ موت سے بھاگتے ہیں، اس سلسلہ میں تین باتیں قابل ذکر ہیں: ایک یہ کہ یہودی واقعی ایسی قوم ہیں، جو مرنے سے بہت خوف کھاتی ہے؛ چنانچہ اگر ایک یہودی کی بھی موت ہو جائے تو پورا اسرائیل چیخ اٹھتا ہے، ←

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱﴾ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲﴾ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِلًا ۖ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهِوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۳﴾

اے مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے، ﴿۱﴾ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو اللہ کی زمین میں پھیل جاؤ، اللہ کی روزی تلاش کرو اور اس کو کثرت سے یاد کرتے رہو؛ تاکہ تم فلاح پاؤ، ﴿۲﴾ اور جب یہ تجارت یا کھیل تماشہ دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کھیل تماشہ اور خرید و فروخت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر روزی دینے والے ہیں۔ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

← مجھے برطانیہ میں بعض احباب نے بتایا کہ یہودی حضرات یہاں ایسی کار استعمال کرتے ہیں، جو دوہری باڈی کی بنی ہوئی ہے؛ تاکہ ان کی جان کو کم سے کم خطرہ ہو، دوسری قابل ذکر بات ہے کہ یہاں ان کو موت کی تمنا کرنے کا حکم بطور چیلنج دیا گیا ہے؛ تاکہ ان کے دعویٰ کی تردید ہو سکے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کو موت کی تمنا کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ یہاں موت سے بھاگنے کی مذمت کی گئی ہے؛ لیکن غور کیا جائے تو ہر انسان موت سے بچنا چاہتا ہے، خود شریعت نے علاج کرانے کا حکم دیا ہے، خطرات کے مواقع سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، جیسے آپ ﷺ نے سونے سے پہلے چراغ بجھانے کی تلقین کی کہ اس سے کہیں آگ نہ لگ جائے، (بخاری، کتاب الاثر، حدیث نمبر: ۵۳۰۱) تنہا جنگل اور پہاڑ میں جانے کو روکا کہ کہیں جنات ان کو اچک نہ لیں، (المعجم الکبیر: ۴۶۱۷، حدیث نمبر: ۱۰۰) حضرت موسیٰ ﷺ قتل کے اندیشہ سے مصر سے نکل گئے، (انقص: ۲۱) رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے موقع پر اپنے آپ کو خطرات سے بچانے کی پوری کوشش فرمائی، تو یہاں موت سے بھاگنے کی جس صورت سے منع کیا گیا ہے، وہ ہے ایک ایسے مجرم کی حیثیت سے بھاگنا جو جانتے بوجھتے جرم کرتا رہا ہو، جیسا کہ یہودی حضور ﷺ کی نبوت سے واقف ہو جانے کے باوجود ایمان نہیں لائے تھے، موت کی تکلیف کا جو طبعی خوف ہوتا ہے، اس کی وجہ سے موت سے بھاگنا اس میں شامل نہیں ہے۔

﴿۱﴾ جمعہ کے سکون، پیش اور زبر کے ساتھ یعنی تینوں طرح استعمال ہوتا ہے، اس دن کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں، عرب اس دن کو یوم العروہ کہا کرتے تھے، پہلی بار اس دن کو جمعہ کا نام قریش کے ایک بزرگ کعب بن لؤی نے اور بعض حضرات کی رائے پر انصار مدینہ نے دیا، کئی زندگی میں ایسے حالات نہیں تھے کہ مسلمان ایک جگہ اکٹھا ہو کر ←

← جمعہ کی نماز پڑھ سکیں؛ لیکن آپ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے ہی مدینہ میں مسلمان جمعہ کرنے لگے تھے، بعض روایتوں کے مطابق پہلی بار حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ منعقد کیا، اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جن کو رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ کی تربیت کے لئے بھیجا تھا، عجب نہیں کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کی مدد سے لوگوں کو جمع کیا ہو؛ اس لئے بعض لوگوں نے جمعہ کے آغاز کی نسبت حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہو اور بعض نے اسعد بن زرارہ کی طرف۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار ہجرت کے موقع سے جمعہ ادا فرمایا، آپ ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن، دن چڑھے قبائچہ، اور قبیلہ عمرو بن عوف میں قیام فرمایا، جمعرات تک آپ کا قیام یہیں رہا، اس درمیان آپ نے مسجد قباء کی بنیاد بھی رکھی، پھر جمعہ کے دن آپ ﷺ مدینہ منورہ کے لئے نکلے، جب قبیلہ بنو سالم بن عوف میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آگیا، وہاں لوگوں نے نماز کے لئے جگہ تیار کر رکھی تھی، وہیں جمعہ ہوا اور آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

سورہ جمعہ کا یہ پورا دوسرا رکوع نماز جمعہ کے احکام و آداب سے متعلق ہے، ان آیات کے نازل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں قحط کی کیفیت تھی، اشیاء کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں، اسی حال میں ایک جمعہ کو لوگ جمعہ کے لئے اکٹھا تھے اور رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہو چکے تھے، اسی درمیان ایک تجارتی قافلہ آیا، جس کے پاس ڈھیر ساری غذائی اشیاء تھیں، اس وقت تک چوں کہ جمعہ کے آداب مسلمانوں کے سامنے نہیں آئے تھے اور خطبہ کے وقت خرید و فروخت کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، ان کا خیال تھا کہ نماز میں ادھر ادھر جانے کی ممانعت ہے نہ کہ خطبہ میں؛ اس لئے چند حضرات کو چھوڑ کر سب کے سب تجارتی قافلہ کی طرف چلے گئے، ۸، ۱۱، ۱۲ اور ۱۴ افراد کا ذکر آیا ہے کہ وہیں رُکے رہے، ممکن ہے پہلے زیادہ لوگ رہے ہوں، پھر نکلنے نکلنے کم رہ گئے ہوں؛ اس لئے روایت میں یہ اختلاف پایا جاتا ہو، اسی موقع پر سورہ جمعہ سے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ (خلاصہ از تفسیر قرطبی: ۱۸/۹۷)

ان آیات میں جمعہ سے متعلق جو آداب و احکام بیان کئے گئے ہیں، ان کا نیچے نمبر وار ذکر کیا جاتا ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے جمعہ کے دن سبھوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز پڑھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے؛ البتہ اس سے عورتیں، بچے، معذورین اور مسافر بالاتفاق مستثنیٰ ہیں، اسی سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر ایک دن جمعہ اور عید دونوں پڑ جائے تو عید کی نماز پڑھ لینا اور جمعہ کو چھوڑ دینا درست نہیں ہے۔

(۲) جمعہ کے دن اذان کے ساتھ ہی مسجد کے لئے نکل پڑنا واجب ہے؛ کیوں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف آنے کا حکم دیا گیا ہے اور زیادہ تر حضرات کے نزدیک یہاں ذکر سے مراد خطبہ ہے نہ کہ نماز؛ لہذا عام نمازوں میں تو نماز سے پہلے پہنچ جانا کافی ہے؛ لیکن جمعہ میں خطبہ سے پہلے پہنچنا واجب ہے۔ (ہندیہ: ۱۳۹/۱)

(۳) جمعہ کے لئے جمعہ کی اذان پر سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سعی کے معنی ہیں: دوڑ کر چلنا؛ لیکن یہاں مقصود دوڑنا نہیں ہے؛ بلکہ تیز تیز چلنا اور جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کرنا مراد ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے جاؤ تو دوڑ کر نہ جاؤ، سکون و وقار کے ساتھ جاؤ۔ (مسلم، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۰۲)

(۴) سوال یہ ہے کہ اس اذان سے کونسی اذان مراد ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ←

← جمعہ کی ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی، جو خطبہ شروع ہوتے وقت منبر کے سامنے دی جاتی ہے، اس وقت مدینہ کی آبادی مختصر تھی اور یہ اذان کافی ہو جاتی تھی، بعد میں آبادی کا پھیلاؤ ہوا تو حضرت عثمان غنی ؓ نے اس اذان سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ کیا، جو مسجد کی بجائے مارکٹ میں ’رؤرۃ نامی مقام پر دی جاتی تھی، صحابہ نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا، گویا اس اذان کے درست ہونے پر اجماع ہے، اس طرح اقامت کے علاوہ دو اذانیں ہونے لگیں، ایک: نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد، اور ایک: ٹھیک خطبہ سے پہلے، اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید نے جس اذان پر مسجد کے لئے نکل پڑنے اور کاروبار بند کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے کوئی اذان مراد ہے؟ خطبہ سے پہلے دی جانے والی اذان یا پہلی اذان، ایک پہلو سے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ خطبہ کے وقت والی اذان مراد ہے؛ کیوں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں، اس وقت صرف یہی اذان دی جاتی تھی، ایک اور پہلو سے دوسری رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ پہلی اذان ہی سے مسجد کے لئے نکل پڑنا اور کاروبار بند کرنا واجب قرار پائے اور وہ یہ کہ اس کا مقصد خطبہ کو پانا ہے، اگر خطبہ کے وقت شروع ہونے والی اذان کے بعد لوگ مسجد کے لئے نکلیں تو ان کا خطبہ پانا دشوار ہوگا؛ بلکہ جو لوگ مسجد سے دور ہوں تو ان کے لئے ممکن نہ ہوگا؛ اس لئے دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات بہتر معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ مسجد سے فاصلہ پر ہوں، ان کے لئے تو پہلی اذان کے بعد ہی مسجد کے لئے نکلنا واجب ہوگا؛ تاکہ خطبہ میں ان کی شرکت ہو سکے، جو لوگ مسجد کے بالکل اڑوس پڑوس میں ہوں، ان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ دوسری اذان کے شروع ہوتے ہی مسجد کے لئے نکل جائیں۔ واللہ اعلم

(۵) یہ بھی واجب ہے کہ اذان ہوتے ہی کاروبار بند کر دیا جائے؛ تاکہ مالک اور ملازمین سب کے سب مسجد جاسکیں، اس پر توافق ہے کہ اذان کے بعد کاروبار جاری رکھنا جائز نہیں ہے، (ہندیہ: ۱۳۹/۱) لیکن اگر کوئی شخص اس وقت خرید و فروخت کر رہی لے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ حنفیہ کے نزدیک اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا؛ لیکن خرید و فروخت کی وجہ سے خریدار سامان کا اور بیچنے والا روپیہ کا مالک ہو جائے گا اور جو نفع ہوا ہے، وہ حلال ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے غصب کی ہوئی زمین میں نماز ادا کی جائے کہ اس کا یہ فعل گناہ تو ہوگا؛ لیکن نماز ادا ہو جائے گی؛ البتہ اگر کسی جگہ کئی مسجدوں میں الگ الگ اوقات میں جمعہ ہوتا ہو اور دکان میں کئی لوگ ہوں، کچھ لوگ ایک مسجد میں چلے جائیں، کچھ لوگ دوسری مسجد میں، کاروبار بھی چلتا رہے اور سبھوں کی نماز بھی ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ خرید و فروخت اصل مقصد میں رکاوٹ نہیں بنی۔

(۶) نماز ادا کرنے کے بعد زمین میں پھیل جانے اور روزی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ حکم جائز ہونے کے معنی میں ہے نہ کہ واجب ہونے کے، یعنی اب دوبارہ کاروبار میں لگا جاسکتا ہے، اس میں اس بات کا بھی اشارہ موجود ہے کہ مسلمان کو کسبِ معاش کی طرف توجہ دینی چاہئے، جہاں عبادت کے اوقات میں عبادت کی جائے، وہیں دوسرے اوقات میں روزی حاصل کرنے پر توجہ دی جائے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حلال رزق حاصل کرنا فرض نماز کے بعد سب سے بڑا فرض ہے۔

(کنز العمال: ۱۶/۴، حدیث نمبر: ۹۲۳۱)

(۷) روزی تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، ذکر کا تعلق زبان سے بھی ہے، ←

← دل سے بھی ہے اور عمل سے بھی، زبان سے ذکر یہ ہے کہ آدمی جہاں اور جس حال میں رہے، اگر اس وقت اللہ کا نام لینا خلاف ادب نہ ہو تو زبان کو اللہ کے نام سے تر رکھے، دل سے ذکر یہ ہے کہ اللہ کی یاد دل میں بسی رہے اور عمل کے ذریعہ ذکر یہ ہے کہ جیسے نماز اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ادا کی، اسی طرح کاروبار کو بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہی انجام دے؛ چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہاں ذکر سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت مراد لی ہے۔

(۸) جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یا دین کی کسی بات کو سننے سنانے میں مشغول ہو تو اس وقت اس کو چھوڑ کر تجارت اور کھیل تماشوں میں لگ جانا درست نہیں ہے، خواہ کسی دینی اجتماع کا موقع ہو، دینی مدارس میں تعلیم کا موقع ہو یا اس طرح کا کوئی اور موقع۔

(۹) فرمایا گیا کہ ان حضرات نے آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ وعیدین وغیرہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے، (رد المحتار: ۴/۳۳) البتہ اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دے تو اس کی بھی گنجائش ہے؛ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمر بڑھ جانے کے بعد بوڑھا پے اور کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر بھی خطبہ دیا ہے۔

(مجمع الزوائد: ۲/۲۲۱، حدیث نمبر: ۳۱۴)

(۱۰) یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ میں خطبہ ضروری ہے؛ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے۔

(۱۱) یہ بات کہ ”اذان جمعہ کے بعد لوگ کاروبار نہ کریں“ میں ایک خفیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ چھوٹے دیہاتوں میں جہاں مارکٹ نہ ہوں، تجارت وغیرہ نہ ہوتی ہو اور بنیادی ضرورت کی چیزیں دستیاب نہ ہوں، جمعہ نہ ہوگا، جمعہ ایسی ہی جگہوں میں ہونا چاہئے جو شہر یا بڑا قصبہ ہو — خفیف کی یہی رائے ہے۔ (رد المحتار: ۵/۳)





# سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ

«سورہ نمبر : (۶۳)»

«رکوع : (۲)»

«آیتیں : (۱۱)»

«نوعیت : مدنی»

آسان تفسیر قرآن مجید

مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو دو طرح کے دشمنوں سے سابقہ تھا، ایک اعلانیہ دشمن، اور وہ تھے: مشرکین، دوسرے بغلی دشمن، اور وہ تھے منافقین، اس سورہ میں بنیادی طور پر منافقین کے رویہ کا ذکر آیا ہے؛ بلکہ آیت شروع ہی ہوتی ہے ان کے تذکرہ سے؛ اسی لئے اس کا نام سورہ منافقون ہے اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورہ آپ پر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے؛ کیوں کہ منافقین کا مرکز اصل میں مدینہ ہی تھا۔

اس سورہ میں منافق کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ ایمان پر جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، لوگوں کو دین سے روکتا ہے؛ لیکن ان میں حد درجہ بزدلی بھی ہے، پھر مسلمانوں کو تربیت دی گئی ہے کہ وہ مل جل کر رہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہیں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہیں — منافقین کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اُس واقعہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جو غزوہ بنو مصلوک کے موقع سے پیش آیا تھا ہے اور مہاجرین اور انصار کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی گئی تھی؛ لیکن یہ کوشش ناکام رہی۔

رسول اللہ ﷺ اکثر نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، (مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ما یقرآن فی صلاۃ الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۷۷) — اس سے اس سورہ کی فضیلت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝۱ اِتَّخَذُوا اِيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۝۲ اِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۳ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۴ وَاِذَا رَايْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۝۵ وَاِنْ يَقُولُوا تَسْمِعْ لِقَوْلِهِمْ ۝۶ كَاَنَّهُمْ خُشْبٌ مُّسْنَدَةٌ ۝۷ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۝۸ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۝۹ قَتَلَهُمُ اللَّهُ اَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝۱۰

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ (اے رسول!) منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تو جانتے ہی ہیں کہ آپ اس کے رسول ہیں اور (لیکن) اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں، ۝ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے؛ چنانچہ (ایمان کیا لاتے کہ) یہ تو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، یقیناً ان کے اعمال بہت ہی بُرے ہیں، ۝ یہ اس لئے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے؛ لہذا ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اب وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں، ۝ اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ڈیل ڈول آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات سنتے رہ جائیں؛ گویا کہ لکڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے لگا دی گئی ہیں، ہرزور کی آواز کو یہ اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں، یہی لوگ دشمن ہیں، آپ ان سے بچ کر رہئے، اللہ ان کو ہلاک کر دے؛ یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں؟ ۝ (۱) ۝ (۱۰)

۱) یہ پوری سورہ منافقین کے بارے میں ہے، عربی زبان میں ایک لفظ نفاق آیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ لومڑی اپنے بل کے لئے دو سوراخ بناتی ہے، ایک سوراخ تو سامنے نظر آتا ہے، اور دوسرا ایک خفیہ سوراخ ہوتا ہے، جب شکاری پیچھا کرتا ہے تو ظاہری طور پر جو بل نظر آتا ہے، اس سے داخل ہوتی ہے اور دوسری طرف سے نکل جاتی ہے، (لسان العرب: ۱۰/۳۵) اسی سے منافق کا لفظ ہے، منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے؛ لیکن اندر سے مسلمان نہیں ہو، مدینہ میں منافقین کی اچھی خاصی تعداد تھی؛ چوں کہ مدینہ کی اکثریت مسلمان ہو چکی تھی؛ اس لئے یہ ڈر سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے؛ لیکن خفیہ ساز باز یہودیوں سے رکھتے تھے، عبد اللہ بن ابی ان کا سردار تھا اور اس کے نفاق کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے وہی انصار مدینہ کا سردار تھا، وہ چاہتا تھا کہ اہل مدینہ اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں اور اس کی پوری تیاری بھی ہو چکی تھی؛ لیکن جب آپ ﷺ نبی بنائے گئے اور آپ کے مدینہ ہجرت کرنے کا واقعہ پیش آیا تو اس کی یہ امید خاک میں مل گئی، ←

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّأُ رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُوا ۚ وَ لِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول استغفار کریں گے تو سر جھٹک دیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں، ۵ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، اللہ ہرگز ان کو معاف نہیں کریں گے، یقیناً اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے، ۶ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ”جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس رہتے ہیں، ان پر خرچ نہ کیا کرو، یہاں تک کہ وہ (خود ہی) تشر پڑ ہو جائیں“ اور آسمان و زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے تو ہیں؛ لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ ۷

← اس لئے اس کو بڑا بغض تھا، اور وہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، ان ہی کی طرف سے ایک خاص واقعہ پیش آیا، جس کا آگے کی آیات میں ذکر ہے، اس گروہ کے بعض اوصاف کا سورہ کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے؛ چنانچہ ان آیات میں اُن کا ایک وصف یہ بتایا گیا کہ وہ جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں کھانے میں ماہر ہیں اور جھوٹی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں کہ اس کو اپنے بچاؤ کے لئے ڈھال بنالیں، ان کی یہ کیفیت اس لئے ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، دلوں پر مہر لگانا اس لئے ہے کہ پہلے تو وہ زبان سے ایمان لائے، پھر دل سے کفر کیا، گویا ایمان لانے کے بعد پھر ایمان سے پھر گئے، اور کسی شخص کے ایمان نہ لانے سے زیادہ بُرا وہ شخص ہے، جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائے، دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ دیکھنے میں بڑے پرکشش ہیں، عبد اللہ بن ابی، جد بن قیس اور مغتب بن قیس بڑے خوبصورت تھے کہ جن پر نگاہیں جم کر رہ جائیں، تیسرا وصف یہ ہے کہ بڑے چرب زبان اور باتونی بھی واقع ہوئے ہیں اور لوگوں کو اپنی چکنی چڑی باتوں سے متاثر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں، چوتھا وصف یہ ہے کہ ان کا ظاہر تو بہت اچھا ہے؛ لیکن باطن کھوکھلا ہے، ان کی مثال ایسی مردہ کھوکھلی لکڑیوں کی ہے، جو صرف دیکھنے میں اچھی لگتی ہیں، اور پانچواں وصف یہ ہے کہ چوں کہ دن و رات اسلام کے خلاف سازشوں میں لگے رہتے ہیں؛ اس لئے اگر کہیں کوئی بات سننے میں آئے، یا کسی شور کی آواز کان میں آئے تو دل کا چور فوراً انھیں گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتا ہے کہ کہیں ہماری کوئی سازش کھل تو نہیں گئی اور ہمارے خلاف تو باتیں نہیں کی جا رہی ہیں۔

آیت نمبر ۱: میں منافقین کی بات نقل کی گئی ہے، کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؛ لیکن اس میں صراحتاً قسم کا ذکر نہیں ہے، مگر آیت نمبر ۲: میں ان کی اس بات کو قسم قرار دیا گیا ہے، اس سے فقہاء نے یہ بات اخذ کی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ”فلاں بات اس طرح ہے“ تو اگرچہ اس میں قسم کے الفاظ نہیں ہیں، پھر بھی یہ قسم ہی سمجھی جائے گی، امام ابوحنیفہؒ کی یہی رائے ہے (احکام القرآن للجصاص: ۶۰۲/۳) اور اگر کہے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، تب تو سمجھوں کہ نزدیک یہ قسم شمار کی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۲۴)

يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ  
وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٣﴾

وہ کہتے ہیں: ”اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ضرور عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کر دے گا“ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو حاصل ہے؛ لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۶۳﴾

﴿۱﴾ شعبان ۶ ہجری میں غزوہ بنی مصطلق کا واقعہ پیش آیا، جس کو مریسبع بھی کہا جاتا ہے، بنو مصطلق اس لئے کہ اسی قبیلہ سے یہ جنگ ہوئی تھی، اور مریسبع اس لئے کہ یہ جنگ ایک کنویں کے قریب ہوئی، جس کا نام مریسبع تھا، اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، فتح کے بعد آپ چند دن وہیں رُکے رہے، اس بار فوج میں بہت سے دیہاتی بھی شامل تھے، جن میں حضرت عمرؓ کا خادم جہجہ ابن سعید غفاری بھی تھے، یہ دیہاتی لوگ چشمہ پر پہلے پہنچ جاتے اور کنویں کو گھیر لیتے، ادھر ایک انصاری صحابی سنان بن وبرہہ جہنی پانی لینے کے لئے آئے، جہجہ نے رکاوٹ پیدا کی اور نوبت ہاتھ پائی تک پہنچ گئی، جہجہ نے سنان کو تھپڑ مار دیا اور انھیں تھوڑا سا زخم آگیا، زمانہ جاہلیت کے طریقہ کے مطابق جہجہ نے مہاجرین کو پکارا اور سنان نے انصار کو، اور یہ دو افراد سے بڑھ کر گویا دو گروہوں کے درمیان لڑائی کی شکل ہو گئی، رسول اللہؐ کو جو نبی اطلاع ہوئی، آپ فوراً تشریف لائے اور دونوں فریقوں سے فرمایا کہ ”تم نے کیسے جاہلیت کے نعرے لگانے شروع کر دیئے، یہ تو بڑی گندی بات ہے“ بہر حال اس میں زیادتی جہجہ کی تھی، حضرت عبادہ بن صامتؓ نے سنان کو سمجھا بھجا کر معاف کر دیا، اور اس طرح معاملہ رفع دفع ہو گیا، منافقین ایسے موقع کو ایک سنہرا موقع تصور کرتے تھے، جب منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کو اس کی اطلاع ملی تو کہنے لگا کہ ہماری اور ان کی مثال پہلے لوگوں کے اس محاورہ کی ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کرو؛ تا کہ وہ تم ہی کو کھا جائے، خدا کی قسم! اگر ہماری مدینہ کی طرف واپسی ہوئی، تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا، عزت والے سے اس نے اپنے آپ کو مراد لیا اور دوسرے لفظ سے رسول اللہؐ کو، اس نے انصار مدینہ سے بھی کہا کہ تم لوگ محمدؐ کا کھانا پینا روک دو اور ان کے ساتھ جو لوگ ہیں، ان پر خرچ نہ کرو، تو وہ لوگ خود ہی چلے جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے، حضرت زید بن ارقمؓ جو ابھی نوعمر تھے، اس مجلس میں موجود تھے، انھوں نے عبداللہ بن ابی سے کہا: خدا کی قسم! تم ہی اپنی قوم میں ذلیل اور کمتر ہو اور محمدؐ کو تو اللہ کی طرف سے عزت اور مسلمانوں کی طرف سے محبت حاصل ہے، عبداللہ بن ابی نے جواب دیا: ”خاموش بیٹھو، میں تو یوں ہی مذاق سے کہہ رہا تھا“ حضرت زید بن ارقمؓ نے خود رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع کر دی، ادھر عبداللہ بن ابی نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے، رسول اللہؐ نے اپنی شفقت اور مثالی رواداری کی وجہ سے اس کی معذرت قبول کر لی، نتیجہ یہ ہوا کہ خود حضرت زید بن ارقمؓ کو بعض لوگ برا بھلا کہنے لگے، اسی موقع پر حضرت زید بن ارقمؓ کی تصدیق کے طور پر سورہ منافقین نازل ہوئی، جب یہ بات صحابہ میں پھیل گئی تو حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے اجازت چاہی کہ عبداللہ بن ابی کا سر قلم کر دیا جائے؛ لیکن آپؐ نے منع فرمایا، جب مجاہدین کا لشکر مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو عبداللہ بن ابی کے مخلص صاحبزادے، جو اپنے والد کے ہمنام تھے، بے نیام تلوار کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْ لَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٦١﴾ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾

اے مسلمانو! تم کو تمہارے مال و اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، اور جو ایسا کریں گے، وہی نقصان اٹھانے والے ہوں گے، ﴿۶۰﴾ اور ہم نے جو کچھ تم کو عطا کیا ہے، اس میں سے اُس وقت سے پہلے پہلے کہ تم میں سے کسی پر موت آجائے، اللہ کے راستے میں خرچ کر لو، پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! کاش آپ نے مجھے تھوڑی اور مدت تک مہلت دی ہوتی تو میں خیرات دیتا اور نیک بندوں میں ہو جاتا، ﴿۶۱﴾ اور جب کسی کی (موت) کا وقت آجائے تو اللہ ہر گز مہلت نہیں دیں گے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہیں۔ ﴿۶۲﴾

← ساتھ اپنے والد کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے کہ جب تک حضور ﷺ اجازت نہ دے دیں تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے، آخر رسول اللہ ﷺ نے صاحبزادے کو منع فرمایا کہ وہ اپنے والد کا راستہ نہ روکیں، اور اس کے بعد ہی عبداللہ بن ابی مدینہ میں داخل ہو سکا، عبداللہ بن ابی کی اس حرکت کے ظاہر ہو جانے کے بعد خود اس کے خاندان کے لوگوں نے اس سے جا کر کہا کہ بہتر ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعا کر دیں؛ لیکن عبداللہ بن ابی کے دل میں اس طرح اسلام کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا کہ اس نے تمسخر کے انداز میں اپنا سر ہلایا اور آپ ﷺ سے کوئی درخواست نہیں کی، بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا: ”تم نے مجھے ایمان لانے کو کہا تو میں ایمان لایا، زکوٰۃ دینے کو کہا تو میں نے زکوٰۃ دی، اب صرف یہی بات باقی رہ گئی ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں“۔ (خلاصہ از: بخاری، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۳۳۳۰، نیز دیکھئے: الطبقات الکبریٰ: ۶۵/۲، تفسیر قرطبی: ۱۲۱/۱۸)

اس پوری سورہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی بُری عادتوں کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے؛ چنانچہ آیت نمبر: ۴، ۵ میں عبداللہ بن ابی کو اس کے قبیلہ کے لوگوں نے استغفار کے لئے آپ سے رجوع کرنے کا جو مشورہ دیا تھا، اس کا ذکر ہے، نیز فرمایا گیا کہ اس کا اس سے انکار کرنا محض تکبر کی وجہ سے ہے، اور آیت نمبر: ۷، ۸ میں عبداللہ بن ابی کی وہ بے ہودہ گفتگو نقل کی گئی ہے، جو اس نے حضور ﷺ کے بارے میں کی تھی اور فرمایا گیا کہ اصل عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہے اور منافقین اگر کسی کو بے عزت کرنا بھی چاہیں اور اللہ کو یہ منظور نہ ہو تو یہ ایک بے فائدہ اور بے کار کوشش ہے۔



# سُورَةُ النَّجَّاتِ

«سورہ نمبر : (۶۴)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۱۸)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

تغابن کے معنی نقصان اور خسارہ کے ہیں، قیامت کا دن جہاں ایمان رکھنے اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے بے حد خوشی، فائدہ اور کامیابی کا دن ہوگا، وہیں ایمان نہ لانے والوں کے لئے گھائے اور نقصان کا دن ہوگا؛ اس لئے قیامت کے دن کا ایک نام 'یوم التغابن' بھی ہے، سورہ کی آیت نمبر: ۹ میں اس کا ذکر آیا ہے۔

یہ سورہ مدنی ہے؛ لیکن عام مدنی سورتوں کے برخلاف اس میں زیادہ تر عقائد اور ایمانیات کا ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے، گزشتہ اُمتوں کی ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پکڑ ہوئی، اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، شوہر و بیوی اور بال بچوں کے بارے میں تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ ہیں، اس لئے زندگی کی راہ میں سنبھل کر چلنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ انسان کو اس کے خالق و مالک سے غافل کر دے، آپ ﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عفو و درگزر اور صرفِ نظر کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، یہ آپ کے واسطے سے پوری اُمت کے لئے نصیحت ہے کہ ایک داعی کو راستہ کے کانٹوں سے الجھنا نہیں چاہئے؛ بلکہ ان سے دامن بچاتے ہوئے آگے بڑھ جانا چاہئے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آسمان وزمین کی ساری چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، ان ہی کی بادشاہت ہے، وہی قابل تعریف ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں، ۝ وہی اللہ ہیں جنہوں نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کچھ ایمان نہ لانے والے اور کچھ ایمان لانے والے ہیں اور تم جو کچھ کر رہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہے ہیں، ۝ اللہ نے آسمان وزمین کو ٹھیک طور پر پیدا فرمایا ہے، تمہاری صورتیں بنائیں تو اچھی صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، ۝ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اور جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو، اللہ کو وہ سب معلوم ہیں، اور اللہ دلوں کے راز سے بھی واقف ہیں، ۝ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی، جنہوں نے پہلے (ایمان لانے سے) انکار کیا تھا تو انہوں نے اپنی شامت اعمال کا مزا اچھکھ لیا؟ اور ان کے لئے آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے۔ ۝

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کی تعریف و تسبیح کے بعد یہاں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفتیں بیان کی گئی ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ حمد و تسبیح کے مستحق ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسانوں کو پیدا کیا ہے اور دوسری مخلوقات کے مقابلہ تمہارے ساتھ یہ خصوصیت برتی گئی کہ تم کو عقل و سمجھ دی گئی، ارادہ و اختیار کی قوت عطا کی گئی، اس کا تقاضا تھا کہ سب کے سب انسان مسلمان ہوتے؛ لیکن کچھ لوگ تو واقعی صاحب ایمان ہوئے اور کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہوئے اپنے لئے کفر کا راستہ اختیار کر لیا، اللہ تعالیٰ کا دوسرا انعام یہ ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، جس سے انسان کی ساری ضرورتیں متعلق ہیں، تیسری صفت یہ ہے کہ اس نے تم انسانوں کو دوسری تمام مخلوقات کے مقابلہ بہتر شکل میں بنایا، یہ تین اوصاف تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں، چوتھی صفت یہ ہے کہ اللہ کو آسمان وزمین کے ذرہ ذرہ کا علم ہے اور پانچویں صفت یہ ہے کہ انسان جن باتوں کو ظاہر کرتا ہے، ان سے تو اللہ واقف ہی ہیں؛ لیکن جن باتوں کو چھپاتا ہے، ان سے بھی واقف ہیں، جب اللہ تعالیٰ تخلیق اور علم جیسی عظیم صفات کے اس کامل درجہ پر ہیں تو پھر ان سے بڑھ کر کون تسبیح و تحمید کا مستحق ہو سکتا ہے!

ذَلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا  
وَاسْتَغْنَى اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي  
لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ  
الَّذِي أُنْزِلَنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَٰلِكَ يَوْمُ  
التَّغَابُنِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي  
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا  
بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَبُئْسَ الْمَصِيرُ ۝

ج ۱۵

یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آتے تھے تو وہ کہتے تھے: کیا انسان ہم کو ہدایت دیں گے؟ غرض کہ انھوں نے انکار کر دیا اور دگردانی کی، اور اللہ نے بھی (ان کی) پرواہ نہیں کی اور اللہ تو ہیں ہی بے نیاز اور خوبیوں والے! ایمان نہ لانے والے دعوے کرتے ہیں کہ ان کو ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، آپ کہہ دیجئے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تم کو ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پھر تم کو تمہارے اعمال کی خبر دی جائے گی اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے، ۱۵ اس لئے اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اُتارا ہے ایمان لے آؤ اور اللہ تمہاری ساری حرکتوں سے باخبر ہیں، ۱۶ اللہ تعالیٰ حشر کے دن جب تم سب کو اکٹھا کریں گے تو وہی (اصل) ہار جیت (۲) کا دن ہوگا، اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ اس سے اس کے گناہوں کو دُور کر دیں گے اور ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ ہمیش رہیں رہیں گے، یہی تو بڑی کامیابی ہے، ۱۷ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ دوزخی ہیں، جو ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ۱۸

﴿۱﴾ نور سے مراد قرآن مجید ہے، جو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی عطا کرتا ہے۔

﴿۲﴾ یہاں قیامت کے دن کے لئے دو نام اختیار کئے گئے ہیں، ایک: 'یوم الجمع' اکٹھا کئے جانے کا دن؛ اس لئے کہ اس دن کائنات کے آغاز سے لے کر قیامت قائم ہونے تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں، جنوں، آسمان والوں اور زمین والوں کو جمع کیا جائے گا، دوسرے: یوم التغابن، تغابن ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں ایک فریق جیت جائے اور دوسرا فریق ہار جائے، اور قیامت کا دن اہل جنت کے لئے جیتنے کا دن ہوگا، جو ہمیشہ کے لئے اچھا ٹھکانہ حاصل کر لیں گے، اور اہل دوزخ کے لئے ہار اور گھٹاٹے کا دن ہوگا، یہ نام ہی انسان کو چونکا دینے؛ بلکہ لرزادینے کے لئے کافی ہیں کہ انسان دنیا کی چکا چوند کو دیکھ کر مطمئن نہ ہو جائے اور آخرت کی فکر میں لگا رہے کہ کہیں وہاں اس کے لئے ہار مقدر نہ ہو۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٢﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٥﴾

جو بھی مصیبت آتی ہے، وہ اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو درست راستہ دکھا دیتے ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں، ﴿۱﴾ اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو، ﴿۲﴾ پھر اگر تم منہ پھیر لو گے تو (یاد رکھو کہ) ہمارے رسول پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، ﴿۳﴾ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے، ﴿۴﴾ اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض (دین کی نسبت سے) تمہارے دشمن ہیں تو تم ان سے ہوشیار رہو، اور اگر تم معاف کر دو، نظر انداز کر دو اور بخش دو تو اللہ بڑے بخشنے والے اور بے حد مہربان ہیں، ﴿۵﴾ یقیناً تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش کا ذریعہ ہے، اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ ﴿۳﴾ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ بعض دفعہ یہ خیال ہوتا ہے کہ جب مسلمان صحیح راستہ پر ہیں تو وہ مصیبت میں کیوں مبتلا کئے جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس کا جواب موجود ہے کہ مصیبت و آزمائش ہمیشہ سزا اور عذاب کے طور پر نہیں ہوتی؛ بلکہ اللہ کی طرف سے امتحان کے طور پر بھی ہوتی ہے، تو جو مخلص مسلمان ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ثابت قدم رکھتے ہیں، وہ صحیح راستہ پر قائم رہتے ہیں اور یہی بات اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے جزا کے حاصل ہونے کا سبب اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

﴿۲﴾ یہاں اور متعدد جگہ مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے قرآن مجید حجت ہے، اسی طرح حدیث بھی مستقل طور پر حجت ہے۔

﴿۳﴾ بعض حضرات جو ایمان لا چکے تھے، چاہتے تھے کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئیں؛ لیکن بیوی بال بچے رکاوٹ بن جاتے، بعض صحابہ جب جہاد کے لئے جانا چاہتے تو ان کے بیوی بچے روکنے کی کوشش کرتے، اسی پس منظر میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ تمہارے بیوی بچے اس اعتبار سے تمہارے دشمن ہیں کہ وہ تمہارے لئے دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں؛ لیکن یہ رکاوٹ بننا اس لئے نہیں ہے کہ ان کو تم سے ذاتی دشمنی ہے؛ بلکہ ان کا عمل نتیجہ کے اعتبار سے تمہارے لئے نقصان دہ ہو جاتا ہے، اور نقصان پہنچانا دشمن کا کام ہے؛ اسی لئے تمہیں صرف یہ کرنا چاہئے کہ تم ہوشیار رہو اور ایسے مواقع پر ان کی باتوں میں نہ آؤ؛ لیکن چوں کہ ان کا یہ فعل اسلام کی مخالفت کی بناء پر نہیں ہے؛ بلکہ طبعی طور پر پیدا ہونے والے احساس جدائی کی وجہ سے ہے؛ —

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْئِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَنْ يُوقِ شَحْ  
نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّ تَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ  
لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

تو جہاں تک ہو سکے، اللہ سے ڈرتے رہو، سنو اور مانو اور خرچ کیا کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہوگا، اور جس شخص کو اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں، ﴿۱۶﴾ اگر تم اللہ کو بہتر قرض دو گے (یعنی اخلاص کے ساتھ خرچ کرو گے) تو اللہ تمہارے لئے اس کو بڑھاتے چلے جائیں گے اور تم کو معاف بھی کر دیں گے اور اللہ بڑے قدر دان اور بردبار ہیں، ﴿۱۷﴾ وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے ہیں، غالب ہیں اور حکمت والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾

← اس لئے ان کے ساتھ عفو و درگزر کا ہی معاملہ رکھو — یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فرمایا گیا کہ ”تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں“ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ کچھ ہی لوگ ایسے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ سب کے سب لوگ ایسا مزاج رکھتے ہوں اور دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ بن جاتے ہوں۔

آگے ایک اصولی بات فرمادی گئی کہ مال و اولاد اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمہارے لئے آزمائش کا ذریعہ بھی ہیں، انسان اپنے لئے جو گناہ نہیں کرتا، وہ بال بچوں کے لئے کر گزرتا ہے، اپنے آپ حرام کمائی سے بچنا چاہتا ہے؛ لیکن بیوی بال بچوں کی وجہ سے کسب حرام کے گناہ میں پڑ جاتا ہے؛ اس لئے جب ان کی طرف سے اللہ کو ناراض کرنے والی بات آئے تو ان کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔



# سُورَةُ الطَّلَاقِ

«سورہ نمبر : (۶۵)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۱۲)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ میں طلاق سے متعلق بہت سے احکام ذکر کئے گئے ہیں؛ بلکہ سورہ کا آغاز ہی طلاق کے مسئلہ سے ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا نام سورہ طلاق ہے، یہ سورہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

سورہ کے آغاز میں طلاق دینے کا طریقہ بتایا ہے کہ طلاق اس طرح دی جائے کہ طلاق شدہ عورت کے لئے عدت طویل نہ ہو جائے اور وہ تکلیف سے دوچار نہ ہو، رجعت کا حکم بتایا گیا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے رجعت کرنی چاہئے؛ بشرطیکہ نیک نیتی کے ساتھ رشتہ نکاح کو باقی رکھنا چاہتا ہو اور اگر بیوی کو لوٹایا تو اس پر گواہ بھی بنانا چاہئے، پھر عورتوں کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے عدت بیان کی گئی ہے، عمر رسیدہ عورت کی عدت جن کے حیض کا سلسلہ بند ہو گیا ہے، نابالغہ کی عدت جن کو حیض آتا ہی نہ ہو اور حاملہ عورت کی عدت۔

پھر حالت عدت میں عورت کے جو حقوق ہیں ان کو واضح کیا گیا ہے کہ ان کے لئے عدت گزرنے تک رہائش کا انتظام اور نفقہ واجب ہے، نیز اگر عدت کے بعد وہی عورت بچے کو دودھ پلائے تو دودھ پلانے کی اجرت بھی اس کے باپ پر واجب ہوگی — سورہ کے اخیر میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں، ان کی کیسی پکڑ ہوتی ہے اور ان کے مقابلہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر قائم رہتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں کتنا عظیم اجر و ثواب ہے؟

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے پیغمبر! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت کے لحاظ سے طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، جو تمہارے پروردگار ہیں، نہ تم ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوائے اس کے کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے آپ ہی پر ظلم کیا، تمہیں نہیں معلوم کہ شاید اللہ طلاق کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں۔ ﴿۱﴾

﴿۱﴾ طلاق اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کو حلال رکھا گیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے: ”إِنْ ابْغَضَ الْحَلَالُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الطَّلَاقُ“ (ابن ماجہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۱۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ طلاق نہ دیا کرو؛ کیوں کہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش ڈول جاتا ہے، (کشف الخفاء: ۲۹/۱) لیکن جب میاں بیوی کے درمیان محبت کا تعلق نفرت میں بدل جائے اور ازدواجی زندگی سکون کا ذریعہ بننے کی بجائے تناؤ کا سبب بن جائے تو ایسے موقع پر زندگی کے دو مسافر کے لئے ایک دوسرے سے الگ ہو جانا اور مستقبل کے لئے نیا راستہ تلاش کرنا بہتر ہوتا ہے؛ اس لئے ایک سماجی ضرورت کی حیثیت سے اسلام نے طلاق کی گنجائش رکھی ہے، دنیا کے دو بڑے مذاہب — عیسائیت اور ہندو دھرم — میں طلاق کی اجازت نہیں تھی؛ لیکن بالآخر انھیں اپنے مذہب کے دائرہ سے باہر نکلنا پڑا اور طلاق کی گنجائش پیدا کرنی پڑی؛ چنانچہ اس سورہ کا بڑا حصہ طلاق سے متعلق احکام و آداب پر مشتمل ہے۔

آیت نمبر: ۱ میں خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر آپ طلاق دیں تو عدت کی رعایت کرتے ہوئے دیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق رجعی دی تھی اور پھر رجوع فرمایا تھا، رہ گئی یہ بات کہ یہاں ”طَلَّقْتُمُ“ (تم لوگ طلاق دو) کی تعبیر عربی گرامر کے لحاظ سے جمع یعنی دو سے زیادہ لوگوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے، تو اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سی دفعہ یہ تعبیر احترام کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے زیادہ تر جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۳۸) — رسول اللہ ﷺ کے طلاق دینے میں کوئی برائی نہیں ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اُمت کے لئے نمونہ ہیں؛ اس لئے جو باتیں اُمت کو پیش آسکتی تھیں اور وہ جائز ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ان کاموں کو کرایا ہے؛ تاکہ اُمت کے لئے اُسوہ و نمونہ باقی رہے — بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس میں بظاہر تو رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے؛ لیکن اصل میں آپ کے واسطے سے آپ کی اُمت سے خطاب کرنا مقصود ہے۔

← اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار احکام دیئے ہیں: اول یہ کہ طلاق دیتے ہوئے عدت کا لحاظ رکھا جائے، عدت کا لحاظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق نہ دی جائے؛ کیوں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے سے عدت طویل ہو جائے گی؛ اس لئے کہ حیض اور اس کے بعد پاکی کا وقفہ گزارنا ہوگا اور پھر تین حیض گزارنے ہوں گے، گویا ایک حیض کا کچھ حصہ اور ایک مکمل پاکی کے زمانہ کا عدت میں اضافہ ہو جائے گا، دوسرے: جس پاکی کے دوران بیوی سے صحبت کر چکا ہو، اس میں طلاق نہیں دے؛ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ حمل ٹھہر جائے تو ولادت تک اسے عدت گزارنی ہوگی اور عدت لمبی ہو جائے گی؛ اس لئے ایسی پاکی کے وقفہ میں طلاق دی جائے، جس میں بیوی سے صحبت نہ کی ہو، اس صورت میں عدت طویل نہیں ہوگی۔

دوسرا حکم دیا گیا کہ عدت کا حساب رکھو، یعنی اس کا خیال رکھو کہ عدت کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوگی؟ یہ حکم عورت کے لئے تو ہے ہی؛ کیوں کہ عدت اسی کو گزارنی ہے؛ لیکن مردوں کی بھی ذمہ داری ہے؛ اسی لئے یہاں مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے؛ کیوں کہ اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شوہر کے لئے کب تک لوٹانے کی گنجائش ہے اور کب یہ گنجائش ختم ہو جائے گی؟ اور اسے کب تک عدت کے اخراجات دینے ہوں گے؟ وغیرہ۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ عدت کی حالت میں عورت کے لئے رہائش فراہم کرنا واجب ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ طلاق شدہ بیوی کو گھر سے نکال یا جائے؛ البتہ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ عورت کی طرف سے کوئی زیادتی ہو اور وہ کوئی بے حیائی کا کام کر گذرے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس میں تمام گناہ شامل ہیں، زنا، چوری، بدزبانی وغیرہ، اگر ایسی صورت پیش آئے تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس مکان کو چھوڑ دے؛ البتہ اس کی متبادل جگہ فراہم کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے؛ کیوں کہ عدت تک اس کی رہائش کا نظم سابق شوہر کے ذمہ ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ عدت گزارنے والی عورت کا خود بھی وہاں سے نکلنا جائز نہیں؛ البتہ اس سے ایسی صورت مستثنیٰ ہے جب کہ عورت کی جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ ہو، (المبوط للرخی، باب العدة: ۳۴/۶) لیکن فقہاء نے اس بات پر بحث کی ہے کہ کیا اس بات کی اجازت ہے کہ عورت دن کو باہر نکلے اور رات اپنے لئے فراہم کردہ رہائش جگہ پر گزارے؟ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقہ کے لئے تو اس کی گنجائش نہیں، وہ کسب معاش کے لئے بھی باہر نہیں نکل سکتی؛ کیوں کہ اس کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمہ ہے؛ البتہ اگر شوہر نفقہ ادا نہیں کرے تو فقہاء احناف کی بعض صراحتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں عورت کسب معاش کے لئے باہر نکل سکتی ہے، (ہندیہ، باب العدة: ۵۵۹/۱) اور اگر عدت وفات گزار رہی ہو تو چوں کہ اس صورت میں اس کا نفقہ شوہر کے ترکہ میں واجب نہیں؛ اس لئے دن میں وہ کسب معاش کی غرض سے باہر بھی نکل سکتی ہے، (المبوط للرخی، باب العدة: ۳۲/۶) ہاں، اگر کوئی شخص اس کا نفقہ ادا کرنے پر تیار ہو تو پھر اس کو بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں، (المحرر لرائق، باب العدة: ۲۵۹/۴) البتہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقہ عورت بھی دن کے وقت اپنی معاشی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۵۳) کیوں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ کو طلاق ہو گئی تھی انھوں نے کھجور توڑنے کے لئے باہر نکلنا چاہا تو ایک صاحب نے نکلنے سے منع کیا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور فرمایا: ←



فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُعْطَىٰ بِهِ مَن كَانَ يَوْمًا بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَمَن يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۖ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۶۵﴾

پھر جب وہ عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو یا تو ان کو بہتر طریقہ پر روک لیا یا بہتر طریقہ پر چھوڑ دو، اور اپنے میں سے دو معتبر لوگوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے واسطے ٹھیک ٹھیک گواہی دو، جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو اس کی نصیحت کی جاتی ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتے ہیں، ﴿۶۵﴾ اور اس کو ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہ تھا اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے تو اس کے لئے اللہ ہی کافی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتے ہیں اور اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۳﴾

← اُمید ہے کہ تم اس سے صدقہ کرو گی یا کوئی اور بھلا کام کرو گی، (مسلم، کتاب الطلاق، باب جواز خروج المعتدة البائن، حدیث نمبر: ۱۴۸۳) — البتہ دن کا وقت ہو یا رات کا اور طلاق کی عدت ہو یا وفات کی، ہر صورت میں علاج کے لئے باہر نکلنے کی گنجائش ہے۔

انہی میں فرمایا گیا کہ ”شاید اللہ طلاق کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں“ اس سے مراد یہ ہے کہ ابھی تو طلاق کا عزم کئے ہوئے ہو؛ لیکن ہو سکتا ہے کہ پھر دونوں کے دل جڑ جائیں اور طلاق پر قائم رہنے کے بجائے طلاق سے رجوع کر لیں، ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوگا، جب کہ طلاق رجعی دی گئی ہو، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اگر طلاق دینی ہی ہو تو طلاق رجعی دو، طلاق رجعی سے مراد ہے طلاق کے صریح لفظ سے بیوی کو ایک بار یا زیادہ سے زیادہ دوبار طلاق دینا۔ (ہندیہ: ۳۵۴/۱)

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۲ میں دو احکام دیئے گئے ہیں: اول یہ کہ طلاق رجعی کے بعد عدت گزرنے سے پہلے پہلے تک ان کو غور کرنے کا موقع ہے، اگر سمجھ میں آئے کہ رشتہ کو باقی رکھنا چاہئے اور بہتر طریقہ پر زندگی گزارنے کا ارادہ ہو تو رجوع کر لے، اور اگر رشتہ ختم ہی کرنے کا ارادہ ہو تو عدت گزر جانے دے؛ لیکن ختم کرے تو وہ بھی خوشگوار طریقہ پر، خوشگوار طریقہ پر رشتہ ختم کرنے میں تین باتیں شامل ہیں: ایک یہ کہ خواہ مخواہ ستانے اور تکلیف دینے کے لئے رجوع نہ کرے، دوسرے: طلاق کی وجہ سے جو دوسرے حقوق عائد ہوتے ہیں، ان کو ادا کرے، یہ دونوں تو واجب ہیں، اور تیسرا عمل مستحب ہے کہ عورت کو رخصت نہ دے کر رخصت کر دے، جس کو قرآن مجید میں ’متاع‘ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، (البقرہ: ۲۴۱) دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اپنے میں سے دو معتبر افراد کو گواہ بھی بنا لو، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس میں طلاق پر گواہ بنانے کا حکم ہے، بعض کے نزدیک طلاق اور رجعت دونوں پر، اور اکثروں کے نزدیک رجعت پر؛ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے سوا دوسرے فقہاء کے نزدیک گواہ بنانا واجب نہیں ہے، مستحب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے ←

وَالْعِیُّ یَسْنَنَ مِنَ الْمَحِیضِ مَنْ نَسِیَکُمْ اِنْ اُرْتَبْتُمْ فَعَدَّتْهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَالْعِیُّ لَمْ یَحْضَنْ ۖ وَاُولَٰئِ الْاَحْمَالُ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۖ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ﴿۱۰﴾

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض آنے سے نا اُمید ہو چکی ہوں تو اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور یہی ان عورتوں کی بھی عدت ہے، جن کو ابھی حیض آنے کی نوبت ہی نہیں آئی، اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کو ولادت ہو جائے اور جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے آسانی پیدا کر دیں گے۔ ﴿۱۰﴾

← نزدیک رجعت پر گواہ بنانا واجب ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۵۸) — حقیقت یہ ہے کہ گواہی دینے کا تعلق رجعت سے ہے، اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رجعت نکاح کی طرح ہے اور نکاح میں گواہ بنانا ضروری ہے۔ واللہ اعلم آگے ایک حکم سماج کے لئے ہے کہ گواہوں کو ٹھیک ٹھیک گواہی دینی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ گواہی دینے کی نوبت آئے تو رشتہ داری کا خیال کرتے ہوئے غلط گواہی دے دی جائے، یا گواہی دینے سے انکار کر جائے، آیت نمبر: ۲ کے آخر اور آیت: ۳ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اہم بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جب رشتہ نکاح ختم ہوتا ہے تو عام طور پر لڑکی اور اس کے والدین وغیرہ بہت پریشان ہوتے ہیں کہ اب اس کے گزر بسر کا کیا نظم ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی ہدایت فرمائی: ایک یہ کہ وہ تقویٰ اختیار کریں؛ کیوں کہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے روزی کا انتظام کر دیتے ہیں، جس کا گمان بھی نہ ہو، دوسرے: توکل اختیار کرنا چاہئے، یعنی اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے؛ کیوں کہ جب انسان اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوجاتے ہیں، یہ بڑا اہم نکتہ ہے کہ تقویٰ صرف آخرت ہی کی کامیابی کا ذریعہ نہیں ہے؛ بلکہ دنیا میں بھی رزق کا ذریعہ ہے؛ چنانچہ حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ کی طرف یکسو ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں، جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا اور جس کی پوری توجہ دنیا ہی کی طرف ہوتی ہے، اس کو دنیا کے حوالہ کر دیتے ہیں، (الدر المنثور: ۸/۱۹۸) اللہ کی طرف یکسو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رزق کے لئے کوشش تو کرتا ہے؛ لیکن اس کا یقین اور بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ اس آیت میں ان عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے جن کو حیض نہ آتا ہو، یہ تین قسم کی عورتیں ہیں: ایک وہ جو ابھی بالغ ہی نہ ہوئی ہوں، اس بناء پر ان کو حیض نہ آتا ہو، دوسرے: وہ جن کا حیض عمر کے زیادہ ہوجانے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بالکل ہی بند ہو گیا ہو، تیسرے: وہ جو حمل کی حالت میں ہوں، اس وجہ سے اسے حیض نہ آ رہا ہو، تو پہلی دونوں قسم کی عورت کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان کی عدت تین مہینے ہے اور تیسری صورت یعنی حاملہ کی عدت ولادت ہے، اور یہ جو فرمایا گیا کہ: اگر تم کو شبہ ہو: ”اِنْ اُرْتَبْتُمْ“ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم کو معلوم نہ ہو کہ آئندہ اور نابالغ کی عدت کیا ہے؟ اور اس وجہ سے تمہیں اس مسئلہ میں شبہ ہو رہا ہو تو سمجھ لو کہ ان کی عدت تین ماہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے ←

ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيُخْرِجْهُ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُمْ مِنْ دُونِهِ ۚ وَلَا يُضَارُّوهُنَّ لِتَضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلًا فَلْيُنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتُدُّنَّ عَنْكُمْ ۚ وَإِنْ تَعَاَسَزْتُمْ فَاسْتَرْضِعْ لَهُنَّ ۚ لِيُنْفِقْنَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۚ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُئْفِقْ ۚ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يَكُفِّ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مِمَّا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۚ

ع ۱۴

یہ اللہ کا حکم ہے، جو اس نے تم لوگوں کی طرف اتارا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا، اللہ اس سے اس کے گناہوں کو دور کر دیں گے اور اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے، ۵ طلاق دی ہوئی عورتوں کو جہاں تم رہتے ہو، وہیں اپنی گنجائش کے مطابق رہائش کی جگہ دو، ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ ہونے تک ان کا نفقہ ادا کرتے رہو، پھر اگر وہ عورتیں تمہاری خاطر (یعنی تمہارے بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت عطا کر دو اور آپس میں مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو اور اگر تم آپس میں ایک دوسرے کو تنگ کرو گے تو پھر اس کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی، ۶ وسعت والے کو چاہئے کہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے، اور جس کی کم آمدنی ہو تو اللہ نے جو دیا ہے، اسی کے مطابق خرچ کرے، اللہ نے جس کو جتنا دے رکھا ہے، اس کو اس سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تنگدستی کے بعد آسانی پیدا فرمادیں گے۔ ۷

← اس کے معاملہ کو آسان کر دیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے سنت کے مطابق طلاق دے گا، یعنی طلاق رجعی دے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے سہولت کا راستہ یعنی رجعت کی گنجائش پیدا کر دیں گے اور ایسی صورت بن جائے گی کہ پھر سے دونوں کے تعلقات بہتر ہو جائیں۔

﴿آیت نمبر ۶، ۷﴾ میں اللہ تعالیٰ نے سات احکام دیئے ہیں: اول یہ کہ طلاق دینے کے وقت وہ جس گھر میں رہتی تھی، اس کو وہاں سے باہر نکالا نہ جائے، وہیں اس کو عدت گزارنے کا موقع دیا جائے؛ کیوں کہ نئی جگہ میں جانے سے آدمی کو وحشت ہوتی ہے، اب اگر طلاق رجعی دی ہے تو پردہ کی ضرورت نہیں اور اگر طلاق بائن اور مغالطہ دی ہے تو ایک دوسرے سے پردہ کرنا ہوگا، دوسرا حکم یہ ہے کہ عدت میں رہائش کا انتظام مرد اپنی گنجائش کے لحاظ سے کرے گا، عورت کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کی صلاحیت سے بڑھ کر رہائش کی سہولت کا مطالبہ کرے، تیسرا حکم یہ ہے کہ عورت کو تنگ نہ کرے، تنگ کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، نفقہ میں کمی کر کے، رہنے کی جگہ کو تنگ کر کے، یا طعنہ و تشنیع کے ذریعہ، چوتھا حکم یہ ہے کہ عدت گزارنے تک صرف اس کی رہائش ہی کا نظم نہیں کرنا ہے؛ بلکہ اس کی ضروریات کا بھی نظم کرنا ہے، جس کو نفقہ کہتے ہیں، یہ حکم ہر مطلقہ عورت کے لئے ہے؛ لیکن حاملہ کا ذکر خاص ←

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكَرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رُسُلًا يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝

بہت سی بستی والوں نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبر کے حکم کے مقابلہ سرکشی کی تو ہم نے ان سے سخت حساب لیا اور ان پر ایسا عذاب نازل کیا، جو پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا، ۸ تو انھوں نے اپنی شامت اعمال کا مزہ چکھ لیا اور انجام کار اُن کو نقصان ہی ہوا، ۹ اللہ نے ان کے لئے بھی سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، تو اے عقل والو جو ایمان لا چکے ہو! اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ نے تمہارے پاس نصیحت کی کتاب (قرآن مجید) بھیج دی ہے، ۱۰ (اور) ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا ہے جو تم کو صاف صاف اللہ کے احکام پڑھ کر سناتے ہیں؛ تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں اور جو اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، یقیناً اللہ نے ان کو بہترین روزی دے رکھی ہے۔ ۱۱

← طور پر غالباً اس لئے کیا گیا کہ اس کی عدت عموماً طویل ہوتی ہے تو کہیں اس کی وجہ سے شوہر نفقہ ادا کرنے سے کترائے، پانچواں حکم یہ ہے کہ اگر مطلقہ کو شیر خوار بچہ ہو اور وہ اپنے بچہ کو دودھ پلانے کو شوہر دودھ پلانے کی اجرت ادا کرے، ماں کی متنا کا فائدہ اٹھا کر مفت میں دودھ نہ پلوائے؛ البتہ یہ حکم طلاق کے ذیل میں دیا گیا ہے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر شوہر نے طلاق دے دی ہو، تب وہ اس سے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے؛ لیکن اگر وہ اس کے نکاح میں ہو تو شوہر سے اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت طلب نہیں کر سکتی؛ کیوں کہ یہ اس کا اخلاقی فریضہ ہے، (رد المحتار: ۵/۳۴۸) پھر یہ بھی ہدایت کر دی گئی کہ یہ اجرت آپسی مشورہ سے طے ہونی چاہئے، چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان دودھ پلانے کے معاملہ پر اتفاق رائے نہ ہو سکے، شوہر اجرت دینے کو تیار نہ ہو یا عورت اجرت لے کر بھی دودھ پلانے کو تیار نہ ہو تو پھر مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی اور عورت سے دودھ پلوائے، یا کسی اور طریقہ سے دودھ کا انتظام کرے، ساتھ اس حکم یہ ہے کہ مرد پر جو اس کی بیوی کا بچہ کا نفقہ ادا کرنا واجب ہے، اس میں ایک طرف عورت اور بچہ کی رعایت ضروری ہے کہ نفقہ کم سے کم اتنا ہو کہ ان کی ضروریات پوری ہو جائیں، اور دوسری طرف خود اس مرد کی بھی رعایت ضروری ہے کہ وہ اپنی گنجائش کے معیار کا نفقہ ادا کرے، غرض کہ اس آیت میں بنیادی طور پر اولاد کے نفقہ کی بحث ہے؛ کہ نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے نہ کہ ماں پر۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يُتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٨﴾

اللہ ہی کی ذات ہے جس نے سات آسمانوں کو اور ان ہی کی طرح زمینوں کو پیدا کیا، ان کے درمیان حکم الہی اترتا رہتا ہے؛ تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں اور یہ کہ اللہ کے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو اور ان ہی کی طرح زمینوں کو پیدا کیا، اس کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آسمان ہی کے پیدا کرنے کی طرح اللہ نے زمین بھی پیدا کی، یعنی مماثلت پیدا کرنے میں ہے نہ کہ تعداد میں، علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس کی ایک یہی تفسیر نقل کی ہے، (روح المعانی: ۲۸/۱۳۴) اور علماء ہند میں مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، (تفسیر ماجدی: ۷/۲۵۴) اور اگر تعداد میں مماثلت بتانی مقصود ہو کہ جیسے سات آسمان پیدا کئے، ویسے ہی سات زمینیں پیدا کی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے اندر ہی اندر سات تہیں ہیں؛ لیکن وہ ہلی ہوئی، ان کے درمیان کوئی خلا نہیں، یہ رائے ضحاک کی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۷۵) یا یہ مطلب ہے کہ جس گیارہ کسی میں زمین واقع ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے زمین کے مماثل چھ اور سیارے پیدا کئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان سیاروں میں بھی آکسیجن پانی وغیرہ فراہم ہو؛ لیکن انسان کی نگاہ جستجو ابھی وہاں تک پہنچ نہیں پائی ہو — رہ گیا حضرت عبد اللہ عباس رحمہ اللہ کا قول، جو بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ہر زمین میں آدم کی طرح آدم، نوح کی طرح نوح، اور رسول اللہ رحمہ اللہ کی طرح رسول ہیں، تو یہ روایت من گھڑت اور غیر معتبر ہے، علامہ ابوالحیاء اندلسی رحمہ اللہ کا بیان ہے: ”وہذا حدیث لا شک فی وضعہ“۔ (البحر المحیط: ۸/۲۱۰)

یہ جو بات فرمائی گئی کہ آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام اترتے رہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کر کے چھوڑ دیا ہے اور اپنے آپ یہ نظام چل رہا ہے؛ بلکہ مسلسل کائنات کی تمام چیزوں پر ان کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کے احکام جاری ہوتے رہتے ہیں اور وہ ان ہی احکام کے مطابق ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔





# سُورَةُ التَّحْرِيمِ

«سورة نمبر : (۶۶)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۱۲)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

’تحريم‘ کے معنی حرام کرنے کے ہیں، سورہ کے شروع ہی میں رسول اللہ ﷺ کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ آپ کو حق نہیں ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام فرمادیں، گویا بنیادی اصول بتا دیا گیا ہے کہ جیسے کوئی انسان کسی حلال کو حرام نہیں کر سکتا ہے، اسی طرح وہ کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتا، اس سورہ کے مضامین ہی سے واضح ہے کہ یہ آپ ﷺ پر مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ میں خاص طور پر اُمہات المؤمنین سے خطاب کیا گیا ہے کہ انہیں چاہئے کہ اگر آپ ﷺ نے کوئی بات رازدارانہ طور پر کہی ہو تو دوسری ازواج کے سامنے اس کو ظاہر نہ کریں، اسی ذیل میں نیک خاتون کی صفات بیان کی گئی ہے کہ وہ احکام الہی کے سامنے سر جھکا دینے والی، ایمان کی حامل، فرمانبردار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار اور روزہ دار ہوا کرتی ہیں، مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے اہل و عیال کو بھی دوزخ سے بچانے کی فکر کرنی چاہئے اور اللہ کے سامنے توبہ و استغفار کو اپنا طریقہ بنانا چاہئے۔

سورہ کے اخیر میں دو قسم کی خواتین کی مثالیں دی گئی ہیں، کافر عورتوں کی اور اس حیثیت سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور مسلمان عورتوں کی اور اس حیثیت سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝  
قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَإِذْ أَسَرَّ  
النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ  
عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا ۚ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝ إِنَّ تَتُوبَا  
إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۚ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ  
الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝ عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا  
مِّنْكَ مِّمَّنْ لِّمُتِّ قُنْتِ ۚ تَبَّتْ عَبْدَتٌ سَبْحَتِ تَبَّتْ وَأَبْكَرًا ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسی چیز کو کیوں حرام کئے دیتے ہیں، جس کو اللہ نے حلال کیا ہے اور اللہ بڑے بخشنے والے اور بڑے ہی مہربان ہیں، ۝ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی پابندی سے نکلنے (کا طریقہ) مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارے کارساز ہیں، اور وہ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ۝ اور جب پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات چپکے سے فرمائی، پھر جب اُن بیوی نے اس کو ظاہر کر دیا اور اللہ نے پیغمبر کو اس سے مطلع فرمادیا تو پیغمبر نے (ان بیوی کو) اس میں سے کچھ تو بتا دیا اور کچھ کو ٹال گئے، پھر جب پیغمبر نے اس بیوی کو اس بات (یعنی راز ظاہر کرنے) کے بارے میں بتایا تو وہ دریافت کرنے لگیں: آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ پیغمبر نے فرمایا: مجھے اس ذات نے خبر دی ہے، جو سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے بڑھ کر باخبر ہے، ۝ (اے پیغمبر کی دونوں بیویو!) اگر تم نے اللہ کے سامنے توبہ کر لی (تو بہتر ہے)؛ کیوں کہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں، اور اگر پیغمبر کے مقابلہ (تکلیف پہنچانے کے لئے) ایک دوسرے کا تعاون کرو گی تو (یاد رکھو کہ) یقیناً اللہ، جبرئیل اور نیک مسلمان پیغمبر کے حامی ہیں، نیز ان کے علاوہ اور فرشتے بھی مددگار ہیں، ۝ اگر پیغمبر تم لوگوں کو طلاق دے دیں تو ان کے پروردگار جلد ہی ان کو تمہارے بدلے تم سے بہتر (بیویاں) عطا فرمادیں گے، جو مسلمان، صاحب ایمان، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں، کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔ ۝ (۱) ۝

﴿﴾ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواجِ مطہرات کے یہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے، نیز آپ ﷺ میٹھی چیزیں پسند فرماتے تھے؛ اس لئے اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش ؓ اپنے پاس شہد رکھتی تھیں ←

← اور جب آپ ﷺ تشریف لاتے تھے تو آپ کو پیش کرتی تھیں، غالباً اس کی وجہ سے ان کے یہاں آپ ﷺ کے ٹھہرنے کا وقفہ کچھ زیادہ ہو جاتا تھا، جہاں محبت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کم توجہی کا شکوہ زیادہ ہوتا ہے؛ اس لئے بعض ازواج مطہرات کو یہ بات گراں گذرنے لگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی تدبیر کرنی چاہئے؛ چنانچہ یہ بات طے پائی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں سے نکل کر حضور ﷺ ہم میں سے جس کے پاس بھی تشریف لے جائیں، وہ کہے کہ آپ کے منہ سے 'مغافیر' کی بو آرہی ہے، کہیں آپ ﷺ نے مغافیر تو نہیں کھایا ہے؟ مغافیر 'عُزْ فُطْ' نامی درخت کے گوند کو کہتے تھے، جس سے بساند آتی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے مغافیر تو نہیں کھایا ہے؛ لیکن زینب کے پاس شہد بیا ہے، آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں آئندہ نہیں پیوں گا؛ لیکن کسی کو اس کی خبر نہ دینا، (بخاری، عن عائشہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۴۹۶۶) بعض روایتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بھی ذکر ہے کہ ان سب نے اسی بات کو دہرایا؛ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۸۳) صحیح واقعہ وہی ہے جو اوپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے اور اسی واقعہ کے پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں؛ چنانچہ آیت نمبر: ۱۸ میں آپ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا ہے، آپ نے کیسے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا کہ اس کے نہ کھانے کی قسم کھالی؟ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے کسی حرام کو حلال کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی حلال کو حرام کرنا بھی جائز نہیں، آج کل بعض مسلم حکومتیں ایسی چیزوں پر پابندی لگا رہی ہے، جو شرعاً جائز ہیں، جیسے مرد کا دوسرا نکاح یا نابالغ کا نکاح، اور کہتی ہیں کہ یہ سب صرف جائز ہی تو ہیں، حکومت کے لئے گنجائش ہے کہ وہ ان میں سے ایک پہلو کو نافذ کر دے؛ لیکن یہ غلط ہے، جن امور کا جائز ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہو، ان میں کسی ایک پہلو کو واجب قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ تحریم حلال ہے؛ البتہ انتظامی قوانین، جن کے بارے میں نص موجود نہ ہو، ان میں ایک پہلو کو مصلحتاً لازم کیا جاسکتا ہے، جیسے قانون بنادیا جائے کہ ہر شخص کو سڑک پر دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے چلنا ہوگا؛ البتہ اگر کوئی شخص کسی جائز کام کو نہ کرنے کی قسم کھائے — اور یہاں یہی مراد ہے — تو یہ اصل میں قسم ہے نہ کہ تحریم حلال، اور اگر آدمی طبعی ناپسندیدگی کی بنیاد پر اس طرح کی قسم کھالے تو یہ جائز ہے؛ اس لئے حضور ﷺ کا یہ عمل جائز تھا؛ البتہ آپ کی شان کے اعتبار سے یہ خلافِ اولیٰ عمل تھا؛ اس لئے آپ کو اور آپ کے واسطہ سے اُمت کو تنبیہ کی گئی ہے — بہر حال جس چیز کا حلال ہونا معتبر دلیل سے ثابت ہو، اس کو اگر کوئی شخص حرام قرار دیدے اور اس کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھے تو یہ کفر ہے۔

آیت نمبر: ۲۰ میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ بتا دیا ہے، یعنی قسم کا کفارہ بیان کیا جا چکا ہے، (المائدہ: ۷۹) اب سوال یہ ہے کہ آپ نے کفارہ ادا فرمایا یا نہیں؟ تو صحیح یہ ہے کہ آپ نے کفارہ ادا فرمایا، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے کفارہ ادا نہیں کیا؛ کیوں کہ آپ ﷺ تو پہلے سے بخشے بخشتائے اور مغفور ہیں؛ اس لئے آپ ﷺ کو کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں تھی، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۸۵) لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی؛ اس لئے کہ اس کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا میں آپ وہی عمل کیا کرتے تھے، جو اُمت کے لئے نمونہ بن سکے۔

آیت نمبر: ۳ میں اس کا تذکرہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے خواہش کی کہ اس کا کہیں ذکر نہ کرنا کہ اگر یہ خبر مشہور ہوئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوئی تو ان کو تکلیف ہوگی؛ لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ←

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿١٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْرُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس پر سخت مزاج اور زبردست فرشتے متعین ہیں، اللہ ان کو جو کچھ حکم فرماتے ہیں، وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے، اسی کو بجالاتے ہیں، ﴿۱۰﴾ (اس دن ان سے کہا جائے گا) اے ایمان نہ لانے والو! آج بہانے مت بناؤ، تم کو صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جا رہی ہے، جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۱﴾

← اس کا تذکرہ حضرت عائشہ ؓ سے کر دیا، گویا پہلے تو ایسی تدبیر اختیار کی کہ حضور ﷺ شہد کے کھانے سے رُک جائیں اور پھر آپ نے جس بات کو راز رکھنے کا حکم دیا، اس عہد کو بھی پورا نہیں کیا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ سے مطلع فرمادیا، اب اگر آپ یہ ساری باتیں حضرت حفصہ ؓ سے بتاتے کہ تم لوگوں نے حضرت زینب ؓ کے یہاں شہد پینے سے روکنے کی کیا تدبیر کی اور پھر تم نے اس راز کو کس کے پاس فاش کر دیا؟ تو ان کو اور ندامت ہوتی، اس لئے تنبیہ کی غرض سے وعدہ خلافی کا ذکر فرمایا اور دوسری باتوں کو ٹال دیا، اس پر حضرت حفصہ ؓ کو حیرت ہوئی اور انھوں نے سمجھا کہ شاید حضرت عائشہ ؓ نے آپ ﷺ کو بتا دیا ہے؛ لیکن آپ ﷺ نے بتا دیا کہ مجھے یہ اطلاع خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے؛ تاکہ حضرت حفصہ ؓ کو حضرت عائشہ ؓ سے بدگمانی نہ ہو۔ چوتھی اور پانچویں آیتوں میں حضرت حفصہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم کو اپنی اس غلطی پر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرنی چاہئے، پیغمبر کی تکلیف کا سبب نہیں بننا چاہئے اور یہ بھی خیال نہ کرنا چاہئے کہ آپ ﷺ کو تمہاری جیسی بیویاں نہیں ملیں گی؛ بلکہ اللہ تم سے کہیں بہتر بیویاں عطا کر دیں گے۔

اس طرح کے واقعات کی وجہ سے ازواج مطہرات کی طرف سے دل میں کوئی کھوٹ نہیں پیدا ہونی چاہئے، سوکٹوں کے درمیان چشمک ایک فطری چیز ہے اور شوہر جتنا محبوب ہو، یہ جذبہ بھی اسی قدر بڑھ جاتا ہے، تو ان کا یہ عمل حضور ﷺ سے محبت کی بنا پر تھا اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ ایسے واقعات آپ کی زندگی میں پیش آئیں؛ تاکہ اُمت کے لئے نمونہ بن جائے۔

﴿۱﴾ یعنی انسان کا صرف خود اچھا عمل کرنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کی اچھی تربیت کرے؛ اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو بھی دوزخ سے بچانے کی تدبیر کرے اور اپنے متعلقین کو بھی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اس کی سرزنش کرو، (ابوداؤد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۹۴) آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں بنیادی بات فرمائی کہ تم میں سے ہر شخص اپنے زیر اثر لوگوں کے بارے میں جواب دہ ہے: ”کلکم مسئول عن رعیتہ“۔ (بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۴۹۰۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ۖ عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفُ رَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمُ جَهَنَّمُ ۚ وَبُئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ ۚ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتُهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١١﴾

اے مسلمانو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو، ﴿۸﴾ امید ہے کہ تمہارے پروردگار تم سے تمہارے گناہوں کو دور کر دیں گے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس دن اللہ پیغمبر اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں فرمائیں گے، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا، وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما دیجئے اور ہم کو بخش دیجئے، یقیناً آپ ہر چیز پر قادر ہیں، ﴿۹﴾ اے پیغمبر! آپ ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے، ﴿۱۰﴾ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے، ﴿۱۱﴾ اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں کے لئے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان فرماتے ہیں، یہ دونوں ہمارے دونیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر ان دونوں بیویوں نے ان دونوں کے ساتھ خیانت کی تو وہ خدا کے مقابلہ ان کے کچھ کام نہ آ سکے اور حکم دیا گیا کہ تم دونوں بھی (دوزخ میں) داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، ﴿۱۲﴾ اور اللہ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرماتے ہیں، جب اس نے کہا: اے میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دیجئے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل سے محفوظ رکھئے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا کیجئے۔ ﴿۱۳﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے یہاں ’توبۃ النصوح‘ کا حکم دیا ہے، توبۃ النصوح سے مراد ہے ایسی توبہ جس میں گناہ پر ندامت و شرمندگی اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا عزم مصمم ہو۔

﴿۲﴾ جو جس کام کا مکمل ہے، اس وقت وہی عمل ہونا چاہئے، اسی لئے شیخ سعدی ؒ نے کہا کہ سختی اور نرمی اپنی اپنی جگہ پر بہتر ہے، صلح و امن کے ماحول میں تو نرمی اور عفو و درگزر کا رویہ ہونا چاہئے؛ لیکن جب میدان جنگ ہو تو وہاں سختی ہونی چاہئے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقْتَ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ عَلَيْهَا مِنَ الْقَنَاتِ ۝

اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کرتے ہیں جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس میں اپنی (طرف سے) ایک روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے احکام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی رہی اور وہ فرمانبردار بندوں میں سے تھی۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۰ تا ۱۲ میں دو ایسی عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو پیغمبر کے نکاح میں ہونے کے باوجود دوزخ میں جائیں گی، اور دو ایسی خواتین کا ذکر کیا گیا یعنی فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ؑ اور نیز حضرت مریم علیہا السلام کا، جو خواتین عالم میں سے منتخب خواتین تھیں، یہ گویا امہات المؤمنین حضرت عائشہ ؓ اور حضرت حفصہ ؓ کی تنبیہ ہے کہ پیغمبر کی بیوی ہونے پر مطمئن نہ ہو جاؤ، جیسے حضرت نوح ؑ اور حضرت لوط ؑ کی بیوی کو اللہ کے رسولوں سے ازدواجی رشتہ کام نہیں آیا تو ایسا نہ ہو کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچا کر اللہ کی پکڑ میں آ جاؤ، علامہ قرطبی ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح ؑ کی بیوی کا نام 'والہہ' اور حضرت لوط ؑ کی بیوی کا نام 'وافعہ' تھا، (تفسیر قرطبی: ۲۱۹/۱۸) — حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام دنیا کی خواتین میں سے چار کو سب سے اونچا درجہ حاصل ہوگا: حضرت مریم علیہا السلام، حضرت خدیجہ ؓ، بنت خویلد، حضرت فاطمہ الزہراء ؓ اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ؓ، (ترمذی، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۳۸۷۸) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے بھی اسی مضمون کی ایک روایت ہے، جس میں آپ ﷺ نے چار عورتوں کو اہل جنت کی سب سے افضل عورت قرار دیا ہے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۹۰۳)





# سُورَةُ الْمَلِكِ

«سورہ نمبر : (۶۷)»

«رکوع : (۲)»

«آیتیں : (۳۰)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

ملک کے معنی حکومت و سلطنت کے ہیں، پہلی ہی آیت میں یہ مضمون آیا ہے کہ پوری کائنات کی بادشاہت (ملک) اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام ملک ہے، یہ سورہ مکہ مکرمہ میں اُتاری گئی ہے؛ چنانچہ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی زیادہ تر ایمانیات کا ذکر فرمایا گیا ہے، خاص طور پر قیامت کا منظر اور آخرت کی جزا و سزا کا نظام پیش کیا گیا ہے اور اس کے لئے کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سورہ کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اپنے پڑھنے والے کے لئے شفاعت کرے گی، یہاں تک کہ اس کی مغفرت کرا کر چھوڑے گی، (ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۲۸۹۱) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے نجات دلائے گی، (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۲۸۹۰) خود رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ سفر ہو یا حضر، کسی شب آپ دونوں سورتوں کی تلاوت کا ناغہ نہیں فرماتے تھے، (حوالہ سابق، عن جابرؓ، حدیث نمبر: ۲۸۹۲) اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ یہ سورہ میری امت کے ہر فرد کو یاد ہو۔

(معجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۱۶۱۶)



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۲۹

تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طَبَقًا ۝ مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۝ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۚ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحٍ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيْطٰنِ ۚ وَاعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ① جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا؛ تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے؟ اور وہ غالب اور خوب بخشنے والا ہے، ② جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان پیدا کئے، تو (اے دیکھنے والے!) تم خدائے مہربان کی تخلیق میں کوئی خلل دیکھتے ہو؟ ③ پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہ کہیں تم کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ ④ پھر بار بار نظر ڈالو، تب بھی نظر تمہاری طرف ناکام اور تھک کر ہی واپس ہوگی، ⑤ اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے ⑥ اور ان کو شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ بھی بنایا ہے، ⑦ نیز ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ⑧

① یعنی زندگی اور موت دینا کسی دیوی دیوتا وغیرہ کے ہاتھ میں نہیں؛ بلکہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کیا جانا اور پھر دنیا سے اٹھ لینا بے مقصد نہیں ہے؛ بلکہ اس لئے ہے کہ انسان کا امتحان ہو کہ وہ زندگی کو بہتر اعمال میں گزارتا ہے یا برے کاموں میں؟

② تفاوت کے معنی تناقض و تباہی یعنی ٹکراؤ سے کیا گیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۰۸/۱۸) یعنی اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی بے ربطی نہیں ہے، ساری چیزیں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ پوری طرح ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

③ آسمان دنیا سے مراد وہ فضا ہے، جس میں ہم تاروں کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جہاں دن میں سورج کے ذریعہ ہمیں روشنی حاصل ہوتی ہے، وہیں اندھیری رات میں تاروں کی کہکشاں ایک ایسا منظر پیش کرتی ہے کہ آنکھیں انھیں دیکھ کر لطف اندوز ہوتی ہیں، اگر یہ تارے نہ ہوں تو رات کی گھٹا گھورتا رکبی بڑی خوفناک نظر آئے گی۔

④ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا خیال تھا کہ کاہنوں کے پاس ایسے شیطین ہیں جو عالم غیب تک پہنچ جاتے ہیں، اور وہاں سے صحیح خبریں معلوم کر کے آجاتے ہیں، اس آیت نے واضح کر دیا کہ شیطان جانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں؛ لیکن وہ پہنچ نہیں پاتے؛ ←

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبُئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١﴾ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ﴿٢﴾ تَكَادُ تَبْكُرُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٣﴾ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۖ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿٤﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿٥﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ ۖ فَنُحِيقَ بِالسَّعِيرِ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿٧﴾

اور جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا، ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے، ﴿۱﴾ جب یہ لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو اس کا چیننا چلانا سنیں گے ﴿۲﴾ اور وہ اس طرح جوش مار رہی ہوگی، ﴿۳﴾ کہ گویا مارے غصے کے پھٹ پڑے گی، جب جب کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کے داروغے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ ﴿۴﴾ وہ کہیں گے: ہاں، ڈرانے والا تو ہمارے پاس ضرور آیا تھا، (مگر) ہم نے جھٹلادیا اور کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری ہے، تم لوگ حد درجہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہو، ﴿۵﴾ اور یہ بھی کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھ داری سے کام لیتے تو دوزخیوں میں سے نہیں ہوتے، ﴿۶﴾ غرض کہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں گے، تو لعنت ہے دوزخ والوں پر! ﴿۷﴾ یقیناً جو لوگ بغیر دیکھے ہوئے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۷﴾

← اس لئے ان کی دی ہوئی خبریں جھوٹ اور اٹکل پر مبنی ہوتی ہیں شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ستارے ہی شیطانوں پر پھینک دیئے جاتے ہیں؛ بلکہ ان ستاروں میں وقتاً فوقتاً انفجار پیدا ہوتا رہتا ہے، جس سے شہاب ثاقب نکل کر فضا میں آجاتے ہیں اور یہی شیطان کو بھگانے کا ذریعہ اور وہاں تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتے ہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ”فَأَتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ“۔ (صافات: ۱۰)

﴿۱﴾ یعنی یا تو یہ آواز خود دوزخ کی ہوگی، انسان کو تو بجلی کی کڑک گھبرا دیتی ہے تو دوزخ کی آواز کا کیا حال ہوگا؟ بعض حضرات کے نزدیک یہ دوزخ میں ڈالے جانے والوں کی آواز ہوگی، ”شہیق“ کے اصل معنی خچر کی آواز کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس وقت دوزخیوں کی چیخ پکار گدھوں اور خچروں کی آواز کی سی ہوگی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۱۲)

﴿۲﴾ ایک تو سماج کے، حکومت اور قانون کے، پولیس اور فوج کے اور خاندان اور رشتہ داروں کے خوف کی وجہ سے کسی گناہ سے بچتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر نہیں ہے، مغفرت اور اجر اس وقت ہے، جب وہ اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے؛ حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے، یہ گناہ سے بچنے کا ایسا محرک ہے، جو دن کی روشنی کی طرح رات کی تاریکی اور بازار کے اثر دھام کی طرح کمرے کی تنہائی میں بھی انسان کو گناہ سے بچاتا ہے۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۳﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ  
اللطيفُ الخبيرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ  
رِزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿۱۵﴾ ءَامِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ  
تَمُورُ ﴿۱۶﴾ ءَامِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿۱۷﴾

تم اپنی بات آہستہ کہو یا زور سے، یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کے راز سے بھی خوب واقف ہیں، ﴿۱۳﴾ بھلا جس (خدا) نے پیدا کیا ہے، وہ ناواقف ہوگا؟ حالاں کہ وہ بہت ہی باریک بین اور پوری طرح باخبر ہے، ﴿۱۴﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم بنایا؛ تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو پھرو، اور اس کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ، ﴿۱۵﴾ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے، ﴿۱۶﴾ کیا تم اس ذات سے مطمئن ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ تم کو زمین میں دھنسا دے، پھر یکا یک زمین لرز نے لگے؟ ﴿۱۷﴾ یا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ جو آسمان پر ہے، وہ تمہارے اوپر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ تو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو کچھ کہتے اور منصوبہ بناتے تھے، وحی کے ذریعہ آپ کو اطلاع کر دی جاتی تھی؛ اس لئے وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: تم لوگ آہستہ بات کرو، کہیں محمد ﷺ کا رب سن کر اس کو بتانہ دے؟ ان کے اس احمقانہ خیال کی تردید ہے کہ تم خالق کو مخلوق پر قیاس کرتے ہو، وہ تو ان باتوں سے بھی واقف ہے، جو تمہاری زبان پر ابھی تک نہیں آئی ہے اور تم نے ان کو دلوں میں چھپا رکھا ہے، جو خالق ہے، وہ کیسے ناواقف ہوگا؟ (تفسیر قرطبی: ۲۱۴/۱۸) — آیت نمبر: ۱۴ کے ابتدائی فقرہ کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے جن کو پیدا کیا ہے، کیا ان ہی سے ناواقف ہوگا؟ (حوالہ سابق)

﴿۲﴾ یعنی زمین کو پتھر اور لوہے کی طرح سخت نہیں بنایا؛ بلکہ زمین نرم بنائی گئی ہے، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ تم اس میں راستہ بناتے ہو، اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے پودے نکلتے ہیں اور تم انھیں کھاتے ہو۔

﴿۳﴾ ”جو آسمان میں ہے“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ تو کسی مقام اور جگہ میں محدود نہیں ہیں؛ لیکن آسمان میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے نافذ ہونے کی ذمہ داریاں فرشتوں سے متعلق رکھی ہیں اور فرشتے اسے آسمان سے نافذ کرتے ہیں، گویا آسمان کی حیثیت اس کائنات کے دارالحکومت کی سی ہے، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو ایک باندی کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا: اللہ کہاں ہیں؟ اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے نبی ہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اس باندی کو مسلمان شمار کرتے ہوئے آزاد کرنے کی اجازت دے دی۔

(مسلم عن معاویہ بن حکم سلمی، حدیث نمبر: ۱۱۹۹)

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾ أَوْ لَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفًى وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يَمْسُكُهُنَّ إِلَّا الرِّحْلُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بِصِيرٌ ﴿١٩﴾ أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصَرُّكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْلِ ۚ إِنَّ الْكُفْرَ وَنَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾ أَفَمَنْ يَمُشِي مَكْبَتًا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَمَّنْ يَمُشِي سَوِيًّا عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٢﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾

اور ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں تو کیسا ہوا میرا عذاب؟ ﴿۱۸﴾ کیا انھوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، جو (کبھی) اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور (کبھی) سکیڑ لیتے ہیں، ان کو خدائے رحمان کے سوا کوئی تھامے ہوا نہیں ہے، یقیناً اللہ ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں، ﴿۱۹﴾ خدائے رحمن کے سوا تمہارا کونسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے؟ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ﴿۲۰﴾ اگر اللہ تعالیٰ تم سے اپنی روزی روک لیں تو کون ہے جو تم کو روزی مہیا کر سکے؟ مگر یہ تو سرکشی اور نفرت پر ہی اڑے ہوئے ہیں، ﴿۲۱﴾ بھلا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلے، وہ سیدھے راستے پر ہے یا وہ شخص جو سیدھے راستے پر ٹھیک طریقہ سے چلے؟ ﴿۲۲﴾ آپ فرما دیجئے: وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے، تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے ہیں؛ (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو، ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾ آپ فرما دیجئے: وہی خدا ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا دیا، پھر اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے ﴿۲۵﴾ اور ایمان نہ لانے والے کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) کہ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ یعنی بظاہر فضا میں کوئی وزنی چیز بٹھہر نہیں پاتی؛ لیکن جیسے اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے، اسی طرح فضا کو پرندوں کے لئے؛ کہ وہ نہ صرف اس میں اڑ سکتے ہیں؛ بلکہ اپنے پر سکیڑ کر ٹھہر بھی سکتے ہیں۔

﴿۲﴾ یعنی کافر کی مثال ایسے شخص کی ہے، جو جانور کی طرح سر اوندھا کئے چل رہا ہو، نہ آگے دیکھتا ہو نہ دائیں نہ بائیں، اور مومن کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سراسر اٹھا کر چلے، راستہ بھی سیدھا ہو اور راستہ کے نشیب و فراز بھی اس کے سامنے ہوں۔

﴿۳﴾ یعنی کان بنائے جس سے تم اللہ کی باتوں کو سن سکتے تھے، آنکھیں بنائیں، جن سے تم اللہ کی نشانیوں کو دیکھ سکتے ہو اور دل بنائے جس سے تم سمجھ سکتے ہو؛ لیکن تمہاری ناشکری یہ ہے کہ تم ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے استعمال نہیں کرتے، جب کہ یہ علم و معرفت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۳۶﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ ﴿۳۷﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِيبُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ ﴿۳۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ ﴿۴۰﴾

آپ کہہ دیجئے: اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف طور پر خبردار کر دینے والا ہوں، ﴿۳۶﴾ آخر کار جب وہ اس وعدہ کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے تو جو ایمان نہیں لائے، ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: یہی وہ چیز ہے جس کا تم مطالبہ کیا کرتے تھے، ﴿۳۷﴾ آپ فرما دیجئے: تم یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ (تمہاری خواہش کے مطابق) مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دیں یا (ہمارے یقین کے مطابق) ہم پر رحم فرمائیں، تو کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے بچالے؟ (اس لئے تمہیں تو اپنی فکر کرنی چاہئے) ﴿۳۸﴾ آپ کہہ دیجئے: وہ بڑا مہربان ہے، ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسہ کیا، تو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ ﴿۳۹﴾ کہہ دیجئے: بھلا دیکھو تو سہی، اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو کون تمہارے لئے چشمے کا بہتا ہوا پانی لے آئے گا؟ ﴿۴۰﴾

﴿۱﴾ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دینی شروع کی تو اہل مکہ نے جہاں اور طریقوں سے آپ ﷺ کو تکلیفیں پہنچائیں، وہیں وہ آپ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ کو کوستے بھی تھے اور اپنے عقیدہ کے مطابق بدو عابھی کرتے تھے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے کہلایا گیا کہ اگر فرض کرو کہ ہمیں ہلاک بھی کر دیا جائے تو کیا اس کی وجہ سے تم اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ گے؟

﴿۲﴾ انسان کو کائنات میں جو چیزیں دی گئی ہیں، ان میں بعض وہ ہیں جن میں ظاہری طور پر انسان کی کوششوں کو دخل ہے، وہ سینٹ، لوہے، گارے کی مدد سے اپنا مکان بناتا ہے، میاں بیوی کے تعلق سے بچے کی پیدائش ہوتی ہے، زمین میں بیج ڈالتا ہے، جس سے درخت اور پودے نکلتے ہیں؛ لیکن زمین سے پانی کے نکلنے میں یا آسمان سے پانی کے برسنے میں انسان کی محنت و کوشش کا کوئی دخل نہیں؛ حالاں کہ ہوا کے بعد پانی ہی اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے، یہ صرف اور صرف اللہ کی قدرت اور مہربانی سے حاصل ہوتا ہے۔





# سُورَةُ الْقَلَمِ

«سورہ نمبر : (۶۸)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۵۲)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے شروع میں قلم کی قسم کھائی گئی ہے، اسی لئے اس کا نام سورہ قلم ہے؛ چوں کہ شروع میں حروف مقطعات میں سے نون کا حرف بھی آیا ہے، اس لئے اس کو سورہ ”ن“ بھی کہا جاتا ہے۔

اس سورہ میں حضور ﷺ کی نبوت پر اہل مکہ کی طرف سے جو اعتراضات کئے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے، آپ کی بلند اخلاقی کی خود اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے، بعض سردارانِ مکہ جو آپ کی مخالفت میں آگے آگے رہا کرتے تھے، ان کی دس بد اخلاقیوں کا ذکر آیا ہے، یمن میں ایک باغ والوں کا واقعہ بطور عبرت ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ان کی ناشکری کی وجہ سے ان کا سرسبز اور لہلہاتا ہوا باغ ویرانہ میں تبدیل ہو گیا؟ رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور دلداری کے لئے حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿١﴾ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ﴿٢﴾ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ  
 مَبْنُونٍ ﴿٣﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿ن﴾ (نون)، قلم کی اور ان چیزوں کی قسم ہے جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں! ﴿١﴾ آپ اپنے پروردگار کے کرم سے دیوانے نہیں ہیں، ﴿٢﴾ اور آپ کے لئے بے انتہا اجر ہے۔ ﴿٣﴾

﴿١﴾ ”ن“ حروف مقطعات میں سے ہے، جس کی مراد سے اللہ ہی واقف ہیں؛ لیکن نون کے معنی دوات کے بھی ہیں، بعض عرب شعراء نے اس کو دوات کے معنی میں استعمال کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے بھی یہی معنی منقول ہے، (مفاتیح الغیب: ۱۵/۶۴۳) اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے دوات اور قلم کی قسم کھائی ہے — دوسرا لفظ اس میں قلم کا ہے، قلم وہ آلہ ہے جس سے کوئی چیز لکھی جائے، اور یہ آلہ زمانہ اور وقت کے لحاظ سے بدل سکتا ہے، جیسے کسی زمانہ میں لکڑی کا پین استعمال ہوتا تھا، پھر ہولڈر پین استعمال ہونے لگا، جس کو دوات میں ڈبو کر روشنائی لگائی جاتی تھی، پھر فائٹن پین آیا، جس میں الگ سے روشنائی لینا نہیں پڑتی تھی؛ بلکہ اس کے اندر ڈال دی جاتی تھی، پھر اس کی اور زیادہ ترقی یافتہ قسم کے پین سامنے آئے، اور اس دور کا سب سے بڑا قلم کمپیوٹر ہے، جس کے ذریعہ یہ بات ممکن ہو گئی ہے کہ کوئی چیز ہندوستان میں لکھی جائے اور وہ مثلاً امریکہ میں پڑھی جائے، قلم جس قسم کا بھی ہو، اس قسم میں شامل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ یہ علم کو محفوظ کرنے کا اور دُور دُور تک پہنچانے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، اس تشریح کے مطابق یہاں قلم میں ہر طرح کا قلم شامل ہے — دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس میں قلم سے وہ قلم مراد ہے جس سے کائنات کی تقدیر لکھی گئی ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پھر اللہ کے حکم سے قلم نے ان تمام واقعات کو لکھ دیا، جو اس کائنات میں شروع سے آخر تک پیش آنے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۲۳)

اس آیت میں تیسرا لفظ ہے ”وَمَا يَسْطُرُونَ“ (جو وہ لکھتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ فرشتے جو کچھ لکھتے ہیں، خاص کر انسانوں کے اعمال، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی قسم کھائی ہے؛ کیوں کہ نامہ اعمال ہی پر انسان کی آخرت موقوف ہے، اس سے اس کی اہمیت ظاہر ہے، ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے صرف فرشتے ہی مراد نہیں ہیں؛ بلکہ ہر لکھنے والا اس میں شامل ہے: ”ویراد بہ کل مایسطر“ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۲۵) ایسی شکل میں مطلب یہ ہوا کہ لکھنے والے جو کچھ لکھتے رہے ہیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے، ان سب کی قسم کھائی گئی ہے، ایسی صورت میں علم و تحقیق کا پورا دفتر اس میں شامل ہو گیا؛ کیوں کہ ایجاد و اختراع میں قلم کا بنیادی رول رہا ہے؛ البتہ قلم کی نوعیت بدلتی رہی ہے۔

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿۵﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ﴿۶﴾ بِأَبْصَارِكُمُ الْمَفْتُونُ ﴿۱﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ  
 أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۲﴾ فَلَا تُطْعِ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۳﴾ وَدُّوا لَوْ  
 تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿۴﴾ وَلَا تُطْعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۵﴾ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَنِيمٍ ﴿۶﴾ مَنَّاعٍ لِلْخَبِيرِ  
 مُعْتَدٍ آثِيمٍ ﴿۷﴾ عُنْتٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ ﴿۸﴾ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿۹﴾

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے حامل ہیں، ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ تو اب جلد ہی آپ بھی دیکھ لیں گے  
 اور یہ لوگ بھی، ﴿۳﴾ کہ تم میں سے کون دماغی خلل میں مبتلا ہے؟ ﴿۴﴾ یقیناً آپ کے رب اس شخص سے خوب واقف  
 ہیں، جو اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور وہ درست راستے پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتے ہیں، ﴿۵﴾ تو آپ  
 جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں، ﴿۶﴾ وہ چاہتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں، ﴿۷﴾ اور نہ  
 کسی ایسے شخص کی بات مانیں جو بہت قسمیں کھاتا ہے، ذلیل ہے، ﴿۸﴾ طعنے دیتا ہے، چغلیاں کرتا پھرتا ہے، ﴿۹﴾  
 اچھے کام سے روکتا ہے، حد سے گزر جانے والا اور بڑا ہی گنہگار ہے، ﴿۱۰﴾ بد اخلاق ہے اور اس کے علاوہ بذات بھی  
 ہے، ﴿۱۱﴾ (اس کی یہ کیفیت) اس وجہ سے ہے کہ وہ مال و اولاد والا ہے۔ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ خالق سے بڑھ کر مخلوق کے مقام و مرتبہ اور اخلاق و کردار سے کون واقف ہوگا؟ اور خود خالق تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں کہ  
 آپ اخلاق کے اعلیٰ معیار پر ہیں۔  
 ﴿۲﴾ یعنی جب دنیا کا پردہ ہٹ جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی تو اس وقت تم کو پتہ چل جائے گا کہ اصل پاگل کون لوگ تھے،  
 پاگل تو وہی ہے جس کو نفع و نقصان کی تمیز نہ ہو، تو اس پاگل پن میں تو دراصل وہ لوگ مبتلا ہیں، جو ایمان نہیں لائے۔  
 ﴿۳﴾ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے دین سے تھوڑا سا ہٹ جائیں اور کفر و شرک کی کچھ باتوں کو قبول کر لیں تو وہ بھی آپ کی  
 مخالفت ترک کر دیں گے، چنانچہ مشرکین حضور سے مطالبہ کیا کرتے تھے کہ ہم لوگ مدت کی تقسیم کر لیں، کچھ دن ہم آپ کے خدا کی  
 عبادت کر لیں اور کچھ دن آپ ہمارے خدا کی عبادت کر لیں، قرآن نے صاف کہہ دیا کہ آپ کو ایسے لوگوں کی بات ماننی نہیں ہے،  
 رسول اللہ ﷺ کے تو ایسی باتوں کے ماننے کا سوال ہی نہیں تھا؛ لیکن دراصل آپ کے واسطے سے امت کو خطاب کرنا مقصود ہے کہ  
 جیسے روشنی اور تاریکی اور دن اور رات اکٹھے نہیں ہو سکتے اور جیسے ایک چیز ایک ہی وقت میں سفید اور سیاہ نہیں ہو سکتی، اسی طرح کفر  
 و ایمان کا اجتماع نہیں ہو سکتا، اس میں ان لوگوں کے لئے خاص طور پر تنبیہ ہے، جو رواداری کے نام پر مشرکانہ افعال اور مذاہب کفر  
 کے شعائر تک کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، رواداری کا مطلب اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کی دل آزاری سے  
 بچنا ہے، نہ کہ خود اپنی ڈگر سے ہٹ جانا۔ آج کل کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ تمام مذاہب ایک ہی ہیں، صرف راستے جدا  
 ہیں، قرآن کے اس بیان سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ راستے الگ الگ ہیں، ایک راستہ جنت کی طرف لے  
 جاتا ہے اور دوسرا راستہ دوزخ کی طرف۔

إِذَا تَنَلَّى عَلَيْهِ أَيْتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ سَنَسِفُهُ عَلَى الْخُرُطُومِ ۝ إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتَتِنُونَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِبُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۝ أَنِ اغْدُوا عَلَى حَزْزِكُمْ إِن كُنْتُمْ صٰرِمِينَ ۝ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينِينَ ۝

جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں، ۱۵ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے، ۱۶ ہم ان لوگوں کو اسی طرح آزما رہے ہیں، جیسے باغ والوں کو آزما یا تھا، جب انھوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور صبح ہوتے ہی باغ کا پھل توڑ لیں گے، ۱۷ اور انھوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا، ۱۸ پھر اس پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک آفت پھر گئی اور وہ سوئے ہی رہے، ۱۹ چنانچہ صبح کو وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی، ۲۰ پھر صبح صبح وہ ایک دوسرے کو آواز دینے لگے، ۲۱ کہ اگر تم کو پھل توڑنا ہے تو سویرے ہی اپنے کھیت پر چلو، ۲۲ چنانچہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے، ۲۳ کہ آج تمہارے پاس باغ کے اندر کوئی فقیر نہ آنے پائے۔ ۲۴

۱ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کا ذکر کیا ہے جس میں نوبری صفات جمع ہیں اور پھر ان کی ایک خصوصی سزا کا ذکر کیا گیا ہے، یوں تو کوئی بھی شخص جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں، اس کا مصداق ہو سکتا ہے؛ لیکن عام طور پر ایک شخص میں اتنی مذموم صفات کا جمع ہونا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے؛ اس لئے مفسرین نے اس سے ولید بن مغیرہ کو مراد لیا ہے، وہ بہت شریر اور اسلام دشمن تھا، قرآن نے یہاں اس کی نو صفات بیان کی ہیں، آخری صفت ہے 'زنیہ' یعنی ایسا شخص جس کا نسب صحیح نہیں ہو؛ چنانچہ اس کے پیدائش کے اٹھارہ مہینے کے بعد اس کے باپ نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ اس کا بیٹا ہے، (تفسیر قرطبی: ۲۳۴/۱۸) اخیر میں قرآن نے کہا کہ اس کی یہ سرکشی اس لئے ہے کہ ہم نے اس کو مال و اولاد سے نوازا رکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ اہل منیٰ کو حج کے موقع سے تین دن تک ایک خاص کھانا بوجھو اور پینیر سے تیار کیا جاتا تھا اور جس کو 'جیس' کہتے تھے، کھلایا کرتا تھا، یہاں تک کہ بیس ہزار سے زیادہ ایک حج میں خرچ کیا کرتا تھا؛ لیکن کسی مسکین کو ایک درہم بھی دینے کا روادار نہیں ہوتا تھا، (حوالہ سابق) اور قرآن مجید کے بارے میں کہتا تھا کہ یہ کوئی خاص کلام نہیں ہے، صرف پہلے لوگوں کی خیالی کہانیاں ہیں — اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سزا کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ اس کے ناک پر ایک داغ لگا دیا جائے گا، ناک چوں کہ چہرے کا سب سے اُبھرا ہوا حصہ ہے؛ اس لئے اس پر لگا ہوا داغ سب سے زیادہ بد نما نظر آتا ہے؛ تاکہ لوگ اس کو دیکھتے ہی سمجھ جائیں کہ یہ بڑا شریر اور بد معاش قسم کا آدمی ہے، اصل میں تو یہ داغ آخرت میں لگے گا؛ لیکن دنیا میں بھی وہ اس داغ سے محفوظ نہیں رہ سکا؛ کیوں کہ غزوہ بدر میں اس کی ناک پر کسی مجاہد نے ایسا وار کیا کہ اس کا نشان اس پر آخر دم تک قائم رہا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۳۶/۱۸، مفاتیح الغیب: ۱۵/۶۵۸)

وَعَدُوا عَلَىٰ حَرٍِّ قَدِيرِينَ ﴿۵۸﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿۵۹﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۶۰﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُونَ ﴿۶۱﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۶۲﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَوْمُونَ ﴿۶۳﴾ قَالُوا يَٰوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طُغْيَانًا ﴿۶۴﴾ عَلَىٰ رَبِّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رُغْبُونَ ﴿۶۵﴾ كَذَلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾

اور صبح سویرے یہ سمجھ کر چلے کہ وہ (اپنا) ارادہ (پورا کرنے پر) قادر ہیں، ﴿۵۸﴾ پھر جب ان لوگوں نے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے: یقیناً ہم راستہ بھول گئے ہیں (یعنی کسی اور باغ میں آگئے ہیں)، ﴿۵۹﴾ نہیں؛ بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ہے، ﴿۶۰﴾ ان میں جو بہتر شخص تھا، اس نے کہا: میں نے تم لوگوں سے کہا نہیں تھا کہ اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۶۱﴾ سب بول اُٹھے: ہمارے پروردگار پاک ہیں، ہم ہی قصور وار ہیں، ﴿۶۲﴾ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے آپس میں لعن طعن کرنے لگے، ﴿۶۳﴾ کہنے لگے: ہائے ہماری بدنصیبی! یقیناً ہم ہی زیادتی کر رہے تھے، ﴿۶۴﴾ بعید نہیں کہ ہمارے پروردگار ہمیں اس سے بہتر عطا فرمادیں، ہم اپنے پروردگار کی طرف رُجوع کرتے ہیں، ﴿۶۵﴾ اسی طرح عذاب آیا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے، کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔ ﴿۶۶﴾

﴿۱﴾ تسبیح سے مراد ہے انشاء اللہ کہنا، اُس اُمت میں انشاء اللہ کی جگہ سبحان اللہ کہا جاتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۲۴۴/۱۸) یعنی یہ نہ کہو کہ ہم کل پھل توڑ کر لے آئیں گے؛ بلکہ کہو کہ انشاء اللہ ہم کل پھل توڑ کر لے آئیں گے۔

﴿۲﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، تفسیر کی کتابوں میں مختصر طور پر اس کا ذکر آیا ہے، یمن میں صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر زردان یا زوران نام کی ایک آبادی تھی، یہاں ایک نیک آدمی کی کھیتی تھی، وہ غریبوں کا بڑا خیال رکھتا تھا، جو لوگ آتے تھے، ان کو اپنی پیداوار میں سے کھلاتا تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا اور یہ باغ اس کے تین بچوں کے ہاتھ میں آ گیا تو ان کو خیال آیا کہ ہمارا بہت سارا مال غریبوں کو چلا جاتا ہے؛ اس لئے ہم بالکل صبح صبح جب کہ رات کا دھند لکا باقی ہو، آکر اپنے پھل توڑ لیں کہ اس وقت غرباء نہیں آسکیں گے اور پوری پیداوار ہم لوگ اپنے گھر لے جائیں گے؛ چنانچہ یہ صبح اُٹھے اور چپکے چپکے اپنے باغ کی طرف چلے، اب جو دیکھا تو باغ کچھ اس طرح اُجڑ چکا تھا کہ اولاً تو انھیں خیال ہوا کہ شاید ہم غلط جگہ پر پہنچ گئے ہیں؛ لیکن جب غور سے دیکھا تو انھیں اندازہ ہوا کہ ہم پہنچے تو ہیں صحیح جگہ پر؛ لیکن اللہ کی طرف سے ان کے پھل ضائع کر دیئے گئے اور انھیں محروم کر دیا گیا، بہر حال اب ان میں جو بھائی نسبتاً بہتر تھے، انھوں نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کی تسبیح بیان کرو، یعنی انشاء اللہ کہو، اللہ سے توبہ کرو اور جو منصوبہ بنا چکے ہو، اس سے باز آ جاؤ؛ چنانچہ سب کو تنبیہ ہوئی اور سب نے اقرار کیا کہ ہم سے واقعی زیادتی ہوئی ہے، پھر ایک دوسرے کو بھی بُرا بھلا کہنے لگے کہ تمہارے ہی مشورہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، ←

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ﴿۳۳﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۴﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۵﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿۳۶﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿۳۸﴾ سَلِّمُوا إِلَيْهِمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ﴿۳۹﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فُلْيَاتُوا بِشُرْكَائِهِمْ إِنَّ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۴۱﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ﴿۴۲﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک نعمتوں والے باغ ہیں، ﴿۳۳﴾ کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے؟ ﴿۳۴﴾ تم کو کیا ہو گیا ہے (اور) تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ ﴿۳۵﴾ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو؟ ﴿۳۶﴾ تم کو آخرت میں وہی ملے گا جو تم پسند کرو گے؟ ﴿۳۷﴾ یا تم نے ہم سے ایسی قسمیں لے رکھی ہیں، جو قیامت کے دن تک باقی رہیں گی کہ جس چیز کا تم حکم کرو گے، وہ تم کو مل ہی جائے گی؟ ﴿۳۸﴾ ان سے دریافت کیجئے کہ ان میں سے کون اس کا ذمہ لیتا ہے (کہ قیامت کے دن ان کی خواہش پوری کرادے؟) ﴿۳۹﴾ یا ان کے کچھ اور شریک بھی ہیں؟ اگر یہ سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو پیش کریں، ﴿۴۰﴾ جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور ان کو سجدہ کرنے کو بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے، ﴿۴۱﴾ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہی لوگ (اس وقت) سجدے کے لئے بلائے جاتے تھے، جب یہ صحیح سالم تھے۔ ﴿۴۲﴾

← آخر وہ اپنے جرم کا اعتراف کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے والد کی طرح کام کریں تو پہلے باغ میں جو پھل لگے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہتر پھل دے دیں، قرآن مجید میں تو واقعہ کا بیان یہیں تک ہے؛ لیکن تفسیر کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ اس رات تو باغ اُجڑ گیا تھا؛ لیکن توبہ کرنے کے بعد اگلی رات پھر باغ پہلے سے بھی زیادہ لہلہا اُٹھا، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۴۵، ۲۴۴، مفتاح الغیب: ۱۵/۶۳۷، ۶۳۶) — اہل مکہ کے لئے اس میں عبرت ہے کہ جیسے لوگ پھل توڑنے کے لئے گئے اور محروم واپس آئے، ایسا ہی حشر تمہارا ہونے والا ہے کہ تم مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے نکلو گے اور خود شکست کھا کر آؤ گے۔

﴿۱﴾ یعنی مشرکین کہا کرتے تھے کہ اول تو قیامت قائم ہی نہیں ہوگی اور اگر قائم ہوگی تو جیسے یہاں ہمیں مال و اسباب حاصل ہیں، وہاں بھی ہمیں مال و اسباب حاصل ہوں گے، اسی کا جواب ہے کہ آخر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ اس پر تو نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی کتابی دلیل۔

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۖ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۳۸﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۳۹﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۴۰﴾

تو اب رہنے بھی دیجئے مجھ کو اور ان لوگوں کو، جو اس کلام کو جھٹلایا کرتے ہیں، ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح پر کھینچ لیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی، ﴿۳۷﴾ اور میں ان کو ڈھیل دیتا جا رہا ہوں، یقیناً میری تدبیر بہت مضبوط ہے، ﴿۳۸﴾ کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟ ﴿۳۹﴾ یا ان کو غیب کا علم ہے کہ وہ لکھ لیا کرتے ہیں؟ ﴿۴۰﴾

﴿۱﴾ عربی زبان میں کسی چیز کی شدت کو بتانے کے لئے پنڈلی کھولنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے گھسان کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: ”شمرت الحرب عن ساقها“ (المعجم الوسيط: ۴۹۳/۱) تو حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور ان کے شاگردوں سے منقول ہے کہ یہاں روز قیامت کی شدت مراد ہے، یعنی جب قیامت کے دن کا کرب اپنے شباب پر پہنچ جائے گا تو لوگوں کو حکم ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں، تو وہی لوگ سجدہ کر سکیں گے، جو حقیقت میں اہل ایمان تھے، (تفسیر قرطبی: ۲۴۹/۱۸) اس کی دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور حضرت موسیٰ اشعری ؓ سے منقول ہے کہ جو لوگ معبودانِ باطل پر یقین رکھتے تھے، قیامت کے دن اُن معبودوں کو پیش کیا جائے گا اور ہر ایک کے پیروؤں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اس فرضی معبودوں کے پاس اکٹھے ہو جائیں اور وہیں سے انھیں ان کے معبود کے ساتھ ہی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا، اس طرح سارے کے سارے لوگ چلے جائیں گے، صرف وہ لوگ رہ جائیں گے، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اقرار کیا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کی تکی دکھائیں گے، جتنے مخلص مسلمان ہیں، وہ سجدہ میں گر پڑیں گے اور منافقین کی پٹھلیں اس طرح اکڑ جائیں گی کہ وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے؛ چنانچہ وہ بھی جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے، اب جو مسلمان بچ جائیں گے وہ جنت میں لے جائے جائیں گے، اس مضمون کی روایت بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری ؓ سے بھی منقول ہے، (بخاری، کتاب التفسیر، باب التفسیر سورہ قلم، حدیث نمبر: ۴۶۳۵) اس تفسیر کے مطابق پنڈلی کا کھولنا اپنے اصل معنی میں ہے؛ لیکن پنڈلی سے مراد اس طرح کی پنڈلی نہیں ہے، جو انسانوں اور جانوروں میں نظر آتی ہے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہوگی، جس میں نہ جسامت ہوگی اور نہ محدودیت، خالق کے وجود کو مخلوق کے وجود کی مثال سمجھنا ایسا ہی ہے، جیسے ذرہ کو آفتاب اور قطرہ کو سمندر کے سمجھنے کے لئے معیار بنالیا جائے۔

﴿۱﴾ یعنی کیا وہ علم غیب کے ذریعہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقف ہوتے جاتے اور اس کو نقل کرتے جاتے ہیں؟ اس لئے ان کو قرآن سے ہدایات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۱۹﴾ لَوْ لَا أَن تَذَرَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۲۰﴾ فَاجْتَبَيْهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۱﴾ وَإِنَّ يَكَاذُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُبَازِلُوكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَبَعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿۲۲﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۲۳﴾

۱۹  
۲۰  
۲۱  
۲۲  
۲۳

تو آپ اپنے پروردگار کے فیصلہ (کے انتظار میں) صبر کرتے رہئے اور مچھلی والے (یعنی حضرت یونس) کی طرح نہ ہو جائیے، جب انھوں نے اس حال میں دُعا کی کہ وہ غم سے بھرے ہوئے تھے، ﴿۱۹﴾ اگر آپ کے پروردگار کی مہربانی ان کے شامل حال نہ ہوتی تو وہ چٹیل میدان میں پھینک دیئے جاتے اور وہ برے حال میں ہوتے، ﴿۲۰﴾ پھر ان کے پروردگار نے ان کو نواز دیا اور ان کو نیک بندوں میں شامل رکھا، ﴿۲۱﴾ اور یہ ایمان نہ لانے والے جب قرآن سنتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ آپ کو اپنی تیز نگاہوں کے ذریعہ پھسلا دیں گے ﴿۲۲﴾ اور کہتے ہیں کہ یہ تو ضرور دیوانہ ہے، ﴿۲۳﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن تو تمام جہان کے لئے سراپا نصیحت ہے۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ مقصد یہ ہے کہ جیسے حضرت یونس ؑ نے حکم ربانی کا انتظار کئے بغیر اپنے شہر کو چھوڑ دیا؛ گویا ایک حد تک عجلت سے کام لیا، اسی طرح آپ عجلت سے کام نہ لیں، صبر کریں، نیز اللہ سے دُعا کرنے کا اور مخلوق کو دعوت دینے کا سلسلہ جاری رکھیں۔

﴿۲﴾ حضرت یونس ؑ کا یہ واقعہ سورہ یونس: ۹۸، صافات: ۱۳۹-۱۴۸ میں گزر چکا ہے۔

﴿۳﴾ یعنی آپ کو غضبناک نگاہوں سے ایسا گھور گھور کر دیکھتے ہیں کہ گویا آپ کو کھا جائیں گے، غرض کہ آپ ؑ کے ساتھ ان کی غیر معمولی عداوت و دشمنی کا ذکر ہے، (مفتاح الغیب: ۱۵/۷۹) اس کی ایک دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے نظر بد مراد ہے، یعنی وہ نظر بد کے ذریعہ آپ ؑ کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں، کہتے ہیں کہ عربوں میں بعض لوگ نظر لگانے کے ماہر تھے، یہاں تک کہ ان کے سامنے سے اچھی فربہ گائے یا اونٹنی گذرتی تو ایسی نظر گڑاتے کہ کچھ ہی دیر میں وہ مر کر رہی رہتی، اسی طرح کا ایک شخص تھا جو پہلے دو تین روز بھوکا رہتا، پھر اس ریاضت سے اس کی آنکھوں میں ایسی قوت پیدا ہو جاتی کہ کوئی اونٹ یا بکرا اس کے سامنے سے گذرتا اور وہ اس کی تعریف کرتا تو تھوڑی ہی دیر میں وہ جانور تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچانے کے لئے اہل مکہ نے اس شخص کی خدمات حاصل کیں؛ لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ ان کی سازش ناکام و نامراد ہو کر رہی، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۵۵) — جہاں تک نظر کی بات ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر لگنا حق ہے، یعنی نظر کا اثر ہوتا ہے۔ (بخاری، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۵۴۰۸)







# سُورَةُ الْحَاقَّةِ

«سورہ نمبر : (۶۹)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۵۲)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

’حاقہ‘ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو یقینی طور پر واقع ہو کر رہے گی، قیامت بھی ایسی ہی چیز ہے؛ اس لئے قیامت کے کئی ناموں میں سے ایک نام حاقہ بھی ہے، اس سورہ کے شروع ہی میں حاقہ کے لفظ سے قیامت کا ذکر آیا ہے؛ اس لئے اس کا نام حاقہ رکھا گیا ہے۔

اس سورہ میں قیامت کی ہولناکی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، آخرت میں نیک لوگوں کو کیا انعامات ملیں گے اور اللہ کی نافرمانی کرنے والوں پر کیسا عذاب ہوگا؟ اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، سورہ کے اخیر میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت و دیانت اور آپ کے نبی برحق ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان شکوک و شبہات کی تردید کی گئی ہے، جو مشرکین کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے، جو ان کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا دل دکھانے اور آپ کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے گھر سے نکلے، رسول اللہ ﷺ حرم کعبہ میں داخل ہو چکے تھے اور نماز میں مشغول تھے، حضرت عمرؓ نے آپ سے قریب ہو کر سننا شروع کیا کہ آخر یہ کیا پڑھتے ہیں، جب قرآن جیسا مبلغ کلام سنا تو حیران و ششدر رہ گئے، دل میں خیال گذرا کہ آپ بڑے اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں، اتنے میں آپ نے پڑھا: ”وما هو بقول شاعر قليلاً ما تؤمنون“ (یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، تم بہت کم ایمان لاتے ہو) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ آپ بڑے اعلیٰ درجے کے کاہن ہیں، جبھی تو آپ نے میرے دل کی بات جان لی، فوراً ہی حضور ﷺ نے تلاوت فرمائی: ”ولا بقول كاھن قليلاً ما تذكرون“ (یہ کسی کاہن کا بھی قول نہیں ہے، کم ہی تم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہو) حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اسی وقت اسلام میرے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
 الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالقَارِعَةِ ۝ فَأَمَّا  
 ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ  
 سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۝ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى ۝ كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ  
 خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكُ  
 بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَا رَسُولُ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخَذَةً رَّابِيَةً ۝ إِنَّا لَنَّا طَعَا النَّاءُ حَمَلْنَكُمْ  
 فِي الْجَارِيَةِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قیامت! قیامت کیا چیز ہے؟ ۝  
 اور آپ نے سمجھا کہ قیامت ہے کیا؟ ۝ (۱) ۝ ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑاڈالنے والی چیز کو جھٹلادیا تھا، ۝ (۲) تو ثمود  
 تو سخت چیخ کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے، ۝ (۳) اور رہ گئے عاتودہ نہایت تیز ہوا سے غارت کر دیئے گئے، ۝ (۴) اللہ تعالیٰ  
 نے اس آندھی کو ان پر مسلسل سات رات اور آٹھ دن مسلط رکھا، (اگر آپ وہاں ہوتے) تو آپ ان لوگوں کو اس  
 طرح پڑا ہوا دیکھتے کہ گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں، ۝ (۵) تو کیا آپ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا بھی نظر آتا  
 ہے؟ ۝ (۶) ۝ فرعون نے اور اس سے پہلے کے لوگ اور اُلٹی ہوئی بستیوں (کے رہنے والوں) نے بھی گناہوں کا  
 ارتکاب کیا، ۝ (۷) ۝ چنانچہ انھوں نے اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کی بھی سخت  
 پکڑ فرمائی، ۝ (۸) جب پانی حد سے بڑھ گیا تو ہم نے تم لوگوں کو (یعنی تمہارے آباء و اجداد کو حضرت نوح کی) کشتی  
 میں سوار کر دیا۔ ۝

۱) ”حاقۃ“ کے اصل معنی ایسی چیز کے ہیں جو یقینی طور پر ہو کر رہنے والی ہو؛ اسی لئے اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں حاقۃ سے  
 مراد قیامت ہے، امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے، (مفتاح الغیب: ۱۵/۱۸۳) چنانچہ یہ بھی قیامت کے ناموں میں  
 سے ایک نام ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۵۷) اسی لئے اردو مترجمین میں مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ نے ”حاقۃ“ کا ترجمہ قیامت ہی  
 سے کیا ہے۔

۲) قوم ثمود اور قوم عاد پر عذاب کا واقعہ بالترتیب سورۃ اعراف: ۶۵، ۷۹ میں آچکا ہے۔

۳) ’اس سے پہلے کے لوگ‘ سے مراد وہ قومیں ہیں، جن پر فرعون سے پہلے اللہ کا عذاب نازل ہوا اور اُلٹی ہوئی بستیوں سے مراد  
 قوم لوط ہے، ان قوموں کا ذکر بار بار آچکا ہے۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُنْذُنٌ وَأَعْيَةُ ﴿١٢﴾ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَالْمَلِكُ عَلَى أَرْجَائِهَا ۖ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثِينَ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِرَيْبِنِهِ ۖ فَيَقُولُ هَآؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَةَ ﴿١٩﴾ إِنَّنِي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْكٌ حَسَابِيَّةٌ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾

تا کہ اس واقعہ کو ہم تمہارے لئے ایک یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں، ﴿۱۲﴾ پھر جب ایک دفعہ صور پھونکا جائے گا، ﴿۱۳﴾ اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں دونوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، ﴿۱۴﴾ تو اس دن قیامت قائم ہو جائے گی، ﴿۱۵﴾ اور آسمان پھٹ پڑے گا اور وہ اس دن پھسپھسا ہو جائے گا، ﴿۱۶﴾ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آٹھ فرشتے اس دن اپنے اوپر آپ کے پروردگار کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے، ﴿۱۷﴾ اس دن تم لوگ اس طرح پیش کئے جاؤ گے کہ تمہاری کوئی بات چھپی ہوئی نہ رہے گی، ﴿۱۸﴾ تو جس کو اس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو یہ تو کہے گا: لو، میرا نامہ اعمال پڑھ لو، ﴿۱۹﴾ مجھے تو (پہلے ہی سے) یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب ملے گا، ﴿۲۰﴾ تو وہ تو بڑی پسندیدہ زندگی میں ہوگا، ﴿۲۱﴾ یعنی اونچے باغ میں، ﴿۲۲﴾ جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۲۳﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۱، ۱۲ میں قوم نوح کا ذکر ہے اور یادگار بنانے سے مراد یہ ہے کہ طوفان نوح کا واقعہ اہل مکہ کے درمیان بھی معروف تھا۔

﴿۲﴾ اس کی صورت شاید یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے تحت وہ نظام کشش ختم ہو جائے، جو تمام سیاروں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھے ہوئے ہے اور تمام سیارے درہم برہم ہو جائیں، نیز فرشتے جو آسمان کو آباد کئے ہوئے ہیں، وہ آسمان کے کناروں پر صف بستہ کھڑے ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ کا عرش اور اس پر اللہ تعالیٰ کا جلوہ فرما ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جسم و جہت سے پاک ہیں اور فرشتوں نے عرش کو اٹھا رکھا ہے؛ چنانچہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چار فرشتے عرش باری کو اٹھائے ہوئے ہیں؛ لیکن قیامت میں ان کی تعداد بڑھا کر آٹھ کر دی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۶۵)

﴿۴﴾ معلوم ہوا کہ اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور حساب و کتاب ہوگا۔

﴿۵﴾ یعنی جنت کے درخت پھلوں سے اس طرح لدے ہوں گے اور اہل جنت کے قریب اس طرح لٹکے ہوئے ہوں گے کہ ان کو درخت پر چڑھ کر توڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَذِيكُمَا بِمَا آسَفْتُمُ فِي الْيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۖ  
فَيَقُولُ لَيْسَتَنِي لَمْ أُوتِ كِتَابِيهِ ۖ وَلَمْ أَذِرْ مَا حِسَابِيهِ ۖ لَيْسَتَهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ﴿٣٠﴾ مَا  
أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ ۖ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ ۖ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣٢﴾ ثُمَّ فِي  
سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٣﴾ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٤﴾ وَلَا يَحْضُ  
عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ﴿٣٥﴾ فَلَئْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنَا حَبِيمٌ ﴿٣٦﴾ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿٣٧﴾ لَا  
يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿٣٨﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصَرُونَ ﴿٣٩﴾ وَمَا لَا تُبْصَرُونَ ﴿٤٠﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ  
كَرِيمٍ ﴿٤١﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۖ قَلِيلًا مَّا تُوْمَنُونَ ﴿٤٢﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۖ قَلِيلًا مَّا  
تَذَكَّرُونَ ﴿٤٣﴾ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٥﴾

(ان سے کہا جائے گا: تم نے گزشتہ دنوں میں جو عمل کیا ہے، ان کے بدلہ مزے سے کھاؤ پیو، ﴿۲۹﴾ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش! مجھ کو میرا نامہ اعمال نہ ملتا، ﴿۳۰﴾ اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب و کتاب کیا ہے؟ ﴿۳۱﴾ اے کاش! کہ وہی موت میرا خاتمہ کر چکی ہوتی، ﴿۳۲﴾ میرا مال تو مجھے کچھ بھی کام نہ آیا، ﴿۳۳﴾ میری سلطنت بھی جاتی رہی، ﴿۳۴﴾ فرشتوں سے کہا جائے گا: پکڑو اس کو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو، ﴿۳۵﴾ پھر اس کو دوزخ میں داخل کر دو، ﴿۳۶﴾ پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو، ﴿۳۷﴾ یہ شخص نہ خدائے بزرگ پر ایمان رکھتا تھا، ﴿۳۸﴾ اور نہ محتاج کو کھانا دینے کی ترغیب دیتا تھا، ﴿۳۹﴾ تو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں، ﴿۴۰﴾ اور نہ زنجیوں کے دھوون کے سوا کوئی کھانا اس کے لئے میسر ہے، ﴿۴۱﴾ جس کو ایسے گنہگاروں کے سوا کوئی اور نہیں کھائے گا، ﴿۴۲﴾ تو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو، ﴿۴۳﴾ اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے، ﴿۴۴﴾ یقیناً یہ ایک رسول کریم (کالا یا ہوا) کلام ہے، ﴿۴۵﴾ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (مگر تم لوگ کم ہی یقین کرتے ہو، ﴿۴۶﴾ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے (لیکن تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو، ﴿۴۷﴾ یہ تمام جہان کے رب کا اُتارا ہوا کلام ہے، ﴿۴۸﴾ اور اگر پیغمبر ہم پر کوئی بات اپنی طرف سے بنالاتے۔ ﴿۴۹﴾

﴿۱﴾ عام طور پر انسان کو دو چیزیں اپنے مسائل حل کرنے میں کام آتی ہیں، ایک: اس کی دولت، دوسرے: اس کا عہدہ و اقتدار، وہاں ان میں سے کوئی چیز بھی اہل دوزخ کے کام نہ آئے گی۔

﴿۲﴾ شاید یہ مراد ہو کہ قرآن مجید کے انسانیت تک پہنچنے میں دو واسطے ہیں، ایک حضرت جبرئیل ؑ کا اور دوسرے رسول اللہ ﷺ، رسول کو تم دیکھتے ہو اور فرشتہ کو نہیں دیکھتے ہو، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی قسم کھائی ہے۔

لَا خَذَنَّا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٥٤﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٥٥﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿٥٦﴾ وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ﴿٥٨﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٩﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿٦٠﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٦١﴾

تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے ﴿۵۴﴾ پھر ہم ان کی شرگ کاٹ ڈالتے ﴿۵۵﴾ تو تم میں سے کوئی بھی ان کو بچا نہیں پاتا ﴿۵۶﴾ اور بے شک یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے ﴿۵۷﴾ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں ﴿۵۸﴾ اور یہی قرآن ایمان نہ لانے والوں کے حق میں حسرت (کا باعث) ہے ﴿۵۹﴾ اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل یقینی بات ہے ﴿۶۰﴾ تو اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے، جو بڑے مرتبے والے ہیں ﴿۶۱﴾

﴿۱﴾ یہاں رسول کریم ﷺ سے حضرت جبریلؑ مراد ہیں، (تفسیر کبیر: ۷۰۷/۱۵، تفسیر قرطبی: ۲۷۴/۱۸) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حضرت جبریلؑ نے پہنچایا ہے، جو نہایت قابل اطمینان اور معزز فرشتہ ہیں؛ اس لئے ان کی طرف سے بھی کسی کی بیشی کا امکان نہیں، کبھی کلام کی نسبت کلام کے نقل کرنے والے کی طرف بھی کر دی جاتی ہے، اسی طور پر یہاں اس کی نسبت حضرت جبریلؑ کی طرف کر دی گئی، جو جتنا قریب ہوتا ہے اور جس کا مقام جتنا بلند ہوتا ہے، اس کی پکڑ بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے؛ اس لئے فرمایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نبی برحق ہیں، اگر وہ ہماری باتوں کے ساتھ کوئی بات اپنی طرف سے ملا دیں تو ہم ان کو بھی معاف نہ کریں اور شرگ کاٹ ڈالیں؛ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سچے رسول کی نسبت سے ہے اور مقصد یہ ہے کہ پیغمبران برحق — جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے — اگر ایسی حرکتیں کرنے لگیں تو ہدایت اور گمراہی کے درمیان واضح خط کھینچنا دشوار ہو جائے گا؛ اس لئے ان کو سزا بھی سخت دی جائے گی، جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویدار ہو اور جس کے یہاں سچ اور جھوٹ کی آمیزش کا مسئلہ نہ ہو؛ بلکہ جھوٹ ہی جھوٹ ہو، اللہ تعالیٰ کبھی تو اس کو دنیا میں سزا دے دیتے ہیں اور کبھی ڈھیل کا معاملہ کرتے ہیں؛ چنانچہ کتنے ہی جھوٹے مدعیان نبوت گذرے ہیں کہ وہ دنیا سے زندہ سلامت رخصت ہو گئے، ایسے جھوٹوں میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھا، بعض قادیانی اس آیت کو مرزا صاحب کی نبوت ثابت کرنے کے لئے دلیل بناتے ہیں، کہ اگر مرزا کا دعویٰ غلط ہوتا تو اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہوتا، انھیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر سفید کپڑے پر کہیں سیاہ دھبہ پڑ جائے تو اسے صاف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے؛ مگر پورا کپڑا ہی سیاہ ہو تو اس کو صاف کرنے پر توجہ نہیں دی جاتی۔



## سُورَةُ الْمَعَارِجِ

« سورہ نمبر : (۷۰) »

« رکوع : (۲) »

« آیتیں : (۴۴) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

معارج معراج کی جمع ہے، جس کے معنی سیڑھیوں اور زینوں کے ہیں،  
 آیت نمبر: ۳ میں معارج کا لفظ آیا ہے، اسی لئے سورہ کا نام 'معارج' ہے —  
 یہ نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔  
 اس سورہ میں بنیادی طور پر قیامت، قیامت میں ہونے والے عذاب،  
 قبروں سے لوگوں کے نکلنے کے منظر وغیرہ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، انسان کی  
 فطرت بتائی گئی ہے کہ اس کی طبیعت میں حرص، جلد بازی اور بخل ہے۔  
 آیت نمبر: ۲۳ سے لے کر آیت نمبر: ۳۵ تک ان اخلاقی محاسن  
 اور عبادات کا ذکر کیا گیا ہے، جو بندہ مومن میں پائے جاتے ہیں، یا پائے جانے  
 چاہئیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
 سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝  
 تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ فَاصْبِرْ صَبْرًا  
 جَبِيلًا ۝ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ایک طلب کرنے والے نے ایسے عذاب کی خواہش کی ہے، جو کافروں پر آکر ہی رہے گا، جس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا، (۱) ۝ وہ اللہ کی طرف سے — جو سیڑھیوں کا مالک ہے — واقع ہوگا، (۲) فرشتے اور روحیں اسی کی جانب چڑھ جاتی ہیں، (۳) (یہ عذاب) ایسے دن میں واقع ہوگا، جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، (۴) تو آپ خوب صبر سے کام لیجئے، (۵) وہ ان لوگوں کی نظر میں تو دُور ہے (۶) اور ہماری نظر میں قریب، (۷) جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ (۸) (۹)

﴿۱﴾ اس عذاب کا مطالبہ کس نے کیا ہے؟ اس کا ذکر مفسرین نے کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ یہ حارث بن نعمان نامی شخص ہے، بعض اور حضرات کی رائے ہے کہ یہ طلب کرنے والا شخص نصر بن حارث ہے، جو بدر کے دن قتل کیا گیا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۷۱/۱۸)

﴿۲﴾ ”معارج“ عربی گرامر کے اعتبار سے ”معراج“ کی جمع ہے، جس کے معنی ایسی چیز کے ہیں، جس کے ذریعہ اوپر چڑھا جائے؛ اسی لئے اس کا ترجمہ سیڑھیوں سے کیا گیا ہے، یہ وہ سیڑھیاں ہیں، جن کے ذریعہ فرشتے چڑھتے ہیں، اور اہل دنیا کی روحیں اوپر لے جانی جاتی ہیں؛ اسی لئے زیادہ تر مفسرین نے اس سے آسمان مراد لیا ہے، جس کی کئی تہیں ہیں اور فرشتے اس کی ایک تہہ سے گذر کر دوسری تہہ پر پہنچتے ہیں۔

﴿۳﴾ اس وقت سورج تو نہیں ہوگا؛ لیکن دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، یہ قیامت کا ذکر ہے اور سورہ ”تذیل السجدہ“ میں فرشتوں کے آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان پر جانے کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی مقدار تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کے برابر ہوگی: ”فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ“ (سورہ سجدہ: ۵) غرض کہ مگر اس میں کوئی تضاد نہیں، یہاں قیامت کا ذکر ہے، جس کی تعداد پچاس ہزار سال کی ہوگی، اور وہاں اس مسافت کا ذکر ہے، جو زمین و آسمان کے درمیان آمد و رفت میں لگتی ہے۔ (دیکھئے: معارف القرآن: ۵۵۵، ۵۵۶)

﴿۴﴾ ایک اور موقع پر فرمایا گیا کہ آسمان سرخ چڑے کی طرح ہو جائے گا: ”فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ“ (الرحمن: ۳) اور یہاں پگھلے ہوئے تانبے کی طرح فرمایا گیا ہے، تو چوں کہ پگھلا ہوا تانبا بھی سرخی مائل ہی ہوتا ہے؛ اس لئے دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْأَلُ حَبِيبٌ حَبِيبًا ۝ يُبْصَرُونَ لَهُمُ يُودُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمِيذٍ بِبَنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتُهُ وَأَخِيهِ ۝ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَبِينًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝ كَلَّا إِنَّهَا لَأُظْلَىٰ ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوْىِ ۝ تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ۝ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُسْلِمِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝

اور پہاڑ رنگے ہوئے اُون کی طرح، ۱۱ کوئی دوست کسی دوست کو پوچھے گا بھی نہیں؛ ۱۲ حالاں کہ وہ ایک دوسرے کو نظر بھی آئیں گے؛ گنہگار تمنا کرے گا کہ وہ اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی اور اپنا خاندان، جس میں وہ رہا کرتا تھا اور زمین میں رہنے والے تمام لوگوں کو اس دن کے عذاب سے رہائی کے لئے دے دے، پھر یہ اس کو بچالے، ۱۳ (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہوگا، دوزخ تو ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے، ۱۴ جو کھالوں کو اُدھیر دے گی، ۱۵ وہ اس شخص کو (اپنی طرف) پکارے گی، جس نے بے رُخی برتی اور منہ پھیر لیا، ۱۶ جس نے مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا، ۱۷ یقیناً انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے، ۱۸ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو آہ و وایلا کرنے لگتا ہے، ۱۹ اور خوش حالی آتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، ۲۰ سوائے ان لوگوں کے جو ایسے نمازی ہیں، ۲۱ کہ وہ ہمیشہ اپنی نماز پر متوجہ رہتے ہیں، ۲۲ اور جن کے مال میں سوال کرنے والے اور (نہ مانگنے والے) محتاجوں کا مقررہ حصہ ہوتا ہے، ۲۳ اور جو قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہیں، ۲۴ نیز اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، ۲۵ (کیوں کہ) یقیناً آپ کے پروردگار کا عذاب ایسا نہیں ہے جس سے بے خوف ہو جایا جائے، ۲۶ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ۲۷ سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے کہ (ان سے تعلق پر) کوئی ملامت نہیں۔ ۲۸

۱) یعنی رُوئی کی طرح اُڑتے ہوں گے اور چوں کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں؛ اس لئے ان کو رنگے ہوئے اُون سے تشبیہ دی گئی۔

۲) یوں تو گوشت اور ہڈی کوئی چیز ایسی نہ ہوگی، جو دوزخ کے عذاب کا شکار نہ ہو؛ لیکن کھالوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ انسان کے جس حصے کو تکلیف کا احساس شدت کے ساتھ ہوتا ہے، وہ چمڑا ہی ہے۔

۳) یعنی اس دن دوزخ بھی بات کرے گی، مگر اس میں سوائے نفرت کے محبت کا ایک لفظ نہیں ہوگا۔

فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِامْنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قٰآسُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنَّتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عٰزِيْنَ ۝ اَيُّطَمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةً نَّعِيْمٍ ۝ كَلَّا ۚ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَلَا اُقْسَمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰی اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۚ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝

البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور کا طلب گار ہو تو وہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں، ﴿۱﴾ اور وہ لوگ کہ جو اپنی امانتوں کا اور اپنے وعدہ کا خیال رکھتے ہیں، ﴿۲﴾ اور جو ٹھیک ٹھیک گواہی دیتے ہیں، ﴿۳﴾ نیز اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، ﴿۴﴾ یہی لوگ عزت و اکرام کے ساتھ بہشت کے باغوں میں رہیں گے، ﴿۵﴾ تو ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ دائیں اور بائیں سے غول کے غول آپ کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں؟ ﴿۶﴾ کیا ان میں سے ہر شخص اس بات کی اُمید رکھتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر لیا جائے گا، ﴿۷﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے، وہ ان کو بھی معلوم ہے، ﴿۸﴾ میں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم ضرور اس بات پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم (ایسا کرنے سے) عاجز نہیں ہیں۔ ﴿۹﴾ ﴿۱۰﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۲۲ میں نمازیوں کا ذکر ہے؛ لیکن نماز پڑھنے والوں کی کیا شان ہے اور ان میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟ آیت نمبر: ۲۳ سے ۳۴ تک ان کا ذکر کیا گیا ہے اور مجموعی طور پر سات صفات ذکر کی گئی ہیں: نمازوں کی پابندی، اپنے مال میں سے ایک حصہ محتاجوں اور غریبوں کو دینا، قیامت کا پورا پورا یقین، اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا خوف، عزت و آبرو کی حفاظت، امانتوں کی ادائے گی، وعدہ کو وفا کرنا اور ٹھیک ٹھیک گواہی دینا، گویا اگر ایک شخص نماز اس کے تمام آداب و حقوق کے ساتھ ادا کرے تو اس میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں گے — آیت نمبر: ۲۴، ۲۵ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کے مالوں میں سوال کرنے والوں اور محتاجوں کا ایک مقرر حصہ ہوتا ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ بھی ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے مال میں سے ایک حصہ اپنے ضرورت مند بھائیوں کے لئے رکھے۔

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ جب کہیں تشریف فرما ہوتے تو مشرکین ٹولیاں بنا کر آپ ﷺ کے دائیں بائیں آ بیٹھتے، ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ کی باتوں کو توجہ سے سنیں اور ایمان لائیں؛ بلکہ ان کا مقصد ہوتا آپ ﷺ کا مذاق اڑانا۔

﴿۳﴾ 'مشرقوں اور مغربوں' اس لئے کہا گیا کہ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہ اُفق میں ہر دن تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

فَذَرَهُمْ يَخْضِبُونَ وَيَلْعَبُونَ حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ  
الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَهُمْ إِلَى نُصَبٍ يُوَفِّضُونَ ﴿۳۴﴾ حَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذَلِكِ  
الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۳۵﴾

تو آپ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ باتیں بنانے اور کھیل تماشہ کرنے ہی میں لگے رہیں، یہاں تک کہ جس دن کا ان سے  
وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ ان کے سامنے آجائے، ﴿۳۳﴾ جس دن وہ اس طرح دوڑتے ہوئے قبروں سے نکلیں گے کہ گویا  
وہ کسی نشانے کی طرف دوڑتے چلے جا رہے ہیں، ﴿۳۴﴾ ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ان پر ذلت و رسوائی چھائی  
ہوئی ہوگی، یہی دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ﴿۳۵﴾



## سُورَةُ نُوحٍ

«سورہ نمبر : (۷۱)»

«رکوع : (۲)»

«آیتیں : (۲۸)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ میں بنیادی طور پر حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کا ذکر ہے، یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے؛ تاکہ اہل مکہ کو تنبیہ ہو اور قوم نوح پر نازل ہونے والے عذاب سے وہ لوگ سبق حاصل کریں۔

اس سورہ میں تفصیل سے حضرت نوح علیہ السلام کے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلانے، ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل پیش کرنے اور پھر ان کے حق میں اس وقت بددعا کرنے کا ذکر آیا ہے، جب آپ اپنی قوم کی طرف سے پوری طرح نا اُمید ہو گئے تھے، اور بت پرستی کے سلسلہ میں قوم نوح کے اپنے عمل پر اصرار کرنے کا خاص طور سے تذکرہ فرمایا گیا ہے؛ کیوں کہ اہل مکہ بھی بنیادی طور پر بت پرستی ہی کے مریض تھے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝۱ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲ اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقَوْهُ وَاَطِيعُوْنَ ۝۳ یَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَیُخِّرْكُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۝۴ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۝۵ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۶ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَبِیْلًا ۝۷ وَنَهَارًا ۝۸ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْ اِلَّا فِرَارًا ۝۹ وَاِنِّیْ كَلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِیْ اُذَانِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاصْرَوْا وَاسْتَكْبَرُوْا ۝۱۰ اَسْتَكْبَرًا ۝۱۱ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ۝۱۲ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۱۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا کہ اس سے پہلے کہ ان کی قوم پر دردناک عذاب آجائے تم اپنی قوم کو خبردار کر دو، ۝ نوح نے اپنی قوم سے کہا: ”اے میرے لوگو! میں تم کو صاف صاف ڈر رہا ہوں، ۝۲ کہ اللہ ہی کی عبادت کرو، اسی سے ڈرو اور میرا کہا مانو، ۝۳ اللہ تم سے تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور تم کو ایک مقررہ مدت تک مہلت عطا فرمائیں گے، یقیناً جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آپہنچے گا تو اس کو ٹالنا نہیں جاسکتا، کاش، تمہاری سمجھ میں آجائے،“ ۝۴ نوح نے عرض کیا: ”اے میرے پروردگار! میں اپنی قوم کو دن و رات (دین حق کی طرف) بلاتا رہا، ۝۵ تو وہ میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے ہی رہے، ۝۶ میں نے جب جب ان کو بلایا، تاکہ آپ ان کو بخش دیں تو انھوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں، اپنے کپڑے اوڑھ لئے، اڑ گئے اور بڑا غرور کرنے لگے، ۝۷ پھر بھی میں ان کو کھلے طور پر بلاتا رہا، ۝۸ اعلانیہ بھی سمجھایا اور پوشیدہ طور پر بھی۔ ۝۹ (۳)“

۱) یعنی نبی پر ایمان لانے میں تین باتیں شامل ہیں: اللہ تعالیٰ کی عبادت، اللہ کا خوف اور رسول کی اطاعت۔

۲) یعنی اگر تم ہماری دعوت پر ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دیں گے، اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو ایک مدت تک مہلت دی جائے گی، پھر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔

۳) یعنی ان کی بے راہ روی کا حال یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ میری بات نہ سنیں اور کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں؛ بلکہ وہ تو مجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتے، یہاں تک کہ اپنے اوپر کپڑا ڈال لیتے ہیں۔

۴) بعض لوگوں کو یہ بات گوارا نہیں ہوتی کہ کھلے عام ان کو کسی بات سے روکا جائے؛ اس لئے انھیں دونوں طریقہ سے دعوت دی گئی، کھلے عام بھی اور چپکے چپکے بھی، پھر بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اس سے دعوت کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے کہ اگر مخاطب ایسا مغرور ہو کہ اس کو اعلانیہ دعوت پسند نہ آتی ہو تو اس سے تنہائی میں بات کی جائے؛ کیوں کہ مقصود اصلاح ہے نہ کہ کسی کی اہانت۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَبُوتٍ طِبَاقًا ۝ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝ وَاللَّهُ أَتَبَتُكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝ لَتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

میں نے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو، وہ بڑے بخشنے والے ہیں، اللہ تم پر موسلا دھار بارش برسائیں گے، تمہارے مال و اولاد کو بڑھائیں گے، تمہارے لئے باغ لگا دیں گے اور نہریں جاری فرمادیں گے، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا یقین نہیں کرتے؟ (۱۲) حالاں کہ اسی نے تم کو مختلف مرحلوں سے گذار کر پیدا فرمایا ہے، (۲) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کس طرح تہہ بہ تہہ آسمان بنائے؟ (۱۵) اور ان میں چاند کو روشن اور سورج کو جلتا ہوا چراغ بنا دیا، (۳) اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا فرمایا ہے، (۴) پھر تم کو اسی زمین میں لے جائیں گے اور (قیامت میں) تم کو باہر نکال لے آئیں گے، (۱۶) اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ہے، (۱۷) تاکہ اس کے کشادہ راستوں میں چلو، (۱۸)

(۱) معلوم ہوا کہ گناہوں سے بچنا اور جو گناہ ہو گئے ہوں، ان پر استغفار کرنا بارش جیسی نعمت کے حاصل ہونے کے لئے ایک اہم غیبی ذریعہ ہے، آج جو پوری دنیا میں بارش کی کمی محسوس کی جا رہی ہے، کیا عجب کہ اس کا سبب گناہوں کی کثرت اور رجوع الی اللہ کی کمی ہو!

(۲) مختلف مرحلوں سے مراد ہیں: وہ مختلف مرحلے جو بچہ پر ماں کے پیٹ میں آتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے یہی مراد لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/۳۰۳)

(۳) آسمان کو چراغ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنی روشنی بکھیرتا ہے، جیسے چراغ اپنی روشنی پھیلاتا ہے، اور چاند کے روشن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی نہیں پھیلاتا ہے؛ بلکہ سورج کا عکس پڑنے کی وجہ سے روشن ہوتا ہے؛ لیکن بہر حال سورج کی حرارت انگیز روشنی اور چاند کی آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے والی روشنی دونوں ہی انسان کے لئے بڑی نعمتیں ہیں۔

(۴) یعنی انسان اول حضرت آدم ؑ کی پیدائش مٹی سے ہوئی، یا یہ مقصد ہے کہ انسان کا وجود بنیادی طور پر زمینی اجزاء جیسے لوہا، پتھر، چونا اور نمک وغیرہ سے بنا ہوا ہے۔



قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدَهُ اِلَّا خَسَارًا ﴿١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۚ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٣﴾ وَقَدْ اضْلَبُوكُمْ كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا ضَلَالًا ﴿٤﴾ مِمَّا خَطِيئَتِهِمْ اُغْرِقُوا فَادْخُلُوا نَارًا ۚ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿٥﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٦﴾

نوح نے عرض کیا: ”اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری بات نہیں مانی اور ان لوگوں کی پیروی کی جنہوں نے مال و اولاد پا کر نقصان ہی اٹھایا، ﴿۱﴾ نیز ان لوگوں نے بڑی بڑی سازشیں کیں، ﴿۲﴾ انہوں نے کہا: ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودوں کو، نہ وُد کو، نہ سُوَاع کو، نہ یَغُوث و یَعُوق کو اور نہ نَسْر (نامی بتوں) کو، ﴿۳﴾ کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے، اور ﴿۱﴾ اے اللہ! ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے، ﴿۳﴾ یہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے، پھر آگ میں ڈال دیئے گئے، ﴿۴﴾ انہوں نے اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پایا، ﴿۵﴾ اور نوح نے عرض کیا: ”میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے ایک بسنے والے کو بھی نہ چھوڑیئے۔ ﴿۶﴾

﴿۱﴾ یعنی ہماری قوم کے عوام نے ایسے سرداروں کی پیروی کی، جن کو مال و دولت تو حاصل تھی؛ لیکن اس سے ان کے غرور میں اضافہ ہی ہو گیا، اور بجائے اس کے کہ اللہ کا شکر ادا کرتے، ان میں غرور پیدا ہو گیا اور یہ دولت ان کے لئے آخرت کے اعتبار سے نقصان ہی کا سبب بن گئی۔

﴿۲﴾ قوم نوح بنیادی طور پر ایک بُت پرست قوم تھی اور یہ پانچ بُت ان کے یہاں بڑے اہم سمجھے جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بُت پرستی کی گمراہی تاریخ کے قدیم دور سے چلی آرہی ہے اور اللہ کی طرف سے آنے والے ہر رسول کو اس کے خلاف جدوجہد کرنی پڑی ہے۔

﴿۳﴾ مقصد یہ ہے کہ یہ جو ان کے سردار اور قائدین ہیں، انہوں نے گمراہی پھیلانے کا ایسا طوفان برپا کیا کہ سارے لوگ اس میں تنکوں کی طرح اڑ گئے؛ اس لئے یہ لوگ سخت سزا کے مستحق ہیں؛ لہذا ان کی گمراہی میں اور اضافہ ہونا چاہئے؛ تاکہ یہ پوری طرح دوزخ کے مستحق ہو جائیں۔

﴿۴﴾ یعنی قوم نوح پر طوفان کا عذاب بھی آیا اور اب وہ آگ کے عذاب میں ڈال دیئے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ اس عذاب سے عذابِ قبر مراد ہے، اس سے قبر میں عذاب کا ثبوت ملتا ہے؛ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۷۱﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ  
وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿۷۲﴾

کیوں کہ اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے تو وہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی، وہ بھی بدکار اور ناشکری ہی ہوگی، ﴿۷۱﴾ اے میرے پروردگار! مجھ کو، میرے والدین کو اور جو مسلمان ہو کر میرے گھر میں داخل ہوا اس کو، اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دیجئے، نیز آپ ظالموں کی ہلاکت و بربادی کو اور بڑھا دیجئے۔ ﴿۷۲﴾



## سُورَةُ الْجِنِّ

« سورہ نمبر : (۷۲) »

« رکوع : (۲) »

« آیتیں : (۲۸) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ میں بارگاہ نبوی ﷺ میں جنوں کے حاضر ہونے، ایمان لانے اور پھر اپنی قوم کی طرف پہنچ کر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینے کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورہ کا نام 'جن' ہے — سورہ کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے اخیر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

اس میں جنات کے اس وفد کا ذکر کیا گیا ہے، جو ادی نخلہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا، آپ کی زبان مبارک سے قرآن مجید سنا اور اس سے ان کے قلب و نظر کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا، جنوں نے اپنے ساتھیوں میں جا کر قرآن مجید کی تعلیمات کا جو نقشہ کھینچا ہے اور انھیں دین حق کو قبول کرنے کی جو دعوت دی ہے، وہ اہل مکہ کے لئے ایک بہترین نصیحت تھی، اس لئے وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے — سورہ کے اخیر میں اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا ہے کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے، کوئی مخلوق عالم الغیب نہیں ہے، نہ انسان اور نہ جنات۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۖ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَنُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۖ ۝ وَأَنَّهُ تَعَلَّى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۖ ۝ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۖ ۝ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ ۝ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۖ ۝ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۖ ۝ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلْتَأَتٍ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهَبًا ۖ ۝ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ۖ ۝ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرُّ أُرِيدَ بِنَا فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۖ ۝ وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ ۖ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۖ ۝ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنِ نُعْجِزَهُ هَرَبًا ۖ ۝ وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ۖ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ کہہ دیجئے: میری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے (مجھے قرآن پڑھتے ہوئے) سنا تو کہنے لگے: ”ہم نے تو ایک عجیب قرآن سنا ہے“ ۱ جو درست راستہ کی رہنمائی کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ۲ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بڑی اعلیٰ شان ہے، جس نے نہ بیوی بنایا اور نہ اولاد، ۳ ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑا کرتے تھے، ۴ اور ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جنات اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بولیں گے، ۵ اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ وہ تھے، جو بعض جنوں کی پناہ لیا کرتے تھے، اس طرح انھوں نے جنات کا غرور اور بڑھادیا، ۶ ان آدمیوں کا بھی وہی گمان تھا، جو تمہارا گمان ہے کہ اللہ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں فرمائیں گے، ۷ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت پہرے داروں اور شعلوں سے بھرا ہوا ہے، ۸ اور ہم آسمان کے بعض ٹھکانوں پر سننے کے لئے بیٹھ جایا کرتے تھے تو (صورت حال یہ ہے کہ) اب جو کوئی سننا چاہتا ہے تو وہ اپنے لئے ایک گھات لگائے شعلے کو تیار پاتا ہے، ۹ ہمیں نہیں معلوم کہ اس سے زمین پر رہنے والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا منظور ہے یا ان کے رب نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے؟ ۱۰ اور ہم میں سے کچھ تو نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح کے ہیں، ہمارے مختلف فرقے ہیں، ۱۱ اور ہم نے جان لیا کہ ہم اللہ کو نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہیں اور نہ زمین سے بھاگ کر، ۱۲ اور جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے، نہ وہ نقصان کا اندیشہ کرے نہ ظلم کا۔ ۱۳

وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۶﴾

اور ہم میں سے بعض تو فرماں بردار ہیں اور بعض گنہگار، تو جو لوگ فرماں بردار بن گئے، انھوں نے تو درست راستہ تلاش کر لیا۔ ﴿۱۶﴾

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے تین عقل والی مخلوقات پیدا کی ہیں: انسان، جن اور فرشتہ، ان میں سے دو یعنی انسانوں اور جنوں کو احکام شریعت کا مکلف بنایا گیا ہے، فرشتوں کو چوں کہ گناہ کی استعداد نہیں دی گئی ہے؛ اس لئے وہ قدرتی طور پر ان کاموں کے پابند ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، جیسے سمندر کے بہتے رہنے اور ہوا کے چلنے میں ان کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے، اسی طرح فرشتے تکوینی طور پر طاعت الہی پر قائم رہنے کے پابند ہیں، ان تین مخلوقات میں سے جن اور فرشتے نظر نہیں آتے، انسان نظر آتے ہیں؛ اسی لئے قدیم فلاسفہ جنوں اور فرشتوں کے وجود کو نہیں مانتے اور آج بھی سائنس داں عمومی طور پر ان کا انکار کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ایسے فرقوں نے بھی جو اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، فرشتوں اور جنوں کے وجود کا انکار کر دیا؛ لیکن تقریباً دنیا کے تمام ہی مذاہب ان ان دیکھی مخلوقات کو تسلیم کرتے رہے ہیں اور بہت سے تجربات انسان کی زندگی میں ایسے آتے رہے ہیں کہ کسی شخص پر جن کے سوار ہو جانے کی صورت دیکھنے کا موقع ملتا ہے، اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ کسی چیز کا نظرنہ آنا ان کے نہ پائے جانے کی دلیل نہیں ہے، دنیا میں ہر وقت ہوائیں اپنا سفر جاری رکھتی ہیں، انسان ہواؤں کے چلنے کے آثار تو دیکھتا ہے؛ لیکن خود ہواؤں کو اپنے سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھ پایا، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ روح یعنی زندگی ایک یقینی چیز ہے، جو جانداروں کے جسم میں ان دیکھے طور پر داخل بھی ہوتی ہے اور دبے پاؤں اس طرح نکل جاتی ہے کہ کوئی اس کی جھلک بھی نہیں دیکھ پاتا، لوگوں نے اپنی گرفت میں لینے کی ہزار کوشش کی؛ لیکن کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور نہ معلوم کائنات میں کتنی چیزیں ہیں، جن کو دیکھنے سے ہماری آنکھیں قاصر ہیں تو کیا ان کے وجود کا انکار کر دیا جائے گا؟

اس سورہ کا آغاز ہی جنوں کے ایک گروہ کے قرآن مجید سننے اور اس سے متاثر ہونے کے واقعہ سے ہوا ہے، جنوں کی ملاقات کا تذکرہ سورہ اہتاف میں بھی آیا ہے (آیت نمبر: ۲۹) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ دو الگ الگ واقعے ہیں، سورہ اہتاف میں جن جنوں کی آمد کا تذکرہ ہے، وہ اہل کتاب تھے، اور یہاں جن جنوں کا ذکر آیا ہے، وہ مشرکین تھے، مفسرین کے یہاں اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو جن آئے، کیا آپ ﷺ نے ان کو دیکھا بھی تھا، یا صرف انھوں نے آپ ﷺ کی بات سنی تھی؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ نے جنوں کو دیکھا نہیں تھا، صرف ان کی آواز سنی تھی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنوں کو دیکھا بھی ہے اور آپ ﷺ سے ان کی ملاقات بھی ہوئی ہے؛ اس لئے مفسرین نے دونوں کے درمیان تطبیق کی یہ شکل اختیار کی ہے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے جنوں کو دیکھا ہے اور یہ وہ موقع ہے جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے، اور یہاں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں جنوں سے آپ ﷺ کی ملاقات نہیں ہوئی ہے، انھوں نے صرف آپ ﷺ کی آواز سنی ہے۔

حدیث سے اس واقعہ کی تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ یوں تو آغاز کائنات ہی سے یہ نظم کیا گیا ہے کہ آسمان تک شیطان کی رسائی ←

← نہ ہو، جب وہ آسمان کی طرف چڑھتا تو اس پر شہاب ثاقب کے گولے پھینکے جاتے تھے، جس کی وجہ سے ان کا وہاں چڑھنا آسان نہیں ہوتا تھا؛ لیکن پھر بھی شیطان اور اس کے چیلوں کو روکنے میں اتنی سختی نہیں برتی جاتی تھی، بعض جنات چوری چھپے کہیں بیٹھ کر عالم غیب کی باتیں سن لیا کرتے تھے؛ لیکن اُن کو اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب اس نظام کو اور سخت کر دیا گیا ہے اور اب کسی کے چوری چھپے بھی وہاں پہنچنے کی گنجائش نہیں، یا یہ ہے کہ پہلے بھی شہاب ثاقب گرا کرتے تھے؛ لیکن ان سے شیطان کو بھگانے کا کام نہیں لیا جاتا تھا، اب یہ کام لیا جانے لگا ہے، اس نئے نظام کو دیکھ کر انھیں خیال ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص بات آئی ہے، جی تو عالم بالا کے نظام کی حفاظت بڑھادی گئی ہے؛ چنانچہ انھوں نے اس کی کھوج میں زمین پر چکر لگانا شروع کیا اور دیکھتے دکھاتے ان کا گذر اس مقام سے ہوا، جہاں رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے، قرآن کی کشش، اس کی اثر انگیزی اور اس کے مضامین کی وجہ سے جنوں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ ربانی کلام ہے؛ چنانچہ انھوں نے پوری توجہ سے قرآن کریم سنا اور پھر انھوں نے یہاں تک پہنچنے کی جو داستان سنائی اور باہمی مشورے کئے، سورہ کے آغاز سے لے کر آیت نمبر: ۱۴ تک اسی کو نقل کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنات نے اپنے قبیلے میں واپس پہنچ کر بتایا کہ ہم نے ایک عجیب و غریب کلام سنا ہے، جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے؛ اس لئے ہم تو اس پر ایمان لائے اور ہم نے طے کر لیا ہے کہ ہمیں شرک نہیں کرنا چاہئے، اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم میں سے جو لوگ ناروا باتیں کیا کرتے تھے، وہ بے وقوف ہیں، یوں تو انسانوں اور جنوں دونوں ہی میں ایسے لوگ موجود ہیں؛ لیکن جنوں کو بگاڑنے اور ان کے غرور کو بڑھانے میں انسانوں کا بھی حصہ ہے؛ کیوں کہ وہ مصیبتوں میں اور ایسے ویرانوں میں جہاں انسان کو گھبراہٹ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی بجائے جنات کی پناہ لینے لگتے ہیں؛ چنانچہ عربوں کا طریقہ تھا کہ اگر دورانِ سفر ان کسی ویران وادی میں رات بسر کرنی پڑتی تو وہ جناتوں کی پناہ کے کلمات کہا کرتے تھے، پھر انھوں نے اپنے آنے کا سبب بتایا کہ ہم نے دیکھا کہ آسمانوں کا پہرہ سخت ہو گیا ہے اور ہم جہاں چوری چھپے بیٹھ جایا کرتے تھے، وہاں بھی شہاب ثاقب کا حملہ ہو رہا ہے تو ہم نے سمجھا کہ ضرور کوئی بات ہوئی ہے؛ لیکن یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں بسنے والوں کے لئے کسی برائی کا فیصلہ کیا گیا ہے یا بھلائی کا؟ یعنی ہو سکتا ہے کہ کسی نبی کی بعثت ہوئی ہو اور اس پر فرشتے کلام الہی بے روک ٹوک لے کر جائیں؛ اس لئے خصوصی حفاظتی انتظام کیا گیا ہو، انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم میں اچھے لوگ بھی ہیں اور بُرے لوگ بھی؛ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ ہم بالکل عاجز ہیں؛ اس لئے اس پیغام ہدایت کو سنتے ہی بلاتا خیر ہم اس پر ایمان لے آئے، آگے انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ جو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا، وہ نقصان سے محفوظ رہے گا، اور حق کی راہ پالے گا۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۶۳۱/۱۹؛ تفسیر کبیر: ۱۵/۵۵ تا ۷۷)

ان تفصیلات سے چار باتیں پوری طرح واضح ہو جاتی ہیں: اول یہ کہ بحیثیت مخلوق جنوں کا بھی وجود ہے، دوسرے: جیسے انسان ایمان اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کے پابند ہیں، اسی طرح جن بھی پابند ہیں، تیسرے: جیسے انسانوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی اور نیک بھی اور بُرے بھی، یہی حال جنوں کا ہے، چوتھے: جیسے انسانوں میں سے ایمان نہ لانے والے لوگ دوزخ میں جائیں گے، اسی طرح جن بھی دوزخ میں جائیں گے، رہ گئی یہ بات کہ جو ان میں سے نیک لوگ ہیں، کیا وہ جنت میں جائیں گے؟ تو اس میں اختلاف ہے؛ لیکن جو بات رائج معلوم ہوتی ہے، وہ یہی ہے کہ ان کے نیک لوگ بھی جنت میں جائیں گے۔

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾ وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَهُمْ مَّاءً غَدَقًا ﴿١٦﴾ لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾

۱۹

اور جو گنہگار ہیں، وہ دوزخ کا ایندھن ہیں، ﴿۱۵﴾ اور (اے رسول! ان سے یہ بھی فرما دیجئے) کہ یہ سیدھے راستے پر قائم رہیں تو ہم ان کو خوب سیراب کر دیں گے؛ ﴿۱۶﴾ تاکہ ہم اس سے ان کی آزمائش کریں، ﴿۱۷﴾ اور جو اپنے پروردگار کی یاد سے منھ موڑے گا تو وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کر دیں گے، ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو، ﴿۱۸﴾ اور جب اللہ کا بندہ اللہ کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾

﴿۱﴾ اُس وقت مکہ مکرمہ میں سات سال سے قحط کی مصیبت تھی، اسی پس منظر میں فرمایا گیا کہ ہم ان کو خوب سیراب کر دیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۹) اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اصل اجر تو آخرت میں حاصل ہوگا؛ لیکن دنیا میں بھی اللہ کی نعمتوں سے نوازا جائے گا اور ان نعمتوں کا ایک مقصد انسان کی آزمائش بھی ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو پا کر شکر گزار ہوتے ہیں، یا ناشکری کا راستہ اپناتے ہیں؟

﴿۲﴾ مختلف مکان کے الگ الگ مقاصد ہوتے ہیں، گھر رہائش کے لئے ہوتا ہے، آفس انتظامی کاموں کے لئے، مدارس و اسکول تعلیم و تربیت کے لئے، اسی طرح مسجدیں اللہ کی عبادت کے لئے ہیں، جیسے: نماز، ذکر، تلاوت، اعتکاف، رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں مالِ غنیمت کی تقسیم کی ہے، جہاد میں زخمی ہونے والے بعض لوگوں کو مسجد میں رکھا ہے؛ تاکہ براہ راست آپ ﷺ کی نگرانی میں رہیں، جنگی قیدیوں کو مسجد کے ستونوں سے باندھا ہے؛ لیکن اس لئے کہ یہ سارے کام ایک عبادت ہی سے مربوط ہیں اور وہ عبادت ہے جہاد، دنیاوی کام جیسے خرید و فروخت وغیرہ کو مسجد میں انجام دینا درست نہیں، ان کو عبادت کے لئے خالص ہونا چاہئے، (ہندیہ، کتاب الکراہیۃ: ۳۲۱/۱) دینی تعلیم و تربیت بھی مسجد میں انجام دی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں درس دیا کرتے تھے اور صحابہ استفادہ کرتے تھے۔

﴿۳﴾ ٹوٹ پڑنا کبھی محبت میں بھی ہوتا ہے، دن و رات اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ کسی عالم کسی بزرگ سے مصافحہ کے لئے پوری خلقت اُٹھ آتی ہے، اور کبھی یہ ٹوٹ پڑنا تکلیف پہنچانے کے لئے بھی ہوتا ہے کہ ہجوم کسی پر گر پڑتا ہے اور اس کی جان تک لے لیتا ہے، اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے دونوں معنی مراد لئے گئے ہیں: ایک یہ کہ اس میں مشرکین مکہ کی عداوت اور زیادتی کا ذکر ہے کہ مسجدیں تو اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی تھیں؛ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے کعبۃ اللہ کو بت پرستی کا مرکز بنا لیا ہے اور ظلم پر ظلم یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کو کھڑے ہوتے ہیں تو آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں، ←



قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿۱۵﴾ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿۱۶﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيبَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَكِنْ أَجِدُ مِنْ دُونِهِ مُلتَحِدًا ﴿۱۷﴾ إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَةً ط وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ﴿۱۸﴾ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضَعُفٌ نَّاصِرًا وَاَقْلُ عَدَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ إِن أَدْرِجِي أَقْرَبُ مِمَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿۲۰﴾ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿۲۱﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿۲۲﴾

آپ کہہ دیجئے: میں اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، ﴿۱۵﴾ کہہ دیجئے: نہ تم کو نقصان پہنچانا میرے اختیار میں ہے اور نہ ہدایت دینا، ﴿۱۶﴾ کہہ دیجئے: اللہ سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا اور اس کے سوا ہرگز مجھے کوئی پناہ کی جگہ نہیں مل سکتی، ﴿۱۷﴾ لیکن (میرا کام) اللہ کی بات اور اس کے پیغام کو پہنچانا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے تو یقیناً ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، ﴿۱۸﴾ یہاں تک کہ جب یہ اس چیز کو دیکھیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور اور تعداد میں کم ہیں؟ ﴿۱۹﴾ کہہ دیجئے: مجھے نہیں معلوم کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی لمبی مدت مقرر کر رکھی ہے؟ ﴿۲۰﴾ وہی غیب کا جاننے والا ہے؛ چنانچہ وہ کسی پر اپنے غیب کی باتوں کو ظاہر نہیں فرماتے، ﴿۲۱﴾ سوائے پیغمبر کے جس کو اس نے پسند فرمایا ہو، ﴿۲۲﴾ کہ وہ اس کے آگے پیچھے محافظ مقرر کر دیتا ہے، ﴿۲۳﴾

← آیت نمبر: ۱۸ کے مضمون کے لحاظ سے اس آیت کی یہ تشریح زیادہ درست نظر آتی ہے، دوسری تشریح کے مطابق اس میں جنوں کا تذکرہ ہے کہ جنوں نے جب اس کلام کو سنا تو وہ یہاں ہجوم کر کے آپہنچے، بہر حال گنجائش اس معنی کی بھی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۳)

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کہلایا جا رہا ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، مجھے بھی نہیں معلوم کہ وہ قریب ہے یا دور؟ کیوں کہ اس کا تعلق غیب سے ہے اور غیب سے تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات واقف ہے، عربی گرامر کے لحاظ سے عالم الغیب پر الف لام استغراق کے لئے ہے، یعنی عالم الغیب کے معنی ہیں: غیب کی تمام باتوں کو جاننے والا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے، آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ اپنی غیب کی باتوں سے کسی کو باخبر نہیں کرتے سوائے اپنے پیغمبر کے، یعنی اپنے پیغمبروں کو غیب کی کچھ باتوں کا علم عطا فرمادیتے ہیں تو ایک فرق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیب کی تمام باتوں کا علم ہے اور پیغمبروں کو کچھ باتوں کا، دوسرا فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے، کسی ذریعہ سے حاصل ہونے والا نہیں، اور پیغمبر کو جو تھوڑا بہت غیب کی باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے، وہ وحی کے ذریعہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے؛ اس لئے رسول کو عالم الغیب سمجھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ گمراہی ہے، اس سے باز رہنا چاہئے۔

لَيَعْلَمَنَّ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۷۸﴾

تاکہ اللہ جان لیں کہ انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے، ﴿۱﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۷۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو تنہا اور غیر محفوظ نہیں چھوڑا؛ بلکہ ان کے آگے پیچھے ہر طرح کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں، جو جنوں سے اور شیاطین سے رسول کی حفاظت کرتے ہیں، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حفاظت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کہیں شیطان اپنے آپ کو فرشتہ ظاہر کر کے کلام الہی میں ملاوٹ نہ پیدا کر دے تو اس مقصد کے لئے بھی فرشتے رکھے گئے ہیں، یعنی کلام الہی کی حفاظت کے ہمہ جہت انتظامات کئے گئے ہیں؛ کہ اول تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، پھر اس کا ریکارڈ لوح محفوظ میں ہے، پھر اسے لے کر آتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام، جن کی امانت و دیانت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، پھر رسول فرشتوں کے گھیرے میں رکھے جاتے ہیں؛ تاکہ شیطان کی طرف سے ملاوٹ کا کوئی اندیشہ نہ رہے، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام پیغمبر کے سینے میں نقش کر دیا جاتا ہے، تو فرشتوں کو اس طرح رکھنے کی ایک حکمت قرآن کی حفاظت ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری حالات و واقعات کے اعتبار سے جان لیں کہ کیا پیغمبر نے اللہ کے پیغام کو اس طرح پہنچا دیا، جس طرح پہنچانا چاہئے؟ یہی تفسیر سب سے زیادہ دل لگتی معلوم ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے جاننے سے رسول اللہ ﷺ کا شیطان کا جان لینا مراد لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۳۰)

﴿۲﴾ شاید یہ خیال ہوتا کہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہیں ہے؛ اس لئے واضح فرما دیا گیا کہ یہ اللہ کے اس نظام کے اعتبار سے ہے کہ جو چیز خدا کے علم میں ہے، وہ مشاہدہ کے ذریعہ سامنے آجائے اور معلومات کے جو عام وسائل ہیں، ان کے ذریعے بھی اُن کا ہونا معلوم ہو جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ اس کے رسولوں کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے سامنے ہے اور رسولوں ہی پر نہیں موقوف، زمین کا ایک ایک ذرہ، سمندر کا ایک ایک قطرہ، درخت کا ایک ایک پتہ، غرض کہ کائنات کی ہر چیز پر اس کی نگاہ ہے، اور گنتی کے ساتھ اس کا ریکارڈ اس کے پاس موجود ہے۔



# سُورَةُ الْمَزَّمِّلِ

« سورہ نمبر : (۷۳) »

« رکوع : (۲) »

« آیتیں : (۲۰) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

”مزل“ کے معنی چادر اوڑھنے والے یا چادر لپیٹنے والے کے ہیں، رسول اللہ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، تو آپ ﷺ پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا، آپ ﷺ نے اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مزل کے لفظ سے مخاطب فرمایا ہے اور اسی خطاب سے سورہ کا آغاز ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام مزل ہے۔

اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز تہجد کی تلقین کی گئی ہے، قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، فرعون کی نافرمانی و سرکشی اور اس بنیاد پر اس کی تباہی و بربادی کا ذکر فرمایا گیا ہے، نماز، زکوٰۃ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، جہاد کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔

یہ سورہ اصل میں تو مکہ مکرمہ میں نازل کی گئی ہے؛ لیکن چونکہ اس میں زکوٰۃ کا بھی ذکر آیا ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض کی گئی ہے؛ اس لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس کی بعض آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
يَا أَيُّهَا الْمَزْمَلُ ۝ قُمْ الْبَيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ  
الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ الْبَيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ  
قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ رَبُّ  
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُزْهُمْ  
هَجْرًا جَمِيلًا ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اے چادر اوڑھنے والے! ۝ کچھ حصہ  
کو چھوڑ کر رات میں نماز پڑھا کیجئے، ۝ یعنی آدھی رات یا اس سے کچھ کم، ۝ یا آدھی سے کچھ زیادہ، اور ٹھہر ٹھہر کر  
قرآن پڑھئے، ۝ عنقریب ہم آپ پر ایک بھاری فرمان اُتاریں گے، ۝ یقیناً رات کا اُٹھنا (نفس کو) خوب  
پامال کرتا ہے اور اس وقت بات بھی ٹھیک طور پر ہوتی ہے، ۝ دن میں تو آپ کو بہت سارا کام رہتا ہے، ۝  
اور اپنے پروردگار کا نام لیتے رہئے اور سب سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جائیے، ۝ وہی مشرق و مغرب  
کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں؛ اس لئے آپ اسی کو کارساز بنائیے، ۝ اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، اس پر  
صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جائیے۔ ۝ (۱) ۝

۱) 'مزل' کے معنی اس شخص کے ہیں، جو اپنے آپ پر کپڑا لپیٹے ہوا ہو، یہاں اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، اس پر تمام اہل علم کا  
اتفاق ہے؛ لیکن آپ ﷺ کو اس لفظ سے کیوں مخاطب کیا گیا اور کس وجہ سے آپ نے چادر لپیٹی؟ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن  
عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلی بار جب آپ ﷺ پر وحی نازل کی گئی اور حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ پر گھبراہٹ  
اور کپکپی کی کیفیت طاری ہو گئی، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چادر منگائی اور اسے لپیٹ لیا، آپ ﷺ کی اسی ادا کی طرف  
اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کو مزل کے لفظ سے خطاب فرمایا گیا ہے، (تفسیر کبیر: ۷۳/۱۵) اور محبوب کی طرف سے جو چیز آتی ہے،  
حبیب کو دل و جان سے قبول ہوتی ہے؛ اس لئے ایک عارضی کیفیت پر مبنی یہ صفت آپ ﷺ کے نام کے درجہ میں آ گئی، ابھی نبوت کا  
آغاز ہے اور آگے صبر و آزمائش کی بہت ساری منزلیں آنے والی ہیں، اس مناسبت سے چند باتوں کی نصیحت فرمائی گئی ہے: پہلی یہ کہ  
رات میں نمازوں کا خوب اہتمام کیجئے؛ بلکہ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارئے، آدھی رات سے بھی زیادہ، ورنہ آدھی یا اس سے کم،  
مفسرین نے لکھا ہے 'آدھی سے زیادہ سے' مراد دو تہائی ہے اور کم سے ایک تہائی، اس سے مراد نماز تہجد ہے، جس کے بارے میں  
راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی، (تفسیر قرطبی: ۲۴/۱۹) اُمت کے لئے یہ سنت ہے؛ لیکن سنن مؤکدہ کے بعد اس نماز کی  
فضیلت سب سے بڑھ کر ہے؛ البتہ اس کی رکعات و اوقات متعین نہیں ہیں؛ تاکہ اپنی اپنی سہولت کے اعتبار سے ادا کی جائے، ←

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهْلَهُمْ قَلِيلًا ۝ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ۝ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۝

نیز مجھ کو ان ناز و نعمت میں رہنے والے جھٹلانے والوں کو سمجھ لینے دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے، ۱۱ یقیناً ہمارے پاس بیڑیاں بھی ہیں اور دوزخ بھی ۱۲ اور گلے میں انک جانے والا کھانا اور دردناک عذاب بھی، ۱۳ اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے، ۱۴ ہم نے تمہاری طرف ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا ہے جو تم پر گواہی دیں گے، ۱۵ جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف پیغمبر بھیجا تھا، ۱۶ پھر فرعون نے پیغمبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ ۱۷

← دوسری نصیحت یہ ہے کہ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں؛ تاکہ جو کچھ پڑھا جائے، اسے سمجھا جائے، یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے پوری امت کے لئے ہے، اسی ضمن میں فرمایا گیا کہ عنقریب ہم آپ ﷺ پر ایک بھاری کلام اتاریں گے، بھاری کلام سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق قرآن مجید مراد ہے، یعنی یہ جو آپ کو رات میں نماز پڑھنے اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس کا مقصد آپ کو تیار کرنا ہے کہ قرآن مجید جیسا بھاری کلام آپ پر اتارا جائے گا، رات کو اٹھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کا نفس پامال ہوتا ہے اور اس میں ضبط نفس کی قوت پیدا ہوتی ہے اور رات کے اس سناٹے میں جب قرآن پڑھا جائے گا — اور انسان جب قرآن پڑھتا ہے تو گویا اپنے مالک سے باتیں کرتا ہے — تو اس طرح بات دل سے نکلے گی، رات میں عبادت کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ دن میں آپ کو دعوت اسلام کے لئے بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی، تیسری نصیحت یہ کہ اپنے رب کا خوب ذکر کیا کیجئے، ذکر میں تسبیح، تحمید، کلمہ طیبہ، نماز، قرآن مجید کی تلاوت، یہاں تک کہ تعلیم و تعلم سب شامل ہیں؛ لیکن اللہ کا نام لے کر ذکر کرنا، ذکر کی صورت ایسی ہے کہ اس میں انسان سب سے ٹوٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، چوتھی نصیحت یہ ہے کہ جوں جوں اسلام کی دعوت کا کام بڑھے گا، مخالفت بھی تیز تر ہوتی چلی جائے گی؛ اس لئے اللہ پر بھروسہ رکھئے اور مخلوق کے ساتھ صبر کا معاملہ کیجئے کہ جو تکلیف دہ باتیں سامنے آئیں، ان کو برداشت کیجئے اور اس طرح کنارہ ہو جائیے کہ تلخی و ترشی بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

﴿۱﴾ یعنی ان کو عذاب دینے کے لئے جن جن وسائل کا استعمال کیا جاسکتا ہے، ان سب کا انتظام وہاں پہلے سے ہے، جو قیامت قائم ہونے کے بعد ان پر مسلط کیا جائے گا۔

﴿۲﴾ یعنی حشر کے میدان میں تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۚ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝۱۸ إِنْ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝۱۹ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَنْ لَّنْ نَّحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُم مَّرْضَىٰ ۚ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَءُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِن خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۲۰

تو اگر تم کفر کرتے رہو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر ڈالے گا، (۱) (۱۸) اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، (۱۹) یہ تو ایک نصیحت ہے، تو جو چاہے اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کر لے، (۲۰) آپ کے پروردگار خوب جانتے ہیں کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، ان میں سے کچھ لوگ دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات اللہ کی عبادت میں کھڑے رہتے ہیں اور اللہ ہی رات اور دن کی تعداد مقرر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تم اس کو نباہ نہیں سکو گے؛ اس لئے اس نے تم پر مہربانی کی؛ لہذا جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ لیا کرو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے بیمار بھی ہوں گے، بعض تلاش معاش کے لئے زمین میں سفر بھی کریں گے، کچھ اور لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوں گے؛ اس لئے جتنا آسانی سے ہو سکے، پڑھ لو، نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ دیتے رہو، اللہ کو اچھی طرح قرض دو، (یعنی اخلاص کے ساتھ نیکی کے راستے میں خرچ کرو) اور تم اپنے لئے جو نیک عمل آگے بھیجو گے، اس کو اللہ کے پاس زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب والا پاؤ گے، نیز اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو، بے شک اللہ بڑے بخشنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ (۲۰) (۲۰)

﴿۱﴾ یا تو اس کا مقصد قیامت کے دن کی شدت کو ظاہر کرنا ہے، عام طور پر محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص پر تو ایسی مصیبت آئی ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے، عربی زبان میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوا کرتا تھا، یا یہ مراد ہے کہ جن لوگوں کی موت بچپن میں ہوئی اور وہ اسی حال میں اٹھائے جائیں گے تو قیامت کے دن کی درازی اور شدت کی وجہ سے بوڑھے ہو جائیں گے۔

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی، زیادہ تر اہل علم کی یہی رائے ہے؛ لیکن کیا ابتداء صحابہ پر بھی نماز تہجد فرض تھی؟ اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں: اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ صحابہ پر بھی رات کے ←

← ایک تہائی سے لے کر دو تہائی تک یہ نماز فرض کی گئی تھی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ پر نمازیں فرض تو نہ رہی ہوں؛ لیکن جب رسول اللہ ﷺ اتنی دیر تک نماز ادا کیا کرتے تو ان کو دیکھ کر صحابہ نے بھی نمازیں پڑھنی شروع کر دی ہوں؛ لیکن رات کے دو تہائی یا اس سے کم میں نماز پڑھتے رہنا دو وجہ سے دشوار ہوتا ہے، ایک تو جسمانی مشقت اور تکان، یہ عام لوگوں کے لئے بھی دشواری کا باعث ہوتا؛ لیکن کچھ لوگ بیمار اور مسافر بھی ہوتے رہے ہوں گے، ایسے لوگوں کے لئے مشقت اور بڑھ جاتی، دوسرے: اس بات کا اندازہ کرنا کہ کب رات کا ایک تہائی یا نصف یا دو تہائی ہو رہا ہے، آسان کام نہیں تھا؛ کیوں کہ اس وقت موجودہ دور کی طرح گھڑی تو تھی نہیں، اسی مناسبت سے قرآن مجید کے اس فقرہ: ”عَلِمَ أَنْ لَنْ تَحْصُوهُ“ کے دو معنی بتائے گئے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تم لوگ اس پر پورا پورا عمل نہیں کر سکو گے، جیسا کہ خود قرآن مجید کے بیان سے واضح ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ ہی اس پر عمل کر پاتے تھے — ”لَنْ تَحْصُوهُ“ کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تم اوقات کی اتنی مقدار کا حساب نہیں کر سکو گے، بہر حال مشقت کی جو بھی وجہ ہو، فرمایا گیا کہ اب جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو، یہ کافی ہے، (تفسیر قرطبی: ۵۵/۱۹) علامہ ابن جریر طبریؒ کی روایت کے مطابق پہلا حکم بارہ ماہ تک باقی رہا اور بعض میں اس سے کم اور زیادہ کا بھی ذکر آیا ہے، (تفسیر طبری: ۶۷۹/۲۳) — اللہ تعالیٰ نے مسافروں کے دو طبقوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک وہ جن کا سفر کسب معاش کے لئے ہو، دوسرا وہ جس کا سفر جہاد کے لئے ہو، گویا کسب معاش کا سفر اور جہاد کا سفر دونوں کو ایک درجہ میں رکھا گیا ہے، اس سے اسلام کی نظر میں کسب معاش کی فضیلت و اہمیت معلوم ہوتی ہے۔





## سُورَةُ الْمَدَّثَرِ

« سورہ نمبر : (۷۴) »

« رکوع : (۲) »

« آیتیں : (۵۶) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

عربی زبان میں 'شعار' اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے لگا ہوا ہو اور ان کپڑوں کے اوپر سے جو چادر اوڑھی جائے اس کو 'دثار' کہتے ہیں، اس طرح 'مدثر' کے معنی چادر لپیٹنے والے کے ہوئے — رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی جو حراء میں نازل ہوئی، اس کے بعد کچھ وقفہ دیا گیا؛ لیکن آپ مشتاق تھے کہ پھر وہی کلام آپ پر اُتارا جائے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی فرشتے کو اُفق پر دیکھا، آپ پر کپکپی طاری ہو گئی، آپ ﷺ اپنے دولت خانہ تشریف لائے اور اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے چادر اُڑھانے کو کہا؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدثر چادر لپیٹنے والے کے لفظ سے خطاب فرمایا، اسی خطاب سے اس سورہ کا آغاز ہوتا ہے؛ اس لئے اس سورہ کا نام 'مدثر' ہے۔

یہ سورہ آپ ﷺ پر ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، اس میں آپ ﷺ کو دعوتِ دین کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، اس راستہ میں جو آزمائشیں آنے والی ہیں، ان پر صبر کی تلقین کی گئی ہے، اسلام کا ایک بدترین مخالف ولید بن مغیرہ تھا، اس کی حرکتوں، ناشکریوں اور سرکشیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، قیامت کے یقینی طور پر واقع ہونے سے باخبر کیا گیا ہے اور قیامت میں جو صورتِ حال پیش آئے گی اور نامہ اعمال لوگوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے، ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنْذِرْ ۚ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۚ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۚ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۚ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۚ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ اے کپڑے میں لپٹے ہوئے، ۱۱ ۱ کھڑے ہو جائیے، (لوگوں کو) خبردار کر دیجئے، ۲ ۲ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے، ۳ اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے، ۳ ۳ اور بتوں سے بچے ہی رہئے، ۴ ۴ (کسی کے ساتھ) اس غرض سے احسان نہ کیجئے کہ آپ زیادہ حاصل کر لیں۔ ۵ ۵

۱ رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہونے کے بعد کچھ وقفہ دیا گیا؛ لیکن آپ ﷺ کا دل بے چین اور آنکھیں مشتاق تھیں کہ پھر حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد ہو اور اللہ کے کلام کی مٹھاس کا نوں کو حاصل ہو، آپ ﷺ اسی اضطراب کی حالت میں تھے کہ ایک دن آسمان کی طرف سے آواز آئی، آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو دیکھا، وہی فرشتہ جو حراء میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں گھبرا گیا اور کانپنے لگا، اسی حال میں گھر واپس ہوا اور کہنے لگا: مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ، اس وقت لوگوں نے مجھے ایک کپڑا اڑھا دیا؛ چنانچہ اس کے بعد مجھ پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۶۲)

۲ کھڑے ہونے اور خبردار کرنے سے مراد یہ ہے کہ پورے حوصلہ اور عزم و ہمت کے ساتھ دعوت دین کا فریضہ انجام دیجئے، جو آپ کی اصل ذمہ داری ہے۔

۳ کپڑوں کو پاک رکھنے کا ایک مطلب تو وہی ہے، جو اس لفظ کا ظاہری مفہوم ہے، یعنی کپڑے پاک صاف رکھئے، زمانہ جاہلیت میں ظاہری طہارت کا بھی وہ اہتمام نہیں تھا، جو نماز کے لئے ضروری ہے؛ چنانچہ بہت سے اہل علم یہی معنی مراد لیتے ہیں، (تفسیر طبری: ۲۳/۴۰۹) اور علامہ ابوبکر جصاص رازی علیہ السلام نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ نماز کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، (احکام القرآن للجصاص: ۳/۴۰۷) دوسرا مطلب بیان کیا گیا ہے کہ کپڑوں سے مراد عمل ہے؛ کیوں کہ جیسے کپڑے انسان کے صبح و شام اور سرد و گرم کے ساتھی ہیں، اسی طرح عمل دنیا سے آخرت تک کا ساتھی ہے، گویا مطلب یہ ہے کہ اپنے دامن عمل کو ہر طرح کی گندگی سے پاک رکھئے، حضرت عبداللہ بن عباس علیہ السلام کا رجحان اسی تفسیر کی طرف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۹۸)

۴ یعنی بُت پرستی سے تو آپ بچے ہوئے ہیں ہی؛ کیوں کہ نبی نبوت سے پہلے بھی کفر و شرک سے معصوم ہوتا ہے، اب حکم دیا جا رہا ہے کہ آئندہ بھی اس سے بچے ہی رہئے۔ (تفسیر کشاف: ۴/۶۳۳)

۵ انسان کی عام نفسیات یہ ہے کہ انسان کوئی چیز یہ سوچ کر دیتا ہے کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ دے گا؛ اس لئے نصیحت فرمائی گئی کہ آپ کا کسی پر احسان کرنا — خواہ یہ احسان دین کے پہلو سے ہو یا دنیا کے پہلو سے — اس لئے نہ ہونا چاہئے کہ وہ اس کا معاوضہ بڑھ کر ادا کرے گا، ایک اور مطلب اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنے عمل کو اپنے خالق و مالک پر احسان ←

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۖ فَإِذَا نُفِرَ فِي النَّاقُورِ ۚ فَذَلِكَ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۙ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۚ ذُرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۙ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ۙ وَبَنِينَ شُهُودًا ۙ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ۙ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۙ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۙ سَأَرْهَقُهُ صُعُودًا ۙ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۙ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۙ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ۙ

اور اپنے پروردگار کے واسطے صبر کیجئے، پھر جب صور پھونکا جائے گا، تو ایمان نہ لانے والوں پر بڑا کٹھن دن ہوگا، آسان نہ ہوگا، آپ مجھ کو اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے، چھوڑ دیجئے، میں نے اس کو بہت سارا مال عطا کیا، حاضر باش اولاد سے نوازا، اور اس کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا، پھر بھی وہ حرص کرتا ہے کہ اسے اور زیادہ دوں، ہرگز نہیں، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے، عنقریب میں اس کو (دوزخ کے پہاڑ) ”صعود“ پر چڑھاؤں گا، اس نے سوچا اور ایک بات طے کی کہ تو وہ ہلاک ہو، اس نے کیسی بات طے کی؟ پھر اس پر خدا کی مار ہو، اس نے کیسی بات طے کی؟ پھر اس نے دیکھا کہ پھر تیوری چڑھائی اور برا سامنہ بنایا، پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور تکبر کرنے لگا، پھر بولا: یہ تو محض ایک جادو ہے، جو نقل کیا جاتا رہا ہے، بس یہ تو کسی آدمی کا کلام ہے، میں عنقریب اس کو دوزخ میں جھونک دوں گا۔ (۱) ﴿۳۱﴾

← نہ سمجھئے کہ گویا آپ نے بہت عمل کر لیا ہے، حسن بصری ؒ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۹۷)

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے جب اسلام کی طرف دعوت دینی شروع کی اور اہل مکہ کی سخت مخالفت کے باوجود لوگ یکے بعد دیگرے دین حق کی طرف آنے لگے تو مخالفین کو بڑی فکر ہوئی کہ لوگوں کو کس طرح اسلامی دعوت سے روکا جائے؟ اس فکر مندی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حج کے موقع سے عرب کے کونہ کونہ سے لوگ مکہ پہنچتے تھے، اگر محمد ﷺ نے دعوت دی تو بہت آسانی سے لوگ اسے قبول کر لیں گے؛ چنانچہ ان لوگوں نے مشورے کی مجلس رکھی اور اس بات پر غور کیا کہ آخر ہمیں محمد ﷺ کے بارے میں لوگوں کو کیا کہنا چاہئے؟ کچھ لوگوں نے کہا: ہم اس کو مجنون کہیں گے، ولید بن مغیرہ نے کہا: تو کیا تم نے محمد میں جنون کی کیفیت دیکھی ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، پھر ایک رائے سامنے آئی کہ ان کو شاعر کہا جائے، ولید بن مغیرہ نے کہا: کیا تم نے کبھی محمد ﷺ کو شعر کہتے سنا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کو جھوٹا قرار دیا جائے، ولید نے دریافت کیا: تم نے کبھی ان پر کسی جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟ لوگوں نے انکار کیا، کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ کو کاہن قرار دیا جائے، ولید نے کہا: تم نے کبھی ان کو کاہنوں جیسی بے جوڑ ←

وَمَا أَزِلْكَ مَا سَقَرْتُ لَا تَبْقَى وَلَا تَذَرُ ۖ لَوْ أَهْلُ لِّلْبَشَرِ ۖ عَلَيْهَا تِسْعَةُ عَشْرِ ۖ

اور تمہیں معلوم ہے کہ دوزخ کیا ہے؟ ﴿۷۴﴾ یہ وہ ہے جو نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے، ﴿۱﴾ ﴿۲۸﴾ کھال کو جھلسا دینے والی ﴿۷۵﴾ اس پر انیس (فرشتے متعین) ہیں۔ ﴿۲﴾ ﴿۷۶﴾

← اور بے ربط باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ جب کوئی معقول بات سامنے نہ آسکی تو ولید نے کہا: میں نے ان کا کلام سنا ہے، وہ نہ انسان کا کلام ہو سکتا ہے اور نہ جنات کا، اس میں مٹھاس ہے، اس کی جڑیں گہری ہیں اور اس کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہیں، وہ ہر ایک سے اونچا ہے اور اس سے کوئی اونچا نہیں، یہ کہہ کر ولید مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا اور قریش میں شور مچ گیا کہ ولید بھی اپنے دین سے پھر گیا ہے، پھر ابو جہل اس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: مجھے بڑا افسوس ہے کہ مکہ کے لوگ تمہارے لئے چندہ کر رہے ہیں کہ تم مال کے لئے اپنے دین سے پھر گئے ہو اور محمد سے جڑ گئے ہو، یہ سننا تھا کہ وہ طیش میں آ گیا اور کہنے لگا: مجھے محمد اور اس کے ساتھی ابوبکر کے ٹکڑوں کی ضرورت نہیں ہے، تم میری دولت مندی کے بارے میں واقف ہو؛ چنانچہ اس نے کافی سوچا، غور کیا اور غور کرتے وقت آدمی مخاطب کے چہرے کو دیکھتا بھی ہے، چہرے کو بسور اور یہ عمل اس وقت بھی ہوتا ہے، جب آدمی کو اپنے ضمیر کے خلاف کوئی بات کہنی پڑے، پھر اخیر میں اس نے کہا: ہاں محمد کو جا دو گر کہہ سکتے ہو؛ کیوں کہ وہ شوہر بیوی، باپ بیٹے، آقا و غلام کے درمیان تفریق پیدا کر دیتا ہے، ان آیات میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۷۴/۱۹)

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوا تو تنہا تھا، نہ دولت تھی نہ اولاد، پھر میں نے اس کو دولت سے نوازا، کہا جاتا ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ولید کے بہت سارے اونٹ، گھوڑے، چوپائے، باغات، غلام اور باندیاں تھیں، روپے پیسے اور کھیتیاں بھی اچھی خاصی تھیں، حضرت سعید بن جبیر ؓ کہتے ہیں کہ ولید کو تیرہ لڑکے تھے، اور لڑکے بھی ایسے جو ہر وقت باپ کی خدمت میں مستعد، ان میں سے تین بیٹے، خالد بن ولید، ہشام بن ولید اور ولید بن ولید مسلمان ہوئے، (تفسیر قرطبی: ۷۴/۱۹، ۷۴/۲۰) اللہ کی ان نعمتوں کا تقاضا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لاتا؛ لیکن اس نے اُلٹے سرکشی کی تو اب میں اسے اور لوگوں سے بڑھ کر سزا دوں گا، اور وہ سزا یہ ہے کہ دوزخ میں صعود نام کا پہاڑ ہے، یہ پورا پہاڑ آگ کا ہے، جس کی چڑھائی اور اترائی ستر ستر سال کی ہے، اس پر اُس کو چڑھایا اور گرایا جائے گا، (ترمذی، عن ابی سعید خدریؓ، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۲۶) پھر آیت نمبر: ۱۸ سے لے کر ۲۴ تک ولید کی مختلف کیفیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو اُس نے اس مشورہ کے موقع پر اختیار تھا۔

﴿۱﴾ یعنی نہ سکون اور راحت کے ساتھ زندہ رہنے دے اور نہ مار دے کہ اس تکلیف سے آزاد ہو جائے۔

﴿۲﴾ یعنی دوزخ کے انتظام اور اس کی تکلیف کو باقی رکھنے کے لئے ۱۹ فرشتے مقرر ہوں گے، انہیں میں سے ایک داروغہ دوزخ کا نام مالک ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۷۴/۱۹)

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۖ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ ﴿۲۱﴾

۱۵

ہم نے صرف فرشتوں ہی کو دوزخ کا ذمہ دار مقرر کیا ہے، ﴿۱﴾ اور ہم نے ان کی تعداد بس کافروں کی آزمائش کے لئے رکھی ہے؛ تاکہ جن کو کتاب دی گئی ہے، وہ یقین کر لیں، جو مسلمان ہیں، ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے اور اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک نہ ہو، اور تاکہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، وہ اور ایمان نہ لانے والے کہیں کہ اللہ کی اس مثال سے کیا غرض ہے؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے محروم رکھتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں، اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو انسانوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۲۱﴾

﴿۱﴾ فطری طور پر اپنے ہم جنس سے محبت اور ہمدردی ہوا کرتی ہے؛ اس لئے دوزخ کے کارکنان صرف فرشتے ہوں گے؛ تاکہ انھیں اہل دوزخ سے کوئی ہمدردی نہ ہو۔

﴿۲﴾ اہل مکہ کے سامنے جب یہ بات آئی کہ دوزخ پر ۱۹ فرشتے متعین ہیں تو کہنے لگے: محمد (ﷺ) کے پاس اتنا چھوٹا لشکر ہے، صرف ۱۹ فرشتے، اس کا مقابلہ کیا دشوار ہے؟ یہ آیات اسی کے جواب میں ہیں، جس میں پہلی بات فرمائی گئی کہ ہم نے یہ تعداد آزمائش کے لئے رکھی ہے کہ جو ایمان نہیں لائے، ہم ان کا امتحان لیں؛ کیوں کہ جب دوزخ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے تو اس کی ضروریات سے بھی اللہ تعالیٰ ہی واقف ہیں، پھر ان فرشتوں کی طاقت کا دنیا کے انسانوں کی طاقت سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، یہ ایسا ہی ہے کہ ہاتھی کی طاقت کا اندازہ چیونٹی کی طاقت سے کیا جائے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ چوں کہ قرآن کے مخاطب صرف مشرکین نہیں ہیں، یہود و نصاریٰ بھی ہیں، تو انھیں یہ تعداد دیکھ کر اطمینان ہو جائے؛ کیوں کہ گذشتہ کتابوں میں دوزخ پر مامور فرشتوں کی یہی تعداد بیان کی گئی ہے، اگر موجودہ بائبل میں اس کا تذکرہ نہ ہو تو یہ اس دعویٰ کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہے؛ کیوں کہ بائبل تو سینکڑوں تحریفات سے گذر چکا ہے، کیا عجب کہ یہ عبارت رہی ہو اور نکال دی گئی ہو؟ آپ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو یہودی اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس پر اعتراض کیا جائے، اگر قرآن مجید کا یہ بیان غلط ہوتا تو یہودیوں نے اس پر ضرور انگلی اٹھائی ہوتی — اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ ہیں تو کافر و مشرک؛ لیکن ان کے دلوں میں تذبذب اور شک کی بیماری ہے، وہ کہنے لگیں: یہ تعداد مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک نامعقول بات ہے، اگر اس سے کم یا زیادہ تعداد مقرر ہوتی تب بھی وہ یہی سوال کرتے؛ اس لئے اخیر میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ اپنے لشکر کو خوب جانتے ہیں۔ (خلاصہ از تفسیر قرطبی: ۱۹/۸۲)

كَلَّا وَالْقَمَرَ ﴿٣٠﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا أَدْبَرَ ﴿٣١﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٢﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٣﴾ نَذِيرًا  
لِّلْبَشَرِ ﴿٣٤﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٥﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٦﴾ إِلَّا  
أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٧﴾ فِي جَنَّتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٣٨﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٣٩﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ﴿٤٠﴾  
قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيِّينَ ﴿٤١﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمِ الْمُسْكِينِ ﴿٤٢﴾ وَكُنَّا نَحُوضُ مَعَ  
الْخَافِضِينَ ﴿٤٣﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بَيُومِ الدِّينِ ﴿٤٤﴾ حَتَّىٰ أَتَيْنَا الْيَقِينَ ﴿٤٥﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ  
الشُّفَعَاءِ ﴿٤٦﴾

ہاں! قسم ہے چاند کی، ﴿۳۰﴾ اور رات کی جب جانے لگے، ﴿۳۱﴾ اور صبح کی جب روشن ہو جائے، ﴿۳۲﴾ کہ دوزخ بڑی  
بھیانک چیزوں میں سے ایک ہے، ﴿۳۳﴾ جو انسان کے لئے بہت ڈراؤنی ہے، ﴿۳۴﴾ تم میں سے جو آگے بڑھنا  
چاہے، اس کے لئے بھی، یا پیچھے ہٹنا چاہے، اس کے لئے بھی، ﴿۳۵﴾ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہوگا، ﴿۳۶﴾  
سوائے داہنی طرف والوں کے، ﴿۳۷﴾ کہ وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے، گنہگاروں سے پوچھ رہے ہوں  
گے، ﴿۳۸﴾ کہ تم کو کوئی چیز دوزخ میں لے گئی؟ ﴿۳۹﴾ تو وہ کہیں گے: ”نہ ہم نماز پڑھا کرتے تھے، ﴿۴۰﴾ نہ فقیر کو  
کھانا کھلاتے تھے، ﴿۴۱﴾ ہم بھی باتیں بنانے والوں کے ساتھ باتیں بنانے لگتے تھے، ﴿۴۲﴾ اور ہم لوگ قیامت کے  
دن کو جھٹلایا کرتے تھے، ﴿۴۳﴾ یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی“ ﴿۴۴﴾ تو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہیں  
آئے گی۔ ﴿۴۵﴾

﴿۱﴾ ”احدی الکبر“ کے معنی ہے: ”احد الدواہی“ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۸۵) اس کا مناسب ترجمہ اردو میں ”بھیانک چیزوں  
میں سے ایک“ ہو سکتا ہے۔

﴿۲﴾ یعنی جو ایمان و ہدایت کی طرف آگے بڑھنا چاہے، اس کے لئے، اور جو ایمان و ہدایت سے پیچھے رہنا چاہے، اس کے لئے  
بھی دوزخ ایک تنبیہ ہے۔

﴿۳﴾ یعنی جن کو ان کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

﴿۴﴾ نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائے تھے، جس کی وجہ سے نماز پڑھنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

﴿۵﴾ جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کو تو دوزخ میں ان کے کفر کی وجہ سے داخل کیا جائے گا؛ لیکن بعض مسلمان گناہوں کی وجہ سے  
دوزخ میں ڈالے جاتے ہیں، ان دوسری قسم کے لوگوں کو ان لوگوں کی سفارش کام آئے گی، جن کو اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی  
اجازت دیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۸۸) اور جو ایمان سے محروم ہوں گے، ان کی سفارش ہی نہیں کی جائے گی۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٢٩﴾ كَانَتْهُمْ حُمْرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿٣٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٣١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا مُنَشَّرَةً ﴿٣٢﴾ كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٣٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٣٤﴾ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ﴿٣٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٣٦﴾

الثلثة

۲۵  
۱۶

پھر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ پھیرے ہوئے ہیں؟ ﴿۲۹﴾ گویا وہ بد کے ہوئے گدھے ہیں، ﴿۳۰﴾ جو شیر سے بھاگے جارہے ہیں؛ ﴿۳۱﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی کتاب آجائے، ﴿۳۲﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو آخرت کا ڈر نہیں ہے، ﴿۳۳﴾ ہرگز نہیں! یہ قرآن تو نصیحت ہے، ﴿۳۴﴾ تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے، ﴿۳۵﴾ اور یہ لوگ نصیحت بھی اسی وقت حاصل کریں گے، جب کہ اللہ کو منظور ہو، اس کی یہ شان ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی معاف کرنے کا مالک ہے۔ ﴿۳۶﴾

﴿۱﴾ یعنی مقصود غیب پر ایمان لانا ہے اور اس کے لئے کائنات میں پھیلی ہوئی دلیلوں اور انبیاء کے ذریعے آئے ہوئے کلام میں غور کرنا چاہئے، اگر ہر شخص کے ہاتھ میں اللہ کی کتاب اتر آئے تو پھر یہ غیب پر تو ایمان ہوا نہیں، اور مقصود غیب پر ایمان ہے۔





# سُورَةُ الْقِيَامَةِ

«سورہ نمبر : (۷۵)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۴۰)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کے شروع میں ہی قیامت کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے اس سورہ کا نام قیامت ہے؛ چوں کہ یہ سورہ ’لا اُقسم‘ کے لفظ سے شروع ہوئی ہے، اس لئے اس کا ایک نام ’لا اُقسم‘ بھی ہے۔

اس سورہ کا مرکزی مضمون قیامت ہے، مشرکین انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے کو ناممکن سمجھتے تھے، انھیں متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد ایک ایک عضو کو دوبارہ جمع کر سکتے ہیں، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت ہے کہ اس نے ایک قطرہ منی سے انسان کو وجود بخشا اور کسی کو مرد اور کسی کو عورت بنایا۔

ضمنی طور پر قرآن مجید کی حفظ و تلاوت کا ذکر بھی آ گیا ہے، قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت آپ کو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں کوئی آیت بھول نہ جائیں؛ اس لئے آپ ﷺ یاد کرنے میں عجلت فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلایا کہ قرآن مجید کی حفاظت میں نے اپنے ذمہ رکھی ہے؛ اس لئے آپ کو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، ہم آپ کے سینے میں قرآن محفوظ کریں گے اور پھر اس کی تشریح و مراد سے بھی آپ کو آگاہ فرمائیں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
لَا أُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَمَةِ ۚ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۚ أَيْحَسِبُ الْإِنْسَانُ أَنْ نَجْمَعَ  
عِظَامَهُ ۚ بَلَىٰ قَدَرِینَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّیَ بَنَانَهُ ۚ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، ۱ اور قسم کھاتا ہوں (اپنے آپ کو) ملامت کرنے والے نفس کی (کہ سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے) ۲ (۱) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟ ۳ ہاں، ضرور کریں گے، ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پور پور درست کر دیں۔ ۴ (۲)

﴿۱﴾ قرآن مجید میں تین طرح کے نفس کا ذکر ہے، نفس امارہ، (یوسف: ۵۳) نفس لوامہ، (قیامت: ۲) نفس مطمئنہ، (نجر: ۲۷) — نفس امارہ سے مراد ایسا نفس ہے جو انسان کو بُرائیوں کی طرف دعوت دے، اور نفس کی اصل فطرت یہی ہے کہ وہ لوگوں کو گناہ پر اُکساتا رہتا ہے؛ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ نفس تو برائی کی طرف بلاتا ہی ہے، (یوسف: ۵۳) انسان جب اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور شریعت کے احکام پر عمل کر کے اس کو کنٹرول کرتا ہے، تو اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر اس سے گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو وہ اسے ملامت کرے اور اس کے ضمیر کو شرمندگی ہو تو اب یہ کیفیت ’نفس لوامہ‘ کی ہے؛ چوں کہ انبیاء کے سواء کوئی گناہ سے معصوم نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان سے خطا ہوتی ہے: ’کل بنی آدم خطاء‘ (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر: ۲۴۹۹) اس لئے اس کیفیت کا پیدا ہو جانا بھی بڑی بات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھا کر اس کی فضیلت و اہمیت کو واضح فرمادیا، پھر جب اس کیفیت میں ترقی ہوتی ہے تو ایک ایسا وقت آتا ہے جب اس کا نفس ’نفس مطمئنہ‘ بن جاتا ہے، یعنی شریعت کے ہر حکم پر اسے طبعی اطمینان حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم فرمایا ہے، وہ دل کو بھانے لگتی ہیں اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، انسان کو وہ ناگوار گذرتی ہیں۔

﴿۲﴾ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے تھے یا کرتے ہیں، وہ اللہ کی قدرت کو اپنی قدرت کی ترازو میں تول کر دیکھتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ اگر بول کھربوں لوگ مر چکے ہوں گے تو ان کے گوشت، ان کے چمڑے اور ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، مٹیوں میں اور آپس میں رمل مل چکے ہوں گے، تو پھر ان کو دوبارہ اسی جسم اور اسی صورت کے ساتھ کیسے زندہ کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ چہرے کی تو ایک شناخت ہوتی ہے، ہڈیاں بھی سخت ہوتی ہیں اور زیادہ دنوں تک اپنے وجود کو باقی رکھ پاتی ہیں؛ لیکن انگلیوں کے پورا ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر ان کی پہچان نہیں ہوتی اور جلد مٹی میں مل جاتے ہیں؛ لیکن اللہ تو اس کو بھی جمع کرنے پر قادر ہے — اس میں ایک لطیف نکتہ وہ ہے جس کا موجودہ سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ جیسے انسان کے چہروں، اس کی آوازوں، اس کی چال ڈھال وغیرہ میں امتیاز رکھا گیا ہے اور ان میں ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے، اسی طرح انسان کے بہت سے بیرونی و اندرونی اعضاء باہم ممتاز ہیں، ان ہی میں انگلیوں کے پوروں کے نشانات ہیں؛ اس لئے جو لوگ لکھنے پر قادر نہ ہوں، —

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۚ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ۚ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۚ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۚ وَجُمِعَ الشَّعْسُ وَالْقَمَرُ ۚ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُ ۚ كَلَّا لَا وَزَرَ ۚ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۚ يُنَبِّئُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۚ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۚ لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۚ إِنَّ عَلَيْكَ جُنْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۚ

بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی نافرمانی ہی کرتا رہے، ﴿۱﴾ وہ پوچھتا ہے: قیامت کا دن کب آئے گا؟ ﴿۲﴾ تو جب آنکھیں پتھر جاسکیں گی، ﴿۳﴾ چاند گھنا جائے گا، ﴿۴﴾ سورج اور چاند ایک حالت پر جمع کر دیئے جائیں گے، ﴿۵﴾ اس دن انسان بول اٹھے گا: اب کہاں بھاگ کر جاؤں؟ ﴿۶﴾ ہرگز نہیں، کہیں کوئی پناہ کی جگہ نہیں، ﴿۷﴾ اس دن آپ کے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانہ ہے، ﴿۸﴾ انسان نے جو عمل آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا، اس کو وہ سب بتا دیا جائے گا، ﴿۹﴾ بلکہ انسان اپنے آپ سے خوب آگاہ ہوگا، ﴿۱۰﴾ چاہے وہ اپنے کتنے ہی بہانے کرے، ﴿۱۱﴾ (اے پیغمبر!) آپ جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان نہ ہلایا کریں، ﴿۱۲﴾ قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، ﴿۱۳﴾ تو جب ہم قرآن پڑھا کریں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ ﴿۱۴﴾

← ان کے انگوٹھے کے نشان لئے جاتے ہیں اور اب امیگریشن کے لئے بھی پانچوں انگلیوں کے نشانات کو محفوظ کیا جاتا ہے، ایک طرف اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اس نے کیسا کارخانہ تخلیق بنایا ہے، جس میں ڈھلنے والی ہر شے دوسرے سے جدا ہے؟ دوسرے: اس بات پر غور کیجئے کہ کیا اس کے بعد بھی قرآن کی حقانیت پر کوئی اور دلیل چاہئے کہ اس نے تقریباً پندرہ سو سال پہلے انسانیت کو ان حقائق سے باخبر کیا ہے، جن کا سائنس کی غیر معمولی ترقیات کے بعد آج انکشاف ہوا ہے؟

﴿۱﴾ یعنی جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، ان کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب آخرت کے حساب و کتاب کا کوئی کھٹکا نہیں رہے گا تو پھر دنیا میں بے جا عیش و عشرت اور ظلم و زیادتی کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی؛ اس لئے وہ لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ چاند کے گہن لگنے سے مراد ہے: اس کی روشنی کا ختم ہو جانا، اور چاند اور سورج کے ایک حالت پر جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں بے نور ہو جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۹۶)

﴿۳﴾ یعنی انسان جب اپنے نامہ اعمال کو دیکھے گا تو اس کو اپنی حرکتیں اچھی طرح یاد آ جائیں گی؛ کیوں کہ انسان لاکھ حیلے بہانے کرے، وہ اپنی حالت سے خوب واقف رہتا ہے اور خود اس کا ضمیر اس پر ملامت کرتا رہتا ہے۔

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ  
نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾

پھر اس کی تشریح کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے، ﴿١٩﴾ ہرگز نہیں! مگر (اے ایمان نہ لانے والو!) تم دنیا سے محبت رکھتے ہو، ﴿٢٠﴾ اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو، ﴿٢١﴾ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے۔ ﴿٢٢﴾

﴿١﴾ آیت نمبر ۱۶: ۱۹ تک کے درمیان ضمنی طور پر ایک دوسرا مضمون آیا ہے اور اس کا تعلق قرآن مجید سے ہے، جب حضرت جبریل ﷺ آپ پر قرآن مجید پیش کرتے تو آپ اسے تیز تیز پڑھتے اور اس کے لئے زبان کو حرکت دیتے؛ تاکہ قرآن کے الفاظ جلد یاد ہو جائیں، اور کوئی لفظ یا کوئی فقرہ چھوٹنے نہ پائے، اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ اس میں جلدی نہ کیجئے؛ کیوں کہ یہ سارا نظام آپ کی کوشش و محنت پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم اور تدبیر سے ہے؛ اس لئے ہم ہی آپ ﷺ کے سینے میں قرآن کو محفوظ کر دیں گے کہ اس کا ایک لفظ بھی ادھر ادھر نہ ہو، پھر آپ جو قرآن پڑھیں گے، وہ بھی ہم ہی پڑھائیں گے؛ لہذا جب ہماری طرف سے حضرت جبریل ﷺ قرآنی آیات پیش کریں تو آپ خاموش رہیں اور غور سے سنیں، یہی مطلب ہے پڑھنے کی پیروی کرنے کا، پھر یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ قرآن کے معانی کا بیان اور اس کی تشریحات ہماری ہی ذمہ داری ہے — اس مضمون سے متعدد باتیں معلوم ہوتی ہیں، اول یہ کہ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید آپ ﷺ کے بعد جمع ہوا ہو، بعد کو جمع کئے جانے کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ بعد کو اس کو ایک کتابی شکل میں لکھا گیا، ورنہ تو قرآن خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے سینے میں جمع کر دیا تھا اور اسی کے مطابق آپ نے انھیں لکھوایا تھا، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قرآن جس لب و لہجہ میں پڑھا جاتا ہے اور جس طرح آپ نے صحابہ کو پڑھنا سکھایا ہے، وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے، یعنی قرآن کے الفاظ بھی اور اس کے پڑھنے کا اُسلوب بھی من جانب اللہ محفوظ ہے، تیسرے: آپ ﷺ سے کہا گیا کہ جب حضرت جبریل ﷺ پڑھیں تو اس وقت آپ نہ پڑھا کریں؛ بلکہ خاموش ہو کر غور سے سنیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۰۶) اس سے معلوم ہوا کہ جب امام قرآن پڑھ رہا ہو تو مقتدیوں کا کام سننا اور خاموش رہنا ہے، جب ہی امام کی پیروی ہوگی؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے امام کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے، (ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلاة، حدیث نمبر: ۸۵) چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر الفاظ قرآنی اُتارے ہیں، ویسے ہی معانی قرآن کو بھی اُتارے ہیں، حدیث ان ہی معانی قرآن کا نام ہے؛ اس لئے حدیثیں بھی حجت ہیں اور اللہ ہی کی طرف سے ہیں — آج کل مہدوی حضرات — جو سید محمد جو نیوری کو امام مہدی مانتے ہیں — کہتے ہیں کہ معانی قرآن امام مہدی پر اُتارے گئے، یہ آیت اس کی تردید کرتی ہے؛ کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے؛ اس لئے یقیناً قرآن مجید کی تشریحات بھی آپ ہی پر نازل ہوئی ہیں؛ چنانچہ خود قرآن مجید نے آپ ﷺ کی ذمہ داریوں میں اس بات کو بھی شامل کیا ہے کہ آپ لوگوں کے لئے قرآن کی تشریح کریں گے: ”لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ“ (النحل: ۴۴) پس قرآن مجید کی تشریح رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مکمل ہو چکی، امام مہدی پر قرآن مجید کی تشریح اُترنے کی بات درست نہیں ہے؛ بلکہ ان کا کام اپنے زمانہ میں قرآن کے احکام کو نافذ کرنا ہے، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی بات کے آجانے کے سینکڑوں سال بعد اس کی تشریحات آئیں؟

إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٦٦﴾ وَوَجُّهُهُ يَوْمَئِذٍ بِأَسْرَةٍ ﴿٦٧﴾ تَتَّظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٦٨﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ  
التَّرَاقِيَ ﴿٦٩﴾ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ ﴿٧٠﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٧١﴾ وَالتَّفَتُّ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٧٢﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ  
يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٧٣﴾ فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٧٤﴾ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٧٥﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ  
يَتَمَطَّىٰ ﴿٧٦﴾ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ﴿٧٧﴾ ثُمَّ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ﴿٧٨﴾

جواپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ﴿۶۶﴾ اور اس دن بہت سے چہرے اُداس ہوں گے، ﴿۶۷﴾ وہ خیال کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا، ﴿۶۸﴾ ہرگز نہیں! (تم مکر فرما نہیں ہو جاؤ گے؛ بلکہ) جب جان گلے تک آپہنچے گی، ﴿۶۹﴾ اور کہا جائے گا: کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا بھی ہے؟ ﴿۷۰﴾ اور خود اُس کو یقین ہو جائے گا کہ یہ جدا ہونے کا وقت ہے، ﴿۷۱﴾ اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جائے گی، ﴿۷۲﴾ تو اس دن تجھے اپنے پروردگار کی طرف ہی جانا ہوگا، ﴿۷۳﴾ تو اس نے نہ تو (قرآن کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، ﴿۷۴﴾ لیکن جھٹلایا اور منہ پھیر لیا، ﴿۷۵﴾ پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا، ﴿۷۶﴾ افسوس ہے تجھ پر، پھر افسوس ہے، ﴿۷۷﴾ پھر تجھ پر افسوس بالائے افسوس۔ ﴿۷۸﴾

﴿۱﴾ معلوم ہوا کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں حاصل ہوں گی، ان میں سب سے عظیم نعمت یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، حضرت صہیب ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ حجاب ہٹائیں گے اور لوگ اللہ کا دیدار کریں گے تو خدا کی قسم! اللہ نے اس سے زیادہ بڑی نعمت اور آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے والی چیز عطا نہ کی ہوگی، (السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۱۱۲۳۴) اور حضرت جابر ؓ کی روایت میں ہے کہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اپنا سر اٹھا لو کہ یہ عبادت کا دن نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۰۹)

﴿۲﴾ یعنی انسان کی فطرت ہے کہ پہلے تو جان بچانے کے لئے علاج وغیرہ کی تدبیریں کرتا ہے؛ لیکن جب علاج سے فائدہ کی امید نہیں رہتی تو پھر دیکھتا ہے کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا مل جائے، شاید اس کے عمل سے کوئی فائدہ پہنچ جائے۔  
﴿۳﴾ پنڈلی کے پنڈلی سے ملنے سے مراد شدت تکلیف ہے، جب انسان کی تکلیف بہت بڑھ جاتی ہے تو وہ ایک پنڈلی دوسرے پنڈلی پر پٹختے لگتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۱۲)

﴿۴﴾ اس آیت میں یا تو ایسے انسان کی عمومی کیفیت بیان کی گئی ہے، جو ایمان سے محروم ہیں کہ نہ تو ان کا دل ایمان سے مشرف ہوا اور نہ ان کے جسم نے وہ عمل کئے، جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی طرف منسوب ہے کہ ان آیات میں خاص طور پر ابو جہل کے رویہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

﴿۵﴾ پہلے چار نافرمانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، تصدیق نہ کرنا، نماز نہ پڑھنا، جھٹلانا اور منہ پھیر لینا، پھر ان چاروں کے مقابلہ میں ←

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۚ أَلَمْ يَكُنْ نُطْفَةً مِّنْ مَّنًى يُّمْنَىٰ ۖ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۖ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۚ أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُخَيِّقَ الْمَوْتَىٰ ۚ ج ۱۸

کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ ﴿۳۹﴾ کیا وہ منیٰ کا ایک قطرہ نہیں تھا، جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے، ﴿۴۰﴾ پھر وہ جما ہوا خون بن گیا، پھر اللہ نے اس کو بنایا اور (اس کے اعضاء کو) درست کیا، ﴿۴۱﴾ پھر اس کی دو قسمیں کر دیں: مرد اور عورت ﴿۴۲﴾ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ ﴿۴۳﴾

← چار دفعہ وعید و افسوس کا ذکر ہے، گویا ان میں سے ہر عمل اس لائق ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کی کم بختی اور محرومی پر افسوس کیا جائے — ’اولیٰ‘ کا لفظ یہاں ’ویل‘ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہلاکت و تباہی کے ہیں؛ اسی لئے اولیٰ یہاں تہدید یعنی ڈرانے اور دھمکی دینے کے معنی میں ہے، ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے کہ ابو جہل سے ملاقات ہو گئی، آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دو دفعہ ہلاتے ہوئے کہا: ”اولیٰ لک فاولیٰ ثم اولى لک فاولیٰ“ ابو جہل نے کہا: کیا تم مجھے ڈراتے ہو؟ میں مکہ کے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سب سے معزز شخص ہوں، نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو نہ تمہارا خدا، اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۱۵) ابو جہل نے غزوہ بدر کے موقع سے مسلمانوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ آج کے دن کے بعد کبھی اس ’اللہ‘ کی عبادت نہ ہو سکے گی، جس پر مسلمان ایمان رکھتے ہیں؛ چنانچہ اس کا یہ حشر ہوا کہ بدر میں نہایت ذلت کے ساتھ مارا گیا۔

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی تخلیق میں کئی مرحلوں سے گزارا ہے، منیٰ کے ایک قطرہ حقیر کا گوشت بن جانا، گوشت کے معمولی ٹکڑے کا چلتا پھرتا انسان ہو جانا اور پھر ایک ہی طرح کے قطرے اور گوشت کے ٹوٹھڑے سے کسی کا مرد اور کسی کا عورت بن کر پیدا ہونا کیا کوئی معمولی بات ہے؟ جب اللہ اس بات پر قادر ہے تو اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ وہ مردہ کو دوبارہ زندہ کر دے — رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ اس سورہ کو پڑھتے تو اخیر میں: ”سبحانک اللہم بلی“ کہا کرتے، (ابوداؤد، باب مقدار الركوع الخ، حدیث نمبر: ۸۸۷) یعنی ”اے اللہ! آپ کی ذات تمام کمزوریوں سے پاک ہے اور آپ ضرور تمام مردوں کو پیدا کرنے پر قادر ہیں“ اس لئے نماز سے باہر اور نفل نمازوں میں سورہ قیامہ کے ختم پر یہ کہنا چاہئے، گویا یہ اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب ہے؛ البتہ احناف کے نزدیک فرض نمازوں میں اس کو نہ کہنا بہتر ہے۔ (مبسوط للسخی: ۳۸/۱)







## سورة الدهر

«سورہ نمبر : (۷۶)

«رکوع : (۲)

«آیتیں : (۳۱)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

یہ سورہ آپ ﷺ پر مکہ میں نازل کی گئی ہے، یہی اکثر اہل علم کی رائے ہے، اس کی پہلی آیت میں انسان اور دہر کا لفظ آیا ہے، انسان کے معنی تو ظاہر ہیں، اور دہر کے معنی زمانہ کے ہیں، اس مناسبت سے اس سورہ کا نام انسان بھی ہے اور دہر بھی۔

اس سورہ میں انسان کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، بعض مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو پوری کتاب ایک ساتھ اُتار دی گئی ہوتی، اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ قرآن تو اُتارا ہم نے ہی ہے؛ لیکن تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے؛ کیوں کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴿۱﴾ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَبِيغًا بَصِيرًا ﴿۲﴾ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿۳﴾ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلْسِلًا وَأَغْلَالًا ۖ وَسَعِيرًا ﴿۴﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿۵﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ﴿۶﴾ يُوفُونَ بِالْأَنْذَرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿۷﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۱﴾ بے شک انسان پر زمانہ کا ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا، ﴿۱﴾ ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے پیدا کیا؛ تاکہ ہم اس کو آزمائیں تو ہم نے اس کو ستا دیکھتا بنادیا، ﴿۲﴾ ہم نے اس کو راستہ بھی دکھایا کہ وہ شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا؟ ﴿۳﴾ ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں، طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، ﴿۴﴾ یقیناً نیک بندے (شراب کے) ایسے جام پئیں گے جس میں کافور ملا ہوا ہوگا، ﴿۵﴾ یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے (نیک) بندے پیا کریں گے، وہ اس کی نالیاں بہا کر لے جائیں گے، ﴿۶﴾ وہ لوگ منتیں پوری کرتے ہیں، ﴿۷﴾ اور اس دن سے ڈرتے ہیں، جس کی مصیبت (چاروں طرف) پھیلی ہوئی ہوگی۔ ﴿۷﴾

﴿۱﴾ عربی زبان میں ”هَلْ“ کے معنی آتے ہیں: ”کیا“؟ یعنی یہ سوال کرنے کے لئے بولا جاتا ہے؛ لیکن یہاں یہ ”قد“ یعنی تاکید کے معنی میں ہے، اس لئے اس کا ترجمہ بے شک سے کیا گیا ہے، (کشاف: ۵۳/۴) — خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے انسان کو خود اپنے آپ پر غور کرنا چاہئے کہ آج تو وہ بھلا چنگا، خوبصورت اور خوش آواز نظر آتا ہے؛ لیکن اس پر ایک زمانہ ایسا بھی گذر چکا ہے، جب وہ ایک معمولی نطفہ یا گوشت کا لوتھڑا تھا، نہ اس کا کوئی چہرہ تھا جس سے اس کی پہچان ہو، نہ اس کی کوئی شخصیت تھی، نہ اس کا کوئی مال و خزانہ تھا، وہ اس لائق ہی نہ تھا کہ کوئی اس کا ذکر بھی کرنا چاہے، پھر ایسی بے وقعت چیز کو ایک باوقار انسان بنانے کا کام آپ سے آپ تو نہیں ہو گیا؛ یقیناً خدا ہی کی قدرت اس کے پیچھے ہے۔

﴿۲﴾ ملے جلے نطفہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے وجود میں کائنات کے کتنے ہی اجزاء شامل ہیں: مٹی، نمک، لوہا، پتھر، پانی وغیرہ، ان بکھرے ہوئے ذرات کو اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے نطفہ میں جمع فرمادیا اور پھر اس کو انسان کی تخلیق کا ذریعہ بنایا، یہاں تک کہ قطرہ بے جان ستا دیکھتا انسان بن گیا، جس کا مقصد اس کا امتحان ہے کہ وہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکرا رہتا ہے؟

﴿۳﴾ دنیا میں بھی کافور خوشبودار اور صحت بخش ہوتا ہے اور جنت کا کافور تو ظاہر ہے کہ جنت کے شایان شان ہوگا، جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

﴿۷﴾ جو نیک عمل انسان پر واجب نہ ہو اور انسان اس کو اپنے اوپر واجب کر لے، اس کو نذر کہتے ہیں، جیسے نفل نماز واجب نہیں ہے؛ —

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝ فَوَقَّهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ۝ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ لَا يَرُونَ فِيهَا شُمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۝

اور خود چاہت رکھنے کے باوجود محتاج، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں، ﴿۱﴾ اور کہتے ہیں: ہم تم کو اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلا رہے ہیں، نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ، ﴿۲﴾ ہمیں اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگا رہتا ہے جو ہولناک اور سخت دن ہوگا، ﴿۳﴾ تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچالے گا، ان کو تروتازگی اور خوشی عطا فرمائے گا، ﴿۴﴾ اور ان کو ان کے صبر کے بدلہ جنت اور ریشمی لباس سے نوازے گا، ﴿۵﴾ وہ جنت میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، نہ وہاں دھوپ (کی تپش) دیکھیں گے نہ جاڑے کی شدت۔ ﴿۶﴾

← لیکن کسی نے اپنے ذمہ واجب کر لیا تو اب اس کا پورا کرنا واجب ہے؛ البتہ احناف کے نزدیک منت ماننے کی وجہ سے ایسی چیز واجب ہو جاتی ہے، جو خود تو واجب نہ ہو؛ لیکن اس کی جنس واجب ہو، جیسا کہ نفل نماز کی مثال دی گئی؛ لیکن جس کی جنس واجب نہ ہو، اس کی نذر کا اعتبار نہیں، جیسے: مریض کی عیادت، (ہندیہ: ۲۰۸/۱، الباب السادس فی النذر) البتہ مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں نذر سے ہر واجب عمل مراد ہے، خواہ اس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہو، یا انسان نے خود اپنے اوپر واجب کر لیا ہو۔ (تفسیر کبیر: ۱۶/۵۹)

﴿۱﴾ یہاں ”علیٰ حبہ“ کا ترجمہ کیا گیا ہے: خود چاہت رکھنے کے باوجود، مطلب یہ ہے کہ ایک شخص خود ضرورت مند ہے؛ لیکن اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کر دوسرے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے — سلف صالحین کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ ربیع بن خثیم نامی ایک بزرگ گذرے ہیں، ان کے پاس اگر کوئی سائل آتا تو چوں کہ وہ خود میٹھی چیز کو پسند کرتے تھے؛ اس لئے اپنے خادموں سے کہتے تھے کہ اس کو میٹھی چیز کھلاؤ ”علیٰ حبہ“ کا ایک اور معنی ”اللہ کی محبت میں“ بھی ہو سکتا ہے، یعنی وہ ناموری کے لئے نہیں؛ بلکہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کھانا کھلایا کرتا ہے، یہ تفسیر فضیل بن عیاض ؓ سے مروی ہے اور اردو میں ترجمہ کرنے والوں نے زیادہ تر اسی معنی کو لیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۱۲۸، نیز دیکھئے: روح المعانی: ۱۵۵/۲۹) — یہ بات قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قیدیوں کو بھی کھلانے کا ذکر فرمایا ہے اور اس زمانہ میں قیدی عموماً غیر مسلم ہی ہوا کرتے تھے تو اس آیت نے واضح کیا کہ قرآن مجید غیر مسلموں کے ساتھ کس درجہ حسن سلوک کی ترغیب دیتا ہے کہ چاہے خود بھوکا رہنا پڑے؛ لیکن ان کو کھلایا جائے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ یہاں قیدی سے مراد وہ مشرکین ہیں، جو مسلمانوں کی قید میں ہوں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۲۹) اس آیت کے ذیل میں جابر جعفی سے ایک خاص روایت حضرت فاطمہ ؓ اور ان کے صاحبزادگان کے بارے میں نقل کی گئی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذَلِيلًا ﴿١٧﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ  
وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ﴿١٨﴾ قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ قَدَرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٩﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا  
كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿٢٠﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ﴿٢١﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ  
مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿٢٢﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلَكًا  
كَبِيرًا ﴿٢٣﴾ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِّنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ  
رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢٤﴾ إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ﴿٢٥﴾

۱  
۶۲  
۱۹

ان پر اس کے (درختوں کے) سائے جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے نیچے لٹکا دیئے جائیں گے، ﴿۱۷﴾  
اور ان پر چاندی کے برتنوں اور شیشوں کے گلاسوں کا دور چل رہا ہوگا، ﴿۱۸﴾ شیشے بھی چاندی کے، جن کو بھرنے والوں نے  
مناسب انداز سے بھرا ہوگا، ﴿۱۹﴾ اور ان کو وہاں ایسے جام شراب پلائے جائیں گے، جس میں سونٹھ ملا ہوا  
ہوگا، ﴿۲۰﴾ (یعنی اس کا بھی) جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام سلسبیل ہے، ﴿۲۱﴾ ان کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے  
ہوں گے، جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، آپ ان پر نظر ڈالیں تو ایسا خیال ہوگا کہ یہ بکھرے ہوئے موتی ہیں، ﴿۲۲﴾  
اور آپ وہاں جدھر بھی نظر اٹھائیں گے تو بڑی نعمتیں اور بڑی سلطنت دکھائی دے گی، ﴿۲۳﴾ جنت والوں پر سبز باریک  
ریشمی اور دبیز ریشمی کپڑے ہوں گے اور انھیں چاندی کے ننگن پہنائے جائیں گے، نیز ان کے پروردگار ان کو پاکیزہ  
شراب پلائیں گے، ﴿۲۴﴾ یقیناً یہ تم لوگوں کا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش (اللہ کے نزدیک) مقبول ہوگئی۔ ﴿۲۵﴾

﴿۱﴾ دنیا میں چاندی اور شیشہ دونوں سفید اور صاف و شفاف ہوتے ہیں؛ لیکن دونوں کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے، چاندی اتنی کثیف  
ہوتی ہے کہ اندر کی چیز باہر نظر نہیں آتی، اور شیشہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ چیزیں آراہ نظر آتی ہیں، تو جنت میں ایسی چاندی ہوگی، جس میں  
چاندی کی سفیدی بھی ہوگی اور شیشہ کی لطافت بھی، اس سے بھرے ہوئے جام کا حسن دو بالا ہو جائے گا اور پھر پلانے والے اس کو  
مناسب انداز سے بھریں گے، نہ بہت زیادہ کہ اس کو اٹھانا گراں گذرے، نہ بہت کم کہ بار بار لینا پڑے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۴۱)  
﴿۲﴾ کیوں کہ کم عمر لوگوں سے خدمت لینے میں انسان کو سہولت ہوتی ہے اور موتی اگر کسی جگہ بکھیر دیا جائے تو وہ ایک جگہ اکٹھا  
کر کے رکھنے کے مقابلہ زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔

﴿۳﴾ مردوں کے لئے شراب کے جام، ریشم کے کپڑے اور چاندی کے ننگن اس دنیا میں حلال نہیں ہیں، آخرت میں ان کی کوئی  
ممانعت نہ ہوگی۔

﴿۴﴾ حالاں کہ جنت تو اللہ کے فضل سے حاصل ہوگی، انسان کا صرف اپنی کوشش سے جنت کا پانا دشوار ہے؛ لیکن یہ کہہ کر اہل جنت کا  
اکرام اور ان کی عزت افزائی مقصود ہوگی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۖ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ۚ وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۚ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۚ إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۚ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۚ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ۚ

(اے رسول!) ہم نے ہی آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن اتارا ہے، ﴿۱﴾ تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر جے رہئے اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کی بات نہ مانے، ﴿۲﴾ نیز صبح و شام اپنے پروردگار کا نام لیا کیجئے، ﴿۳﴾ اور رات کے کچھ حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے اور بہت رات تک اس کی پاکی بیان فرماتے رہئے، ﴿۴﴾ یہ لوگ تو دنیا ہی کو چاہتے ہیں اور انھوں نے بھاری دن (یعنی قیامت) کو پس پشت چھوڑ رکھا ہے، ﴿۵﴾ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑوں کو مضبوط بنایا ہے، ﴿۶﴾ اور جب ہم چاہیں، ان کی جگہ ان ہی جیسے اور لوگوں کو لے آئیں۔ ﴿۷﴾

﴿۱﴾ تاکہ قرآن کا یاد کرنا اور اس کو لوگوں تک پہنچانا آسان ہو۔

﴿۲﴾ رسول اللہ ﷺ کے پاس عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ آئے تھے، عتبہ نے کہا کہ میری بیٹیاں قریش کی عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں، اگر آپ اس دین سے باز جائیں تو ہم اپنی بیٹی کو بغیر کسی مہر کے آپ کے نکاح میں دے دیں گے، اور ولید نے کہا کہ اگر آپ یہ سب ڈھونگ مال کے لئے رچا رہے ہیں تو میرے پاس مال کی کمی نہیں ہے، میں اپنا مال آپ کو پیش کر دوں گا؛ بشرطیکہ آپ دعوتِ دین سے رُک جائیں، اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۳۹) کہ آپ ان کی باتوں میں نہ آئیں، ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے ان باتوں میں آنے کا سوال ہی نہیں تھا؛ لیکن اصل میں یہ خطاب اُمت سے ہے کہ زن اور زر، عورت اور دولت کی ہوس تمہارے قدموں کو پھسلانہ دے۔

﴿۳﴾ اس میں پانچوں نمازوں کا اور تہجد کا ذکر ہے، صبح و شام اللہ کا نام لینے میں تین نمازوں کی طرف اشارہ ہے، فجر جو دن کے ابتدائی حصہ میں پڑھی جاتی ہے، ظہر و عصر جو دن کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے اور رات میں سجدہ کرنے سے مراد مغرب و عشاء کی نمازیں ہیں، جو رات کے ابتدائی حصہ میں پڑھی جاتی ہیں اور شب کے طویل حصہ میں نماز پڑھنے سے مراد نماز تہجد ہے، جو رات میں ادا کی جاتی ہے، نسبتاً طویل ہوتی ہے اور جو آپ ﷺ پر فرض کی گئی تھی۔

(تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۵۰، تفسیر بیضاوی: ۵/۱۶۶، روح المعانی: ۲۹/۱۶۶)

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر جوڑوں کی بندشوں کو مضبوط کرنے کا ذکر فرمایا، انسان کے مختلف اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، بظاہر یہ ایسی چیز سے نہیں باندھے گئے ہیں، جو سخت اور بہت مضبوط ہوں، یہ رگوں، پٹھوں اور گوشتوں کے ساتھ ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں، عام طور پر یہ رگیں بہت باریک ہیں، ریشے ان سے بھی زیادہ باریک ہیں، نہ ان میں لوہے، پیتل اور تانبے کی صلابت ہے اور نہ یہ پلاسٹک کی طرح بظاہر مضبوط نظر آتے ہیں؛ لیکن پوری زندگی یہ کام کرتے رہتے ہیں، —

إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٥٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٦٠﴾ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا  
بِئْسَ إِلِيمًا ﴿٦١﴾

یہ توضیحت ہے تو جو چاہے اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کر لے، ﴿۵۹﴾ اور تم (یہ بھی) اسی وقت چاہو گے؛ جب کہ اللہ کو منظور ہو، یقیناً اللہ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں، ﴿۶۰﴾ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیتے ہیں اور اللہ نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۶۱﴾

← نہ تانبے، پیتل کی طرح گھس جاتے ہیں، نہ لوہے کی طرح ان میں زنگ لگتا ہے، نہ پلاسٹک کی طرح جسم کی حرارت سے نرم پڑتے ہیں، یا مدت گزرنے کے ساتھ بہت سخت ہو جاتے ہیں؛ بلکہ یکساں طریقہ پر کام کرتے رہتے ہیں، ورنہ کسی مشین کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑنے کے لئے جو اسکر و اورنٹ بولٹ استعمال کئے جاتے ہیں، چند ہی سالوں میں کتنی بار ان کو بدلنے کی نوبت آ جاتی ہے۔







## سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ

« سورہ نمبر : (۷۷) »

« رکوع : (۲) »

« آیتیں : (۵۰) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کے شروع میں قسم کھاتے ہوئے 'مرسلات' کا لفظ آیا ہے،  
مرسلات سے مراد وہ ہوائیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے درپے بھیجی  
جاتی ہیں، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام مرسلات ہے۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، سورہ کی  
ابتداء میں متعدد چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، اللہ کی ان قدرتوں کا ذکر فرمایا  
گیا ہے، جن کو انسان سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، پھر ایمان نہ لانے والوں  
کے ہولناک انجام کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے بہترین  
انجام کا بھی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۝ فَالْعَصْفِ عَصْفًا ۝ وَالنَّشْرِ نَشْرًا ۝ فَالْفَرْقِ فَرْقًا ۝  
فَالْمُلْقِ ذِكْرًا ۝ عَذْرًا أَوْ نَذْرًا ۝ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ۝ فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ وَإِذَا  
السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقْتَتَتْ ۝ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝  
لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نُهَبِكْ  
الْأَوَّلِينَ ۝ ثُمَّ نُنَبِّعُهُمُ الْآخِرِينَ ۝ كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ان ہواؤں کی قسم! جو پے درپے بھیجی جاتی ہیں، ۝ پھر ان کی جو جھونکے کے ساتھ چلتی ہیں، ۝ اور (بادلوں کو) پھیلا دیتی ہیں، ۝ پھر ان کی جو (بادلوں کو) پارہ پارہ کر دیتی ہیں، ۝ پھر ان فرشتوں کی قسم! جو جی لاتے ہیں، ۝ عذر کو دور کرنے یا ڈرانے کی غرض سے، ۝ (۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ ضرور ہو کر رہے گی، ۝ تو اس دن ستاروں کی روشنی جاتی رہے گی، ۝ آسمان پھٹ جائے گا، ۝ پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے، ۝ اور تمام پیغمبر مقررہ وقت پر حاضر کئے جائیں گے، ۝ (۲) (آپ کو معلوم ہے) کس دن کے لئے اس کو موخر کیا گیا؟ ۝ فیصلہ کے دن کے لئے! ۝ اور آپ کو معلوم ہے فیصلہ کا دن کیا ہے؟ ۝ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہے، ۝ کیا ہم گزشتہ لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے؟ ۝ پھر ہم بعد والوں کو بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے کر دیں گے، ۝ (۳) ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ ۝

﴿۱﴾ ان آیات کے ابتدائی پانچ فقرہوں میں قسم کھائی گئی ہے، ان میں سے آیت نمبر: ۵، میں وحی لانے والے فرشتے مراد ہیں، اس پر اتفاق ہے، اور اسی سے مربوط آیت نمبر: ۶ ہے، یعنی ان فرشتوں کی قسم جو اللہ کی کتابیں لاتے ہیں؛ تاکہ لوگوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے کہ ہم تک اللہ کی کتاب نہیں پہنچی اور تاکہ یہ کتابیں لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے کا ذریعہ بنیں، (تفسیر قرطبی: ۱۵۶/۱۹) اور پہلی چار آیتوں میں یا تو ہوائیں مراد ہیں یا فرشتے، یہاں ترجمہ ہواؤں کا معنی مراد لے کر کیا گیا ہے، اگر فرشتوں کا معنی مراد لیا جائے تو پہلی آیت کا معنی ہوگا: ان فرشتوں کی قسم جو مسلسل وحی لے کر بھیجے گئے، دوسری آیت کے معنی ہوں گے: وہ فرشتے جو تیز ہواؤں کو چلاتے ہیں، تیسری آیت کے معنی ہوں گے: وہ فرشتے جو بادلوں کو پھیلا دیتے ہیں، اور چوتھی آیت کے معنی ہوں گے: وہ فرشتے جو رزق کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے بانٹتے ہیں۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۵۵/۱۹، ۱۵۶)

﴿۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو جمع فرمائیں گے؛ تاکہ وہ اپنی اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں۔

﴿۳﴾ یعنی جیسے گزشتہ قوموں کو عذاب دے چکے ہیں، جو لوگ بعد میں دین حق کو جھٹلائیں گے، ان کو بھی اسی طرح عذاب ہوگا۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٩﴾ أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ﴿٢١﴾ إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٤﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شِخْتٍ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٨﴾

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، ﴿۱۹﴾ کیا ہم نے تم کو ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ﴿۲۰﴾ پھر ہم نے اس کو ایک مقررہ وقت تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا، ﴿۲۱﴾ پھر ہم نے اندازہ مقرر کیا تو ہم کیا ہی بہتر اندازہ کرنے والے ہیں، ﴿۲۲﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، ﴿۲۳﴾ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹ لینے والی نہیں بنایا؟ ﴿۲۴﴾ اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا، ﴿۲۵﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ ﴿۲۸﴾

﴿۱﴾ محفوظ جگہ سے ماں کا رحم مراد ہے اور مقررہ وقت سے ولادت تک کا وقت مراد ہے۔

﴿۲﴾ یعنی ہم نے تمام تفصیلات مقرر کر دیں کہ بچہ کب پیدا ہوگا، حمل میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف کتنے دنوں میں منتقلی ہوگی، کب اس میں روح پڑے گی، کب یہ حمل ایک مکمل انسان بن جائے گا، یہ اچھا انسان ہوگا کہ بُرا انسان، دراز قد ہوگا یا پست قد، وغیرہ؟ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اس فقرہ کا یہی مطلب نقل کیا گیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۶۰) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ چالیس دنوں تک وہ اپنے ماں کے پیٹ میں نطفہ کی صورت میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں جما ہوا خون رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ چار احکام کے ساتھ فرشتوں کو بھیجتے ہیں؛ چنانچہ اس کا عمل، موت کا دن، روزی اور یہ بات کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت؛ لکھی جاتی ہیں، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (بخاری، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۷۰۱۶، مسلم، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۲۶۴۳)

﴿۳﴾ زندوں کو سمیٹنا یہ ہے کہ انسان اسی زمین کی پشت پر رہتا ہوتا ہے، اس کے لئے پھل، اناج، ترکاریاں، درخت زمین ہی سے ملتے ہیں، وہ اگرچہ گوشت اور دودھ جانوروں سے حاصل کرتا ہے؛ لیکن ان جانوروں کی غذا بھی زمین ہی سے حاصل ہوتی ہے، اور مُردوں کو سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد وہ زمین ہی میں دفن کیا جاتا ہے، اگر آگ میں جل کر اور پانی میں ڈوب کر اس کی موت ہوئی ہو تب بھی بالآخر اس کے اجزاء زمین ہی میں جذب ہو جاتے ہیں، اس سے بعض فقہاء نے یہ معنی اخذ کیا ہے کہ نہ صرف مردہ کو زمین میں دفن کرنا چاہئے؛ بلکہ بال اور اس کے جواجزاء جسم سے الگ کئے جائیں، ان کو بھی زمین کے اندر ہی دفن کر دینا چاہئے۔ (دیکھئے: احکام القرآن للحمصی: ۴/۱۳۷)

﴿۴﴾ زمین کے اندر سے پینے کے لئے میٹھے پانی کا نکلتا کتنی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر ان لوگوں سے پوچھئے، جن کے یہاں قدرتی طور پر میٹھا پانی نہیں نکلتا اور سمندر کے کھارے پانی کو صاف کر کے پینے کے یا کھیتی کے لائق بنایا جاتا ہے۔

اِنْطَلِقُوا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِہٖ تُكْذِبُوْنَ ۖ اِنْطَلِقُوا اِلٰی ظِلِّ ذِی ثَلَاثِ شُعَبٍ ۖ لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِی مِنَ الْهَبِّ ۚ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرِّ كَالْقَصْرِ ۚ كَاَنَّهُ جِبْلَتٌ صُفْرٌ ۚ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِیْنَ ۚ هٰذَا یَوْمٌ لَا یَنْطِقُوْنَ ۚ وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فِیْعَتَدِرُوْنَ ۚ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِیْنَ ۚ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِیْنَ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كِیْدٌ فِیْ كِیْدُوْنَ ۚ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِیْنَ ۚ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلِّ وَعُیُونٍ ۚ وَفَوَاكِهَ مِمَّا یَشْتَهُونَ ۚ

(اس دن ان کو حکم دیا جائے گا کہ) تم جس چیز کو جھٹلایا کرتے تھے، اسی کی طرف چلو، یعنی ایک ایسے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، نہ وہ ٹھنڈی چھاؤں والا ہے اور نہ آگ کی تپش سے بچاتا ہے، وہ محل جیسے بڑے بڑے انکارے پھینک رہی ہوگی، ایسے کہ گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں، ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے، یہ وہ دن ہے کہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے، اور نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی، ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے، (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:) یہی فیصلہ کا دن ہے جس میں ہم نے تم کو اور پہلے لوگوں کو جمع کر دیا، تو اگر تم کو کوئی تدبیر آتی ہو تو مجھ پر چلاؤ، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے، یقیناً اس دن تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ چھاؤں میں، چشموں میں اور اپنے من پسند میووں میں ہوں گے۔

۱) یعنی دوزخ کے کثیف دھوؤں کا سایہ، جو اوپر چل کر تین حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، عام طور پر اگر کسی جگہ سے کثیر مقدار میں دھواں نکلے تو اسی طرح وہ اوپر جا کر مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۶۲)

۲) بظاہر تو یہ ایک قسم کا سایہ ہوگا؛ لیکن وہ ٹھنڈک سے خالی ہوگا، اور اس کی چنگاریاں اتنی بڑی ہوگی کہ جیسے بڑے بڑے محل ہوں، پھر ان چنگاریوں کے بکھرنے کے بعد بھی ان کے ٹکڑے اتنے بڑے ہوں گے کہ جیسے زرد اونٹ ہوں، زرد اونٹ سے سیاہی مائل اونٹ مراد ہیں۔

۳) بعض آیات میں اہل دوزخ کے اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے اور معذرت کرنے کا ذکر آیا ہے؛ لیکن پھر ان کو بولنے سے منع کر دیا جائے گا اور اس لا حاصل عرض و معروض کا موقع باقی نہیں رہے گا۔

۴) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ اس امت کے اور پچھلی امتوں کے پیغمبروں کو جھٹلانے والے لوگ ایک جگہ کر دیئے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۶۷) پھر ان سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم لوگ ہمارے رسولوں سے بہت لڑا کرتے تھے، تو اب اپنے بچاؤ کی تدبیر کر کے دیکھ لو۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۷﴾ اِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۸﴾ وَيْلٌ  
يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۹﴾ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُونَ ﴿۴۰﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ  
لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۱﴾ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اَرْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿۴۲﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۳﴾ فَبِأَيِّ  
حَدِيثٍ بَعَدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۴۴﴾

(ان سے کہا جائے گا:) جو عمل تم کیا کرتے تھے، اس کے بدلہ میں مزے سے کھاؤ پیو، ﴿۳۷﴾ ہم اسی طرح نیکی کرنے والے بندوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، ﴿۳۸﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے، ﴿۳۹﴾ (اے جھٹلانے والو!) تم تھوڑا سا کھا لو اور آرام اٹھا لو، یقیناً تم مجرم ہو، ﴿۴۰﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہی ہے، ﴿۴۱﴾ اور جب ان سے (اللہ کے سامنے) جھکنے کو کہا جاتا ہے تو نہیں جھکتے ہیں، ﴿۴۲﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی و بربادی ہے، ﴿۴۳﴾ تو اب اس (قرآن) کے بعد یہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ﴿۴۴﴾

﴿۱﴾ بنو ثقیف کے لوگوں کو جب آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے کہا: ہم مسلمان تو ہوں گے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے؛ کیوں کہ ہم جھک نہیں سکتے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے دین میں خیر نہیں، جس میں رکوع و سجود نہ ہو: ”لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود“ (ابوداؤد، کتاب الخراج، حدیث نمبر: ۳۰۲۸) — بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ آیت اسی پس منظر میں نازل ہوئی ہے، اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ رکوع نماز کا ایک اہم رکن ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۳۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس مضمون کا تعلق آخرت سے ہے، اس دن کافروں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ سجدہ نہیں کر پائیں گے۔ (حوالہ سابق)



## سُورَةُ النَّبَاِ

«سورہ نمبر : (۷۸)»

«رکوع : (۲)»

«آیتیں : (۴۰)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفہیم قرآن مجید

یہ سورہ مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، اس سورہ کا ایک نام تو ”نبا“ ہے، نباء کے معنی سچی اور اہم خبر کے ہیں، اور وہ ہے قیامت کی خبر، جس کا تذکرہ اس سورہ کا مرکزی مضمون ہے، آیت نمبر: ۲ میں نباء کے لفظ سے ہی اس کا ذکر کیا گیا ہے؛ چوں کہ اس سورہ کی ابتدا ”عم یتساءلون“ سے ہوئی ہے؛ اس لئے اس کو ”سورہ عم“ اور ”عم یتساءلون“ بھی کہا جاتا ہے۔

اس سورہ میں سب سے پہلے پوری قوت اور تاکید کے ساتھ قیامت کے واقع ہونے کی خبر دی گئی ہے، اس کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو گویا قیامت کے واقع ہونے کی دلیل ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی حیرت انگیز چیزوں کو وجود میں لاسکتا ہے تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ خود اپنے بنائے ہوئے کارخانہ عالم کو درہم برہم کر دے، کسی چیز کا بنانا مشکل ہوتا ہے اور تھس نہس کر دینا آسان، تعمیر دشوار ہوتی ہے اور تخریب میں وہ دشواری پیش نہیں آتی، تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس بنائی کائنات کو ختم کر دے اور قیامت برپا ہو جائے۔

پھر اس کے بعد اللہ کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے انجام، جنت میں حاصل ہونے والی نعمتوں اور دوزخ میں ہونے والے عذابوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اخیر میں پوری قوت اور تاکید کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کا آنا حق ہے اور یہ ضرور آکر رہے گا۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۲۰۰

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۚ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ۚ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۗ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۚ

ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۚ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًا ۚ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۚ وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۚ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۚ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۚ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۚ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۚ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرِ مَاءً ثَجَّاجًا ۚ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ ۱ اس بڑے واقعہ کے متعلق ۲ جس کے بارے میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں؟ ۳ ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہئے، عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا ۴ پھر (ہم فرمائے دیتے ہیں کہ) ہرگز ہرگز ایسا نہ ہونا چاہئے، عنقریب وہ جان لیں گے ۵ کیا ہم نے زمین کو فرش ۶ اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں نہیں بنادیا؟ ۷ اور تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا، ۸ تمہاری نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا، ۹ رات کو ایک پردہ، ۱۰ اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنادیا، ۱۱ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیئے، ۱۲ اور ایک روشنی چراغ بنایا، ۱۳ نیز بادلوں ۱۴ سے موسلا دھار پانی برسایا۔ ۱۵

۱ تاکہ میاں بیوی کے ذریعہ تمہاری نسل کا سلسلہ جاری رہے۔

۲ نیند اللہ کی بڑی نعمت ہے، جس سے انسان کے پورے جسم کو آرام ملتا ہے، اگر کسی شخص کو چوبیس گھنٹے نیند نہ آئے تو اس کا جسم بے سکون اور بے آرام ہو جاتا ہے، خاص کر انسان کے دماغ کا آرام تو نیند ہی سے ہوتا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ ۳ یعنی رات میں تاریکی کا ایک ایسا پردہ ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے، اس کی وجہ سے ہر شخص آرام کی نیند لیتا ہے اور سکون کے ساتھ سوتا ہے، اگر رات کو بھی سورج روشن ہوتا اور لوگوں سے کہا جاتا کہ وہ اپنی اپنی سہولت کے لحاظ سے آرام کر لیں تو ہرگز وہ سکون میسر نہیں آتا، جو رات کی تاریکی میں گہری نیند کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

۴ کیوں کہ تجارت اور کاروبار کے لئے روشنی کی ضرورت ہے اور دن میں قدرت کی طرف سے یہ روشنی میسر ہے، اگر آفتاب کی روشنی نہ ہوتی تو نہ معلوم کتنے لاکھوں چراغ اور بلب کی ضرورت دامن گیر ہوتی، تب بھی وہ روشنی حاصل نہ ہوتی، جو سورج سے حاصل ہوتی ہے۔

۵ روشن چراغ سے سورج مراد ہے۔

۶ 'معصرات' کے اصل معنی نچوڑنے والی چیز کے ہیں، یہاں اس سے بادل مراد ہے، جو گویا نچوڑ کر بارش برساتا ہے۔

لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۖ وَجَنَّتٍ أَلْفَافًا ۚ إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۚ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۚ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۚ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۚ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۚ لِلطَّاغِينَ مَابًا ۚ لَبِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۚ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۚ إِلَّا حَبِيمًا وَغَسَاقًا ۚ

تا کہ ہم اس کے ذریعہ اناج، سبزی ۱۵ اور گھنے باغات پیدا کریں، ۱۶ یقیناً فیصلے کے دن کا ایک وقت مقرر ہے، ۱۷ جس دن صور پھونکا جائے گا، پھر تم لوگ گروہ درگروہ آؤ گے، ۱۸ آسمان کھولا جائے گا اور وہ دروازہ ہی دروازہ ہو کر رہ جائے گا، ۱۹ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے، ۲۰ یقیناً دوزخ گھات میں لگی ہوئی ہے، ۲۱ وہی سرکشی کرنے والوں کا ٹھکانہ ہے، ۲۲ وہ مدت در مدت اسی میں پڑے رہیں گے، ۲۳ نہ وہاں ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، ۲۴ اور نہ کچھ پینے کی چیز میسر ہوگی، ۲۵ صرف گرم پانی اور پیپ ملے گا۔ ۲۶

۱ یعنی مسلمان الگ، ایمان نہ لانے والے الگ، منافقین الگ، پھر مسلمانوں میں بھی اعمال کے اعتبار سے الگ الگ گروہ ہوں گے، غرض کہ لوگوں کے ایمان و عمل کے اعتبار سے ٹولیاں بنادی جائیں گی اور وہ ٹولیوں کی شکل میں حساب و کتاب کی جگہ حاضر ہوں گے۔

۲ یعنی آسمان جو بالکل بند تھا، اب اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور ہر طرف سے کھلا ہوا نظر آئے گا۔

۳ جیسے شکاری شکار کی گھات میں بیٹھا رہتا ہے، اسی طرح دوزخ دوزخیوں کے لئے سراپا انتظار بنی ہوئی ہے۔

۴ اہل دوزخ رہیں گے تو ہمیشہ دوزخ ہی میں؛ لیکن اس کے مختلف دور اپنے اور مرحلے ہوں گے، ایک کے ختم ہونے کے بعد دوسرا اور دوسرا ختم ہونے کے بعد تیسرا، یہی سلسلہ چلتا رہے گا؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، وہ ایک مدت کے بعد دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں دوسرے مواقع پر صراحت ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے، (تغابن: ۱۰) اگر وہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے بھی تو ان کو نکلنے کا موقع نہیں دیا جائے، قرآن میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (المائدہ: ۳۷)

۵ ”برد“ کے معنی ٹھنڈک کے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے اس سے ٹھنڈا پانی مراد لیا ہے، اور بعض مفسرین نے ہر ایسی ٹھنڈک جس سے راحت محسوس ہو، ٹھنڈی ہوا، ٹھنڈا سایہ وغیرہ، جیسے ٹھنڈک سے انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے، اسی طرح نیند سے بھی انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے؛ اس لئے بعض حضرات نے اس سے نیند مراد لی ہے؛ البتہ دوزخ میں ایک طبقہ زمہریر کا بھی ہوگا، جو بے حد ٹھنڈا اور انتہائی تکلیف دہ ہوگا، اہل دوزخ اس میں بھی ڈالے جائیں گے؛ مگر راحت و سکون حاصل ہونے کے بجائے اس سے ان کی تکلیف میں اور اضافہ ہی ہوگا۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۹/۱۸۰)

جَزَاءً وَفَاقًا ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۖ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ۖ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۖ فَذُقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۖ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۖ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۖ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۖ وَكَاسًا دِهَاقًا ۖ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَابًا ۖ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۖ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۖ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْبَلِكَةُ صَفًّا ۖ لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ۖ ذَلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ۖ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَذَابًا قَرِيبًا ۖ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدُهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ۖ

یہ پورا پورا بدلہ ہے! (۱) وہ اُمید ہی نہیں رکھتے تھے کہ حساب و کتاب ہوگا، (۲) انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلادیا تھا، (۳) اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے، (۴) تو اب مزا چکھو کہ ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی جائیں گے، (۵) یقیناً تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے کامیابی ہے، (۶) یعنی: باغ، انگور، (۷) نوجوان ہم عمر عورتیں، (۸) چھلکتا ہوا جام، (۹) نہ اس میں کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ، (۱۰) یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے بھرپور انعام ہوگا، (۱۱) جو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کے مالک ہیں، بڑے مہربان ہیں، کسی کو ان سے بات کرنے کی مجال نہ ہوگی، (۱۲) جس دن روح الامین (یعنی حضرت جبریل) اور فرشتے قطار باندھ کر کھڑے ہوں گے، وہی بات کر سکے گا جس کو خدائے مہربان اجازت دیں اور وہ ٹھیک بات کرے، (۱۳) یہ دن برحق ہے، تو جو چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ حاصل کر لے، (۱۴) ہم نے تو تم کو قریب آنے والے عذاب سے ڈر دیا ہے، جس دن آدمی اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو دیکھ لے گا اور ایمان نہ لانے والا کہے گا: کاش کہ میں مٹی ہی ہوتا۔ (۱۵)

﴿۱﴾ دنیا میں انسان کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ نہیں مل سکتا، مثلاً ایک بیمار ہے، آپ نے علاج کے لئے اس کی مدد کی اور وہ صحت یاب ہو گیا، پھر اس نے دسیوں سال کمایا، کاروبار کیا تو زیادہ سے زیادہ جو مدد آپ نے کی تھی، وہ اس کو لوٹا دے گا، یا اسی میں کچھ اضافہ کر دے گا؛ لیکن اس کی وجہ سے جو دسیوں سال اس نے مال و دولت حاصل کی، کیا اس کا بھی بدلہ ادا ہو سکتا ہے؟ یہی حال گناہوں کا ہے، اگر ایک شخص نے کسی کو قتل کر دیا تو زیادہ سے زیادہ بدلہ میں اس کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن مقتول کی پوری نسل اس کی وجہ سے تعلیم و تربیت سے محروم ہو جاتی ہے، کیا قاتل کو اس کی بھی کوئی سزا دی جاسکتی ہے؟

﴿۲﴾ سوائے اس کے کہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت دی جائے۔

﴿۳﴾ کہ حساب و کتاب نہ ہوتا اور نہ سزا اسے دو چار ہوتا۔





# سُورَةُ النَّازِعَاتِ

« سورہ نمبر : (۷۹) »

« رکوع : (۲) »

« آیتیں : (۴۶) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی ابتدا ہی ”والنازعات“ کے لفظ سے ہوئی ہے، جس سے فرشتے مراد ہیں، اسی لئے اس کا نام ’نازعات‘ ہے، بعض مفسرین کی رائے ہے کہ سورہ نباء کے فوراً بعد ہی یہ سورہ نازل ہوئی ہے۔ (الکشاف: ۶۹۲/۴)

جیسے سورہ نباء میں بنیادی طور پر قیامت کا ذکر تھا، اس سورہ میں بھی قیامت ہی کا تذکرہ ہے، مشرکین کو قیامت کے واقع ہونے پر یہ شبہ تھا کہ جب انسان ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا؟ اس کا جواب دیا گیا ہے، جیسے اہل مکہ عقیدہ توحید اور قیامت وغیرہ کے منکر تھے، فرعون بھی ان چیزوں کا انکار کرتا تھا؛ اسی مناسبت سے فرعون کی سرکشی اور اس کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے، نیز کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جو مظاہر ہماری نظروں کے سامنے ہیں، ان کو بیان کرتے ہوئے قیامت کے واقع ہونے کو واضح کیا گیا ہے، اہل مکہ بار بار سوال کرتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے تو کس مہینہ اور کس تاریخ کو آئے گی؟ سورہ کی آخری آیات میں اس کا جواب دیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا کام قیامت کے بارے میں خبردار کرنا ہے نہ کہ اس کی تاریخ سے مطلع کرنا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالنُّعُوتِ غَرْقًا ۱ وَالنَّشِيطِ نَشْطًا ۲ وَالسَّبْحِ سَبْحًا ۳ فَالسَّبْقِ سَبْقًا ۴  
فَالْمَدْبَرِ أَمْرًا ۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۶ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۷ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۸  
أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۹ يَقُولُونَ أَيْنَا لَمْزُدُوهُمْ فِي الْخَافِرَةِ ۱۰ عَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ۱۱  
قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۱۲

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ان فرشتوں کی قسم! جو سختی کے ساتھ جان نکالتے ہیں، اور آسانی سے بند کھول دیتے ہیں، اور ان فرشتوں کی، جو تیزی سے تیرتے ہیں، پھر ان کی جو لپک کر آگے بڑھتے ہیں، پھر ان کی جو ہر کام کی تدبیر کرتے ہیں، (کہ وہ دن آکر رہے گا) جس دن زلزلہ آئے گا، (پھر) ایک زلزلہ کے بعد دوسرا زلزلہ آئے گا، اس دن کتنے ہی دل دھڑک رہے ہوں گے، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ (ایمان نہ لانے والے) کہتے ہیں: کیا ہم اُلٹے پاؤں پھر واپس ہوں گے؟ (۳) کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں بن جائیں گے؟ وہ کہتے ہیں: ایسا ہوا تو یہ واپسی تو نقصان کی بات ہوگی۔ (۱۲)

۱) ان پانچ آیات میں فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے اور ان کی الگ الگ ڈیوٹیوں کا حوالہ دیا گیا ہے، پہلی آیت میں ان فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے، جو ایمان نہ لانے والوں کی جان نکالتے ہیں، جس میں سختی اور تکلیف سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے ایسی چیز کو جو دوسری چیزوں کے ساتھ چپکی ہوئی ہے، کھینچا جا رہا ہے، دوسری آیت میں ان فرشتوں کی قسم ہے جو مسلمانوں کی جان نکالتے ہیں اور ایسی سہولت سے نکالتے ہیں، جیسے کوئی بندش تھی اور اس کو آسانی سے کھول دیا گیا، اس تکلیف اور آسانی کا تعلق روح سے ہے نہ کہ جسم سے، یعنی روح کے نکالنے میں ہونے والی تکلیف کا ذکر ہے، جسمانی بیماری مراد نہیں ہے، جو عام طور پر موت سے پہلے ہوتی ہے؛ کیوں کہ بہت سی دفعہ ایک ایمان سے محروم شخص مختصر بیماری کے ساتھ دنیا سے گزر جاتا ہے، جب کہ ایک مسلمان آدمی طویل اور تکلیف دہ علالت کے بعد دنیا سے رخصت ہوتا ہے، یہ اس کے گنہگار ہونے کی علامت نہیں ہے؛ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کو مرض وفات کے تکلیف سے گزرا گیا تھا، تیسری آیت میں ان فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے جو مومنوں کی روحوں کو لے کر تیزی سے آسمان کی طرف جاتی ہے، ان کا چلنا تیرنے کی طرح ہوتا ہے، آیت نمبر: ۴ میں ان فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے جو حکم الہی کی تعمیل کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور پانچویں آیت میں ان فرشتوں کا ذکر ہے، جن کو مختلف کاموں کی تدبیر اور انجام دہی کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۹، ۱۹۳، ۱۹۴)

۲) امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ راجفہ سے مراد زلزلہ ہے، یہ زلزلے صورت پھونکنے سے آئیں گے، تو آیت نمبر: ۶ میں پہلی بار صورت پھونکنے جانے کا ذکر ہے اور آیت نمبر: ۷ میں دوسری بار صورت پھونکنے جانے کا ذکر ہے۔

۳) یعنی کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٦﴾ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٧﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ﴿١٨﴾ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٩﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ﴿٢٠﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ﴿٢١﴾ وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿٢٢﴾ فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿٢٣﴾ فَكَذَّبَ وَعَصَى ﴿٢٤﴾ ثُمَّ أَذْبَرَ يَسْعَى ﴿٢٥﴾ فَحَشَرَ فَنَادَى ﴿٢٦﴾ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٧﴾ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ ﴿٢٨﴾ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَخْشَىٰ ﴿٣٠﴾ ءَأَنْتُمْ أَشَدُّ خُلُقًا أَمْ السَّمَاءُ بُنِيَٰهَا رَفَعَهَا ﴿٣١﴾ سَنَكْهَافًا فَسَوَّيْنَاهَا ﴿٣٢﴾ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿٣٣﴾ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ﴿٣٤﴾

تو وہ تو بس ایک ہولناک آواز ہوگی، ﴿۱۶﴾ تو پھر ایک دم سے سب میدان میں آ موجود ہوں گے، ﴿۱۷﴾ (۱) اے رسول! کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی؟ ﴿۱۸﴾ جب ان کو ان کے پروردگار نے طوی نام کی مقدس وادی میں آواز دی، ﴿۱۹﴾ آپ فرعون کے پاس جائیے کہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے، ﴿۲۰﴾ اور پوچھئے: کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک صاف ہو جائے؟ ﴿۲۱﴾ اور میں تجھ کو تیرے پروردگار کا راستہ دکھا دوں؛ تاکہ تیرے اندر خوف پیدا ہو، ﴿۲۲﴾ غرض کہ موسیٰ نے فرعون کو بڑی نشانی دکھلائی، ﴿۲۳﴾ فرعون نے جھٹلایا اور نافرمانی کی، ﴿۲۴﴾ پھر سازشیں کرتے ہوئے بیڑے پھیر کر چلا؛ ﴿۲۵﴾ چنانچہ اس نے (اپنے لوگوں کو) جمع کیا اور بلند آواز میں تقریر کی، ﴿۲۶﴾ پھر اس نے کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، ﴿۲۷﴾ تو اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا، ﴿۲۸﴾ یقیناً اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جس کو (اللہ کا) خوف ہو، ﴿۲۹﴾ (۱) مشرکین مکہ! کیا تمہارا پیدا کرنا دشوار ہے یا آسمان کا؟ جس کو اللہ نے بنایا، ﴿۳۰﴾ اس کی چھت کو اونچا کیا، پھر برابر کر دیا، ﴿۳۱﴾ اس کی رات کو تاریک بنایا اور (دن میں) دھوپ نکالی، ﴿۳۲﴾ اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔ ﴿۳۳﴾

﴿۱﴾ یعنی قیامت کا قائم ہونا اور انسانوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے، یہ کام تو لمحہ میں ہو جائے گا اور ایک آواز پر ساری دنیا جی اٹھے گی۔

﴿۲﴾ طوی سے مراد وہ وادی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ﷺ سے کلام فرمایا تھا؛ چوں کہ ذکر قیامت کا ہورہا ہے؛ اس لئے آگے عبرت کے طور پر فرعون کے انجام کو پیش کر دیا گیا، جو قیامت کا انکار کرتا تھا۔

﴿۳﴾ زمین کو اس کے بعد بچھا دیا، اس سے معلوم ہوا کہ کائنات پہلے سے وجود میں آچکی تھی، پھر اس سے ایک ٹکڑا الگ کر کے زمین کا یہ کرہ بنایا گیا اور اس کو سطح شکل دی گئی، موجودہ سائنس یہی کہتی ہے کہ زمین ایک بڑے کرہ کا حصہ ہے، وہ کرہ پھٹا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے تو اسی میں سے ایک ٹکڑا زمین کی شکل اختیار کر گیا، اس کو مزید تقویت ”دحھا“ کے لفظ سے پہنچتی ہے؛ کیوں کہ اس کے اصل معنی کسی شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینے کے ہیں؛ چنانچہ علامہ اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”دحھا أى ازالها عن مقرها“۔ (مفردات القرآن: ۱۰۶)



أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ۚ وَالْجِبَالِ أَرْسَاهَا ۚ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۚ فَإِذَا  
جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَى ۚ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَى ۚ وَبُرِزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ  
يَرَى ۚ فَأَمَّا مَنْ طَغَى ۚ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۚ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ۚ وَأَمَّا مَنْ  
خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ۚ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ۚ يَسْأَلُونَكَ عَنِ  
السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۚ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۚ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ۚ إِنَّمَا أَنْتَ  
مُنْذِرُ مَنْ يُخَشِئُهَا ۚ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ۚ

ج

اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا، اور پہاڑ کو نصب کر دیا، (یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لئے ہے، تو کیا جب (قیامت کا) وہ عظیم ہنگامہ برپا ہوگا اس دن انسان اپنے کاموں کو یاد کرے گا، اور دوزخ دیکھنے والوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی، تو جس نے سرکشی کی، اور دنیوی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی، تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا، اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے، تو یقیناً جنت اس کا ٹھکانہ ہے، لوگ آپ سے قیامت کے آنے کا وقت پوچھتے ہیں؟ تو اس کا وقت بتانے سے آپ کا کیا تعلق؟ آپ کے پروردگار ہی پر اس کا علم ختم ہے، آپ تو صرف اس شخص کو ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتا ہو، جس دن وہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا صبح رہے تھے۔

۱) یعنی ابھی تو دوزخ نظروں سے اوجھل ہے؛ لیکن اس دن ہر شخص اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

۲) تمام گناہوں کی جڑ یہی ہے کہ انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے، اسی مزاج کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو نہیں ادا کر پاتا ہے اور بندوں کے ساتھ بھی حق تلفی کرتا ہے۔

۳) دین کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے اور نفس پر قابو پانے کا یہی ایک راستہ ہے، اگر اللہ کا خوف نہ ہو تو دن کی روشنی میں اور لوگوں کی نگاہوں کے سامنے تو انسان اپنی بے جا خواہشات کو قابو میں رکھ لے گا؛ لیکن رات کی تاریکی میں اور تنہائی میں کوئی چیز اسے گناہ سے روک نہ پائے گی۔

۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قیامت کے واقع ہونے کا حتمی وقت معلوم نہیں۔

۵) یعنی جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، انہیں تو ایسا لگ رہا ہے کہ اتنی لمبی مدت گزرتی جا رہی ہے؛ لیکن قیامت کا اتنے پتہ نہیں ہے؛ اس لئے وہ اسے جھٹلاتے ہیں؛ لیکن جب قیامت آجائے گی تو انہیں ایسا لگے گا، جیسے دنیا میں صرف ایک پہر کا وقت گزرا ہو۔





## سُورَةُ عَبَسَ

«سورہ نمبر : (۸۰)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۴۲)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کا آغاز ”عَبَسَ“ کے لفظ سے ہوا ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام ”عبس“ ہے، یہ سورہ بنیادی طور پر ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے خالہ زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن اُم مکتومؓ ان خوش نصیبوں میں تھے، جن کو شروع شروع میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا، وہ نابینا تھے، ایک بار ایسی مجلس میں حاضر ہوئے، جس میں آپ ﷺ سردارانِ قریش کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، نابینا ہونے کی وجہ سے ماحول کو سمجھ نہیں سکے، انھوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ نے آپ ﷺ کو جو کچھ علم عطا کیا ہے، اس میں سے مجھے بھی سکھائیے، ان کی اس مداخلت کی وجہ سے آپ کو ناگواری ہوئی؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے یہ سردار ناراض ہو کر اٹھ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ فرمائی گئی، (واقعہ کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

آیت نمبر: ۱۸ سے انسان کی تخلیق، اس کو دوبارہ زندہ کئے جانے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور قیامت کی کیفیت وغیرہ کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
 عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ۝ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى ۝ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ  
 الذِّكْرَى ۝ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَى ۝ فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ۝ وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا يَزَّكَّى ۝ وَأَمَّا مَنْ  
 جَاءَكَ يَسْعَى ۝ وَهُوَ يَخْشَى ۝ فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى ۝ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمِنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ پیغمبر نے ترش رو ہو کر منہ پھیر لیا، ۱  
 اس بات سے کہ ان کے پاس ایک نابینا شخص آگیا، ۲ اور (اے پیغمبر!) آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ سنور جاتا، ۳  
 یا نصیحت کی باتیں سنتا اور نصیحت اس کو فائدہ پہنچاتی، ۴ جو شخص بے پروائی برتتا ہے، ۵ اس کی طرف تو آپ متوجہ  
 ہوتے ہیں؛ ۶ حالاں کہ اگر وہ (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک صاف نہ ہو تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، ۷  
 اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا، ۸ اور وہ (خدا کا) خوف بھی رکھتا ہے، ۹ تو آپ اس سے بے توجہی برتتے  
 ہیں، ۱۰ ہرگز ایسا نہ کریں، یہ (قرآن) تو نصیحت کی چیز ہے، ۱۱ تو جس کا جی چاہے، اس کو قبول کرے۔ ۱۲ (۱) ۱۲

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ سردارانِ قریش بیٹھے ہوئے تھے، ان میں عتبہ، خنیسہ، ابی بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہ، نیز  
 آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ﷺ شامل تھے، آپ ﷺ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اسی دوران حضرت عبد اللہ بن  
 اُم مکتوم ﷺ جن کا اصل نام عمرو تھا اور وہ حضرت خدیجہ ﷺ کے ماموں زاد بھائی تھے، آپنچے، اور چوں کہ نابینا تھے اور عام طور پر نابینا  
 حضرات ماحول کو نہ دیکھ پانے کی وجہ سے بعض دفعہ بے محل بات کر جاتے ہیں، غالباً وہ بھی موقع محل کو سمجھ بغیر زور سے کہنے  
 لگے: ”اللہ کے رسول! آپ کو اللہ نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے، آپ بھی ہمیں تعلیم دیں“ عربوں کا مزاج یہ تھا کہ ان کو اپنے درجہ  
 و مقام پر بڑا تکبر ہوتا تھا، سردارانِ مکہ سے گفتگو کچھ اس انداز پر چل رہی تھی کہ آپ کو خیال ہوا کہ شاید وہ ایمان لے آئیں گے، اب  
 جب یہ بات پیش آئی تو یہ لوگ ناراض ہو کر اٹھ گئے، آپ کو کسی قدر ناگواری ہوئی اور آپ نے سوچا کہ عبد اللہ بن اُم مکتوم تو مخلص  
 مسلمان ہیں، یہ کبھی بھی سوال کر سکتے تھے؛ لیکن اگر ابھی سوال نہ کئے ہوتے تو ممکن ہے کہ ان سردارانِ قریش کو ایمان کی توفیق  
 نصیب ہو جاتی اور ان کے اثر و رسوخ سے پورا مکہ ایمان لے آتا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 کے یہاں دنیوی وجاہتوں کا کوئی مقام نہیں ہے، دل کے جذبات اصل ہیں؛ اس لئے ایک شخص اگرچہ معاشرہ میں معزز و موقر نہ  
 سمجھا جاتا ہو؛ لیکن جب اس کا دل اللہ کی خشیت سے معمور ہے تو وہ ان لوگوں کے مقابلہ زیادہ توجہ کا مستحق ہے، جن کے پاس  
 ظاہری طمطراق تو ہے؛ لیکن دل جذبہ طلب سے خالی ہے — یہ ایک اجتہادی چوک تھی، جو رسول اللہ ﷺ سے ہوئی؛ لیکن آپ  
 کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اسے بھی قابلِ تنبیہ سمجھا گیا، حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسی آیات کا پایا جانا اس کی حقانیت  
 اور صداقت کی دلیل ہے، ورنہ تو آپ نے یہ آیتیں قرآن سے نکلوا دی ہوتیں، اس کے بعد سے جب بھی رسول اللہ ﷺ حضرت  
 عبد اللہ بن اُم مکتوم ﷺ کو دیکھتے تو ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے: اس شخص کے لئے خوش آمدید، جس کے بارے میں ←

فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ﴿١٧﴾ مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٨﴾ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ﴿١٩﴾ كِرَامٍ بَرَكَةٍ ﴿٢٠﴾ قَتَلَ الْإِنْسَانَ  
مَا أَكْفَرَهُ ﴿٢١﴾ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿٢٢﴾ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ﴿٢٣﴾

وہ عظمت والے صحیفوں (یعنی لوح محفوظ) میں ہے، ﴿۱۷﴾ جو بلند و بالا اور پاک صاف ہے، ﴿۱۸﴾ یہ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں ﴿۱۹﴾ جو بزرگ اور نیک ہیں، ﴿۲۰﴾ ہلاک ہو جائے انسان، یہ کس قدر ناشکرا ہے؟ ﴿۲۱﴾ اللہ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ ﴿۲۲﴾ (حقیر) قطرہ منی سے اللہ نے اس کو پیدا کیا، پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی۔ ﴿۲۳﴾

← مجھے میرے رب نے تنبیہ فرمائی: ”موجباً بما اعتبني فيه ربی“ اور پھر آپ ﷺ ان سے ان کی ضرورت دریافت کرتے، (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۱۱ تا ۲۱۳) — اس میں مسلمانوں کے لئے سبق ہے کہ کسی مسلمان کو اس کی غربت، اسباب و وسائل کی قلت اور عیب و معذوری کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا چاہئے، نیز خوش اخلاقی تو ہر ایک کے ساتھ ہونی چاہئے؛ لیکن اعزاز و اکرام کا اصل معیار اللہ تعالیٰ کی خشیت اور دین پر عمل کو بنانا چاہئے۔

بعض حضرات کو اس سے غلط فہمی ہوئی کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے سے مقدم مسلمانوں کی تربیت ہے؛ لیکن یہ درست نہیں ہے اور نہ یہ اس واقعہ کا منشا ہے، اس واقعہ کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ کسی شخص کو اس کی معذوری کی وجہ سے کمتر نہ سمجھنا چاہئے اور اور دنیاوی وجاہت کو جذبہ ایمانی پر ترجیح نہ دینی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسی ترتیب قائم نہیں فرمائی کہ مسلمانوں کی تربیت ہو، پھر غیر مسلموں کو دعوت دی جائے؛ بلکہ آپ نے ساتھ ساتھ دونوں کام انجام دیا ہے، ایک ہی وقت میں آپ صحابہ کی تربیت بھی فرماتے، ان کو دین سکھانے کا اہتمام بھی کرتے اور غیر مسلم قبائل پر اسلام کی دعوت بھی پیش کرتے، ان کے پاس اپنے نمائندے بھیجتے یا ان کو دعوتی خطوط تحریر کرتے؛ کیوں کہ نبی پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہوتا ہے، نہ کہ صرف ایمان والوں کی طرف، نیز اس اُمت کو بھی اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں کے لئے نہیں؛ بلکہ پوری اُمت کے لئے پیدا فرمایا ہے: ”كُنْتُمْ حَیْوَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ“ (آل عمران: ۱۱۰) بلکہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام بعض جہت سے زیادہ اہم ہے؛ کیوں کہ مسلمانوں کو دین کی تعلیم، دوزخ کی عارضی سزا سے بچانے یا ان کے درجات کو بلند کرنے کے لئے ہے اور عام طور پر مسلمانوں کو زندگی کے کسی نہ کسی مرحلہ میں توبہ کی توفیق ہو ہی جاتی ہے؛ جب کہ غیر مسلموں کو دعوت ابدی عذاب سے بچانے کے لئے ہے؛ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں انبیاء کے جو خطبات ذکر کئے گئے ہیں، زیادہ تر ان میں خطاب کافروں سے ہے نہ کہ مسلمانوں سے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی کام ضروری ہیں اور اس میں کوئی ایسی ترتیب نہیں ہے کہ جب تک ایک کام نہ ہو جائے، دوسرا کام نہ کیا جائے۔

﴿۱﴾ یعنی قرآن مجید لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، (معالم التنزیل: ۵/۲۱۰) وہ درجہ کے اعتبار سے بہت بلند ہے، اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی کی جائے، (تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۲۶) آیت نمبر: ۱۵ اور ۱۶ کا مطلب یہی ہے کہ وہ ان پاک طینت فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے، جنہوں نے اس کی کتابت کی ہے۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسْرُهُ ﴿١﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿٣﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٤﴾ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ﴿٥﴾ أَنَا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٦﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٧﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٨﴾ وَعَيْنًا وَقَضْبًا ﴿٩﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿١٠﴾ وَحَدَاقٍ غُلْبًا ﴿١١﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿١٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿١٣﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿١٤﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿١٥﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿١٦﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿١٧﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿١٨﴾

پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا، ﴿۱﴾ پھر اس کو موت دی پھر قبر میں پہنچا دیا، ﴿۲﴾ پھر اللہ جب چاہیں گے، اس کو دوبارہ زندہ کر دیں گے ﴿۳﴾ ہرگز نہیں! اللہ نے انسان کو جو حکم دیا ہے، اس نے اسے پورا نہیں کیا، ﴿۴﴾ تو اس کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے، ﴿۵﴾ کہ ہم نے ہی خوب پانی برسایا، ﴿۶﴾ پھر ہم نے ہی زمین کو اچھی طرح پھاڑ دیا، ﴿۷﴾ پھر ہم نے ہی اس میں اناج ﴿۸﴾ انگور، ترکاری ﴿۹﴾ زیتون اور کھجور ﴿۱۰﴾ گھنے گھنے باغات ﴿۱۱﴾ میوہ اور چارہ اُگایا، ﴿۱۲﴾ جو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لئے ہیں، ﴿۱۳﴾ تو جب کان بہرے کر دینے والا شور برپا ہوگا، ﴿۱۴﴾ تو اس دن انسان اپنے بھائی، ﴿۱۵﴾ اپنے ماں باپ ﴿۱۶﴾ اور اپنے بیوی بچوں سے بھی دُور بھاگے گا، ﴿۱۷﴾ اس دن ان میں سے ہر شخص کو خود ہی ایسی فکر ہوگی، جو اس کو دوسرے سے بے توجہ کر دے گی۔ ﴿۱۸﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء بنانے میں تناسب کا لحاظ رکھا، مثلاً سوچئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناک کو اس کے ہاتھوں کے برابر بنا دیا ہوتا تو اس کو ہاتھی کی طرح ایک سوئڈ اپنے ساتھ لے کر چلنا پڑتا، اور اگر اس کے پاؤں، ناک اور آنکھ کی طرح چھوٹے چھوٹے بنا دیئے تو اسے چوہوں کی طرح ریٹکنا ہوتا، تو کیا یہ انسان کے لئے بہتر شکل ہوتی؟ پھر راستہ کو آسان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے، بظاہر اس کا پیٹ سے باہر نکلتا اور ایک انتہائی تنگ راستہ سے گذرنا دشوار نظر آتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو آسان فرما دیا، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے اس کی یہی تشریح فرمائی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۱۸)

﴿۲﴾ اس سے مراد دوسرا صور پھوٹکا جانا ہے۔

﴿۳﴾ یعنی ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی، کسی کو دوسرے کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ ہوگا۔

﴿۴﴾ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: قیامت کے دن سارے لوگ اس طرح جمع کئے جائیں گے کہ سب کے سب ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں گے، حضرت عائشہ ؓ نے دریافت کیا: کیا ایک کی دوسرے کے ستر پر نظر نہ پڑے گی، مرد و عورت ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن معاملہ اتنا سخت ہوگا کہ کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا خیال بھی نہ ہوگا۔ (بخاری، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۶۱۶۲)

وَجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۖ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۖ وَوُجُوهٌُ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ ۚ

بہت سے چہرے اس دن روشن ہوں گے، ۳۸ ہنستے ہوئے، خوش و خرم! ۳۹ اور بہت سے چہرے غبار آلود ہوں گے ۴۰ جن پر کا لک لگی ہوگی، ۴۱ یہی کافر و بدکار لوگ ہوں گے۔ ۴۲





# سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

« سورة نمبر : (۸۱)

« رکوع : (۱)

« آیتیں : (۲۹)

« نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کی پہلی ہی آیت میں 'کُوْرَتْ' کا لفظ آیا ہے، عربی گرامر کے لحاظ سے 'کُوْرَتْ' کا مصدر تکویر ہے، اسی مناسبت سے سورہ کا نام تکویر ہے، اس سورہ کا بھی بنیادی مضمون قیامت ہے، قیامت قائم ہونے کے بعد دو مرحلے آئیں گے : ایک : یہ کہ دنیا ختم کر دی جائے گی اور کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

دوسرا : یہ کہ انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حساب و کتاب کا مرحلہ طے ہوگا — ان دونوں مرحلوں کا اس میں ذکر آیا ہے، اخیر میں قرآن مجید کی حقانیت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ یہ ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے اور جن پر یہ کلام اتارا گیا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ، وہ بھی بے حد معتبر و معتمد شخصیت ہیں، نہ ان کو جنوں ہے، جیسا کہ معاندین تہمت لگاتے ہیں، نہ وہ اللہ کے کلام کو بتانے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور نہ اس کلام میں شیطان کا کوئی دخل ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۖ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۖ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۖ وَإِذَا الْعِشَارُ  
 عُطِّلَتْ ۖ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۖ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۖ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۖ  
 وَإِذَا الْمَوْءَدَةُ سُيِّلَتْ ۖ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۖ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، ۱  
 ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، ۱ پہاڑ چلا دیئے جائیں گے ۲ دس ماہ کی گاہن اونٹیاں چھوڑ دی جائیں گی، ۱  
 جنگلی جانور جمع کر دیئے جائیں گے، ۲ سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے، ۳ ایک ایک قسم کے لوگ ایک جگہ  
 کر دیئے جائیں گے، ۴ اور جب زندہ دفن کر دی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، ۵ کہ وہ کس جرم میں مار ڈالی  
 گئی؟ ۵ اور جب نامہ اعمال کھولے جائیں گے۔ ۵

۱ ایسی اونٹیاں آدمی کو بہت محبوب ہوتی ہے؛ لیکن قیامت کی ہولناکی کچھ ایسی ہوگی کہ وہ اس کو بھول جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۲۸)  
 ۲ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے کہ انھیں اس لئے جمع کیا جائے گا کہ اگر ان میں سے ایک نے کسی دوسرے کے  
 ساتھ زیادتی کی ہوگی تو اس سے دوسرے کا بدلہ لیا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۲۹)  
 ۳ یعنی اس روز سمندر سے پانی کی لہروں کی بجائے آگ کے شعلے اٹھنے لگیں گے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اس کی یہی  
 تفسیر منقول ہے، (حوالہ سابق) اور سائنسی اعتبار سے یہ کوئی باعث تعجب بات نہیں؛ کیوں کہ پانی کے باہمی ٹکراؤ سے بجلی پیدا ہوتی  
 ہے؛ چنانچہ بہت سی جگہ سیلاب کے موقع پر اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ لوگوں کے جسم تھلس گئے اور کرنٹ سے موت واقع ہو گئی۔  
 ۴ جیسے تمام مسلمان ایک جگہ، ایمان نہ لانے والے ایک جگہ، وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۳۲)  
 ۵ عربوں کے بعض قبائل لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، کبھی تو اس کا سبب غربت و افلاس ہوتا تھا، کبھی یہ خوف کہ اگر دشمنوں نے  
 ان کو پکڑ لیا تو یہ باندیاں بنادی جائے گی، کبھی یہ اندیشہ کہ ان بیٹیوں کی وجہ سے کسی کو داماد بنانا پڑے گا، اور اس کو وہ اپنی عزت  
 و وقار کے خلاف سمجھتے تھے، اسلام نے اس بے جا ظالمانہ تصور کو ختم کیا، اور غور کیجئے کہ اور گناہوں کا ذکر تو نہیں کیا گیا؛ لیکن خاص  
 طور پر اس گناہ کا ذکر کیا گیا اور وہ بھی اس طرح کہ گویا اللہ تعالیٰ اتنے ناراض ہوں گے کہ ان لڑکیوں کے والدین سے خطاب کرنا  
 بھی پسند نہیں کریں گے، پھر خود ان بچیوں سے سوال کیا جائے گا کہ تم تو ابھی ظلم کرنے کے لائق بھی نہیں تھیں تو تم کو کس ظلم کے بدلہ زندہ  
 دفن کر دیا گیا؟

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی شخص اسی وقت سزا کا مستحق ہے، جب کہ اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو،  
 جس نے گناہ نہ کیا ہو، اس کو دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا؛ اس لئے صحیح یہ ہے کہ مشرکین کے بچے جو بالغ ہونے سے پہلے مر گئے  
 ہوں، وہ دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے۔ (مدارک التنزیل: ۱۳۲۴، روح المعانی: ۵۴/۳)

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۖ وَإِذَا الْجَبَاهِمُ سُعِّرَتْ ۖ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۖ عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا  
 أَحْضَرْتُ ۖ فَلَا أَقْسِمُ بِالْخُنُسِ ۖ الْجَوَارِ الْكُنُسِ ۖ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۖ وَالصُّبْحِ  
 إِذَا تَنَفَّسَ ۖ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۖ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۖ مُطَاعٌ ثَمَّ  
 أَمِينٍ ۖ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِبَجُنُونٍ ۖ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۖ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ  
 بِضَنِينٍ ۖ

اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی، (۱) جب دوزخ دہکائی جائے گی، (۲) اور جب جنت قریب  
 لائی جائے گی، (۳) تو ہر شخص جو عمل لے کر آیا ہے، وہ اس کو معلوم ہو جائے گا، (۴) تو میں قسم کھاتا ہوں ان  
 ستاروں کی، جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں، (۵) اور جو سیدھے چلتے اور چھپ جاتے ہیں، (۶) اور رات کی قسم، جب  
 وہ ختم ہونے لگے (۷) اور صبح کی قسم، جب وہ طلوع ہو (۸) یقیناً قرآن ایک معزز پیغام لانے والے (فرشتہ کالا یا ہوا)  
 کلام ہے، (۹) جو قوت والا ہے، عرش کے مالک کے نزدیک اونچے درجہ والا ہے، (۱۰) وہاں (یعنی عالم بالا میں)  
 اس کی بات مانی جاتی ہے، بڑا امانت دار بھی ہے، (۱۱) اور تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں، (۱۲)  
 انھوں نے اس فرشتہ کو روشن افق پر دیکھا ہے، (۱۳) اور یہ پیغمبر غیب کی باتوں کو (ظاہر کرنے) میں بخل کرنے والے  
 نہیں ہیں۔ (۱۴)

(۱) یعنی آسمان پر جو غلاف پڑا ہوا ہے، جس کی وجہ سے اس کا اندرون نظر نہیں آتا ہے، وہ سب کھل جائے گا اور جیسے زمین نظر آتی  
 ہے اسی طرح انسان کو آسمان نظر آئے گا۔

(۲) یعنی دوزخ تو پہلے سے سلگائی گئی ہے؛ لیکن اس دن اسے اور دہکا دیا جائے گا۔

(۳) حسن بصری ؒ سے منقول ہے کہ جنت تو اپنی جگہ پر ہوگی؛ لیکن اہل جنت جنت کے قریب لے جائے جائیں گے، اس  
 طرح گویا جنت قریب لے آئی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۳۵)

(۴) ”خُنُس“، خُنُس سے ہے، جس کے معنی پیچھے ہونے کے ہیں؛ اس لئے خُنُس کے معنی پیچھے ہٹ جانے والے ستارے،  
 گویا اس سے دن کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے، جب ستارے منظر سے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے، ”جوار“ کے معنی ان  
 چیزوں کے ہیں، جو چل رہی اور آگے بڑھ رہی ہوں، اور ”کُنُس“ کے معنی بھی چھپ جانے والے کے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے  
 ستارے کی قسم کھائی ہے اور اس کی تین صفتیں بیان فرمائی ہیں، ایک: دن کے وقت کی، جب وہ منظر سے چھپا ہوتا ہے اور نظر نہیں آتا،  
 دوسرے: رات کے وقت کی، جب اس کی حرکت نظر آتی ہے، تیسرے: جب اپنی منزل پر پہنچ کر ڈوب جاتا ہے، بہر حال قسم  
 ستاروں کی ہے اور ”الخُنُس، الجوار، الکُنُس“ اس کی مختلف کیفیتیں ہیں۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾

۱۶۹

اور نہ قرآن کسی شیطان مردود کا کلام ہے، ﴿۱﴾ ﴿۲۵﴾ پھر تم کہاں چلے جا رہے ہو؟ ﴿۲۶﴾ قرآن تو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے، ﴿۲﴾ ﴿۲۷﴾ (یعنی) تم میں سے اس شخص کے لئے جو سیدھا راستہ چلنا چاہے، ﴿۲۸﴾ اور تم دنیا جہان کے پروردگار اللہ کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے۔ ﴿۳﴾ ﴿۲۹﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۱۵ سے ۱۸ تک مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، پھر آیت نمبر: ۱۹ تا ۲۷ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن محمد ﷺ کی گھڑی ہوئی کتاب نہیں ہے؛ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور یہ دو انتہائی معتبر شخصیتوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے، ایک: حضرت جبرئیل ؑ، جو اس کتاب کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، دوسرے: محمد ﷺ، جن کو تمہاری ہدایت کے لئے نبی بنایا گیا، آیت نمبر: ۱۹ سے لے کر ۲۱ تک حضرت جبرئیل ؑ کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ قرآن لانے والے فرشتے اللہ کے دربار کے ایک معزز فرشتہ ہیں؛ اس لئے یہ کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ نہیں سکتے، وہ بڑے طاقتور بھی ہیں؛ اس لئے شیطان یا کوئی اور شخص زبردستی ان کے لئے قرآن لانے والے کلام میں کمی بیشی نہیں کر سکتا، ایسے ویسے نہیں ہیں؛ بلکہ مالک عرش کے نزدیک ان کا اونچا درجہ ہے، عالم بالا میں فرشتے ان کی باتیں مانا کرتے ہیں، اور وہ فرشتوں کے سردار ہیں، حد درجہ محتاط ہیں کہ ان سے خیانت کا اندیشہ نہیں، یہ تو قرآن مجید کے لانے والے فرشتے کا حال ہے، اب تم اپنے ساتھی محمد ﷺ کے بارے میں سنو کہ وہ دیوانہ نہیں ہیں، نہ وہ کسی وہم میں مبتلا ہیں؛ بلکہ انھوں نے کھلی آنکھوں حضرت جبرئیل ؑ کو آسمان کے اُفق پر دیکھا ہے؛ اس لئے وہ جانا پہچانا فرشتہ ہے، وہ دھوکہ نہیں کھا سکتے کہ کسی اور کے لئے ہوئے کلام کو اللہ کا کلام سمجھ لیں، تم انھیں کاہن کہتے ہو، یہ بھی غلط ہے، کاہن کو عالم غیب کی بات معلوم نہیں ہوتی، وہ تو اُکل پر بات کرتا ہے؛ لیکن پیغمبر کو غیب کی بعض باتیں بتائی جاتی ہیں، جس میں گذشتہ قوموں کی خبریں بھی ہیں، آئندہ کی پیشین گوئیاں بھی ہیں، جنت و دوزخ کے حالات بھی ہیں، اور قیامت میں پیش آنے والے واقعات بھی ہیں اور وہ ان تمام باتوں کو بے کم و کاست اور بلا کسی اجرت و معاوضہ کے تمہیں بتاتے بھی ہیں، جب کہ دنیا کے لالچی لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اُکل کی کوئی بات بھی بتاتے ہیں تو اس پر پیسے وغیرہ وصول کرتے ہیں؛ اس لئے تمہیں بھی یقین ہونا چاہئے کہ یہ شیطان مردود کا کلام نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے — رسول اللہ ﷺ نے یوں تو حضرت جبرئیل ؑ کو بار بار دیکھا ہے؛ لیکن آیت نمبر: ۲۳ میں جو حضرت جبرئیل ؑ کو دیکھنے کی بات فرمائی، اس سے مراد حضرت جبرئیل ؑ کو اصل صورت میں دیکھنا ہے، (تفسیر طبری: ۱۶/۲۴) اور روشن اُفق سے مراد مشرق کا رُخ ہے؛ کیوں کہ یہیں سے سورج نکلتا ہے اور اس کی روشنی پھیلتی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۴)

﴿۲﴾ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کسی خاص قوم، نسل، علاقہ اور زبان کے لوگوں کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے اور آپ کے اوپر اُتاری جانے والی کتاب بھی تمام عالم کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔

﴿۳﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو درست اور نادرست راستہ بتا دیا ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر دی ہے؛ لیکن بہر حال وہ خیر کے راستہ کو اسی وقت اختیار کرتا ہے، جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق سے نوازا جائے۔



# سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ

« سورہ نمبر : (۸۲) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۱۹) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

یہ سورہ ”اذا السماء انفطرت“ (جب آسمان پھٹ جائے گا) کے الفاظ سے شروع ہوئی ہے، انفطرت کا مصدر عربی گرامر کے اعتبار سے انفطار ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام سورہ انفطار ہے۔

گذشتہ سورتوں کی طرح اس میں بھی قیامت کے قائم ہونے کے ہولناک مناظر پیش کئے گئے ہیں، نیکوں اور بدوں کے انجام کو ذکر فرمایا گیا ہے اور سورہ کے آخر میں تنبیہ کی گئی ہے کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے کام نہیں آسکے گا، صرف اللہ ہی کا حکم چلے گا۔

اس سورہ، نیز سورہ تکویر اور اذا السماء انشقت میں قیامت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو قیامت کو اس طرح دیکھنا چاہتا ہو کہ گویا وہ اس کے سامنے ہے، تو اسے ”اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت“ پڑھنی چاہئے: ”من سره أن ينظر إلى القيامة كأنه رأى عين فليقرأ إذا الشمس كورت، وإذا السماء انفطرت، وإذا السماء انشقت الخ“۔ (مسند احمد، عن عبد اللہ ابن عمرؓ، حدیث نمبر: ۴۸۰۶)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۖ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۖ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۖ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۖ عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۚ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۖ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوِّكَ فَعَدَلَكَ ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جب آسمان پھٹ جائے گا، (۱) (۱) تارے بکھر جائیں گے، (۲) (۲) سمندر اُبل پڑیں گے، (۳) (۳) اور قبریں اُلٹ پلٹ دی جائیں گی، (۴) (۴) اس وقت ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا؟ (۵) (۵) اے انسان! تم کو کس چیز نے اپنے محسن رب سے غفلت میں مبتلا کر دیا؟ (۶) (۶) جس نے تم کو بنایا، پھر (تمہارے اعضاء) درست کئے، پھر تم کو اعتدال پر بنایا۔ (۷) (۷)

(۱) یعنی آسمان میں شگاف پیدا ہو جائے گا۔

(۲) تارے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گے۔

(۳) سمندروں کے درمیان جور کا وٹیں ہیں وہ ختم ہو جائیں گے، ان کا سکون ایک ایسے موج میں تبدیل ہو جائے گا کہ سارے سمندر مل کر ایک ہو جائیں گے۔

(۴) یعنی قبریں اس طرح توڑ پھوڑ دی جائیں گی کہ ان کا نچلا حصہ اوپر آجائے گا اور مُردے وہاں سے نکال دیئے جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۴۴)

(۵) 'آگے بھیجے ہوئے' سے مراد اس کے اپنے اعمال ہیں، اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے مراد وہ اچھے کام ہیں، جن کی بنیاد اس نے رکھی تھی، جیسے دین کی نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت اور خدمت خلق کے ادارے یا مسجدیں وغیرہ۔

(۶) غور کیجئے! کتنی شفقت و محبت ہے اس خطاب میں، فضیل بن عیاض ؒ سے پوچھا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ کو اپنے سامنے کھڑا کریں اور یہی سوال کریں تو آپ کیا جواب دیں گے؟ فرمایا: عرض کروں گا کہ آپ کی ستاری اور پردہ پوشی نے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۴۶)

(۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری تخلیق میں اعتدال اور تناسب کا پورا پورا خیال رکھا، جن اعضاء کو بڑا ہونا چاہئے، ان کو بڑا بنایا، جن کو چھوٹا بنانا چاہئے، ان کو چھوٹا بنایا، انسانی جسم کو بہت سے اجزاء کی ضرورت ہے، نمک کی، شکر کی، پتھر و لوہے کی، چو نے اور مٹی کی، کوئی چیز اپنی مناسب مقدار سے بڑھ جائے تو وہ بھی انسان کے لئے نقصان دہ ہے اور اپنی مطلوبہ مقدار سے گھٹ جائے تو وہ بھی تکلیف دہ ہے، ان سب کا لحاظ کرتے ہوئے تمہیں اعتدال کے ساتھ بنایا گیا۔

فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۖ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالذِّينِ ۖ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۖ  
 كِرَامًا كَاتِبِينَ ۖ يَخْلُقُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۖ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۖ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي  
 جَحِيمٍ ۖ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الذِّينِ ۖ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۖ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ  
 الذِّينِ ۖ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الذِّينِ ۖ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ  
 لِلَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ ۖ

۱  
۲

اور جس صورت میں چاہا، تمہیں جوڑ دیا، ﴿۱﴾ ہرگز نہیں! بلکہ تم تو جزاء و سزا کو جھٹلاتے ہو، ﴿۲﴾ حالاں کہ تم پر نگہبان مقرر ہیں، ﴿۳﴾ جو باعزت ہیں، (تمہارے کاموں کو) لکھنے والے ہیں، ﴿۴﴾ تم جو کچھ کرتے ہو، وہ اس سے واقف ہیں، ﴿۵﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے، ﴿۶﴾ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے، ﴿۷﴾ وہ بدلہ کے دن اس میں داخل ہوں گے ﴿۸﴾ اور وہ اس سے غائب نہ ہو سکیں گے، ﴿۹﴾ اور (اے پیغمبر!) آپ کو کیا خبر کہ بدلہ کا دن کیا ہے؟ ﴿۱۰﴾ آپ کو کیا خبر کہ بدلہ کا دن کیسا ہے؟ ﴿۱۱﴾ یہ وہ دن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کا کوئی بھلا نہ کر سکے گا اور اس دن تمام تر اللہ ہی کا حکم چلے گا۔ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ یعنی مرد بنانا چاہا تو مرد بنا دیا، عورت بنانا چاہا تو عورت بنا دیا، اور چاہا تو تیسری صنف بنا دیا، کسی کو پانچ کی بجائے چھ انگلیاں دے دیں وغیرہ۔

﴿۲﴾ یعنی: وہ فرشتے جو دن و رات تمہاری نگرانی کر رہے ہیں، اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ایمان والوں کی طرح ایمان نہ لانے والوں پر بھی رکھے گئے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۴۸)



# سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ

«سورہ نمبر : (۸۳)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۳۶)

«نوعیت : مکی

آسان تفہیم قرآن مجید

”مطففین“ کے معنی کم تولنے اور ناپنے والے کے ہیں، یعنی جو دوسروں کو دینے میں پیمانہ کم کر کے رکھے اور اپنا حق وصول کرنے میں پیمانہ بڑھا کر رکھے؛ چوں کہ اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں ایسے لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی تنبیہ کی گئی ہے اور اس کو ”ویل للمطففین“ کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے؛ اس لئے اس سورہ کا نام ”مطففین“ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ یہ آپ پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور یہ مکہ میں نازل ہونے والی آخری سورہ ہے، جب کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے پیمانے درست نہیں تھے، اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی؛ بلکہ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی پہلی سورہ ہے، بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکی زندگی کے آخر میں یہ سورہ نازل ہوئی اور جب آپ مدینہ تشریف لائے اور یہاں آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں کوتاہی دیکھی تو آپ نے اس سورہ کی ان پر تلاوت فرمائی، اس بنا پر بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ سورہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، ورنہ اصل میں یہ سورہ مکی ہے، جس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اہل مکہ عام طور پر تاجر تھے؛ اس لئے ان سے ناپ تول میں کمی بیشی کا زیادہ امکان تھا۔

سورہ کی ابتدا میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس جرم پر جس چیز نے آمادہ کیا ہے، وہ ہے: آخرت کا انکار، پھر نیکوں کو جو انعامات دیئے جائیں گے، ان کا، اور نافرمانی کرنے والوں کو جو سزا دی جائے گی، ان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اخیر میں کفار و مشرکین کی اس بُری عادت کا تذکرہ ہے کہ بجائے اس کے وہ اپنے دامنِ عمل کو دیکھیں، وہ مخلص مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو آخرت میں وہ وقت آئے گا کہ مسلمان ان کا مذاق اڑائیں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝۱ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝۲ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝۳ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝۴ لِّيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے، ۝ جب وہ ناپ کر لوگوں سے لیں تو پورا پورالیں، ۝ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر کے دیں، ۝ کیا ان کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ۝۴ ۝۵

۱) جب کسی قوم میں آخرت میں جواب دہی کا احساس ختم ہو جاتا ہے تو اس میں سماجی بگاڑ بھی بڑھ جاتا ہے؛ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بگاڑ کی جو بہت سی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں، ان ہی میں ایک معاملات میں بددیانتی بھی تھی اور اسی کی ایک شکل ناپ تول میں کمی تھی، خاص کر یہ مرض مدینہ میں زیادہ تھا، غالباً یہودیوں کی صحبت کی وجہ سے ان میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ ؓ پر سب سے پہلے یہی آیات نازل ہوئیں، (نسائی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۱۱۶۵۴) اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی رائے ہے کہ سورہ مطففین مدنی سورہ ہے؛ البتہ آیت نمبر: ۲۹ سے اخیر تک ۸ آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۵۰) تطفیف کے معنی ناپ میں کمی کے ہیں، حضرت شعیب ؓ کی قوم پر عذاب آنے کا بنیادی سبب یہی تھا، (ہود: ۸۴-۸۵) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ پانچ گناہوں کی وجہ سے پانچ قسم کا عذاب آتا ہے: جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط فرما دیتے ہیں، جب لوگ اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں تو ان میں فقر و محتاجی اور معاشی پسماندگی پیدا ہو جاتی ہے، جب کسی قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے تو ان میں وبائی بیماری پھوٹ پڑتی ہے، جب ناپ تول میں کمی کرتے ہیں تو پیداوار رک جاتی ہے اور قحط پیدا ہو جاتا ہے اور جب زکوٰۃ نہیں دی جاتی تو ان سے بارش رک جاتی ہے۔ (المعجم الکبیر، عن ابن عباس، حدیث نمبر: ۱۰۹۹۲)

ناپ تول سے صرف ترازو یا وہ پیمانہ ہی مراد نہیں ہے، جس سے چیزیں ناپی جاتی ہیں؛ بلکہ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جو پیمائش اور مقدار کے جاننے کا ذریعہ ہوں، چاہے وہ ترازو سے تولی جاتی ہو، پیمانے سے ناپی جاتی ہو، ان کو ہاتھ اور گز سے ناپا جاتا ہو، گن کر ان کی مقدار معلوم کی جاتی ہو، کسی الیکٹرانک آلہ سے اس کی مقدار جانی جاتی ہو، جیسا کہ موجودہ دور میں الیکٹرونک میٹر، یا گاڑیوں کے میٹر، یا جیسے میڈیکل ٹسٹ کی صورت ہے، جس کے ذریعہ جسم میں کسی چیز کی زیادتی اور کمی کو معلوم کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض چیزوں میں مقدار کی حیثیت پیمائش کی ہوتی ہے کہ آپ کو اتنی مقدار کے عوض کام کرنا ہے، کبھی وقت کو پیمانہ بنایا جاتا ہے، جیسے کبھی ڈیوٹی چھ گھنٹے کی ہوتی ہے اور کبھی آٹھ گھنٹے کی، غرض کہ کسی شے یا کام کی مقدار جاننے کی جو بھی صورت ہو، اگر اس کو کسی کے ساتھ انجام دیا گیا اور اجرت یا قیمت پوری پوری لی گئی تو یہ سب کم تولنے میں شامل ہے؛ اس لئے غور کیا جائے تو آج معاشرہ میں کم تولنے کا رواج عام ہو گیا ہے، اچھے اچھے بظاہر دین دار اور دینی کاموں سے لگے ہوئے لوگ بھی اس معاملہ میں غفلت اور کوتاہی کا شکار ہیں۔

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لَفِي سَجِينٍ ۖ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِينٌ ۖ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۖ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۖ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۖ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۖ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۖ كَلَّا بَلْ رَأَىٰ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۖ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ۖ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۖ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۖ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عَلِيِّينَ ۖ

جس دن تمام لوگ سارے جہان کے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہوں گے، (۱) (۲) سن لو! کہ بدکار لوگوں کا نامہ اعمال سچین میں ہے (۳) اور آپ کو معلوم بھی ہے کہ سچین کیا ہے؟ (۴) ایک لکھا ہوا دفتر ہے (۵) (۶) اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے، (۷) جو بدلہ کے دن کو جھٹلاتے ہیں، (۸) اور اس کو وہی شخص جھٹلاتا ہے، جو حد سے نکل جانے والا اور گنہگار ہے، (۹) جب اس پر ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں (۱۰) ہرگز ایسا نہیں ہے؛ بلکہ ان کی بد اعمالیوں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے، (۱۱) (۱۲) ہرگز ہرگز ایسا نہیں (کہ قیامت قائم نہ ہو)، یہ لوگ اُس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے روک دیئے جائیں گے (۱۳) پھر یہ لوگ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے (۱۴) پھر ان سے کہا جائے گا: یہی تو وہ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، (۱۵) سن لو کہ نیک لوگوں کے نامہ اعمال علیین میں رہیں گے۔ (۱۶)

(۱) قرآن مجید نے بنیادی بات کہی ہے کہ ایسے گناہوں سے وہی شخص بچ سکتا ہے، جس کو آخرت کا یقین ہو، اگر یہ نہ ہو تو انسان کی آنکھوں پر بھی پردہ ڈالا جاسکتا ہے اور قانون کو بھی دھوکا دیا جاسکتا ہے۔

(۲) سچین کے اصل معنی قید خانے کے ہیں، گویا جس دفتر میں بدکار لوگوں کے نامہ اعمال کو محفوظ کیا جائے گا، اس کا نام 'سچین' ہے، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نافرمانوں کی روحوں سچین میں رکھی جائیں گی، (الدر المنثور: ۸/۴۳۳) دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، ممکن ہے کہ یہ ایک ایسا مقام ہو جس میں ایسے لوگوں کی روحوں کو بھی رکھا جائے، اور وہیں ان کے اعمال کا دفتر بھی رکھ دیا گیا ہو؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے کچھ لوگوں نے یہی بات نقل کی ہے: "إِنَّ أَرْوَاحَ الْفُجَارِ وَأَعْمَالَهُمْ لَفِي سَجِينٍ"۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۵۷)

(۳) یعنی جیسے پانی لوہے کو زنگ آلود کر دیتا ہے، اسی طرح گناہ سے انسان کے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے، حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، پھر اگر اس سے باز آ گیا اور توبہ کر لی تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر اسی گناہ کو بار بار کرتا رہا تو زنگ اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۳۴)

وَمَا أَذْرِكَ مَا عَلَيْكَ ۖ كَتَبَ مَرْقُومٌ ۖ يَشْهَدُ الْمُقَرَّبُونَ ۖ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۖ  
عَلَى الْأَرْآئِكَ يَنْظُرُونَ ۖ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۖ يُسْقُونَ مِنْ رَحِيْقٍ  
مَخْتُومٍ ۖ خِتْمُهُ مِسْكَ ۖ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۖ وَمَرْآجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ۖ  
عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۖ

اور آپ کو معلوم ہے کہ علین کیا چیز ہے؟ ۱ ایک لکھا ہوا دفتر، ۲ جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں، ۱ اور ۲ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک لوگ آرام میں ہوں گے، ۳ وہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے، ۲ اور آپ ان کے چہرے ہی سے آرام و راحت کی تروتازگی معلوم کر لیں گے، ۳ ان کو مہربند (بوتل) سے خالص شراب پلائی جائے گی، ۴ جس کی مہر مشک کی ہوگی، جو لوگ ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے ہیں، ان کو ایسی ہی چیز میں بازی لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے، ۵ اور اس میں تسنیم کی ملاوٹ ہوگی، ۴ یعنی وہ چشمہ جس سے (اللہ کے) مقرب بندے پیا کریں گے۔ ۳ اور ۴

۱ جیسے گنہگار لوگوں کے نامہ اعمال سچین میں رکھے جاتے ہیں، ویسے ہی نیک لوگوں کے نامہ اعمال 'علین' میں، حضرت براء بن عازب ؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ یہ مقام ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے، (مسند احمد: ۴/۲۸۷، حدیث نمبر: ۱۸۵۵) اور بعض روایتوں میں ہے کہ مومن کی روحیں بھی اسی درجہ میں ہیں تو گویا علین میں نیک لوگوں کے نامہ اعمال بھی ہیں اور ان کی روحیں بھی، اور ان کے اعزاز و احترام کے طور پر ایسے فرشتے جن کو خصوصی درجہ و مقام حاصل ہے، وہاں موجود رہتے ہیں؛ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ جب فرشتے ایسے بندوں کے اعمال کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں تو وہاں موجود فرشتے ان کا استقبال کرتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۶۳)

۲ یعنی جنت کے مناظر اور اللہ کے انعامات کو نیز اہل دوزخ پر ہونے والے عذاب کو دیکھتے ہوں گے۔

۳ یہ تو آخرت کا ذکر ہے؛ لیکن اس میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ انسان کا چہرہ اس کی اندرونی کیفیات کا مظہر ہوتا ہے، اور صحت و بیماری کو اس کے ذریعہ جانا جاسکتا ہے، یہ طب کا ایک اہم اصول ہے، موجودہ دور میں تو مریض کی شناخت کے لئے جدید میڈیکل وسائل پیدا ہو گئے ہیں؛ لیکن قدیم زمانہ میں اطباء کا زیادہ تر ایسی ہی علامتوں پر انحصار ہوا کرتا تھا۔

۴ غرض کہ تسنیم ایک ایسا چشمہ ہوگا، جس سے جنت کا سب سے اہم مشروب جاری ہوگا اور اہل جنت میں سے بھی جو سب سے اونچے مرتبہ والے ہوں گے، یہ ان کو پیش کی جائے گی، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۶۶؛ تفسیر کبیر: ۱۵/۲۸۸) اس مشروب کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے وہ آیت پڑھی کہ اہل جنت کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کے جو سامان چھپا کر رکھے گئے ہیں، کوئی انسان اسے سوچ بھی نہیں سکتا۔ (السجدہ: ۱۷، دیکھئے: مفاتیح الغیب: ۱۵/۲۸۷)

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٨٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٩٠﴾  
وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٩١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٩٢﴾ وَمَا  
أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ﴿٩٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٩٤﴾ عَلَىٰ الْأَرَآئِكِ  
يَنْظُرُونَ ﴿٩٥﴾ هَلْ تُؤِثُّبُ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٩٦﴾

۸۶۶

مجرم لوگ مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے، ﴿۸۹﴾ اور جب ان کے پاس سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں  
آنکھیں مار کر اشارے کیا کرتے تھے، ﴿۹۰﴾ اور جب اپنے گھروں کو واپس ہوتے تھے تو دل لگیاں کرتے ہوئے  
جاتے تھے، ﴿۹۱﴾ اور جب ان کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں، ﴿۹۲﴾ حالاں کہ ان کو مسلمانوں پر  
نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا، ﴿۹۳﴾ تو آج مسلمان کافروں پر ہنستے ہوں گے، ﴿۹۴﴾ وہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے  
ہوں گے، ﴿۹۵﴾ کہ کافروں کو تو ان کی حرکتوں کا خوب بدلہ ملا۔ ﴿۹۶﴾





# سُورَةُ الْأَنْشِقَاقِ

«سورہ نمبر : (۸۴)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۲۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی ابتدا ”إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ“ سے ہوئی ہے، عربی گرامر کے اعتبار سے ”انشقت“ کا مصدر انشقاق ہے؛ اس لئے سورہ کا نام ”انشقاق“ ہے۔  
 گذشتہ سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی بنیادی طور پر قیامت کا ذکر ہے؛ کہ جب قیامت قائم ہوگی تو کیا صورت حال پیش آئے گی، پھر اچھے لوگوں کو ان کا نامہ اعمال کس طرح دیا جائے گا اور بُرے لوگوں کو کس طرح؟ اور اخیر میں ایمان نہ لانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے اور انھیں سخت عذاب پر متنبہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورہ میں سجدہ فرمایا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۸۰)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ۖ وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۖ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۖ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۖ وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۖ يَأْتِيهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلْقِيهِ ۖ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بَيِّنَاتٍ ۖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۖ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۖ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۱﴾ (یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا، ﴿۱﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم بجالائے گا، ﴿۲﴾ اور اس پر یہی لازم بھی ہے، ﴿۲﴾ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی، ﴿۳﴾ اور جو کچھ زمین کے اندر ہے وہ اسے اُگل دے گی اور خالی ہو جائے گی، ﴿۳﴾ اور اپنے پروردگار کے فرمان پر عمل کرے گی اور یہی اس پر لازم ہے، ﴿۴﴾ اے انسان! تو اپنے پروردگار تک پہنچنے میں بھرپور کوشش کرتا جا رہا ہے، پھر تو اس سے (یعنی اپنے اچھے یا بُرے عمل کی جزاء سے) جا ملے گا، ﴿۵﴾ تو جس شخص کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا، ﴿۶﴾ تو اس سے تو آسان حساب لیا جائے گا، ﴿۷﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوش خوش واپس آئے گا، ﴿۸﴾ جس کو اس کا نامہ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا۔ ﴿۹﴾

﴿۱﴾ ”إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ“ سے پہلے عربی گرامر کے لحاظ سے بعض مفسرین کے قول کے مطابق ’اُذْكَر‘ (یاد کرو) مخذوف ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۳۷۱)

﴿۲﴾ ”أَذْنَتْ“ کے اصل معنی ہیں کہ آسمان کان لگا کر سننے لگا؛ لیکن اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالائے گا؛ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَأَذْنَتْ أَيْ اسْتَمَعَتْ وَانْقَادَتْ لِرَبِّهَا“ (تفسیر مظہری: ۱۲/۳۳۴، تفسیر بیضاوی: ۵/۴۶۸) اُردو زبان میں بھی اس طرح کا محاورہ ہے کہ ماننے کو سننے سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو میری بات سنتا ہی نہیں، مراد یہ ہے کہ مانتا نہیں ہے، اور ”حُقَّتْ“ کے معنی ہے کہ یہی اس کا فریضہ ہے اور اس کو یہی کرنا چاہئے، دوسری قومیں جن چیزوں کی پوجا کرتی ہیں یا تو اس کا تعلق آسمان سے ہوتا ہے، جیسے: چاند، سورج، ستارے وغیرہ، یا زمین سے ہوتا ہے، جیسے: پہاڑ، دریا، درخت، جانور، مٹی کے بنائے ہوئے بت وغیرہ، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے احکام کے پابند ہیں اور ان پر احکام الہی کی تعمیل لازم کر دی گئی ہے، تو جو چیز خود کسی اور ذات کی پابند ہو وہ خدا کیسے ہو سکتی ہے؟ ﴿۳﴾ زمین کے اندر کی چیزوں میں وہ مُردے بھی شامل ہیں، جو دفن کئے گئے ہیں، اور وہ قدرتی وسائل بھی شامل ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین کی تہوں میں رکھ دیئے گئے ہیں۔

﴿۴﴾ غرض کہ سامنے سے نامہ اعمال دینا اس بات کی علامت ہوگی کہ اس کے اعمال اچھے ہیں اور پیچھے کی طرف سے نامہ اعمال دیا جانا اس بات کی علامت ہوگی کہ اس کے اعمال بُرے ہیں۔

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مُسْرُورًا ۝ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَخُورَ ۝ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَبْرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرَكُنَّ بَطِيقًا عَنْ طَبَقِ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ۝ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

۲۵

السجدة ۳۰

تو وہ موت کو پکارے گا، (۱) اور وہ دوزخ میں داخل ہوگا، (۲) یقیناً وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں مست رہا کرتا تھا، (۳) اس کا خیال تھا کہ وہ (اللہ کی طرف) واپس نہیں ہوگا، (۴) کیوں نہیں؟ یقیناً اس کا پروردگار اس کو اچھی طرح دیکھ رہا تھا، (۵) تو میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی (۶) اور رات کی (۷) اور ان چیزوں کی جن کو وہ سمیٹ لیتی ہے، (۸) اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جاتا ہے (۹) تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے، (۱۰) پھر انھیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے؟ (۱۱) اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے، (۱۲) بلکہ یہ ایمان نہ لانے والے جھٹلاتے ہیں، (۱۳) اور جن باتوں کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، اللہ ان سے خوب واقف ہیں، (۱۴) تو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، (۱۵) مگر ہاں جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے، ان کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ (۱۶)

- (۱) تاکہ بھلے ہی ایک دفعہ مرنے کی تکلیف ہو جائے؛ لیکن ہمیشہ کے عذاب سے تونچ جائیں۔
- (۲) یعنی قیامت تو آتی ہی تھی اور نیکی اور بدی کا حساب تو ہونا ہی تھا؛ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ مسلسل اس کی نگرانی کر رہے تھے۔
- (۳) عربی زبان میں سورج کے ڈوبنے کے بعد اس کی روشنی کا جواثر باقی رہ جائے، اس کو شفق کہتے ہیں، یہ روشنی پہلے مرحلہ میں سرخ رہتی ہے، یہ شفق احمر کہلاتا ہے، اور بعد کے مرحلہ میں سفید، اس کو شفق ابیض کہا جاتا ہے، تو یہاں شفق احمر کی قسم کھائی گئی ہے۔
- (۴) عام طور پر رات ہوتی ہے تو جانور اور پرندے اپنے اصطبلوں اور گھونسلوں میں واپس آ جاتے ہیں، یہاں تک کہ انسان بھی اپنے گھروں کو واپس آنے کی کوشش کرتا ہے، (جلالین: ۸۰۰) سعید بن جبیر ؓ نے فرمایا: اس میں وہ عبادتیں بھی شامل ہیں، جو رات کے وقت ادا کی جاتی ہیں، جیسے نماز تہجد اور استغفار۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۷۶)
- (۵) یعنی جیسے چاند کی یہ کیفیت ہے کہ کبھی تو ڈوب جاتا ہے اور کبھی ماہِ کامل بن کر سامنے آتا ہے، اسی طرح انسان کو بھی ایک کیفیت پر قائم نہیں رکھا گیا ہے، ایک زمانہ میں اس کا وجود ہی نہیں تھا، پھر پیدا ہوا، پھر اس پر موت آئے گی، پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔
- (۶) یہاں سجدے سے مراد احکام الہی کے سامنے جھک جانا ہے، صرف سجدے کا عمل انجام دینا مراد نہیں ہے، (تفسیر بیضاوی: ۱۷۹/۱۷۹)
- فقہاء حنفیہ نے اس سے سجدہ تلاوت کے واجب ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص: ۳/۴۷۲)



# سُورَةُ الْبُرُوجِ

« سورہ نمبر : (۸۵) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۲۲) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کی پہلی ہی آیت میں آسمان کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے:  
 ”وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ“ اسی لئے اس سورہ کا نام ’بروج‘ ہے۔

اس سورہ کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی، جب مسلمان کفار و مشرکین کی طرف سے سخت آزمائش سے گذر رہے تھے؛ چنانچہ اس میں ’اصحابُ الاخدود‘ کا ذکر آیا ہے، جن کے واقعہ کی تفصیل آیت نمبر: ۴ کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے، یہ گویا مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور ثابت قدمی کی تعلیم ہے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم روا رکھنے والوں کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ جو حشر پہلے کے ظالموں کا ہوا ہے، وہی حشر اُن کا بھی ہونے والا ہے، اللہ نے فرعون و شمود اور کیسے سرکشوں سے اپنی زمین کو پاک کر دیا، اگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عشاء میں ’والسما ذات البروج‘ اور ’والسما والطارق‘ کی تلاوت کیا کرتے تھے: ”کان یقرأ فی العشاء الآخرة بالسما—یعنی لذات البروج— ووالسما والطارق“۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۸۳۳۲)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْوَعْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۝ قَتَلَ أَصْحَابُ  
الْأُخْدُودِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی، ۝ (۱)  
اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے، ۝ (۲) اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس میں حاضر ہوا جاتا ہے، ۝ (۳)  
کہ خندقوں والے مارے گئے۔ ۝ (۴)

۱) یہاں آسمان سے مراد وہ نیلگوں فضا ہے، جو ہمیں نظر آتی ہے اور جس کو ہم آسمان کہتے ہیں، ”برج“ کے معنی اصل میں بڑے محل کے ہیں، حسن بصری ؒ اور بعض اور مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں، جو فضا میں ٹھہرے ہوئے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۸۳) اور جو یقیناً اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی اور اس کی قدرت کا مظہر ہیں کہ یہ سب ایک ہی فضا میں تیر رہے ہیں؛ لیکن ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، لاکھوں سال سے گردش لگا رہے ہیں؛ لیکن ان کی رفتار میں کوئی فرق نہیں، اس سے وہ بُرجیں مراد نہیں ہیں، جو قدیم زمانہ میں اہل نجوم نے متعین کئے تھے، جن کی تعداد بارہ ہے اور ان کا خیال تھا کہ سورج ہر برج میں ایک ماہ رکتا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، موجودہ سائنس بھی اس کو قبول نہیں کرتی۔  
۲) یعنی قیامت کا دن۔

۳) ”شاہد اور مشہود“ — حاضر ہونے والے دن اور جس دن حاضر ہوا جاتا ہے — سے کونسا دن مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے؛ لیکن حضرت ابو ہریرہ ؓ کی ایک روایت — جو خود رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے — اس کو اچھی طرح واضح کر دیتی ہے کہ ”یوم موعود“ سے مراد قیامت کا دن ہے، شاہد سے ”جمعہ“ کا دن اور مشہود سے ”عرفہ“ کا دن یعنی ۹ ذی الحجہ، امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور حسن یعنی معتبر قرار دیا ہے۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۳۹)

۴) یہاں ”قتل“ کے اصل معنی تو ہیں مارے گئے؛ لیکن یہ لفظ یہاں لعنت کے معنی میں ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ قرآن میں جہاں بھی ”مارے گئے“ کا لفظ آیا ہے، اس کے معنی ہیں: اس پر لعنت ہو، (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۸۶) یہاں ان لوگوں پر لعنت کی گئی ہے، جنہوں نے کھائیوں کو آگ سے بھر کر ان میں ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کو ڈال دیا تھا، یہ واقعہ کن لوگوں کے ساتھ پیش آیا اور کس طرح پیش آیا؟ قرآن مجید میں اس کی صراحت نہیں ہے؛ لیکن حدیث میں تفصیل سے اس کا ذکر آیا ہے؛ چنانچہ حضرت صہیب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلی قوموں میں ایک بادشاہ تھا، جس کا ایک جادوگر تھا، جب جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں؛ اس لئے کسی نوجوان کو میرے پاس بھیج دیں کہ میں اس کو جادو سکھا دوں، بادشاہ نے ایک نوجوان کو اس کے پاس بھیج دیا، وہ جب جاتا تو اس کے راستے میں ایک راہب یعنی عیسائی درویش کی خانقاہ ملتی، تو وہ اس کے پاس بیٹھ جایا کرتا، پھر جب وہ دیر سے جادوگر کے پاس پہنچتا تو وہ اس کی سرزنش کرتا، —

← نوجوان نے راہب سے شکایت کی تو اس نے تدبیر بتائی کہ جب تم جادوگر کے یہاں تاخیر سے پہنچو تو کہہ دو کہ مجھے میرے گھر والے نے روک لیا اور جب گھر پہنچنے میں دیر ہو تو کہہ دو کہ جادوگر کے یہاں دیر ہو گئی، بہر حال ایک دن ایسا ہوا کہ راستہ میں ایک شیر ملا، جس کے خوف سے سارے لوگ رُکے ہوئے تھے، نوجوان نے سوچا کہ آج اس بات کا موقع ہے کہ ہم آزمائیں کہ جادوگر بہتر ہے یا راہب؟ چنانچہ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے شیر پر پھینکا کہ اگر آپ کے نزدیک راہب کا عمل جادوگر کے عمل سے زیادہ پسندیدہ ہے تو اس کو مار دیجئے؛ تاکہ لوگ جاسکیں، شیر اس کے پتھر سے مر گیا اور لوگ چلنے لگے، اس نے آکر راہب کو یہ ماجرا سنایا، راہب نے کہا: بیٹے! آج تو تم مجھ سے بہتر ہو گئے ہو اور تم کو جو ترقی حاصل ہوئی، وہ میں دیکھ رہا ہوں؛ البتہ عنقریب تمہاری آزمائش ہوگی، تو اگر ایسی نوبت آئے تو میرے بارے میں بتانا نہیں؛ چنانچہ اب یہ صورت حال ہو گئی کہ اس کی دُعا سے اندھے اور مبروص شخص کو صحت حاصل ہونے لگی اور وہ مختلف بیماریوں کا علاج کرنے لگا، بادشاہ کے ایک ہم نشین کو بھی اس کی خبر ہوئی، جو نابینا تھا، وہ ڈھیر سارا تحفہ لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا: اگر تو نے مجھے شفا یاب کر دیا تو یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے، نوجوان نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے؛ لہذا اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہارے لئے دُعا کروں، اللہ تعالیٰ تمہیں شفا عطا فرمائیں گے، وہ ایمان لے آیا اور اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی، جب وہ بادشاہ کے پاس معمول کے مطابق آکر بیٹھا تو بادشاہ نے پوچھا: تمہاری آنکھ کس نے لوٹائی؟ اس نے کہا: میرے رب نے، بادشاہ نے پوچھا: کیا میرے سوا بھی کوئی رب ہے؟ اس نے کہا: میرا اور آپ کا رب تو اللہ ہے، بادشاہ نے اس کو اتنی تکلیف پہنچائی کہ مجبور ہو کر اس نے نوجوان کا پتہ بتا دیا، بادشاہ کے حکم سے وہ نوجوان حاضر کیا گیا، بادشاہ نے پوچھا: تم اب جادو میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ اندھے، برص زدہ اور ایسے ویسے شخص کو بھی صحت مند کر دیتے ہو، نوجوان نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے، بادشاہ نے اس بات پر اس کو اتنی تکلیف دی کہ بالآخر اس نے راہب کا نام بتا دیا، راہب حاضر کیا گیا، بادشاہ نے مطالبہ کیا کہ تم اپنے دین سے باز آ جاؤ؛ لیکن جب وہ باز نہیں آئے تو سر پر آرا رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے گئے، پھر بادشاہ کے ہم نشین کو لایا گیا، اس سے بھی یہی مطالبہ کیا گیا، وہ بھی دین حق کے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا، ان کو بھی اسی طرح آرے سے چیر دیا گیا، پھر وہ نوجوان لایا گیا، یہی مطالبہ اس کے سامنے رکھا گیا، اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے اس کو اپنے درباریوں کے ایک گروپ کے حوالہ کیا کہ اسے فلاں پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ، وہاں پہنچ کر بھی اگر یہ اپنے دین کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ اس کو وہیں سے پھینک دو؛ چنانچہ لوگ اس کو لے کر پہاڑ پر چڑھے، اب منصوبہ کے مطابق اس کو پھینک دیا جاتا کہ اس نے دُعا کی: اے اللہ! آپ اپنی مشیت کے مطابق ان کے مقابلے میں میرے لئے کافی ہو جائیے؛ چنانچہ پہاڑ پر ایسا زلزلہ آیا کہ وہ سب کے سب گر گئے اور یہ چلتے ہوئے بادشاہ کے پاس پہنچ گیا، بادشاہ نے پوچھا: تمہارے ساتھ جو لوگ گئے تھے، انہیں کیا ہوا؟ نوجوان نے کہا: ان کے مقابلہ میں میرے لئے اللہ کافی ہو گیا، پھر بادشاہ نے کچھ اور لوگوں کے حوالہ کیا کہ اس کو ایک کشتی میں لے کر بیچ سمندر تک جاؤ، پھر اگر وہ اپنے مذہب سے واپس ہونے کو تیار ہو جائے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ اسے سمندر میں ڈال دو، لوگ لے کر گئے اور منصوبہ کے مطابق عمل کرنا چاہا، یہاں بھی نوجوان نے وہی دُعا کی؛ چنانچہ اُلٹے وہی لوگ مر گئے اور یہ چلتے ہوئے بادشاہ تک پہنچ گیا، بادشاہ نے پوچھا: جو لوگ تمہارے ساتھ گئے تھے، انہوں نے کیا کیا؟ نوجوان نے کہا: ان کے مقابلہ ہمارے لئے اللہ کافی ہو گیا۔



النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۚ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۖ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۚ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

یعنی وہ آگ جو بندھنوں سے بھری ہوئی تھی، ۵ جب کہ وہ خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے، ۶ اور جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے، وہ اس کو دیکھ بھی رہے تھے، ۷ وہ مسلمانوں سے اسی بات کا بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اس خدا پر ایمان رکھتے تھے، جو غالب اور بڑی خوبیوں والے ہیں، ۸ کہ اسی کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہیں۔ ۹

← پھر اس نے بادشاہ سے کہا: میں جو تدبیر بتاتا ہوں، جب تک آپ یہ نہ کریں، آپ مجھے مارنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں اور مجھے سولی پر چڑھائیں، پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکالیں، اس کو کمان پر رکھیں اور کہیں: ”اس اللہ کے نام سے جو اس نوجوان کا رب ہے“ پھر تیر مجھ پر پھینک دیں؛ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، تیر اس کی کینٹی میں لگا، اس نے اپنا ہاتھ کینٹی پر رکھا اور اس کا انتقال ہو گیا، اب لوگ بول اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لاتے ہیں، بادشاہ سے کہا گیا کہ آپ جس بات سے ڈرتے تھے، وہ تو ہو ہی گیا، لوگ مسلمان ہو گئے؛ چنانچہ اس نے سڑک کے پیچوں بیچ کھائی کھدوائی، اسے آگ سے بھرا گیا اور حکم جاری ہو گیا کہ جو لوگ اسلام سے واپس نہ ہوں، ان کو اس میں جھونک دیا جائے، ایسا ہی کیا گیا، یہاں تک کہ ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ آئی، وہ ذرا سی جھجکی، بچے نے اس سے کہا: میری ماں! تو صبر کر، تو حق پر ہے، نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس لڑکے کی لاش نکلی اور اس وقت بھی اس کا ہاتھ اس کی کینٹی پر تھا؛ اگرچہ اس واقعہ کے بارے میں کچھ اور حکایات بھی نقل کی گئی ہیں؛ لیکن مسلم اور ترمذی میں واقعہ کی یہی تفصیلات روایت کی گئی ہیں۔

(مسلم، باب قصۃ اصحاب الاخدود، حدیث نمبر: ۳۰۰۵، ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۴۰)

بہر حال اس پر سب لوگ متفق ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد اور رسول اللہ ﷺ سے پہلے پیش آیا، اور یہ راہب اور نوجوان اور ان کی پیروی کرنے والے اصل عیسائیت پر قائم تھے، مشہور صاحب علم ضحاک سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے سے چالیس سال پہلے یمن میں یہ واقعہ پیش آیا، جو لوگ اس طرح زندہ جلادینے گئے، ان کی تعداد ۸۰ سے زیادہ تھی اور جس بادشاہ نے یہ حرکت کی تھی، اس کا نام یوسف بن شراحیل حمیری تھا، نیز نقل کیا جاتا ہے کہ اس مومن نوجوان کا نام عبداللہ بن ثامر تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ بالآخر یہ آگ چالیس ہاتھ بلند ہوئی اور اس نے بادشاہ اور اس کے مددگاروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۹/۲۸۹)

﴿یعنی ظلم کی بات یہ ہے کہ صرف ایمان لانے کی وجہ سے اس ہولناک طریقہ پر اتنے سارے مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، لوگ اس کو تماشہ کی طرح دیکھتے رہے؛ لیکن بادشاہ کی قوم میں سے کسی نے بچانے اور ان کے حق میں اٹھ کھڑے ہونے کی بھی کوشش نہیں کی۔﴾

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ  
الْحَرِيقِ ۖ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۖ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۖ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ  
الْوَدُودُ ۖ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۖ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۖ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۖ  
فِرْعَوْنُ وَثَمُودُ ۖ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۖ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۖ بَلْ هُوَ  
قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۖ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۖ

ع ۲۲

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو تکلیفیں دیں، پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے دوزخ کا عذاب اور جلنے کی سزا ہے، (۱) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، ان کے لئے ایسے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہی ہے بڑی کامیابی! (۱۱) بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے، (۱۲) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا، (۱۳) اور وہی خوب بخشنے والا اور خوب محبت کرنے والا ہے، (۱۴) عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا ہے، (۱۵) جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، (۱۶) (اے پیغمبر!) کیا آپ کو لشکروں کا حال معلوم ہوا؟ (۱۷) یعنی فرعون و ثمود کا؛ (۱۸) بلکہ انکار کرنے والے تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، (۱۹) اور اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں؛ (۲۰) بلکہ یہ بڑے مرتبے والا قرآن ہے، (۲۱) جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔ (۲۲)

(۱) یہ اہل مکہ کے لئے تنبیہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے کمر بستہ ہیں، وہ سمجھ لیں کہ وہ آخرت میں اس سے بھی کہیں بڑھی ہوئی تکلیفوں سے دوچار کئے جائیں گے، رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ ان ہی ظالموں پر موقوف نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے ظالم و سفاک لوگ گزر چکے ہیں؛ لیکن ان کے ہزار ظلم و جور کے باوجود دین حق کی روشنی پھیلتی چلی گئی اور بالآخر ظلم و جور کی آگ کو بجھنا ہی پڑا۔



## سُورَةُ الطَّارِقِ

«سورہ نمبر : (۸۶)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۱۷)

«نوعیت : مکی

آسان تفہیم قرآن مجید

”طارق“ سے مراد رات میں طلوع ہونے والا ستارہ ہے، اس سورہ کے شروع ہی میں آسمان اور ستارے کی قسم کھائی گئی ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’طارق‘ ہے۔

یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورہ میں بھی خاص طور پر انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب و کتاب کے مرحلہ سے گزارے جانے کا ذکر کیا گیا ہے، انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے پر یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ انسان ایک نہایت حقیر مادہ سے پیدا کیا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ ایسی چیز سے ایک چلنے، پھرنے، دیکھنے اور سننے کی طاقت سے بہرہ ور اور عقل و فہم کی دولت سے مالا مال انسان کو وجود بخش سکتے ہیں تو اس کے لئے مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا دشوار ہے؟

سورہ کے ختم پر مختلف قسمیں کھا کرتا کید اور اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کی اس صفت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ قولِ فیصل ہے، وہ کوئی ہنسی مذاق کی کتاب نہیں ہے، جسے کسی انسان نے خود تصنیف کر لیا ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا  
عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ  
الصُّلْبِ وَالتَّأْيِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی، ۱ اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ ۲ وہ ایک روشن ستارہ ہے، ۳ کوئی ایسا نہیں کہ جس پر کوئی نگہبان مقرر نہ ہو، ۴ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ ۵ وہ ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، ۶ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے بیچ سے نکلتا ہے، ۷ یقیناً اللہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں، ۸ جس دن پوشیدہ باتوں کی بھی جانچ پڑتال ہوگی۔ ۹

۱ اصل میں ”طارق“ کے معنی کھٹکھٹانے والے کے ہیں، عام طور پر جب رات کو مہمان آتے ہیں تو دروازہ بند ہوتا ہے اور اسے دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے، اس مناسبت سے رات میں آنے والے شخص کو ”طارق“ کہا جانے لگا، (مفردات القرآن: ۳۴۱) اور اسی مناسبت سے ستارہ کو طارق کہا گیا؛ کیوں کہ وہ رات ہی میں نظر آتا ہے، دن میں نہیں، گویا وہ رات کا مہمان ہے۔  
۲ ”ثاقب“ کے اصل معنی سوراخ کرنے والے کے ہیں، رات کی گہری تاریکی میں جب کوئی روشن ستارہ چمک رہا ہو تو یوں لگتا ہے جیسے کسی سیاہ چادر میں سوراخ کر دیا گیا ہو؛ اسی لئے روشن ستارہ کو ”ثاقب“ کہا گیا۔  
۳ یہی وہ بات ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ وہ جو کچھ چاہے کرتا رہے، کوئی اس کا پوچھنے والا نہیں؛ بلکہ اس پر اللہ کی طرف سے نگرانی مقرر ہے۔

۴ عام طور پر قدیم مفسرین کہا کرتے تھے کہ مرد کا مادہ منویہ اس کے پشت سے اور عورت کا اس کے سینہ سے نکلتا ہے؛ لیکن حسن بصری ؒ نے فرمایا کہ دونوں عضو کا تعلق دونوں سے ہے، یعنی مرد کا مادہ منویہ اس کے پشت اور سینہ کے درمیان ہے اور عورت کا اس کے پشت اور سینہ کے درمیان، (تفسیر قرطبی: ۷/۲) یہی رائے موجودہ سائنسی تحقیق سے قریب ہے، اصل میں مادہ منویہ جسم میں پیدا ہونے والی دوسری چیزوں کی طرح اعضاء رئیسہ — دماغ، دل اور جگر — کے ذریعہ بنتا ہے، دل اور جگر پشت اور سینہ کے درمیان ہے اور دماغ سے ایک سفید رنگ کا تار نکلتا ہے اور گردن سے گذرتا ہوا نیز ریڑھ کی ہڈی سے ہوتا ہوا کمر تک پہنچ جاتا ہے، اب مادہ منویہ تیار ہونے کے بعد اپنے مخزن یعنی فوطوں میں پہنچ جاتا ہے؛ لیکن اس کے نکلنے کے لئے جس تحریک کی ضرورت ہے، اس کا مرکز وہی ریڑھ کی ہڈی میں پایا جانے والا نخاع ہے تو گویا مادہ منویہ کے تیار ہونے میں بھی ان اعضاء کا دخل ہے، جو پیٹھ اور سینہ کے درمیان ہیں، اور جس تحریک کی بنا پر بالآخر اس کے نکلنے کی نوبت آتی ہے، اس کا مرکز بھی پیٹھ اور سینہ کے درمیان ہی ہے؛ اس لئے قرآن مجید کا بیان پوری طرح موجودہ سائنسی حقائق کے مطابق ہے۔

فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ﴿١٣﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا هَزْلٌ ﴿١٤﴾ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ وَآكِيدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ فَمَهْلِكُ الْكُفْرَيْنِ أَهْلَهُمْ رُؤْيَا ﴿١٧﴾

تو اس دن نہ تو انسان کا خود کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا، ﴿۱۰﴾ قسم ہے، آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے، ﴿۱۱﴾ اور زمین کی، جو پھٹ جاتی ہے، ﴿۱﴾ یہ یقیناً بچاؤ کا کلام ہے، ﴿۲﴾ ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے، ﴿۱۳﴾ یقیناً وہ لوگ چال چل رہے ہیں، ﴿۱۵﴾ اور میں بھی ایک تدبیر کر رہا ہوں، ﴿۱۶﴾ تو آپ ایمان نہ لانے والوں کو مہلت دیجئے (اور) تھوڑے دنوں ان کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیجئے۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱﴾ تاکہ اس سے پودے نکل سکیں۔

﴿۲﴾ یعنی یہ ایک فیصلہ کن کتاب ہے جس پر کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں۔



# سُورَةُ الْأَعْلَى

«سورہ نمبر : (۸۷)»

«رکوع : (۱)»

«آیتیں : (۱۹)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اس کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات اور انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے، ان میں سے پہلی صفت اعلیٰ ہونے کی بیان کی گئی ہے، ”اعلیٰ“ کے معنی ہیں: سب سے بلند و برتر۔

اس سورہ کا آغاز اس حکم سے ہوا ہے کہ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کیجئے کہ اس کی ذات تمام خامیوں، کوتاہیوں، کمزوریوں اور عیبوں سے پاک ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کا نظام ہے، جس میں کائنات کی ہر چیز اس کی مناسبت اور رعایت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ جلد جلد پڑھنا چاہتے تھے؛ تاکہ بھول نہ جائیں، اس سلسلہ میں آپ کو اطمینان دلایا گیا کہ آپ کا حفظ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی نظام کے تحت ہے کہ آپ پڑھ لیں گے، تو بھولیں گے نہیں، عام لوگوں کو جیسے ایک ایک لفظ کی تکرار کر کے اور بار بار پڑھ کر قرآن یاد کرنا پڑتا ہے، آپ کو اس کی حاجت نہ ہوگی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن کو آپ کے سینہ میں محفوظ فرما دیں گے۔

اس سورہ کا مرکزی مضمون آخرت کی یقین دہانی ہے کہ آخرت یقیناً آئے گی اور اس میں مال و دولت اور طاقت و قوت کامیابی کا سبب نہ ہوگی؛ بلکہ ایمان اور عمل سے ہی انسان کو کامیابی حاصل ہوگی، اور آخرت کا یہ تصور صرف قرآن ہی نے پیش نہیں کیا ہے؛ بلکہ گذشتہ انبیاء اور ان پر اترنے والی کتابوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى وَالَّذِي أَخْرَجَ  
 الْمَرْعَى فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں آپ اپنے بزرگ و برتر پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے، (۱) جس نے (ہر چیز کو) بنایا، اور ٹھیک ٹھیک بنایا، (۲) اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا، پھر (اسے) راستہ بتایا، (۳) اور جس نے چارہ اُگایا، پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔ (۴)

(۱) جب بھی اس آیت کو پڑھا جائے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہا جائے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلقین کی ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو سجدہ میں کہا کرو؛ اسی لئے حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس وغیرہ اس آیت کو پڑھنے کے بعد سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۳) البتہ فرض نماز میں اگر اس سورہ کی تلاوت کرے تو سبحان ربی الاعلیٰ نہ کہا کرے؛ کیوں کہ نماز میں آپ ﷺ نے اس کا محل سجدہ کو بتایا ہے نہ کہ قیام کو، اور اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں بکثرت اس سورہ کی تلاوت فرماتے تھے، خاص کر جمعہ کے دن؛ لیکن یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر قیام کی حالت میں اس سورہ کی تلاوت کرتے ہوئے سبحان ربی الاعلیٰ کہا ہو، فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے۔ (مسلم، کتاب الجمعہ، حدیث نمبر: ۸۷۸، بدائع الصنائع: ۲۰/۸۱)

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایسے طریقہ پر بنایا ہے کہ وہی اس کے لئے سب سے زیادہ بہتر طریقہ تھا، پہاڑ کو اونچا بنایا؛ لیکن درخت کو اتنا اونچا نہیں بنایا، ورنہ پھل توڑنا مشکل ہو جاتا، چاول اور گیہوں کے پودے بڑے درخت کی طرح اونچے اور سخت نہیں رکھے گئے، ورنہ اس کی کٹائی مشکل ہو جاتی، جانور کے لئے چارہ کو غذا بنایا، تو اس کو چار پاؤں دیئے گئے؛ تاکہ اس کو کھانے میں آسانی ہو، غرض کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کرتے ہوئے اس کو اسی صورت پر بنایا، جو اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو سکتی تھی۔ بہت سے مفسرین نے اس سے خاص طور پر انسان کو پیدا کرنے اور اس کے اعضاء میں تناسب قائم رکھنے کے معنی مراد لئے ہیں۔ (دیکھئے: تفسیر جلالین: ۸۰۲)

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک دائرہ مقرر کر دیا ہے، اور اس چیز میں قدرتی طور پر کام کے حدود متعین کر دیئے گئے ہیں؛ چنانچہ فضاء میں جتنے سیارے ہیں، وہ سب اپنی اپنی حدود میں چل رہے ہیں، سورج ہو یا چاند، ان کو اپنی گردش کا نظام معلوم ہے، جن جانوروں کی غذا گوشت ہے، وہ گھاس کو منہ نہیں لگاتے، اور جن جانوروں کی غذا گھاس ہے، وہ خود ہی گوشت سے دور رہتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا نظام ہے۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے سرسبز و شاداب چارے اُگائے اور پھر وہ چارہ اس طرح سڑگل گیا کہ پوری طرح سیاہ کوڑا بن گیا، غرض کہ اللہ اس بات پر قادر ہیں کہ وہ اپنی مخلوقات کے حالات میں تبدیلی لائیں، یہ اللہ کے لئے ذرا بھی دشوار نہیں ہے۔

سَنُقَرِّئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۚ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ۚ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۚ فَذَكَرْ إِنَّ نَفْعَ الذِّكْرِ ۙ سَيَذَكِّرُ مَنْ يَخْشَىٰ ۚ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۚ  
الَّذِي يَصِلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ۚ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۚ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۚ وَذَكَرَ  
اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۝

(اے پیغمبر!) ہم خود آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے، ﴿۱﴾ سوائے اس کے جو اللہ چاہیں، ﴿۲﴾ اللہ ظاہر کو بھی جانتے ہیں اور پوشیدہ کو بھی، ﴿۳﴾ اور ہم آپ کو آسان راستے کی توفیق عطا کریں گے، ﴿۴﴾ تو اگر نصیحت فائدہ پہنچائے تو آپ نصیحت کرتے رہئے، ﴿۵﴾ جو (اللہ کا) ڈر رکھتا ہو، وہ نصیحت قبول کرے گا، ﴿۶﴾ اور جو بد بخت ہوگا، وہ اس سے پہلو تہی کرے گا، ﴿۷﴾ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا، ﴿۸﴾ پھر نہ اس میں مرے گا اور نہ جیئے گا، ﴿۹﴾ جس نے پاکیزگی اختیار کی، ﴿۱۰﴾ اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا، اس نے مراد کو پالیا؛ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ جب حضرت جبریل ﷺ آپ ﷺ پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو حضرت جبریل ﷺ آخری آیت سے فارغ بھی نہ ہوتے کہ آپ ﷺ پہلی آیت کی تلاوت کرنے لگتے کہ کہیں بھول نہ جائیں، اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ خود اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کی تعلیم اور حفظ کا نظم کر دیا گیا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ جلدی نہ کریں؛ اگرچہ اس آیت میں یہ بات آئی ہے کہ اللہ ہی اگر قرآن کی کسی آیت کو بھلانا چاہیں، تبھی آپ بھول سکتے ہیں؛ لیکن اللہ کی طرف سے ایسی کوئی بات ہوئی نہیں کہ آپ بھولتے، اس ارشاد کا مقصد اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے؛ کہ وہ یاد کرانے پر بھی قادر ہے اور بھلانے پر بھی، (تفسیر قرطبی: ۱۸/۲۰، نیز دیکھئے: مفتاح الغیب: ۳۵۶/۱۶) — اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو من جانب اللہ حافظ قرآن بنایا گیا اور بغیر محنت کے یہ دولت عطا کی گئی۔

﴿۲﴾ یعنی آپ کو نیکی کے راستہ پر چلاتے رہیں گے، جو دنیا میں بھی رحمت کا باعث ہے اور آخرت میں بھی۔  
﴿۳﴾ قرآن نے ایک اور موقع پر خود یہ بات واضح کر دی کہ نصیحت اہل ایمان کو نفع پہنچاتی ہے: ”وَذَكَرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ لِيُتَنَفَعُ الْمُؤْمِنِينَ“ (الذاریات: ۵۵) اس لئے نصیحت تو بہر حال کرنی ہے؛ لیکن یہاں یہ حکم اُن ایمان سے محروم لوگوں کے لئے ہے، جو طے کئے ہوئے تھے کہ ہمیں کسی بھی صورت میں ایمان نہیں لانا ہے، تو آپ سے فرمایا گیا کہ نصیحت ان ہی لوگوں کو کام آئے گی، جن میں کچھ خدا کا خوف بھی ہو، جو لوگ خدا کے خوف سے خالی ہیں، ان کو نصیحت کام نہیں آئے گی؛ اس لئے آپ ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں پر کام کریں، جن سے قبولیت متوقع ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

﴿۴﴾ یعنی نہ مر سکے گا کہ تکلیف ختم ہو جائے اور نہ سکون و راحت کی زندگی حاصل ہو پائے گی۔  
﴿۵﴾ پاکیزگی میں اپنے آپ کو ہر طرح کی گندگی سے پاک کرنا شامل ہے، شرک کی گندگی سے بھی، فسق و فجور کی گندگی سے بھی۔  
﴿۶﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کا تعلق فرض نمازوں سے ہے، یعنی نماز کے شروع میں ←

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۚ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝۱۸  
صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝۱۹

بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؛ ۱۶ حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے، ۱۷ یہی بات گزشتہ صحیفوں ۱۸ یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں ذکر کی گئی ہے۔ ۱۹

← اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی اس حکم میں شامل ہے؛ اس لئے فقہاء نے اس آیت سے نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے پر استدلال کیا ہے، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۲، ۲۳) اور حنفیہ نے اس سے یہ بات بھی مستنبط کی ہے کہ تحریمہ کے لئے اللہ اکبر کہنا ضروری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی ذکر تحریمہ کے لئے کافی ہے؛ البتہ اللہ اکبر کہنا بہتر ہے۔ (بدائع الصنائع: ۱۱/۱۳۰)





# سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

«سورہ نمبر : (۸۸)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۲۶)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

”غاشیہ“ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو چھا جانے والی اور ڈھانپ دینے والی ہو، جب قیامت طاری ہوگی تو اس کی ہلاکت خیزی اور ہولناکی سے کائنات کی کوئی چیز بچ نہیں سکے گی، گویا وہ پوری کائنات پر چھا جائے گی؛ اسی لئے قیامت کا ایک نام غاشیہ بھی ہے، اس سورہ کے شروع میں اسی نام سے قیامت کا ذکر آیا ہے؛ اسی لئے اس سورہ کا نام ”غاشیہ“ ہے۔

اس سورہ میں بنیادی طور پر تین باتوں کا ذکر آیا ہے، اور تینوں کا تعلق ایمانیات سے ہے، اول: قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا اور اس دن اہل ایمان کو جو نعمت حاصل ہوگی اور ایمان سے محروم لوگ جس عذاب سے دوچار ہوں گے اس کا، دوسرے: اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت کی نشانیوں کی طرف سے اشارہ کیا گیا ہے اور انسان سے کہا گیا ہے کہ تم آسمان و زمین، پہاڑ اور جانور بالخصوص اونٹ کی تخلیق اور اس میں اللہ کی قدرت کے غیر معمولی مظاہر کو دیکھو کہ کیا کسی خدائے بصیر و حکیم کے بغیر ایسی حیرت انگیز مخلوقات وجود میں آسکتی ہیں؟ تیسرے: لوگوں کو اپنے رب کی طرف لوٹ آنے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ہم ہی ہیں جو تم سے حساب و کتاب کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ جمعہ اور عیدین کی نماز میں عام طور پر سورہ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، (مسلم، عن نعمان بن بشیر، حدیث نمبر: ۸۷۸) ایک اور روایت میں ہے کہ جمعہ کی نماز میں ایک رکعت میں سورہ جمعہ اور ایک رکعت میں سورہ غاشیہ پڑھا کرتے تھے، (موطا امام مالک، عن نعمان بن بشیر، حدیث نمبر: ۳۷۱) — اس سے اس سورہ کی خصوصی فضیلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۖ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۖ عَامِلَةٌ تَأْسِبَةٌ ۖ تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً ۖ تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ أُنِيَّةٍ ۖ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۖ لَا يُسْنِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۖ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ ۖ لِسْعِيهَا رَاضِيَةٌ ۖ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۖ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ۖ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۖ فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ ۖ وَآكُوبٌ مَوْضُوعَةٌ ۖ وَنَسَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۖ وَزَرَأَى مَبْثُوثَةٌ ۖ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ کیا آپ کو قیامت کی خبر پہنچی؟ (۱) (۱) اس روز بہت سے چہرے ذلیل و خوار، (۲) مصیبت کے مارے اور تھکے ماندے ہوں گے، (۳) جو دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، (۴) ان کو ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا، (۵) ایک خاردار جھاڑ کے علاوہ ان کو کوئی کھانا نصیب نہیں ہوگا، (۶) جو نہ بدن کو موٹا کرے گا نہ بھوک دور کرے گا، (۷) بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، (۸) وہ اپنے اعمال سے خوش (۹) اور بلند و بالا جنت میں ہوں گے، (۱۰) وہاں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے، (۱۱) اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (۱۲) اونچے اونچے تخت، (۱۳) (قرینہ سے) رکھے ہوئے ساغر، (۱۴) ایک لائن سے رکھے ہوئے تیکے (۱۵) اور ہر طرف پھیلے ہوئے قالین ہوں گے، (۱۶) کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے ہیں؟ (۱۷) (۳) (۱۷)

(۱) غاشیہ کے اصل معنی ڈھانپنے والی چیز کے ہیں، قیامت کے دن کی ہولناکی، چوں کہ پوری کائنات کو ڈھانپ لے گی؛ اس لئے اس کا ایک نام غاشیہ بھی ہے؛ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ قیامت ہی سے کیا ہے۔  
(۲) کیوں نہ ہو کہ ان پر طوفان اور بیڑیوں کا بوجھ ہوگا، ننگے پاؤں ننگے بدن میدانِ حشر میں کھڑے کئے جائیں گے اور چہرے کے بل گھسیٹے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۷) — بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ تھکان دنیا میں اٹھانے والی تکلیف کی وجہ سے ہوگی، مختلف مذاہب، پرتی، عیسائیت وغیرہ سے تعلق رکھنے والے بعض ایسے لوگ بھی ہیں، جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں؛ لیکن بے حد ریاضت کرتے ہیں، ان ریاضتوں نے ان کو تھکا رکھا ہوگا اور پھر یہ آخرت میں بھی ان کو کام نہیں آئیں گی؛ اس لئے مصیبت و تکلیف کا احساس بڑھا ہوا ہوگا، حضرت عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ سے یہی تفسیر منقول ہے، (المعالم التنزیل: ۵/۲۴۴) شاید اسی زمرہ میں وہ لوگ بھی ہوں، جنہوں نے دنیا میں علم و سائنس کی ترقی میں ڈھیر ساری کوششیں کی ہیں اور ان میں اپنے آپ کو تھکا دیا ہے؛ لیکن ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے آخرت میں یہ کچھ کام نہ آئیں گی۔  
(۳) یوں تو چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک ہر جانور اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نشانی ہے، جس میں غور کر کے انسان اپنے خالق —

وَالِی السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ وَالِی الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَالِی الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۖ فَذَكِّرْ ۚ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۖ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۖ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۚ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۖ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۚ

۱۴۴

اور آسمان کو؛ کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ ۱۵ اور پہاڑوں کو؛ کہ کیسے کھڑے کئے گئے ہیں؟ ۱۶ اور زمین کو؛ کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ ۱۷ تو آپ نصیحت کرتے رہتے؛ اس لئے کہ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، ۱۸ آپ ان پر داروغہ تو ہیں نہیں، ۱۹ ہاں، مگر جو منہ پھیر لے گا اور کفر کرے گا، ۲۰ تو اللہ اس کو بڑا عذاب دیں گے، ۲۱ ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، ۲۲ پھر ان کا حساب و کتاب بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ ۲۳

← و مالک کو پہچان سکتا ہے؛ لیکن اونٹ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا؛ کیوں کہ عرب کے ریگستان میں اس کی زیادہ پیدائش ہوتی ہے اور یہی اس خطہ کے لئے سب سے اہم جانور ہے، مختلف جانوروں میں الگ الگ خصوصیتیں ہیں، اونٹ میں وہ سب جمع ہیں، وہ سواری کے کام بھی آتا ہے، ڈھیر سارا بوجھ بھی اٹھا سکتا ہے، اس سے انسان کو دودھ بھی مل سکتا ہے، ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے، پھر اس کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے جانوروں میں نہیں پائی جاتی ہیں، دوسرے جانوروں پر کھڑے ہونے کی حالت میں سوار ہونا پڑتا ہے؛ لیکن یہ سواروں کو اپنی پشت پر چڑھانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، اس میں چربی کی ایک ایسی وافر مقدار رکھی گئی ہے، جو پگھل پگھل کر اس کی پیاس بجھاتی رہتی ہے اور اس طرح دس دس دنوں پانی کے بغیر رہ سکتا ہے، اس کے پاؤں میں ایسے نرم گدے ہوتے ہیں، جو ریگستان میں دھنسے نہیں دیتے، جن کانٹے دار ٹہنیوں کو دوسرے جانور نہیں کھاتے، یہ انھیں کھالیتا ہے، سامان اٹھانے کی صلاحیت اس میں دوسرے جانوروں کے مقابلہ کہیں زیادہ ہوتی ہے؛ اسی لئے اس کو ریگستان کا جہاز کہا گیا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی انبیاء کا کام دعوت دینا ہے، مجبور کرنا نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ علماء اور داعیان دین جو رسول کے وارث ہیں، ان کا مقام بھی یہی ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی زبان سے سمجھائیں، اپنے قلم سے ان کی ذہن سازی کریں اور جبر و تشدد کا راستہ اختیار نہ کریں، جیسا کہ آج کل بعض غالی شدت پسند گروہ اسلام کے نام پر کر رہے ہیں، یہ یا تو اسلام سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے یا وہ ان دشمنان اسلام کا آلہ کار ہیں، جو اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔





# سُورَةُ الْفَجْرِ

«سورہ نمبر : (۸۹)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۳۰)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز ”والفجر“ کے لفظ سے ہوتا ہے، جس کے معنی ہیں: قسم ہے صبح کی؛ اسی لئے اس سورہ کا نام فجر ہے۔

اس سورہ میں فجر کی، ذوالحجہ کے پہلے عشرہ وغیرہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں، جس سے ان کی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے، بعض ظالم و جابر قوموں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور اللہ کی طرف سے ان کی جو پکڑ ہوئی ہے، اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؛ تاکہ اہل مکہ اپنی طاقت پر مرعوب نہ ہوں، یہ بات بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو خوشحالی و تنگ دستی سے آزماتے ہیں، انسان کی حالت بہتر ہوتی ہے تو اترانے لگتا ہے اور تنگی ہوئی تو شکایت کرنے لگتے ہیں، اس سورہ میں بعض اخلاقی کوتاہیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسے مسکینوں کی مدد سے جی چرانا اور مال سے حد درجہ محبت وغیرہ، اخیر میں قیامت اور قیامت کے دن اچھے اور بُرے لوگ، جس صورت حال سے دوچار ہوں گے، اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَالْفَجْرِ ۝ وَكَيَالٍ عَشِيرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي  
حُجْرٍ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے فجر کی، ﴿۱﴾ اور دس راتوں کی، ﴿۲﴾ جوڑے کی اور طاق کی ﴿۳﴾ رات کی جب جانے لگے ﴿۴﴾ کیا عقل مند کے لئے ان میں سے کوئی قسم (کافی) ہے (کہ وہ یقین کر لیں کہ قیامت ضرور آئے گی؟)۔ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یعنی فجر کے وقت کی، اور بعض حضرات نے فجر کی نماز مراد لی ہے۔  
﴿۲﴾ حضرت عبد اللہ بن زبیر ؓ سے مروی ہے کہ اس سے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن مراد ہیں، (تفسیر قرطبی: ۳۶۲/۲۴)  
اور دنوں کے بجائے راتوں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ چاند کے کیلنڈر میں تاریخ کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے، گویا تاریخوں میں رات کو اصل مانا جاتا ہے اور دن اس کے تابع ہوتا ہے۔  
﴿۳﴾ چوں کہ کائنات میں ہر چیز یا تو جوڑا ہے یا طاق، اور قرآن نے صراحتاً اس کی مراد واضح نہیں کی ہے؛ اس لئے اس کی مراد متعین کرنے میں مفسرین کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ جفت سے مراد مخلوق اور طاق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ رائے حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کی طرف منسوب ہے؛ لیکن قرآن مجید کو سمجھنے کا سب سے اہم ماخذ حدیث نبوی ہے اور حدیث میں اس لفظ کی تشریح کے متعلق دو باتیں ذکر کی گئی ہیں، ایک کا تعلق نماز سے ہے، اس کو حضرت عمران بن حصین ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جفت سے مراد وہ نمازیں ہیں، جو جفت رکعتوں پر مشتمل ہیں، دو اور چار، اور طاق سے مراد وہ نمازیں ہیں، جو طاق رکعتوں پر مشتمل ہیں، یعنی تین رکعت والی نماز، (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۲۲)  
اور دوسری روایت حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ کی ہے کہ وتر سے مراد یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ ہے، اور شفیعہ سے مراد یوم نحر ہے، محدثین کے نزدیک حضرت جابر ؓ کی یہ روایت زیادہ قوی ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کا بھی اصل قول یہی ہے اور اس کی یہ مناسبت بھی ہے کہ اس سے پہلے آیت نمبر: ۱، ۲ میں اور اس کے بعد آیت نمبر: ۴ میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں، ان کا تعلق بھی وقت سے ہے اور اس تشریح کے اعتبار سے اس آیت کا تعلق بھی وقت سے ہو جائے گا؛ اس لئے یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ اس سے یوم عرفہ اور یوم نحر مراد ہے۔ واللہ اعلم

﴿۴﴾ حجر کے اصل معنی روکنے کے ہیں، عقل چوں کہ انسان کو بُرے کاموں سے اور بے وقوفی کی باتوں سے روکتی ہے؛ اس لئے عقل کو بھی حجر کہتے ہیں، یہاں یہی معنی مراد ہے، قسم تاکید کے لئے کھائی جاتی ہے اور قسم میں کسی چیز کا ذکر اس پر غور کرنے کی دعوت ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر اہل عقل ان چیزوں میں غور کریں، جن کی قسم کھائی گئی ہے، تو یقین کر لیں گے کہ یہ دنیا ضرور ختم ہوگی اور قیامت آئے گی؛ کیوں کہ یہاں جن جن اوقات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ سب اپنی اہمیت کے باوجود ختم ہو جاتے ہیں، تو یہ دنیا جو ان اوقات کی حامل ہے، وہ بھی ختم ہوگی اور قیامت ضرور آئے گی۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۖ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۖ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۖ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۖ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۖ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۖ فَاكْثُرُوا فِيهَا الْفُسَادَ ۖ

آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یعنی ارم کے رہنے والے جو بڑے بڑے ستونوں (کی عمارتوں) کے مالک تھے، (۱) کہ دنیا میں اس جیسی قوم پیدا نہیں کی گئی، (۲) اور آپ کے پروردگار نے ثمود کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جو وادی میں پتھروں کو تراشا کرتے تھے، (تا کہ اس سے بلڈنگیں تعمیر کریں)؟ (۳) اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (کیا معاملہ ہوا؟) (۴) یہ وہ لوگ تھے جو شہروں میں بڑی سرکشی کر رہے تھے، (۵) اور بڑا فساد مچا رکھا تھا۔ (۶)

(۱) ’عماد‘ کے معنی ستون کے ہیں، قوم عاد کے لوگ ستونوں پر اونچی اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے، جیسا کہ آج کل تعمیر کی جاتی ہے اور ارم ان کے مورث اعلیٰ کا نام تھا، جو سام بن نوح کی نسل سے تھا، پھر جہاں یہ خاندان آباد تھا، اس جگہ کا نام ہی ارم پڑ گیا، اس طرح معنی یوں ہوگا کہ ارم میں بسنے والے قوم عاد کے لوگ اونچی اونچی عمارتوں میں رہا کرتے تھے، ان کے ساتھ ان کے پروردگار نے کیا معاملہ کیا ہے؟ یہ تمہیں معلوم ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ارم سے مراد ان کا قبیلہ ہو تو اب معنی ہوگا کہ قوم عاد یعنی قوم ارم جو بڑے بڑے ستونوں پر عمارتیں بنایا کرتے تھے ”کے حال سے تم واقف ہی ہو“۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/۴ تا ۲۷/۴)

(۲) یعنی اس قوم کے لوگ بڑے طاقتور، قوی الجثہ اور اونچے ڈیل ڈول کے ہوتے تھے اور قرآن مجید نے ان کی تعمیرات کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے علم و ہنر کے اعتبار سے بھی یہ ایک ترقی یافتہ قوم تھی۔

(۳) قوم عاد و ثمود دراصل ایک ہی قبیلہ کی دو شاخیں تھیں اور ان کا فن تعمیر بھی اس شان کا تھا کہ پہاڑوں کو تراش کر محل تعمیر کرتے تھے، تا کہ نہ آگ اسے جلائے نہ سیلاب اس کی بنیادوں کو ہلا سکے، نہ چور نقب لگا سکے اور نہ اس پر زلزلہ کا زیادہ اثر ہو، قوم عاد و ثمود کے واقعات اعراف: ۶۵-۷۹ میں گزر چکے ہیں۔

(۴) عربی گرامر کے لحاظ سے ”وتد“ کی جمع اوتاد ہے، وتد کے معنی میخ کے آتے ہیں، پہلے زمانہ میں جب فوجیں حملہ آور ہوتی تھیں تو بڑی تعداد میں خیمے ساتھ لے کر چلتی تھیں، جہاں کہیں فوج پڑاؤ ڈالتی، وہاں خیمے نصب کئے جاتے، فرعون کی فوج بہت بڑی تھی؛ اس لئے ظاہر ہے کہ بڑی تعداد میں ان کے خیمے بھی رہے ہوں گے اور ان کو نصب کرنے کے لئے میخوں کی بھی بڑی تعداد رہی ہوگی؛ اسی لئے فرعون کو میخوں والا کہا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اس کی یہی تشریح منقول ہے، (تفسیر طبری: ۳/۲۲ تا ۳/۲۳، نیز دیکھئے: تفسیر کشاف: ۲/۲۶ تا ۲/۲۷) — فرعون کو میخوں والا کہنے کی ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ظالم اپنے مخالفین کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ پاؤں پر میخیں گاڑ دیتا تھا، پھر انہیں اذیت رسانی کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور تو اس نے اپنی صاحب ایمان بیوی حضرت آسیہ کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۴۸)

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْأَعْيُنِ ۖ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ ۖ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿۱۴﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۱۵﴾ كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۶﴾ وَلَا تَحْضُونَ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ﴿۱۷﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمَنًا ﴿۱۸﴾ وَتَحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۱۹﴾

تو آپ کے پروردگار نے ان کے اوپر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا، ﴿۱۳﴾ یقیناً آپ کے پروردگار بھی تاک میں لگے ہوئے ہیں، ﴿۱۴﴾ تو جب انسان کو اس کا پروردگار آزماتا ہے، یعنی اس کو عزت اور نعمت سے نوازتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی، ﴿۱۵﴾ اور جب (دوسرے طریقہ پر) اس کا امتحان لیتا ہے؛ چنانچہ اُس پر اُس کی روزی تنگ کر دیتا ہے، تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا، ﴿۱۶﴾ ہرگز یہ بات نہیں؛ بلکہ (اصل یہ ہے کہ) تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے، ﴿۱۷﴾ ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے کہ محتاج کو کھانا کھلائے، ﴿۱۸﴾ میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، ﴿۱۹﴾ اور مال سے حد درجہ محبت رکھتے ہو۔ ﴿۲۰﴾

﴿۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے راحت اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور تکلیفوں سے اس لئے گذارا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے؛ لیکن انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو پا کر غرور کرنے لگتا ہے اور جب اسے مشقتوں سے گذارا جاتا ہے تو بجائے اللہ سے رُجوع کرنے کے اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے لگتا ہے، یعنی آخرت کی فکر نہ نعمتوں کو پا کر ہوتی ہے نہ نعمتوں سے محروم ہو کر۔

﴿۲﴾ آیت نمبر: ۲۰ تا ۲۷ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ تمہارا یہ رویہ کہ دولت پر اترانے لگتے ہو؛ اس لئے ہے کہ تم نے دنیا کی نعمتوں ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے، اور جب تنگی پیدا کی جاتی ہے تو اپنے مالک کی شکایت کرنے لگتے ہو؛ حالاں کہ یہ تنبیہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے، کہ تم یتیموں کی غربت دیکھ کر ان کی عزت نہیں کرتے اور ان کو شفقت کے برتاؤ سے محروم رکھتے ہو، غریبوں، محتاجوں کی فکر نہیں کرتے، رشتہ داروں میں کسی کا انتقال ہو جائے تو کوشش کرتے ہو کہ اس کا ترکہ دبالو، یہاں تک کہ اس کی عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم کر دیتے ہو، مال کی حرص کچھ اس طرح تمہارے سینوں میں سمائی ہوئی ہے کہ تم اس کے لئے ہر طرح کی ظلم و زیادتی پر اتر آتے ہو، جو تنگیاں ان کو پیش آتی ہیں، وہ ان ہی حرکتوں کا نتیجہ ہیں۔

ان آیتوں میں قرآن کا خطاب کافروں سے ہے، یعنی یوں تو جو لوگ ایمان نہیں لاتے، وہ بہت سے گناہ کرتے رہتے ہیں؛ لیکن خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کا ذکر کر کے اُن کی خصوصی شاعت کا اظہار کر دیا، مسلمانوں کے لئے غور و فکر کا مقام ہے کہ ان میں سے کون سی بُرائی ہے جو آج مسلم سماج میں موجود نہیں ہے؟ کیا یتیموں کے ساتھ زیادتی نہیں ہوتی؟ کیا غریبوں اور محتاجوں سے بے توجہی نہیں برتی جاتی؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بہت سے خاندانوں میں عورتوں کو حق میراث سے محروم رکھا جاتا ہے؟

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۖ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۖ وَجِئَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۚ يَقُولُ لِيَكُنْتَنِي قَدَمْتُ لِحَيَاتِي ۚ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۚ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۚ يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۚ أَرْجَعِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً ۚ فَأَدْخُلِي فِي عِبْدِي ۚ وَأَدْخُلِي جَنَّتِي ۚ

۱۳۰

جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی، (۲۱) آپ کے پروردگار اور قطار باندھے ہوئے فرشتے رونق افروز ہوں گے، (۲۲) اور اس دن دوزخ لائی جائے گی، اس روز انسان سمجھ جائے گا اور اس وقت سمجھنے کا کیا فائدہ؟ (۲۳) کہے گا: کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ بھیجا ہوتا! (۲۴) اس دن اللہ جو عذاب دے گا، ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں، (۲۵) اور اللہ جیسے جکڑے گا، اس جیسا کوئی جکڑنے والا نہیں، (۲۶) اے اطمینان پانے والی روح! (۲۷) اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ جا کہ تو اس سے خوش رہے اور وہ تجھ سے، (۲۸) میرے (کامیاب) بندوں میں شامل ہو جا، (۲۹) اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (۳۰) ۱

﴿۱﴾ آیت نمبر: ۲۷ سے آخر تک نیک لوگوں کے لئے خوشخبری ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے کہ اس کا تعلق قیامت سے ہے، یعنی قیامت کے دن ان روحوں کو دعوت دی جائے گی، اور بعض اہل علم کے نزدیک اس سے مراد موت کا وقت ہے، یعنی جن خوش نصیبوں کو 'نفس مطمئنہ' حاصل ہے، روح پرواز کرنے کے وقت ہی انھیں یہ مژدہ سنا دیا جائے گا، (تفسیر قرطبی: ۵۸/۲۰) — نفس مطمئنہ سے مراد ہے انسان کے دل کی کیفیت کا ایسا ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے دل کی آواز بن جائیں، اللہ تعالیٰ جن باتوں کو چاہتے ہیں، اس کا دل بھی ان باتوں کو چاہنے لگے، اور اللہ تعالیٰ جن باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، اس کا دل بھی ان کو ناپسند کرے، اللہ کے احکام کو بجالا کر اس کے قلب کو ایسا اطمینان حاصل ہو، جیسے مچھلی کو پانی میں آکر حاصل ہوتا ہے۔



# سُورَةُ الْبَلَدِ

«سورہ نمبر : (۹۰)»

«رکوع : (۱)»

«آیتیں : (۲۰)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے شروع میں شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے، عربی زبان میں شہر کو ”بلد“ کہتے ہیں، مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے؛ اس لئے اس سورہ کا نام ”بلد“ ہے۔

مکہ مکرمہ کی قسم کھا کر اس کی عظمت شان اور بلندی مرتبہ کو واضح فرمایا گیا ہے اور اہل مکہ چوں کہ اپنی بہت سی کمزوریوں کے باوجود بیت اللہ شریف کا احترام کرتے تھے اور حرم اقدس کی تعظیم کا خیال رکھتے تھے؛ اس لئے خاص طور پر اس شہر کی قسم کھائی گئی ہے۔

عام طور پر انسان کی طاقت اور مال و اسباب کی کثرت حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے؛ اس لئے خاص طور پر فرمادیا گیا کہ تمہارا اپنی طاقت و قوت اور دولت پر غور کرنا بے جا ہے، جس خدا نے تمہارے لئے آنکھیں، زبان اور ہونٹ وغیرہ بنائے اور اچھے بُرے کی تمیز عطا فرمائی، کیا تمہاری طاقت اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے؟ جب آدمی کے سر میں کبر و غرور کا نشہ سوار ہوتا ہے تو کمزوروں اور محتاجوں سے آنکھیں موند لیتا ہے؛ اس لئے غلام، یتیم اور محتاج و مسکین کے ساتھ اچھے سلوک کی تعلیم دی گئی، اور اخیر میں بتا دیا گیا کہ آخرت میں لوگوں کی درجہ بندی مال و دولت کے اعتبار سے نہیں ہوگی، ایمان و عمل کے اعتبار سے ہوگی، جو ایمان سے مشرف ہوں اور اس کے مطابق ان کا عمل ہو، وہ بہتر حالت میں ہوں گے، اور جو ایمان و عمل سے محروم ہوں گے، وہ بُرے حال میں ہوں گے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۝ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ۝ وَوَإِدٍ وَمَا وَلَدٌ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا  
الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۝ أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۝ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی ۝  
کہ آپ اسی شہر میں رہتے ہیں، ۝ (۱) اور قسم ہے باپ کی اور اس کی اولاد کی، ۝ (۲) ہم نے انسان کو مشقت  
میں پیدا کیا ہے، ۝ کیا اس کا خیال ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا؟ ۝ (۳) وہ کہتا ہے: میں نے ڈھیروں مال  
خرچ کر ڈالا۔ ۝

۱) پوری دنیا اور دنیا کے تمام شہروں میں اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل خطہ مکہ مکرمہ کو قرار دیا ہے، اس فضیلت کی وجہ سے اس  
کی قسم کھائی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور سبب فضیلت بھی بتا دیا کہ آپ ﷺ کا قیام اسی شہر میں ہے، کائنات کے بنانے کی  
ابتداء اسی شہر سے ہوئی، یہیں حضرت آدم ﷺ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی، یہیں حضرت ابراہیم واسماعیل ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اس  
عمارت کی تجدید کی، (تفسیر ابن کثیر: ۱۰/۲۲۴) اس شہر کو عبادت کا ایسا مرکز بنایا کہ پوری دنیا سے مسلمان سمٹ سمٹ کر یہاں آئیں  
گے، یہ ساری فضیلتیں تو اس خطہ کو پہلے سے حاصل تھیں؛ لیکن اب ایک اور وجہ فضیلت کا یوں اضافہ ہوتا ہے کہ اللہ نے آپ کو یہیں  
پیدا کیا اور آپ اسی شہر میں بسے ہوئے ہیں — تاہم علامہ رازی ﷺ نے ”وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ“ کی تشریح میں چند  
اور باتیں نقل کی ہیں، جن میں سے دو نسبتاً زیادہ مشہور ہیں، ایک یہ کہ یہ شہر حرام ہے، جس میں لوگ شکار کے جانوروں اور پرندوں کو  
بھی نہیں چھیڑتے اور خود روپودوں کو بھی نہیں اکھاڑتے؛ لیکن دوسری طرف ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے آپ کو حلال کر رکھا ہے،  
یعنی آپ کو ہر طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچا رہے ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے اس شہر کو حلال کر دیا گیا، یہ گویا ایک  
پیشین گوئی ہے کہ ایک وقت آئے گا، جب مکہ فتح ہوگا اور اس وقت مسلمانوں کے لئے یہاں جنگ کرنا درست ہوگا، (دیکھئے:  
مناجۃ الغیب: ۱۶/۴۱۸) قرآن مجید کا اُردو ترجمہ کرنے والے مختلف اہل علم نے ان مختلف معنوں کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ کیا ہے؛  
لیکن اس حقیر نے اُس ترجمہ کو ترجیح دی ہے، جو قرآن مجید کے الفاظ سے قریب تر ہے۔

۲) باپ سے مراد حضرت آدم ﷺ ہیں اور اولاد سے تمام انسان۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۶۵)

۳) انسان کو اپنی زندگی میں ڈھیروں مشقتوں سے گزرنا ہوتا ہے، کسب معاش کی دشواریاں، حادثات اور بیماریاں، اپنوں کی  
مخالفت، بے گانوں کی عداوت اور اخیر میں موت کی تکلیف، غرض انسان کی پوری زندگی کانٹوں کا بستر ہے، جس سے گزر کر اس کو  
جانا ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس کی غلط فہمی کا حال یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے اور وہ اللہ کی قدرت  
سے باہر ہے۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ ۖ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۚ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۚ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۚ فَكُ رَقَبَةً ۚ

کیا اس کا خیال ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں ہے؟ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں ﴿۱﴾ ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ ﴿۲﴾ اور ہم نے اس کو (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے، ﴿۳﴾ مگر اس سے یہ نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا، ﴿۴﴾ اور آپ نے سمجھا کہ گھاٹی کیا ہے؟ ﴿۵﴾ گردن کا چھڑانا۔ ﴿۶﴾

﴿۱﴾ یعنی اس نے ڈھیروں مال لٹایا تو ہے، مگر اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لئے، خوبصورت اور پر شکوہ عمارتیں بنائی ہیں اور ایک سے ایک گاڑیاں خرید کی ہیں؛ لیکن اللہ دیکھ رہے ہیں کہ ان سب کا مقصد اللہ کی رضا و خوشنودی نہیں ہے؛ بلکہ اپنی بڑائی کا اظہار ہے، بعض حضرات نے اس آیت سے کچھ خاص افراد مراد لئے ہیں، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۶۴/۲۰) لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے اور انسانی نفسیات کا اظہار ہے کہ بہت سے لوگ غریبوں، یتیموں اور مسکینوں پر تو خرچ نہیں کرتے — جن کا ذکر آگے آ رہا ہے — لیکن اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے دولت کا ڈھیر خرچ کر دیتے ہیں۔

﴿۲﴾ یعنی انسان کو چاہئے کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کرے اور ان کو صحیح مقاصد کے لئے استعمال کرے؛ تاکہ اللہ کی خوشنودی کے راستہ کو پاسکے۔

﴿۳﴾ بلندی کی سطح پر جو راستہ ہو، اسے ’منجد‘ کہتے ہیں، یہاں دو راستوں سے مراد بھلائی اور بُرائی کے راستے ہیں، یعنی جیسے بلند یوں پر بنایا ہوا راستہ نمایاں اور واضح ہوتا ہے، ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کا راستہ واضح فرما دیا ہے اور انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے دی ہے، تو اب اسے چاہئے کہ بہتر راستہ کا انتخاب کرے اور اس راستہ سے اپنے آپ کو بچائے، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے، (روح المعانی: ۱۳۶/۳۰) چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے خیر و شر دونوں راستے رکھ دیئے ہیں تو ہم شر کے راستے کو کیوں پسند کریں؟ (تفسیر قرطبی: ۶۵/۲۰)

﴿۴﴾ ”عَقَبَةُ“ کے اصل معنی پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں، گھاٹی سے گزرنے میں دشواری ہوتی ہے اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں بھی انسان مشقت سے دوچار ہوتا ہے، اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خیر و شر کے راستے دیکھا دیئے گئے؛ لیکن انسان سے یہ نہ ہو سکا کہ وہ آخرت کی بھلائی کو پانے کے لئے دنیا میں احکام شریعت کی اس گھاٹی سے گزرے، جو نفس پر شاق گذرتی ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے ان تین اعمال کا ذکر کیا ہے، جن کو خصوصی اہمیت حاصل ہے: ایک گردنوں کو چھڑانا، یعنی غلاموں کو آزاد کرنا، اس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں غلام شامل ہیں، فقہاء کے یہاں اس میں اختلاف ہے کہ غلام آزاد کرنا افضل ہے یا صدقہ کرنا؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غلام کو آزاد کرنا افضل ہے، (تفسیر قرطبی: ۶۸/۲۰) اس آیت سے امام صاحب رحمہ اللہ کے نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے، آج کل بے قصور قیدیوں کا رہا کرنا بھی اس میں داخل ہے، دوسرے: رشتہ دار یتیم اور بھوکے شخص کو کھانا کھلانا، یتیم ہونا ہی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی ضرورت پوری کی جائے اور اگر وہ رشتہ دار ہو تو اس کے ساتھ حسن سلوک اور بھی زیادہ ضروری ہے، تیسرے: ایسا غریب شخص جو نادر ہو: ”ذامتوبہ“ (مٹی میں پڑے ہوئے) سے نہایت غریب آدمی کی طرف اشارہ ہے، جس کے پاس کوئی گھر تک نہ ہو۔ (تفسیر قرطبی: ۷۰/۲۰)

ج ۱۵

أَوْ اطْعَمُ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۖ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۖ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۖ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَالَيْتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۖ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ۖ

یافاقہ کے دن کسی رشتہ دار یتیم کو یا مٹی میں پڑے ہوئے کسی محتاج شخص کو کھانا کھانا، ﴿۱۶﴾ ﴿۱۷﴾ پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے، ایک دوسرے کو صبر کرنے اور شفقت کرنے کی تلقین کی، ﴿۱۸﴾ یہی لوگ داہنی طرف والے ہیں، ﴿۱۹﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، وہی ہیں بائیں طرف والے! ﴿۲۰﴾ یہ لوگ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے۔ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ یعنی غریبوں کے ساتھ یہ حسن سلوک بھی آخرت میں نجات کا ذریعہ اسی وقت بنے گا، جب کہ وہ ایمان لائے، ایمان کے بنیادی تقاضوں میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کرنے اور شفقت کرنے کی تلقین کریں، حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عبد اللہ بن جدعان کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں رشتہ داروں کا خیال کرتے تھے، غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، ضرورت مندوں کے کام آتے تھے، غلاموں کو آزاد کرتے تھے اور اپنی سواری پر اللہ کے لئے لوگوں کو سوار کرتے تھے تو کیا یہ چیز ان کو کام آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! کیوں کہ انھوں نے ایک دن بھی نہیں کہا: ”رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین“ یعنی اے میرے رب! قیامت کے دن میری غلطی کو معاف فرما دیجئے، (مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۱۴) البتہ کفر کی حالت میں وہ جو بہتر عمل کریں گے، دنیا ہی میں ان کو ان کا بدلہ مل جائے گا، چاہے وہ دنیا کی نعمتوں کی شکل میں ہو، یا ایمان کی توفیق کی صورت میں ہو، حضرت حکیم بن حزام ؓ نے مسلمان ہونے کے بعد آپ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم زمانہ جاہلیت میں بہت سے اچھے عمل کیا کرتے تھے تو ہمیں اس کا کوئی اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کو جو ایمان کی توفیق ہوئی ہے، وہ ان ہی نیکیوں کے نتیجہ میں ہے، (بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۶۳۶) — دراصل ایمان کی حیثیت جنت کے ویزے کی ہے، دنیا میں بھی کوئی شخص کتنا ہی اچھا ہو؛ لیکن اگر وہ اس ملک کا شہری نہیں ہے، یا اس کو اس کا ویزا حاصل نہیں ہے تو وہ اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتا۔

﴿۲﴾ داہنی طرف والوں سے مراد جنت والے ہیں، جن کے دائیں ہاتھوں میں نامہ اعمال دیئے جائیں گے، ان ہی کا ذکر سورہ واقعہ میں ’اصحاب الیمین‘ کے لفظ سے کیا گیا ہے، (آیت نمبر: ۲۷) اور بائیں والے سے مراد اہل دوزخ ہیں، جن کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور سورہ واقعہ میں ان کا بھی ذکر آچکا ہے۔ (آیت نمبر: ۶۱)

﴿۳﴾ یعنی انھیں دوزخ میں جھونک کر دروازہ مہر بند کر دیا جائے گا، نہ کوئی کھڑکی ہوگی نہ نکلنے کا راستہ ہوگا اور نہ کوئی روشن دان۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۶۸)





# سُورَةُ الشَّمْسِ

«سورہ نمبر : (۹۱)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۱۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز ہی ”والشمس“ کے لفظ سے ہوتا ہے، یعنی: آفتاب کی قسم، اسی لئے اس کا نام ”شمس“ ہے۔

اس سورہ کے شروع میں سورج، چاند، دن، رات، آسمان وزمین اور خود انسان کی قسمیں کھائی گئی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں بھی ہیں اور اس کی قدرت کا شاہکار بھی، پھر انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ اپنے نفس کو گناہوں سے اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پاک رکھو، اسی میں تمہاری کامیابی ہے اور عبرت کے طور پر قومِ شمود کا ذکر کیا گیا ہے، جو اللہ کی نافرمانی اور پیغمبر وقت کے ساتھ سرکشی کی وجہ سے ہر طرح کی قوت و شوکت رکھنے کے باوجود صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دی گئی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۝ وَالنَّهَارُ إِذَا جَدَّهَا ۝ وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَاهَا ۝  
وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا ۝ وَالْأَرْضُ وَمَا طَحَاهَا ۝ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا  
وَتَقْوَاهَا ۝ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۝ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۝ إِذِ  
انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی، ۱  
چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آئے، ۲ دن کی جب سورج کو خوب روشن کر دے، ۳ رات کی جب وہ سورج کو  
چھپالے، ۴ آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی ۵ زمین اور اس کے بچھانے والے کی ۶ اور (انسان کی) جان کی  
اور اس ذات کی جس نے اس کو ٹھیک ٹھیک بنایا، ۷ پھر اس کو اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری سمجھادی ۸ یقیناً  
جس نے نفس کو سنوار لیا، وہ کامیاب ہو گیا، ۹ اور جس نے اس کو خاک میں ملا دیا (یعنی نفسانی خواہشات سے  
آلودہ رکھا)، وہ گھائٹے میں رہا، ۱۰ ۱۱ ثمود نے تو اپنی سرکشی کی وجہ سے (پیغمبر کو) جھٹلایا، ۱۲ جب کہ ان میں کا  
سب سے زیادہ بد بخت شخص اٹھ کھڑا ہوا، ۱۳ تو اللہ کے پیغمبر نے ان لوگوں سے کہا: اللہ کی اوٹنی اور اس کے پانی  
کے بارے میں خبردار! ۱۴

۱ یہاں تک اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں، سورج اور اس کی روشنی کی اہمیت کے کیا کہنے؟ جس سے دنیا  
میں زندگی کے سارے کاروبار قائم ہیں، ادھر سورج ڈوبا اور ادھر چاند نکلا، اسی چاند سے موموں کا اُتار چڑھاؤ متعلق ہے؛ اس لئے  
آیت نمبر: ۲ میں اس کی قسم کھائی گئی، آیت نمبر: ۳ اور ۴ میں دن اور رات کی قسم کھائی گئی کہ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دونوں  
ہی اللہ کی بڑی نعمت ہے، پھر آیت نمبر: ۵ اور ۶ میں آسمان وزمین کی قسم کھائی گئی؛ کیوں کہ انسان کے روزمرہ کے مفادات آسمان  
اور زمین ہی سے متعلق ہیں اور آیت نمبر: ۷ میں خود انسان کی زندگی کی؛ لیکن دن ہو یا رات، یا ان کے سائے میں جینے والا انسان،  
سب اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ پوری کائنات کا خالق اور پروردگار ہے۔

۲ جس بات کی قسم کھائی جا رہی ہے؛ اس کی اہمیت ظاہر کرنے اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے قرآن میں قسمیں  
کھائی جاتی ہیں؛ لہذا آیت نمبر: ۸ تا ۱۰ میں قسم کے اصل مقصد کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل و دماغ میں خیر  
وشر دونوں کی معرفت عطا کر دی ہے؛ لیکن کامیاب وہی شخص ہوگا، جو اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو سنوار لے  
اور جو نفس کا بندہ بن جائے گا، اس کے لئے نقصان ہی نقصان ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۚ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۚ ﴿١٥﴾

پھر بھی ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلادیا، یہاں تک کہ اونٹنی کو مار ڈالا، تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر اپنا عذاب نازل کر دیا؛ چنانچہ سب کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا، ﴿۱۵﴾ اور اللہ نے اس کے انجام کی کوئی پروا نہیں کی۔ ﴿۱۵﴾

﴿۱﴾ ”فَسَوَّاهَا“ کے معنی ہیں: مٹی کے اندر سب کو برابر کر دیا۔ (تفسیر قرطبی: ۷۹/۲۰)





# سُورَةُ الْبَلَدِ

« سورة نمبر : (۹۲) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۲۱) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کے شروع ہی میں رات کی قسم کھائی گئی ہے، رات کو عربی زبان میں ”لیل“ کہتے ہیں، اسی ابتدائی لفظ پر اس سورہ کا نام ہے، اس سورہ کا آغاز بھی قسم سے ہوتا ہے، قسم کھا کر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ آخرت میں مال و دولت اور رشتہ و قرابت سے انسان کامیاب ہو جائے گا؛ بلکہ آخرت کی کامیابی کا مدار انسان کی سعی و کوشش اور عمل پر ہے۔

اس سورہ میں ایک بنیادی بات فرمائی گئی ہے کہ عمل اور انجام کے اعتبار سے لوگوں کے دو گروہ ہیں، ایک وہ جو ایمان سے بہرور ہیں، وہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اور اللہ آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائیں گے، دوسرا وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ آخرت میں اللہ کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، پھر ایک اہم بات فرمائی گئی کہ جن لوگوں کو ایمان کی دولت حاصل ہو، تقویٰ کے راستہ کی دشواریاں بھی اس کے لئے آسان ہو جائیں گی اور جو شخص تقویٰ کا راستہ اختیار نہ کرنا چاہے تو اس کے لئے وہی راستہ آسان ہو جائے گا، جو اپنے انجام کے اعتبار سے دشواری کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
وَالَيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۝ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنِيْسِرُهُ لِيُسْرَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ  
بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنِيْسِرُهُ لِّلْعُسْرَىٰ ۝ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا  
تَرَدَّىٰ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۝ لَا  
يَصْلَحُهَا إِلَّا الْآشَقَىٰ ۝ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَىٰ ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ  
يَتَزَكَّىٰ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ رات کی قسم! جب کہ وہ چھا جائے، ۱  
دن کی قسم! جب وہ روشن ہو جائے، ۲ اس ذات کی قسم! جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا، ۳ کہ تمہاری کوششیں مختلف  
طرح کی ہیں، ۴ تو جس نے (اللہ کے راستہ میں مال) دیا اور ڈرتا رہا، ۵ اور بھلی بات کو سچ جانا، ۶ تو ہم اس  
کو آسان راستہ کی توفیق دیں گے، ۷ اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی برتی، ۸ اور اچھی بات کو جھٹلادیا، ۹ تو  
ہم اس کے لئے مشکل راستے کو آسان کر دیں گے، ۱۰ (۲) اور جب وہ گڑھے (۳) میں گرے گا تو اس کا مال اس  
کے کچھ کام نہ آئے گا، ۱۱ ہمارے ذمہ تو راستہ دکھا دینا ہے ۱۲ اور آخرت اور دنیا (دونوں) ہمارے ہی ہاتھ میں  
ہے، ۱۳ (۲) تو میں نے تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا ہے، ۱۴ اس میں وہی بد بخت داخل ہوگا، ۱۵  
جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا، ۱۶ ہاں، اللہ اس سے پرہیزگار شخص کو بچالیں گے، ۱۷ جو اپنا مال اس لئے دیتا ہے کہ  
وہ پاک ہو جائے۔ ۱۸

۱ یعنی تمہارے اعمال یکساں نہیں ہیں، کوئی مومن ہے اور کوئی کافر، کوئی صالح ہے اور کوئی فاسق و فاجر، کوئی اللہ تعالیٰ کا  
فرمانبردار ہے اور کوئی نفسانی خواہشات کا تابعدار، اور اعمال ہی کے اعتبار سے اس کے نتائج بھی مختلف ہوں گے۔  
۲ ”حسنی“ (بھلی بات) سے مراد ہے: ”لا الہ الا اللہ“ یعنی توحید، آسانی کے راستے سے مراد ہے: جنت، اور مشکل راستے سے  
مراد ہے: دوزخ، یعنی جو ایمان لائے اور اچھا عمل کرے، اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے اور وہ نیک کاموں میں  
آگے بڑھتا رہتا ہے، اور جو ایمان نہیں لاتا ہے اور بُرے اعمال کرتا ہے، اس کے لئے دوزخ کا راستہ آسان ہو جائے گا اور وہ اسی  
راستہ پر بڑھتا چلا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۸۵/۲۰)

۳ گڑھے سے مراد ہے: دوزخ۔

۴ یعنی آخرت تو ہمارے ہاتھ میں ہے ہی؛ لیکن اگر تم دنیا کے طلب گار ہو تو وہ بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۚ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿١٢﴾

اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ اُتار رہا ہو؛ ﴿۱۲﴾ بلکہ وہ اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے، ﴿۱۱﴾ اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ یعنی جو لوگ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتے ہیں، وہ اخلاص کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اور دو باتیں ان کے سامنے ہوتی ہیں: ایک یہ کہ وہ پاک ہو جائیں؛ کیوں کہ صدقہ گناہوں کے لئے کفارہ بنتا ہے؛ اس لئے وہ آدمی کو گناہ سے پاک کر دیتا ہے، دوسرے: اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، نہ دنیا کا کوئی فائدہ پیش نظر ہوتا ہے نہ نام و نمود، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی یہی شان تھی، اس کی ایک اعلیٰ ترین مثال حضرت ابوبکر ؓ تھے، حضرت بلال ؓ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو اُمیہ نے بڑی تکلیفیں پہنچانی شروع کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ سے فرمایا کہ بلال کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی جا رہی ہے، حضرت ابوبکر ؓ آپ ﷺ کے منشاء کو سمجھ گئے، انھوں نے اُمیہ بن خلف سے کہا: کیا تم اس کو بیچنے کے لئے تیار ہو؟ اس نے موقع دیکھتے ہوئے شرط لگائی کہ میں اسے نسطاس کے بدلے بیچوں گا، یہ حضرت ابوبکر ؓ کے غلام تھے، جس کے پاس دس ہزار دینار، غلام، باندیاں اور مولیٰ تھے، حضرت ابوبکر ؓ نے اس سے پوچھا: کیا تم اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو؟ نسطاس نے انکار کر دیا، تو حالاں کہ خادم کی ساری املاک مالک کی ہی ملکیت ہوتی تھی؛ لیکن حضرت ابوبکر ؓ اس بات کو خاطر میں نہیں لائے اور نسطاس کے بدلے حضرت بلال ؓ کو خرید کر آزاد فرما دیا، (تفسیر قرطبی: ۸۹/۲۰) اس طرح کی کتنی ہی مثالیں رسول اللہ ﷺ کے عالی مرتبت رفقاء کی مبارک زندگی میں موجود ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ۔



# سُورَةُ الضُّحَىٰ

«سورہ نمبر : (۹۳)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۱۱)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورۃ کا پہلا لفظ 'الضحیٰ' ہے؛ چنانچہ اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام 'الضحیٰ' ہے۔

اس سورہ میں خاص طور پر رسول اللہ ﷺ پر بے پایاں رحمتوں کا ذکر ہے، آپ ﷺ کی دلداری فرمائی گئی ہے، اور پھر ان انعامات کی نسبت سے آپ کو اور آپ کے واسطے سے اُمت کو یتیموں اور سائلوں کے ساتھ بہتر سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور انعامات ربانی پر شکریہ ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے، حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ سورۃ 'الضحیٰ' اور اس کے بعد کی ہر سورہ کے ختم پر 'اللہ اکبر' یا 'اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر' پڑھنا مسنون ہے؛ کیوں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ سورہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے خوشی و مسرت میں 'اللہ اکبر' کہا، تاہم علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ یہ بات کسی صحیح تو کیا ضعیف سند سے بھی منقول نہیں ہے۔ (التفیر المنیر للرحلی: ۲۸۰/۱۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝  
وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ أَلَمْ يَجِدَكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝  
وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے روشن دن کی، ۱ رات کی جب چھا جائے، ۲ کہ (اے پیغمبر!) آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ چھوڑا ہے اور نہ آپ سے ناراض ہوا ہے ۳ اور یقیناً آپ کی بعد کو آنے والی حالت پہلی حالت سے کہیں بہتر ہوگی، ۴ جلد ہی اللہ آپ کو اتنا کچھ عطا فرمائیں گے کہ آپ خوش ہو جائیں گے، ۵ (۱) کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا، تو آپ کو ٹھکانہ دیا، ۶ آپ کو راستہ سے ناواقف پایا، تو راستہ دکھایا، ۷ آپ کو غریب پایا، تو دولت مند کر دیا؟ ۸

۱﴾ حضرت جندب بن سفیان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار پڑ گئے اور دو تین دن تہجد نہ پڑھ سکے، ایک عورت آئی اور اس نے کہا: اے محمد (ﷺ)! میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے تجھ کو دو تین راتوں سے چھوڑ رکھا ہے اور تمہارے قریب نہیں آیا ہے، اسی موقع سے یہ سورت نازل ہوئی، (بخاری، باب ترک القیام للریض، حدیث نمبر: ۱۰۷۳) تفسیر قرطبی میں نقل کیا گیا ہے کہ یہ گستاخ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۹۳) ایسی ہی گستاخانہ افواہوں کی تردید اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی و دلداری کے لئے یہ سورہ نازل ہوئی، اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے روشن دن کی قسم کھائی ہے، ”ضحیٰ“ کے اصل معنی تو اس وقت کے ہیں، جب سورج اوپر چڑھتا ہے، جس کو چاشت کا وقت کہا جاتا ہے، لیکن رات کے مقابلہ میں اگر ”ضحیٰ“ کا لفظ کہا جائے تو اس سے پورا دن مراد ہوتا ہے، اور رات کے چھانے سے مراد ہے: رات کی تاریکی کا پوری طرح چھا جانا، رات اور دن یہی دونوں اوقات ہیں، جن میں انسانی زندگی کے تمام امور انجام پاتے ہیں؛ اس لئے ان دونوں کی قسم کھائی گئی ہے اور آپ ﷺ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ آپ کے رب نے ہرگز آپ کو چھوڑا نہیں ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہیں؛ چنانچہ آپ کا ہر آنے والا دن پچھلے دن سے بہتر ہے، اور اللہ آپ ﷺ کو اتنا عطا فرمائیں گے کہ آپ خوش ہو جائیں گے، آیت نمبر: ۴ ”وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ“ کی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے یہی تفسیر کی ہے کہ اس آیت میں ان فتوحات کی طرف اشارہ ہے جو بعد میں آپ کی امت کو حاصل ہونے والی تھیں، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۹۵) امام فخر الدین رازی ؒ نے بھی اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب ؒ نے اسی پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ کیا ہے؛ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رفتہ رفتہ اسلام کا پودا پھلتا اور پھولتا گیا اور جس قدر اس کو دبانے کی کوشش کی گئی اسی قدر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور پھر پورا جزیرۃ العرب اسلام کے دامن میں آ گیا۔ دوسرا معنی یہ مراد لیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے عالم آخرت اس عالم یعنی دنیا سے بہتر ہے۔

(دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۰/۹۵)

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۖ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۖ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۖ ﴿۱۱﴾

تو یتیم پر سختی نہ کیجئے ﴿۱۱﴾ اور نہ مانگنے والے کو جھڑکی دیجئے ﴿۱۲﴾ اور اپنے پروردگار کے انعامات کو بیان کرتے رہئے۔ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾

﴿۱﴾ آیت نمبر ۶: تا ۱۰ میں اللہ تعالیٰ کی تین نعمتوں کو گنایا گیا ہے اور ان نعمتوں کے لحاظ سے تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے، پہلی نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ یتیم تھے، عرب کے معاشرہ میں یتیموں کا حال بہت خراب ہوتا تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب کے دل میں آپ کی ایسی محبت ڈال دی کہ انھوں نے پوری طرح ایک باپ کی محبت دی اور آپ کی پرورش کی، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ بھی یتیموں کے ساتھ بہتر سلوک کریں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یتیموں کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین کی، ان کے حقوق متعین فرمائے، خود یتیموں کی پرورش کی اور ایسی خواتین کو اپنے نکاح میں لائے، جن کے ساتھ یتیم بچے تھے اور ان بچوں کو باپ کا پیار دیا، ایک صاحب نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ میرے دل میں سختی محسوس ہوتی ہے تو فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو یتیم کے سر پر ہاتھ رکھو اور مسکین کو کھانا کھاؤ، ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے ایسے ہوں گے جیسے: یہ دو انگلیاں، اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا، (بخاری، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۴۹۹۸) دوسری نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ اگرچہ شرک و کفر سے محفوظ تھے؛ لیکن راہ حق سے بے خبر تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ کو اپنی پیغمبری سے نوازا جس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہو سکتا ”والضلال هنا بمعنى الغفلة“ (تفسیر قرطبی: ۹۶/۲۰) اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یاد کیجئے، یعنی نعمت نبوت حاصل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی جن تعلیمات سے آپ کو نوازا ہے، آپ لوگوں کو اچھی طرح اُن سے آراستہ کیجئے، اگرچہ اس آیت میں اور بھی نعمتوں کے بیان کرنے کا حکم ہے؛ لیکن خصوصی طور پر قرآن اور شریعت کی تعلیم اس میں شامل ہے: ”یدخل تحته تعلیم القرآن والشرائع“ (مدارک التنزیل: ۱۳۵۷) اس طرح اس آیت میں حدیث کے حجت ہونے کا بھی اشارہ ملتا ہے؛ کیوں کہ نعمت وحی کا بیان حدیث ہی کی شکل میں ہم تک پہنچا ہے — اس آیت کی روشنی میں اہل علم نے لکھا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کسی دینی و دنیوی نعمت سے نوازے تو تکبر کے طور پر نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر اسے بیان کرنا چاہئے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم اپنے بھائیوں میں سے معتبر لوگوں سے اس کا تذکرہ کیا کرو، مثلاً کہا جائے: مجھے رات نماز پڑھنے، تلاوت کرنے اور فلاں فلاں کام کرنے کی توفیق ہوئی، (تفسیر قرطبی: ۱۰۲/۲۰) اسی طرح عملی طور پر بھی اللہ کی نعمت کا اظہار ہونا چاہئے، حضرت مالک بن نضلمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میرا کپڑا بہت ہی معمولی پرانا سا تھا، آپ ﷺ نے دریافت کیا: تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہر طرح کا مال ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کوئی مال دیں تو تم پر اس کا اثر نظر آنا چاہئے، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۹۳۳) تیسری نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ غریب تھے اور ہم نے آپ ﷺ کو دولت مند کر دیا، اس کا ذریعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بنایا گیا کہ وہ ایک دولت مند خاتون تھیں، اور جب وہ آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں تو انھوں نے پوری دولت آپ ﷺ کے قدموں میں نثار کر دی، اس کا شکر انہ یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو جھڑکی نہ دی جائے، کچھ نہ کچھ دے کر واپس کیا جائے، یا کم سے کم بہتر بات کہہ کر عذر کر دیا جائے۔



## سورة الم نشرح

« سورة نمبر : (۹۴) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۸) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی پہلی آیت ”اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ“ ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’انشرح‘ ہے، اور اس کو ’الم نشرح‘ یا ’سورہ شرح‘ بھی کہتے ہیں۔

جیسے سورہ الضحیٰ میں رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا تھا، اسی طرح اس سورہ میں بھی آپ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے؛ چنانچہ سب سے پہلے آپ پر اللہ کی تین نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سینہ کو علم و معرفت کے لئے کھول دیا ہے، دوسرے: نبوت کا بوجھ اٹھانے کو آپ ﷺ کے لئے آسان کر دیا ہے، تیسرے: اللہ نے آپ ﷺ کو ذکر کی بلندی سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ کی آپ پر یہ ایسی نوازش ہے کہ جس کا منظر آج پوری دنیا دیکھ رہی ہے، کیا مسلمان اور کیا کافر اور کیا اپنے اور کیا بیگانے، ہر شخص آپ کی توصیف کو اپنے لئے ایک سعادت سمجھتا ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ دعوتِ دین کے راستہ میں جو دشواریاں اس وقت درپیش ہیں، اللہ ان کو آسانیوں اور سہولتوں سے بدل دیں گے؛ اس لئے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے، نیز آپ ﷺ کو تاکید کی گئی ہے کہ آپ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں، اور اپنے پروردگار سے اپنا تعلق قائم رکھیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۖ الَّذِي اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۖ وَرَفَعْنَا لَكَ  
 ذِكْرَكَ ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۱ کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا ۱ ۱ اور آپ سے آپ کا بوجھ اُتار دیا، ۲ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی؟ ۲ ۲ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آواز بلند کر دیا ہے۔ ۳ ۳

۱ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو اس بات کے لئے تیار کر دیا کہ آپ ﷺ وحی الہی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں، ایسے علم و حکمت سے نواز دیا کہ آپ ﷺ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکیں اور جو مخالفتیں ہوں، ان کو برداشت کر سکیں: ”شرح الصدر: تنویرہ بالحکمة وتوسیعة لتلقى ما یوصی الیہ“ (البحر المحیط: ۸/۳۸۷) اسی کی دُعا حضرت موسیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے فرمائی تھی: ”رب اشرح لی صدري“ (ط: ۲۵) بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس سے ”شرح صدر“ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک چاک کرنے، دل روشن کو زمزم کے پانی سے دھونے اور اسے نور حکمت سے معمور کرنے کا آیا ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۰۴/۲۰) سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ: ۱/۱۱۳)

۲ ”وَزْر“ کے معنی بوجھ کے بھی ہیں اور گناہ کے بھی، بظاہر یہاں بوجھ کے معنی مراد ہیں اور وہ بوجھ یہ تھا کہ آپ ﷺ کیسے وحی کے اُترنے کو برداشت کر سکیں گے؟ اس لئے کہ ابتداء میں جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو آپ ﷺ بڑا بوجھ محسوس کرتے تھے؛ لیکن آہستہ آہستہ یہ کیفیت جاتی رہی، (تفسیر قرطبی: ۱۰۶/۲۰) اسی کے ساتھ ایک احساس آپ ﷺ کو یہ بھی ہوتا تھا کہ مخالفتوں کا جو طوفان اُٹھ رہا ہے، اس فضا میں آپ ﷺ تبلیغ دین کا فریضہ کس طرح انجام دے سکیں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو اطمینان دلادیا گیا کہ یہ دین پھیلے گا اور ہر کچے پکے گھر میں پہنچے گا — اگر ”وَزْر“ گناہ کے معنی میں ہو تو اس سے مراد بھول چوک اور اجتہادی غلطیاں ہیں، کبھی آپ ﷺ نے کسی مصلحت کے پیش نظر کوئی کام کیا؛ لیکن وہ خلاف مصلحت ثابت ہوا، یا کسی بات پر بھول چوک ہو گئی تو آپ ﷺ کو اس کی وجہ سے بھی گرائی ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر بتا دیا کہ آپ ﷺ کی تمام بھول چوک معاف فرمادی گئی ہے، قرآن میں دوسری جگہ آپ ﷺ کی بھول چوک کے معاف کر دیئے جانے کا صراحت کے ساتھ بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ (الفتح: ۲)

۳ اس سے بڑھ کر اللہ کے رسول کے ذکر کی بلندی کیا ہوگی کہ اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ کے خطبات میں، ایام تشریق کی تکبیرات میں، یوم عرفہ میں، جمرات کے پاس، صفا و مروہ پر، خطبہ نکاح میں، غرض کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی بھی آتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی یہی تفسیر کی ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۰۶/۲۰) عرصہ پہلے ایک مضمون پڑھنے کا موقع ملا کہ شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں کوئی ایسا لمحہ نہیں ہوتا، جب انڈونیشیا سے لے کر امریکہ تک کہیں نہ کہیں اذان کی آواز بلند نہ کی جاتی ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا ذکر نہ ہوتا ہو، اس طرح گویا ہر لمحہ دنیا کی فضا میں آپ کا ذکر گونجتا رہتا ہے۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۖ وَإِلَىٰ رَبِّكَ  
فَارْغَبْ ۝

۱۹  
ع

تو یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے، ۵ ضرور مشکل کے ساتھ آسانی ہے، ۱ (۱) تو جب آپ فارغ ہوں تو (عبادت میں) محنت کیا کیجئے، ۶ اور اپنے پروردگار ہی سے لو لگائے رہئے۔ (۲) ۸

۱﴾ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تلقین ہے کہ آپ موجودہ دشواریوں سے پریشان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ بہت جلد اس پریشانی کے مقابلہ آسانی پیدا کر دیں گے؛ چنانچہ آپ ﷺ کی ابتدائی زندگی ہر طرح کی تنگیوں اور دشواریوں سے گھری ہوئی تھی؛ لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دولت سے بھی نوازا اور سلطنت سے بھی، اور آپ ﷺ کی دعوت آپ کی زندگی ہی میں پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گئی، کہاں تو آپ ﷺ مکہ سے بے یار و مددگار نکلنے پر مجبور کئے گئے تھے، یا صرف آٹھ سال کے بعد اس شان سے داخل ہوئے کہ دس ہزار جاں نثار آپ ﷺ کے قدموں میں تھے، اس سورہ میں اگر غور کیا جائے تو ایک ’عُسْر‘ یعنی تنگی کا ذکر دو ’یُسْر‘ یعنی سہولتوں کے درمیان ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عسر ہرگز دو یسر پر غالب نہیں آسکتا: ”لا یغلب العسر یسرین“ (تفسیر قرطبی: ۱۰۸/۲۰) یہ مصیبت و پریشانی کی حالت میں انسان کے لئے دلداری کا سامان ہے۔

۲﴾ یعنی جب آپ ﷺ دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے فارغ ہو گئے تو اب بقیہ اوقات بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جائیے اور اس پر خصوصی طور پر توجہ دیجئے؛ تاکہ اللہ کی مخلوق کا بھی حق ادا ہوتا رہے اور خالق کا بھی۔



# سُورَةُ التَّائِيْنِ

«سورہ نمبر : (۹۵)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۸)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

”تین“ کے معنی انجیر کے ہیں، انجیر ایک بہت ہی مفید غذا ہے اور غذا و علاج دونوں پہلوؤں سے انجیر اور زیتون دونوں کے بڑے فائدے ہیں؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ان دونوں کارآمد چیزوں کی قسم کھائی ہے، پھر غذائے روحانی کے اعتبار سے ”طور سینا“ اور مکہ مکرمہ کی قسم کھائی گئی ہے؛ کیوں کہ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی اور مکہ مکرمہ میں قرآن مجید نازل ہوا، پس چوں کہ ان قسموں کا آغاز ”التین“ سے ہوا ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ”التین“ رکھا گیا ہے۔

اس سورہ کا اصل مضمون ”انسان“ کی ہستی ہے، انسان کے بارے میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ مکرم و محترم وجود ہے، اور کائنات کے خالق نے اسے بہترین قالب میں بنایا ہے، دوسری طرف انسان جب اللہ کے احکام سے سرکشی کرتا ہے تو وہ پستی کی آخری حد میں پہنچ جاتا ہے اور دوزخ اس کا ٹھکانہ بنتا ہے؛ البتہ اگر وہ ایمان اور نیک عمل پر قائم رہے تو اس کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے، اور آخرت میں اللہ کی طرف سے بہترین اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے، اخیر میں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے انسان سے دریافت کیا گیا ہے کہ کیا وہ اب بھی اس بات کو نہیں مانے گا کہ اللہ جزا و سزا کا بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں؟

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ایک رکعت میں اس سورہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور ان کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو آپ سے بہتر آواز والا اور پڑھنے والا نہیں سنا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ ۚ وَطُورِ سِينِينَ ۚ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۚ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۚ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۖ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۖ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّكْرِ ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے انجیر اور زیتون کی، ۱؎ طور سینا (نامی پہاڑ) کی ۲؎ اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی! ۳؎ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے، ۴؎ پھر ہم اس کو پست سے پست تر کر دیتے ہیں، ۵؎ ہاں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، ۶؎ تو ان سب باتوں کے بعد تجھے کیا چیز روز جزا کے انکار پر آمادہ کر رہی ہے؟ ۷؎ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑے حاکم نہیں ہیں۔ ۸؎

۱؎ اللہ تعالیٰ نے ان تین آیتوں میں چار چیزوں کی قسم کھائی ہے، دو پھلوں کی، ایک: انجیر، دوسرے: زیتون، جو زیادہ تر شام اور فلسطین کے علاقہ میں ہوتے تھے اور اس لئے عرب ان سے بخوبی واقف تھے، اور دو مقامات کی، ایک: سینا میں واقع طور پہاڑ کی، جس کو 'جبل موسیٰ' بھی کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ یہیں حضرت موسیٰ ﷺ کو تورات عطا کی گئی تھی، دوسرے: مکہ المکرّمہ کی، جس کا ذکر پُر امن شہر کے لفظ سے کیا گیا ہے؛ کیوں کہ مکہ حرم ہے اور یہاں جانوروں کا شکار اور خود رو پودوں کو اُکھاڑنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ ۲؎ قسم تین باتوں کی کھائی جا رہی ہے، اول یہ کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں بنایا ہے، انسان کے جسم کے ایک ایک عضو کو دیکھئے اور دوسرے جانداروں یا بے جانوں سے اس کا تقابل کیجئے تو محسوس ہوگا کہ اللہ نے انسان کے پورے وجود کو حسن و جمال کا پیکر بنایا ہے اور اعضا میں حد درجہ اعتدال رکھا ہے، نہ اسے سانپ کی طرح زمین پر ریٹکنا پڑتا ہے نہ چوپایوں کی طرح زمین پر چلنے اور منہ سے چارہ کھانے کی نوبت آتی ہے، نہ ہاتھیوں کی طرح ناک کے بجائے سونڈ کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے، اور نہ اس کو کپڑوں سے خالی و عاری رکھا گیا ہے، اسے دو پاؤں پر کھڑا کیا گیا؛ تاکہ وہ اعتدال کے ساتھ چل سکے، اسے ایسے ہاتھ دیئے گئے کہ شائستگی کے ساتھ کھا سکے، اسے زبان عطا کی گئی؛ تاکہ وہ بہتر طور پر اپنے دل کی بات دوسروں کو سنا سکے، اسے بالوں سے خالی چہرہ عطا کیا گیا، جو اس کی خوبصورتی کا مرکز ہے، اس کے دانت اور اس کی آنکھیں، اس کے بال اور اس کی ناک، اس کے ہاتھ پاؤں اور اس کی گردن، ہر چیز اپنی اپنی جگہ حسن کے غلاف میں لپیٹی ہوئی ہے، دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ہم اس کو پست سے پست تر کر دیں گے، یعنی دوزخ میں پہنچا دیں گے، اور تیسری بات فرمائی گئی کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، وہ اس پستی سے محفوظ رہیں گے۔

۳؎ یعنی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ان کمالات کو دیکھو اور پھر غور کرو کہ کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ تو جب اللہ تعالیٰ کی ←

← قدرت اتنی بڑھی ہوئی ہے اور اسی کا فیصلہ چلتا ہے اور اللہ فرماتے ہیں کہ بدلہ کا ایک دن آنے والا ہے تو آخر اس سے انکار کیا وجہ ہے؟ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو اس سورہ کو پڑھے اور ”أليس الله باحكم الحاكمين“ کی تلاوت کرے تو اسے کہنا چاہئے: ”بلیٰ وأنا علی ذلک من الشاہدین“ (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۴۷) یعنی ہاں، کیوں نہیں؟ میں بھی اس پر گواہ ہوں!





# سُورَةُ الْعَلَقِ

«سورہ نمبر : (۹۶)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۱۹)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا نام علق اور اِقرأ ہے، اِقرأ اس لئے کہ اس سورہ کا پہلا لفظ ہی 'اِقرأ' ہے، اور 'علق' اس لئے کہ اس کی دوسری آیت اسی لفظ پر ختم ہوتی ہے۔

اس سورہ کی آیت نمبر: ۱ تا آیت نمبر: ۴ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، (بخاری، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۴۶۷۰) اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر تین مضامین کا ذکر فرمایا ہے، اول: انسان کی پیدائش کا نظام کہ اس کی ابتدائی شکل جیسے ہوئے خون کی تھی، اس کے بعد پڑھنے کا، قلم کا اور علم کا تذکرہ ہے کہ اللہ ہی نے اس حقیر انسان کو علم کے اعلیٰ درجہ و مقام تک پہنچایا، دوسرے: انسان کی سرکشی اور اس کے تکبر کا ذکر کیا گیا ہے، جس کو ایمان اور اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی، تیسرے: آیت نمبر: ۹ سے نام لئے بغیر ابو جہل کا ذکر ہے، جو مسلمانوں کو نماز سے روکتا تھا اور دعوتِ اسلام میں رکاوٹ بنتا تھا، پھر اخیر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ ان کی مخالفت اور عناد کی پرواہ مت کیجئے؛ بلکہ اپنے مالک کے دربار میں سجدہ کرتے رہئے، یہ خدا کی قربت کا ذریعہ ہے اور جس کو اللہ کی قربت حاصل ہوگی، اس کے لئے کسی انسان کی مخالفت اور دعوت کی کیا اہمیت ہے؟

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝  
 الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے، جس نے (سب کچھ) پیدا کیا ہے، ۝ اس نے انسان کو جنمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، ۝ پڑھئے، اور آپ کے پروردگار بڑے کرم کرنے والے ہیں، ۝ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، ۝ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی، جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔ ۝ (۱) ۝

﴿۱﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ذریعہ ہوا، جب بھی آپ خواب دیکھتے صبح کی سفیدی کی طرح وہ آپ کے سامنے آجاتا، پھر اس کے بعد آپ کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوگئی کہ آپ تنہائی کو پسند کرتے، غار حرا میں خلوت کی حالت میں رہتے اور کئی کئی دنوں آپ یہیں اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کرتے رہتے، آپ کا توشہ آپ کے ساتھ ہوتا، چند دنوں کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لاتے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو توشہ دے کر رخصت کر دیتیں، یہاں تک کہ ایک دن غار حرا میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، انھوں نے کہا: آپ پڑھئے! آپ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، یعنی مجھے لکھی ہوئی چیز پڑھنی نہیں آتی ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بھیجا، پھر دوبارہ آپ سے پڑھنے کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے یہی جواب دیا، پھر تیسری بار آپ ﷺ سے پڑھنے کو کہا اور زور سے بھیجنے لگا، پھر اس سورہ کی ابتدائی پانچ آیتیں آپ پر پڑھیں، (بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر: ۳) لہذا اس پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ آپ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی آیات یہی ہیں، ان آیات میں کئی پہلو قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی وحی میں پڑھنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیم اور قلم کا ذکر کیا، اس سے تعلیم کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، دوسرے: فرمایا گیا 'اپنے رب کے نام سے پڑھئے' اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ انسان کے لئے وہی علم نافع ہوتا ہے، جس کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہو، جس علم کا رشتہ اللہ کے نام سے جڑا ہوا نہ ہو، وہ دنیا کمانے کا ذریعہ تو بن سکتا ہے؛ لیکن انسانیت کی بھلائی کا ذریعہ نہیں بن سکتا، جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں؛ لیکن نہ ان میں خالق کی پہچان ہے، نہ مخلوق کی محبت، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہر اچھے کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنا چاہئے، چوتھے: قلم کی اہمیت معلوم ہوئی؛ کیوں کہ قلم ہی علم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، فائدہ کا قول ہے کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو نہ دین قائم رہتا اور نہ زندگی بہتر ہوتی، (تفسیر قرطبی: ۱۲۰/۲۰) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۱۹) رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ لکھنا نہیں سیکھا تھا اور اس میں مصلحت تھی کہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ آپ نے کسی کتاب کو پڑھ کر خود سے قرآن مجید کو بنالیا ہے؛ لیکن آپ نے لکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی، ←

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَيِّطٌ ۖ أَنْ رَأَاهُ اسْتَغْنَىٰ ۚ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۗ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۗ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ ۙ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۙ أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۙ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۙ كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۙ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ كَلَّا لَا تَطْعَهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

۱۹  
۲۱

السجدة ۱۳

سچ مچ انسان اس لئے سرکش کرتا ہے، کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے ۴ یقیناً تمہارے پروردگار ہی کی طرف واپس ہونا ہے، ۵ آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے؟ ۶ ۷ بھلا دیکھئے تو سہی، کہ اگر یہ شخص ہدایت پر ہو، ۸ اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہو (تو کیا اس کو روکنا درست ہے؟) ۹ بھلا بتلاؤ تو سہی، اگر یہ (منع کرنے والا) خود ہی جھٹلاتا اور روگردانی کرتا ہو؟ ۱۰ کیا اسے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں؟ ۱۱ ہرگز نہیں! اگر یہ باز نہیں آئے تو ہم پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، ۱۲ ایسی پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے ۱۳ وہ اپنے ہم نشینوں کو بھی بلا لے، ۱۴ ہم بھی عنقریب دوزخ کے فرشتوں کو بلائیں گے، ۱۵ ۱۶ دیکھئے، اس کا کہانہ مانے، سجدہ کرتے رہئے اور اللہ کا قرب حاصل کرتے رہئے۔ ۱۷ ۱۸

← آپ مختلف صحابہ سے قرآن مجید لکھایا کرتے تھے، آپ نے حدیث کو لکھنے کا حکم دیا، (الاتقان فی علوم القرآن: ۲۰۵/۱) اس کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ نبی بنائے گئے تھے، اس وقت کہا جاتا ہے کہ مکہ میں صرف تیرہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا؛ لیکن آپ ﷺ کی برکت سے لکھنے کا فن اتنا عام ہوا کہ صرف وہ لوگ جن سے آپ نے وحی کی کتابت کرائی ہے، چالیس سے اوپر ہیں، چوتھے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو ان باتوں کا علم دیا ہے، جن کو وہ نہیں جانتے، مفسرین نے اس سے یہ مراد لیا ہے کہ حضرت آدم ﷺ کو چیزوں کے نام سکھائے گئے، (تفسیر قرطبی: ۱۲۲/۲۰) لیکن شاید اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ آپ کا دور نبوت علمی انکشافات کا دور ہوگا اور بہت سی انجانی چیزیں اس عہد میں جانی جائیں گی، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کے آغاز سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی نبوت تک جو طویل عرصہ گزرا ہے، اس کے مقابلہ میں نبوت محمدی کے گزرے ہوئے دور یعنی گذشتہ پندرہ سو سال کے عرصہ میں علم کے مختلف میدانوں میں بے حد ترقی ہوئی ہے اور ابھی بھی ترقی کا سفر جاری ہے۔

﴿۱﴾ سورہ کی یقینی آیتیں ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور مفسرین کا اندازہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے نازل ہونے والی پانچ آیات کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں، ابو جہل شروع سے ہی اسلام اور پیغمبر اسلام سے دشمنی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے ہوا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار آپ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل وہاں سے گذرنا تو اس نے کہا: اے محمد! کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ ←

← آپ ﷺ نے بھی کچھ سخت جواب دیا، ابو جہل نے کہا: تم مجھے کس بات سے دھمکاتے ہو؟ اس وادی میں میرا جتھا سب سے بڑا ہے، اسی پس منظر میں ارشاد ہوا کہ وہ بھی اپنے مددگاروں کو بلا لیں اور ہم بھی دوزخ کے فرشتوں کو بلاتے ہیں۔

(ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۴۹)

حاصل یہ ہے کہ انسان کو جب کچھ دولت و ثروت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ نماز سے بھی روکنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اس حرکت سے باز نہیں آیا تو ہم اس کی پیشانی پکڑ کر گھسیٹیں گے اور دوزخ کے فرشتے اس کی خبر لیں گے، پیشانی اس لئے فرمایا گیا کہ پیشانی انسان کے وقار کی علامت ہوتی ہے، تو جیسے اس نے اللہ کے نبی کو بے آبرو کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح اسے بھی ذلیل کیا جائے گا اور جھوٹی اور خطا کار پیشانی سے ابو جہل کی ذات مراد ہے، جیسے چہرہ بول کر انسان کا پورا وجود مراد لیا جاتا ہے، اسی طرح پیشانی سے ابو جہل کا پورا وجود مراد ہے کہ وہ اپنی باتوں میں جھوٹا ہے اور اپنے عمل میں خطا کار، (تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۸۱) ’زبانہ‘ سے مراد وہ توند مزاج فرشتے ہیں، جو دوزخ میں اہل دوزخ کو عذاب دینے پر مسلط کئے جائیں گے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۲۶) اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو نماز سے روکنا خاص کر مسجد میں جائز نہیں، آج کل جو مسجدیں فرقوں اور مسلکوں کے لئے مخصوص ہو گئی ہیں اور وہ دوسرے مسلک کے لوگوں کو مسجدوں میں آنے دینے کے روادار نہیں ہیں، یہ ان کے لئے موقع عبرت ہے؛ البتہ اگر کسی شخص کو بیماری یا عذر کی وجہ سے نماز پڑھنے سے روکا جائے تو وہ اس ممانعت میں شامل نہیں ہیں۔

﴿۲﴾ اخیر میں آپ کو تلقین کی گئی کہ آپ ان کی بات سے متاثر نہ ہوں اور سجدہ کرتے رہیں، سجدہ سے نماز مراد ہے؛ کیوں کہ ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع کیا تھا، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۲۸) اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کی مناسبت سجدہ سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اس وقت ہوتا ہے، جب اس کی پیشانی زمین پر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے۔ (مسلم، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۸۲)

اس آیت پر سجدہ تلاوت کرنا واجب ہے، حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ”اذا السماء انشقت“ اور ”اقراء باسم ربک الذی خلق“ میں سجدہ تلاوت کیا ہے۔

(مسلم، کتاب المساجد، باب سجود التلاوة، حدیث نمبر: ۵۰۸)





# سُورَةُ الْقَدَامِ

«سورہ نمبر : (۹۷)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۵)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

”قدر“ کے معنی عظمت اور بلند مرتبہ ہونے کے ہیں، قرآن مجید جس رات کو آسمان اول پر اُتارا گیا، اس کے درجہ و مرتبہ کے کیا کہنے! اسی لئے خود رب کائنات نے اس رات کو ”لیلۃ القدر“ کا نام دیا ہے اور اسی سورہ کی پہلی آیت میں اس کا ذکر موجود ہے، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’قدر‘ ہے۔

راجح یہ ہے کہ یہ سورہ آپ ﷺ پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سورہ میں بنیادی طور پر شب قدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس رات فرشتے بالخصوص حضرت جبریل علیہ السلام زمین پر تشریف لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی برکتیں نازل ہوتی ہیں، نیز یہ کیفیت صبح ہونے تک باقی رہتی ہے۔





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَبِيرٌ مِّنْ أَلْفِ  
 شَهْرٍ ۚ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۚ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ  
 الْفَجْرِ ۝

وقف النبی ﷺ الثالثة

۲۵-۲۶

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے ۝  
 اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ ۝ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، ۝ جس میں فرشتے اور روح القدس  
 (جبریل علیہ السلام) اپنے رب کی اجازت سے ہر حکم کو لے کر اترتے ہیں، ۝ یہ رات سراپا سلامتی ہے، جو صبح ہونے تک  
 رہتی ہے۔ ۝ (۱) ۝

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کے طویل مدت تک عبادت کرنے کا ذکر کیا، صحابہ کو خیال ہوا کہ ان  
 کی عمریں تو زیادہ ہوتی تھیں؛ اس لئے انھوں نے زیادہ دن تک عبادت کی، ہم لوگ اس سے محروم ہیں، اسی پس منظر میں یہ سورہ  
 نازل ہوئی کہ اس اُمت کو ایک ایسی شب دی گئی ہے، جس کی عبادت ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، ہزار مہینے سے ایسے ہزار مہینے  
 مراد ہیں، جن میں شب قدر شامل نہ ہو، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۳۱) چنانچہ اس سورہ میں بحیثیت مجموعی پانچ باتیں ارشاد فرمائی گئیں: اول  
 یہ کہ قرآن مجید شب قدر میں اتارا گیا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآن سب سے اوپر والے آسمان سے  
 آسمان دنیا پر اس رات میں بیک دفعہ نازل کیا گیا، (تفسیر طبری: ۲۴/۵۴۳) دوسرے: اس رات کی فضیلت بیان کی گئی کہ یہ ہزار  
 مہینوں سے بہتر ہے، ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس رات میں عبادت ایسی ایک ہزار مہینوں کی عبادت پر فائق  
 ہے، جن میں شب قدر نہیں ہو؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایمان اور اخلاص کے ساتھ شب قدر میں عبادت کرے،  
 اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، (بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۸۰۲) تیسری بات یہ کہی گئی کہ اس رات  
 کے اعزاز و احترام میں خصوصی طور پر فرشتے اترتے رہتے ہیں اور روح، یعنی حضرت جبریل علیہ السلام — جن کی ڈیوٹی وحی لانے کی  
 ہے — اگرچہ سلسلہ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اب دنیا میں ان کی آمد و رفت کی ضرورت نہیں رہی؛ لیکن اس رات کے اعزاز  
 میں وہ بھی آسمان سے زمین پر اترتے ہیں، اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ روح سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں، یہی اکثر اہل  
 علم کی رائے ہے، (روح المعانی: ۳۰/۱۹۴) یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ مردوں کی روحيں اترتی ہیں، اگرچہ یہ بھی بعض لوگوں کی رائے  
 ہے؛ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، چوتھی بات فرمائی گئی کہ فرشتے اس دن تمام معاملات سے متعلق اللہ تعالیٰ کے فیصلے لے کر آتے ہیں، جیسے  
 زندگی، موت وغیرہ؛ (تفسیر قرطبی، عن ابن عباس: ۲۰/۱۳۳) بلکہ قدر کے معنی ہی تقدیر کے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات  
 کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اس سال کیا امور واقع ہوں گے؟ (حوالہ سابق: ۱۳۰) پانچویں: یہ پوری کی پوری رات خیر و سلامتی کی حامل  
 ہے، یعنی آدمی اس رات کے جس لمحہ میں بھی عبادت کرے، انشاء اللہ اس رات کی فضیلت کو پائے گا، یہاں تک کہ صرف مغرب ←

← اور عشاء کی نمازیں جماعت سے پڑھ لے، تب بھی شب قدر کا اپنا حصہ پائے گا، یہ بات حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ ؓ نے خود حضور ﷺ سے روایت کی ہے، (قرطبی: ۱۳۷/۲۰) اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر نہیں فرمایا کہ شب قدر کس تاریخ میں ہوگی؛ لیکن احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے جمہور کی رائے ہے کہ یہ رات ہر سال آتی ہے، رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آتی ہے اور اس عشرہ کی طاق راتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے، یعنی ہر سال کسی ایک ہی رات میں آنا متعین نہیں ہے، شب قدر کے اعمال میں سے دُعا کا اہتمام ہے، احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے، خاص طور پر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کو اس رات کے لئے یہ دُعا سکھائی: ”اللّٰهُمَّ اِنِّكَ عَفُوٌّ ، تَحِبُّ الْعَفْوَ ، فَاعْفُ عَنِّي“ (ابن ماجہ، کتاب الدعاء، حدیث نمبر: ۳۸۵۰) ”اے اللہ! آپ معاف کرنے والے ہیں، معاف کو پسند کرتے ہیں؛ لہذا مجھ کو بھی معاف کر دیجئے“ — منکرین حدیث جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ ایک شب تھی، جو گزر گئی، ہر سال شب قدر نہیں آتی؛ لیکن یہ درست نہیں ہے، یہاں جو تعبیر ”تنزل“ اختیار کی گئی ہے، وہ عربی گرامر کے اعتبار سے کسی چیز کے بار بار پیش آنے اور آتے رہنے کو بتاتی ہے؛ اس لئے یہ آیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ شب قدر بار بار آتی رہتی ہے، اور جو حدیثیں شب قدر کے سلسلہ میں ہیں، وہ اتنی زیادہ ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو شاید تو اتر کو پہنچ جائیں۔



# سُورَةُ الْبَيِّنَاتِ

«سورة نمبر : (۹۸)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۸)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی پہلی آیت ”بینہ“ کے لفظ پر ختم ہوتی ہے، جس کے معنی واضح اور روشن دلیل کے ہیں، اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ”بینہ“ ہے، اس سورہ کا ایک اور نام ”سورہ لم یکن“ ہے؛ کیوں کہ اسی لفظ سے سورہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سورہ کا خاص مضمون پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنا ہے، اس میں اہل کتاب کی خاص طور پر مذمت کی گئی ہے کہ کتابِ الہی کے آنے کے بعد ان ہی کو آگے بڑھ کر اسلام قبول کرنا چاہئے تھا؛ لیکن اُلٹے انھوں نے ہی پہلے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ اس سورہ میں اخلاص، نماز کا اہتمام کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے احکام بھی دیئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ انجام کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ اچھے لوگوں کا، جن کی جگہ جنت ہوگی، اور ایک گروہ بُرے لوگوں کا، جن کا مقام دوزخ ہوگا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ رِسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً ۖ فِيهَا كُتِبَ قَيِّمَةٌ ۖ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ۖ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۖ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر تھے، وہ (اپنے کفر سے) اس وقت تک باز آنے والے نہیں تھے، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آجائے، ۱ (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک پیغمبر، جو پاک صحیفوں کو پڑھتا ہو، ۲ جس میں درست احکام لکھے ہوئے ہوں، ۳ اور جو اہل کتاب ہیں، وہ اس واضح دلیل کے آجانے کے بعد ہی اختلاف میں پڑ گئے ہیں، ۴ حالاں کہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر اسی کی عبادت کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی درست دین ہے! ۵ (۲) ۵

۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا کہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین، ان کو کفر سے ایمان کی طرف لانے کا یہی ایک راستہ تھا کہ ان کے پاس رسول آئیں، جو اللہ تعالیٰ کے صحیفوں کی تلاوت کریں، جس میں درست احکام لکھے گئے ہوں، آیت نمبر: ۲ میں 'صحف' سے مراد قرآن مجید ہے، جو اگرچہ ایک کتاب ہے؛ لیکن لوح محفوظ میں لکھے ہوئے بہت سے صحیفوں کی تعلیمات پر مشتمل ہے، مطہرہ کے معنی پاک کے ہیں، یعنی وہ خشک و شبہ، جھوٹ اور غلط بیانی سے پاک ہے، اور آیت نمبر: ۳ میں 'کُتِبَ' کا لفظ آیا ہے، یہ عربی گرامر کے لحاظ سے کتاب کی جمع ہے؛ لیکن یہاں یہ لفظ احکام کے معنی میں ہے؛ کیوں کہ ایک طرح کے احکام و مضامین کے مجموعہ کو بھی 'کتاب' کہتے ہیں، مثلاً فقہ کی کتابوں میں عنوان قائم کیا جاتا ہے: کتاب الصلاة (نماز کی کتاب) یعنی اس میں بہت سارے نماز کے مسائل ذکر کئے جائیں گے — اس میں خاص طور پر اہل کتاب کا ذکر ہے کہ کم سے کم اہل کتاب کو تو ایمان لے ہی آنا چاہئے تھا؛ کیوں کہ محمد ﷺ کا نبی و رسول ہونا ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ کے نبی ہونے کا ان کو خوب اندازہ ہے اور اس لئے کہ ان کی مذہبی کتابوں میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کیا کریں۔

۲) نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیا کریں، یہی اصل دین ہے، جو شروع سے چلا آ رہا ہے اور اسی بات کی تعلیم محمد ﷺ بھی دیتے ہیں، یہ بات اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی تھی کہ آپ کا نبی ہونا برحق ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے — "لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ" میں یہ بات واضح فرمادی گئی کہ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے؛ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۖ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۖ جَزَاءُ لَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ کی آگ ہی میں رہیں گے، یہی لوگ سب سے بدتر مخلوق ہیں، ۱ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، وہی سب سے بہتر مخلوق ہیں، ۲ ان کے پروردگار کے نزدیک ان کی جزاء ہمیشہ رہنے والے وہ باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوئے اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے، ۳ یہ اس شخص کے لئے ہے، جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔ ۴

۱ عمل صالح کرنے والے انسان کو سب سے بہتر مخلوق قرار دیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی اصل کے اعتبار سے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۳۸/۲۰)

۲ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے اعمال سے خوش ہوں گے اور بندے اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے اجر و ثواب سے۔



# سورة الزلزال

«سورة نمبر : (۹۹)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۸)

«نوعیت : مدنی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا پہلا کلمہ ”اذا زلزلت“ ہے، جس میں قیامت کا زلزلہ آنے کی خبر دی گئی ہے، اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ’زلزال‘ بھی ہے، ’زلزلہ‘ بھی ہے اور ’اذا زلزلت‘ بھی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ سورہ مکی ہے اور مشہور مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے اسی کو ترجیح دیا ہے، مکی سورتوں میں عام طور پر توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر ہوتا ہے اور اس سورہ کا بھی بنیادی مضمون قیامت ہے؛ اس لئے یہی رائے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے — دوسری رائے قتادہ اور دوسرے مفسرین کی ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔

جو لوگ آخرت کے منکر تھے، بار بار پوچھتے تھے کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ وہ کونسا دن ہوگا اور کیا تاریخ ہوگی؟ اسی پس منظر میں یہ سورہ نازل ہوئی کہ قیامت کی متعین تاریخ تو بیان نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس کو انسانوں کے علم سے مخفی رکھا جائے؛ لیکن قیامت کی کچھ علامتیں اور اس موقع پر ہونے والے واقعات کا ذکر کیا جا رہا ہے، اس سورہ میں بنیادی طور پر دو باتیں ذکر کی گئی ہیں: ایک یہ کہ ایسا نہیں ہے کہ قیامت کسی خوشگوار شکل میں قائم ہو؛ بلکہ اس وقت پوری کائنات میں بھونچال آجائے گا اور ایک عجیب ہولناک منظر ہوگا، دوسرے اس مرحلہ کے بعد لوگوں کا حساب و کتاب ہوگا اور یہ حساب پوری باریک بینی کے ساتھ ہوگا، جس میں نہ تو کوئی نیکی چھوٹے گی اور نہ کوئی برائی، اور اسی حساب سے انسانوں کے دو گروہ ہو جائیں گے: ایک گروہ نیکی کرنے والوں کا اور ایک گروہ بدی کے مرتکبین کا۔

رسول اللہ ﷺ سے ایک صاحب نے عرض کیا: میں بوڑھا آدمی ہوں، دل میں سختی ہے اور زبان میں درشتی ہے، میں لمبی سورتیں نہیں پڑھ سکتا، مجھے کوئی ایک جامع سورہ بتا دیجئے، جسے میں پڑھا کروں تو آپ نے اسے اسی سورہ کے پڑھنے کا مشورہ دیا، (مسند احمد، عن عبداللہ بن عمروؓ، حدیث نمبر: ۶۵۷۵) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس سورہ کو قرآن مجید کا ایک چوتھائی حصہ قرار دیا ہے۔ (ترمذی، عن انس بن مالکؓ، حدیث نمبر: ۲۸۹۵)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۖ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۖ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ  
 يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۚ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا ۚ لِيُرَوْا  
 أَعْمَالَهُمْ ۚ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۚ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۚ

ع  
۲۴

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جب زمین اس کی سخت جنبش سے ہلا دی جائے گی، ۱ اور وہ اپنے اندر کے بوجھ کو نکال پھینکے گی، ۲ اور انسان کہے گا: زمین کو کیا ہو گیا ہے؟ ۳ اس دن وہ خود اپنے حالات بیان کرنے لگے گی، ۴ اس لئے کہ آپ کے پروردگار نے اس کو یہی حکم دیا ہوگا، ۵ اس دن لوگ گروہ درگروہ ہو کر آئیں گے؛ تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھادیئے جائیں، ۶ تو جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا، ۷ اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی، وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔ ۸

۱) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا قول ہے کہ یہ زلزلہ پہلی بار صور پھونکنے کے وقت ظاہر ہوگا۔

۲) یعنی مُردوں کو، اور زمین کے اندر جو قدرتی وسائل سونے، چاندی وغیرہ موجود ہیں، ان کو اُگل دے گی۔

۳) مسلمان تو چوں کہ قیامت پر ایمان رکھتے تھے؛ اس لئے ان کو اس واقعہ کے پیش آنے پر کوئی تعجب نہ ہوگا؛ لیکن جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، وہ پوچھیں گے کہ زمین میں یہ زلزلہ کیوں آیا ہے؟

۴) اللہ تعالیٰ اس دن اپنی قدرت سے زمین کو بولنے کی صلاحیت عطا کر دیں گے اور وہ اپنی پشت پر بسنے والے تمام لوگوں کے حالات بیان کرے گی کہ ہماری پشت پر رہتے ہوئے ان لوگوں نے کیا عمل کیا ہے؟ جب مٹی کی ایک معمولی چپ سے انسان لاکھوں صفحات کے کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ کی حفاظت کرتا ہے اور ریڈیو اور آڈیو کے ذریعہ آوازوں کو محفوظ کیا جاسکتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ اس دن زمین کو قوت گویائی عطا فرمادیں تو اس میں باعث تعجب کیا ہے؟ اسی لئے آیت نمبر ۶ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ زمین اپنے آپ نہیں کرے گی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرے گی۔

۵) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے اعمال کے اعتبار سے ان کے مختلف گروہ بنادیئے جائیں گے۔

(تفسیر قرطبی: ۱۵۰/۲۰)

۶) ’ذرہ‘ سے مراد وہ کم سے کم مقدار ہے، جو تولنے میں نہ آسکے، اتنا چھوٹا سا عمل بھی حساب و کتاب کے دائرہ میں آجائے گا؛ البتہ آخرت میں چھوٹا یا بڑا عمل اسی وقت مفید ہوگا، جب کہ عمل کرنے والا ایمان کا حامل ہو — حضرت زید بن اسلم ؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جس علم سے نوازا ہے، آپ ﷺ ہمیں اس کی تعلیم دیں، آپ ﷺ نے ایک صاحب کے حوالہ کر دیا کہ وہ اس کو تعلیم دیں، انھوں نے یہ سورہ پڑھائی اور جب اس آخری آیت پر پہنچے تو اس نے کہا: میرے لئے یہی کافی ہے، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس نے دین کو سمجھ لیا ہے: ”دَعُوهُ فَإِنَّهُ قَدْ فَهَمَ“۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵۳/۲۰)



# سُورَةُ الْعَادِيَّاتِ

«سورہ نمبر : (۱۰۰)»

«رکوع : (۱)»

«آیتیں : (۱۱)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

’عادیات‘ کے معنی تیز دوڑنے والے گھوڑوں کے ہے، ٹکنا لوجی کی موجودہ ترقی سے پہلے آمدورفت اور حمل و نقل کے لئے گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی، یہ حالت جنگ میں بھی کام آتے تھے اور حالت امن میں بھی، اسی وجہ سے اس سورہ کی ابتدائی آیتوں میں گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے اور اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ’عادیات‘ ہے۔

سورہ زلزال ہی کی طرح اس سورہ کے کئی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مطابق مدینہ میں؛ لیکن اس سورہ کے مضمون اور اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکی سورہ ہے اور اسی رائے کو عام طور پر اہل علم نے قبول کیا ہے۔

اس سورہ میں انسان کی بعض نفسیاتی کمزوریوں کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ناشکری، حرص و لالچ اور دنیا کی نعمتوں میں خوب سے خوب تر کی طلب اس کی فطرت میں داخل ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ اس کو ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے، یہاں تک کہ دلوں کی چھپی ہوئی بات بھی ظاہر ہو کر رہے گی، یہ گویا اس نفسیاتی بیماری کا علاج ہے؛ کیوں کہ آخرت کے خوف کے سوا کوئی چیز انسان کو دنیا کی حرص و لالچ سے باز نہیں رکھ سکتی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالْعِدِيَّتِ صَبْحًا ۝۱۱۱ فَالْمُورِيَّتِ قَدْحًا ۝۱۱۲ فَالْبُغِيَّتِ صُبْحًا ۝۱۱۳ فَالثَّرْنَ بِهِ نَقْعًا ۝۱۱۴ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۝۱۱۵ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝۱۱۶ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝۱۱۷ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝۱۱۸ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝۱۱۹ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝۱۱۱۰ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝۱۱۱۱

۱۱۱  
۲۵

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، ۝ پھر (اپنی ٹاپوں سے) آگ نکالتے ہیں، ۝ پھر صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں، ۝ پھر اس سے گرد وغبار اڑاتے ہیں، ۝ پھر (دشمن کی) فوج میں جا گھستے ہیں، ۝ کہ یقیناً انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے، ۝ اور وہ خود بھی اس پر گواہ ہے، ۝ اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ مال سے بڑی محبت رکھتا ہے، ۝ کیا اسے معلوم نہیں کہ جو مُردے قبروں میں ہیں، وہ زندہ کئے جائیں گے، ۝ اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، وہ بھی ظاہر کر دیئے جائیں گے؟ ۝ یقیناً ان کا پروردگار اس دن ان کے حال سے خوب واقف ہوگا۔ (۱۱) ۝

۱۱ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں گھوڑوں کی قسم کھائی ہے، گھوڑوں کو ہمیشہ ایک اہم اور پسندیدہ جانور کی حیثیت حاصل رہی ہے، جب تک موٹریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، گھوڑے ہی کو سب سے تیز رفتار گاڑی کا درجہ حاصل تھا اور خاص طور پر یہ جنگ میں کام آتا تھا، دشمن پر حملہ آور ہونے میں بھی اس سے مدد لی جاتی تھی اور پیچھے ہٹنا یا بھاگنا پڑا تو اس وقت بھی یہ کام آتے تھے، مسلمانوں کے لئے اس کی اہمیت اس پہلو سے بھی تھی، کہ جہاد ایک عبادت ہے اور بوقت ضرورت فرض ہے، اُس زمانہ میں جہاد کے لئے گھوڑا ایک موثر وسیلہ تھا؛ بلکہ امام ابوحنیفہ ؒ نے گھوڑے کے گوشت کو اسی لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ اگر لوگ گھوڑے ذبح کر کے کھانے لگیں تو آلات جہاد میں کمی پیدا ہو جائے گی۔ (بدائع الصنائع: ۵/۳۸)

اس میں گھوڑے کی پانچ صفتیں بیان کی گئی ہیں: پہلی یہ کہ وہ ہانپ کر چلتے ہیں، دوسری یہ کہ وہ جب دوڑتے ہیں تو اپنی ٹاپوں سے آگ جھاڑتے ہوئے جاتے ہیں، ان دونوں کا مقصد گھوڑے کی تیز رفتاری کو ظاہر کرنا ہے، تیسری صفت یہ ہے کہ وہ صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں، عربوں کا عام طریقہ یہ تھا کہ وہ صبح صبح حملہ کرتے تھے؛ کیوں کہ اس وقت دشمن غفلت کی حالت میں ہوتا ہے اور صبح کی روشنی پھیل جانے کی وجہ سے ہر چیز نظر آتی ہے، گرد وغبار اڑانے کا مقصد ہے تیز رفتاری، اور فوج میں جا گھسنے سے اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ جہاد کے لئے بہت مفید ذریعہ ہے، جو اپنی جان کی پروا کئے بغیر دشمنوں کی صفوں میں جا گھستا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور میں جہاد اور دفاع کے لئے جو سواریاں موثر ہوں اور بہت تیزی کے ساتھ فوجیوں کو اور ہتھیار کو لے جانے کی صلاحیت رکھتی ہوں، وہ اس لائق ہیں کہ ان کی صنعت کو فروغ دیا جائے، جیسے: توپ، بکتر بند گاڑیاں وغیرہ۔ ←

← ان قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس بات کو بتایا ہے، وہ دو ہیں اور یہ دونوں انسان کی عمومی کمزوریاں ہیں، ایک: ناشکری، یہاں تک کہ وہ اپنے پروردگار کی بھی ناشکری کرتا ہے، اس ناشکری کی مثالیں ہر وقت اور ہر جگہ مل جاتی ہیں، انسان اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا، دوسرے: مال کی محبت، مال بُری چیز نہیں ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مال کے لفظ کو 'خیر' سے تعبیر کیا ہے، خیر کے اصل معنی اچھی اور بھلی چیز کے ہیں، تو مال خود اپنی ذات کے اعتبار سے بُری چیز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے بہت سے حقوق ادا کئے جاتے ہیں؛ لیکن مال کی محبت کا غلبہ اچھی بات نہیں ہے، یہ مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہی تو ہے جو انسان کو چور، لٹیرا، غاصب، ظالم اور عیش پرست بنا دیتی ہے، جیسے کشتی پانی میں چلتے تو اس میں بھلائی ہے اور پانی کشتی میں داخل ہو جائے تو اس میں تباہی ہے، اسی طرح انسان مال سے فائدہ اٹھائے تو اس میں کچھ حرج نہیں؛ لیکن مال کی محبت دل اور رگ وریشہ میں پیوست ہو جائے، یہ اس کے لئے آخرت کے نقصان کا باعث ہے۔

ناشکری اور مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی آخرت یاد رہے؛ اسی لئے آخری تین آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے اور آیت نمبر: ۱۰ کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اب بھی اپنے بندوں کے حالات سے پوری طرح باخبر ہیں؛ لیکن اس دن اللہ تعالیٰ خود بندوں کے ذریعہ اس کے حال سے واقف ہوں گے، جسم کا ایک ایک عضو اپنی کہانی سنائے گا کہ اس کو کن کاموں کے لئے استعمال کیا گیا اور زمین کا ایک ایک انچ گواہی دے گا کہ اس کی پشت پر انسانوں نے کیا اچھے اور بُرے عمل کئے ہیں؟؟



# سُورَةُ الْفَاعِرَةِ

« سورة نمبر : (۱۰۱) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۱۱) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا آغاز 'قارعة' کے لفظ سے ہوتا ہے، جس سے وہ خوفناک آواز مراد ہے، جو قیامت کے واقع ہونے کے وقت انسان کو دہلا دے گی؛ اسی لئے اس کا نام 'قارعة' ہے۔

اس سورہ کا بنیادی مضمون قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے؛ اس لئے سب سے پہلے قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے، پھر حساب و کتاب کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بات واضح فرمادی گئی ہے کہ دنیا میں تو مال و اسباب تو لے جاتے ہیں؛ لیکن آخرت میں اعمال تو لے جائیں گے، جس کی نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا، اس کے لئے بہترین انجام ہوگا، اور جس کی بُرائیوں کا وزن بڑھ جائے گا، اس کے لئے اسی قدر تکلیف دہ اور بُرا انجام ہوگا۔





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَا أَذْرُكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝۴ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعُفُوشِ ۝۵ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝۶ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝۷ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝۸ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَا أَذْرُكَ مَا هِيَةٌ ۝۱۰ نَارُ حَامِيَةٍ ۝۱۱

۱۱  
۳۶

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ کھڑکھڑانے والی چیز، ۱ کیا ہے کھڑکھڑانے والی چیز؟ ۲ اور آپ کو کیا معلوم کہ کھڑکھڑانے والی چیز کیا ہے؟ ۳ (وہ قیامت ہے) جس دن انسان بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے، ۴ اور پہاڑ ڈھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوئے گا، ۵ تو جس (کی نیکیوں) کا وزن بڑھ گیا، ۶ تو وہ تو پسندیدہ عیش و آرام میں ہوگا، ۷ اور جس کا وزن ہلکا ہو گیا، ۸ تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ (نامی دوزخ) ہے، ۹ اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ ۱۰ دہکتی ہوئی آگ ہے! ۱۱

۱ اس سے قیامت کے دن پھونکا جانے والا پہلا صور مراد ہے، جس سے لوگ گھبرا کر مرجائیں گے، بار بار اس کا ذکر اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے ہے، یوں تو ہر زبان میں کسی بات کی اہمیت کو بتانے کے لئے اسے مکرر کہا جاتا ہے؛ لیکن خاص کر عربوں کے یہاں یہ تقریر و خطابت کے اصول میں شامل ہے کہ کسی چیز کے تذکرہ سے پہلے اس کے بارے میں بار بار سوال کیا جائے؛ تاکہ سننے والوں کے کان کھڑے ہو جائیں اور وہ پوری طرح متوجہ ہوں۔

۲ پتنگے کمزور بھی ہوتے ہیں اور بکھرے ہوئے بھی، تو مقصد یہ ہے کہ انسان کمزور اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

۳ یعنی جیسے دھنکے ہوئے اون ہوا میں اڑتے رہتے ہیں اور اگر ان پر رنگ ڈالا گیا ہو تو مختلف رنگوں کے نظر آتے ہیں، اسی طرح پہاڑ کے مختلف ٹکڑے اڑتے ہوئے ہوں گے اور چوں کہ پہاڑ کی مختلف چٹانیں الگ الگ رنگوں کی ہوتی ہیں تو اس وقت بھی وہ الگ الگ رنگوں کی ہوں گی۔

۴ اس دن لوگوں کے اعمال تو لے جائیں گے، جس کے اعمال کا وزن بڑھ گیا، اس کی زندگی بہت اچھی گزرے گی اور جس کا وزن کم ہوگا، وہ نقصان اٹھائے گا اور ہمیشہ کے لئے تکلیف دہ زندگی گذارنی پڑے گی۔ اعمال کے تولے جانے کے سلسلہ میں دو باتیں قابل ذکر ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کی تعداد اور مقدار کی اہمیت نہیں ہے؛ بلکہ معیار کی اہمیت ہے، ایک چھوٹا سا عمل جو اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہوگا، ہو سکتا ہے کہ بہت سارے اعمال کے ڈھیر سے آگے بڑھ جائے، جو دکھاوے اور نام و نمود کے جذبہ سے کئے گئے ہوں؛ اسی لئے یہ نہیں فرمایا گیا کہ اعمال گنے جائیں گے؛ بلکہ فرمایا گیا کہ اعمال تولے جائیں گے، دوسرے: یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ اعمال کیسے تولے جائیں گے؟ تولی تو جاتی ہیں ایسی چیزیں، جو حجم والی ہوں اور عمل تو ایک کیفیت ہے، جس کو لمبائی،

← چوڑائی اور گہرائی کی حدود میں محفوظ نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ ہر چیز کی ترازو اس کے لحاظ سے ہوتی ہے، آج خون میں شوگر اور کولیسٹرول کی مقدار معلوم کی جاتی ہے، بخار اور بلڈ پریشر کو تو لا جاتا ہے، کس نے کتنا کرنٹ استعمال کیا؟ اس کو وزن کیا جاتا ہے؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ اعمال کو تولنے کی کوئی ترازو قائم کریں گے، جو لمحوں میں انسان کی نیکیوں اور بُرائیوں کو تول کر حساب کر دے گی، ہاویہ یا تو مطلق دوزخ کا نام ہے یا دوزخ کے ایک خاص درجہ کا؛ بلکہ سب سے نچلے درجہ کا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶۷/۲۰)



# سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

« سورہ نمبر : (۱۰۲) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۸) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی پہلی آیت میں ’تکاثر‘ کا لفظ آیا ہے، یعنی مال و اولاد کی بہتات نے تم کو غفلت میں مبتلا کر دیا ہے؛ اس لئے اس کا نام تکاثر ہے۔

اس سورہ میں انسان کی ایک بنیادی کمزوری کو واضح کیا گیا ہے؛ کہ انسان کو جو کچھ نعمتیں حاصل ہیں، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں؛ لیکن عجیب بات ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ نعمتیں اس کے اندر شکر کے جذبات کو بڑھائیں، اُلٹے ان میں غفلت، احکام الہی سے دوری اور بے توجہی پیدا ہو جاتی ہے، بہر حال اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس زندگی کی آخری منزل قبر ہے، جب وہ اپنی اس آخری منزل میں پہنچے گا تو آخرت کے نظام کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اسے اللہ کی ایک نعمت کا حساب دینا پڑے گا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عِیْنُ الْیَقِیْنِ ۝ ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ تم کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی لالچ نے غفلت میں ڈال رکھا ہے، ۱ یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ جاتے ہو، ۲ ہرگز ایسا نہیں چاہئے، آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا، ۳ پھر (جان لو) ہرگز ایسا نہیں چاہئے، عنقریب تم جان لو گے، ۴ ہرگز ہرگز ایسا نہیں چاہئے، اگر تم یقین کے ساتھ جان لیتے (تو غافل نہ رہتے) ۵ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے، ۶ پھر (جان لو کہ) تم اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھو گے، ۷ پھر اس دن تم سے ساری نعمتوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ ۸ ۱

﴿۱﴾ تکاثر کے معنی ہیں کسی بھی چیز کی کثرت اور زیادتی کا طلب گار ہونا، خواہ مال ہو یا اولاد یا زندگی کے دوسرے وسائل، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۶۸/۲۰) اسی طرح موجودہ زمانہ کے لحاظ سے عہدہ اور جاہ بھی اس میں داخل ہے، پیاسا سے پیاسا آدمی پانی کا ایک گلاس پی کر مطمئن ہو جاتا ہے، بھوکا سے بھوکا انسان چند روٹیاں کھا کر آسودہ ہو جاتا ہے؛ لیکن جب انسان میں مادہ پرستی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی پیاس بجھائے نہیں بجھتی، اگر لکھ پتی ہے تو کروڑ پتی بننے کی آرزو دل میں مچلتی رہتی ہے، اگر کروڑ پتی ہے تو چاہتا ہے کہ ارب پتی بن جائیں، اگر اسمبلی کا رکن بن گیا تو وزیر بننا چاہتا ہے اور وزیر ہو گیا تو وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر ترقی چاہتا ہے، غرض کہ جوں جوں پانی ملتا جاتا ہے، پیاس بڑھتی جاتی ہے، جوں جوں لقمہ منہ میں جاتا ہے، بھوک میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور پھر یہ طلب عمر کے کسی مرحلہ میں ختم نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر انسان کو سونے کی ایک وادی مل جائے تو چاہے گا کہ دو وادیاں ہو جائیں، مٹی کے سوا کوئی چیز اس کے منہ کو بھر نہیں سکتی، (بخاری، عن انس، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۶۰۷۵) — اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ فرمایا کہ آخرت سے جو چیز انسان کو غافل کر دیتی ہے، وہ یہی دنیا کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا جذبہ ہے۔

اور پھر اس بیماری کا علاج بھی بتا دیا کہ اس کا علاج ہے دوزخ کا خوف اور اللہ کے پاس جواب دہی کا یقین؛ اس لئے تمہیں یقین کرنا چاہئے کہ اللہ کو بھول کر دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہو جانے والوں کے لئے دوزخ رکھی گئی ہے، جب قیامت قائم ہوگی تو تم اس کو سر کی آنکھوں سے دیکھ لو گے ”عین الیقین“ سے یہی مراد ہے، ایسا یقین جو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے، انسان بہت سی باتوں کو سنتا ہے اور سن کر ان پر یقین بھی کرتا ہے؛ لیکن ان ہی باتوں کو جب اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اس کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے، مگر اس وقت جب انسان اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ لے گا تو توبہ کرنا، اچھے عمل کی آرزو میں کرنا، رونا اور گڑا نا کچھ کام نہ آئے گا — ←

← پھر ایک ایک نعمت جو تم کو دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا حساب لیں گے، ایسا نہیں ہے کہ یہ مفت کی چیزیں ملی ہوئی ہیں، جیسے چاہو استعمال کر لو؛ بلکہ ہر نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ یہ کس طرح حاصل کی گئی اور کہاں خرچ کی گئی؟ یہ دونوں باتیں — دوزخ کا خوف اور سوال و جواب کا یقین — انسان کی غفلت اور بے پروائی کو روکنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔



# سُورَةُ الْعَصْرِ

«سورہ نمبر : (۱۰۳)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۳)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

’عصر‘ کے معنی زمانہ کے ہیں، اس سورہ کی پہلی آیت میں زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے؛ اسی لئے اس کا نام سورہ عصر ہے، یہ سورہ اگرچہ قرآن مجید کی مختصر ترین سورہ ہے، جو صرف تین چھوٹی آیتوں پر مشتمل ہے، اس کے الفاظ چودہ اور حروف اڑسٹھ ہیں؛ لیکن اپنے مضمون کے اعتبار سے بہت جامع ہے؛ اسی لئے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر لوگ غور و فکر سے کام لیں تو یہی سورہ ان کے لئے کافی ہو جائے گی: ”لو تدبر الناس هذه السورة لو سعتهم“۔ (تفسیر ابن کثیر: ۸/۷۹۷)

اس سورہ میں انسان کی کامیابی کے لئے چار نکاتی منصوبہ کی رہنمائی کی گئی ہے: ایمان، نیک عمل، حق کی تلقین اور صبر کی تاکید — یقیناً یہ پورے دین کا خلاصہ ہے! صحابہ کے نزدیک اس سورہ کی اتنی اہمیت تھی کہ جب دو حضرات کی آپس میں ملاقات ہوتی تو الگ ہونے سے پہلے ایک دوسرے کے سامنے اس سورہ کی تلاوت کرتے، پھر سلام کر کے رخصت ہوتے۔ (بیہقی، عن ابی حذیفہؓ، حدیث نمبر: ۸۶۳۹)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا  
بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ زمانہ کی قسم ہے، ۝ کہ انسان بڑے گھائٹے میں ہے، ۝ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں، نیک عمل کرتے رہیں، ایک دوسرے کو حق (پر قائم رہنے) کی اور صبر کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ (۱) ۝

﴿۱﴾ انسان کو دنیا کی جتنی نعمتیں عطا کی گئی ہیں، غور کیا جائے تو ان میں سب سے بڑی نعمت وقت ہے؛ اسی لئے قرآن مجید میں سب سے زیادہ وقت ہی کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں صبح کی، کہیں رات کی، اور یہاں زمانہ کی قسم کھائی جا رہی ہے، جو تمام اوقات کو شامل ہے، یہی رائے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی بھی ہے؛ البتہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں عصر کی نماز مراد ہے، (تفسیر قرطبی: ۱۷۹، ۱۷۸، ۲۰) — بہر حال اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر مسلمان کو وقت کی قدر و قیمت پہچانی چاہئے؛ کیوں کہ دنیا و آخرت کی تمام کامیابی اسی بات سے متعلق ہے کہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کیا جائے اور اسے ضائع ہونے سے بچایا جائے؛ چنانچہ قیامت کے دن انسان سے خاص طور پر اس بارے میں سوال ہوگا کہ اس نے اپنی عمر، اپنی جوانی اور اپنے علم کا کیا استعمال کیا؟ (ترمذی، کتاب صفۃ الصحابہ، حدیث نمبر: ۲۴۱۷) غور کیجئے کہ ان میں سے عمر اور جوانی دونوں کا تعلق زمانہ ہی سے ہے۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس انسان کی زندگی چار باتوں سے خالی ہے، وہ بہت ہی نقصان میں ہے، اس سے مراد آخرت کا نقصان ہے، یعنی وہ آخرت میں نجات سے محروم رہیں گے، ان میں پہلی چیز ہے: ایمان، اگر ایمان نہ لائے تو بظاہر کتنا بھی اچھا عمل کر لے، آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، دوسرے: عمل صالح، یعنی نیک عمل، عمل صالح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہو، طریقہ رسول اللہ ﷺ کا ہو اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہو، اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی جائے تو چاہے وہ دیکھنے میں اچھا عمل معلوم ہو؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہے، بدعت کی ممانعت اسی لئے ہے کہ وہ بظاہر تو اچھا عمل نظر آتا ہوتا ہے؛ لیکن اس کو انجام دینے میں وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا، جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے، تیسرا عمل ہے: تواصی بالحق، وصیت کا لفظ تاکید کے ساتھ کسی بات کے ذکر کرنے کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جو ایمان پر نہ ہوں، ان کو ایمان کی دعوت دی جائے، جو عمل پر نہ ہوں، ان کو عمل کی دعوت دی جائے، چوتھا عمل ہے: تواصی بالصبر، صبر کی تاکید یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے میں جو مشقتیں ہوں، ان کو برداشت کرنے کی تلقین کرنا — دعوت حق کے فوراً بعد صبر کی دعوت دینے میں غالباً اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دعوت کے کام میں بڑے صبر کی ضرورت ہے اور انسان کو خلاف طبیعت باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، تو ایسے مواقع پر صبر سے کام لینا دعوت حق دینے والوں کا شیوہ ہونا چاہئے۔



# سُورَةُ الْهُنَةِ

« سورة نمبر : (۱۰۴) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۹) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس کی پہلی ہی آیت میں ”هُمَزَةٌ“ کا لفظ آیا ہے؛ اس لئے اس کا نام ’هُمَزَةٌ‘ ہے۔

مکہ کے مشرکین رسول اللہ ﷺ سے بغض و عناد رکھنے میں آخری انتہا پر پہنچے ہوئے تھے، اس بغض و عناد کا اظہار بعض لوگ پیٹھ پیچھے برائی کیا کرتے تھے، بعض ایسے بد دین تھے کہ رو در رو الزام تراشی کرتے تھے اور اس درجہ بے حیا تھے کہ آمنے سامنے بہتان لگانے سے بھی نہیں چوکتے تھے، اس سورہ میں ان ہی لوگوں کی مذمت کی گئی ہے، جن میں ولید بن مغیرہ، اُمیہ بن خلف، اخنس بن شریق اور عاص بن وائل وغیرہ تھے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی واضح فرمادیا کہ جس چیز نے ان کو اس حرکت پر آمادہ کر رکھا ہے، وہ مال و دولت کی بہتات ہے؛ لیکن انہیں سمجھنا چاہئے کہ جب اللہ کی طرف سے موت کا فیصلہ ہو جائے گا تو یہ دولت دنیا ان کو بچا نہیں سکے گی۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝  
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا  
لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمَوْقِدَةُ ۝ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى  
الْأَفْئِدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوْصَدَةٌ ۝ فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ہر اس شخص کے لئے جو عیب نکالتا اور غیبت کرتا ہو بڑی تباہی ہے، ۝ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا، ۝ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اس کولافانی بنا دیا ہے، ۝ ہرگز ایسا نہیں ہے، وہ ضرور روندنے والی (دوزخ) میں پھینک دیا جائے گا، ۝ اور آپ کو کیا معلوم کہ ”حطمہ“ ہے کیا؟ ۝ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، ۝ جو دلوں تک پہنچ جائے گی، ۝ وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی، ۝ وہ (آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے)۔ (۱) ۝

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں تین بُرائیوں کا ذکر فرمایا ہے، ہمزہ، لمزہ اور مال کو جمع کر کے رکھنا، ہمزہ کے معنی کسی کے سامنے اس کی بُرائی کرنے اور اس کے عیب نکالنے کے ہیں اور لمزہ کے معنی آہستگی سے کسی کی بُرائی کرنے کے ہیں، خواہ اس شخص کے پیچھے غیبت کی جائے یا آنکھ وغیرہ کے اشارہ سے اس کی بُرائی کی جائے، بعض اہل علم نے اس کے برعکس بھی معنی بیان کئے ہیں، (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۸۱/۲۰، مفتاح الغیب: ۷۸/۱۶) لیکن دونوں صورتوں میں حاصل یہی ہے کہ اس میں دوسرے انسان کی بُرائی نکالنا اور اس کو نقل کرنا پایا جاتا ہے، خواہ سامنے ہو یا پیٹھ پیچھے، جس میں نتیجے کے اعتبار سے انسان کی توہین ہوتی ہے، یا اسے تکلیف پہنچائی جاتی ہے، اور دونوں باتیں شریعت میں حرام ہیں، تیسری بُرائی مال جمع کر کے رکھنے اور خرچ نہ کرنے کی ہے، گن گن کر رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ پیسہ خرچ نہیں کرتے، مال جمع کر کے رکھنے اور خرچ نہ کرنے کا سبب دو باتیں ہیں: لالچ اور بخل، گویا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دوسرے انسان کا عیب تلاش کرنے، اس کو نقل کرنے، مال کی لالچ کرنے اور جب حاصل ہو جائے تو اس میں بخل سے کام لینے کو منع فرمایا ہے، غور کیجئے تو ان سب کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اسلام کی نظر میں نہایت ہی ناپسندیدہ عمل ہے، اسی طرح انسانوں کے حقوق کو تلف کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو حطمہ میں پھینک دیا جائے گا، جو دوزخ کا ایک طبقہ ہے، حطم کے معنی توڑ پھوڑ کرنے کے آتے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۱۸۴/۲۰) حطمہ کو حطمہ اس لئے کہتے ہیں کہ جو لوگ اس میں داخل کئے جائیں گے، دوزخ کی آگ ان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی، جس کا اثر یوں تو پورے جسم پر ہوگا؛ لیکن خاص کر دل پر زیادہ اثر ہوگا، اور ڈالے جانے کی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ اس میں آگ کے بڑے بڑے ستون بنے ہوئے ہوں گے، دوزخی ان ہی ستونوں کے درمیان رہیں گے اور دوزخیوں کو اس میں ڈال کر باہر سے بند کر دیا جائے گا، گویا آگ کے ایک صندوق میں انھیں رکھ کر بند کر دیا جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین)





# سُورَةُ الْفِيلِ

«سورہ نمبر : (۱۰۵)»

«رکوع : (۱)»

«آیتیں : (۵)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

”فیل“ کے معنی ہاتھی کے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے نبی بنائے جانے سے پہلے یمن کے ایک حبشی عیسائی قائد ابرہہ نے ہاتھی کے لشکر کے ساتھ بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے کی کوشش کی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کا نام و نشان مٹا دیا، اس فوج کو عرب ’اصحاب الفیل‘ سے یاد کرتے تھے، اس سورہ میں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام ’سورۃ الفیل‘ ہے۔

یہ سورہ اسی واقعہ کی مختصر رو داد ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، مکہ میں وہ لوگ اب بھی موجود تھے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس واقعہ کو اپنے سر کے آنکھوں سے دیکھا تھا؛ اسی لئے اس واقعہ کا ذکر فرمایا گیا کہ اہل مکہ عبرت حاصل کریں کہ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حفاظت کے لئے دشمنوں کو ٹھکانہ لگا سکتے ہیں، اسی طرح اپنے نبی کی حفاظت کے لئے بھی پیغمبر کے دشمنوں کے خلاف قدرت خداوندی حرکت میں آسکتی ہے اور ان کو تباہ و تاراج کر سکتی ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۚ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۚ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۖ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۖ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ ۱ کیا اللہ نے ان کی چال کو ناکام نہیں کر دیا؟ ۲ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے، ۳ جو ان پر پکی ہوئی مٹی کی کنکریاں پھینک رہے تھے؛ ۴ چنانچہ ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر ڈالا۔ ۵

۱ اگر آپ دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو بحر احمر کی دائیں طرف یمن اور اس کے سامنے ہی بائیں طرف براعظم افریقہ کا ملک 'حبشہ' واقع ہے، جس کو آج کل 'ایتھوپیا' کہتے ہیں، یمن میں بنیادی طور پر بت پرستی اور ستارہ پرستی کا رواج تھا؛ لیکن ایک خاص واقعہ کے نتیجہ میں حبشہ نے یمن پر حملہ کر دیا، جو مذہباً عیسائی تھے اور اس عرب ملک پر قابض ہو گئے، اس طرح یہاں عیسائی مذہب کی خوب نشر و اشاعت ہوئی، اگرچہ اس ملک میں بعض مشرک عرب قبائل بھی موجود تھے؛ لیکن ملک میں غلبہ عیسائیوں کو حاصل تھا، شاہ جش کی طرف سے ابرہہ نامی شخص کو یمن کا گورنر بنایا گیا، وہ ایک پرجوش عیسائی تھا اور چاہتا تھا کہ اس پورے خطہ میں عیسائیت کو بنیادی مذہب کی حیثیت حاصل ہو جائے؛ چنانچہ اس نے یمن کی راجدھانی صنعاء میں قلیس نامی ایک شاہکار عمارت بنائی، جو اپنی شان و شوکت، سجاوٹ اور خوبصورتی کے اعتبار سے ایک مثالی عمارت تھی، جو دراصل اس کا چرچ تھا، اس کا احساس تھا کہ عیسائیت کی اشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ مکہ میں بنی ہوئی عبادت گاہ 'کعبہ' ہے، عربوں کو اس میں ایسی کشش اور اس عمارت سے ایسا جذباتی لگاؤ ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں کسی اور عبادت گاہ کو خاطر میں نہیں لاتے؛ اس لئے عرب قبائل سے کہا جائے کہ وہ مکہ میں کعبہ کا حج کرنے کی بجائے 'صنعاء' میں 'قلیس' کا حج کریں، عربوں کو جب یہ بات پہنچی تو انھیں بڑا غصہ آیا، اتفاق سے اس وقت بعض عرب صنعاء میں موجود تھے، انھوں نے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے اسی عمارت میں قضاء حاجت کر دی، یا بعض تاریخی روایتوں کے مطابق اس کو آگ لگا دی، تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ حرکت ان ہی لوگوں میں سے کسی نے کی ہے، جو حج کے لئے کعبہ کو جایا کرتے ہیں۔

ابرہہ کا غصہ اس کی وجہ سے اور بڑھ گیا، قبیلہ بنو کنانہ کا آدمی اس کے پاس موجود تھا، ابرہہ نے اس کو بھیجا کہ وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کعبہ کے بجائے قلیس کے حج کی دعوت دے، جب وہ یہ پیغام لے کر پہنچا تو قبیلہ کے لوگوں نے اسے قتل کر ڈالا، اب ابرہہ کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور اس نے عزم مصمم کر لیا کہ ہم ہر قیمت پر کعبہ کو منہدم کر کے رہیں گے؛ حالانکہ اس وقت مکہ میں محض چند ہزار کی آبادی تھی؛ لیکن ابرہہ نے اپنے پروگرام کو یقینی بنانے کے لئے ساٹھ ہزار کی فوج تیار کی، اس میں ایک دستہ دس بارہ ہاتھیوں پر بھی مشتمل تھا۔

← اب یہ لشکر حجاز کی طرف بڑھا، اس نے پہلے سے اعلان کر دیا تھا کہ اس کا ارادہ کعبہ کو منہدم کرنے کا ہے؛ چنانچہ سب سے پہلے اس کی مڈ بھیڑ ذوفقر نامی سردار قبیلہ سے ہوئی، جس نے اپنے قبیلہ کے ساتھ راستہ روکنا چاہا؛ لیکن شکست کھائی، خود ذوفقر قید کر لیا گیا، ابرہہ چاہتا تھا کہ اس کو قتل کر دے؛ لیکن ذوفقر نے کہا: اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو شاید میں آپ کے کچھ کام آسکوں؛ چنانچہ وہ قیدیوں کی طرح پایہ زنجیر فوج کے ساتھ رکھ لیا گیا، پھر اس فوج کا گذر قبیلہ بنو شعم سے ہوا، نفیل بن حبیب اس کے سردار تھے، اس قبیلہ کی دو شاخیں تھیں، شمران اور ناعس، نفیل کی قیادت میں اس پورے قبیلے نے مزاحمت کی؛ لیکن یہ بھی شکست سے دوچار ہوئے، نفیل کی درخواست پر اس کو ساتھ رکھ لیا گیا؛ تاکہ ان کے ذریعہ راستہ کی معلومات حاصل ہو سکیں۔

پھر جب یہ فوج طائف کے پاس پہنچی تو وہاں کے لوگوں کو فکر ہوئی کی کہیں یہ فوج ان کی اس عبادت گاہ کو منہدم نہ کر دے، جس میں 'لات' نامی بت کی پرستش ہوا کرتی تھی؛ چنانچہ بنو ثقیف کے سردار مسعود بن معتب نے آکر ابرہہ سے درخواست کی کہ تم جس گھر کو منہدم کرنا چاہتے ہو، وہ آگے ہے، اور مزید یہ سلوک کیا کہ ابورغال نامی شخص کو ان کے ساتھ کر دیا؛ تاکہ وہ راستہ بتائے؛ کیوں کہ عرب کے صحرا میں راستہ کی شناخت کوئی معمولی بات نہ تھی، اور کسی واقف کار رہبر کے بغیر انسان اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا تھا، بہر حال طائف سے گذرتے ہوئے یہ فوج مکہ کے قریب معس نامی مقام پر پہنچی، ابرہہ نے یہاں فوج کا پڑاؤ ڈالا اور ابورغال یہیں مر گیا، کہا جاتا ہے کہ ابورغال کے اس جرم کی وجہ سے بہت زمانہ تک عرب اس کی قبر پر پتھر مارا کرتے تھے۔

اب ابرہہ نے حبشہ کے ایک شخص اسود بن مقصود کو مکہ بھیجا، وہ قریش کے جانوروں کو ہنکا کر لے آیا، جس میں دوسواونٹ رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے، یہ گویا اہل مکہ کو مرعوب کرنے کی ایک کوشش تھی، وہ چاہتا تھا کہ بغیر جنگ کے اس کا مقصد حاصل ہو جائے؛ اس لئے اس نے قبیلہ حمیز کے ایک شخص حنظلہ کو مکہ بھیجا اور اہل مکہ کو پیغام دیا کہ ہمارا ارادہ قتل و غارت گری کا نہیں ہے، ہم صرف کعبہ کو منہدم کرنا چاہتے ہیں، اگر اہل مکہ ہمارے اس مقصد میں رکاوٹ نہیں بنیں تو ان کو کسی قسم کا جانی و مالی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، حنظلہ جب مکہ پہنچا تو اس نے معلوم کیا کہ یہاں کے سردار کون ہیں؟ لوگوں نے عبدالمطلب کی طرف اشارہ کیا، اس نے عبدالمطلب کو ابرہہ کا پیغام سنایا، عبدالمطلب نے کہا: ہمارے اندر ابرہہ سے مقابلہ کی ہمت نہیں ہے؛ اس لئے ہمیں جنگ نہیں کرنی ہے، کعبہ جس کا گھر ہے، وہ خود اس کو بچائے گا۔

ابرہہ نے کہا تھا کہ سردار قوم کو بھی ساتھ لے کر آیا جائے؛ چنانچہ حنظلہ کی خواہش پر عبدالمطلب بھی ساتھ گئے، حضرت عبدالمطلب لمبے قد و قامت کے خوبصورت اور وجیہ آدمی تھے، ابرہہ آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا، اور نیچے بیٹھانے کے بجائے خود نیچے اتر آیا، نیز ترجمان کے واسطے سے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ عبدالمطلب کا جواب بہت ہی خلاف توقع تھا، انھوں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرے دوسواونٹ — جو آپ کے فوجیوں نے لوٹ لئے ہیں — واپس کر دیئے جائیں، ابرہہ نے کہا: تم کو دیکھ کر میرے دل میں تمہاری جو وقعت قائم ہوئی تھی، یہ سن کر کم ہو گئی، میں اس عمارت کو ڈھانے جا رہا ہوں، جس کی وجہ سے پورے عرب میں تمہاری عزت قائم ہے، تم نے اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، عبدالمطلب نے کہا: اونٹ کا مالک میں ہوں؛ اس لئے میری ذمہ داری ہے کہ میں اس کو بچاؤں، کعبہ جس کا گھر ہے، وہ اس کو بچائے گا۔

← عبدالمطلب قریش کی طرف واپس آئے، ان کو خبر دی اور حکم دیا کہ سب لوگ مکہ سے نکل جائیں اور پہاڑ کی چوٹیوں اور وادیوں میں چلے جائیں کہ کہیں یہ لشکر ہم کو کچل نہ دے؟ پھر عبدالمطلب قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ کعبہ کے پاس گئے اور باب کعبہ کے حلقہ کو تھام کر بڑی گریہ و زاری کے ساتھ اللہ سے دُعا کی، جب انسان کے جذبات مشتعل یا متاثر ہوتے ہیں تو جن لوگوں کو شعر و سخن کا ذوق ہوتا ہے، ان کی بات اشعار کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے؛ چنانچہ عبدالمطلب نے اشعار کی زبان میں ہی فریاد کی، عبدالمطلب نے کہا :

اے اللہ! ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر، ان

کی صلیب اور ان کی طاقت تیسری طاقت پر غالب نہ آجائے۔

عبدالمطلب اس کے بعد پہاڑ کی طرف چلے گئے اور انتظار کرنے لگے کہ ابرہہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کرتا ہے؟ رات گزری، صبح ہوئی، ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کی تیاری شروع کر دی، ہاتھیوں کے دستہ کو تیار کیا، فوج کی صف بندی کی، ابرہہ کے ہاتھی کا نام محمود تھا، ابرہہ چاہتا تھا کہ کعبہ کو منہدم کر کے یمن کی طرف کوچ کر کے چلا جائے؛ لیکن ہاتھی کسی طور مکہ کی طرف بڑھنے کو تیار نہ تھا، یمن کی طرف رُخ کیا جاتا تو چل پڑتا، مشرق کی طرف رُخ کیا جاتا تو چل پڑتا؛ لیکن جب مکہ کی طرف رُخ کیا جاتا تو بھڑک اُٹھتا، نَفیل موقع پا کر بھاگ اُٹھے اور مکہ میں پہنچ کر پہاڑ کی پناہ لی، آخر چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک غول سمندر کی طرف سے اُڑتا ہوا آ پہنچا، یہ دراصل ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں اور انسانوں کی فوج کے مقابلہ خدا کی فوج تھی، ان کی چونچ اور پنجوں میں چنے یا مسور کے دانے کے برابر کنکریاں تھیں، انھوں نے کنکریاں برسائی شروع کر دیں، جن کو کنکری لگی، ان میں سے بہت سارے تو ہلاک ہو گئے اور جو لوگ جان بچا کر یمن واپس پہنچے، ان کا بھی حال یہ ہوا کہ پورے جسم پر زخم کے پھوڑے ہو گئے اور ان زخموں نے جان لے کر ہی چھوڑا، خود ابرہہ کا حال یہ ہوا کہ زخم سے ایک ایک عضو خراب ہوتا گیا، انگلیاں کٹ کٹ کر گر گئیں اور اچھا خاصا بہادر نوجوان بارُع ب سردار جب یمن کو واپس آیا تو پتلا دبلا نحیف و ناتواں چوڑہ کی طرح نظر آتا تھا؛ بالآخر اس کا سینہ پھٹ گیا اور موت ہو گئی، اس طرح آخر رب کعبہ نے اپنے کعبہ کی حفاظت کی۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۲۰/۱۸۷ تا ۱۹۲ و دیگر کتب تفسیر)

اس واقعہ کے سلسلہ میں چند باتیں قابل ذکر ہیں :

● بعض حضرات نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور اس کی تاویل کی ہے؛ لیکن جو لوگ اس قسم کی تاویل کرتے ہیں، ان کے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ اس طرح کی خلافِ عادت بات کیسے پیش آسکتی ہے؟ یہ سوچ کی بنیادی غلطی ہے، ہم اگر کسی انسانی عمل کے بارے میں اس طرح کی باتیں سوچیں تو اس کا جواز ہو سکتا ہے؛ کیونکہ انسان اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ اشیاء کی عادتوں کو بدل دے، وہ آگ کو جلانے اور پانی کو بہانے سے روک دے؛ لیکن اللہ تعالیٰ خود عادتوں کے خالق ہیں، اللہ چاہیں تو عادتوں کو تبدیل کر سکتے ہیں، معجزہ اسی کا نام ہے کہ عادت کے اعتبار سے آگ کا کام جلانا اور پانی کا کام ڈبونا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ حضرت ابراہیم ؑ کو آگ نے جلا یا اور نہ حضرت موسیٰ ؑ کو پانی نے ڈبویا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمادی کہ آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یعنی یہ جو پرندوں کے ذریعہ ہلاک کرنے کی بات ہوئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوئی ہے نہ کہ انسانوں کی طرف سے۔

← ● ابرہہ کے لشکر کو کئی عرب قبائل نے روکنے کی کوشش کی؛ لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوئے، اگر اللہ چاہتے تو ان ہی قبائل میں ہمت پیدا کر دیتے اور ابرہہ کی فوج شکست کھا کر بھاگ جاتی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور تھی کہ وہ مادی طاقت کے مقابلہ غیبی طاقت کی بالاتری کو دیکھ لیں، اس لئے چھوٹے چھوٹے پرندوں اور چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے ذریعہ لشکر کا کام تمام کر دیا گیا، یہی پرندے جنگی جہاز بن گئے، اور یہی کنکریاں بم بن گئیں۔

● یہ پرندوں کی فوج یمن ہی میں ابرہہ کی فوج کو ٹھکانے لگا سکتی تھی؛ لیکن یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا؛ تاکہ اہل مکہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور انھیں اللہ پر یقین ہو جائے۔

● فوج کے کچھ بچے کچھ لوگ اور خود ابرہہ یمن تک پہنچے اور وہاں جا کر ان کی موت ہوئی؛ حالاں کہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مکہ ہی میں سب کے سب مرجاتے، اس کی مصلحت یہ تھی کہ اہل یمن بھی اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور پھر کبھی بڑے ارادہ سے کعبۃ اللہ کی طرف نظر اٹھانے کی بھی ہمت نہ کریں۔

● عبدالمطلب بت پرستوں ہی میں تھے؛ لیکن جیسا کہ قرآن نے متعدد بار ذکر کیا ہے کہ مشرکین عرب کا حال یہ تھا کہ جب کوئی بڑی مصیبت پیش آتی تو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے دُعا کرتے تھے؛ چنانچہ انھوں نے دُعا کی اور وہ دُعا قبول ہوئی — معلوم ہوا کہ دُعا قبول ہونے کے لئے دُعا کرنے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، غیر مسلم کی دُعا بھی قبول ہو سکتی ہے۔

● ابرہہ کی فوج کا جو حال ہوا، اس کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ وہ ’عصفت ماکول‘ یعنی کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ہو گئی، اب ایک تو بھوسا خود ریزہ ریزہ ہوتا ہے اور اگر اس کو چبا بھی لیا گیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا حال اور کتنا برا ہو جائے گا؟ مقصد یہ ہے کہ ابرہہ کی فوج کا نہایت ہی برا حال ہو گیا۔

● جس سال رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، یعنی: پانچ سو ستر عیسوی، اسی سال، محرم کے مہینہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور ربیع الاول میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، گویا نبوت محمدی ﷺ کے ذریعہ عرب کی سرزمین میں جو انقلاب آنے والا تھا اور جس کا مرکز مکہ مکرمہ کو بننا تھا، یہ اس کی تمہید تھی، اس واقعہ کی وجہ سے کعبہ اور مکہ کی عظمت عربوں کے علاوہ یمن اور حبش تک پہنچ گئی، قریش کا بد بے لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا اور یقین ہو گیا کہ کعبۃ اللہ، اللہ تعالیٰ کا محبوب گھر ہے، اہل مکہ نے اس مصیبت کے وقت میں اللہ سے دُعا کی، جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایمان کا تخم پڑ گیا، یہ واقعہ گویا قدرت کی طرف سے ایک نشان تھا کہ اب دنیا میں دین حق کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے، جو کفر کی تاریکیوں کو مٹا کر رکھ دے گا؛ اس لئے اہل علم نے اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے مربوط معجزہ قرار دیا ہے، جو آپ کی ولادت سے پہلے ہی پیش آ گیا، اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے میدان تیار کر دیا گیا کہ دعوت دین کا آغاز کیا جاسکے؛ تاکہ جلد سے جلد یہ دعوت پورے علاقہ میں متعارف ہو جائے؛ چنانچہ مکہ سے یہ دعوت دُور دُور تک پہنچ گئی، پھر کچھ جدوجہد کے بعد مکہ فتح ہو گیا، اور قریش نے اسلام قبول کر لیا، یہاں تک کہ بالآخر پورا عرب دامن اسلام میں آ گیا۔



# سُورَةُ قَيْشٍ

«سورہ نمبر : (۱۰۶)»

«رکوع : (۱)»

«آیتیں : (۴)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

پہلی ہی آیت میں 'قریش' کا ذکر آیا ہے، جو عرب کا سب سے معزز قبیلہ تھا، اسی لئے اس سورہ کا نام قریش ہے۔

اہل مکہ کا ذریعہ معاش بنیادی طور پر تجارت تھا؛ لیکن خود مکہ میں نہ زراعت تھی اور نہ صنعت، تجارت کا دار و مدار باہر سے لائے ہوئے مال پر ہوتا تھا؛ چنانچہ اہل مکہ سردی کے موسم میں یمن کا اور گرمی کے موسم میں شام کا سفر کرتے تھے، اس زمانہ میں چوں کہ یہ دونوں راستے کسی ایسی حکومت کے تحت نہیں تھے، جو قانون کو نافذ کرتی اور امن و امان قائم رکھتی؛ اس لئے سفر بہت دشوار اور پُر خطر ہوتا تھا؛ لیکن اہل مکہ کو باشندہ حرم ہونے کی وجہ سے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنے اسی خصوصی انعام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دعوت دی ہے کہ اس کا تقاضہ ہے کہ وہ اس گھر کے اصل مالک کی عبادت کیا کریں نہ کہ ان دیویوں اور دیوتاؤں کی، جن کو انھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
لَا يَلْفُ قُرَيْشٌ ۝ الْفَهْمُ رِحْلَةُ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي  
أَعْطَاهُمْ مِّنْ جُوعٍ ۝ وَأَمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ چوں کہ قریش عادی ہو گئے ہیں، ۝  
(یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفر سے ان کو اُنس ہو گیا ہے، ۝ تو اس لئے ان کو چاہئے کہ اس گھر (کعبہ) کے مالک  
کی عبادت کریں، ۝ جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن عطا فرمایا۔ ۝

۱) اصحاب فیل کا جو واقعہ پیش آیا، اس کا تعلق کعبۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اس کے متولی قریش مکہ سے بھی تھا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ خون کا ایک قطرہ یہی بغیر اہل مکہ کو فتح عطا فرمادی، تو اب قریش مکہ پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر کیا جا رہا ہے، جس کا اس سورہ میں ذکر ہے، ان دونوں سورتوں کے درمیان اسی گہری مناسبت کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ایک بار مغرب کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں سورہ تین اور دوسری رکعت میں سورہ فیل اور سورہ قریش دونوں سورتوں کو ملا کر پڑھا۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰۰/۲۰) نضر ابن کنانہ کی نسل سے جو لوگ ہوں، وہ قریش کہلاتے ہیں، ان کو قریش کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سلسلہ میں جو بات زیادہ مشہور ہے، وہ یہ ہے کہ یہ خاندان حرم سے باہر مختلف جگہوں میں آباد تھا، فُصی بن کلاب نے ان سب کو حرم میں جمع کر دیا، عربی زبان میں ”تقرش“ بکھرے ہوئے لوگوں کے اکٹھے ہو جانے کو کہتے ہیں، (تفسیر قرطبی: ۲۰۲/۲۰) اسی لئے یہ قریش کہلانے لگے، قریش مکہ کی سرزمین میں آباد تھے، یہاں کھیتی تو ہوتی نہیں تھی اور مویشی کی پرورش بھی دشوار ہوتی تھی؛ کیوں کہ ان کے لئے چارہ نہیں ہوتا تھا، اونٹ کی پرورش اس لئے کی جاتی تھی کہ وہ ریگستان کے خاردار پودوں کو بھی غذا بنا لیتا ہے؛ اس لئے ان کی ضروریات زندگی کی فراہمی اور کسب معاش کا مدار تجارت پر تھا، یہ عام طور پر دو تجارتی سفر کیا کرتے تھے، سردی کے موسم میں یمن کا؛ کیوں کہ وہاں کا موسم گرم ہوتا تھا، اور گرمی کے موسم میں شام کا؛ کیوں کہ وہاں کا موسم ٹھنڈا ہوتا تھا، (تفسیر قرطبی: ۲۰۶/۲۰) — اس پورے خطہ میں حکومت اور قانون نام کی کوئی چیز نہیں تھی، اور معاشی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے غربت بھی بہت زیادہ تھی؛ اس لئے قافلوں کے ساتھ لوٹ مار ہوتی رہتی تھی، اور سفر کرنے والوں کو جان و مال کا خطرہ درپیش رہتا تھا؛ لیکن قریش کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، ان پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا، لوگ کہتے تھے کہ یہ اللہ کے گھر کے متولی ہیں، خاص کر ابراہمہ کے واقعہ کے بعد لوگوں کی نگاہ میں ان کا درجہ و مقام اور بڑھ گیا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں انھیں تین احسانات یاد دلائے ہیں، اور یہ تینوں انعامات انھیں بیت اللہ کی وجہ سے حاصل تھے، اول: گرم و سرد موسم میں ان کا بے خوف و خطر طویل تجارتی سفر کرنا، دوسرے: ایسی سرزمین میں بسنے کے باوجود — جہاں پانی نہیں تھا اور گھاس تک نہیں اُگتی تھی — ان کے لئے غذائی اشیاء کا فراہم ہونا، تیسرے: امن قائم کرنے والی کسی حکومت کے نہ ہونے کے باوجود ان کا مامون رہنا، اور امن بھی ایسا کہ حدود حرم میں —

← شکار کی بھی جان محفوظ رہے، اور یہ برکت تھی دُعاء ابراہیمی کی، جو حضرت ابراہیم ؑ نے حضرت اسماعیل ؑ کو یہاں چھوڑتے ہوئے کی تھی: ”رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَاُزِقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ“ (البقرہ: ۱۲۶) یعنی: اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا شہر بنا دیجئے اور یہاں رہنے والوں کو پھل عطا فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ نے ان انعامات کا ذکر کرتے ہوئے — جو قریش مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے حاصل ہوا تھا — تلقین کی ہے کہ اس کا شکرانہ یہ ہے کہ تم بتوں کو پوجنے کی بجائے اسی گھر کے مالک کی عبادت کرو — اس سورہ میں سبق کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ معاشی ضروریات کی تکمیل اور امن و امان اللہ کی دو بڑی نعمتیں ہیں، اگر انسان کو یہ دو نعمتیں حاصل ہوں تو گویا اس کو اس دنیا کی تمام نعمتیں حاصل ہیں، اور اس کا فریضہ ہے کہ اس کے لئے اپنے پروردگار کا شکر ادا کرے۔





## سُورَةُ الْمَاعُونِ

« سورہ نمبر : (۱۰۷) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۷) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کا اختتام 'ماعون' کے لفظ پر ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا نام ماعون ہے، زیادہ تر اہل علم نے اس سورہ کو مکی قرار دیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا خیال ہے کہ یہ مدنی سورہ ہے، غور کیا جائے تو اس سورہ کی ابتدائی آیات مشرکین مکہ کے حالات سے مطابقت رکھتی ہیں، جیسے: قیامت کا انکار، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بدسلوکی؛ جب کہ آخری آیتیں مدینہ کے منافقین کے حالات سے ہم آہنگ ہیں، جیسے: نماز سے غفلت، عمل میں ریاکاری اور عام حسن و سلوک میں بھی بخل سے کام لینا؛ اسی لئے بعض اہل علم کی رائے ہے کہ اس سورہ کی ابتدائی آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور آخر کی مدینہ منورہ میں۔

اس سورہ میں جہاں آخرت کو جھٹلانے کی مذمت کی گئی ہے، وہیں متعدد اخلاقی برائیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے: یتیموں کے ساتھ بدسلوکی، غریبوں کے معاملہ میں بخل، نماز سے غفلت، ریاکاری و دکھاوا، اور روزمرہ کے استعمال کے چیزوں میں بھی تنگ دلی اور بخالت، اس طرح اس سورہ میں اختصار کے باوجود ایمانیات اور اخلاقیات دونوں طرح کے مضامین آگئے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 أَرَعَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ ۚ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۚ وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ  
 الْمُسْكِينِ ۚ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۚ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ الَّذِينَ هُمْ  
 يُرَاءُونَ ۚ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۚ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا، جو جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ ۝ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، ۝ محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا ۝ تو ایسے نماز پڑھنے والوں کے لئے تباہی ہے، ۝ جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں ۝ جو ریا کاری کرتے ہیں، ۝ اور جو روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بھی (عاریتہ) نہیں دیتے۔ ۝ (۱)

﴿۱﴾ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے چھ باتوں کی مذمت فرمائی ہے، ان میں سے بعض باتیں تو عام کافروں میں پائی جاتی تھیں، جن کو اپنے کفر کا اقرار تھا، اور بعض باتیں منافقین میں پائی جاتی تھیں؛ اسی لئے مفسرین نے ان میں سے پہلی تین باتوں کو عام کفار سے متعلق قرار دیا ہے، اور بعد کی تین باتوں کو منافقین سے، پہلی بات جس کی مذمت کی گئی ہے، وہ ہے: قیامت کا انکار، مختلف مفسرین نے ولید بن مغیرہ یا ابو جہل یا ابوسفیان وغیرہ کے نام لئے ہیں کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفار مکہ عمومی طور پر قیامت کا انکار کرتے تھے؛ اس لئے تمام ہی لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں، دوسری برائی — جس کا ذکر کیا گیا — وہ ہے یتیموں کو دھکا دینا، ابوسفیان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ہر ہفتہ ایک اونٹ ذبح کرتا تھا؛ لیکن ایک یتیم نے اس میں سے کچھ مانگا تو لڑھی سے اس کی خبر لے لی، یتیموں کے ساتھ بڑا ظلم یہ تھا کہ ان کو میراث میں حق نہیں دیا جاتا تھا، تیسرے: اس بات کی مذمت کی گئی کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ہیں، اور جب دوسروں کو ترغیب نہ دیں تو خود کیا خاک کھلائیں گے؟ اور بہانہ یہ ہوتا تھا کہ ہم ان کو کیسے کھانا کھلائیں؟ اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ وہ کھانا کھائیں تو اللہ تعالیٰ خود ان کو کھلا دیتا، سورہ یسین میں اس کا ذکر آیا ہے۔ (آیت نمبر: ۴۷)

آگے منافقین سے متعلق تین باتوں کا ذکر ہے، اول یہ کہ اگرچہ وہ خوف یا شرمائشی میں نماز پڑھ لیتے ہیں، مگر غفلت کے ساتھ، یعنی کبھی پڑھی اور کبھی نہیں پڑھی، کبھی اتنی تاخیر کر دی کہ وقت گزر گیا، پڑھی تو اس طرح کہ ارکان نماز کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا، بے دلی کے ساتھ پڑھی، دوسری برائی: ریا اور دکھاوا ہے، یعنی نماز پڑھی یا زکوٰۃ دی تو مقصد عمل نہیں؛ بلکہ عمل کی نمائش ہوتا ہے، تیسری برائی: ”ماعون“ کو بھی روک لینا ہے، ماعون سے کیا مراد ہے؟ یوں تو اس سلسلہ میں مختلف رائیں ہیں؛ لیکن دو قول زیادہ مشہور ہیں، ایک حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کا ہے کہ اس سے برتنے کی وہ عام چیزیں مراد ہیں، جو ایک دوسرے کو استعمال کے لئے دی جاتی ہیں، جیسے آگ، پانی، برتن، لوٹا، گلاس وغیرہ، عرب شاعروں نے بھی ماعون کو اس معنی میں استعمال کیا ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے، دوسرے قول کے مطابق اس سے زکوٰۃ مراد ہے، یہ رائے حضرت علی ؓ ←

← اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، منافقین کی یہ تینوں خصوصیات یعنی نماز میں سستی، دکھاوا اور بخل کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ (دیکھئے: نساء: ۱۴۲)

اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایات مسلمانوں کو بھی متوجہ کرتی ہیں؛ کیوں کہ ان برائیوں میں سے پہلی چیز کا تعلق ایمان سے ہے، باقی پانچوں باتوں کا تعلق عمل سے ہے، اور یہ کوتاہیاں مسلمانوں سے بھی ہو سکتی ہیں؛ بلکہ آج مسلم سماج میں بکثرت ہو رہی ہیں؛ البتہ اس سلسلہ میں چند وضاحتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے:

- اول: اگر کوئی شخص اپنی مجبوری و محتاجی کی وجہ سے یتیم اور محتاج کو کھانا نہ کھلا سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔
- دوسرے: محتاجوں کی مدد کی ترغیب دینی چاہئے؛ لیکن جس کو ترغیب دی جاسکتی ہو، اگر اس سے بات ماننے کی توقع نہ ہو تو ترغیب دینا واجب نہیں، ہاں اگر کوئی شخص فاقہ سے دوچار ہو اور خود کھانا کھلانے کے موقف میں نہ ہو، دوسرا شخص ایسا موجود ہو، جس کو ترغیب دی جاسکے اور اس کے اندر اس کی استطاعت بھی ہو تو پھر ترغیب دلانا واجب ہوگا؛ کیوں کہ جب کوئی شخص بھوک میں اضطراب کے درجہ میں پہنچ جائے تو اس کی مدد واجب ہو جاتی ہے۔
- تیسرے: اگر نماز چھوٹ جائے، قصداً نہ چھوڑی جائے، خواہ یہ چھوٹ جانا بھول کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، تو گنہگار نہ ہوگا؛ البتہ قضاء واجب ہوگی۔

- چوتھے: نماز میں اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو رکھنی چاہئے؛ لیکن اگر کوشش کے باوجود توجہ ہٹ گئی اور غیر ارادی طور پر دوسرے خیالات ذہن میں آگئے تو چوں کہ انسان اس میں معذور ہے تو اُمید ہے کہ وہ اس کی وجہ سے گنہگار نہ ہوگا۔
- پانچویں: فرائض کو لوگوں کے سامنے ادا کرنے میں حرج نہیں؛ بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے، جیسے فرض نمازوں کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا، اور بعض صورتوں میں بہتر ہے، جیسے اس لئے علانیہ طور پر کارِ خیر میں خرچ کرنا کہ دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب ہو۔

- اگر کوئی شخص نفل عبادت کرتا ہو اور ارادہ دکھاوے کا نہ ہو؛ لیکن کوئی اسے دیکھے یا اللہ کی توفیق سے کسی نے اچھے عمل کئے، لوگوں نے اس کی تعریف کر دی اور اسے خوشی ہوئی تو یہ صورتیں ریا میں داخل نہیں ہیں؛ کیوں کہ دوسروں کے دیکھ لینے میں انسان کے قصد و ارادہ کو دخل نہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ایک دوسرے کے سامنے عبادت کیا کرتے تھے، اسی طرح تعریف پر خوش ہونا ایک طبعی چیز ہے، اس میں بھی انسان کے ارادہ کو دخل نہیں؛ اس لئے یہ چیزیں ریا کے دائرہ میں نہیں آئیں گی، کسی کام کے ریا پر مبنی ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر دیکھنے والے اس عمل کو نہ دیکھتے یا اس کی تعریف نہ کی گئی ہوتی تو وہ اس عمل کو کرتا ہی نہیں۔

- ایک اہم بات جو ان آیات سے معلوم ہوئی، وہ ماعون سے متعلق ہے، ماعون ایسی چیزیں ہیں، جو عام طور پر عاریۃً ایک دوسرے کو دی جاتی ہیں، اور اس کا انحصار ہر زمانہ اور ہر پیشہ کے عرف پر ہے، موٹر مکینک ایک دوسرے کو بعض اوزار دیتے ہیں، اسی طرح الیکٹریشن، پلمبر اور تعمیری کام کرنے والے ایک دوسرے کو وقتی طور پر اپنے اوزار استعمال کرنے کے لئے دیتے ہیں، اہل علم قلم، کاغذ کا کٹرا اور اس طرح کی چیزیں استفادہ کے لئے دیتے ہیں، یہ سب چیزیں ماعون میں شامل ہیں؛ البتہ ماعون کا دینا اخلاقی واجبات میں سے ہے نہ کہ شرعی واجبات میں سے؛ اس لئے اگر کوئی شخص نہ دے تو ثواب سے تو محروم رہے گا؛ لیکن گنہگار نہیں ہوگا۔

## سُورَةُ الْكَوْثَرِ

« سورة نمبر : (۱۰۸) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۳) »

« نوعیت : مکی »

آسان تفسیر قرآن مجید

سورہ کی پہلی ہی آیت میں 'کوثر' کا ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورہ کوثر ہے، یہ قرآن مجید کی سب سے مختصر سورہ ہے، جو دس الفاظ اور چالیس حروف پر مشتمل ہے، زیادہ تر صحابہ سے منقول ہے کہ یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، یہی اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے؛ اسی لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ سورہ حالات کی مناسبت سے دوبار آپ ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔

یہ سورہ مکہ میں آپ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی، جب دشمنان اسلام کی عداوت اپنے عروج پر تھی اور ایسے حالات تھے جو طاقتور سے طاقتور آدمی کے حوصلوں کو بھی توڑ دیں، اس ماحول میں آپ ﷺ کی دلداری اور تسلی کے لئے یہ سورہ نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اعلیٰ مقام و مرتبہ سے نوازا ہے اور جو لوگ آپ ﷺ کی دشمنی پر کمر باندھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان ہی کو بے نام و نشان کر دیں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۖ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۚ

ع ۳۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے، ۝ تو آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کیجئے اور قربانی کیا کیجئے ۝ یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔ (۱) ۝

﴿﴾ رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ مطہرہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے پیدا ہوئے، صاحبزادیاں تو زندہ رہیں؛ لیکن دونوں صاحبزادے جن میں سے ایک کا نام قاسم رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا، بچپن ہی میں وفات پا گئے، پھر مدنی زندگی میں آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اور وہ بھی بچپن میں وفات پا گئے، اولاد زینہ کے باقی نہ رہنے میں غالباً اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکمت تھی کہ عام طور پر ایک پیغمبر کے بعد اس کی اولاد کو پیغمبری سے نوازا جاتا تھا؛ جب کہ رسول اللہ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا، اگر آپ کی زینہ اولاد میں سے کوئی زندہ رہتی تو لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی تھی، اور جن لوگوں کے مزاج میں غلو ہوتا ہے وہ اس قسم کا مسئلہ کھڑا کر سکتے تھے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آپ کی کوئی اولاد زینہ باقی نہیں رکھی گئی۔

جس شخص کی کوئی اولاد زینہ باقی نہ رہے، عرب اس کو 'اتر' کہا کرتے تھے اور ان کا گمان تھا کہ مرنے کے بعد یہ شخص بے نام و نشان ہو جاتا ہے، کوئی اس کا نام لینے والا نہیں ہوتا؛ چنانچہ جب آپ کے دو دو صاحبزادوں کا انتقال ہو گیا، تو مشرکین مکہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ابولہب حالاں کہ آپ کا چچا تھا؛ لیکن وہ بھی اپنی خوشی کو چھپانہ سکا، اور کہنے لگا کہ اب کچھ ہی دنوں کی بات ہے، محمد ﷺ کے بعد کوئی شخص اس کے دین کا نام لیوا باقی نہیں رہے گا؛ کیوں کہ اس کی کوئی اولاد زینہ بچی ہی نہیں، اسی پس منظر میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی، بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر یعنی ہجرت کے بعد میں یہ سورت نازل ہوئی، اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ آیتیں اصل میں تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہوں؛ لیکن جب اسی قسم کا حادثہ مدینہ میں پیش آیا اور اہل مکہ نیز یہود و منافقین کی طرف سے طعن و تشنیع کا یہی تیر پھر برسنے لگا تو آپ کی دلداری کے لئے دوبارہ یہ سورہ نازل کی گئی ہو، اس سورہ میں دو خوشخبریاں ہیں اور دو احکام ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی خوشخبری یہ ہے کہ ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے، کوثر کے اصل معنی کثیر شے کے ہیں؛ لیکن یہاں کونسی کثیر شے مراد ہے؟ اس سلسلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے، (بخاری عن انس، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۶۸۰) امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں، اس کی سطح موتی اور یاقوت کی ہوگی، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوگا، (ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۳۶۱) ←

← دوسری بات جو کوثر کے سلسلہ میں آئی ہے، وہ یہ کہ یہ وہ حوض ہوگا، جس پر قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی اُمت وارد ہوگی، اور اس میں پانی لینے کے برتن ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، (مسلم، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۰۰) ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، یہ نہر اصل میں تو جنت کی ہوگی؛ لیکن میدان حشر کے اس حوض میں اس کا پانی منتقل کیا جائے گا، دونوں میں تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے۔

دوسری خوشخبری یہ دی گئی کہ اعدائے اسلام تو کہتے ہیں کہ آپ کا نام و نشان مٹ جائے گا؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا نام قیامت تک باقی رہے گا؛ البتہ آپ کے دشمنوں کے نام مٹ جائیں گے؛ چنانچہ آج اس حقیقت کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے کہ دن و رات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ اہل ایمان آپ پر صلوٰۃ و سلام نہ بھیج رہے ہوں، اور آپ کی رسالت کی گواہی نہ دے رہے ہوں، آج دنیا کے ایک ارب سے زیادہ انسانوں کے لئے سب سے زیادہ محبوب اور پیارا نام آپ ﷺ کا نام ہے، اگر ان لوگوں کا شمار کیا جائے جن لوگوں کے نام محمد اور احمد رکھے گئے ہیں تو شاید دنیا میں ان کی تعداد کئی کروڑ ہو جائے گی؛ لیکن آج کوئی شخص اپنی اولاد کا نام ابولہب، عتبہ اور عقبہ کے نام پر نہیں رکھتا، اور اگر ان کے نام لئے بھی جاتے ہیں تو ناپسندیدہ نام کی حیثیت سے، اور یہ بھی آپ ہی کی نسبت سے۔

جن باتوں کا حکم دیا گیا، وہ دو ہیں، ایک: نماز پڑھنے کا، اب یا تو اس سے تمام فرض نمازیں مراد ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف یہی نقطہ نظر منسوب ہے، اور یا اس سے مراد نماز عید الاضحیٰ ہے، مختلف اکابر اہل علم اسی طرف گئے ہیں اور اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے تقویت پہنچتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے قربانی کیا کرتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے؛ چنانچہ آپ کو حکم دیا گیا کہ پہلے نماز ادا کریں پھر قربانی کیا کریں، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۱۸) — دوسرا حکم قربانی کا دیا گیا، ”نحر“ اصل میں تواؤنٹ کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں، جس کے سینہ پر چھرا لگا کر شہ رگ کاٹی جاتی ہے؛ لیکن بعض اوقات ہر جانور کے ذبح کرنے کو نحر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے — یہاں نماز عید اور قربانی کا حکم عربی گرامر کے مطابق امر کے صیغہ سے دیا جا رہا ہے، یعنی لازمی عمل کی حیثیت سے اس کی تلقین کی جا رہی ہے؛ اس لئے نماز عید کی ادائیگی بھی واجب ہے، (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۵) اور قربانی بھی صاحب استطاعت لوگوں پر واجب ہے۔ (المبسوط: ۶/۱۷۱)

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کے ذریعہ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ دشمن سے نجات پانے، اس کے منصوبوں کو ناکام و نامراد کرنے اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کا غیبی نسخہ نماز اور قربانی ہے۔





# سُورَةُ الْكَافِرُونَ

«سورہ نمبر : (۱۰۹)

«رکوع : (۱)

«آیتیں : (۶)

«نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں کافروں کو مخاطب کیا گیا ہے؛ اس لئے اس کا نام 'کافرون' ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سورہ کو چوتھائی قرآن قرار دیا ہے، (ترمذی عن عبد اللہ بن عباسؓ، حدیث نمبر: ۲۸۹۴) حضرت زید بن حارثہؓ کے بھائی جبیرہ بن حارثہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوتے وقت جب بستر پر لیٹ جاؤ تو اس پوری سورہ کو پڑھ جاؤ؛ کیوں کہ یہ شرک سے بے زاری کا اظہار ہے: ”فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشَّرْكِ“ (طبرانی، عن جبلة بن حارثہ، حدیث نمبر: ۲۱۹۵) آپ ﷺ سے طواف کی دو رکعتوں میں اس سورہ کا اور 'قل' ہو اللہ کا پڑھنا ثابت ہے، (مسلم، عن جابر، حدیث نمبر: ۱۲۱۸) حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک روایت میں فجر کی سنت میں آپ ﷺ کے ان دونوں سورتوں کی قراءت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (مسلم، عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۷۲۶)

اس سورہ کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ ایمان کے لئے صرف اللہ کی عبادت کافی نہیں، غیر اللہ کی عبادت کا انکار بھی ضروری ہے، توحید اور شرک یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں، دونوں کو جمع کرنے کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں روشنی اور تاریکی کو یکجا کرنے کی کوشش کرے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۖ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۖ وَلَا أَنْتُمْ عِبِدُوا مَا أَعْبُدُ ۖ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ ۖ وَلَا أَنْتُمْ عِبِدُوا مَا أَعْبُدُ ۖ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۖ

ع  
۳۳

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ کہہ دیجیے: اے ایمان سے انکار کرنے والو! ۝ نہ تو میں اس کی عبادت کرتا ہوں، جس کی تم پوجا کرتے ہو، ۝ اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو، جس کی عبادت میں کرتا ہوں ۝ اور (آئندہ بھی) نہ میں اس کی عبادت کروں گا، جس کو تم پوجتے ہو، ۝ اور نہ تم (موجودہ صورت حال کے اعتبار سے) اس خدا کی عبادت کرنے والے ہو، جس کی میں عبادت کرتا ہوں، ۝ تو تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین! ۝ (۱) ۝

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینی شروع کی، تو اگرچہ ایک مختصر تعداد ہی نے اسلام قبول کیا؛ لیکن مشرکین کی بڑی تعداد کا بت پرستی پر یقین متزلزل ہونے لگا، اور ان کے ذہن میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ ہم جس مذہب کی پیروی کر رہے ہیں، کیا واقعی یہ سچا مذہب ہے؟ مکہ کے سرداروں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو مسلمانوں پر ایذا رسانی کے سارے ہتھیار آزمانے لگے، مگر جب انھوں نے تجربہ کر لیا کہ ایمان کا نشہ ایسا نشہ ہے، جو اتارے نہیں اُترتا! تو اب انھوں نے لالچ، ترغیب اور مصالحت کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کی، اور سرداران مکہ کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا: آؤ، ہم اس بات پر صلح کر لیں کہ جس خدا کی آپ عبادت کرتے ہیں، ہم بھی اس کی عبادت کیا کریں گے، اور جن معبودوں کی ہم پوجا کیا کرتے ہیں، آپ بھی ان کی عبادت کریں، اور تمام امور میں ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں، تو تم جس مذہب کو لے کر آئے ہو، اگر اس میں خیر ہو تو تم اس میں شرکت ہو جائے گی اور اس میں سے ہمیں ہمارا حصہ مل جائے گا، اور ہم جس مذہب پر عمل پیرا ہیں، اگر اس میں خیر ہو تو تم اس میں سے اپنا حصہ پا لو گے، اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے عبادت کو سال میں تقسیم کرنے کو کہا کہ ایک سال آپ ہمارے معبود — لات وعزى — کی عبادت کریں اور ایک سال ہم سب مل کر آپ کے خدا کی عبادت کریں۔ (تفسیر قرطبی: ۲۲۹/۲۰)

ظاہر ہے کہ یہ بات ناقابل قبول تھی، جیسے ایک چیز بیک وقت سفید اور سیاہ نہیں ہو سکتی، جیسے روشنی اور تاریکی کا جمع ہونا ممکن نہیں، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک شخص بیک وقت توحید کا قائل بھی ہو اور شرک کا مرتکب بھی؛ البتہ قرآن مجید نے ایک ایسے سماج کے لئے جس میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ ہوں، صلح کا ایک دوسرا فارمولہ پیش کیا، کہ جو گروہ توحید پر یقین رکھتا ہو، وہ ایک اللہ کی عبادت کیا کرے، اور جو شرک پر قائم ہو، مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ وہ اس میں زور زبردستی نہ کریں، ان کو ان کے مذہب پر عمل کرنے دیں، زندگی کے دوسرے مسائل میں بھی مسلمان اپنے دین یعنی اپنے مذہبی طور و طریق پر عمل کریں، ←

← اور دوسرے مذہب کے لوگ اپنے طریق پر عمل کریں؛ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا طریقہ کار یہی رکھا، رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو ان ہی اصولوں پر آپ نے مسلمان اور یہودی قبائل کے درمیان معاہدہ کرایا، اور فقہاء نے بھی مسلمان ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے لئے اسی اصول کو اختیار کیا کہ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی، کثیر مذہبی سماج کے لئے اس سے زیادہ موزوں کوئی صورت نہیں ہو سکتی، آج کل مغربی مفکرین اس اصول کو مغرب کی دین قرار دیتے ہیں؛ مگر یہ غلط ہے، جس وقت دنیا میں عیسائی اقوام یہودیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا رہی تھیں اور جب خود عیسائی فرقوں میں ان لوگوں کو زندہ جلانے کی سزا دی جا رہی تھی، جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننے کو تیار نہیں تھے، اس وقت اسلام نے مذہبی رواداری کا یہ تصور پیش کیا۔

اس سے جہاں ایک طرف مذہبی رواداری کی تعلیم ملتی ہے کہ مسلمان دوسروں کے مذہبی معاملات میں خواہ مخواہ دخل اندازی نہ کریں، وہیں ایک دوسری تعلیم یہ بھی ملتی ہے کہ رواداری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی شناخت کھودیں اور دوسروں کے رنگ میں رنگ جائیں، اپنے دین اور اپنی دینی شناخت پر قائم رہتے ہوئے دوسرے اہل مذاہب کے معاملہ میں چھیڑ خانی سے بچنا رواداری ہے، افسوس کہ آج کل بعض مسلمان رواداری کے نام پر غیر اسلامی شعائر کو اختیار کرنے لگتے ہیں، وہ لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں، اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

اس سورہ کے بالکل شروع میں مشرکین مکہ کو ”کافرون“ کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے؛ لیکن تفسیر، حدیث یا سیرت کی کتابوں میں کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ انھوں نے اس پر کوئی احتجاج کیا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو یہ تعبیر ناگوار نہیں گزرتی تھی؛ کیوں کہ کافر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو عقیدہ توحید کا انکار کرتا ہے، تو جو شخص توحید کا منکر ہو، اگر اس کو کافر کہا جائے تو اس میں اس کی کوئی توہین نہیں، آج کل بعض غیر مسلم یہ سمجھتے ہیں کہ کافر کہہ کر ان کی توہین کی جاتی ہے؛ حالانکہ جو شخص عقیدہ توحید کا انکار کرتا ہو، اسے کافر کہنے میں کوئی اہانت نہیں۔



# سُورَةُ النَّازِعَاتِ

« سورة نمبر : (۱۱۰) »

« رکوع : (۱) »

« آیتیں : (۳) »

« نوعیت : مدنی »

آسان تفسیر قرآن مجید

”نصر“ کے معنی مدد کے ہیں، سورہ کی پہلی آیت میں نصر کا لفظ آیا ہے، اس مناسبت سے اس کا نام سورہ نصر ہے؛ چوں کہ اسی آیت میں ’فتح‘ کا لفظ بھی آیا ہے، جس سے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے؛ اس لئے اس کو سورہ فتح بھی کہتے ہیں، اس کے علاوہ اس کا ایک نام ”سورہ تودلیع“ بھی ہے — تودلیع کے معنی ہیں: رخصت کرنا، الوداع کہنا؛ چوں کہ اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے؛ اس لئے اس سورہ کا یہ نام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ اس سورہ میں مستقبل قریب میں مکہ کے فتح ہونے، مشرکین کے مقابلہ مسلمانوں کے فتح یاب ہونے، پورے عرب میں اسلام کے پھیل جانے اور رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی طرف اشارہ ہے، اس سورہ کے آخر میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ حجۃ الوداع کے موقع سے آپ ﷺ پر نازل ہوئی؛ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آخری سورہ ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی، (سنن نسائی، عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، حدیث نمبر: ۱۱۶۴۹) یعنی بعض آیات تو اس کے بعد بھی نازل ہوئی ہیں؛ لیکن سب سے آخر میں نازل ہونے والی مکمل سورہ یہی ہے — حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس سورہ کو بھی چوتھائی قرآن قرار دیا۔ (ترمذی، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۲۸۹۵)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
 إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۖ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ جب اللہ کی مدد اور فتح آپہنچی، ۝ اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، ۝ تو اپنے پروردگار کی تعریف اور پاکی بیان کیجیے اور اسی سے مغفرت کی دعا فرمائیے، یقیناً اللہ خوب توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ ۝

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ پر اخیر زمانہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں، ان میں ایک یہ بھی ہے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع میں جب آپ منیٰ میں تھے تو یہ سورہ نازل ہوئی، پھر اس کے بعد سورہ مائدہ کی آیت نمبر: ۳۰ نازل ہوئی، اس کے بعد آپ صرف ۸۰ دنوں دنیا میں رہے، (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۳۳) اس سورہ میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے، ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا، عربوں کا عقیدہ تھا کہ حرم پر اسی کا نظم و نسق قائم ہو سکتا ہے، جس کے ساتھ اللہ کی مدد ہو، اس لئے مکہ فتح ہونے کے بعد لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے، فتح مکہ کے بعد اشاعت اسلام کی تیز رفتاری کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ تھے اور دو سال سے بھی کم عرصہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے رفقاء کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی، اور عرب کے حدود سے باہر بھی اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی، یہاں تک کہ آپ کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت عمرؓ کے عہد میں دنیا کی دو بڑی طاقتیں — روم و ایران — اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گئیں۔

اس سورہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا تھا، اب وہ مقصد پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح تو آپ پہلے بھی کرتے تھے، استغفار کا معمول تو پہلے بھی تھا؛ لیکن اب اس معمول کو بڑھا دیجئے؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کثرت سے ”سبحانک ربنا و بحمدک، اللھم اغفر لی“ پڑھنے لگے، حضرت عائشہؓ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کثرت سے رکوع وسجدہ میں ”سبحانک اللھم ربنا و بحمدک اللھم اغفر لی“ پڑھا کرتے تھے، (بخاری، باب الدعاء فی الركوع، حدیث نمبر: ۷۶۱) اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ اخیر عمر میں اُٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے ”سبحان اللھ و بحمدک استغفر اللھ و اتوب الیہ“ پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور اسی سورہ کو پیش کرتے تھے۔ (الدر المنثور: ۸/۶۶۳)

اگرچہ اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کو تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے؛ لیکن بعض صحابہ اس سورہ کو سن کر سمجھ گئے کہ اس میں حضور ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنی مجلس شوریٰ میں شریک رکھا —

← اور ان کی کم سنی کی وجہ سے بعض اکابر صحابہ کو اس پر تامل ہوا تو بطور امتحان حضرت عمرؓ نے اپنے رفقاء سے اس سورہ کی تفسیر دریافت کی، سمجھوں نے اس کے مضمون کو بیان کر دیا؛ لیکن جب حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: اس میں آپ کی وفات کی اطلاع ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے بھی یہی سمجھا ہے۔ (خلاصہ از تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۲۹ تا ۲۳۳)





## سورة تَبَّتْ / لَهَبُ

«سورہ نمبر : (۱۱۱)»

«رکوع : (۱)»

«آیتیں : (۵)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

چوں کہ اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں 'ابولہب' کا ذکر ہے؛ اس لئے اس کا نام سورہ لہب ہے۔

مکہ میں یوں تو آپ ﷺ کے دشمنوں اور مخالفت کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی؛ لیکن جو لوگ اس مخالفت میں پیش پیش تھے، ان میں ایک ابولہب تھا؛ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ ان میں سب سے آگے تھا، اس کی یہ عداوت دوسرے لوگوں کے مقابلہ زیادہ افسوس ناک بھی تھی اور باعث تعجب بھی؛ کیوں کہ ابولہب آپ ﷺ کا حقیقی چچا اور بنو ہاشم کے سرداروں میں سے تھا، اس لحاظ سے اگر ایمان نہ لاتا، تب بھی رشتہ و قرابت کے لحاظ سے اس کو رسول اللہ ﷺ کی اسی طرح پشت پناہی کرنی چاہئے تھی، جیسے حضرت ابوطالب نے کی تھی؛ لیکن اس کی بجائے اس نے آپ ﷺ کے ساتھ حد درجہ عناد اور دشمنی کا معاملہ کیا اور عربوں کی عام روایت کا بھی پاس و لحاظ نہیں رکھا، جس کا ایک اہم حصہ تھا، رشتہ و قرابت کا لحاظ؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ کے تمام دشمنوں میں ابولہب ہی وہ بد بخت شخص ہے، جس کی برائیوں کا قرآن نے نام لے کر ذکر کیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝  
وَأُمْرَأَتُهُ ۝ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ ابولہب کے دنوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے، ۱ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ۲ وہ عنقریب شعلہ والی آگ میں داخل ہوگا ۳ اور اس کی بیوی بھی، جو سر پر لکڑیاں لا کر لاتی ہے، ۴ اس کے گلے میں ایک خوب بٹی ہوئی رسی ہوگی۔ ۵

﴿۱﴾ رسول اللہ ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو سب سے زیادہ جن کی طرف سے آپ کو تقویت پہنچی، وہ بھی آپ کے ایک چچا حضرت ابوطالب تھے، اور جن کی طرف سے آپ کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچی، وہ بھی آپ کا چچا ہی تھا: ابولہب، ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا، اس کی خوبصورتی اور چہرہ کی خوش رنگی کی وجہ سے اس کو ابولہب کہا جاتا تھا، یعنی ایسا شخص جس کا چہرہ شعلہ کی طرح دکھتا ہے، اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا، جو ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی، رسول اللہ ﷺ کے نبی بنائے جانے کے بعد جب تک یہ دونوں میاں بیوی زندہ رہے، آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

جب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلی بار صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر اہل مکہ کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو ابولہب نے کہا: ”تَبَّ لَكَ أَمَا جَمَعْتَنَا إِلَّا لِهَذَا؟“ (تم ہلاک ہو جاؤ، کیا تم نے ہمیں اسی کے لئے جمع کیا تھا؟) اسی موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی، اس کی بیوی ام جمیل بھی آپ کو تکلیف پہنچانے میں پیش پیش رہتی تھی؛ حالانکہ ابولہب مکہ کے دولت مند لوگوں میں تھا؛ لیکن بخل کا حال یہ تھا کہ اس کی بیوی اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا ڈھیر اٹھا کر لاتی تھی اور اسے بٹی ہوئی رسی سے اپنی پیٹھ پر رکھ کر گردن سے باندھ لیتی تھی۔

چنانچہ اس سورہ میں ابولہب اور اس کی بیوی کے خراب انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہ جملہ کہ ”ہاتھ ٹوٹ جائیں اور ہلاک ہو جائے“ محاورہ ہے، جو اردو میں بھی بولا جاتا ہے؛ چنانچہ ابولہب کا انجام یہ ہوا کہ غزوہ بدر کے ایک ہفتہ بعد ہی اس نے حضرت ام فضل کے غلام کو مارنے کی کوشش کی تھی، انھوں نے اپنے غلام ابورافع کو مارنے کی وجہ سے اس پر ایک لکڑی سے وار کیا، اس سے اس کو زہریلا زخم ہو گیا اور اس کے پورے بدن پر پھیل گیا، جس کو عرب ”عدسہ“ کہا کرتے تھے، اور اس کو متعدی بیماری سمجھا جاتا تھا، مرنے کے بعد بھی تین دنوں اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی، لوگ بیماری کے ڈر سے قریب نہ جاتے تھے، اسی طرح تین دن گزر گئے، جب بدبو بہت بڑھ گئی تو کسی طرح اس پر اس کے لڑکوں نے دُور ہی سے پانی بہا دیا، اور مکہ کے بالائی حصہ پر ایک دیوار سے لگا کر اوپر سے پتھر ڈال دیا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو اس کا مال اور کمائی کچھ کام نہ آئے گی، یہ تو دنیا کا حال ہے، اور آخرت میں جو دوزخ میں جھونکا جائے گا، یہ اس سے کہیں دردناک اور بڑی سزا ہوگی۔

← ابولہب کی بیوی اُم جمیل کا حال یہ ہوا کہ وہ جو لکڑی اٹھا کر لایا کرتی تھی، اسی کی رسی اس کے گردن کا پھندا بن گئی اور وہ مر گئی، آیت نمبر: ۴ اور ۵ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ”حمالۃ الحطب“ کا ایک اور معنی ’چغل خوری کرنے والی‘ کے بھی ہیں، جیسے ایندھن کی لکڑی لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر بیچتے ہیں، اسی طرح غیبت کرنے والے مختلف لوگوں کے پاس جا جا کر ایک دوسرے کی چغل خوری کرتے ہیں۔ (خلاصہ از: تفسیر قرطبی: ۲۴۰/۲۰)



# سُورَةُ الْإِخْلَاصِ

«سورہ نمبر : (۱۱۲)»

«رکوع : (۱)»

«آیتیں : (۴)»

«نوعیت : مکی»

آسان تفسیر قرآن مجید

اس سورہ کے بہت سے نام منقول ہیں؛ لیکن سب سے مشہور نام 'سورہ اخلاص' ہے، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس میں توحید خالص کے عقیدہ کو پیش کیا گیا ہے اور شرک کی تمام صورتوں کا رد فرمایا گیا ہے، اس سورہ میں مشرکین کی بھی تردید ہے، جو اللہ کے ساتھ اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے دیویوں دیوتاؤں کو شریک ٹھہراتے تھے، عیسائیوں کا بھی رد ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت کو ایک تہائی قرآن مجید کی تلاوت قرار دیا ہے، (بخاری، عن ابی سعید خدریؓ، حدیث نمبر: ۵۰۱۳) غور کیا جائے تو یہ مضمون کے اعتبار سے بھی ایک تہائی قرآن ہے؛ کیوں کہ ایمان کے بنیادی اجزاء تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت اور اس سورہ میں توحید کے مضمون کو نہایت ہی واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے، ۱  
اللہ بے نیاز ہے، ۲ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، ۳ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ ۴

﴿۱﴾ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدہ کو ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ مشرکانہ افکار کی تمام بنیادیں کٹ جائیں، دنیا کی بہت سی قومیں خدا کو ایک مانتی ہیں؛ لیکن وہ کسی دوسری جہت سے شرک میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں شرک کی تمام صورتوں کی نفی کر دی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اس کی بڑی خوب وضاحت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

(۱) کبھی تعداد میں شرک کیا جاتا ہے، یعنی ایک کی بجائے دو، تین یا بہت سے خدا مانے جاتے ہیں، جیسے ہمارے ہندو بھائیوں کے یہاں ہزاروں معبود ہیں، ”احد“ کے لفظ نے اس کی نفی کر دی کہ خدا ایک ہی ہو سکتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں۔  
(۲) کبھی منصب و مرتبہ میں شرک ہوتا ہے، جیسے اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کو رزق کا دیوتا، کسی کو علم کی دیوی، کسی کو زندگی اور موت کا مالک سمجھ لیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کی جو خصوصی صفات ہیں، ان میں دوسروں کو شریک ٹھہرا لیا جائے، ”صمد“ کے لفظ سے اس کی تردید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کام کے انجام دینے میں کسی شریک و مددگار کی ضرورت نہیں، وہ بے نیاز اور اپنے آپ میں کافی ہیں۔

(۳) کبھی شرک اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے لئے کنبہ مان لیا جاتا ہے، جیسے: خدا کا بیٹا، خدا کا باپ، خدا کی بیوی، اور تصور کیا جاتا ہے کہ جب یہ خدا کا رشتہ دار ہے تو خدائی اس میں بھی ہے — ”لم یلد و لم یولد“ کہہ کر اس کی جڑ کاٹ دی گئی کہ نہ خدا کی کوئی اولاد ہے اور نہ خدا خود کسی کی اولاد ہے۔

(۴) شرک کا چوتھا سبب یہ ہے کہ بعض قومیں شخصیتوں کے بارے میں یہ فرض کر لیتی ہیں کہ وہ ان کے کام کر سکتے ہیں اور خدا پر اثر انداز ہو سکتے ہیں — ”لم یکن لہ کفواً احد“ کہہ کر اس کا رد کر دیا گیا کہ کوئی اللہ کے برابر اور ہمسرہ ہے ہی نہیں، جو اس پر اثر انداز ہو سکے۔ (دیکھئے: تفسیر عزیزی، پارہ عم: ۶۸۱)

غرض کہ یہ سورہ اس بات کو بے غبار کرتی ہے کہ نہ ذات کے اعتبار سے اللہ کا کوئی شریک ہے اور نہ صفات و اختیارات کے اعتبار سے — اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ”صمد“ بیان کی گئی ہے، اردو میں اس کا ترجمہ بے نیاز سے کیا جاتا ہے، اس سے دراصل وہ ذات مراد ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۴۵۲)







## معوذتین (فلق ، ناس)

« سورہ نمبر : (۱۱۳، ۱۱۴)

« رکوع : (۱، ۱)

« آیتیں : (۶، ۵)

« نوعیت : مکی

آسان تفسیر قرآن مجید

یہ قرآن مجید کی آخری دو سورتیں ہیں، جن میں سے پہلی سورہ کی آیت نمبر: ۱ میں 'فلق' اور دوسری سورہ کی آیت نمبر: ۱ میں 'ناس' کا لفظ آیا ہے، اسی مناسبت سے ان سورتوں کے نام ہیں۔

رسول اللہ ﷺ پر بعض یہودیوں نے سحر کر دیا تھا اور دنیاوی اُمور میں آپ ﷺ کو کسی قدر بھول ہونے لگی تھی، اسی سلسلہ میں ایک ساتھ یہ دونوں سورتیں آپ ﷺ پر اُتاری گئیں، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں، جس واقعہ کے پس منظر میں یہ دونوں سورتیں نازل ہوئی ہیں، ان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، بعض حضرات کے نزدیک یہ کی سورتوں میں ہیں۔

یہ سورتیں بنیادی طور پر ہر طرح کے شرور سے امن و حفاظت کی دُعا پر مشتمل ہیں، حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد ان دونوں سورتوں کو تاکید سے پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، (مسند احمد، عن عقبہ بن عامرؓ، حدیث نمبر: ۲۰۲۸۴) حضرت عقبہؓ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان آیات کے نازل ہونے کے بعد فرمایا: یہ ایسی آیات ہیں کہ ان جیسی آیات دیکھی نہیں گئیں، (مسند احمد، عن عقبہ بن عامرؓ، حدیث نمبر: ۱۷۳۰۳) رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب سونے کے لئے بستر پر لیٹتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے اور سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ ناس پڑھ کر ہتھیلیوں پر دم کرتے اور پورے جسم پر اسے اس طرح پھیرتے کہ پہلے سر مبارک اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے، پھر جسم کے سامنے کے حصہ پر، تین دفعہ آپ ﷺ کا یہ عمل ہوتا۔ (بخاری، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۵۰۱۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ  
 النَّفُّثِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ کہہ دیجئے: میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، ۱ تمام مخلوقات کے شر سے ۲ اور اندھیری رات کے شر سے جب کہ اس کی تاریکی پھیل جائے، ۳ اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونک مارتی ہیں، ۴ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔ ۵

۱ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کی سیاست اور معیشت دونوں پر یہودیوں کو غلبہ حاصل تھا، سیاست پر اس لئے کہ مدینہ کے دونوں قبائل اوس و خزرج کو وہ ہمیشہ آپس میں لڑاتے رہتے تھے، اور اکثر ان کے فیصلے یہودیوں کے پاس جاتے تھے، معیشت پر انھیں یہ غلبہ حاصل تھا کہ پوری تجارت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی، مدینہ کے لوگ بھی اپنا مال ان ہی کی مارکٹ میں بیچتے تھے، مدینہ کے اصل باشندے زراعت پیشہ تھے؛ اس لئے انھیں قرض کی ضرورت پڑتی تھی، یہودی ان کو سود پر قرض دیتے تھے، اور سیرت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ رہن کے طور پر مقروض کی عورت تک کا مطالبہ کرتے تھے، سیاسی اور معاشی صورت حال کے علاوہ مذہبی اعتبار سے بھی مدینہ کے لوگ انھیں اپنے آپ سے فائق سمجھتے تھے؛ اس لئے بعض اوقات ماں باپ نذر مانتے تھے کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہ گیا تو میں اسے یہودی بنادوں گا، جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ان کی یہ چودھراہٹ ختم ہو گئی؛ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی؛ لیکن ان کی یہ کوشش رائیگاں ہی ہوتی گئی۔

یہودیوں میں شروع سے جادو ٹوٹکے کا رواج رہا ہے، بائبل میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، اس زمانہ میں بنو زریق کا ایک شخص لبید بن اعصم بحیثیت جادوگر مشہور تھا، اگرچہ یہ قبیلہ اہل مدینہ کا تھا؛ لیکن قبیلہ کے بعض لوگ یہودی ہو گئے تھے، ان ہی میں لبید بھی تھا؛ چنانچہ خیبر کے ایک وفد نے لبید سے ملاقات کی اور اس سے خواہش کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب صلح حدیبیہ ہو چکی تھی، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کے سارے حربے ناکام ہو چکے تھے، ایک یہودی لڑکا حضور ﷺ کی خدمت میں آتا رہتا تھا، کسی طرح اس کے ذریعہ آپ ﷺ کی نگہی کا ایک ٹکڑا اور چند مبارک بال حاصل کر لئے گئے، لبید اور اس کی بیٹیوں نے — جو خود بھی اس فن میں ماہر تھیں — ان بالوں کے ذریعہ آپ ﷺ پر جادو کیا اور ان چیزوں کو زکھجور کے خوشہ میں رکھ کر بنو زریق کے ایک کنویں میں پتھر سے دبا کر رکھ دیا، رسول اللہ ﷺ پر اس کا اثر پڑنا شروع ہوا، اور یہ اثر بنیادی طور پر دو شکل میں سامنے آیا، ایک یہ کہ آپ ﷺ کو بہت ضعف ہونے لگا، دوسرے کسی قدر بھول؛ کہ آپ ﷺ کسی کام کو کرتے اور بھول جاتے کہ آپ ﷺ نے اس کام کو کیا ہے؛ لیکن آپ ﷺ کے پیغمبرانہ فرائض پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

پھر ایک دن آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے سر ہانے اور پاؤں کی طرف ایک ایک آدمی بیٹھ گیا اور وہ آپس میں —

← بات کرنے لگے، ایک نے پوچھا: ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا: ان پر جادو کر دیا گیا ہے، پھر ایک نے پوچھا: کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: لبید بن اعصم نے، پھر ایک طرف سے سوال ہوا: کس چیز میں؟ دوسرے نے بتایا: کنگھی کے ٹکڑے اور چند بالوں پر کھجور کے خوشہ میں رکھ کر، پھر ایک نے پوچھا: اسے رکھا کہاں ہے؟ دوسرے نے کہا: ذی اور ان نامی کنویں کی تہہ میں پتھر کے نیچے، پھر ایک نے دریافت کیا: اب اس کا علاج کیا ہے؟ دوسرے نے بتایا: کنویں کا پانی خالی کر دیا جائے اور پتھر کے نیچے دبی ہوئی چیزوں کو نکال لیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو وہاں بھیجا اور آپ خود بھی تشریف لے گئے، پہلے کنویں کا پانی صاف کر دیا گیا، پھر وہ پتھر ملا، اسے اٹھایا گیا تو نیچے سے وہ غلاف ملا، غلاف کھولا گیا تو اس میں کنگھی کا ایک ٹکڑا اور تانت میں بندھے ہوئے چند بال تھے، اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں، اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام سورہ فلق اور سورہ ناس لے کر نازل ہوئے اور عرض کیا: آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جائیں، ایک ایک گرہ کھولتے جائیں اور ایک ایک سوئی نکالتے جائیں، اس طرح گیارہ گرہیں کھل گئیں اور جادو کا اثر ختم ہو گیا، صحابہ چاہتے تھے کہ لبید کا سر قلم کر دیا جائے؛ لیکن آپ ﷺ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمادی، یہ کافی ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ کی کوئی آگ بھڑکے۔ (بخاری، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۴۳۳، نیز دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲۵۲/۲۰)

اس واقعہ کے پس منظر میں چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، اول: اس سے ثابت ہوا کہ جادو کا بھی اثر ہوتا ہے، دوسرے: جادو کا اثر پیغمبر پر بھی ہو سکتا ہے؛ البتہ پیغمبر چوں کہ انسانیت کے لئے نمونہ ہوتا ہے؛ اس لئے اس پر ایسا اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ کار پیغمبری کو متاثر کر دے، تیسرے: جھاڑ پھونک جائز ہے، اگر اس میں اسلامی عقیدہ کے خلاف کوئی چیز نہ ہو؛ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما پر: ”أعید بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامة“ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے، (بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۱۹۱) چوتھی بات یہ ہے کہ سورہ فلق اور سورہ ناس صرف تعوذ کی دعائیں نہیں ہیں؛ بلکہ یہ قرآن مجید کی دوسورتیں ہیں؛ چنانچہ خود حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر چند ایسی آیتیں نازل ہوئیں، جن کے مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئیں اور وہ ہیں: معوذتین۔ (الدر المنثور: ۶۸۴/۸)

ان میں سے پہلی سورہ ”سورہ فلق“ میں چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی گئی ہے، ایک: تمام مخلوقات کے شر سے، اس میں انسان، جنات، ضرر رساں جانور، نقصان پہنچانے والے پودے، بیماری پیدا کرنے والی غذائیں سب شامل ہیں، دوسرے: اندھیری رات کے شر سے؛ کیوں کہ دنیا میں شر اور نقصان کی بہت سی صورتیں رات کی تاریکی ہی میں نقصان پہنچاتی ہیں، چور، اُچکے، ڈاکے ڈالنے والے، قاتل، درندہ جانور، سانپ، بچھو وغیرہ رات ہی میں سرگرم عمل ہوتے ہیں، زیادہ تر رات ہی کے وقت شباب و شراب کی محفلیں جمتی ہیں اور پاکدامن عورتوں کی عصمت و آبرو نیلام کی جاتی ہے، تیسرے: گرہوں میں پھونک مارنے والیوں یعنی جادوگریوں کے شر سے؛ چوں کہ زیادہ تر جادو کا عمل عورتوں کے ذریعہ ہوتا ہے؛ اس لئے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا، چوتھے: حسد کرنے والوں کے شر سے، حسد سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی کی نعمت کو دیکھ کر جلے اور تمنا کرے کہ اس کی یہ نعمت ختم ہو جائے، صرف اس تمنا سے تو انسان کو نقصان نہیں پہنچتا؛ لیکن کبھی کبھی یہ حاسدانہ جذبہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ حاسد عملی قدم اٹھا بیٹھتا ہے؛ اس لئے اس سے پناہ چاہی گئی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
 قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝  
 الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

۱  
۲۹

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں ۝ آپ کہہ دیجئے: میں انسانوں کے رب ۝ انسانوں کے بادشاہ، ۝ انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، ۝ وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے اور نظر نہ آنے والے (شیطان) کے شر سے، ۝ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، ۝ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ ۝ (۱)

﴿۱﴾ سورہ ناس میں پناہ صرف شیطان سے چاہی گئی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ — جن کی پناہ طلب کی جا رہی ہے — کی تین تین صفات بیان ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کی، مالک و حاکم ہونے کی اور معبود ہونے کی؛ کیوں کہ مشرک قومیں ان ہی صفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتی ہیں، ربوبیت میں، حاکمیت میں اور معبودیت میں، (دیکھئے: تفسیر ماجدی: ۷/۶۵۴) اور شیطان کے جس وصف کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، وہ ہے: وسوسہ ڈالنا؛ کیوں کہ ہر بُرائی اور جرم کی ابتدا وسوسہ سے ہوتی ہے، نیز شیطان کو خناس بھی کہا گیا، یعنی نظر نہ آنے والا یا پیچھے ہٹ جانے والا، یعنی شیطان یا شیطانی کام کرنے والے لوگ سامنے سے آکر گمراہ کرنے والی بات نہیں کہتے؛ بلکہ پیچھے رہ کر گمراہ کرتے ہیں؛ اسی لئے حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ شیطان غفلت کی حالت میں انسان کے اندر وسوسہ پیدا کرتا ہے، اگر انسان اللہ کو یاد کر لیتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۰/۲۶۲)

آیت نمبر ۶: میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ وسوسہ پیدا کرنے والے جنات تو ہوتے ہی ہیں، انسان بھی ہوتے ہیں، جن کو شیطان اپنا آلہ کار بناتا ہے، آج کل علم کے نام پر جو گمراہیاں پھیلانی جا رہی ہیں: سود کو معاشی نظام کے استحکام کے لئے لازم قرار دینا، ہم جنسی کے عمل کو درست قرار دینا، قمار کو عالمی سطح پر رواج دینا، شریعت کے احکام کو ازکار رفتہ بتانا، وغیرہ، یہ سب انسانی وسوسوں کی قسمیں ہیں، جن کا فتنہ آج پوری دنیا میں پھیلا جا رہا ہے۔



## حرفِ آخریں

قرآن مجید کے ترجمہ و حواشی کا کام یکم رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کو شروع کیا گیا اور طویل وقفوں کے ساتھ جو بعض دفعہ ایک ایک سال سے بھی بڑھ جاتا، بیسویں پارے کے ختم تک مع حواشی کا مکمل ہوا اور کسی وقفہ فرصت کے انتظار میں کام رُک سا گیا، پھر ستمبر ۲۰۱۴ء کے پہلے ہفتہ میں اسلامک فائننس اور احکام تجارت سے متعلق ایک پروگرام میں شرکت کے لئے سری نگر (کشمیر) کا سفر ہوا، اسی وقت یہاں ایک ایسا ہولناک سیلاب آیا، جس سے جان کے لالے پڑ گئے، میں اس وقت عزیز مولانا اعجاز بانڈے قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ (سری نگر) کے مکان پر بحیثیت مہمان مقیم تھا، جناب مولانا محمد شفیق بڑودوی (استاذ دارالعلوم بڑودہ) اور بعض دیگر رفقاء بھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، اگرچہ اس وقت ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور پُختی منزل پانی سے بھر چکی تھی؛ لیکن سوچا گیا کہ یہی اللہ سے لو لگانے کا وقت ہے؛ چنانچہ سبھوں نے ذکر و دعا اور تلاوت و نماز کا خصوصی اہتمام کیا، اس کے ساتھ ساتھ اس حقیر نے اکیسویں پارے کے آغاز سے محب عزیز مولانا محمد شفیق صاحب کو ترجمہ بھی املاء کرانا شروع کیا؛ کہ اگر اللہ کی طرف سے یہ آخری وقت ہے تو یہ وقت اللہ کی کتاب کی خدمت میں گزر جائے، بہر حال پون پارہ کا ترجمہ اسی حال میں ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سیلاب کے باقی رہنے کے باوجود وہاں سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیا۔

واپسی کے بعد کافی عرصہ کے وقفہ کے ساتھ رجب ۱۴۳۶ھ کے دوسرے عشرہ میں مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کے سیمینار میں شرکت کے لئے مکہ مکرمہ کا سفر ہوا، اسی سفر کے دوران سورہ احزاب اور سورہ سبا کا ترجمہ کیا گیا، ارادہ تھا کہ اس کے حواشی لکھ دیئے جائیں؛ لیکن پھر دوستوں کے مشورے سے یہ بات طے پائی کہ پہلے ترجمہ مکمل کر لیا جائے؛ کیوں کہ تلگو و مراٹھی میں اس ترجمہ کا ترجمہ شروع ہو چکا تھا اور مفردات القرآن کی کتابوں، عربی تفسیروں اور اردو و فارسی کے ترجموں سے بار بار رُجوع کرنے کی وجہ سے ترجمہ ہی میں زیادہ وقت لگتا ہے؛ چنانچہ ۲ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کو سورہ فاطر کے آغاز سے ترجمہ کا کام شروع کیا گیا، جو دن میں بھی کیا گیا اور بالخصوص رات میں تراویح سے قبیل سحر تک اس کا معمول رکھا گیا، اس طرح بحمد اللہ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کی ۱۹ ویں شب مطابق: ۲۴ جولائی ۲۰۱۵ء، ڈیڑھ بجے ترجمہ کا کام مکمل ہوا اور اس کی آخری سطریں املا کرائی گئیں، پھر عید الفطر کے چند دنوں بعد ۲۱ ویں پارہ کے تشریحی حواشی کا کام شروع کیا گیا اور ۱۶ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، مطابق: ۲۰ ستمبر ۲۰۱۵ء کو اس کی تکمیل ہوئی۔

چوں کہ اس حقیر کی عادت املا کرانے کی ہے؛ اس لئے ہمیشہ کسی فہیم اور مزاج شناس معاون کی ضرورت پڑتی ہے، جو صحیح طور پر رموز تحریر کی رعایت کے ساتھ لکھتا جائے، اور چوں کہ میں تیز تیز لکھتا ہوں تو اس میں زود نویسی بھی ہو اور خوش نویسی بھی، اس سلسلہ میں اس حقیر سے تعلیم و تعلم کا تعلق رکھنے والے مختلف عزیزوں سے مدد ملتی رہی؛ لیکن سب سے زیادہ تعاون عزیزی الاعز مولانا محمد فرقان فلاجی سلمہ اللہ تعالیٰ (اورنگ آباد) کا حاصل ہوا، جو اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر ہر سال آخری عشرہ میں میرے ساتھ اعتکاف کرتے اور اس کام میں پوری خوش دلی اور رغبت کے ساتھ تعاون کرتے رہے، بالخصوص اس رمضان المبارک (۱۴۳۶ھ) میں وہ شروع ہی سے آگئے اور نہ صرف گیارہ بارہ بجے دن سے وقفہ نماز کو چھوڑ قبیل افطار تک ساتھ رہے؛ بلکہ تراویح کے بعد سے سحر تک بھی ہم دونوں نے ساتھ مل کر کام کیا، ان کے علاوہ جس عزیز نے اس سلسلہ میں خصوصی طور پر حسن رفاقت کا ثبوت دیا، وہ ہیں عزیزی القدر مولانا محمد اسعد قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ (در بھنگہ، حال مقیم: بنگلور)، اسی طرح حدیث و فقہ سے متعلق حوالہ جات کی تخریجات میں یوں تو مختلف عزیزوں سے مدد ملتی رہی؛ لیکن عزیزی مولانا محمد جہانگیر اصلاحی سلمہ (شعبہ تحقیق) کا خصوصی تعاون شامل حال رہا، اور عزیزی مولانا محمد نصیر عالم بسیلی سلمہ (العالم اردو کمپیوٹرس، حیدر آباد) نے پہلی ہی جلد کی طرح خلوص و محبت کے ساتھ کمپوزنگ، سیٹنگ اور ڈیزائننگ کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ ان سبھی حضرات کے علم و عمل، صحت و زندگی اور رزق میں خوب خوب برکت عطا فرمائے اور ان کی اس خدمت کو دنیا و آخرت میں سرفرازی کا باعث بنائے۔

زندگی کے اس مبارک اور تاریخی لمحہ میں میری جبین شکر بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے اپنے اس حقیر بندہ سے ٹوٹی پھوٹی سہی، اپنی کتاب کی خدمت لی، بندہ کریم بھی کسی مرد بے نوا کے تحفہ کو اس کی کم قیمتی کی وجہ سے واپس نہیں کرتا، چاہے وہ کتنا ہی گیا گذرا ہو، اور وہ تو کریموں کا کریم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے، رحیم و رحمان اور عفو و غفور ہے؛ اس لئے اُمید یہی ہے کہ وہ اپنے غلام بے دام کی اس حقیر کوشش کو بھی دنیا و آخرت میں قبولیت سے نوازے گا۔

اس موقع پر مجھے اپنے والدین مرحومین حضرت مولانا زین العابدین صاحب اور محترمہ بلقیس جہاں صاحبہ کی یاد آتی ہے، جن کی تربیت، میری تعلیم کی طرف توجہ، فکر مندی اور پرسوز دُعاؤں کے طفیل یہ حقیر اس لائق ہو سکا کہ دین اور علم دین کی کوئی خدمت کر سکے، اس کے علاوہ اس بے مایہ نے تعلیم و تدریس، تحقیق و تالیف اور دعوت و تذکیر کے پہلو سے جو کچھ خدمت انجام دی ہے، اس میں اس کی شریک حیات سیدہ جناب صوفیہ نصرت عابدین صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ کا برابر کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے ظاہری و معنوی محاسن سے نوازا ہے؛ کہ بہت کم خواتین میں یہ خوبیاں جمع ہوتی ہیں، نیز انھیں قرآن مجید کی تلاوت اور ترجمہ و تفسیر پڑھنے کا بھی خاص جذبہ عطا فرمایا گیا ہے اور اسی جذبہ کے تحت انھوں نے ایک معلمہ سے لفظاً لفظاً پورے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا ہے، انھوں نے مجھے ہمیشہ سے ہر طرح کی گھریلو

آسان تفسیر

۱۰۰۲

حرفِ آخریں

اُجھنوں سے بچا کر رکھا، بچوں کی تربیت پر توجہ دی، مجھے دینی و علمی کاموں کے لئے یکسو کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ نالہ نیم شبی اور آہِ سحر گاہی کا بھی اہتمام کرتی رہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور دنیا و آخرت کی بھلائوں سے نوازے۔ آمین

والحمد لله أولا و آخراً و صلى الله على خير خلقه محمد و على  
آله و صحبه اجمعين ، و من تبعهم باحسان الى يوم الدين ۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۵ شوال ۱۴۳۷ھ

(بیت الحمد، شاہین نگر، حیدرآباد)

۳۱ جولائی ۲۰۱۶ء

